# مجھ مست کو بھا گئی وہ سانولی

## ایس مروہ مرزا

"تمام ثبوتوں اور گواہوں کے پیش نظر چشم دید گواہی کے بعد پنچائیت اس فیصلے پر پہنچی ہے کہ یاور چوہدری کے قتل کے بدلے اب جو معافی تلافی کی آخری صورت بچی ہے وہ ونی ہے، منظور حسین اس قتل کے بدلے اب اپنی بیٹی کو چوہدریوں کے گھر ونی دے گا۔آج ہم سب سرپنچ درمان چوہدری کے بڑے فرزند سادان چوہدری اور فلذہ حسین کے نکاح بطور ونی کا فیصلہ سناتے ہیں" دور دور تک کھلے کھیت کھیلان کے بیچوں بیچ آج احمد نگر میں ایک بار پھر پنچائیت نے ظالم فیصلہ دے کر پورے گاوں کو ہلا دیا تھا۔

کئی شملے سجا کر بیٹھے معززین اس ہاتھ باندھ کر کھڑے مریل سے منظور حسین کو کاٹ کھانے کی نظروں سے دیکھ رہے تھے اور وہ اس ہولناک فیصلے پر اپنی سرخ آنکھیں چھپا نہ پایا تھا۔

یاور چوہدری جو گاوں کا اوباش اور خبیث وڈیرا تھا، فلذہ جیسی سانولی کی عزت لوٹنے کی کوشش کرنے کے چکر میں اسکے غیرت مند بوڑھے باپ کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ گو فلذہ اس خبیث کی درندگی سے تو بچ گئی مگر جیتے جی اس گاوں کی روایات نے اسے اسکے باپ سمیت زندہ در گور کا فیصلہ دے دیا تھا۔

گو اس خبیث بگھڑے نواب کے قتل نے پورے گاوں کی عورتوں کی عزت محفوظ کر دی تھی مگر یہاں کے اصول انسانی ہو کر بھی نچلے درجے کے حیوانی تھے۔

فیصلے کے بعد دور دور تک گاوں کے جمع شدہ لوگ چہ مگویاں کرتے دیکھائی دیے تھے، ہر طرف روتی سسکتی سرگوشیاں جاری تھیں۔

"خدا کے لیے سرکار، میری معصوم فلذہ کو اس کے بیچ نہ لائیں۔ آپ مجھے پھانسی دے دیں، میری بچی پر یہ ظلم نہ کریں" منظور حیسن بلکتا ہوا التجاء کیے بڑے سرکار کے قدموں سے لپٹا جس پر وہ پتھر بنا درمان ہتک آمیز اور حقارت سے بھر کر اس مسکین کو اپنے لات سے دور پھینک گیا تھا۔ ساتھ بیٹھا کرمان چوہدری بھی ایسے حقارت اور غیر انسانی فیصلے پر صدمے میں تھا، بھلے وہ بھی وڈیرا سہی مگر ایسے جانور اصولوں سے دل تک رنجیدہ دیکھائی دے رہا تھا۔

اک پھنکار تھی جو چوہدری درمان حق کے چہرے پر تھی، اک آگ تھی جو جوان بیٹے کی موت پر سینہ دہکا رہی تھی۔

"وہ بدبخت کالی کلوٹی تیری فلذہ، ارے یہ تو یاورے کی عقل پر پتھر پڑ گئے جو منہ مارا ابھی تو وہاں جہاں ہم تھوکنا بھی پسند نہیں کرتے۔ تجھ کمی کمین کی اتنی اوقات کے تو میرے جگر کے ٹکڑے کو مار گیا، تجھے پھانسی دے دی تو میرے کلیجے کا ساڑ کیسے ہولا ہو گا۔ اب تو بھی اپنی اس ناہنجار بدبخت بیٹی کو

حویلی میں گھسیٹا، پستا اور مرتا دیکھے گا پھر آئے گی تجھے اصل پھانسی۔ لے جاو اس کتے کو اور کسی نالی میں پھینک آو" پورا گاوں اس فرعون کے غضب سے تھر تھر کانپتا تھا، اب تو وہ جنگل کا وہ زخمی شیر تھا جسکے ہاتھوں خود سے بڑے بڑے سورماوں کا بھی خاتمہ ہو جانا ممکن تھا۔

اسکی اوقات نہیں کہ وہ میرے سادان کے پیر کی خاک بھی بنے، یہ تو ہم" ہیں جو ظلم بھی پوری شان سے کرتے ہیں۔ یہ نکاح بس ونی کی وہ روایت ہے جو ادا کی جائے گی، حقیقت میں تیری اس نیچ ذات بیٹی کے زندہ جہنم میں جلنے کی سزا ہے یہ جسکی وجہ سے میرا یاور قتل ہوا" غصہ، درد، حقارت اور ہولناکی کی ساری حدیں وہ وڈیرا توڑ کر پوری پنچائیت پر لرزاں اور وحشت طاری کر گیا تھا۔

منظور حسین تو زندہ لاش تھا جس پر ونی وہ آخری ضرب تھی جس نے اسکی جان جسم سے الگ کی تھی۔ یہ دن اس گاوں کی تاریخ میں درج تھا جب وہ سسکتا، بلکتا رہا لیکن کسی نے اس پر رحم نہ کیا۔

کل سادان سرکار کی شہر واپسی کے فوراً بعد شام یہ رسمی نکاح طے پائے گا، " یاد رہے کہ سادان سرکار اس لڑکی کو بیوی کا رتبہ نہیں دیں گے کیونکہ وہ ایک سزا کے طور پر حویلی کی اچھوت نوکر رہے گی۔ کیا یہاں بیٹھے سب معززین کو ان بد بختوں کی یہ سزا قبول ہے؟" ایک دبنگ جلالی آواز آئی جو سرپنچ کا منشی خاص تھا، تمام بڑے بڑے لوگ ایک دوسرے کی سمت دیکھ کر بے دلی اور دل کے ملے جلے تاثرات سے سر ہلا رہے تھے۔

منظور ہے سائیں، ایسوں کی ایسی سزا ہی ہونی چاہیے " ایک حمائتی چیلا اٹھ کر ہانک لگائے جی خضوری کو اٹھا تو درمان چوہدری کی گردن اکڑ سے تنی اور ماتھے پر کئی شکنیں ابھریں جو نفرت اور حقارت سے اس مٹی کی زمین پر ادھ موئے تڑپتے پڑے منظور حسین پر پتھر کی مانند گڑھی تھیں۔

لیکن یاور چوہدری کی سزا یہی تھی۔ پورے گاوں کی عورتیں اسکی گندی نظروں سے ہراساں تھیں، گستاخی معاف مگر سادان سرکار آپکے ایسے فیصلے پر آگ بگولا ہوں گے۔ یہ آپ بھی بہتر جانتے ہیں کہ یاور چوہدری

کیسے تھے "مجمعے سے ہی ایک بھلامانس سا آٹھائیس کے لگ بھگ سفید قمیص شلوار میں ملبوس وہ شکل سے پڑھا لکھا اور سمجھدار آدمی سر جھکائے خوف سے اٹھ کر بولا اور سارے لوگ اب اسکی اس گستاخی پر اسکو اشارے سے چپ رہنے کا اشارہ کر رہے تھے مگر درمان چوہدری نے اپنے ساتھ سر جھکا کر کھڑے مالو نامی آدمی کے ہاتھ سے کلہاڑی لی اور لپک کر اس لڑکے تک پہنچا جواب تھر تھر کانپ رہا تھا۔

تو بتائے گا اب مجھے، سر پنچ چوہدری درمان کو بتائے گا، موت آئے تجھے۔" ہمارا کھاتے ہو اور ہمیں پر بھونکتے ہو۔جیسا بھی تھا میرا بازو تھا وہ، سنا تم سب نے۔اور میں اسکے قاتلوں کو عبرتناک بنادوں گا، جو اسکی حمایت میں بولے گا اسے بھی کاٹ کے رکھ دوں گا" درمان کی درندگی وہشت ناک تھی اور وہ پوری شدت سے دھاڑ کر اس آدمی کو مار ہی ڈالتا اگر مالو اسے نکیل ڈالے قابو نہ کرتا۔

ہر طرف سناٹا پھیل چکا تھا۔ درمان چوہدری نے ایک خون آشام نگاہ مجمعے میں ڈالی تو سبکو سانپ سونگھ گیا اور پھر اک دھاڑ بلند ہوئی۔ ہر کوئی اس فلک شگاف دھاڑ پر اپنی روحیں جسموں سے الگ ہوتی محسوس کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یار اس بار تو بابا سائیں نے اچانک ہی بلوالیا ہے، مجھے تو سچ پوچھو گاوں" جاتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے۔ خیر جانا تو پڑے گا، لیکن ان شاءاللہ اس بار اماں سائیں کی بھی شکایت دور کر دوں گا، پورے ہفتے کی ایپلیکیش دے دی ہے" یہ سی ایم ایچ میڈیکل اینڈ ڈنٹل کالج لاہور کا مرکزی احاطہ تھا جہاں دو لگ بھگ ستائش اٹھائس سالا لڑکے ڈاکٹری کے کوٹ اور لوازمات سے لیس ہو کر اندر بڑھ رہے تھے۔ لاہور کا موسم آج صبح سے ابر آلود تھا اور ابھی بھی بیرونی فرش پر پانی کے اثرات ویسے ہی تھے۔

سرخی مائیل پر کشش دیکھائی دیتا وہ میٹھا سا انداز لیے اپنے سر کے اٹھے بالوں کو بہت پیار سے بٹھا کر جمائے ساتھ چلتے لڑکے سے بولا اور وہ دونوں کچھ آگے جا کر مرکزی انٹر ہال کے بیرونی دروازے پر رک چکے تھے۔ قد دراز اور چہرے پر شفیق سی فکر مند مسکراہٹ اور کچھ گھر جانے کی خوشی اور اچانک جانے کی پریشانی واضع درج تھی۔ چوہدری سادان حق، میڈیکل کے اختتامی معاملات میں آج یہاں آیا تھا، اس ڈیپارٹمنٹ کا ہونہار طالب علم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک جی دار اور اصول پرست انسان تھا جس نے ناانصاف معاشرے میں پنپنے کے باوجود اپنے وجود سے ہر بے رحمی نوچ کر پھینک دی تھی۔ سامنے بھی کسی سے کم درجے پر نا ممکنہ فائز ہوتا شاویز لاشاری تھا جو یہاں اس اتنے بڑے شہر میں اسکا واحد جگری دوست تھا۔ دونوں ہی سی ایم ایچ ہوسپٹل لاہور میں ابھی ہاوس جاب پر فائز ہوئے تھے اور بہترین سے بھی بہتر انسان اور طبیب تھے۔ جنکا مقصد ڈاکٹری کا پیشہ اوڑھ کر لوٹنا نہیں بلکے ملک و قوم کے نادار اور غریب طبقے کی مدد کرنا تھا۔

حویلی اور گاؤں کے درندگی سے بھرے ماحول کے باوجود ساداں نے اپنے شوق کے آگے کسی کی نہ چلنے دی تھی نہ ہی وہ اپنے اس فرض میں کسی کی سنتا تھا۔

بچپن سے ہی وہ حساس اور ذمہ دار رہا تھا، چچا کرمان حق کی سفارش پر اسے بچپن سے چھوٹ ملی تھی جس وجہ سے وہ دس سال کی عمر میں ہی لاہور آگیا اور یہیں اپنی تعلیم کا سفر جاری کیا۔ گاؤں وہ بے دلی سے جاتا تھا کیونکہ جلاد باپ کے علاوہ ایک پیاری سی کملی اور بچے کی شیدائی ماں رہتی تھی۔ چچا جو اسے اپنے بچوں سے زیادہ چاہتے تھے کیونکہ ساداں میں انھیں اپنے جیسی نرمی اور مہربانی دیکھائی دیتی تھی اور تبھی وہ ساداں کے لیے بڑے بھائی سے بھی بعث مول لے لیا کرتے تھے۔

وہ بلاشبہ بہت پیارا تھا اور میڈیکل کے سارے سالوں اسکے کئی چاہنے والے منظر عام پر آتے رہے مگر وہ اپنے اصولوں پر آج اس سفر کے اختتام تک پتھر پر لکیر کی صورت ڈٹا تھا۔ اسکا پر کشش سراپا سامنے والے کو اسکا

مداح تو کرتا ہی تھا مگر اسکے اونچے خیالات، غریب طبقے سے والہانہ انس اور مظبوط مردانگی تھی جو ہر شے پر بازی لے جاتی تھی۔

"یار تو بھی عجیب ہے، مجھ سے پوچھ گھر جانے کو ترستا ہوں اور ایک تو ہے جیسے یہاں پر چھٹی پلیٹ میں رکھ کر دی جاتی پر جناب کی نزاکت خیزی پر یہ بھی گراں ہے" شاویز کی حس شاعرانہ بھی بیچ میں کودی تو دونوں کے چہروں پر حسین مسکان لے آئی،اور وہ تو سنجیدہ بھی حسین تھا اور اب مسکرا کر تو جناب کے ہنستے نین نقش بھی جلملا اٹھے تھے۔

" یار گھر ہو تو میں بھی نہ گھبراوں، پر وہ تو ایسا تہ خانہ ہے جہاں میرے جیسے نازک کا بہت جلد دم گھٹنے لگتا ہے۔دنیا کہاں سے کہاں چلی گئی لیکن وہاں ابھی تک پنچایتیں معدوم نہ ہو سکیں" لہجے میں اک آہ و فگاں نے سادان کے لفظوں میں ان کہی خلش شامل کی جس پر شاویز بھی اب زرا سنجیدہ ہوا۔

بس یار روایات کا بھی اپنا رونا ہے، دعا ہے کہ رب پاک لوگوں کو ایسے "ظالم رواجوں سے نکلنے کی توفیق دے، خیر چل آج جلدی نکلنا ہے پھر تیری پیکنگ بھی رہتی ہے "پہلی بات دعا میں مکمل غوطہ زن کیسے کہی تو دوسری پر سادان کو وہ اپنا یار کم اپنی بیوی زیادہ لگا تھا۔

تبھی آفت خیز سی مسکان کے سنگ دونوں شہزادے ڈیپارٹمنٹ کی اندرونی جانب بڑھ گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ کچی اینٹوں سے بنا ایک پسماندہ سا اینٹوں اور مٹی گارے سے بنا گاؤں کا گھر تھا جہاں یوں لگتا تھا کسی کی موت واقع ہو گئی ہے۔ محلے کی ساری عورتیں بین زدہ انداز میں کوکتی جا رہی تھیں اور چارپائی کے کنارے کے ساتھ وہ نیم مردہ سا منظور حسین اجڑی حالت میں صدمے میں غرق اجڑا بیٹھا تھا۔

کئی آنسو اسکی سرخ انگارہ ہوتی آنکھوں سے بہتے جا رہے تھے اور محلے کے لوگ تماشائی بن کر کرلانے اور ماتم کرنے میں پیوست تھے۔

اگلا منظر کمرے کا تھا جہاں ملگجی اندھیرے میں کسی نڈھال سے وجود کو دو عورتیں تھامے بیٹھیں تھیں مگر وہ نہ ہل رہی تھی نہ بول رہی تھی۔

سب کہتے تھے وہ بد بخت ہے، سیاہ نصیب ہے۔ پر وہ اسکے باوجود اپنے بابا کی لخت جگر رہی تھی۔

لوگ اسکے سانولے رنگ پر تمسخر اڑاتے تھے، ساتھ کی لڑکیاں جان جان کے اپنے گورے مکھڑوں کی مدح سرائی کیا کرتی تھیں اور وہ بس مسکرا دیتی تھی۔

جب بھی وہ بابا کے پاس آکر کہا کرتی کہ "بابا دیکھیں سب مجھے کالی کلوٹی کہتے ہیں" تو منظور حسین اس بخت بھری کو اپنے سینے میں سمو کر بس یہی کہا کرتا تھا کہ "تو میری فلذہ ہے، تو میرا لخت جگر ہے" اس بات پر وہ اپنے دن کی پہلی مسکراہٹ بابا کو دے کر انکی زندگی بڑھاتی تھی۔

وہ سارے منظر، وہ بابا کا پیار وہ گاؤں کے تمخسرانہ جملے اس سانولی کی آنکھوں میں خون کی طرح ٹپک رہے تھے۔

وہ تھی تو پرکشش مگر اسکا رنگ سانولا تھا، جیسے کسی سانولے شاعر کی سانولی نظم، بھوری بے آس آنکھیں جنکی روشنی وہ بوڑھا باپ تھا جو اسکی بدولت زندہ لاش بن کر گھر کے صحن میں مدہوش حالت میں پڑا تھا۔ وہ نین نقش میں اپنے پیارے بابا پر گئی مگر رنگ روپ میں اپنی اماں ہاجرہ پر چلی گئی جو خود بھی پکے رنگ کی ایک سانولی عورت تھی۔

درمیان سے مانگ نکالے ہوئے وہ کس کے کی چوٹی اب اس اذیت ناک درد نے اجاڑ دی تھی، ابھی پچھلے ماہ ہی تو وہ پورے آٹھارہ کی ہوئی تھی اور اسکے بابا نے تین سال سے جمع کی پونجی سے اسکے سونے کی بالیاں دلائی تھیں۔ وہ یہاں کا اک چھوٹا کمی کمین کسان تھا مگر وڈیرے انکو بس اتنا دیا کرتے تھے جس سے انکے گھر میں دو وقت کی روٹی پک جاتی۔

فلذہ کو سونے کی بالیوں کا بہت شوق تھا اور منظور حسین کی تو ساری دولت وہی تھی، کتنی خوش تھی وہ ان بالیوں کو پہن کر۔

اسکے ہونٹوں پر گلابی لالی ہٹتی ہی نہ تھی، بھلے وہ اس پر اتنی سجتی نہ تھی پر بھدے رنگ کے باوجود اسے سجنے سنورنے کا اسے جنون تھا۔

آج وہ فلذہ ونی کی بھینٹ چڑھ چکی تھی اور اسکے پاس نہ خود پر ماتم کو آنسو تھے نہ اس بوڑھے باپ کی تسلی کو کوئی حرف۔

دل تھے کہ پورے گاوں کے پھٹ گئے تھے، لوگ تسلیاں دے رہے تھے مگر ان دونوں باپ بیٹی کا نقصان نہیں دیکھ رہے تھے۔

قیامت سے پہلے اگر قیامت آئے گی تو وہ منظور حسین کے اس گھر میں آئی قیامت جیسی ہو گئی۔

آسمان سرخ تھا، کیونکہ بہت بڑی زیادتی ہو رہی تھی۔

لخت جگر کو زندہ دفن کرنے کا وقت ہو رہا تھا، منظور حسین کی تکلیف اسکی نبضوں سے دھیرے دھیرے زندگی اچک رہی تھی۔ وہ اپنے ہاتھوں سے

"فلذہ" کی قبر تیار کرنے والا تھا، موت بھی اس دروازے سے خوف کھا کر فرار ہو گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

درمان حویلی میں آج یاور چوہدری کی موت کا تیسرا دن تھا اور اسکی موت کی اطلاع ونی کے فیصلے کے بعد سبکو دی گئی تھی۔ پوری حویلی سوگ، آہوں، چینخوں سے گونج رہی تھی۔ سلطانہ بیگم جو اپنے جوان بیٹے کی موت پر ابھی تک صدمے سے ہی باہر نہ آئی تھیں، انھیں کوئی ہوش نہ تھا کہ وہ زندہ بھی ہیں یا یاور کے ساتھ ہی قبر میں اتر گئی ہیں۔ کسی کو بھی ابھی یاور کی موت کا علم نہ تھا یہاں تک کہ سادان کو بھی نہیں، اسے بس فیصلے کے بعد گاؤں آنے کی ہدایت پہنچ گئی تھی جس پر وہ کل فجر منہ سویرے تک گاؤں پہنچنے والا تھا۔

پوری حویلی سفید اور سیاہ رنگ میں نہا کر سوگ کا ہولناک نظارہ پیش کر رہی تھی۔ حویلی کے کئی ملازمین بھی ہاتھ باندھے غمناک صورتیں لیے کھڑے تھے۔ صحن کے بیچ و بیچ سفید چادروں پر گاوں کی معززین عورتیں بیٹھی قرآن مجید اور سورۃ یاسین کی تلاوت کر رہی تھیں۔ اگر بیتوں کے دھویں نے دل و دماغ کو شل کر کے مزید سوگ پھیلا رکھا تھا۔

ایک طرف سلطانہ بیگم سفید جوڑے اور سیاہ چادر میں لپٹیں متوحش حالت میں تمام لوگوں کے لیے دکھ اور کرب کا مزید سامان بن رہی تھیں۔

پل دو پل بعد انکی آنکھیں بھرنے لگتیں اور پھر کنارے تک بھر کر بہہ پڑتیں اور گالوں سے یہ تپتا سیل رواں گزرنے لگتا۔ ساتھ بیٹھی کومل خود رو رو کر ہلکان تھی۔

کرمان چوہدری اس گھر کے چھوٹے سپوت تھے جبکہ زوجہ حیات نہ تھیں، ایک ہی بیٹی کومل تھی جو پڑھائی مکمل کر کے گاوں کے ایک نجی سکول میں بابا کی سفارش پر تھوڑے سے بچوں کو پڑھاتی تھی۔ آج بھی اس گاوں میں

لوگ اپنی بچیوں کو تعلیم سے کوسوں دور رکھنا اپنا فرض العین سمجھتے تھے اور ان فرسودہ روایات کو ختم کرنے کی موہوم کوشش کرمان حق کر بھی دیتے تو بھائی کا غضبناک غلبہ اور دبدبہ انکو اپنی حد میں مقید کر دیتا تھا۔

اونچی شاہی کرسی پر براجمان وہ پچاسی سالا بوڑھی مگر حد درجہ تیکھے، وہشت ناک غصے اور دکھ سے بھریں ہوئیں اس گھر کی اصل حاکم تھیں۔

انجیل بیگم، درمان حق جیسے درندے نما انسان کی اصل پشت پناہی کرنے والیں ایک چوہدرائن، جنکو آج بھی درمان حق کے اس غیر انسانی فیصلے پر فخر تھا۔

وہ جو منوں مٹی تلے دب گیا تھا، بابا اور دادی کا لاڈلہ تھا تبھی تو آج موت کے ہاتھوں اچک لیا گیا تھا۔

کچھ فاصلے پر ہاتھ باندھ کر کھڑے کرمان حق اور منشی مالو بھی اشک بار ہوتی آنکھوں سے سلطانہ بیگم کا کرب دیکھ کر رنجیدہ تھے۔ سادان سے چھوٹے دو بھائی اور بڑی ایک بہن عالیہ تھی جو اسی گاؤں کے ایک اور چوہدری کی

بہو تھی۔ سادان سے چھوٹا یاور تھا اور اس سے چھوٹا تیمور تھا جو ابھی سولا سال کا تھا مگر اسکے رنگ ڈھنگ بھی یاور سے کچھ الگ نہ تھے۔

گاؤں کے سارے اوباش لڑکوں کا ہیڈ وہی جانا جاتا تھا، یعنی یاور کے بعد اب گاؤں کی عورتیں اگر کسی کا عنقریب شکار ہوں گی تو وہ تیمور چوہدری ہو گا۔

سادان کی طبعیت سب سے الگ تھی، وہ اپنی ماں پر تھا، سلطانہ بیگم بھلے غیر تعلیم یافتہ سی گھریلو خاتون تھیں مگر وہ نرم دل تھیں۔ اور سادان کو یہ نرمی کچھ دادا کی طرف سے اور کچھ ماں سے ملی تھی۔

چوہدری درمان کا حویلی میں آنا ہر چیز کو پتھر کر دیتا تھا، وہ اکڑتے ہوئے حویلی کے دالان میں آیا جہاں گاؤں کی عورتیں اب ایک ایک کر کے وہاں سے اٹھ کر جانے لگیں تھیں۔

کریم کلر بوسکی کا سوٹ، کندھوں پر چادر اور سر پر مہرون شملہ سجائے وہ ایک درندہ صفت انسان بہت بڑی بے رحمی کر کے لوٹ آیا تھا۔

رات تک فلذہ کو حویلی میں اٹھوا کر لایا جانا تھا اور آج کی رات اسے کال کوٹھڑی میں رہنے کی سزا ملنی تھی جس پر عشاء کی نماز کے بعد عمل در آمد ہونا تھا۔

"یاور کے مجرموں کا انجام اب اس گاوں کا بچہ بچہ دیکھے گا، بس کر و یہ سوگ تم سب۔ سوگ تو اب وہ منائیں گے جن پر میرا قہر ٹوٹے گا" حویلی کی دیواریں اس چیرٹی دل دہلاتی آواز سے لرز گیئں تھیں، کسی میں ہمت نہیں تھی کہ وہ چوہدری درمان حق کے سامنے زبان کھولتا۔

"مر گیا میرا یاور، مار دیا میرے بچے کو۔ مار دیا آپ دونوں ماں بیٹوں نے مل کر، کہا تھا اسے ایسی ڈھیل نہ دیں۔ دیکھ لیں انجام، میرا کلیجہ پھٹ چکا ہے" سلطانہ بیگم کی دردناک چینج پر انجیل بیگم اور درمان نے خونخوار انداز میں انکی سمت دیکھا، درمان تو اسکا گلا دبانے وہشت سے اسکی جانب لپکا مگر کرمان نے بمشکل پوری طاقت سے روکا۔

کیا بکواس کر رہی ہے تو بد بخت عورت، دوبارہ ایسا کہا تو زبان کھینچ لوں گا"""
وہ تو گویا ہتھے سے اکھڑ کر ان پر برس ہی پڑتا مگر سلطانہ بیگم کا دل تھا کہ پہلے
ہی لہو رو رہا تھا۔

دفع مار اسے، اسکا بس چلے تو تم مردوں کو چوڑیاں پہنا دے۔ بدلا مرد کی"
شان ہے، مجھے تجھ پر فخر ہے درمان۔ ان پنچ لوگوں کی یہی سزا تھی" وہ جو
آگ کی طرح دہک رہا تھا، ماں نے اٹھ کر تسلی دی تو اسکے چہرے کا افشار ہوتا
خون واپس بحال ہوا مگر وہ یوں دیکھ رہا تھا جیسے آج ہر کسی کو زندہ در گور کر
کے رکھ دے گا۔

بس اماں میرا سینہ ان لوگوں کی تباہی ٹھنڈا کرے گی، میرا بچہ چلا گیا۔ میرا"
یاور چلا گیا، او کمیلا یہ تو تیرے باپ کے جانے کی عمر تھی تو کہاں چل دیا"
وحشت نے ان آنکھوں میں بھی نمی اور تکلیف اتاری تو ہر آنکھ اشک بار
ہوئی۔

یہاں تک کہ سلطانہ بیگم لڑکھڑاتی ہوئیں اٹھیں تو کرمان نے کومل کو انکے ساتھ رہنے کا اشارہ کرتے ساتھ بھیجا۔ کومل بھی بہت پیاری اور حساس تھی، اور سب سے بڑھ کر وہ کرمان کی طرح نازک دل رکھتی تھی۔

بس کر درمان، حوصلہ کر پتر "انجیل بیگم کو تو انکی سفاکی پر ایوارڈ دینا بنتا تھا،" خدا ایسوں کی عقل پر پتھر اور دلوں میں سیاہی اتار دیتا ہے۔

ظالم کے ظلم کی عمر جتنی بھی طویل کیوں نہ ہو، ایک دن انکے ہر ظلم کا حساب وہ آسمان پر بیٹھا اللہ لے کر رہتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات کی تاریکی اپنے جوبن پر تھی، محلے کے لوگ ان دونوں باپ بیٹی کی زندہ لاشوں پر رو کر جا چکے تھے۔ عشاء کی آذانوں کو بس کچھ دیر تھی۔ گھر کا صحن، بلب کی شعلہ نما روشنی میں نہا کر مزید دردناک منظر پیش کر رہا تھا۔

وہ بابا کی گود میں سر رکھے بے جان اور نڈھال تھی، جب جب وہ نظر اٹھا کر بابا کو دیکھتی تو وہ مسکین سخت شدت سے رونے لگتا۔ وہ اب بابا کو بنا دیکھے رو رہی تھی، اسکارو پ بکل کسی بے جان ہوا کی طرح دل کو بجھا رہا تھا۔ اسکی بڑی بڑی بھورے کٹوروں والی آنکھیں متورم ہو کر مزید لال تھیں، بال چوٹی سے نکل کر اسے مزید اجڑا پیش کر رہے تھے۔

بابا میرا گلا دبا دیں، بابا مجھے اپنے ہاتھوں سے مار دیں۔ میں وہاں بھی مر جاوں گی، بابا مجھے نہیں جانا۔ میرے پیارے بابا مجھے بچا لیں، اپنی فلذہ کو بچا لیں بابا، وہ سب مجھے مار دیں گے" اللہ کے سامنے وہ رو رو کر تھک گئی تو سسکتی ہوئی بابا سے التجائیں کرنے لگی۔ یہ جانتے ہوئے کہ اسکی ایک ایک سسکی اسکے پیارے بابا کی سانس میں کمی کرے گی۔

وہ کس کو اپنا درد کہتی، کون تھا اسکا۔ ایک پیارے بابا جو موت کے منتظر تھے۔ کاش موت آنی آسان ہوتی تو آج وہ اپنا اور فلذہ دونوں کا خسارہ ختم کر دیتے۔ پر یہ موت، جب تک لکھی نہ ہو کب آتی ہے۔

فلذہ تو میرا لخت جگر ہے، میں خود مر سکتا ہوں پر تیری موت نہیں دیکھ سکتا۔ مجھے معاف کر دے فلذہ تیرے بابا تجھے اس درندہ صفت دنیا سے بچا نہیں سکے۔ میری معصوم فلذہ تیرے بابا تجھے اللہ کی پناہ میں دیتے ہیں، مت رو فلذہ ابھی اصل رونا تو آگے ہے" سرخ ہوتی لرزتی، زرا زرا کانپتی فلذہ کو سانس میں دشواری ہو رہی تھی۔

منظور حسین رو رو کر ہی مر جانے کی سرحد پر آچکا تھا، آج آسمان کیوں نہیں پھٹ رہا تھا۔

بابا مجھے اکیلا مت کریں، بابا یہیں فلذہ کی قبر بنا دیں۔ بابا میرے اچھے بابا" ہو ناں آپ، بابا نہیں چھوڑو مجھے" فلذہ کو اپنے قدموں سے اٹھائے وہ روتا باپ اسے بس سینے سے ہی لگا سکتا تھا، یہ دنیا ان پر تنگ تھی۔

ستم یہ تھا کہ موت نے بھی منظور حسین کے گھر آنے سے انکار کر دیا تھا، منظور حسین کو اپنے ہونے پر دکھ تھا۔

نہ التجائیں کر، یہ دنیا ہم جیسوں کی نہیں ہے۔ یہ انکی ہے جنکو ہم جیسے بس" زمین کے کیڑے محسوس ہوتے ہیں، میں تجھے اللہ کے سپرد کرنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا فلذہ۔ اپنے بابا کو معاف کر دینا، اپنے لخت جگر کو چھلنی ہوتے دیکھنے پر کوئی باپ ایسا مجبور نہ ہو جیسا منظور حسین بدبخت ہے" فلذہ نے بلکتی آہوں کو معدوم کر کے اپنے دونوں نازک ہاتھوں سے بابا کا چہرہ ہاتھوں میں بھرا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

وہ کملا بھی اپنی اکلوتی کائنات کو سینے میں سموئے ویسا ہی رویا۔

آسمان تک اس دلخراش منظر پر آبدیدہ تھا، روح تیر سے سنی تھی۔ لکڑی کے لاغر سے دروازے کی دستک نے ان دونوں کو پتھرا دیا تھا۔

گیڈ بڑی طرح پیٹا جا رہا تھا اور پھر ایک ہی دھکے سے یکے بعد دیگرے کئی چوہدری کے سانڈ نما آدمی اندر گھسے تو منظور حسین اٹھ کر اس کانپتی فلذہ کی کمزور ڈھال بنا۔ دروازہ اس وقت پیٹے جانے کے باعث ایک بار پھر پورا محلہ منظور حسین کے گھر کے سامنے اکٹھا ہو گیا تھا۔

وہ روتا رہا، پیٹتا رہا مگر وہ خبیث شکلوں والے آگے بڑھ کر فلذہ کو بازو سے گھسیٹ کر باہر لپکے۔ فلذہ کی فلک شگاف چیخیں پورے گاوں نے کسی صور کی مانند سنی تھیں۔ آسمان تجھے اس درندگی پر گر پڑنا چاہیے تھا، اے زمین تو کیوں سلامت رہی جب ایک پیارے بابا سے اسکی لخت جگر الگ ہوئی۔

منظور حسین نے تڑپتے ہوئے آگے بڑھنا چاہا تو ایک بھدی شکل والے سانڈ نے اس مسکین کو گھونسا مارا اور فلذہ کو لے کر نکل گئے۔

ان کے جاتے ہی باہر کھڑے لوگ پریشانی سے روتے ہوئے منظور حسین تک پہنچے جسکے منہ اور ناک سے خون کا فوراہ پھوٹ رہا تھا، تکلیف کے باوجود منظور حسین کسی مچھلی کی طرح سسک کر تڑپ رہا تھا۔

یا اللہ میری فلذہ تیرے حوالے، میری فلذہ تیرے حوالے "لوگ اس" ظلم پر اشک بار تھے، مجمعے سے وہی لڑکا بھاگتا ہوا منظور حسین تک آیا جسکے ہاتھ میں دوا اور میڈیکل کا سامان تھا۔

یہ وہی بشیر نامی لڑکا تھا جس نے دن جرگے میں درمان چوہدری کے آگے بولنے کی جسارت کی تھی، وہ منظور حسین کو اب دو اور محلے دار آدمیوں کی مدد سے اندر لے جا رہا تھا۔ وہ یہاں کی میڈیکل ڈسپنسری میں کام کرتا تھا اور سادان اسے بہت سراہتا تھا۔ کیونکہ بلاشبہ وہ ایک جی دار اور قابل لڑکا تھا۔ انکی مرہم پٹی تو کر دی مگر منظور حسین نیم بیہوشی میں بھی تڑپ رہے تھے اور سب لوگ سراپا دکھ اور درد میں غرق ہو گئے۔

فلذہ کو وہ غنڈے حویلی لے کر گئے جہاں انجیل بیگم نے اسے کال کوٹھڑی میں پھنکوا دیا اور ونی کے نکاح تک اسے یونہی بھوکا پیاسا رکھا جانا تھا جو انکا رواج تھا۔

نکاح کے بعد اسے گھر کے باقی ملازمین میں شامل کیا جانا تھا مگر اس سے پہلے فلذہ پر کئی عذاب اترنے تھے۔

کال کوٹھری کی سیاہ دیواریں، اور وہ بس یااللہ کہہ رہی تھی یاپیارے بابا۔

اسکی آواز حلق سے باہر آنے سے انکاری تھی، اسے اندھیرے سے ڈر لگتا تھااور ان ظالموں نے اس ننھی جان پر پہلا ظلم ہی اندھیرے کا ڈھایا تھا۔

فلذہ کی مدد کواب اللہ ہی کوئی رہنما بھیجنے کو تھا، اسکے بابا نے بھی اسے اللہ کے سپرد کیا تھا۔

اور اللہ جس کی حفاظت کرتا ہے اسے تکلیف تو دور، تکلیف کے سایے تک سے بچالیتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دور دور تک سحر کا اندھیرا گاؤں کی داخلی پٹی پر پھیلا تھااور سردی کی ہلکی ہلکی آمد پر ہی اب یہاں کماد کی کاشتکاری کے متعلق سوچا جارہا تھا۔

ستمبر کاشت اگرچہ ماہ ستمبر کے دوران مکمل کرنے کی سفارش کی جاتی ہے۔ لیکن حالیہ سالوں کے دوران موسم پہلے کے مقابلے میں زیادہ گرم اور خشک رہنے لگے ہیں۔اس لئے جس سال ستمبر میں درجہ حرارت سینتیس سینٹی گریڈ یا زیادہ ہو اس سال اس موسم کے کماد کو اکتوبر میں ہونے کی سفارش کی جاتی تھی۔اسی طرح اگر مون سون کی بارشیں کم ہوں، تو ایسی صورت میں بھی یہ فصل وسط اکتوبر تک بھی کاشت کی جاتی تھی۔ ستمبر کاشتہ کماد کے سموں کو جلدی اگاؤ دینے والے ٹانک یعنی فرٹی گرین سٹارٹ لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی اور اسی وجہ سے اس بار گاوں میں اس فصل کی کاشت جاری کی گئی تھی۔

گاڑی مالو چلا رہا تھا اور چہرے پر ہولناک چپ تھی جسے سادان کافی دیر سے نوٹ کر رہا تھا۔

گاوں آنے کے لیے وہ اپنا وہاں کا لباس بدل کر باباسائیں کا ہدایت پر عمل کُرتا شلوار زیب تن کیے ہوئے تھا،اوپر واسکٹ اور یہ لباس سادان کے

دراز، رعب دار اور مردانہ وجاہت سے لبریز سراپے پر زیادہ جچتا تھا۔ مالو چچا کی خاموشی اور گاؤں کی تاریک افسردگی سے تنگ آ کر اب سادان مزید چپ نہیں رہ پا رہا تھا۔

مالو چچا، خیر ہے آج آپ بڑے چپ ہیں۔ گاؤں میں سب خیر ہے ناں، " بابا سائیں نے اس بار یاور کے بجائے آپکو کیوں بھیجا ہے" سادان جو پچھلی نشت پر آرام دہ انداز میں براجمان تھا اب تنقیدی اور فکر مند نگاہوں سے مالو کے چہرے کے بدلتے تاثرات دیکھ رہا تھا جہاں یوں لگ رہا تھا خون کی رمک تک باقی نہ تھی۔

کیا بتاتا کہ گاؤں میں تو قیامت برپا ہو گئی تھی، یاور چوہدری تو قبر میں جا لیٹے تھے۔

یہ حقیقت مالو ابھی سادان کو نہیں بتا سکتا تھا کیونکہ اسے اجازت نہیں تھی، سادان بھلے حساس تھا مگر وہ سامنے والے کے چہرے کی شکنیں دیکھ کر بتا دیتا تھا کہ وہ کس حالتِ اضطراب میں پیوست ہے۔

آذان کی بلند ہوتی آواز پر سادان نے مالو کی خاموشی کو نوٹس لیتے ہوئے سڑک کے پار بنی مسجد کو دیکھ کر گاڑی رکوائی تو مالو نے فوراً سے تابعداری میں گاڑی روکی اور بجلی کی رفتار سے اپنی سر کی ٹوپی اور کندھے کی شال درست کرتا باہر نکلا مگر سادان اس سے پہلے ہی گاڑی کھولے باہر نکل چکا تھا، اسے اپنے کام خود کرنا پسند تھے۔

ایک خفا سی نظر سادان نے مالو کے چہرے پر ڈالی جو بتا گئی کہ وہ سمجھ گیا تھا کہ کوئی بات ضرور ہے۔

حویلی پہنچنے میں ابھی بہت راستہ ہے، جاتے جاتے نماز قضا ہو جائے گی۔" چلیں نماز پڑھ لیتے ہیں" سادان نے مالو کے تاثرات بھلا کر گاڑی کا دروازہ بند کیا اور مالو چچا کے ساتھ اندر جانے کو تیار ہوا مگر اسکے قدموں کو بریک لگی دیکھ کر سادان نے افسوس سے گردن موڑی تو مالو شدید گڑبڑائے تاثرات دے رہا تھا۔

سائیں سرکار وہ ناں میں آنے سے پہلے بھینس نہلا کے آیا تھا تو ممکن ہے" کوئی پلیتی کا چھینٹا پڑ گیا ہو، آپ جائیں میں گھر۔۔۔ گھر جا کر" سادان کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ مالو چچا کا دماغ اپنی جگہ سے ہلا ہے۔ سادان کے خفا تاثرات اور سنجیدہ تیوری نے مالو کے کئی لفظ زبان پر ہی مقفل کیے اور وہ اب مکمل مالو کے روبرو تھا۔

خود کو ہر وقت پاک وصاف رکھنا ہمیں ہمارا دین سیکھاتا ہے خاص کر سفر" کے دوران چچا مالو، مجھے آپ سے ایسی امید نہیں تھی۔ خیر آپ یہیں رکیں میں آتا ہوں" ساحرانہ انداز لیے وہ ایک ایک لفظ مالو چچا کو انکی آنکھوں میں جھانکے کہہ کر خود مدھم رفتار کے سنگ مسجد کے داخلی دروازے کی سمت بڑھ گیا جبکہ مالو نے اپنی ٹوپی اتار کر اکا دکا بالوں میں ہاتھ پھیر کر آسمان کی سمت دیکھا۔

نماز چھوڑے تو عرصہ بیتا ہے، کس منہ سے جاتا۔ جامالو تیرا بیڑا غرق ہو"""
اک دکھ تھا جو مالو کی آنکھوں سے نیر بہا گیا اور وہ خود پر افسوس کیے وہیں کچی سڑک کے ساتھ بنے پتھر پر جا بیٹھا۔

سادان اس داخلی سرحد پر بنی مسجد میں آج پہلی بار اتفاقاً آیا تھا۔ فجر کی جماعت کھڑی ہو چکی تھی اور وہ بھی وضو کیے اب جماعت کے ساتھ ہو لیا تھا۔

امام مسجد نفیس سے سرخ داڑھی سے لیس میٹھی آواز میں جماعت کروا رہے تھے، وہ ہمیشہ سے نمازی نہیں تھا مگر اسے نمازی بنانے میں اللہ کی ہدایت کے بعد اسکے اکلوتے جگری یار شاویز کا ہاتھ تھا۔

جو ایک موذن کا بیٹا تھا اور اچھی صحبت کے باعث اس پیارے شخص نے اپنی یہ میٹھی فرحت بخش عادت چوہدری سادان حق پر بھی جما دی تھی۔

وہ واقعی اس وقت ایک پاکیزہ مرد کا روپ دھارے امام مسجد کے پیچھے بنی آخری صف میں نماز ادا کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا جیسے اس پر بابا اور

دادی کارتی برابر اثر نہ تھا، ایک ایسا مرد جسکی خواہش ہر عورت بنا سوچے کرتی۔

وہ جب بھی یہاں آتا تھا تو اپنی سپیشل اماں سائیں کے ہاتھ کی بنی ٹوپی بھی جیب میں رکھتا تھا اور نماز کے دوران وہی پہنتا تھا۔

اپنے شہزادے بچے کے لیے انہوں نے سفید دھاگے میں کہیں کہیں سفید موتی پرو کر اسے دلکش بنایا ہوا تھا۔

نماز کے بعد امام مسجد دعا کے لیے ہاتھ بلند کیے ہوئے دعائے خیر اور بدی سے نجات کی التجاء کر رہے تھے اور وہ بھی انکی رہبری میں ہاتھ بلند کیے نا جانے کیا مانگ رہا تھا کہ سادان کا پر نور چہرہ امام مسجد کی نظر میں غیر دانستہ آیا اور انکے چہرے پر اک دلفریب مسکان آئی۔

وہ پہنچ آیا ہے، رب بر تر تیری شان کا یہ نظارہ آج یہ ادنی امام اپنی آنکھوں " سے دیکھ رہا ہے۔ بلا شبہ جو تجھے سونپا جائے تو اسکی بہتر حفاظت کرتا ہے "

امام مسجد دعا روک کر اس نورانی چہرے پر اپنی شفیق اور میٹھی نظریں

جمائی بولے اور پھر سے آنکھیں بند کیے دعا میں مشغول ہو گئے۔ سادان نماز کے بعد وہاں سے نکل آیا مگر اسے جاتے ہوئے وہ امام مسجد دیکھنے کو باہر تک آئے اور اپنے دونوں ہاتھ عاجزی سے آسمان کی سمت اٹھا کر آنکھیں نم کر گئے۔

اگلی بار مجھے اس سے ملاقات کا شرف دیجئے گا" یہ دعا ایک مسجد کا امام کر رہا تھا، یقینا یہ رب کا کوئی بھید تھا۔ جس سے پردہ اگلی ملاقات میں اٹھنا تھا۔ بلاشبہ جس کا محافظ اللہ ہو، اسے اس زمانے کے غمناک سلوک کی کیا پرواہ۔ کہیں آسمان سے سحر کے اس وقت بھی کوئی ستارہ تیزی سے گردش کرتا ایک سے دوسری سمت دوڑا تو امام مسجد کے چہرے پر پھر سے اسیر مسکان آئی اور انکا جھریوں والا چہرہ ہو کر بھی شاداب ہوا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ گاڑی سے نکل کر باہر نکلا تو سامنے چوہدری درمان حق کو پتھرائے تاثرات سے کھڑا پا کر چونکا، یہ پہلی بار تھا جب اسکا استقبال وہ ہنستی پر تپاک آنکھوں کے بجائے رنج سے گندھی اکھیوں سے کرنے والے تھے۔ انکے ساتھ ہی تیمور، کرمان اور دو حویلی کے جدی پشتی ملازمین جن میں ایک مالو کا بیٹا عاقل تھا اور دوسرا عمر رسیدہ ساعالی، ان سب کے چہروں کے بیچ سادان کو یاور کی کمی اچانک محسوس ہوئی مگر وہ اسے یونہی دماغ سے جھٹکتا ہوا ان تک پہنچا، مالو پر نظر پڑی تو وہ بھی آنکھیں پونچھتا ہوا اب سادان کا بیگ عاقل کو اسکے کمرے میں پہنچانے کا اشارہ کر رہا تھا۔

سادان کو کسی انہونی کے خدشے نے گھیرا تھا، یہ سب اسے عجیب سے پھٹے تاثرات سے دیکھ رہے تھے اور پھر اچانک تیمور روتا ہوا سادان سے جا لپٹا تو باقیوں کی آنکھیں بھی نمی سے سرخ ہوئیں۔

سادان دم سادھے خود سے لپٹ کر روتے تیمور کے اس عمل سے دل تک ہلا اور پھر سوالیہ نظریں بابا سائیں پر گئیں تو دل بری طرح لرزا۔

نظر حویلی کے کھلے دروازے کے پار حویلی کی مردہ فضا پر گئی تو سادان نے تیمور کو آہستگی سے خود سے الگ کیا اور بے قراری سے لپک کر باباسائیں تک پہنچا جو درد سے اسی کو دیکھ رہے تھے۔

"باباسائیں کیا ہوا ہے، یہ سب ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں۔ یہ حویلی کی ماتمی فضا، اور اور یہ یاور کا بچہ کہاں ہے۔ باباسائیں یہ آپکی آنکھیں، کرمان چاچو آپ ہی بولیں کے کیا ہوا ہے" خوفزدہ سا رنگ لیے سادان کملا ہو گیا اور ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے، کرمان نے روتی سی آنکھوں کے سنگ آگے بڑھ کر سادان کو سینے میں بھینچ ڈالا مگر وہ فق ہوتے چہرے کے سنگ باباسائیں کا بھیانک تاثر سے اٹا چہرہ دیکھ کر سہم چکا تھا۔

"یاور مر گیا ہے سادان، یاور مر گیا ہے" کرمان کی آواز خود کسی گہری کھائی سے آئی اور سادان کا چہرہ سفید ہو گیا۔

وہ انکو خود سے زبردستی دور کیے اب باباسائیں کی سمت لپکا جو سر جھکائے کرب کی اونچی مسند پر فائز تھے۔

بابا سائیں، بابا سائیں یہ کیسا مزاق ہے۔ خدا کے لیے بولیں کہ یہ جھوٹ" ہے، یاور مر نہیں سکتا۔ نہیں مر سکتا، وہ کیسے مر گیا۔ کیسے مر گیا بولیں خدا کے لیے" سادان کی حالت غیر تھی اور اب کرمان ہی اسے سنبھالنے آگے بڑھے مگر درمان جو پتھر کا مجسمہ بنا تھا اب اسے اپنے سینے میں سمو گیا تھا۔ دونوں کی آنکھوں میں نمی کا جہاں تھا اور آج اس حویلی نے سادان حق کو دردناک روتے دیکھا تھا۔ وہ بھائی جو ہر بری حرکت پر اس سے مار کھانے کے بعد بھی اسے نہیں چھوڑتا تھا، سادان جب جب حویلی آتا تو ایک بار یاور کی پھینٹی لازمی لگاتا تھا۔ وہ بگھڑا سا خبیث ہو کر بھی سادان کے دل کا ٹکڑا تھا، وہ کیسے مر سکتا تھا۔

سادان کو لگا اسکے حواس شل ہیں، اسکی آنکھیں سرخ دہکتا انگارہ تھیں۔ ہر کوئی سادان کی حالت پر ابھی سے اشک بار تھا اور ابھی تو اصل قیامت آنی تھی۔

سلطانہ بیگم تو سادان کو دیکھ کر دوڑ کر اس تک آئیں اور لپٹ گئیں، کتنا بڑا دکھ تھا جو حویلی پر ٹوٹ پڑا تھا۔ وہ ماں جو رو کر مرجھا چکی تھی، اب سادان کے سینے سے لگے پھر سے درد ناک رو دی۔

وہ دادی جو ہر سفا کی کی چیئر وومین تھی، ایک بار پھر سے درد ناک کوک اٹھی۔

سادان کو لگ رہا تھا کہ وہ واقعی آج آپنی آنکھوں سے قیامت کا منظر دیکھ رہا ہے، اسے فی الحال تکلیف اور دکھ کا گہرا صدمہ تھا۔

یاور کی شکل، اسکی شوخی مستاں، اسکا پھڑ کیلا مار کھانے کا انداز سب سادان کو مزید گہرے غم میں غرق کر چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسکی سانس اٹک رہی تھی، یہاں وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں خوف و درد سے آہیں اور ہچکیاں لے رہی تھی اور وہاں کمرے کے عین وسط میں تڑپتا منظور حسین بمشکل سانس لے رہا تھا۔

بشیر ساری رات منظور حسین کے ساتھ رہا اور وہ اس تڑپتے سسکتے اور ہولناک تکلیف میں ڈوبے بوڑھے لاچار باپ کی تکلیف کا چشم دید گواہ تھا۔ وہاں وہ بنا کسی روشنی والے تاریک کمرے میں مسلسل آہیں بھرتی جارہی تھی۔

فلذہ میری فلذہ، تو بابا کا لخت جگر تھی "بشیر جو ٹھوڑی پے ہاتھ رکھے" منظور حسین کو دیکھتا ہوا نیند میں چلا گیا تھا، اس بوڑھے باپ کی اذیت سے گوندھی آواز پر ہوش میں آیا۔

منظور چچا ہوش کریں، آپکی فلذہ کو کچھ نہیں ہو گا۔ اللہ پر بھروسہ رکھیں """

بشیر خود حساس سا نوجوان تھا اور یوں منظور حسین کے گھر پر قیامت ٹوٹنے کا اسے بھی رنج تھا مگر اس گاؤں کی روایات اور قدامت پسند غیر انسانی رسومات آج تک وہی فرسودہ اور درندہ صفت تھیں۔

میری فلذہ بہت معصوم ہے، وہ کیسے رہے گی تنہا۔ میں نے تو اسے سوئی" تک نہیں چبھنے دی تھی اور قسمت نے میری فلذہ کو کہاں جا کر پٹخ دیا۔ اللہ ۔۔۔۔۔۔ یا اللہ تو انصاف کر، میری فلذہ کو بچا لے" کئی آنسو وہ کملا بے کس باپ بہاتا گیا اور بشیر کے پاس بھی رنج کی اس لازوال صورت حال میں کوئی تسلی اور آسرا نہ بچا تھا۔

خود بشیر کا باپ انہی چوہدریوں کی غلامی کرتا کرتا آخر میں انہی کے ہاتھوں مارا گیا اور آج تک بشیر کو کسی نے انصاف نہ دیا تھا۔

وہ یتیم بچہ بھی بڑا بلبلایا تھا، مگر اس گاؤں کی جان سوز روایات نے کسی کے آنسو کی پرواہ نہ کی تھی۔

ایک بوڑھی ماں تھی جو سلائی کا کام کر کے بشیر کو پڑھاتی رہی تھی، اور اب بھی گاؤں کی بچیوں کو سلائی سیکھاتی تھی۔ اس ماں کے صبر اور ریاضت کا ثمر بس بشیر احمد تھا۔

آج منظور حسین کا کرب دیکھ کر اسے اپنا بھی ناسور کی مانند دل کے ویڑے میں سجا زخم ہرا محسوس ہوا اور تبھی اس کی آنکھوں میں سرخی اتر آئی تھی۔

"فلذہ میری بہن جیسی ہے چچا، میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ سادان سائیں کو سارا سچ بتاوں گا۔ وہ ایسے نہیں ہیں کہ کسی معصوم پر ظلم ہونے دیں۔ آپ خود کو سنبھالیں، آپکو کچھ ہو گیا تو وہ نمانی تو یونہی مر جائے گی" بشیر کی تسلی پر منظور حسین مزید پھوٹ پھوٹ کر رویا تھا، اسکے ہاتھوں اسی رحم دل سادان کا بھائی مرا تھا بھلا وہ جتنا بھی اچھا ہو جاتا۔ رحم کا تو سوال بھی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

"وہ اپنے بھائی کا خون کیسے معاف کرے گا، وہ بھی تو چوہدری درمان کا خون ہے۔ میرا تو بس اللہ مددگار ہے، میری فلذہ۔ میری اچھی فلذہ" منظور

حسین خود کو کوئی جھوٹی تسلی نہیں دے سکتا تھا، اسے بس ہر طرف قیامت دیکھائی دے رہی تھی۔

بشیر بھی اسکے بعد کچھ نہ بولا، منظور حسین کا چہرہ سوجھ چکا تھا۔آنکھیں تھیں کہ کربناک منظر پیش کر رہی تھیں۔

کمرے کی سیاہ تاریکی جسم سے روح کو کھینچ رہی تھی اور بچ نکلنے کی کوئی سبیل نہ تھی۔

اور اس کال کوٹھڑی میں مٹی سے اٹی زمین پر بے جان پڑی بابا کی لخت جگر رفتہ رفتہ مر رہی تھی، وہ مر رہی تھی اور موت اس کے سامنے لہرا لہرا کر دامن چھڑوا رہی تھی۔ابھی کچھ وقت بعد اسکی زندگی مزید جیتے جی موت سے بدتر بننے والی تھی اور اب اسکے آنسو ختم ہو کر آنکھوں سے لہو برسانے کا سامان کیے بیٹھے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ابھی یاور کی موت کا صدمہ کم ہوا نہیں تھا اور سادان کے دل و دماغ کو ایک نیا دھچکا دے کر اسکے جسم سے سارا لہو کھینچ لیا گیا تھا۔

وہ پھٹی آنکھوں اور فق ہوتے چہرے کے سنگ درمان چوہدری کے انکشاف پر پتھر کا وہ مجسمہ بنا جسکو بس ایک ہلکی ٹھوکر درکار تھی اور اس نے شکستہ ہو کر مسمار ہو جانا تھا۔

حویلی کے اندرونی ہال میں تمام لوگ ہولناک شکلیں لیے سادان اور درمان کو ایک دوسرے کے سامنے کھڑا دیکھ کر خوفزدہ تھے۔

کیا؟ کیا کہا آپ نے بابا سائیں۔ یاور کو منظور حسین نے قتل کیا ہے۔ میں "نہیں مان سکتا، کیوں قتل کیا۔ کوئی مجھے بتائے گا یا میں خود اس سے حساب لینے جاؤں" سادان کی سرخ آنکھیں اب خون آشام تھیں اور وہ اپنی آواز مکمل محدود رکھے بھی دھاڑا تھا جس پر اب انجیل بیگم اپنے چادر درست

کرتی ہوئیں ہاتھ میں چھری تھامے چلتیں ہوئیں ان دونوں تک آئیں اور نظریں کسی غیر مرئی نقطے پر پتھر ہو کر حقارت سے بھر گئیں۔

پہلے ونی کا نکاح ہو گا، تجھے جو پوچھنا اور جاننا ہے وہ بعد میں" دادی کی تڑختی سی حکم کی ترنگ میں کہی بات پر سادان نے بے یقینی اور صدمے سے ان لوگوں کی ان فرسودہ رسموں پر اپنا سر جکڑنا چاہا تھا۔

آپ سب اپنے ہوش میں ہیں یا نہیں، یہاں یاور کا کفن میلا نہیں ہوا اور " میں یہ نکاح کر لوں۔ اور ونی! خدا کے لیے اس بابرکت رشتے کو سزا اور درندگی کا لبادہ آپ کب تک اوڑھاتے رہیں گے۔ جب تک مجھے یاور کی موت کی سچائی کا علم نہیں ہو گا میں آپ لوگوں کی کوئی بات نہیں سنوں گا" اپنی بات ضبط کے دہانے پر کھڑے ہو کر وہ کہہ کر وہاں سے چلا جاتا اگر درمان چوہدری کی دبنگ لرزاں خیز آواز سادان کے قدم زنجیر نہ کرتی۔

سختی اور برہمی سے سادان نے اپنی مٹھیاں بھینچ کر قدم روکے اور بنا مڑے بمشکل سانس لیے رکا۔

سادان! تجھے جتنا لاڈلہ کیوں نہ رکھا ہو لیکن باپ کے سامنے زبان" درازی کا حق نہیں دیا گیا۔ واپس پلٹ، وہ دونوں باپ بیٹی یاور کے قاتل ہیں۔ اس پیچ ذات نے یاور کو ورغلایا اور وہ اس کی باتوں میں آ گیا۔ منظور حسین نے ان دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑا اور اپنی بدکردار بیٹی کے بجائے میرے معصوم بچے کو مار دیا" اللہ کا قہر ٹوٹے اس اس شخص پر جو کسی معصوم پر تہمت لگائے، چوہدری درمان حق جیسے درندے نے کس سفاکی سے سارا الزام فلذہ اور منظور پر ڈالا کہ حویلی کا ہر فرد سادان سمیت صدمے میں تھا۔ سادان کو ابھی بھی بابا سائیں کی باتوں پر یقین نہ آیا اور یہ سن کر سادان کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو چکے تھے۔ جہاں تک یاور کی بات تھی تو یہ سادان بھی جانتا تھا کہ وہ ایک نمبر کا اوباش اور کمینہ تھا اور اسی وجہ سے سادان اسے کئی بار پیٹ چکا تھا۔

اب جب وہ یہ سب بابا سائیں کی زبان سے سن رہا تھا تو اسکا دل اور دماغ سخت دباؤ میں تھے۔

آپ ایسی لڑکی سے میرا نکاح کیوں کروا رہے ہیں، اگر وہ یاور کو بہکا سکتی " ہے تو مجھے بھی بہکا لے گی" سادان نے جان بوجھ کر دکھ سے یہ کہا اور سب نے دیکھا کہ کس طرح درمان حق کو پتنگے لگے اور وہ اپنا ابھرتا جاہ جلال بمشکل ضبط کر پائے۔

انکے ماتھے کہ رگیں خطرناک حد تک پھٹنے کو تھیں۔

کرمان، سلطانہ بیگم، اور کومل کے تاثرات بھی رنجیدہ اور کربناک تھے جبکہ سادان کی اس بات پر انجیل بیگم نے اپنی حقارت بمشکل چہرے سے معدوم کر کے چھپائی تھی۔

بہکائے گی تو تب جب اسکا اور تیرا سامنا ہو گا، یہ نکاح اس کمبخت کی سزا" اور اسکے باپ کے لیے عذاب ہے۔ وہ اس حویلی کی نوکر بنے گی، تجھے بس نکاح کرنا ہے۔ آگے تیرا کام ختم" سادان نے ان لفظوں میں چھپی وحشیانہ ترنگ بھانپ کر جھرجھری لی تھی۔

جس نکاح کا اسے علم تھا وہ تو روح کی پاکیزگی کا ذریعہ تھا پر یہ بابا سائیں کیسے نکاح کا ذکر کر رہے تھے جو سادان جیسے نازک انسان کی روح تک لرزا گیا تھا۔

سادان نے دکھ دیتے تاثر کے سنگ ان تین مجبور چہروں کو دیکھا، سلطانہ تو بس گر پڑنے کو تھیں۔ کومل بھی کرمان کے سینے سے لگی سادان کے چہرے کے تکلیف دہ تاثر دیکھ کر دکھ میں تھی۔

عالیہ بھی آج ہی پہنچی تھی اور ایک ماتم اس کے چہرے پر تھا، ایک بھائی کی موت اور دوسرے پر عذاب نے اسکی آنکھیں سرخ انگارہ کر دیں تھیں۔

میں یہ نکاح نہیں کروں گا، اور آپکے لیے روایات کا خون کرنا کونسا کٹھن" ہے، آپ اس لڑکی کو ویسے بھی پوری سزا دینے پر قادر ہیں۔ میرا دل پہلے ہی خون ہو چکا ہے اور آپ چاہ رہے ہیں کہ یہ لہو اب میری آنکھوں سے نکل پڑے" پہلی بار وہ ٹوٹ پھوٹ سا گیا اور درمان جو پتھر سے بھی سخت

پن کر اکڑا تھا، دو قدم چلتا سادان تک آیا اور اپنے مضبوط ہاتھوں سے سادان کا چہرہ تھاما۔

تجھے یہ نکاح کرنا ہے، تجھے اس معاملے میں مزید نہیں گھساوں گا۔ مت" کر، انکار مت کر سادان۔ ہم جتنے بھی ظالم اور جابر کیوں نہ ہوں، اپنے ہر عمل میں سینہ ٹھوک کر خود کو صحیح ثابت کیا کرتے ہیں، بدلہ چھوڑنا ہماری شان کو زیب نہیں دیتا۔ وہ نیچ ذات ہے اور وہی رہے گی۔ تو بس یاور کے بدلے میں اتنا حصہ ڈال، باقی کا انتقام چوہدری درمان حق لے گا" لہجہ دھیما اور تاسف زدہ ہوا مگر سادان نے انکویوں دیکھا جیسے تکلیف کے اونچے لیول پر جا ٹھہرا ہو۔

خود درمان نے سادان کی آنکھوں میں دیکھا تو دل پر آرے چلنے کے مفہوم کا حقیقی ادراک ہوا۔

سادان بھلے یہ نکاح اب کر بھی لیتا مگر اسکی اب پہلی کوشش سچائی جاننے کی تھی۔

مگر اس وقت وہ اس قدر دلبرداشتہ تھا کہ ممکن ہے آج ہی واپس چلا جاتا۔
ساداں وہاں سے گیا تو انجیل بیگم اور درمان نے سفاکی سے ایک دوسرے کی سمت دیکھا۔
انکے چہرے پر وہی تاثر تھا جو میدان جنگ میں دشمنوں کو ٹھڈے رسید کرنے والوں کی آنکھوں میں دیکھائی دیا کرتا ہے۔ بدلے کی شروعات ہونے کو تھی۔ زمین و آسمان کانپ جاتے، لرز جاتے تب بھی ان ناانصافی کا توڑ نہ ہو پاتا۔
سلطانہ تو دکھ سے مزید بھر گئیں۔ ہر کوئی اپنے اپنے انداز سے سوگ اور افسوس میں غرق تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ دلبر داشتہ سا اپنے کمرے میں آیا اور واسکٹ اتار کر پوری شدت سے بیڈ پر دے ماری اور اپنے ہاتھوں سے اپنے سر کو جکڑتا وہیں آزردگی سے ڈھے گیا۔

عاقل جو اسکا خاص ملازم تھا اس کے پیچھے ہی کمرے تک آیا مگر وہیں دروازے میں سادان کو سخت رنجیدہ دیکھے رک گیا۔

وہ جانتا تھا کچھ بھی ہو جائے، سادان سائیں تکلیف سہہ لیتے ہیں مگر آپے سے باہر نہیں آتے اور آج یہی چیز سادان کے دماغ کی رگیں پھاڑنے والی تھی۔

رگوں میں شرارے دوڑ رہے تھے، آنکھیں زرد انگارہ ہوئیں تو بے ساختہ سی نظر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر پڑی اپنی اور ریاور کی تصویر پر گئی تو سادان کا دل پھر سے شدید لرزا۔

کانپتے ہاتھوں کے سنگ وہ غم سے چور انداز میں وہ تصویر دیکھ رہا تھا جس میں وہ سنجیدہ اور اسکے ساتھ بائیس سالا یاور چہرے پر شرارت سجائے بھائی کے گلے میں جھول رہا تھا۔

چند بے آواز سے آنسو سادان کی آنکھوں سے بہہ کر اسکے چہرے کو مزید تاریک کر گئے۔

"یہ کیا کر دیا تو نے یاور، جانتا ہوں بہت برا سلوک کیا، پر یوں چھوڑ کر کہاں چلا گیا ہے۔ جب تک میں حقیقت نہیں جان لیتا چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ اگر تو قصوروار ہوا تو قسم کھاتا ہوں تیری شکل تو نہ دیکھ پایا پھر تیری قبر پر بھی نہیں آوں گا۔ اور اگر تو بے قصور ہے تو تجھے انصاف بھی میں اپنے ہاتھوں سے دوں گا" دکھ، رنج اور پشیمانی نے خون دہکایا تو سادان کے تنے چہرے پر سرخی چھلکنے لگی۔

عاقل جو یہ منظر بڑے مضبوط دل سے دیکھ رہا تھا، اسکے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا اور وہ درد دیتے تاثر کے سنگ چلتا ہوا سادان کے قدموں میں بیٹھا جس پر

سادان نے چہرے پر آئی نمی بے دردی سے ہٹا کر تصویر سائیڈ ٹیبل پر پٹخی اور عاقل کے قدموں سے اٹھ کر کھڑا ہوا۔

عاقل بھی بے قراری سے اٹھ کر ہاتھ باندھے سادان کے چہرے پر پھیلی تکلیف دیکھ کر ہلکان تھا۔

"عاقل، میرا ایک کام کرو۔ مجھے منظور حسین سے ملنا ہے، ابھی اور اسی وقت" وہ جو ٹھنڈے مزاج کا سمجھا جاتا تھا، آج آگ کی طرح جلتا اور سلگتا جا رہا تھا۔

"سائیں، یہ نکاح ہونے دیں۔ پھر میں کسی طرح آپکو منظور حسین سے ملوا دوں گا۔ ابھی اگر میں نے ایسا کچھ کیا تو بڑے سرکار کھڑے کھڑے میری جان لے لیں گے۔ سائیں خدارا حوصلہ کریں" عاقل کے لہجے میں بھی کھارا ذائقہ اور نمی کی بھرمار کے ساتھ شدید تاسف تھا اور سادان نے اسے خشونت بھری نگاہوں سے برہمی کی حد لیے گھورا اگر وہ سب چوہدری

درمان کے حکم کے پابند تھے یہ سادان بھی جانتا تھا تبھی بے بسی سے وہیں سر گرائے جا بیٹھا۔

شام چھ بجے نکاح کی رسم تھی اور سادان کے چہرے پر محسوس کن غصہ تھا جو اسے کھا رہا تھا۔

سلطانہ بیگم تو ایک بیٹے کی موت سے ہی اجڑ گئیں تھیں اور اب وہ سادان کے چہرے پر لکھی شکائیت سے زمین میں گڑھ رہی تھیں۔

اس گاوں میں ونی کے جتنے نکاح ہوئے تھے انکی ایک رسم یہ بھی تھی کہ نکاح میں آنے والی لڑکی کا حق مہر نہیں رکھا جاتا تھا۔

گاوں کی پنچائیت کے تمام معززین لوگ جمع تھے اور نکاح حویلی کے مردانہ خانے میں طے پایا جانا تھا۔

فلذہ کو انجیل بیگم نے تہہ خانے سے نکلوا کر ایک میلے کچیلے کوارٹر میں منتقل کر دیا تھا، ساری رات رو رو کر اور بھوک پیاس کے مارے وہ بلکل لاغر اور

مرجھا چکی تھی۔ انجیل بیگم کی ایک خاص نوکرانی فیضاں تھی، وہ اور ایک اور ملازمہ فلذہ کو زبردستی تھوڑا سا کھانا اور پانی دے چکی تھیں۔

مقدار اتنی تھی کہ بس وہ نہ مرے نہ جیئے اور یہ یہاں کا ایک اور درندہ صفت اصول تھا۔

حویلی کے داخلی دروازے پر منظور حسین مٹی پر بیٹھا مردہ پن میں لپٹا ہوا حویلی کے بند دروازے کو غرق ہوتے غم سے دیکھ رہا تھا۔

آس نے بشیر کے ساتھ آکر اندر جانا چاہا تو چند آدمی نے اسے ٹھڈے مار کر باہر نکال دیا اور کہا کہ یہی اسکی اوقات ہے۔

وہ جو آگے ہی نیم جان ساز خموں میں گوندھا تھا، اس ظلم کی انتہا پر اب غائب دماغی سے بس روتا جا رہا تھا۔

بشیر نے اسے کئی بار واپس چلنے کا کہا مگر منظور حسین کی ایک ہی ضد تھی کہ یہیں حویلی کی چوکھٹ پر مرتا مر جائے گا پر فلذہ کو تنہا نہیں چھوڑے گا۔

نکاح جس ماحول میں طے پایا وہاں عام نکاح جیسی کوئی صورت حال نہ تھی، قول واقرار کا مشکل فریضہ سرانجام دیے ان بے مقصد اور نکاح کے مقدس رشتے کا مزاق اڑاتے کاغذات پر دستخط کر کے سادان اپنی پوری رفتار سے مردانہ خانے سے نکل گیا تھا۔

حویلی کے آدمیوں کو پہلے ہی حکم دے دیا گیا تھا کہ منظور حسین کو کہیں دور پھینکوادیا جائے تاکہ وہ حویلی کے ارد گرد بھی دیکھائی نہ دے مگر بھلا ہو بشیر کا جو نا جانے کیسے بہلا پھسلا کر منظور حسین کو اسکے گھر لے گیا۔

فلذہ جو کپڑے گھر سے پہن کر آئی تھی اسی میں سر پر سیاہ چادر اوڑھ کر مولوی صاحب کے سامنے بیٹھا دی گئی تھی۔آسمانی قمیص پر سفید کڑھائی اور سفید ہی کڑھائی دار جالی کے پائنچوں والی تنگ شلوار پہنے سر پر سیاہ چادر نے اس سیاہ بخت کو اک نئے سفر پر رواں کر دیا۔

اسے کچھ خبر نہ تھی کہ اسے کس کے نکاح میں دیا گیا، بس فیضاں کے ٹہو کے پر وہ سہم کر " قبول ہے " کہہ گئی۔ وہ آواز یوں تھی جیسے قبر کی کوئی تختی توڑ کر کسی مردے نے ایک اور موت قبول کی تھی۔

یہ کمرہ بھی فلذہ کے سیاہ نصیب جیسا ہولناک تھا، سب چلے گئے تھے اور وہ پھر سے اس موت سے بھیانک اندھیرے میں وہیں اپنی ٹانگیں سمیٹے مٹی گرد سے اٹے فرش پر زمین بوس ہو گئی تھی۔

کمرے کی ایک طرف ڈھلکی سی ٔ چارپائی تھی جس پر بھدی شکل کی پرانی چادر اور ایک مرا سا تکیہ تھا۔ کمرے میں فرش تھا اور ایک طرف غسل خانے جیسا چھوٹا سا کمرہ تھا۔

دوسری طرف پانی کا ایک گھڑا تھا جس پر سٹیل کا گلاس تھا، فلذہ آنکھیں بند کرتی تو قبر میں جانے کی خواہش سر اٹھاتی۔

یہ بھی تو قبر تھی، جس قبر میں فلذہ حسین کو، منظور حسین کی لخت جگر کو زندہ گاڑ دیا گیا تھا۔

حقیقت میں وہ بھی نہیں جانتی تھی کہ آج رات کے بعد وہ یہاں سے زندہ اٹھ بھی پائے گی یا نہیں۔

بابا کو پکارتی پکارتی فلذہ کا سانس اکھڑنے لگا تھا۔

اماں، بابا، مجھے لے جائیں ناں۔ فلذہ مر رہی ہے، آپکی فلذہ مر رہی ہے"""

بلکتی ہوئی آہیں آج رات بھی کسی نے نہیں سننی تھیں، کل سے فلذہ پر ایک اور رسم کے مطابق درندگی اتاری جانی تھی جو اس ادھ مری فلذہ کی رہی سہی جان میں اچکنے والی تھی۔

فرش پر دہری ہو کر لیٹی فلذہ بھوک سے بے حال تھی، اس میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ اٹھ کر اس گھڑے سے پانی پیتی۔ فیضاں مرجانی نے فلذہ کو گنے چند نوالے دیے تھے اور ایسے بدبختوں پر اللہ بڑا بے درد قہر توڑتا ہے۔

کوئی نہیں تھا جو ابھی فلذہ کی تکلیف میں کمی کا اہل ہوتا، وہ بھی نہیں جو دانستہ ہی سہی پر اسکا حاکم آخر بنا دیا گیا تھا۔

وہ تو خود ابھی اذیت کی انتہا پر تھا اور عاقل کو لیے وہ اب منظور حسین کے گھر روانہ ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

طرف سکتہ تھا اور ہر دوسرا انسان یہی کہہ رہا تھا کہ چوہدری سادان بہت غصے میں منظور حسین کے گھر کی طرف گیا ہے۔ ہر کوئی اپنے دہلتے دل کے ساتھ اس مسکین کی مزید زلت و تکلیف سے پناہ مانگ رہا تھا۔

یہ گھر جس میں یاور کا قاتل تھا، سادان کا چہرہ سرخ دہکتا شعلہ تھا اور عاقل اسکے پیچھے ہی گن لیے اندر بڑھا جہاں منظور حسین صحن کے ویران گوشے میں زخموں سے چور پڑا تھا۔

ابھی ہی بشیر اسے چھوڑ کر انکے لیے کھانا لینے باہر گیا تھا۔ سادان نے اپنے چلتے قدم روک کر صحن کے داخلی حصے میں بیٹھے منظور حسین پر ڈالی تو دل

کیا جا کر اسکا کلیجہ نکال دے مگر سادان ایسا سوچ کر اپنے آپ کو ڈپٹ چکا تھا۔

منظور حسین کراہتا ہوا آہٹ پر آنکھیں کھول چکا تھا اور کھلی آنکھوں کا یہ منظر اسکے وجود میں کپکپی اتار گیا۔

عاقل نے گن اسیُ پر تان رکھی تھی جسکا خوف منظور کے چہرے پر تھا۔ وہ کانپتی ٹانگوں اور دلخراش دکھ سے اٹے چہرے کے ساتھ اٹھ کر لڑکھڑاتا آیا اور سادان کے قدموں میں گر کر کونے لگا۔

اسکی آواز میں وہ تکلیف تھی کہ خود سادان پتھر ہو کر چہرے کا سارا اجلال معدوم کیے جھکا اور پوری طاقت سے منظور حسین کو شانوں سے پکڑ کر کھڑا کیے بظاہر اضطراری نگاہ سے مرکوز کر چکا تھا مگر سادان کے دل نے کہا تھا کہ یہ ٹوٹا مسمار شخص قاتل نہیں ہو سکتا ہے۔

منظور حسین تو یوں تھا جیسے بس مرنے اور سزا پانے کا آخری وقت پہنچا ہو، دونوں ہاتھ وہ بمشکل کھڑا رہ کر سادان کے سامنے جوڑ کر تکلیف میں غرق تھا۔

اس روز جو ہوا، مجھے سچ سچ بتایئے۔ایک لفظ بھی جھوٹ ہوا تو یہیں آپکی جان لے کر جاوں گا" سادان سے اسے ایسی بات کی اور تمیز کی توقع نہ تھی، وہ تو یہ سمجھ رہا تھا کہ سادان اس سے یاور کی موت کا بدلا لینے آیا ہے۔

فق ہوتے پھٹے تاثرات کے سنگ وہ ربورٹ کی صورت اب سادان کو تک رہا تھا جو عاقل کو اسے چارپائی پر بٹھانے کا اشارہ کر رہا تھا۔

عاقل نے فوراً سے تابعداری دیکھائی اور خود سادان کے بیٹھنے کے لیے اندر سے موڑا لے کر باہر آیا۔

سادان اب اسکے سامنے تشویش زدہ سختی اختیار کیے بیٹھ چکا تھا اور وہ زرا زرا کانپتا منظور حسین ابھی تک صدمے میں غرق تھا۔

اللہ گواہ ہے سائیں، میں نے بس اپنی فلذہ کی عزت بچانے کو یہ والا ڈنڈا" اٹھا کر مارا تھا۔ یاور چوہدری کئی دن سے فلذہ کو تنگ کر رہے تھے، وہ بشیر احمد کی اماں صغری باجی کے پاس سلائی سیکھنے جاتی تو راستے میں یاور چوہدری اپنی گاڑی کھڑی کر لیتے اور کئی بار فلذہ کا ہاتھ بھی پکڑا۔ وہ مجھے سب بتا دیتی تھی اور پھر اس روز میں جب عشاء کی نماز پڑھ کر آیا تو گھر کا دروازہ ٹوٹا پڑا تھا، اور میں جب بھاگ کر اندر آیا تو یاور چوہدری اپنے دو یاروں کے ساتھ فلذہ کے ساتھ بد سلوکی کی کوشش کر رہے تھے۔ میں نے ڈنڈا اٹھایا ہی تھا کہ وہ دونوں لڑکے مجھے دھکا دے کر باہر لپکے اور یاور چوہدری نے میری فلذہ کو دیوار سے بھینچ کر اسکی آستین پھاڑ ڈالی۔ یہ منظر ایک باپ کے لیے موت سے بھی دردناک تھا، میں ایسا کبھی نہ کرتا مگر وہ بہت نشے میں چور تھے تو مجبوراً میں نے آگے بڑھ کر انکے سر پر ڈنڈا مار دیا۔ پر سائیں مجھے نہیں تھا پتا کہ میرے یہ کرنے سے وہ مر جائیں گے۔۔۔۔ سرکار بیٹیاں تو سب کی سانجھی ہیں، میری فلذہ بہت معصوم ہے۔ اللہ کو حاضر ناظر جان کر کہتا

ہوں یہی سچ ہے" منظور حسین نے یہ ساری بات بنا رکے تکلیف، درد، ماتم، شرمندگی، ندامت اور اذیت سے کہی اور سادان پتھر بن چکا تھا۔

اس سکتے اور صدمے میں سادان کو ان دوسرے دو لڑکوں کا خیال نہ رہا جو اس معاملے میں گواہ ثابت ہو سکتے تھے۔

یہ سب تو اس سے بالکل مختلف تھا جو باباسائیں نے کہا، اسکا دماغ یہ سن کر معاوف تھا۔

اب کس پر یقین کرے اور کس کو جھٹلائے، یہ فیصلہ سوہان روح تھا۔

منظور حسین کی آنکھوں کا کرب بتا رہا تھا کہ یہ بوڑھا، غریب باپ سچ کہہ رہا ہے مگر دوسری طرف بھی تو اسکے باباسائیں تھے۔

اگر آپکی بات جھوٹ نکلی تو میں نہ آپکو چھوڑوں گا نا آپکی بیٹی کو" سادان صاف صاف تنبیہہ کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تو منظور حسین پھر سے سادان کے پاوں پکڑے غم سے چور ہو کر دردناک رو دیا۔

سائیں میری فلذہ بے قصور ہے، سائیں اللہ کا واسطہ اسے اس ظلم سے بچا" لیں" ملتجیانہ التجاء لیے وہ مسکین شخص کرب کی اونچی منزل کا مسافر تھا اور سادان کے لیے ابھی وہ قابل اعتبار نہ تھا، ابھی خود سادان سخت مشکل صورت حال میں تھا۔

پاوں چھڑواتا ہوا سادان بنا کوئی جواب دیے اس بوڑھے کی فریاد رد کیے باہر نکلا تو عاقل بھی ویسی سرعت سے پیچھے لپکا۔

منظور حسین وہیں کچے فرش پر اپنے سر کو جکڑے ڈھے گیا، اوپر اللہ کا سہارا تھا اور شاید زمین پر سادان حق کا۔ کوئی انجانا سا تھپکی دیتا احساس منظور حسین کے اندر اچانک اترا جیسے کوئی اسکے بال سہلا رہا تھا۔ وہ وہیں اپنی آنکھیں درد سے بند کر گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پوری رات جس کرب سے فلذہ نے اس اندھیرے میں کاٹی تھی ویسی ہی تکلیف سادان کے چہرے پر درج تھی۔عالیہ، کرمان، سلطانہ سب باری باری سادان سے بات کرنے کو آئے مگر اسکا ایک ہی جواب تھا کہ وہ فی الوقت کسی سے کسی قسم کی نہ بات کرنا چاہتا ہے نہ کسی کا سامنا کرنے کا اسے ابھی کوئی بھی ارمان ہے۔

پوری حویلی کا سوگ تھا کہ ابھی تک دیواروں سے ٹپک ٹپک کر روح لہو لہان کر رہا تھا۔

یہ ظالم فیصلہ کر کے بھی درمان چوہدری کے سینے کی آگ ویسی ہی تپش سے جل رہی تھی، انجیل بیگم الگ فیضاں کے ٹانگیں اور سر دبانے پر اپنے بستر پر سخت اکتائی ہوئی دراز تھیں۔

سلطانہ بیگم کی آنکھیں تو بس یاور کی تصویر پر تھیں اور تیمور بھی ساری رات انکی گود میں سر رکھے لیٹا رہا۔یہ رات ہر ایک پر جتنی مرضی بھاری کیوں نہ تھی مگر اصل اذیت تو فلذہ کے حصے آئی تھی۔

صبح کا سویرا آتو گیا تھا مگر اپنے ساتھ ایک نیا ظلم بھی لا یا تھا، لوہے کی گرم سلاخ سے آج فلذہ کی باز و داغی جانی تھی جو یہاں کی ایک اور حیوانی روایت تھی اور ونی ہوئی عورت کی پہلی دل چیرتی نشانی سمجھی جاتی تھی تاکہ وہ اس نشان کو یاد رکھے اور اپنی اوقات نہ بھولے۔

یہ بدترین ظلم کرنے کا فریضہ فیضاں کو سونپا گیا تھا اور انجیل بیگم اس کی خود نگرانی کرنے والی تھیں۔

کمرے کا دروازہ کھلا تو وہ نمانی اور کملائی ہوئی فلذہ خوف کے مارے مزید دیوار سے جا لگی، اسکا سانولا رنگ اب تو جل کر مزید خاک اور دلخراش تھا۔ اسکی پیاری اور پر کشش بھوری آنکھوں کا رنگ سرخ تھا، اسکے ہونٹوں پر خشکی کی پرت نے ڈیرا جما لیا تھا۔

اسکے لمبے سیاہ بال جا بجا اسکے ماتھے کے گرد جھول کر الجھن زدہ تھے،

فیضاں جو پھنکارتی ہوئی اندر بڑھی اسکے پیچھے پیچھے حویلی کی چند اور ملازمائیں اور سلطانہ بیگم کے سنگ غرور سے سنی انجیل بیگم بھی اندر لپکیں۔

فلذہ کو وہ سب حقارت سے دیکھ رہی تھیں مگر سلطانہ بیگم اس بے جان نازک سی فلذہ کو کرب سے دیکھ رہی تھیں۔

یہ زنانہ خانے کا ایک ایسا ملازمین کوارٹر تھا جہاں عرصے سے کسی ملازم نے بھی رہنا چھوڑ دیا تھا۔روشنی کا نزول ہوا تو اندر دیواروں سے لٹکتے جالے بھی سامنے لہرائے، فرش پر مٹی کی دبیز تہہ تھی جس نے فلذہ کا پیارا لباس اب مٹی مٹی کر دیا تھا۔

بہت سی دھول اسکے سیاہ بالوں اور چہرے پر بھی لگی تھی جو دیکھنے والے کو اس پر ترس آنے پر مجبور کر رہی تھی۔

بہت ہو گیا بی بی تمہارا آرام، جا کر سلاخ دہکا کر لاو، اسکو اسکی منہ دیکھائی" دیں" انجیل بیگم نے تنفر سے فلذہ کا مٹی سے اٹا سراپا دیکھ کر جتنی ممکن حقارت تھی اس سے کہا تھا۔

گرم سلاخ کا سن کر فلذہ کی رہی سہی جان بھی وجود سے نکل گئی تھی، اسکے چہرے پر آنسوؤں کی دلخراش لیکر پھوٹی۔ سلطانہ بیگم چاہ کر بھی فلذہ کو اس ظلم سے بچا نہیں سکتیں تھیں، وہ جانتی تھیں کہ یہ سہمی، کپکپاتی اور لرزتی مدھم رنگ وروپ والی فلذہ گنہگار ہو ہی نہیں سکتی۔

مگر وہ توازل کی مجبور تھیں، بھلے اس حویلی کی چوہدرائن مگر اختیارات میں صفر۔ انکی آنکھوں میں بھی فلذہ جیسا ہی دکھ تھا۔

فیضاں حکم پر پیش پیش یوں نکلی جیسے اس ظالم کو یہ سب کر کے لطف آرہا تھا، جنگلیوں کے ملازم بھی ویسے ہی درندے ہوتے ہیں یہ سنا تھا آج آنکھوں نے دیکھ بھی لیا تھا۔

تجھ پر زندگی تنگ نہ کردی تو میرا نام بھی انجیل بیگم نہیں، پنچ کمبخت، بد" بخت۔ تو نے میرے یاور کی جان کھالی، تجھے تو ایسی موت دوں گی کہ موت بھی کانپ اٹھے گی" عین فلذہ کے سر پر کھڑی وہ فرعون کی خوبیوں والی انجیل بیگم اسے موت سے ڈرا رہی تھی جو خود اس وقت موت کی سب سے بڑی طلب گار تھی۔

فلذہ روتی رہی، پر اس نے ایک بار بھی سر اٹھا کر ان درندوں کی سمت نہ دیکھا۔ وہ ان سب کو دیکھے بنا بس موت چاہتی تھی۔

وہ لوہے کی سلاخ کاش اسکی زندگی کے چراغ کو بجھا دے، وہ اللہ سے آج اپنی موت مانگ رہی تھی۔

فیضان کچھ ہی دیر میں آگ سے دہکتے کوئلوں کا تھال اور لوہے کی ہینڈل والی سلاخ لیے کمرے میں آئی تو فلذہ نے اپنی درد کرتی متورم آنکھیں اٹھا کر فرش پر رکھے اس تھال پر رکھی جانے والی سلاخ دیکھی تو اسکا سانس اسکے

اندر ہی دبنے لگا۔اک خوف اور کپکپی تھی جو فلذہ کے وجود میں سرائیت کر گئی تھی۔

کوئی اتنا درندہ صفت بھی ہو سکتا ہے؟ خدا تم لوگوں پر بھی دہکتی سلاخیں گرائے کم بختو۔

وہ زندہ لاش تھی اور جانتی تھی کہ اس ظاہری تپتی سرخ ہوتی سلاخ کہ تپش میں بھی وہ دم خم نہ ہوگا جتنی جلن فلذہ کے اندر برپا تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آپ ٹھیک ہیں سادان؟" وہ اپنے کمرے کے ٹیرس پر کھڑا ریکنگ پر ہاتھ" جمائے حویلی کا بیرونی احاطہ دیکھ کر کسی کربناک سوچ میں غرق تھا جب کندھے پر اک تشفی سا احساس محسوس ہوا اور وہ اک نسوانی آواز پر پلٹا تو

کومل ملائم سے لہجے میں تسلی ملائے سامنے کھڑی اسی کی طرح دکھی سی تھی۔

بھلے سادان حویلی کم رہاتھا مگر کومل اور وہ ناصرف اچھے دوست تھے بلکے دونوں کا ہم مزاج ہونا دونوں کو ایک دوسرے کا بہت اچھا ہمدرد بناتا تھا۔ وہ جو کسی سے بات نہیں کر رہا تھا، یہ واحد کومل تھی جس کو انکار نہ کر سکا تبھی پلٹ کر تلخی سے گردن موڑے ہنوز باہر کی مردہ فضا پر نظریں جما گیا۔

ٹھیک ہوتا تو تمہیں یہ سوال کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی، نہیں ہوں" ٹھیک۔ میرا دماغ عجیب کشمکش میں ہے، یہ سب کیا ہوا ہے میں حقیقی صدمے میں ہوں" کومل پیاری سی سیاہ آنکھوں والی، شفیق سے مسکرائے نین نقش رکھتی تھی۔ بھلے وہ کوئی شوخ حسینہ نہ تھی مگر صورت کی بھلی ہونے کے ساتھ ساتھ وہ کرمان حق جیسی بلند سیرت رکھتی تھی۔

پریشانی اور تکلیف کی بات تو ہے، لیکن کیا کریں۔ نہ ہی ہم اللہ پاک کے فیصلوں کے آگے اعتراض کا حق رکھتے ہیں اور نہ ہی ان فرسودہ روایات کو انکار کی جرت کر سکتے ہیں۔ خود کو ایسا ذہنی دباو کا شکار مت کریں ساداں کے آپ سچ اور جھوٹ کے اس جال میں پھنس کر کوئی ناانصافی کر جائیں"

ساداں جو واقعی اس وقت سخت اکتایا ہوا اور افسردہ تھا، کومل کی اس بات پر سرعت سے اسکی سمت مڑا جو اسے ایک اچھا اشارہ فراہم کر گئی تھی مگر ساداں کا دماغ تھا کہ کسی کام کا نہ رہا تھا۔

ابھی وہ سنبھل ہی نہ پایا تھا کہ کومل سے کچھ پوچھتا، عاقل جو ہانپتا ہوا دروازے سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ ساتھ ہی زنانہ خانے سے فلک شگاف چیخ پر خود ساداں اور کومل نے پریشانی سے عاقل کو دیکھا جو یوں تھا جیسے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔

وہ کچھ عرصے پہلے ہی حویلی میں ساداں کا خاص ملازم بن کر آیا تھا اور ایسی دردناک سفاکی دیکھ کر وہ صدمے میں سیدھا یہاں ہی دوڑ آیا۔ ساداں نے

آگے بڑھ کر فکر مندی سے عاقل کے پھٹے تاثرات جانچ کر سوالیہ نظریں مرکوز کیں۔

سائیں وہ لوگ اس لڑکی کو گرم سلاخ سے داغ رہے ہیں، سائیں وہ بہت" تڑپ رہی ہے۔سائیں یہ ظلم روک لیں" عاقل کی روتی پھٹی آواز سے

مزین التجاء پر سادان خود پتھر ہوا اور یہی تاثر کومل کا تھا۔وہ دونوں ہی پوری رفتار سے بھاگتے ہوئے نیچے پہنچے تو دور سے کسی کی تڑپتی چینخیں سنائی

دینے لگی تھیں۔

یااللہ یہ درندے کہیں کے" سادان جو بہت مہذب تھا، ایسے ظلم پر تمام" تر اخلاقیات بھولے ڈھار کر کوارٹرز کی سمت لپکا۔

کومل اور عاقل بے قراری سے سادان کے بے تاب سبک رو قدموں کی

پوری رہبری کر رہے تھے۔

چینخیں مزید قریب سنائی دیں اور پھر سادان نے پوری طاقت سے اس بند دروازے کو دھکا دیا تو اندر کا منظر دیکھ کر اسکی روح کانپ اٹھی۔

انجیل بیگم جو اس ستم کا فریضہ سلطانہ اور فیضاں کو دے کر جا چکی تھیں، وہاں موجود نہ تھیں۔

نظر پہلی ہی بار اماں سائیں پر گئی تو سادان نے تکلیف سے جھرجھری لی، دوسری نظر فرش پر بیٹھی اس مردہ دیکھائی دیتی لڑکی پر گئی تو سادان کا ہاتھ خودساختہ دکھ سے اپنے دل پر جا اٹکا اور آنکھوں میں شدید تکلیف کا احساس امڈا۔

فیضاں کا ہاتھ جو دروازہ کھلنے کی تھپک پر رک گیا تھا، چہرہ یوں تھا جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔

سادان اس ظلم پر ان سب کو ایک سی ظالم دلسوز اور جگر چیرتی نظر میں مرکوز کرتا ہوا اس بے کس و بے جان کراہتی لڑکی کو دیکھنے لگا جسکی سانولی سی کلائی فیضاں کے ہاتھ میں تھی اور گرم سلاخ کے تین ایک سے نشان اس پر لگے تھے اور وہاں سے جلد دردناک حد تک جامنی مائل ہو کر ابھر چکی تھی۔

کومل خود کسی صدمے کی سی حالت میں اپنے منہ پر ہاتھ رکھے ہیجانی چینخ روکنے میں کامیاب ہوئی۔

سادان نے ایک ہی جھٹکے سے فیضاں کا ہاتھ پکڑ کر شدید عتاب اور غضبناک ہو کر جھٹکا دے کر اٹھایا اور خونخوار انداز میں اسکے ہاتھ سے وہ گرم سلاخ لیے زمین پر دے ماری۔

سلطانہ تو اپنی جگہ پتھر بن چکی تھیں۔

سادان نے پھر سے فلذہ کو دیکھا جسے اب کومل آگے بڑھ کر اپنے ساتھ لگا گئی جو بے آواز روتی ہوئی اب آنکھیں درد سے میچے بہت مشکل سے اکھڑے سانس لے رہی تھی۔

سادان نے عاقل کی سمت اپنے کمرے سے میڈیکل کٹ لانے کا اشارہ کیا اور خود رخ پھیر کر بظاہر غرور اور سکتے میں کھڑی اماں سائیں کو دیکھ کر چہرے پر دکھ کا سمندر موجزن کر لیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"اللہ کا واسطہ ہے اماں سائیں، کم از کم آپ تو ان درندگی کے کاموں سے دور رہیں۔ بھلے وہ نوکر بنا کر لائی گئی ہے پر ہے تو انسان، کیا ہو گیا ہے آپ سب لوگوں کو۔اللہ بھی کسی کو جب سزا دیتا ہے تو پہلے توبہ کا موقع دیتا ہے" سادان کی بات تیر کی طرح سلطانہ کے دل میں اتری مگر وہ اس وقت اسکی ماں نہیں ایک روایت کی ماری بہو اور بیوی تھیں۔

سادان دلبرداشتہ تھا اور سلطانہ اسے اس وقت اس کوارٹر میں اور فلذہ کے سامنے دیکھ کر سخت کانپے اور ڈرے تاثر دے رہی تھیں۔

"تو یہاں سے جا سادان، تیری دادی یا بابا سائیں کو پتا چلا تو میرے ساتھ تیری جان بھی لے لیں گے۔یہ لڑکی اب ایسی ہی درندگی سہے گی اور ہم سب کچھ کرنے پر قادر نہیں" سلطانہ کی آواز میں لرزاں خیز نمی اور مجبوری

کم مگر سفا کی زیادہ تھی اور سادان اب انکو شدید رنجیدہ ہو کر غش کھاتے انداز میں دیکھ رہا تھا۔

یہ ایسی حالت تھی کہ خود سادان حق کا یہ جلاد پن دیکھ کر دل شدید رنج میں جا گزیں تھا۔

کومل، اماں سائیں کو لے کر جاو یہاں سے۔اور تم سب بھی نکلو، کوئی بھی" اب اسکے قریب آیا تو اسکا بہت برا انجام کروں گا۔اسکو سزا میں خود دوں گا" سادان نے آنکھ چرا کر کوئی بد تہذیبی نہ کرتے ہوئے کومل سے چپ چاپ اماں سائیں کو یہاں سے لے جانے کا یہ فیور چاہا تو سلطانہ ایسے رویے پر تڑپ گئیں۔دوسری باتیں وہ شدید غصے سے گھورتا ان درندے ملازمین کو دیکھ کر دھاڑا جن میں وہ بھدے، تیکھے اور چالات نقوش والی فیضاں سر فہرست تھی جس پر سادان کو انتہا کی تپ چڑھی تھی۔

وہ اماں سائیں سے بھی شدید ناراض تھا اور حق پر تھا، کومل فرمابرداری سے فلذہ کے پاس سے اٹھی اور انھیں لیے باہر گئی تو اسی لمحے عاقل اسکا میڈیکل

باکس لیے اندر آیا، سلطانہ بیگم نے اک جگر سوز نظر جاتے جاتے سادان پر ڈالی اور بے آس و غمگیں ہوئے کومل کے ساتھ چلی گئیں۔

سادان نے فیضاں کو وہیں ابھی تک دیکھ کر عتاب و قہر کے سنگ گھور کر دیکھا تو وہ بھی گڑبڑاتی ہوئی وہاں سے گدھے کے سر کے سینگ کی طرح غائب ہوئی تھی۔

عاقل سے میڈیکل باکس لے کر وہ چارپائی پر رکھے خود اس بے جان فلذہ تک آیا جس نے ایک بار بھی نظریں اٹھا کر یہ نہ دیکھا تھا کہ یہ کون ہے جسکی بدولت اس پر نازل ظلم ہٹ گیا ہے۔

اسے بس اپنی بازو سے آگ نکلتی محسوس ہو رہی تھی جو فلذہ کے حالت غیر کر گئی تھی، اور وہ اب آنکھیں تکلیف سے کھول بھی نہیں پا رہی تھی۔

عاقل، جا کر برف لے آو۔ جلدی جاو" سادان نے بنا فلذہ کو دیکھے اسکے " پاس زمین پر ہی گھٹنوں کو ٹکا کر بیٹھے کہا تو عاقل فورا اسے پہلے برف لینے کو باہر دوڑا۔

سادان نے ایک دکھی سی نظر اس لڑکی پر ڈالی جو سب کے لیے مجرم ہو کر بھی سادان حق کے لیے ابھی تک ملزم کے زمرے میں کھڑی تھی۔

سادان نے آہستگی اور احتیاط سے فلذہ کی نازک سی جلی کلائی پکڑی تو وہ جو اکھڑے سانس لے رہی تھی، اس نیم بیہوشی میں بھی سہم کر اپنا ہاتھ کھینچے خود بھی دیوار سے مزید لگ گئی۔

سادان کو وہ اس وقت ایک پاگل اور مردہ سی لڑکی لگی جو ان لوگوں کے ظلم سے موت کے دہانے پر آ کھڑی تھی۔

وہ اب اپنی کٹ کھول رہا تھا، زخم بروقت سادان کے آنے سے گہرائی تک لگنے سے بچ گیا تھا اور وہ شدید کربناک رو رہی تھی، مگر فلذہ کی آنکھیں تھیں کے اٹھنے سے انکاری تھیں۔

رومت، ابھی آرام آجائے گا" سادان نے اپنے نرم مزاج کے سنگ پھر" سے اسکی کلائی پکڑی تو اب خود سادان کو لگا وہ بے جان سی ہو گئی ہے۔ وہ نیم وا آنکھیں کیے دیوار سے سر ٹیکے مدھم مدھم سانس لے رہی تھی۔

خدا کا قہر نازل ہو تم پر فیضاں، ایک عورت ہو کر تم اس لاغر سی لڑکی پر ایسی جانور جیسی حرکت کرتے ہوئے ایک بار نہیں کانپی" ساداں جانتا تھا یہ غصہ اسے ماں اور دادی پر تھا مگر وہ اپنی تربیت کے آگے مجبور تھا، اسے فلذہ کی یہ حالت دیکھ کر حقیقی دکھ تھا۔ وہ اسکے زخم کو بہت آہستگی سے جانچ رہا تھا، یہ زخم مندمل ہو بھی جاتا تو یہ نشان کبھی جانے والے نہ تھے۔

ساداں کی نظر فلذہ پر گئی تو اسے اس پر بے شمار سا ترس آیا۔

"یہ لڑکی، جو نظر اٹھا کر دیکھنے کی ایک کوشش تک نہیں کر رہی۔ یہ جو خود مردہ بنی پڑی ہے، یہ معصوم سی کم مایہ لڑکی بھلا کسی کو کیا ورغلائے گی، یااللہ آپ بہتر جانتے ہیں کہ کیا سچ ہے۔ میری رہنمائی فرمایئے" وہ اسکے زخم پر اب دوا لگا رہا تھا اور حیرت میں تھا کہ وہ اب ویسی ہی بے جان تھی۔ زخم پر دوا لگنے کا کوئی اثر اسکے وجود میں ہلچل نہیں مچا رہا تھا۔

عاقل تو لگتا تھا برف بنانے خود فریج میں جا بیٹھا ہے، ساداں اب اسکی بازو پر بینڈیج کیے اپنی کٹ بند کیے مڑا تو اسے گماں ہوا جیسے وہ پتھر ہے۔

پریشان سا ہو کر وہ اسکی گال پر ہاتھ رکھے اپنی طرف کیے اسے دیکھ رہا تھا اور وہ بہت ہی آہستہ سانس لے رہی تھی۔

نجانے اسے کب سے بھوکا پیاسا رکھا ہے، ایسے تو یہ مر جائے گی" سادان اسکی گال نرمی سے تھپک رہا تھا اور کرب سے سوچ رہا تھا مگر وہ ہوش سے بیگانی ہوتی جا رہی تھی۔

عاقل برف لیے تیزی سے اندر آیا تو اسکا چہرہ بھی فق تھا۔ وہ سادان کو گھٹنے ٹیک کر زمین پر یوں فلذہ کے پاس فکر مند سے بیٹھا دیکھ کر ترنت اس تک آیا۔

سائیں آپ یہاں نہ بیٹھیں، یہ آپکے شایان شان جگہ نہیں" عاقل نے سادان کو فرش پر بیٹھے دیکھا تو عاجزی سے بولا کیونکہ مٹی اب سادان کے کپڑوں پر بھی لگ چکی تھی۔

اسکے لیے کھانا لے کر آو، اور کسی ملازم سے کہو کے دوسرا کوارٹر صاف کریں۔ یہ اس گندگی میں رہی تو ممکن ہے کل اسکی لاش ہی اٹھے۔ فوراجاو"

سادان کے ایک اور حکم پر عاقل فرمابرداری سے پھر بھاگا۔ وہ اسکا جواب اور مٹی گرد سے بے نیاز ابھی بس ایک مہربان طبیب تھا۔

سادان کے لیے وہ ابھی صرف ایک مریض تھی، ایک انسان۔ جس کے لیے اسکے دل میں انسانیت کے ناطے ترس تھا مگر وہ جو اسے دیکھ نہیں رہی تھی یہ بات سادان کو ضرور ہلا گئی تھی۔

دیکھو ہمت کرو، اٹھو یہاں سے۔ آو چارپائی پر، دوسرا کمرہ تیار کروایا ہے" تمہارے لیے۔ اب سے تم وہیں رہو گی" سادان نے اسکی سمت دیکھ کر اب زرا جھجھک سے کہا کیونکہ خود تو اس میں اٹھنے کی ہمت جو رہی سہی تھی وہ اس ظلم پر رو کر ختم ہو چکی تھی۔ سادان کو احتیاط اس لیے بھی برتنی پڑھ رہی تھی کیونکہ وہ جس طرح اس کے ہونے سے اس نیم بیہوشی میں بھی سمٹ کر پرے سرک رہی تھی وہ یہ واضع کر رہا تھا کہ وہ تکلیف کے ساتھ ساتھ خوف میں بھی مبتلا ہے۔

وہ تو ہنوز بے جان تھی اور سادان اسے یوں مٹی دھول میں نہیں چھوڑ سکتا تھا تبھی اٹھ کر اس پر آہستگی سے جھکا اور ہنوز احتیاط سے اسے کندھوں سے پکڑ کر اٹھایا۔ وہ واقعی بے جان سی ہو کر سادان کے ساتھ لگی ہوئی خواب ناک سی کیفیت میں سمجھ نہ پائی کہ اسکے ساتھ یہ مہربان سلوک آخر کون کر رہا ہے۔

سادان اسے دیکھ کر مزید بجھا تاثر دے رہا تھا جو کھڑے کرنے پر بھی کمزوری اور تکلیف سے آنکھیں کھول نہ پائی تھی۔

اپنے ساتھ لگائے وہ اس کو ڈھیلی سی چارپائی پر بٹھائے خود دوسری طرف سے اب اسے تکیہ درست کیے ساتھ ہی فوراً کروٹ پر لٹا گیا اور وہ تو ابھی بھی بند آنکھیں کیے بمشکل سانس لے رہی تھی۔

سادان نے اسکے سیاہ بال دیکھے جو اسکی کمر سے نیچے تک تھے، وہ لٹانے کی وجہ سے اسکی موٹی لمبی چوٹی اسکی کمر کے نیچے آگئی تو اسے چبھے نہ یہی سوچ کر وہ اسے نکال کر اب اس کروٹ پر لیٹی کانپتی فلذہ پر چادر کر وا رہا تھا۔

وہ آنکھیں بند کیے ہوئے ہوش سے بیگانی تھی اور اب سادان دروازے کی سمت منتظر نگاہ لیے عاقل کے کا منتظر تھا۔

فلزہ کے کپڑوں پر لگی مٹی اور گرد کے کچھ نشان اب سادان کے دامن پر آچکے تھے، مگر وہ شکنیں زیادہ گہری تھیں جو سادان کے چہرے اور دل پر تھیں۔

فلزہ کی گال پر لگی مٹی دیکھ کر سادان نے ساتھ مصالحت سے کچھ ساتھ پڑے گھڑے تک جا کر پانی سے اپنی ہتھیلی تر کی اور آرام آرام سے اسکے دہکتے ماتھے پر پھیر رہا تھا جو پھیرنے سے دھول کی وجہ سے سیاہ ہو رہی تھی۔

سادان کو آج تک اس حویلی اور حویلی والوں سے وہشت تھی مگر اس بے جان لڑکی کی نا قابل برداشت حالت دیکھ کر آج نفرت محسوس ہو رہی تھی۔

ماتھے پر پھیرنے کے بعد اب وہ اسکے باقی چہرے پر بھی ہاتھ ویسے ہی پھیر رہا تھا۔ وہ تو اس مسیحائی سے بے نیاز ہوش سے کٹی سی تھی مگر اللہ نے اسکی مدد سوچ سے بھی بہت پیاری بھیج دی تھی۔

فلذہ کا سیاہ دوپٹہ جو اسکے گرد لپٹا تھا، اسی کا ایک کونہ لیے اب وہ اسکے چہرے پر پھیر رہا تھا۔

اک درد دیتا تاثر تھا جو سادان کے چہرے پر پھیل رہا تھا، ساری دنیا کہ حقارت سہنے والی اس دنیا کی سب سے بہترین مسیحائی پا رہی تھی۔ وہ جو نادانستہ کہیں آسمان کی کسی تہہ پر ایک ساتھ لکھے تھے تو کیسے رب تعالی مہربانی کا نزول نہ کرتا۔

ساری دنیا کو کالی کلوٹی، بھدی اور بیچ لگنے والی فلذہ اس شخص کو بس بے بس ، کمزور اور معصوم سی جان لگ رہی تھی جس پر ظلم کے پہاڑ کو توڑا گیا تھا۔

سادان نے روبرو کھڑے ہو کر ایک نظر فلذہ پر ڈالی، بند آنکھوں کے باوجود اک کرب اور تکلیف تھی جو ان نازک پلکوں پر لرز رہی تھی۔

نظر ان خشک ہونٹوں پر گئی تو سادان کو لگا وہ پیاسی بھی ہے۔ فوری مڑ کر سامنے رکھے گلاس میں گھڑے سے پانی بھرے وہ پھر سے اس تک آیا جو اب تھوڑا بہتر سانس لے رہی تھی، مگر رفتار ہنوز لڑکھڑائی سی تھی۔

پانی پی لو، اٹھو" چارپائی ایک تو ڈھیلی تھی اوپر سے نازک کے سادان کو لگا" کہ وہ اگر بیٹھا تو ٹوٹ جائے گی تبھی وہیں سے فلذہ کے سر کے نیچے ہاتھ رکھے وہ اسے پانی پلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

یہ دن بھی آنا تھا کہ سادان یہ سب بنا کسی جھجھک کرے گا، اسے خود بھی اندازہ نہ تھا۔

گلاس ہونٹوں سے لگنے کی دیر تھی کہ وہ بند آنکھوں کے باوجود پانی پینے لگی اور سادان جو احتیاط کے طور پر آدھا ہی گلاس لایا وہ سارا پی گئی۔ واقعی وہ پیاس میں اٹی تھی، سادان تو کسی کیئر ٹیکر کی طرح نہایت پیارا اور فکر مند لگ رہا تھا۔

یہاں تک کہ اسے اپنے سفید سوٹ پر جگہ جگہ لگی مٹی کی بھی کوئی پراوہ نہ تھی، اسے ابھی پراوہ تھی تو اس لڑکی کی جو بہت تکلیف میں تھی۔

ہاتھ اسکے سر سے نکالے وہ اب گلاس واپس رکھ کر مڑا تو ایک نظر اس مٹی اور جالوں سے اٹے کمرے پر ڈالی تو سخت رنجیدہ ہوا۔

"یا اللہ اگر یہ بے قصور ہے تو اسے ہر ظلم سے بچا لیں۔ یہ بلاشبہ معصوم اور دکھیاری ہے، آپ اپنے پیاروں پر بوجھ نہیں ڈالتے، مجھے اس کشمکش سے نکال دیجئے۔ مجھے سچائی کا ادراک کروایئے تاکہ میں اس معصوم کو باعزت اسکے باپ تک پہنچا سکوں۔ یا ور یہ تو نے ہم سب کو کشمکش میں ڈال دیا ہے"

وہ کمر پر ہاتھ رکھے دوسرے سے سر کے اٹھے بال بٹھائے حالت اضطراب میں فلذہ کو دیکھ کر دعا کر رہا تھا اور سادان کے اس سلوک پر اللہ بلاشبہ اس سے بہت راضی تھا۔

وہ جو درندہ صفت، ظالم، ناانصاف اور جابر باپ کا بیٹا ہے، وہ ایک مہربان، "عادل اور اللہ کا پیارا ہے" کہیں کسی نے کسی کے دل میں اتارا تھا، کوئی آواز تھی جو آسمان پر سنائی دی گئی تھی۔

"اللہ کے حوالے کر دو سب، وہ بھی جس پر گماں ہے کہ سنبھال نہ پاو گے۔ وہ بھی جس پر خوف ہے کہ کھو دو گے" یوں لگا کوئی دھیرے دھیرے فلذہ کے کان میں کہہ رہا تھا، وہ خواب میں تھی۔ یہ آوازیں اسے خواب میں سنائی دے رہی تھیں۔

"اللہ کے سپرد ہو تم فلذہ، اللہ تمہیں بہت آزمائے گا میری شہزادی۔ پر اللہ تمہارے لیے اس آزمائش کا انعام بھی دے گا، پس میری بچی ہمت مت ہارنا" پھر سے کسی شفیق آواز نے فلذہ کا دل سہلانا شروع کیا، وہ درد دیتا تاثر جو سادان فلذہ کے چہرے پر دیکھ رہا تھا اب ہٹ رہا تھا۔

عاقل کھانا لے آیا تھا اور ایک اچھا کوارٹر روم بھی تیار ہو چکا تھا۔ سادان کو اس وقت کسی کے غضب کی فکر نہ تھی، ایک عورت جو سادان کو لگا تھا کہ

اسکی بات مانے گی۔اسے وہ فلذہ کو کھانا کھلانے اور کوارٹر لے جانے کی ذمہ داری دیے عاقل کو اس پر نگران کر چکا تھا۔

اسے کھانا کھلاو،اور اس کوارٹر میں دو دن تک کوئی نہ آئے اور اگر تم نے "میری بات نہ مانی تو باباسائیں کے غضب سے پہلے تم میرے ہاتھوں مرو گی۔سب کو میں سنبھال لوں گا تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا،عاقل تم پر پل پل نظر رکھے گا۔اسکے لیے کوئی صاف لباس کا بندوبست کرواور یہ کھانا کھا کراور میری دی دوا سے رات تک بہتر ہوئی تو اسے خود کو اس مٹی سے نکلنے کا کہو۔اس کوارٹر کی دن میں دو بار صفائی ہونی چاہیے ورنہ انجام تم اچھے سے جانتی ہو" یہ کوارٹر کافی اچھا اور ضرورت کی سب چیزوں سے مزین تھا۔

وہ بلقیس نامی عورت سر جکائے سادان کے حکم پر فرمابرداری سے سر ہلا رہی تھی کیونکہ اب سادان کو جانا تھا۔

اسکی پیشی ہونی تھی،اسکی اس حرکت پر درمان اور انجیل آگ بگولا ہو کر حویلی میں اسکے منتظر تھے۔

سادان نے سختی سے تاکید کی اور عاقل کو اس پر نظر رکھنے کا کہہ کر خود باہر نکل گیا۔

وہ عورت بھی اب سائیں سرکار کی ہدایت پر اور عاقل کی نگرانی پر اپنا کام شروع کر چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حویلی میں سکتا طاری تھا، سلطانہ بیگم تو کسی مجرم کی طرح گھبرائی سی کھڑی تھیں اور درمان چوہدری اور انجیل بیگم سادان کی اس حرکت پر وہشت ناک انداز میں پھنکار رہے تھے۔

سادان کو حویلی کے مرکزی احاطے میں آتا دیکھ کر ان دونوں ماں بیٹوں کی خونخواری کو پر لگے جبکہ کرمان اور کومل بھی اب مضطرب چہرہ لیے یہاں ہونے والے ہنگامے سے سہاتا ثر دے رہے تھے۔

ان سبکے بر عکس وہ پر اعتماد انداز میں بنا کسی دبے اور ڈرے تاثر کے عین درمان چوہدری کے سامنے آ کر تنا۔ایک طرف حقارت اور حکم عدولی پر غصہ تھا تو دوسری طرف صرف افسوس اور اس حویلی اور اسکا حصہ ہونے پر رنج۔۔۔۔۔

اس موئے سے رنگ روپ والی فلذہ نے ایک ہی دن گزرا تھا کہ سائیں جی کو اپنے کمرے تک کھینچ لیا، یہ لڑکی اس حویلی کا خود بہت بڑا قہر ہے" یہ دو گھسر پھسر کرتی ملازمائیں تھیں جو چہرے پر سناٹا سجائے زنانہ خانے کی بیرونی دیوار سے اپنے ادھ ڈھکے منہ نکال کر سامنے متوجہ تھیں جہاں ابھی وہشت ناک سناٹا طاری تھی۔

اللہ سائیں خیر کریں" دوسری نے بھی سہم کر سرگوشی میں لقمہ دیا اور" اب سب ہی اس طرف توجہ مبذول کر چکے تھے جہاں درمان حق خون

آشام نگاہوں سے سادان کو عتاب اور قہر آلود نگاہوں سے مرکوز کر چکے تھے۔

تو اس گھٹیا پنچ کے قریب کیوں گیا سادان، تجھے اب اس کے اور اسکی سزا کے کسی معاملے میں ٹانگ اڑانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آج میں تجھے اس گستاخی پر جانے دے رہا ہوں لیکن اگلی بار تو اپنے باباسائیں کا خوفناک روپ دیکھے گا" چوہدری درمان حق کے کڑے تیوروں سے بے نیاز سادان افسوس اور دکھ سے باباسائیں کو دیکھ رہا تھا جو آج اسے حد درجہ ظالم لگے تھے۔

اس ظالم شخص کے لہجے میں محسوس کن حقارت وہاں موجود ہر فرد نے محسوس کی، سادان نے تحمل سے یہ ناقابل قبول بات سنی اور اپنے ماتھے پر چمکتی شکنیں مزید گہری کیے دو قدم آگے بڑھا تو ہر طرف سنسنی سی پھیلی۔

وہ گھٹیا اور پنچ اب میرے نکاح میں ہے باباسائیں، میں جتنا بھی سفاک ہو جاؤں انسانیت کے درجے سے گر نہیں سکتا" سادان کی بات سن کر ہر

کسی پر تو لرزاں خیز لہر اتری ہی تھی مگر درمان حق تو اپنی جگہ پتھر کا مجسمہ بن چکے تھے۔

انجیل بیگم کو تو واقعی آج سانپ سونگھا تھا۔

کیا بکواس کر رہا ہے تو سادان، تیری یہ جرت کہ تو میرے فیصلے کو غیر" انسانی کہے۔ وہ لڑکی ایک مجرم ہے اور تیرا اس معاملے سے اب کوئی تعلق نہیں۔ مجھے مجبور مت کر کہ میں بابا سائیں سے جلاد بن کر پہلے تجھ پر ہی قہر ڈھادوں" کہیں دل کے اندر کچھ ٹوٹا تھا، شاید بابا سائیں پر اسکا مان، آج تو ہر حد ختم تھی۔

ضبط کے مارے سادان کی آنکھوں میں لہو سے بھی گہری سرخی اتری اور وہ دو قدم واپس پیچھے مڑا اور بمشکل سانس لے پایا۔

سب سادان کو یوں دیکھ رہے تھے جیسے وہ اس ظالم دنیا کا کوئی نیا مہربان ہے، اسے آج اس حویلی اور یہاں کا حصہ ہونے پر شرم محسوس ہوئی تھی۔

اس سے زیادہ کیا قہر ڈھائیں گے آپ، اس لڑکی کے ساتھ جو ابھی ملزم "
سے مجرم بھی نہیں بنی، ایسا جانوروں سا سلوک۔۔۔۔ آپکی اولاد کو سوئی
بھی نہ چبھے اور دوسروں کی اولاد کو گرم سلاخیں لگائی جائیں کیا انصاف
ہے۔اف۔۔۔۔۔۔ دوسری بات کہ وہ لڑکی مجرم ہے یا نہیں اسکا فیصلہ
کرنے کے لیے اب میں ہوں، اگر وہ مجرم ہے تو اپنے ہاتھوں سے آپکے
قدموں میں لاکر پٹخوں گا۔ لیکن جب تک میں سچائی نہیں جان لیتا کوئی اس
لڑکی کو چھوئے گا بھی نہیں۔ آپ یہ بات اچھے سے سمجھ کر اپنے ان درندہ
صفت ملازموں کو بھی سمجھادیں" سادان کی آنکھوں کی بغاوت کا آج ہر
کوئی عینی شاہد تھا، ملازمین تک روحیں فنا کیے سادان کی اس دبنگ دھمکی
خیز آواز پر مردہ سے چہرے لیے ہاتھ باندھے کھڑے تھے اور سادان نے
آخری بات اس چالیس کے لگ بھگ شاطر سی فیضاں کو دیکھ کر خونخوار
انداز میں کہی تو وہ تو زمین میں ہی گڑھ گئی۔

انجیل بیگم اور درمان حق حیرت و بے یقینی میں غرق پھٹے تاثرات کے سنگ اپنے سامنے کھڑے نڈر، بے خوف اور خود مختار سادان حق کا انوکھا اور لرزاں خیز روپ دیکھ رہے تھے۔

سلطانہ اور عالیہ بھی سمجھ نہ پائیں کہ یہ موقع خوشی کا ہے یا درد کا، البتہ کومل اور کرمان حق کے چہرے کا رشک آسمانی حد تک دلفریب تھا۔

سادان جیسے جی دار مرد سے ان دونوں کو ایسی ہی بہادری کی امید تھی۔

وہ جس جلاد کے سامنے ہر کوئی سانس لیتے لرزتا تھا، یہ واحد سادان تھا جو اپنی بات پوری جرت سے کہہ گیا تھا۔

درمان حق تو بھونچکا رہ گیا، اتنی جرت پر اسے غش آرہے تھے اور دل چاہ رہا تھا سادان کا منہ توڑ کر رکھ دے۔

تو اپنے بابا سائیں سے بعث کرے گا، سیدھا سیدھا تو مجھے درندہ کہہ رہا ہے " بدبخت۔۔۔ جب میں نے کہا کہ وہ بدذات ہی یاور کے قتل کی وجہ ہے تو تُو اب کونسی سچائی تلاشے گا، بول۔ یا اس خرافہ نے تجھ پر بھی وہی پھونک دیا

ہے جو میرے یاور پر پھونکا" اب کی بار درمان کا لہجہ ہتک آمیز تھا اور سادان کی برداشت دم توڑ رہی تھی، وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اپنی تربیت اور اخلاقیات سے باہر جائے اور اسکے ماتھے کی تباہ کن ابھرتی رگیں اسکے ضبط کا منہ بولتا ثبوت تھیں۔

میں اس لڑکی سے کوئی رشتہ بنانے نہیں گیا تھا، آپ سب نے اسے موت" کے دہانے پر لا کھڑا کر دیا ہے۔ میرا مذہب اور پیشہ دونوں مجھے رحم دلی سیکھاتے ہیں پھر چاہے وہ دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ بابا سائیں میں آپکی بہت عزت کرتا ہوں، مجھے اتنا مجبور مت کریں کے میں اپنے مزاج سے گرڑ بڑا جاوں۔ ضروری نہیں ہے کہ جو ہمیں دیکھائی دیا وہی سچ ہو، میرا یقین کریں اور مجھے تھوڑا وقت دیں۔ ایک بار مجھے تسلی کرنے دیں اسکے بعد میں آپکے اور اس لڑکی کے بیچ نہیں آوں گا۔ مگر تب تک وہ اس گھر میں نہ کوئی سزا سہے گی نا نوکرانی بنے گی" سادان اب کی بار لہجے میں نا چاہتے ہوئے بھی گزارش لے آیا تھا اور اب درمان کے بجائے پتنگے دادی کو لگے تھے۔

جسم میں چیونٹیاں لوٹ کھسوٹ کرتی محسوس ہو رہی تھیں۔

"اگر ایک ہفتہ ہے تیرے پاس، جا کر سچ جان لے۔ لیکن اسکے بعد میں نے تجھے اس لڑکی کے آس پاس بھی دیکھا تو تجھے تو کچھ نہیں کہوں گی ہاں البتہ اس منحوس ماری بدکردار کو زندہ زمین میں ضرور گاڑوں گی۔ تو ہماری روایات کو چیلنج کر رہا ہے سادان، یہ تجھے بہت مہنگا پڑے گا" انجیل بیگم کے لفظ لفظ میں وہ زہر تھا جو سامنے والے کے دل کو چھلنی کر سکنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ سادان اس وقت وہ گھن کھایا زینہ تھا جو ابھی بس چر مرا کر دھڑم سے زمین بوس ہو جاتا۔

درمان خود اماں کی اس رعایت پر ہاتھوں سے چھوٹ کر پھنکار رہا تھا مگر ماں صاحبہ نے نا جانے نظروں میں کونسی مکاری بھر کر اسے دیکھا کہ وہ یک دم ٹھنڈا ہوا۔

سادان کو ایک ہفتہ یہ سب جاننے کے لیے بہت کم لگا تھا مگر وہ اسی کو غنیمت سمجھ چکا تھا۔

کم از کم وہ یہ ضرور چاہتا تھا کہ فلذہ مزید کسی درندگی کا شکار نہ ہو کیونکہ اس پر اگر مزید کوئی ظلم ہوتا تو یقیناوہ مر جاتی۔

سادان یہ سب ایسے ہوتا نہ دیکھ سکتا تھا نہ اس کے اندر ایسی بے رحمی برداشت کرنے کی سکت تھی۔

کرمان حق اور کومل بھی سادان کے جاتے ہی منظر سے غائب ہوئے جبکہ عالیہ بھی اماں سائیں کو لیے کمرے کی طرف چل دی۔

اب حویلی کے احاطے میں جلبلاتے اور تلملاتے ہوئے وہ ماں بیٹا سلگ رہے تھے۔

آپ نے اسے یہ ڈھیل کیوں دی اماں سائیں، میرا تو دل چاہ رہا اس فساد کی" جڑ کو اپنے ہاتھوں مار کر یہ قصہ ہی ختم کر دوں" درمان کے ہاتھوں سے بھی شعلے نکل رہے تھے، اس کا بس چلتا سبھی کو زندہ در گور کر دیتا مگر انجیل بیگم کا شاطر دماغ دور کی سوچ رہا تھا۔

صبر رکھ درمان، وہ کالی بد شکل اس قابل نہیں کہ سادان اسکی سمت دیکھے بھی۔ یہ وقتی ہمدردی کا بھوت فطری ہے تو عقل سے کام لے، کیوں اپنی اولاد کو اپنے خلاف کر رہا ہے۔ اسے کرنے دے جو وہ اپنی چھوٹی عقل سے کرنا چاہتا ہے، سچائی یہی ہے اور یہی رہے گی۔ ویسے بھی ہفتے بعد وہ چلا جائے گا پھر اس خرافہ اور اسکے باپ دونوں کی لگامیں ہمارے ہی ہاتھ آئیں گی" انجیل بیگم کی منصوبہ ساز اور خبیس سوچ پر شیطان نے اکیس توپوں کی سلامی ٹھوکی اور اب تو درمان بھی ایسی فسادی بات پر پھر سے ہر خونخواری معدوم سی کر گیا تھا۔

یہ دونوں ابھی سادان کو جانتے نہ تھے اور اسکی نیت کی سچائی کا ادراک نہیں رکھتے تھے، اگر خالص پن سے رب کی تلاش بھی کی جائے تو وہ بھی مل جاتا ہے۔

سادان کو کہیں نا کہیں یہی لگتا تھا کہ سچائی وہ نہیں ہے جو اسے دیکھائی گئی بلکہ سچ کسی تیسری سرنگ میں چھپا تھا جسے جاننے اور جس تک پہنچنے کے لیے اب سادان کے پاس یہ ہفتہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بات اتنی سیدھی نہیں ہے چاچو، معاملہ کچھ اور ہے "دن بھر سب ہی اس" عجیب صورت حال سے عاجز اور اکتائے رہے اور پھر کرمان خود ہی سادان کو لیے کچھ دیر زمینوں پر آگیا تھا۔

عاقل ہمیشہ سادان کے ساتھ ہی رہتا تھا اور اس وقت بھی وہ ان دونوں سے کچھ فاصلے پر گن پکڑ کر چوکس کھڑا تھا۔

تھا تو مالو کا بیٹا مگر عاقل کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ حساس سا لڑکا تھا اور سادان کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا اسی وجہ سے سادان کوئی بھی خفیہ کام ہو اسے ہی ساتھ رکھتا تھا۔

مالو تو چوہدری درمان کا خاص کارندہ تھا، جبکہ فیضاں کی ساری شیطانی خصلت بلکل انجیل بیگم پر تھی۔ جہاں تک رہی بات سلطانہ کی، وہ تو ازل سے ان روایتوں سے خائف اور بد دل سی گھریلو خاتون تھیں۔

سادان کی عقل یہ ماننے کو تیار نہ تھی کہ یاور محض ایک ڈنڈا لگنے سے مرا ہے، دوسری طرف اسے وہ دونوں مسکین باپ بیٹی بھی جھوٹے اور قاتل نہیں لگ رہے تھے اور یہ بات سارا دن سادان کا دماغ ذہنی دباو کے ذریعے گھیرے ہوئے تھی۔

کرمان دھیمے سے ہلکی داڑھی مونچھ رکھتے تھے، چہرہ سرخی مائل اور صاف رنگ، شفیق نقش جو اس وقت سادان کی بات سن کر تھوڑے تنے ہوئے تھے۔

گرے سوٹ پر بھوری چادر اوڑھے وہ سادان کے ساتھ ہی چل رہے تھے جبکہ وہ بھی اب گہرے سلیٹی سوٹ پر کالی واسکٹ زیب تن کیے نکھرا ہو کر بھی بجھا ہوا تھا۔

قمیص کے اگلے دامن پر ایک دو سلوٹ بتا رہی تھی کہ کافی دیر بیٹھا رہا تھا، چہرے کی مدھم رواں دار داڑھی سلجھی ہوئی اور اسکے ڈارک براون شیڈڈ بال اب ہلکی ہلکی ہوا سے ماتھے پر ڈھلک رہے تھے جسے وہ ہاتھ سے بارہا جمانے کا عادی تھا۔

آنکھوں میں سخت اضطراب تھا اور یہ ہفتہ سادان کو بہت مشکل سے کاٹنا تھا۔

تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے کہ بھائی جان غلط ہیں اور منظور حسین ٹھیک کہہ رہا ہے" کرمان کے اس سوال پر سادان نے سرعت سے چاچو کو دیکھا جنکے چہرے پر سنجیدگی کی گہری چھاپ درج تھی۔

میں کسی کو غلط یا درست نہیں کہہ رہا چاچو، بابا سائیں کی بات پر میرا دل" مطمئین نہیں اور نہ وہ پورا سچ ہے جو مجھے منظور حسین نے بتایا۔ کچھ تو ایسا ہے جو ہم سے چھوٹ گیا ہے، کوئی ایسی چھوٹی سی کڑی جو مجھے سچ تک لے جائے "اک نامعلوم سا اضطراب تھا جس نے سادان کے وجود کو جکڑا ہوا تھا، کرمان کا بس چلتا تو وہ سادان کی اس الجھن کو ختم کر دیتے مگر وہ خود اس سب صورت حال سے الجھے پڑے تھے۔

دیکھ لو سادان، یہ ہفتہ ہے تمہارے پاس۔ اسکے بعد تم ان درندہ روایات" اور مظالم کو چاہ کر بھی نہیں روک پاؤ گے۔ آج تک کسی نے ایسی ہمت نہیں کی کہ وہ چوہدری درمان حق کے سامنے اس طرح کے فیصلے میں بولے۔

یقیناً وہ اگر تمہیں چھوٹ دے رہے ہیں تو اسکا مطلب یہی ہے کہ سچ وہی ہے جو بھائی جان نے بتایا ہے" کرمان حق اسے کوئی چھوٹی آس یا تسلی نہیں دینا چاہتے تھے اور خود سادان بھی اس وقت حقیقت پسندی سے ہی کام لینا چاہتا تھا۔

کوفت سے اپنی کنپٹی سہلاتا سادان سخت الجھن میں تھا جب کرمان نے اسکے کندھے پر زوردار تھپک دے کر حوصلہ بڑھایا۔ کرمان حق کو سادان میں اپنا عکس دیکھائی دیتا تھا اور یہ سچ بھی تھا کہ وہ واقعی رحم دل انسان تھا۔
یہ حقیقت جاننے کی تگ ودو کرنا خود کو ایک مسلسل عذاب سے محمول کرنے کے مترادف تھا اور سادان یہ خطرہ مول لے چکا تھا۔
"میں اس معاملے میں تمہارے ساتھ ہوں میرے بچے، تم اپنی طرف سے چھان بین شروع کرواور میں بھی اپنے طریقے سے دیکھتا ہوں کہ کیا کیا جا سکتا ہے" ہزار ناامیدی اور مایوسی سہی مگر وہ سادان کا ولولہ اور جوش کم نہیں کر سکتے تھے اور اس وقت سادان کو انکا حوصلہ دینا واقعی مضبوط کر گیا تھا۔
"تم یاور کی قبر پر گئے" چلتے چلتے سادان کے قدم رکے اور وہ درد دیتے تاثر کے سنگ چاچو کو دیکھ کر نفی میں سر ہلا گیا۔ انداز میں بے پایاں رنجیدگی سموئی تھی، وہ بھی اداسی میں گندھ گئے۔

جب تک یہ معاملہ حل نہیں ہوتا میں اسکی قبر پر نہیں جاوں گا، یہ میرے لیے تکلیف دہ ہے چاچو" سادان کی آواز میں ٹوٹے کانچ سی لرزش تھی اور وہ پہاڑ جیسا مرد ہو کر شکستہ سا ہو گیا جس پر کرمان نے سرخی مائل آنکھوں سے اسے دیکھا اور دونوں ہاتھوں نے اسکا چہرہ تھپکائے تسلی دی۔

کبھی کبھی ان دونوں کو دیکھ کر لگتا تھا کہ سادان انہی کی اولاد ہے، رتی برابر بھی وہ بابا سائیں پر نہیں گیا تھا۔

شاید یہ بھی اللہ کا کوئی بھید تھا کہ اس رب برتر نے درندگی کے خاتمے کو ایک نیک مہربان بھیجا تھا۔

"اللہ سے اچھے کی امید رکھو میرے شیر، تم پر بہت بڑا امتحان اترا ہے۔ اللہ پاک تمہیں سرخرو کریں گے ان شاءاللہ" بس یہی چند تسلی سے اٹے لفظ تھے جو سادان کی شکستگی میں کمی کر گئے۔

اب دیکھنا یہ تھا کہ حالات آخر کس کروٹ بیٹھتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"یار یہ کیا بات ہوئی، گاوں جاتے ہی تو وہیں کو پیارا ہو جاتا ہے۔ بندہ ایک مس کال ہی مار لیتا ہے" وہ دونوں ہی لاہور کے ایک چھوٹے سے فلیٹ میں رہتے تھے اور یہ بھی اس لیے تھا تاکہ دونوں اپنی ہاوس جاب مکمل کر کے پھر اپنے اپنے گھروں کو لوٹیں۔ چھ ماہ مزید تھے اسکے بعد وہ دونوں پر فیشنل ڈاکٹرز بن کر اپنا ایک کلینک کھولنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

شاویز لاشاری اپنے والدین کا اکلوتا لخت جگر تھا، ولد اسد لاشاری ایک مسجد کے نہ صرف موذن اور امام تھے بلکہ ساری عمر اسی قرآن پاک کی درس و تدریس میں صرف کی تھی۔ والدہ گلناز بیگم بھی صوم وصلاۃ کی پابند سی ایک گھریلو عورت تھیں اور دونوں ہی لاہور کے ہی ایک چھوٹے سے قصبے میں عزت واحترام کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

شاویزاور سادان دونوں ہی بچپن سے ساتھ تھے اور جب سادان لاہور آیا تھا تو اسکا ایک ہی دوست بنا جو آج اسکا جگری یار تھا۔

نہ شاویز کو پھر کسی اور ہمدرد کی ضرورت پڑی نہ ہی سادان کو اسکی یاری میں کمی ملی، دونوں ہی خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ پیارے اور نیارے مہربان دل رکھتے تھے۔

ابھی وہ کمرے میں نہا کر نکلا تھا اور فون لگاتے ہی محترم ساتھ ٹاول سے بالوں کو رگڑتے ہوئے چھوٹتے ہی شکایت لیے بولے جس پر اپنے کمرے کے ٹیرس پر کھڑا سادان بھی دھیمی سی مطمئین لہر میں واپس آیا۔

ان سب حالات میں اسے یہ سب شاویز کو بتانے کا موقع نہیں ملا تھا اور آج بھی اسی نے سادان کی گمشدگی سے گھبرا کر آتے ہی کال ملائی تھی۔

کیا بتاوں یار، کس تکلیف کے سلسلے میں پھنس گیا ہوں۔یاور۔۔۔۔۔" یاور نہیں رہا" غم سے چور اور دلبرداشتہ انداز میں جب سادان نے یہ کہا تو ایک لمحے کو شاویز تو پتھر کا بت بن گیا تھا۔

اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے ہی دبائے وہ پھٹی آنکھوں سے سادان کے کہے الفاظ سے سن ہو چکا تھا۔

کیا؟ یہ کیا کہہ رہا ہے۔ یاور کو کیا ہوا یار، اِنّا للہ وَاِنّا الیہ راجعون۔ بہت "دکھ ہوا۔ اللہ پاک اسکے درجات بلند کریں، میرے شہزادے اتنا کچھ ہو گیا اور تو اب بتا رہا ہے" دکھ کی انتہا تھی جو اب شاویز کے چہرے پر رقم تھی، سادان کیا بتاتا کہ خود اسے یہ خبر یاور کے منوں مٹی تلے دبنے کے بعد بتائی گئی ہے۔

اور اس انکشاف کے بعد وُنی کی ساری کہانی سن کر شاویز کے ہاتھ پیر پھول چکے تھے اور وہ صدمے سے بیڈ کا سہارا لیے وہیں جا بیٹھا۔ حال یہ تھا گویا پیروں سے زمین سرک گئی تھی۔

او میرے خدا، یہ کیا ظلم ہو گیا۔ اف تو کہے تو میں آجاوں، سادان حوصلہ "مت ہارنا تو بہت مضبوط ہے" شاویز جانتا تھا کہ سادان اس وقت تکلیف

میں ہے مگر وہ اس سے دور تھا اور اچانک انکے لیے ہاؤس جاب سے لیو لینا آسان بھی نہیں تھا۔

شاویز کی تسلی پر وہ بس پتھر سا پریشان چہرہ لیے ہوئے تھا۔

نہیں شاویز، یہ میری لڑائی ہے جسے صرف مجھئ کو لڑنا ہے۔ بس تو دعا کر" کے اللہ مجھے سچائی کا علم دیں" سادان کا رونکھا اور بجھا انداز شاویز سمجھتا تھا تبھی اسکے لیے بہت دکھ میں تھا۔

اِنَّہٗ یَعۡلَمُ الۡجَہۡرَ وَمَا یَخۡفٰی (بے شک وہ (یعنی اللہ) ہر ظاہر اور چھپی بات کو" جانتا ہے) اللہ تجھے سچائی سے ضرور ملوائے گا۔ میری ساری دعائیں تیرے ساتھ ہیں" شاویز کی ایک پیاری عادت یہ بھی تھی کہ وہ حافظ قرآن تھا اور اکثر و بیشتر قرانی آیات کا موقع کی مناسبت سے حوالہ دیتا تھا۔

سادان کو لگا جیسے یہ آیت اسکے دل کو تھپکی دے رہی تھی کہ اس معاملے میں اللہ ہی اسکا مددگار ہے، اور جسکا اللہ مددگار ہو اسے جیتنے سے کوئی روک نہیں سکتا۔

مجھے بس یہ خوف ہے کہ انجانے میں میرے ہاتھوں کوئی ناانصافی نہ ہو" جائے، یہاں کوئی میری بات سننے کو تیار نہ تھا۔ شاویز پلیز میرے لیے خاص دعا کروا، یہ معاملہ میرے دل و دماغ پر میری طاقت سے زیادہ بھاری ہے" یہ واحد شاویز تھا جسکے سامنے وہ اپنا ہر طرح کے جذبات سے اٹا دل کھول کر رکھ دیتا تھا، کیونکہ شاویز اسکا سب سے اچھا رہنما، اور دوست تھا۔ سادان کے لہجے کی بے بسی اور ناز کی پر شاویز بھی رنجیدہ تھا۔

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى (پس آپ نصیحت کیجیے اگر نصیحت فائدہ دے)"

سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى (جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ جلدی سمجھ جائے گا۔)

وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى (اور بڑا بدنصیب (ہے جو) اس سے الگ رہے گا۔)

بلاشبہ انکے دل سیاہ ہیں جو اللہ کی بتائی نصیحت کو مزاق سمجھتے ہیں، اللہ ایسوں کی پکڑ کرتا ہے۔ تو پریشان مت ہو، میری ساری دعائیں حاضر ہیں۔ میری ضرورت ہو تو اک آواز دینا، بندہ حاضر ہو جائے گا" شاویز کا موہنا دلفریب

انداز سادان کو پر سکون کر گیا تھا، زندگی کے ہر معاملے کی قرآن پاک میں ہدایت، اور راہ موجود ہے۔

وہ فون بند کیے مڑا تو عاقل مودب سا اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا تھا، سادان نے فوری اسے اندر بلایا۔

"کیسی ہے وہ؟" وہ دن بھر اپنی ہی الجھن میں رہا تھا اور اب عاقل کو دیکھ کر اسے فلذہ کا خیال آیا تو پوچھ بیٹھا۔

"جی سائیں اسکی بازو میں بہت تکلیف ہے، پورا دن روتی رہی ہے۔ بلقیس باجی نے اسے کھانا کھلا کر صاف لباس بھی پہنوا دیا تھا۔ اسکے کمرے کی صفائی بھی دوبارہ ہوئی، سائیں پر اسکا رونا تو مجھ سے بھی نہیں دیکھا جا رہا" عاقل نرم سے چھوٹے دل کا مالک ساری بات بتاتے بتاتے آخر تک خود بھی رنج سے نڈھال ہوئے بولا جس پر سادان نے ایک تھکی سی سانس خارج کی۔

"جلن کم ہو گی تو ہی تکلیف بھی معدوم ہو گی، ہمیں پتا نہیں کہ سامنے دیکھائی دیتے انسان کی ظاہری تکلیف کے ساتھ ساتھ اسے اندرونی کتنی

تکلیف ہے۔ خیر تم بلقیس کو کہو اسکا خاص خیال رکھے اور جو دوا میں نے لگانے اور کھانے کو دی ہے اسکو باقاعدگی سے استعمال کروائے۔ اب تم بھی جا کر آرام کر لو، کب سے میرے ساتھ خوار ہو رہے ہو" فکر مندی، مہربانی، دکھ کا رنجور سایہ اور خلش، کیا نا تھا سادان کے لہجے میں، مگر عاقل کی فرمابرداری اور وفاداری پر وہ اسے سراہنا بھی نہیں بھولا تھا جس پر عاقل پیاری سی مسکان دے کر ساری تھکن زائل کر گیا۔

سائیں میری تو جان بھی آپکے لیے حاضر ہے، جب تک آپ کو چین نہیں" آتا تب تک میں بھی آرام کو خود پر حرام کر چکا ہوں۔ اللہ آپکو اسکا اجر ضرور دے گا جو آپ نے اس معصوم سی دکھیاری پر رحم کر کے نیکی کی ہے۔ پتا ہے گاوں کی پار مسجد کے مولوی صاحب کہتے ہیں کہ دشمن پر بھی رحم دلی کرو تا کہ پہچانے جاو کہ تم محمد ﷺ کے امتی ہو۔ خود اللہ کسی مظلوم پر ظلم کو ناپسند کرتا ہے، مجھے آپکی یہ بات بہت اچھی لگی کہ آپ نے باقیوں کی طرح اس بات کو سچ نہیں مانا جو دیکھائی دی۔ میں نے منظور چاچا کی آنکھوں

میں سچی تکلیف دیکھی ہے سائیں، ابا بھی میری نہیں مانتے پر اللہ گواہ ہے جھوٹ میں اتنی کربناکی نہیں ہوتی۔ سچے آنسو سیدھے دل میں گرتے ہیں" یہ عاقل بھی شاید اسی امام کا ذکر کر رہا تھا مگر یہ بات سادان کو ابھی سمجھ نہ آئی کہ اللہ اسے ایک اشارہ دے رہا ہے۔ ہو سکتا تھا وہ امام صاحب میں کچھ جانتے تھے، مگر ابھی بہت سی پرتیں کھلنی اس سارے معاملات باقی تھیں۔

خود سادان عاقل کی اس بات پر مزید گہری سوچ میں ڈوب چکا تھا۔ کچھ بھی تھا اب چیزیں آہستہ آہستہ کھلنے کو تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے روز کرمان حق کچھ زمینی معاملات کی غرض سے فجر سویرے ہی ڈیرے کی طرف آئے تھے کیونکہ کچھ روز سے زمین کے تمام معاملات

وہی دیکھ رہے تھے۔ وہ لوگ جدی پشتی کئی ایکڑ اراضی کے مالک تھے اور آدھا گاوں اور اسکی زمین چوہدری درمان حق کی ملکیت تھی جہاں وہ لوگ کھیتی باڑی، اور اسکے علاوہ ڈیری فارم اور کئی اسطبل خانے بھی بنوا چکے تھے۔

یوں کہا جائے کہ اتنے بڑے گاوں کی آدھے سے زیادہ زمین انہی کی تھی تو غلط نہ ہوگا، یہاں کے قانون، روایات سب پنچائیت اور سرپنچ کے قبضہ قدرت میں تھا۔

یہ ایک گاوں کے وسیع رقبے پر موجود کھلی حویلی تھی جسکی ایک طرف دو بیٹھک خانے تھے، ساتھ ہی اسطبل اور گائے، بھینسوں کا حد نگاہ تک پھیلا باڑا تھا جن سب کی دیکھ بھال مالو منشی کے سپرد تھی۔

ابھی کچھ دیر پہلے ہی فجر کی آذان ہوئی تھی اور کرمان حق نے یہیں نماز ادا کی اور اب جائے نماز تہہ کرتے باہر صحن میں لگی چارپائیوں تک آئے اور میز پر رکھی چند کاغذی فائلز کو دیکھنے لگ گئے۔

مالو جو اپنے کام میں لگا تھا، باہر دستک پر نکلا اور کچھ دیر بعد چہرے پر تفتیش سی سجائے اندر آیا۔

سائیں آپ سے ملنے ساتھ والے گاوں کا منشی فضلو آیا ہے" مالو نے" مودب ہو کر کہا تو کرمان نے منہمک انداز میں سر اٹھا کر مالو کی سمت دیکھا اور دوسری نظر کچھ دور دروازے کے پار ایک مالو کی عمر کے لگ بھگ آدمی کو جو بڑی بیقراری سے اجازت کا منتظر تھا۔

مجھ سے کیا کام ہے اسے، بھائی جان سے ملنے آیا ہو گا" کرمان نے فکر" مندی اور حیرت کے ملے جلے تاثر کے سنگ کہا جس پر مالو نے فورا گردن نفی میں ہلائی۔

سائیں وہ کہہ رہا ہے کرمان چوہدری سے ملنا ہے۔ آپ کہیں تو بھیج دوں"" مالو کے دوبارہ کہنے پر کرمان نے اسے کسی الجھن زدہ سوچ کے زیر اثر ہاں میں اشارہ کیا اور میز پر پڑے کاغذات ایک طرف کیے اس آنے والے منشی اور مالو کی سمت دیکھنے لگے۔

مالوا سے اندر لا کر خود واپس کرمان کے بھیجنے پر منہ بسورتا باڑے کی طرف نکل گیا کیونکہ وہ بھی ساری بات سننا چاہتا تھا مگر کرمان اسکی شکائیتی رگ رگ سے واقف تھے جبکہ کرمان نے مصالحت سے فضلو کو سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

وہ چہرے سے خاصا پریشان تھا اور کرمان بھی چہرہ پڑھنے میں ماہر تھے۔

ہاں فضلو کہو، کیسے آنا ہوا" کرمان حق نے فضلو کے چہرے کو کھوجتے" ہوئے استفسار کیا جس پر وہ ادھر ادھر پر اسراری سے دیکھتا ہوا خاصا مشکوک اور رنجیدہ لگا۔

سائیں دراصل ایک مسئلہ درپیش ہے، ساتھ والے گاوں کے دو لڑکے " غائب ہو گئے ہیں۔ ہر جگہ چھان مارا، کھوجیوں نے کئی کھرے دیکھ لیے مگر ان کا نام و نشان نہ ملا" فضلو نے اپنی بات تھوڑی پریشانی سے کہہ کر توقف کیا اور کرمان اسکی بات بہت توجہ سے سن رہے تھے۔

اوہ، لیکن میں اس میں کیا کر سکتا ہوں" کرمان کو بات کی تھوڑی سمجھ نہ آئی کہ آخر وہ چاہ کیا رہا تھا۔

" سائیں دراصل بات یہ ہے کہ وہ دونوں چوہدری یاور کے قتل والی رات سے غائب ہیں اور۔۔۔۔۔۔اور وہ دونوں ہی انکے سنگی بیلی یار تھے۔ ہمیں لگا کہ ہو سکتا ہے قتل کا سن کر ڈر کے مارے کہیں چھپ گئے ہیں مگر آج اتنے دن ہو گئے انکا کوئی اتا پتہ نہیں" فضلو جھجھکتا ہوا اب بات رنجور ترنگ میں کہہ رہا تھا مگر کرمان حق کے چہرے پر اضطراب ضرور پھیل کر نمایاں ہوا۔

" اوہ، کون ہیں وہ دونوں۔ مجھے انکے نام پتے بتاو" کرمان کا لہجہ اب زرا تفتیشی تھا، یہ کوئی کڑی بھی ہو سکتی تھی۔ اور کرمان کا دماغ انھیں ایسا ہی کوئی اشارہ دے رہا تھا۔

" سائیں ایک خذیفہ ملک، ملکوں کا چھوٹا بیٹا ہے۔ دوسرا اشان ایک نجی سے حکیم کا بیٹا ہے۔ دونوں کے گھر والے پریشان ہیں اور میں یہی درخواست

لایا ہوں کہ آپ ان دونوں کا اپنے گاؤں میں پتا کروائیں، کھوجی بتا رہا تھا کہ آخری کھرا اسی گاؤں کی طرف ملا تھا" فضلو کی باتیں سن کر کرمان سخت سوچ کے پاتال اور شکوک وشبہات میں غرق ہو چکے تھے۔

ٹھیک ہے آپ جائیں، میں کچھ پتا چلتا ہے تو آپکو اطلاع دیتا ہوں" کرمان حق نے اسے پوری امید دلائی تھی اور وہ اٹھ کر شکریہ ادا کرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

یاور کے دو دوست بھی اسی رات سے غائب ہیں، یہ کوئی اتفاق تو نہیں ہو سکتا۔ کہیں سادان ٹھیک تو نہیں سوچ رہا کہ اس قتل کے پیچھے کوئی اور معاملہ ہے۔ مجھے یہ بات سادان کو بتانی ہو گی" گہری مشاہداتی سوچ کے زیر اثر وہ اپنی کنپٹی سہلا رہے تھے اور کچھ فاصلے پر کھڑا مالو کن اکھیوں سے کرمان حق کی یہ الجھی صورت دیکھ کر مشکوک سی شکل بنا چکا تھا۔

وہ صرف بڑے چوہدری کا چمچا تھا اور یقیناً اس ملاقات کی پوری رپورٹ وہ درمان حق کو پہنچانے والا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کرمان کام ختم کیے دن تک واپس لوٹے تو وہ سید ھا سادان سے ہی ملنے اسکے کمرے کی طرف بڑھے مگر درمان کی دبنگ آواز پر وہ اپنے قدموں کا تسلسل روکے چہرے پر آئی فق ہوتی لہر جذب کیے اب سہلاہت سے اونچی شاہی کرسی پر براجمان درمان کے سامنے آئے تو وہ انھیں عجیب سی نظروں میں مرکوز کر چکے تھے۔

خیر ہے کرمان، یہ اتنی اجلت میں کہاں بھاگا جا رہا ہے۔زمین کی بات طے ہوئی یا نہیں" وہ جو مالو سے سب رپورٹ لے چکے تھے خاصی شاکی اور استفہامیہ نگاہوں سے کرمان کو دیکھتے بولے جو سنجیدگی برقرار رکھے مودب سے سامنے براجمان ہو چکے تھے۔

بھائی وہ لوگ پچاس ہزار سے مرلہ دینے پر راضی ہیں، آپ بتادیں میں یہ " کام کل ہی مکمل کر دیتا ہوں" کرمان انھیں کسی قسم کا مشکوک تاثر دیے بنا کاروباری انداز سے کہہ رہے تھے اور درمان جو اڑتی چڑیا کے پر گن لیتا تھا، یہ بھائی کے بدلے اور پھٹے تاثرات کیسے نہ بھانپتا جو چیخ چیخ کر بتا رہے تھے کہ یہ بندہ کسی الجھن میں ہے۔

خوب،اور کچھ "کریدنے کا انداز خاصا ناپسند تھا مگر کرمان بھی بڑے پکے " تھے۔

اور کچھ نہیں "وہ بھی ویسا لہجہ لیے صاف مکرنے کی کوشش میں تھے۔"

سیانے ایک بات کہہ گئے ہیں کرمان، کہ عقل کو وہیں لگاو جہاں لگانی" بنتی۔ایک مخلصانہ مشورہ دیتا ہوں کہ سادان جو پاگل پن ٹھانے بیٹھا ہے اس میں اسکی کسی بیوقوفی پر مجھے تو اسکے اس بار ساتھ نہ دیکھائی دینا۔امید ہے عقل مند کہ لیے اشارہ کافی ہے" جو بات وہ چھپے ہوئے جبڑے بھینچے

انداز میں کرمان کو کہہ رہے تھے وہ مقابل بیٹھے کرمان کے چہرے پر تاریکی سی لے آئی تھی۔

یعنی یہ لوگ چاہتے ہی نہیں تھے کہ سادان کی کوئی کوشش رنگ لائے مگر کرمان سنتے سب کی تھے مگر وہ ہمیشہ وہی کرتے تھے جس پر انکا دل مطمئین تھا۔

مزید بات کا موقع نہ ملا کیونکہ حویلی کے بیرونی احاطے سے چیخ وپکار کی آواز پر وہ دونوں ہی ایک ساتھ باہر نکلے تو سامنے چوہدری کے کارندے پھر سے منظور حسین کو بری طرح پیٹ رہے تھے جو پھر سے فلذہ کو ملنے پہنچ آیا تھا۔

کرمان تو دہل کر رہ گئے کیونکہ وہ درندے لاتوں اور ٹھڈوں سے اس بوڑھے کو دھکے مار رہے تھے، کرمان آگے لپکے ہی تھے کہ درمان نے اس مار کھا کر کراہتے منظور حسین پر نفرت سے مزین نگاہیں مرکوز کیے کرمان

کو روکا اور پھر اپنے آدمیوں کو ہاتھ روکنے کا اشارہ کرتے اس خون میں لت پت مٹی مٹی ہوئے منظور حسین کے سر پر فرعون پر کر تن گیا۔

وہ جو زمین پر بے سدھ پڑ تھا، تب بھی ہاتھ جوڑے فلذہ کی ایک جھلک اور اسی خیر خبر کو ترس رہا تھا۔

تو نے بیٹی ونی کی ہے یا ننھیال روانہ کی ہے جو یہ منحوس تھوبرا اٹھا کر اپنی درگت بنوانے آجاتا ہے، دوبارہ تو یہاں نظر آیا تو یہیں حویلی کے دالان میں تیری قبر بنا دوں گا۔اب تجھے اس خرافہ کی اگر کوئی خبر یہاں سے ملے گی تو وہ بس موت کی ہو گی" درمان حق پر اللہ کا قہر جلد نازل ہو گا جو اس بے بس منظور حسین پر اب اپنا پاؤں رکھے ہتک آمیز رویے کی بھی حد ختم کر گیا تھا۔

کرمان شدید افسوس سے یہ ظلم دیکھ رہے تھے مگر انکی اتنی بھی فوقیت نہ تھی کہ وہ درمان چوہدریؒ اور انکی سفاکی کو روکتے۔

سائیں قبر بنادیں، میری قبر بنادیں پر میری فلذہ۔۔۔''آج بشیر نجانے کہاں تھا جو منظور پھر سے اپنی رہی سہی جان لٹانے اس جہنم کی سرحد آیا تھا۔

کیا کرتا وہ بوڑھا مسکین باپ، زندگی کی ساری جمع پونجھی اور لخت جگر حویلی کو دے کر اب وہ کہاں جاتا، کہاں کس قبر میں زندہ دفن ہوتا کہ اسکا لیر ولیر جگر رفو ہوتا۔

مر گئی ہے تیری وہ منحوس ناگن، دفع ہو جا اور اب مجھے دیکھائی مت دینا'' منظورے ورنہ قسم کھاتا ہوں تیرے سامنے اس کو زندہ جلادوں گا'' زمین و آسمان اس ظلم پر کانپ جاتے ہیں پر کیسا پتھر ہے تو درمان حق! تُو تو وقت کے فرعون کو بھی مات دے گیا ہے۔ درمان میں اخلاقیات تو نام کو نہ تھیں مگر رہی سہی بھی وہ بھول کر پوری درندہ صفتی سے دھاڑا تو منظور حسین بھی پتھرائے تاثرات کے ساتھ بمشکل کانپتی ٹانگوں سے لڑکھڑا کر اٹھا اور ہاتھ جوڑے پھوٹ پھوٹ کر رویا۔

ناسائیں، یہ نہ کریے گا۔ میں دیکھائی نہیں دوں گا۔ جا رہا ہوں، سائیں اللہ" کا واسطہ ہے میری فلذہ۔۔۔۔"آنکھوں سے اذیت کیسے بہتی ہے، دل کیسے لہو روتا ہے یہ کوئی اس باپ سے پوچھتا جو اپنی لخت جگر کی ایک جھلک تک کو ترس گیا تھا۔

بات پوری ہونے سے پہلے درمان نے اسے پوری شدت سے دھکا دیا تو وہ پھر سے کچھ دور زمین پر جا گرا، اسکے سارے کپڑے گرد اور مٹی سے اٹ کر اسے فقیر سے بھی بدتر بنا چکے تھے۔

درمان چوہدری نے تنفر سے اس زمین پر پھونک مار کر سسکتے منظور کو دیکھا اور پیر پٹختا اندر بڑھا۔

کرمان انکے جاتے ہی دوڑ کر اس زمین پر پڑے منظور تک پہنچے اور اسے آہستگی سے اٹھا کر کھڑا کیا مگر وہ شکایت اور غمنا کی جو منظور کی آنکھوں میں تھی وہ کرمان کا کلیجہ بھی کاٹ گئی۔

منظور حسین تم خود کو مزید زلیل مت کرو، فلذہ یہاں سادان کی حفاظت" میں ہے۔ یہ بات تمہاری تسلی کو کافی ہے، کچھ روز صبر کرو سچائی سامنے آنے تک حویلی سے دور رہو" کرمان اس سے درمان کی وجہ سے زیادہ بات نہ کرسکے اور کہہ کر حویلی کی سمت بڑھ گئے مگر اس بوڑھے میں تو جیسے جان پھونک دی گئی تھی۔

وہ آدمی ابھی بھی اسے ٹھوکے اور دھکے دے رہے تھے اور اسے حویلی سے نکال باہر کیے دروازہ بند کر گئے اور وہ جو اتنی مار کے بعد مر جانے والا ہو گیا تھا، دیوار کا سہارا لیے سر آسمان کی طرف کر کے دردناک روتا ہوا چل دیا۔ شکایت اللہ کو لگ گئی تھی، وہ رب اپنے بندوں پر انکی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بلقیس نا صرف ایک اچھی سگھڑ عورت تھی بلکہ اس نے ساداں کے حکم کو واقعی سر آنکھوں پر رکھے قبول کر کے فلذہ کا خیال رکھا تھا۔

اسکے لیے وہ عام ہی سہی پر نیا لباس لائی تھی جو اسکی بیٹی کا تھا مگر اس نے ابھی تک پہنا نہیں تھا۔اور اتفاق تھا کہ وہ فلذہ کے سانولے رنگ کے باوجود اس پر خوب جچا تھا۔

ہلکی سبز قمیص تھی جسکے دامن پر ہاتھ سے سترنگی دھاگوں سے کڑھائی ہوئی تھی اور شلوار سفید کھلے پائنچوں والی جس پر کہیں کہیں ایک گول شیشہ دھاگے کے خول میں قید تھا۔

سر کے لیے ایک میرون اور کالی چادر تھی جو فلذہ نے سر پر اوڑھ رکھی تھی اور سر دیوار سے ٹیکے وہ اس باریک گدے والے پلنگ پر جھولی میں پٹی ہوئی بازو رکھے آنکھیں بند کیے نیم دراز لیٹی تھی۔

کل اسے کچھ خبر نہ تھی کہ کس نے اسکی کتنی مسیحائی کی ہے،ہاں البتہ آج وہ ہوش میں تھی اور بلقیس کا خود سے نرم سلوک دیکھ کر سکتے میں بھی تھی۔

بچپن سے فلذہ کو دو ہی شوق تھے، اچھا پہننے اور اچھا سجنے کا۔ وہ بھلے پکے کندن رنگ کی سانولی تھی مگر اسکے نین نقش آج دھلے دھلے ہو کر پہلے سے زیادہ میٹھے تھے۔ اوپر سے وہ لباس اس پر اسکے رنگ پر بہت بچ رہا تھا۔ اسکی لمبی چوٹی بھی اسکے کندھے پر سے ڈھلک کر چادر کی اوٹ سے دیکھائی دے رہی تھی جو آج سنوری ہوئی گندھی تھی۔

اللہ بھلا کرے بلقیس کا، جانوروں اور درندوں کی اس فوج میں انسان ملنا ایک کٹھن مگر پیارا معاملہ تھا۔ وہ بھی یہ سب سادان کے حکم پر کر رہی تھی۔

فلذہ کے کانوں کی وہ نگوں والی چھوٹی چھوٹی نئے کھدے ڈیزائن کی بالیاں ہی تھیں جو گھر سے اسکے ساتھ آئی تھیں۔

ایک یہی تو اسکے بابا جان کی نشانی تھی جو اسکے پاس تھی، ہاتھ ہلانے پر بھی فلذہ کو بہت تکلیف ہونے لگتی تھی۔ یوں لگتا تھا ابھی بھی بازو پر کوئی انگارہ دھرا ہے، مگر وہ اس نیم بیہوش سی حالت سے اب نکل رہی تھی۔

بروقت کھانا اور پانی ملنے سے اسکے لاغر وجود میں تھوڑی سی بہتری آچکی تھی اور وہ جو مٹی اور دھول کے ساتھ میلے کچلے خلیے سے ہو کر اس قدرے صاف اور رہنے کے قابل کمرے اور اپنے صاف ستھرے وجود کی تبدیلی بھی محسوس کر چکی تھی۔

خود وہ بہت صفائی پسند تھی، اسکے بابا بھی نمازی تھے اور فلذہ خود بھی نمازی تھی مگر وہ جب سے آئی تھی اس نے نماز نہ پڑھی نہ اسے ہوش آیا تھا مگر وہ خود پر ایسی نرمی اترنے پر دل سے اللہ کی شکر گزار تھی۔

بلقیس اسے دن کا کھانا دو تک دے گئی تھی اور آج فلذہ نے موہوم کوشش کیے کھانا خود کھایا تھا۔

وہ اتنے بڑے پلنگ کے باوجود بس تھوڑی سے جگہ پر سمٹی ہوئی تھی جیسے زیادہ جگہ پر اسے پھر سے سزا کا خدشہ تھا۔

بابا جان، کہاں ہیں آپ" ابھی بھی اس کمرے کی تاریک سی خاموش" وحشت میں لخت جگر بس اپنے بابا کو پکار رہی تھی۔

شام تک سادان گھر سے باہر رہا تھا اور وہ آج عاقل کو بھی ساتھ لے کر نہئں گیا تھا بس کچھ دیر وہ ان سب معاملات پر تنہائی اور سازگار ماحول میں سوچنا چاہتا تھا۔

شام وہ واپس آیا تو اسے فلذہ کا خیال آیا جس پر وہ عاقل کو اشارہ کیے زنامہ خانے کی سمت بڑھ گیا تھا۔ دوسری طرف کرمان بھی جلد از جلد اسے یہ ساری بات بتانا چاہتے تھے۔

کیسئ ہے وہ اب" سادان کمرے تک آیا تو بلقیس جو باہر نکل رہی تھی" سادان کے پوچھنے پر وہیں مودب ہوئی گردن جھکا گئ جبکہ سادان کی نظر تھوڑے کھلے دروازے کے پار رخ پھیر کر بیٹھی فلذہ پر گئ۔

سائیں اب بہتر ہے، بس کمزوری بہت ہے۔ اور یہ کہنا تھا کہ وہ بیٹھی رہتی" ہے، کتنی بار کہا لیٹ جائے مگر ایک ہی رٹ کے وہ ٹھیک ہے" بلقیس کی بات پر سادان نے حیرت سے اندر دیکھا جو ابھی بھی نیم دراز سے ٹانگیں سمیٹے بیٹھی تھی۔

وہ شاید پانی لینے جا رہی تھی تبھی سادان کے اشارے پر باہر نکلی تو سادان محتاط سے انداز میں اندر گیا۔ کل وہ بیہوش تھی تبھی وہ بے فکر ہو کر اسکی میسحائی کرنے میں لگا تھا مگر آج اسکے ہوش میں ہونے پر سادان اپنے اندر سمٹا ہوا تھا اور یہ اسکی شخصیت کا ایک اور سنہرا رنگ تھا۔

کیسی ہو اب تم ؟" ملائم سی آواز سماعت میں پڑی مگر وہ زرا سا رخ سیدھا" کیے اس آواز پر بھی آنکھیں نہ اٹھا پائی اور بس سہمی سی لگی۔

سادان نے یہ بات آج بھی محسوس کی کہ وہ اسے دانستہ اور نادانستہ دونوں نہیں دیکھتی تھی اور یہ بات سادان کو تھوڑی عجیب سی لگی۔

جو لڑکی نیم بیہوشی میں بھی حیا میں سمٹی ہو وہ بدکرداری کے کسی درجے میں نہیں آتی اور آج اسکا نکھرا روپ سادان کو اسے دیکھنے پر مجبور کر رہا تھا کہ کاش وہ آنکھیں بھی اٹھائے اور سادان اسے دیکھے۔

دیکھو تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، زخم پر کچھ دن درد ہو گا لیکن" اوپری جلد پر ہونے کے باعث جلد مندمل ہو گا" سادان ہنوز اسے دیکھ کر

تھوڑا قریب ہوئے شاید اسکی بازو دیکھنے کو جھکا مگر وہ اب کی بار خوف کے مارے مزید دیوار میں سمٹ گئی اور سادان بھی فوری اسکی گھبراہٹ بھانپ کر دوبارہ پیچھے ہٹ کر کھڑا ہوا۔

وہ لڑکی اسے نجانے کیسا سمجھ رہی تھی، سادان کو یوں لگا وہ اچانک خوف سے کپکپاہٹ میں مبتلا ہو گئی ہے۔فلذہ کو بس یہ پتا تھا کہ یہ بھی دوسرے مردوں جیسا ظالم مرد ہے اور وہ ابھی تک یاور اور اسکے دوستوں کی درندگی اور سفاکی نہیں بھولی تھی۔

سادان کو اس کا خوف اور ڈر دیکھ کر مزید یقین سا ہوا جیسے یہ لڑکی بے قصور ہے اور دل سے شدید خوف و ہراس میں مبتلا ہے۔

تم پر سکون ہو جاو، میں بس تمہارا زخم دیکھنا چاہ رہا تھا۔میں ایک ڈاکٹر" ہوں، ڈرو مت" سادان کو پھر سے اپنی سمت جھکتا دیکھ کر وہ پھر سے کانپ رہی تھی مگر اب وہ اسکی بازو دیکھنے کو جب اسے چھو رہا تھا تو فلذہ نے مزاحمت نہیں کی البتہ وہ سر اور نظریں ہنوز نیچے کیے ہوئے تھی۔

سادان نے اسکی پٹی کھول کر زخم کا جائزہ لیا اور پھر سے ویسی ہی باندھ کر فلذہ کو دیکھنے لگا جو اگلے ہی پل اپنی بازو درد کے باوجود سادان کے ہاتھ سے کھینچ چکی تھی۔

کیا تم بولتی نہیں ہو؟" سادان جو اس کے ساتھ ہی پلنگ پر ٹکا تھا اسے یوں" حد درجہ نڈھال اور چپ دیکھ کر گردن اسکی سمت کیے نرمی سے پوچھتے بولا جس پر ہنوز نہ کوئی تاثرات میں جنبش آئی نہ اس نے خاموشی توڑی۔

تمہارا نام کیا ہے؟" فلذہ کو وہ اس وقت بس ایک مریض کے طور پر ڈیل" کر رہا تھا کیونکہ سادان کو لگا جیسے وہ دماغی طور پر بھی شدید بیمار اور نڈھال ہے اور سادان کے خیال سے اسے ہونا بھی چاہیے تھا۔ سادان کو وہ کوئی جواب دینے کی سچویشن میں نہیں لگ رہی تھی تبھی وہ اٹھ کر ایک لمحے کو واپس مڑا جو نا جانے نظریں کبھی اٹھاتی بھی تھی یا نہیں۔

اسکی بے نور صورت کے باوجود چہرے کی گہری شفاف گندمی رنگت جو ہر دیکھنے والے کو کالی کلوٹی لگتی تھی، سادان کو تو محسوس ہی ابھی ہوئی تھی۔

وہ رنگ نسل زبان میں فرق نہ رکھنے والا انسان تھا، اچانک ذہن میں ایک جھماکہ سا ہوا اور وہ پلٹ کر کسی گہری سوچ کے پاتال میں جا ڈوبا۔

لوگ اسکے رنگ کو لے کر اسے برا کہتے ہیں، اوپر سے بدکرداری کا الزام، "اور اسکا یہ کپکپانا اور ڈرنا۔۔۔۔ نہیں سادان، یہ لڑکی کہیں سے بے حیا اور بے باک نہیں ہے۔ تمہئں اب ہر صورت اس قتل کی حقیقت جاننی ہو گی" کمرے سے باہر نکلتا سادان شدید الجھن میں مبتلا تھا، اسکی کشمکش اور بے چینی فلذہ سے ہوش میں ہوئی اس ملاقات نے بڑھا دی تھی۔ عاقل بھی سادان کے نکلتے ہی پیچھے ہو لیا اور وہ جو سادان کی موجودگی میں نظریں جھکائے بیٹھی تھی اب اس سمت دیکھ رہی تھی جہاں وہ گیا تھا۔

وہ کون تھا، ایسا مہربان مرد تو اس نے اپنی زندگی میں بس منظور حسین دیکھا تھا۔ فلذہ معصوم تھی، اٹھارہ کا ہونے کے باوجود وہ دوسری چالاک لڑکیوں جیسی نہ تھی، اسے یہ سب اور ایسی کسی اوٹ پٹانگ بات کا نہ علم تھا نہ ادراک۔

مگر ابھی کچھ دیر پہلے وہ جس طرح فلذہ کو نرمی سے چھو کر پھر ملائم پن سے

بات کر رہا تھا، یہ اس نمانی کو ہلا گیا تھا۔

اس نے تو بچپن سے اب تک بابا کے علاوہ سب کی حقارت اور مضحکہ خیزی

سہی تھی تو پھر یہ بابا جیسا دوسرا کون تھا؟ یہ سوال فلذہ کے معصوم نازک

دل پر آج جم چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سادان تم جاگ رہے ہو، مجھے کچھ بات کرنی تھی "رات کے کھانے کے "

بعد خود ہی کرمان موقع ملتے ہی سادان کے کمرے کی سمت آئے تو وہ جو بیڈ

پر ایک ٹانگ رکھے دوسری لٹکا کر دونوں تکیوں پر سر رکھے آنکھیں

موندھے لیٹا تھا، فوراً سے بیشتر آنکھیں کھول کر مودب سے انداز میں اٹھا اور بیٹھ کر سر اثبات میں ہلائے اپنی ساری توجہ انکی سمت مبذول کی۔

جی چاچو آئیں" سادان ٹانگ دہری کیے انھیں دیکھتے ہوئے بولا اور کرمان" کے چہرے پر لکھی الجھی سی داستان جاننے کو بھی وہ بے قرار تھا۔

کل پہلی جمعرات تھی اور پھر سے حویلی میں قرآن خوانی اور ختم کا اہتمام تھا۔

کرمان یہ بات آج ہی سادان سے کرنا چاہتے تھے کیونکہ ایک ہفتہ گزرتے پتا بھی نہیں چلنا تھا اور وہ سادان کی ناکامی پر قطعاً راضی نہ تھے۔

میں نے تمہیں تنگ کیا معذرت بچے مگر بات بہت اہم تھی، ہو سکتا ہے" تمہارے لیے یہ کڑی اہم ہو" کرمان خاصا محتاط انداز لیے سادان کے برابر ہی براجمان ہوئے اور سادان اب حقیقی تجسس میں مبتلا ہو چکا تھا۔

جی چاچو بتایئے، کیا بات ہے" سادان نے مدھم انداز سے استفسار کیا اور" لہجے میں بے چینی بھی عیاں تھی۔

دراصل ساتھ والے گاؤں کا منشی فضلو آیا تھا،اس نے ایک عجیب بات" بتائی ہے۔اس گاؤں کے دو لڑکے جو اتفاق سے یاور کے یار تھے، یاور کے قتل کی رات سے لاپتہ ہیں" کرمان نے یہ جو انکشاف کیا تھا اس پر سادان کے دماغ میں جھماکا وقوع پذیر ہوا۔

منظور حسین بھی دو لڑکوں کا ذکر کر رہا تھا اور اب یہی بات کرمان حق کے منہ سے سن کر سادان کے چہرے پر انتشار سے مزین جھنجھلاہٹ ابھری تھی۔

یہ کوئی اتفاق ہرگز نہ تھا، گہرا سناٹا پھٹ کر پھیلا اور بیٹھے بیٹھے ان دونوں پر کئی حقیقتیں وارد کر گیا۔

سادان نے پریشانی سے اپنا ماتھا مسلا اور کرمان بھی کسی دل کو دہلاتی سوچ میں غرق تھے۔

وہ دو لڑکے اس معاملے کے گواہ ہیں چاچو، مجھے سب سے پہلے انکی تلاش" کرنی ہو گی۔ کیونکہ منظور حسین نے بھی دو لڑکوں کا ذکر کیا تھا جو اس واقعہ

کے دوران یاور سے زرا پہلے فرار ہو گئے تھے" سادان کی بات اب کرمان کو بھی دھچکا دے گئی اور دونوں ایک سی سخت اضطرابی کیفیت میں اٹ سے گئے تھے۔

معاملہ تھا کہ سلجھنے کے بجائے لمحہ بہ لمحہ الجھ رہا تھا، کرمان بھی اپنا ذہنی دباو بڑھتا محسوس کر رہے تھے۔

ہاں، اور اصل قابل غور بات انکا بھی اسی رات غائب ہونا ہے۔ یہ تینوں" کہیں نہ کہیں کسی معاملے میں جڑے ہیں جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہو کر بھی مخفی ہے" کرمان ٹھیک تہہ تک پہنچے تھے اور سادان جانتا تھا کہ اب اسے اگلا قدم کیا اٹھانا ہے۔

کل ہی وہ اس مقصد کے لیے دوسرے گاوں جانے والا تھا اور یہ معاملہ اب وہ ایک لمحہ بھی منقطع نہیں کر سکتا تھا۔

ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ، میں جاتا ہوں کل۔ آپ دعا کریے گا کہ میں "

انکی کوئی خبر لے کر لوٹوں" سادان کے ارادے بلند اور نیت پاک تھی اور

کرمان کی تو ساری دعائیں ہی اسکے سر پر سایہ فگن تھیں۔

سادان کسی دل کو چباتی سوچ میں غرق ہوئے دکھ سے بولا تھا اور کرمان نے

اسکے کندھے پر مضبوطی سے پکڑ کر کے یہ باور کروایا کہ وہ اسکے ساتھ ہیں۔

اسکے علاوہ آج منظور حسین کو پھر سے پیٹا گیا ہے، وہ فلذہ سے ملنا چاہتا تھا"

مگر۔۔۔۔" بات کہتے کہتے کرمان اختتام تک افسردگی میں لپٹ گئے اور

سادان بھی انکی سمت الجھن سے چور انداز سے متوجہ تھا۔

فلذہ کون۔۔۔۔اوہ اچھا اسکا نام فلذہ ہے، میرا دماغ بھی پتا نہیں کہاں ہے "

آجکل" کرمان تو دور خود سادان کو اپنی غائب دماغی پر حیرت ہوئی جبکہ

کرمان نے مسکرا کر سادان کے اس انداز کو سراہا جس نرمی سے وہ اسکا نام

لیتے ہوئے پیارا لگا تھا۔

ہاں، جو قسمت کے ستم سے جڑھ کر تمہارے نام لگ گئی ہے۔ عاقل نے" مجھے بتایا کہ کیسے اس دن تم نے فلذہ کی دیکھ بھال کی، مجھے تم پر فخر ہے کہ دشمنی اور ایسی غمناک کیفیت کے باوجود تم نے اس بے جان لڑکی پر رحم کیا۔ اللہ ہمیں خود سے کمزوروں پر ایسی ہی شفقت کا حکم دیتا ہے، وہ اگر قصوروار بھی نکلتی ہے تو تمہیں اپنے اس رحم دلی کے جذبے پر ندامت نہیں ہونی چاہیے کیونکہ اسکا صلہ تمہیں اللہ دے گا۔ وہ بلاشبہ نیت دیکھتا ہے" کرمان کی میٹھی ترنگ، محبت اور رشک سے آٹے انداز میں کہی یہ باتیں نادانستہ ہی سہی مگر سادان کو فلذہ کے متعلق سوچنے کی طرف لے گئی تھیں۔

خود سادان نہیں جانتا تھا کہ وہ اس پر سچائی نا جاننے کے باوجود اتنا مہربان کیوں ہو گیا تھا، اسے لگا جیسے یہ مہربانی اس سے کروائی گئی تھی۔

کرمان اسے کسی گہری سوچ میں غرق دیکھ کر اسکا چہرہ تھپکاتے باہر چل دیے مگر وہ ابھی تک خود سے فراموش سا انداز لیے ہوئے تھا۔

مجھے کسی صلے کی چاہ نہیں بس کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہو، وہ لڑکی اگر بے قصور ہے تو ساداں حق اسے اس جہنم سے ضرور آزاد کروائے گا" یہ بات وہ خود کلامی کی صورت کہہ کر پھر سے وہیں نیم دراز ہو گیا اور اسکی تھکن سے چور آنکھیں بند ہو گئیں۔

وہ جتنا بھی پریشان اور بے سکون کیوں نہ ہو جاتا، اسکے دل میں کوئی تسلی دیتا احساس ضرور تھا جو اس نور سے سجے حسین چہرے پر سکون پھیلا گیا تھا۔

اللہ تمہاری مغفرت کرے یاور، جو بھی ہے تم مجھے بہت یاد آرہے ہو"""

سکون غائب ہوا تو ساداں کا درد دیتے تاثر سے مزین چہرہ کربناک ہوا اور اب وہ آنکھیں کھلیں تو نمی کا اک جہاں تھا جو وہاں آباد تھا۔

جانے والوں کی کمی اب تا عمر یونہی رہنی تھی، مگر ساداں جانتا تھا اس پر صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خالا جی" یہ پہلا لفظ تھا جو فلذہ کی زبان سے نکلا تھا، بلقیس جو اسکے سامنے بیٹھ کر اب قرآن مجید کی تلاوت کر رہی تھی، فلذہ کی مدھم پکار پر ترنت چہرہ اٹھائے سامنے دیکھنے لگی جہاں فلذہ کچھ پوچھنے کو بے قرار تھی۔

وہ بہت پر کشش تھی اس میں کوئی شک نہ تھا مگر سانولا پن ہونے کے باوجود اسکے چہرے پر کوئی تیکھی یا چبتی لہر نہ تھی بلکے شفاف گہرا گندمی رنگ ہو کر بھی وہ معصوم اور نازک لگتی تھی۔

بلقیس جو پورا دن اسکا خیال رکھتی رہی تھی، اسے ان درندوں کے بیچ انسان لگی اور تبھی فلذہ نے جھجکتے ہوئے اپنی خاموشی توڑی۔

ہاں کہہ، کچھ چاہیے تجھے "بلقیس جو کالے اور میرون عام سے جوڑے" میں سر پر دوبار چادر لپیٹے ہوئے تھی، قرآن پاک بند کر کے تاقچے پر نشانی لگا کر رکھے اٹھ کر فلذہ تک آئی جو اس نرمی پر بے یقین تو تھی مگر بلقیس کا شفیق انداز اسے بات کہنے کا حوصلہ بھی دے گیا تھا۔

خالا جی کچھ نہیں چاہیے، خالا مجھے میرے بابا کے پاس جانا ہے "فلذہ کی آنکھوں میں بات کہتے ہی نمی اتری اور بلقیس اسکی بات پر بے بس سی گردن موڑ گئی۔

فلذہ پتر تو یہاں ونی ہو کر آئی ہے، اب اپنا گھر بار بھول جا۔ یہ بھی تُو خوش قسمت ہے کہ تجھے سادان سائیں کی بدولت یہ جگہ رہنے کو ملی ہے جو یہاں ونی ہوئی عورتوں کے لیے بس خواب ہے "بلقیس کے لہجے میں کھارا پن تھا اور فلذہ کی بڑی بڑی آنکھیں یوں لگا سمندر بن گئی ہیں۔

نا بچہ، مت رو۔ سادان سائیں کا سایہ جس پر ہو وہ کمزور نہیں ہونا چاہیے۔" اور تجھ پر تو اللہ سائیں بھی مہربان ہیں۔ میری ابھی تیرے جتنی بیٹی ہے، اللہ گواہ ہے کہ مجھے تو ویسی ہی لگی پر بچے ہم کمی کمین نوکر ذات تو بس حکم کے پابند ہیں۔ مالک کہے تو درندہ بن جاتے ہیں اور مالک کے کہنے پر ہی دوبارہ انسان۔۔۔" بلقیس نہ صرف اچھی تھی بلکہ اتفاق سے فلذہ کا ایک اور آسمانی

حوصلہ بن کر اتری تھی، بلاشبہ اللہ کی ہر بات میں مصلحت اور ہر حکمت میں خیر ہے۔

فلذہ جو یہ سادان کا نام مسلسل سن رہی تھی اب بلقیس کو لگا کہ وہ رنجیدہ سی بہت تکلیف میں ہے۔ بلقیس نے رخ پھیر کر اسکے سر پر ہاتھ رکھا اور اٹھ گئی مگر فلذہ کی آواز پر چونک کر پلٹی۔

وہ کون تھے؟" فلذہ نے روئی سے پھٹی آواز میں پوچھا تو بلقیس سمجھ نہ پائی" کہ وہ کیا پوچھ رہی ہے تبھی پھر سے اس تک آئی اور نرمی سے اسکے سر پر ہاتھ رکھا جیسے پوچھ رہی ہو کہ کون۔

کس کا کہہ رہی ہے پتر؟" بلقیس واقعی سمجھ نہ پائی اور وہ کچھ دیر پہلے آتے" اس مہربان انسان کا پوچھ رہی تھی۔

اچھا وہ جو تجھے دیکھ کر گئے ہیں، وہی تو سادان سائیں ہیں۔ اس حویلی کے" اصل شہزادے، اور خیر سے تیرے سر کے سائیں۔ اب تو کچھ دیر سو جا نہیں تو وہ خفا ہوں گے کہ میں نے تجھے باتیں لگا کر آرام نہیں کرنے دیا"

بلقیس اپنے سادہ پن میں بڑے مان سے کہہ کر پھر سے تاقچے پر رکھا قرآن اٹھا کر دوسرے تختے پر براجمان ہو کر تلاوت میں مشغول ہو گئی جبکہ فلذہ بھی دکھی سی وہیں ٹانگیں سمیٹتی ہوئی دہری ہو گئی۔

سر کا سائیں، یہ لفظ فلذہ کے سر میں گھوم رہا تھا۔

جن چوہدریوں کے مظالم کا وہ سنتی آئی تھی یہ تو ان جیسا ظالم نہ تھا۔

"یہ سر کا سائیں کیا ہوتا ہے بابا" ذہن کے دریچے میں اس لفظ سے جڑی بات فلذہ کو یاد آئی جب اس نے یہ لفظ صغری خالہ کی زبان سے اپنے شوہر کا کو یاد کرتے ہوئے دلخراش ذکر میں سنا تو وہ بھولے پن سے گھر آئی اور پہلا سوال ہی بابا جان سے یہی کیا۔

"سر کا سائیں وہ سایہ ہے جو ایک عورت کی اس ظالم دنیا میں سب سے بہترین حفاظت کرتا ہے، یہ سایہ بھلے گرم بھی ہو تب بھی عافیت ہے۔اور یہ سایہ ٹھنڈا ہو تو دنیا میں ہی جنت ہے" تب منظور حسین نے بہت پیار سے فلذہ کا نازک ہاتھ چوم کر بتایا تھا تو وہ آگے سے مزید سوالیہ ہوئی تھی۔

منظور سمجھ گئے تھے کہ وہ معصوم سی لخت جگر ابھی بھی نہیں سمجھی تبھی مسکرا کر فلذہ کی ٹھوڑی ہلائے اسے دیکھنے لگے۔

جس طرح میں، تیری اماں کے سر کا سائیں تھا۔اب سمجھ آئی تجھے "منظور" کی بات پر تب بھی فلذہ کا دل لرزا تھا اور آج بھی۔

سر کا سائیں ہونے کے باوجود اماں تو مر گئیں ہیں بابا، پھر آپ نے کیوں" حفاظت نہ کی۔ بابا مجھے ایسا سر کا سائیں کبھی نہیں چاہیے "تب بھی فلذہ رو کر بابا کے سینے سے لگ گئی تھی اور آج بھی کئی آنسو فلذہ کی آنکھوں میں تیر رہے تھے۔تب منظور حسین نے خوف سے اس کانپتی فلذہ، لرزتی لخت جگر کو سینے میں چھپا لیا تھا اور آج اسکے پاس ایسا کوئی لمس نہ تھا۔

اسے اس لفظ سے خوف آرہا تھا، کیا وہ بھی مر جائے گی۔یہ خیال اسے رلا رہا تھا مگر وہ تو خود موت چاہتی تھی۔

سر کا سائیں نہیں چاہیے مجھے، اس دنیا میں میرے صرف پیارے بابا" ہیں "آنکھوں کو بے دردی سے رگڑتی فلذہ نے دکھ اور کرب سے آنکھیں میچ لیں اور تکلیف کا چور سایہ اسکے چہرے پر سایہ فگن ہوتا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے دن حویلی میں ایک بار پھر سارا گاوں اور انکے معززین جمع تھے۔ عالیہ کا شوہر تبریز چوہدریٔ بھی دوسرے گاوں کا بگھڑا نواب سمجھا جاتا تھا اور یہ رشتہ چوہدریٔ درمان اور تبریز کے والد چوہدری بخت سکندر کی آپسی دوستی کے باعث طے پایا تھا مگر عالیہ اس گھر میں خوش نہیں تھی۔

چوہدری تبریز ایک نمبر کا نکما اور باپ کے رعب داری پر عیش کرنے والا ایک لاپرواہ شخص تھا جسے ماں باپ نے مزید بگھڑنے سے بچانے کے لیے

عالیہ سے بیاہ دیا تھا مگر کہتے ہیں ناں جسکی عقل مت ماری جائے اسے کسی طرح بھی پھر لگام نہیں ڈالی جاسکتی۔

پورا دن وہ بھی بس حویلی میں سب پر مشکوک نگاہیں رکھے گھورتا رہا تھا اور اسے یہاں ہمیشہ سے آکر سخت کوفت ہوتی تھی۔

چونکہ قرآن خوانی تھی تو وہ اماں اور باباسائیں کے ساتھ آیا تھا اور واپسی بھی عالیہ بھی ساتھ جانے والی تھی۔

عالیہ سادان سے دو سال بڑی تھی مگر وہ بھی زیادہ تر کم گو تھی، پڑھائی کرتے کرتے باباسائیں کے حکم پر اسے چار وناچار شادی کرنی پڑی اور آگے سے تبریز جیسا انا پرست وڈیرا پا کر اس کملی کے تو سارے ارمان جل کر خاک ہو گئے تھے۔

درمان کی درندگی کا اثر اسکے سب بچوں پر کہیں نہ کہیں تھا مگر ایسے لوگ کسی شدید دھکے کے بنا باز نہیں آتے تھے۔

دن کو تمام معاملات خیر سے نمٹانے کے بعد وہ تبریز اور ساس سر کے ساتھ ہی واپس روانہ ہو گئی تھی۔

ملگجی نیلے رنگ کا سوٹ پہنے وہ واش روم سے نکلی تو سامنے بیڈ پر نوابی انداز سے لیٹا تبریز اسے کڑھے تیوروں میں مرکوز کیے ہوئے تھا جو عالیہ کا خلق ویسے ہی سوکھا گیا جیسا پچھلے ایک سال سے وہ اس پر حاکمیت کرکے کرتا آیا تھا۔

"ماننا پڑے گا مجھے اپنے سالوں کو، ایک عورت کے پیچھے مرکھپ گیا اور دوسرا اتیاری پکڑے بیٹھا ہے۔ ویسے کیسا خاندان ہے تیرا عالیہ۔ میرا تو دل وہاں بیٹھنے تک کو راضی نہ تھا" تبریز اچھے قد کاٹھ والا پرکشش مغرور اور بدلحاظ سا انسان تھا۔ چہرے پر گھنی مونچھ اور ہلکی داڑھی سجائے ہلکے کریم کلر سوٹ پر نوابی انداز سے چادر لیے وہ اب عالیہ کے پھٹے چہرے پر نظریں جمائے خاصی حقارت سے بولا تھا۔

آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں، میرے بھائی ایسے ویسے نہیں ہیں" عالیہ بھلے پچھلے سال سے یہاں تھی پر آج بھی وہ تبریز کے سامنے سہمی اور ڈری تھی۔ وہ اس پر بس حکم چلاتا تھا اور جب بیوی کی ضرورت ہوتی تو میٹھا بن کر ساری حدیں پار کرتا تھا۔ اسے عالیہ میں ہمیشہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی حالانکہ وہ سادان جیسی پیاری اور فرحت بخش شباہت رکھتی تھی مگر مرد کی بھی کئی اقسام ہوتی ہیں۔

یہ تبریز اور درمان جیسے ٹیڑھے مردوں کی بھی کوئی الگ دنیا ہوتی تاکہ ان جیسوں سے انسانی بستی محفوظ کی جاتی۔

عالیہ کو اپنے بھائیوں کی حمایت کرتا دیکھ کر تبریز کے تن میں شرارے سے اٹھے اور وہ کنپٹی کی رگیں اکڑاتا عین اسکے سامنے آئے تن کر غضبناک سا ہوا۔

برٹی آگ لگ رہی ہے تجھے، یہ وہ باتیں ہیں جو ہر کوئی کر رہا ہے۔ سادان" کو کیا ضرورت تھی اس خرافہ پر مہربانی کی، ونی کا مطلب بس درندگی ہے

اور وہ کون ہوتا ہے روایات کے بیچ آنے والا۔ اور وہ تیرا یاور بھائی، جیسے میں اسے جانتا نہیں۔ ایک نمبر کا لوفر اور نکما شخص تھا" لو جی کہہ کون رہا تھا جو خود ایسی ہی خصلت کا جیتا جاگتا ثبوت تھا، عالیہ کی آنکھوں میں نمی اور شکایت ایک ساتھ امڈی تھی اور وہ بابا سائیں کے اس تبریز نامی فیصلے پر پچھلے سال سے ہی رو رہی تھی۔

خدا کا کچھ تو خوف کریں، میرا بھائی مرا ہے اور آپ۔۔۔۔" درد سے عالیہ کی آواز پھٹ گئی اور تبریز اسکے کرب سے بے نیاز اسے خون آشام انداز سے گھورا کہ اسکا سانس تک خلق میں اٹکا۔

تو بھائی تیرا مرا ہے، میں کیوں اپنی زبان کو لگام دوں۔۔۔۔۔ جو جس قابل ہوتا ہے اسے ویسی ہی موت ملتی ہے۔ اور تو! خبردار جواب مجھے ٹسوے بہاتی دیکھائی دی، یہ سوگ اور ماتم تیری شکل پر نہ دیکھوں" یہ ظالم بھی درمان ہی کے طبقے کا تھا اور حقیقت میں درمان کے غلط فیصلے کی ترجمانی کرتا ثبوت تھا۔

عالیہ نے شاکی غم سے بھری نگاہ تبریز پر ڈالی جو اسے بھائی کی موت پر آنسو بہانے کی اجازت بھی نہیں دے رہا تھا،ایسے سفاک لوگ ہی اچھے لوگوں کو بدنام کرتے ہیں۔

عالیہ لاکھ ضبط بھی کر لیتی پر وہ وہاں حویلی میں بھی دکھی تھی اور اب گھر آ کر جلاد شوہر کے زہریلے لفظ اور اب اسکا قریب آنا اسے خون کے آنسو رلا رہا تھا۔

چل بس کر،اب تھوڑا وقت شوہر کو دے "تبریز جو کچھ لمحے پہلے پھنکار رہا تھا اب خمار آلود سے انداز میں اسکے چہرے پر جھکنے لگا تو عالیہ نے روتے ہوئے اس بے درد کو پیچھے دھکیلا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

خدا کے لیے مجھے اتنا مجبور مت کریں،میں یہاں دکھ سے مر رہی اور آپکو یہ سب۔۔۔۔"وہ جو اسے یوں نفرت سے جھٹکنے پر دیکھ رہا تھا اس بات پر خونخوار ہو کر اسکا جبڑا دبوچ کر آنکھوں کو خوفناک کیے گھورا۔

بھائی مرا ہے تیرا، شوہر زندہ ہے۔ یہ نخرے تیرے پہلے برداشت کیے "
ہیں جواب کروں گا، میرا ماتھا ٹھنکا تھا مت سمجھی۔ آگے ہی میں بہت غصے میں
ہوں یہ نہ ہو آج تجھے بھی ایڈوانس میں تیرے لالے کے پاس پہنچا دوں "
تبریز کے چہرے پر حقارت اور لہجے میں ہتک آمیزی تھی اور وہ بھی روتی
سسکتی ہوئی اس درندے کی بے رحمی سے بچ نہ پائی تھی۔ تبریز کی بلا سے وہ
اب روتی یا تڑپتی، اسے تو بس اپنی من مانی اور جنون کے ساتھ کھوکھلی
مردانگی کا پرچار کرنا تھا جو وہ بے باکی اور بے حسی سے منہ زور جذبات نازل
کرتے ہوئے جاری رکھے تھا۔

اللہ بہت بڑا انصاف پسند ہے، عالیہ کی تکلیف بھلے وقتی سہی مگر یہ اس
درمان حق کا عنقریب امتحان بننے کو تھی جسے اکلوتا داماد خوبخو اپنے جیسا ملا
تھا۔

تبریز نے عالیہ کے کسی آنسو کی نہ پہلے پرواہ کی تھی نہ آج، وہ اسکے لیے بس ایک تفریح تھی۔ پر ایسے مردوں کو ایک نہ ایک دن دھکا ضرور لگتا ہے، مگر ابھی تک تو عالیہ کی اذیت بھی بہت زیادہ تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"میں کل دن تک آجاوں گا، لیکن کومل تم اسکا دھیان رکھنا۔ میں جانتا ہوں کسی ملازم میں دم خم نہیں کہ وہ دادی یا بابا سائیں کا عتاب روک سکیں لیکن میرا جانا بھی ضروری ہے۔ تم یہ فیور کردو" سادان آج سیاہ لباس میں مزید نکھرا ہوا تھا، ابھی اسے گاوں کے لیے نکلنا تھا اور اسے اپنے پیچھے فلذہ کی فکر تھی جس نے اسے بلا جھجک کومل کو کہا جس پر وہ اسے تسلی دیتے انداز میں مسکرائی تھی۔

آپ پریشان نہ ہوں، میں اپنی پوری کوشش کروں گی۔انکا عتاب روکنا" تو میرے بس میں بھی نہیں ہے لیکن کیا کریں مجبوری ہے" وہ دونوں ہی حویلی کے اندرونی احاطے میں کھڑے تھے اور دور کمرے کی اوٹ سے فیضاں دونوں کی باتیں کان لگائے سن رہی تھی جسے انجیل بیگم نے سادان کی جاسوسی پر لگا رکھا تھا کیونکہ وہ آج صبح سے پراسرار سا تھا۔

کومل اسے جھوٹی تسلی نہیں دینا چاہتی تھی اور سچی اس کے پاس بھی نہیں تھی۔

ہمم،اسکو کل صبح ایک بار خود دیکھ آنا۔مجھے آنے میں ممکن ہے رات ہو جائے" پھر سے سادان کے لہجے میں مڑ مڑ کر فلذہ کے لیے فکر پر اب کومل دلفریب مسکرائی تھی اور سادان جو بس نکلنے کو تھا،اس مسکان پر حیران ہوئے مڑا۔

کومل نے فورا اسے پہلے مسکان ختم کی مگر سادان اس مسکان کی وجہ جاننا چاہتا تھا۔

میں اس لیے مسکرا رہی ہوں کہ فلذہ بہت لکی ہے، بنا کسی پرسنل اٹیچمنٹ" اور سیریس ریلیشن کے باوجود آپ اسکی ایسی فکر کر رہے ہیں تو بہت اچھا لگا" کومل کی بات میں مٹھاس اور لہجے میں شیرینی گھلی تو سادان نے اس بات پر جھجک کر آنکھیں پھیر لیں اور یہ ادا اسے ایک حیادار اور پیارا مرد ثابت کر گئی تھی۔

میں اب نکلتا ہوں" سادان نے یک لخت اپنے چہرے پر آئے تذبذب" سے تاثرات چھپاتے ہوئے رخ کے ساتھ بات بھی بدلی اور باہر بڑھا جہاں سامنے ہی عاقل اسکی گاڑی کے ساتھ کھڑا منتظر تھا۔

عاقل کو وہ مجبوری لے جا رہا تھا کیونکہ وہ مالو چچا پر فی الحال بھروسہ نہیں کر سکتا تھا۔

اسے اسی وجہ سے فلذہ کی فکر تھی کیونکہ اکیلی کومل اسکی ڈھال نہیں بن سکتی تھی۔

سادان کو جاتا دیکھتی کومل پھر سے پیارا مسکرائی تھی، یقیناً سادان ایسا پر کشش اور حسین صورت و سیرت سے مزین مرد تھا جسے پانے کی خواہش کومل بھی پورے دل سے کرتی مگر وہ تو اپنا دل کسی اور کو دیے بیٹھی تھی۔

ایک اور اسی کا روپ دیکھائی دیتا وہ شخص جو خود بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ کب دلفریبی سے اور حکم پروردگار کے ساتھ کومل کے دل میں بس گیا ہے۔

وہ اس سے بس دو بار سرسری سا ملی تھی وہ بھی دیکھنے کی حد تک مگر اپنے دل میں وہ اسے دھڑکن بنائے بیٹھی تھی۔

وہ کون تھا، یقیناً سادان جیسا ہی ایک اور اللہ کا پیارا۔ شفیق سا، پہلی ملاقات تب ہوئی جب کومل اور کرمان کے سکول کا افتتاح تھا تو وہ سادان کے ساتھ پہلی بار گاؤں آیا تھا۔

شاویز لاشاری، میٹھے سمندر جیسا اک ایسا مرد جو اس لیے بھی پر کشش تھا کیونکہ وہ اللہ کا بندہ اور اسکی کتاب برحق کا حافظ تھا۔

کومل نے پہلی ہی بار اس شخص کو پانے کی دعا کی تھی جو مٹھاس کی طرح بنا اسے دیکھے بھی دل میں اتر گیا تھا۔

وہ سرسری نظریں اٹھاتا اور اسکا وہ مسکرا کر سادان سے باتیں کرتا لمحہ کومل کو دو سال پہلے ہی قید کر گیا تھا۔

دوسری ملاقات تب ہوئی جب تین ماہ پہلے وہ سادان کے ساتھ ڈاکٹر کی ڈگری مکمل کرنے کے جشن پر مہمان خصوصی کے طور پر آیا تھا اور پورا گاؤں اس روز سادان کے اکلوتے یار سے واقف ہوا تھا۔

یہ دو ملاقاتیں ہی کومل کی زندگی کا اثاثہ تھیں اور وہ آج تک تیسری ملاقات کی دعا کرتی ہوئی جی رہی تھی۔ وہ چپ چاپ شاویز لاشاری کو دعامیں مانگتی تھی، اس سے محبت کرتی تھی اور شاید یہ محبت کسی حسین سے عشق کا روپ بھی دھارے بیٹھی تھی۔

ناجانے کب اس میٹھے پیارے کو کومل کی دلفریب دعائیں پہنچنے والی تھیں
مگر جب امید اور دعا اللہ سے جڑی ہو تو سب حاصل ہو کر ہی رہتا ہے۔بے
شک۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ ایک پرانی طرز کا بھیانک اندھیری نگری جیسا قبرستان تھا جہاں دور دور
گیدڑوں کی ہوک اور جھینگروں کی گڑگڑاہٹ کے ساتھ مینڈک کے
ٹرانے کی بھی آواز گونج رہی تھی۔
خطرناک، ہولناک خاموشی جس میں سانس کی آواز بھی کھنکھا کر سنائی
دے رہی تھی۔

سوکھے کیکر کے اور شہتوت کے درختوں پر لمبی لمبی کپڑوں کی کتریں مدھم ہوا سے حرکت پذیر تھیں،اور سنسنی پھیلا کر خوف وہراس کی فضا قائم کیے ہوئے تھیں۔

ایک طرف پتھریلی ڈھلوان کے ساتھ پانی کا نلکا تھااور اسکی تینوں باقی اطراف میں تھیں تو قبریں لیکن فی الحال ایسا لگا جیسے وہ سب منظر سے غائب ہوگئی ہیں۔

یہ جو وجود اس جانب چلا جارہا تھا وہ خوف اور سنسنی سے لبریز دم سادھے آگے بڑھ رہا تھااور پھر ایک دم کسی آہٹ کی آواز آئی تو منظر بدلا۔

کچھ دور فاصلے پر بنی ایک درمیانی سائز کی نئی قبر تھی جس پر لاتعداد پھول تھے اور بلکل اسکے ساتھ ایک سفید کفن کی صورت میں لپٹا ایک نسوانی وجود تھا جسکے کندھے تک آتے بال اسکی کمر اور سینے پر پھیلے تھے اور اسکا منہ بھی ڈھکا تھا۔

سادان نے اس وجود میں جب کوئی جنبش نہ دیکھی تو سوکھے پتوں پر آہستگی سے چلتا وہ اس تک گیا مگر اچانک ایک فلک شگاف ہیجانی چیخ اور دھاڑ بلند ہوئی۔

بھائی، سادان بھائی۔ مجھے بچالیں بھائی" یہ کسی اور کی نہیں بلکے یاور کی" آواز تھی۔ سادان کا خوف اور تکلیف سے برا حال تھا مگر مڑنے پر وہاں یاور نہیں تھا البتہ اب وہاں سامنے بنی ایک قبر کے بجائے تین قبریں تھیں اور وہ وجود جو نسوانی تھا وہ اب یوں لگا ہنس رہا ہے اور یہ سب حقیقت میں سادان کی روح ہلا گیا تھا۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھا تو کئی لمحے اسے ہوش کی دنیا میں آنے کو لگے، آگے عاقل تھا جو گاڑی چلا رہا تھا اور وہ گاوں کے راستے سے باہر نکل کر دوسرے گاوں میں انٹر ہو چکے تھے۔

سادان جو یونہی بیٹھے بیٹھے سو گیا تھا، اس دل دہلاتے عجیب و غریب خواب پر بڑی طرح ہانپ رہا تھا۔ یہ کیا تھا اسے سوچ کر ہی غش آئے اور رونگٹے بھی کھڑے ہو گئے۔

سائیں سرکار آپ جاگ گئے، ہم بس گاوں انٹر ہو چکے ہیں۔ تھوڑی دیر" تک ملک صاحب کے گھر پہنچ جائیں گے" عاقل جسے یہ علم نہ ہو سکا کہ سادان کس قدر خوف اور اضطراب میں ہے، یونہی پیار سے ملائم انداز میں بولا تو سادان اپنے ذہن و دل کو جھٹکتا ہوا ضبط کے دہانے پر کھڑا باہر کا اندھیرا دیکھنے لگا۔

عاقل، کیا تم کسی ایسے انسان کو جانتے ہو جو خوابوں کا بتا سکے۔ میں نے" ابھی بہت ہولناک خواب دیکھا ہے" سادان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس دہشت کو دماغ سے جھٹک پاتا، سادان کی بات پر عاقل بھی اب پریشانی میں ڈوبا ہوا لگا۔

سائیں امام معروف سلطانی صاحب، وہ اپنے گاوں کی سرحد پر بنی مسجد کے امام ہیں۔ وہ آپکو آپ کے خواب کا ضرور جواب دیں گے" عاقل اپنے دماغ کو چلائے فورا سے امام مسجد کا بتانے لگا جس پر سادان نے ایک بے قرار سانس لی۔

ٹھیک ہے تم واپسی پر مجھے لے چلنا" سادان اپنا ہر خوف ضبط کیے بولا تو عاقل نے فوری فرمابرداری سے سر ہلایا۔

وہ آواز یاور کی تھی یقینا، جو اسے مدد کے لیے پکار رہا تھا مگر وہ ایک اور پھر تین قبریں، وہ عورت۔۔۔۔۔۔ یہ ساری چیزیں سادان کو دماغی مریض جیسا بنا رہی تھیں، نازک سے دل و دماغ والا سادان بہت بڑی مشکل میں پھنس چکا تھا۔

عاقل، ایک بات بتاو۔ جب یاور قتل ہوا تو تم نے اسکی میت دیکھی تھی؟" میرا مطلب کہ وہ کس حالت میں تھی۔ کیا اسکے سر سے خون وغیرہ نکل رہا تھا؟" سادان نے خوف و بے قراری قدرے معدوم کی اور اسکے یوں

اچانک پوچھنے پر عاقل نے یک دم نفی میں سر ہلایا اور شیشے سے سادان کو دیکھنے لگا۔

"سائیں انکی میت جب ہم نے منظور حسین کے گھر دیکھی تھی تو خون کا کوئی نام ونشان نہ تھا، ہاں البتہ انکے ناک میں خون تھا۔ غسل کے بعد انکے کان اور ناک سے بہت خون بہا تھا" یہ ایک اور جھٹکا تھا جس نے سادان کو ورطہ حیرت میں بہت گہرا اپنچا تھا۔

اسکے چہرے پر اب خواب کا اثر زائل ہو کر اس نئے انکشاف اور ناقابل یقین بات پر تناو آیا تھا۔

"سر پر ڈنڈا لگنے سے یا تو سر سے خون نکلتا ہے یا منہ سے، مگر یہ ناک اور کان سے خون والی بات تو کچھ اور ہی بتا رہی ہے۔ ایسا تو تب ہوتا ہے جب زہر وغیرہ یا کوئی زہریلی شے کاٹ جائے" سادان غم سے اور الجھن کے گہرے صدمے سے بے حال ہو چکا تھا۔ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر جکڑے اچانک ہی اس نے سر اٹھایا تو نظر کچی سڑک کی دوسری طرف رات کے

اس وقت کھلے ڈھابے پر پڑی تو وہاں کیبن پر بوڑھا آدمی عجیب گھور کر دیکھتا پایا گیا تھا۔

عاقل یہ ڈھابہ، یہ آدمی تم نے دیکھا کیسے دیکھ رہا تھا" گاڑی آگے جا چکی تھی مگر سادان کو اس بوڑھے آدمی کا دیکھنا بہت ہی خوفناک لگا جس پر وہ سر پیچھے گمائے پریشانی سے بولا۔

سائیں وہ ایسا ہی ہے، ہر آتے جاتے بندے کو گھورتا ہے، لوگ کہتے ہیں" اسکا دماغی توازن درست نہیں۔ پر ڈھابہ بہت اچھے سے چلاتا ہے، میں نے بھی ایک دو بار اسکے دھابے پر کھانا کھایا ہے۔ یہ بولتا نہیں ہے، بس گھورتا ہے یا اشارے کر دیتا ہے" یہ آج کیا ہو رہا تھا، ایک کے بعد ایک انتشار زدہ بات، سادان کو اسکی آنکھیں سارے رستے یاد رہی تھیں۔

کچھ تو تھا اس بوڑھے کی نظر میں جو سادان پر وہاں سے گزرتے وقت پتھر کی مانند گڑھی تھی۔

یہ سب جو رونما ہو رہا تھا یہ عجیب تھا اور سادان کی حس برداشت بھی اب تھک رہی تھی تبھی وہ پھر سے سر سیٹ کی پشت سے ٹکا کر اپنی درد سے پھٹتی آنکھیں بند کر گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دروازہ پوری شدت سے دھڑم سے کھلا اور اپنی پوری شان اور پھنکارتی ترنگ لیے انجیل بیگم کوارٹر کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ فیضاں جو چہرے پر ہولناکی کی حد تک شاطرپن لیے تھی اب چہرے پر شیطانی ہنسی لیے انجیل بیگم کے چہرے کی حقارت دیکھ رہی تھی جو وہ اس سامنے پلنگ پر نڈھال سی لیٹی فلذہ کو دیکھ کر مزید بڑھ گئی تھی۔

بلقیس سارا دن فلذہ کے ساتھ تھی اور اب اسکے زرا سا باہر جاتے ہی فیضاں نے اپنی ڈیوٹی پوری کر کے انجیل بیگم کو مخبری کی اور وہ اس معصوم فلذہ کو ایک اور سزا دینے پہنچ گئی تھیں۔

فیضاں، اسکے منہ پر پٹی باندھ فوراً تا کہ اس منحوس کی آواز اس کمرے سے باہر نہ نکلے" انجیل بیگم نے سفاکی لیے اس سوئی فلذہ کو دیکھا اور حکم ملتے ہی فیضاں اس تک پہنچی اور ایک ہی جھٹکے سے اسکی سر پر سے چادر کھینچ کر اسکا کنارہ اسکے منہ پر باندھ دیا۔

وہ کچی نیند میں ایسے حملہ آور ظلم پر مرنے کے قریب ہوتی ہوئی اپنی پھٹی متورم آنکھیں کھول چکی تھی۔

آنکھیں کھلیں تو سر پر وہشت ناک غضب لیے کھڑی انجیل بیگم جو اسے کاٹ کھانے کو دیکھ رہی تھی۔

فیضاں نے بے دردی سے فلذہ کی بازو گھسیٹ کر کھینچی اور اسے پکڑ کر عین انجیل بیگم کے سامنے کھڑا کیا۔

منہ پر کپڑا کس کر بند ہونے کی وجہ سے فلذہ کو لگ رہا تھا اسے سانس نہیں آ رہا، آنکھوں سے درد تھا کہ پھر سے بہنا شروع تھا۔

اگلے ہی لمحے ایک زوردار تماچہ فلذہ کے منہ پر پڑا اور وہ لڑکھڑا کر فرش پر جا گری، فیضاں تو خود اس وقت انجیل بیگم کے اس ظالمانہ فعل پر پتھر تھی مگر انجیل آج اسے یہیں مار دینا چاہتی تھی۔

بدذات، تجھے ونی کے بجائے کسی دریا میں کاٹ کر پھینک دیتے تو زیادہ" بہتر تھا۔ کھڑا کر اسے فیضاں" بے رحمی کی ساری حدیں پار کرتیں یہ بے درد سی عورت آج فلذہ پر اپنا سارا غصہ اتارنا چاہتی تھیں، سادان کی غیر خاصری کا اس سے اچھا فائدہ کوئی اٹھا بھی نہ سکتا تھا۔

فلذہ رو رہی تھی، اس تھپڑ پر اسکی جان واقعی جسم سے نکل گئی تھی۔ درد ان آنکھوں سے لہو بن کر ٹپک رہا تھا اور وہ اب تکلیف میں سراپا لپٹی سخت کانپ بھی رہی تھی۔

انھیں لگتا تھا کہ فلذہ پر یہ ظلم یوں چھپ کر کرنے کے بعد وہ بچ جائیں گی،

خود فلذہ کا دل تڑپ رہا تھا کہ اب کہاں تھا وہ سر کا سائیں۔

فلذہ کی بازو سے گرنے کے باعث زمین پر پٹخنے سے خون نکلنا شروع تھا اور

اسکی پٹی لال ہو گئی۔

فیضاں نے اس گری فلذہ کو اٹھا کر کھڑا کیا تو وہ خوف سے زرد ہوتی ہوئی

پیچھے ہوئی مگر اب اسکی گردن انجیل کے ہاتھوں میں تھی اور فلذہ کو اب

یقین ہو گیا کہ آج وہ مر جائے گی۔

کل ساری حویلی کی صفائی تو کرے گی، اور یہ بات سادان کے کان میں "

بھی گئی تو تیری قبر اسی کوارٹر میں کھودوں گی۔ خبردار جو تو نے سادان پر

بری نظر رکھی، تو اسکی جوتی کے برابر بھی نہیں ہے منحوس ماری۔ دل تو

چاہتا ہے یہیں آج تیرا کام ختم کر دوں "گلا دبانے سے اور منہ بند ہونے

سے فلذہ لہرا سی گئی اور اسکی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ انجیل بیگم

نے نفرت سے اسے واپس پلنگ پر دھکا دیا تو وہ بے سدھ سی ہو کر گر پڑی۔

ایک لمحے کو تو وہ دونوں ہی سفید پڑھ گئیں کیونکہ انکو لگا وہ مر گئی ہے مگر پھر فیضاں نے ڈرتے ہوئے جھک کر اسکی نبض دیکھی تو چل رہی تھی۔

دونوں ہی کچھ چہرے کی زردی بحال کیے اب شعلہ نمائی اور ہتک آمیزی سے اس اکھڑے سانس لیتی فلذہ کو دیکھ رہی تھیں جو شاید آج واقعی مر رہی تھی۔

"پڑا رہنے دے اسے اسی طرح، بڑی ڈھیٹ ہے۔اگر زندگی ہوئی تو بچ جائے گی ورنہ کہہ دیں گے خود ہی مر گئی" خدا تم پر عذاب نازل کرے انجیل بیگم ،ایک عورت ہو کر تم نے اس معصوم پر جو ظلم توڑا ہے اب اسکا بدلہ تم سے بہت جلد لیا جائے گا۔

اس بے درد، ظالم اور وحشی عورت کی شکل پر وہی تاثر تھا جو میدان جنگ میں دشمن کے سپاہیوں کو ٹھڈے اور لاتیں رسید کرنے والوں کے چہروں پر ہوتا ہے۔

فلذہ اوندھے منہ پڑی کربناک اکھڑے سانس لے کر سخت تکلیف سے کراہ رہی تھی جسے اب انجیل کے اشارے پر فیضاں اسکے منہ پر بندھا دوپٹہ کھول کر اسے ایک نظر دیکھتی ہوئی پیچھے ہٹی۔

وہ دونوں یکے بعد دیگرے پھنکار کر پیر پٹختی باہر نکلیں اور دروازہ ویسا ہی بند کر گئیں اور وہ نمانی درد، تکلیف، کرب اور دکھ سے مر رہی تھی اسکی زندگی کا چراغ ہچکولے کھا رہا تھا۔

مسیحائی کا سارا اثر ختم ہوا اور فلذہ کو کئی نئے زخم اور ملے۔ اور اب کی بار یہ صرف جسمانی نہیں بلکے فلذہ کی روح تک کو تھپیڑ گئے۔

اسکی سوہان روح تکلیف دیکھنے کو کوئی نہ تھا، ساداں تو اسے خفاظت میں سونپ کر گیا تھا۔

کیا خبر تھی کہ وہ معصوم اب اسکی سوچ سے زیادہ تکلیف میں جھونک دی گئی۔ بازو سے اٹھتا درد، چہرے پر لگی نفرت اور بدلے کی ضرب اور گرنے کے باعث جسم کا شکستہ پن فلذہ کی سانسیں اچک رہا تھا۔

وہ بے آواز رو رہی تھی اور اسکی آنکھوں سے سیل رواں نکل نکل کر چادر میں غرق ہو رہا تھا۔

کہاں ہو مسیحائے بخت ! کلی تمہاری مسل دی گئی ہے، درد بھی اس فلذہ کے کرب پر کانپ اٹھا تھا۔

وہ کانپ رہی تھی، ہاتھ کی تکلیف کا تو بے حساب معاملہ تھا مگر اسکی کلائی سے نکلتا خون چادر پر بھی پھیل چکا تھا اور پھر جذوہ کا وجود ایک دم پتھر ہو گیا۔

وہ کپکپاہٹ، وہ درد، وہ اذیت فرار ہوئی اور فلذہ کو ہوش سے بیگانہ کر گئی۔

مگر اک اذیت کی داستان تھی جو اس بے جان وجود پر چیخ چیخ کر ماتم کناں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح فجر سے پہلے ہی سادان اور عاقل، ملک فاضل اکبر کے گھر پہنچ گئے تھے اور دونوں کا استقبال کرنے کو ملک خود حویلی تک آیا تھا۔

سادان نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ کوئی تکلف نہ کریں کیونکہ وہ بس کام سے آیا تھا اور نہ انکے پاس وقت تھا کہ وہ کسی بھی غیر ضروری چیز کو وقت دیتے۔

یہ ایک بڑے رقبے پر پھیلی شاندار حویلی تھی جو کئی کنال کے رقبے پر واقع تھی۔

سادان اور عاقل کے لیے ملک نے ناشتہ تیار کروایا تھا اور کہا تھا کہ جو بات ہو گی وہ ناشتے کے بعد ہو گی۔

حویلی میں بھی اندرونی طرف سوگ زدہ ماحول تھا کیونکہ انکا چھوٹا بیٹا خذیفہ ملک غائب تھا۔

حویلی کے مردانہ خانے میں وہ لوگ براجمان تھے، ایک چار پائی پر سادان تھا تو سامنے ملک اور اسکا بھائی اور ایک بیٹا بیٹھے تھے جبکہ سامنے کرسی پر عاقل بھی بیٹھا تھا۔

آپ اس دکھ کی گھڑی میں یہاں آئے اور ہماری فریاد سنی اس کے لیے " بہت شکریہ چوہدری صاحب، ہم تو خذیفہ اور شان کی تلاش کر کر باولے ہو گئے ہیں مگر کوئی سرا نہیں ملا" بات کے آغاز میں شکر گزاری تھی اور اختتام تک دکھ ہی دکھ تھا جو ان سب کی آنکھوں سے چھلک رہا تھا۔

خود سادان اور عاقل بھی افسردہ اور سنجیدہ تاثر دیے بیٹھے تھے۔

مجھے کچھ معلومات چاہیں تھیں، خذیفہ کب نکلا گھر سے۔ وہ دونوں یاور " کے ساتھ ملنے دوسرے گاوں گئے یا یاور آیا یہاں؟ ہر بات جو آپکے علم میں ہو مجھے بتائیں تاکہ میں اس معاملے میں کچھ کر سکوں" سادان ابھی اپنی ہر پریشانی ضبط کیے اب تاسف سے استفسار کر رہا تھا اور عاقل جہاں بیٹھا تھا

اسکے ساتھ ہی ملکوں کا ایک ملازم کھڑا تھا جسکی شکل پر عجیب سی بے چینی تھی جیسے کوئی بات بتانا چاہتا ہو۔

یہ بات سادان نے کچھ دیر پہلے ہی نوٹ کی تھی مگر پھر اپنا خیال جھٹک کر اب ملک فیملی سے پوچھ رہا تھا۔

جی چوہدری صاحب، یاور اسی صبح ہی آیا تھا یہاں۔اور شام چار کو وہ یہاں" سے چائے پی کر تینوں ایک ساتھ نکلے تھے کہ انکا کوئی میچ تھا۔ہم سب نے رات تک انتظار کیا مگر جب وہ نہ آئے تو یہی سمجھا کہ شاید یاور کی طرف رک گئے مگر فجر کے وقت جب یاور چوہدری کے قتل کی خبر آئی تو ہم سب بھی گویا ساتھ ہی مردہ ہو گئے تھے، اچھا بھلا یاور چلا گیا۔ایک دن دیکھا، دو دن دیکھے مگر نہ خذیفہ کا کوئی پتا چلا نہ شان کا، نا جانے زمین نگل گئی یا آسمان۔سائیں میرے بچے کو ڈھونڈ دیں، اسکی ماں تو پاگل ہو گئی ہے" ملک فاضل اکبر روہانسا سا کٹے دل کے سنگ پھٹی آواز میں سب بتاتا چلا گیا اور سادان کا تو دماغ ایک کے بعد ایک الجھن سے اب پھٹنے کو تھا۔

اور کوئی ایسی مشکوک بات جو آپکو یاد آئے، کچھ بھی ایسا جو عجیب ہو"""

سادان نے اگلا سوال کیا تو وہ جو ملازم تھا اب زرا کپکپاتے ہونٹوں کے سنگ کچھ منمنایا تو سب بیک وقت اسکی سمت دیکھنے لگے۔

اس شام کو ایک عجیب چیز ہوئی تھی سائیں، میں باہر سے سودا لے کر آرہا تھا تو خذیفہ، شان اور یاور آپس میں گیٹ کے پاس کھڑے ہو کر عجیب سا ہنس رہے تھے، اور وہ بات بھی بہت حیرت زدہ کر رہے تھے" کالے سے نقوش والا یہ آدمی چپ نہ رہ سکا اور سادان نے بیقراری سے اٹھ کر اس تک فاصلہ طے کیا جبکہ باقی سب بھی وہیں منتظر تھے۔

ک۔۔۔کیا بات کر رہے تھے" سادان نے بیقرار ہو کر پوچھا تو وہ آدمی اب تذبذب سا سر کھجائے بات ٹھیک سے یاد کرتے ہوئے ہڑ بڑاتے ہوئے متوجہ ہوا۔

یاور چوہدری کہہ رہے تھے کہ ایک اور مال ہے، خوب عیاشی والا۔ آج کی رات کا مزہ اس رات سے ڈبل ہونا چاہیے" یہ سننے کی دیر تھی کہ سادان

کے تن بدن میں شرارے سے پھوٹ پڑے اور وہاں موجود ہر فرد ہی پتھر کا بت بنا تھا۔

سادان نے حالت اضطراب سے اپنے بالوں کو جکڑا اور بمشکل خود پر قابو کیے ملک فاضل کے سامنے مڑ کر رکا جو خود بھی اب فق ہوتے چہرے کے ساتھ کھڑے ہو چکے تھے۔

عاقل بھی اٹھ چکا تھا۔

آپکے تعاون کا بہت شکریہ ملک فاضل، میں آج ہی دونوں گاوں میں انکی" تلاش شروع کرواتا ہوں۔اب ہمیں اجازت دیں" سادان کو لگا اسکا سانس بند ہو رہا ہے اور اسکا زرد چہرہ عاقل کو بھی ہلا گیا تھا۔مزید وہ نہ رک پایا نہ اسکا پھٹا دل اسے رکنے کی اجازت دے پایا تھا۔

وہ لوگ وہاں سے آٹھ بجے تک نکل آئے تھے اور کچھ پیدل گاڑی تک کا راستہ سادان نے جس ضبط سے طے کیا تھا یہ وہ ہی جانتا تھا۔

گاڑی تک پہنچ کر سادان نے زوردار مکا گاڑی کے بونٹ پر مارا کہ خود عاقل بھی غمناک ہوکر سادان کی سمت دوڑا جو وہشت ناک انداز میں بس پھٹ پڑنے کو تھا۔

"یہ سننے سے پہلے میری سانس کیوں بند نہئں ہوئی عاقل، یہ یاور نے کیا کر دیا۔ میرا سینہ پھٹ رہا ہے، یہ کیا کرتا رہا ہے وہ بدبخت" کئی دردناک آنسو سادان کی آنکھوں سے نکلے جسے اس نے بے دردی سے ہٹا کر دکھ سے اٹ کر کہا اور ویسی ہی تکلیف عاقل کے چہرے پر تھی جو سادان کا کندھا تھامے اسے حوصلہ دینے کی ٹوٹی پھوٹی کوشش میں تھا۔

"بھائی حوصلہ کریں، آپ ایسے نہ کریں ورنہ میرا دل بند ہو جائے گا"

عاقل کی اپنی آواز میں ٹوٹے کانچ کی لرزش تھی اور سادان تو بہت ٹوٹ پھوٹ سا گیا۔

اسکی آنکھوں کی سرخی، باہر تک کنارے پر پیوست تھی، چہرے پر درد تھا۔

یاور اپنے ان دو یاروں کو لے کر منظور حسین کے گھر گیا اور وہ"

مال۔۔۔۔۔۔۔ بد بخت یاور تیری ایسی تربیت تو نہ کی تھی، یہ تو نے میرے

سر میں خاک ڈال کر اچھا نہیں کیا۔۔۔۔"آج تکلیف کی کوئی حد نہ تھی

اور سادان بھی خود کو سنبھالے تھک گیا تھا، عاقل کی تو سادان کی تکلیف پر

جان نکل رہی تھی۔

بھائی اسکا مطلب ہے کہ منظور حسین اور فلذہ سچے ہیں۔فلذہ ان تینوں کا"

شکار بننے والی تھی اور منظور حسین نے بچاو کے لیے ہی ڈنڈا مارا۔۔ لیکن

بھائی آپ نے غور کیا کہ وہ کسی اور رات کا بھی ذکر کر رہے تھے، اور پھر

یاور سائیں کی موت پر ان دو کا غائب ہونا کوئی اتفاق نہیں ہے"پرتیں کھلتی

جا رہی تھیں اور سادان کی تکلیف بھی ویسی ہی تابناک تھی اور اسکا دل جھلسا

رہی تھی۔

یاور پر اسے پہلے بھی شک تھا اور یہاں آنے سے وہ شک یقین میں بدل چکا

تھا مگر ابھی بھی بہت کچھ باقی تھا جسکا ادراک ابھی ہونا ناممکن تھا۔

اس گاوں میں جیسا کے پہلے ہی چھان بین کرلی گئی تھی لہذا اب سادان اپنے گاوں مئں خفیہ چھان بین کروانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

عاقل کی ٔ بات پر سادان نے ایک دردناک سانس لیا اور اپنے دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرے سر ہلاتا گاڑی کی طرف بڑھا تو عاقل نے بھی فوری سرعت کے سنگ سیٹ سنبھالی۔

وہ لوگ اب واپس روانہ ہو رہے تھے، یہاں کا کام ابھی کے لیے ختم تھا مگر اذیت کا ایک نیا سفر شروع ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کومل فجر کے بعد جب فلذہ کو دیکھنے آئی تو اسے بے جان اوندھے منہ پڑا دیکھ کر خوفزدہ ہو کر دہلتے دل کے سنگ اس تک لپکی مگر اسکے چہرے کی مردگی اور سفید پن دیکھ کر کومل کا سانس رک چکا تھا۔

نظر اسکی دہری بازو پر پڑی جہاں ساری رات خون بہہ کر اب میرون ہو کر خشک ہو چکا تھا اور فلذہ کا جسم آگ سے زیادہ تپ رہا تھا۔

کومل نے جتنی زور سے ممکن تھا اتنی زور سے گلا پھاڑ کر بلقیس کو آواز دی جو آج اتفاق سے کوارٹر کے باہر رکھے صوفے پر ہی سو گئی تھی اور اسی کا فائدہ انجیل بیگم اور فیضاں نے اٹھایا تھا۔

کومل خود خوف کے مارے کانپ رہی تھی کیونکہ اسے لگا جیسے فلذہ مر گئی ہے، کومل کی چیخی آواز سن کر بلقیس ہڑبڑا کر اٹھی اور پوری رفتار سے بھاگ کر کمرے میں پہنچی تو اندر کا منظر دیکھ کر دہل گئی۔

کومل اب آہستگی سے فلذہ کو سیدھا کر کے لٹا رہی تھی ،چادر جو اسکی گردن سے لپٹی تھی اسے کومل نے آرام سے اتار کر سائیڈ پر رکھا اور ڈرتے ڈرتے اسکی ناک کے آگے ہاتھ رکھا۔

سانس چلتی پا کر کومل نے دل میں شکر کیا مگر فلذہ کی یہ حالت دیکھ کر وہ دونوں ہی سخت رنجیدہ تھیں۔

"یہ کیسے ہوا، تم کہاں تھیں بلقیس۔۔۔ یہ سب درندگی کس نے کی اس کے ساتھ "کومل کا اب ماتھا بھی تر تھا اور وہ مسلسل فلذہ کا بے جان ہاتھ سہلا رہی تھی، بلقیس بھی پھٹی آنکھوں سے صدمے میں غرق تھی۔

رات تو وہ اسے ٹھیک چھوڑ کر گئی تھی اور اب لگتا تھا اس کے وجود سے کسی نے روح نکال لی ہو۔

"کومل باجی، رات تک میں اسے ٹھیک چھوڑ کر گئی تھی۔ بیڑا غرق جائے میرا، میری آنکھ کیسے لگ گئی۔ سا۔۔۔ سائیں تو میری جان لے لیں گے"

بلقیس تو تڑپ کر رو پڑی تھی اور اس بات پر کومل نے سخت ناگواری سے بلقیس کو دیکھا جو اتنی بڑی لاپرواہی کر کے اب پیٹنا ڈال چکی تھی۔

کیا جواب دوں گی سادان کو، وہ مجھے اسکا خیال رکھنے کا کہہ گئے تھے۔ یا اللہ" یہ تو ایسے مر جائے گی، بلقیس جا کر ٹھنڈا پانی اور پٹیاں لاو اور سادان کے کمرے سے میڈیکل کٹ بھی، اسکا زخم تو ناسور بن گیا۔ فورا جاو" کومل کے اپنے ہاتھ پھیر پھول چکے تھے، فلذہ کی حالت نازک تھی اور سادان بھی ابھی نہیں آیا تھا۔

کومل کی نظر فلذہ کے چہرے پر پڑی تو وہ مزید ساکت ہوئی، اسکی ایک گال پر صاف صاف ایسا لگا جیسے انگلیوں کے نشان ہیں، کومل نے تکلیف میں اٹ کر جھرجھری لی اور دکھ سے چور انداز میں اپنا ہاتھ بے جان سی فلذہ کے چہرے پر رکھا۔

وہ تکلیف جو اس وقت کومل کی آنکھوں سے بہہ رہی تھی بہت دردناک تھی۔

خدا کا قہر ٹوٹے تم لوگوں پر، کیا حال کر دیا ہے اس معصوم کا" کومل کی آنکھیں نمی سے بھر گئیں اور وہ بس فلذہ کی اس تکلیف پر رو پڑی اور پھر اس فلذہ کا حال کیا ہو سکتا تھا۔

بلقیس کانپتی ٹانگوں سے بھاگ کر کومل کے کہنے پر دونوں چیزیں لینے گئی اور کومل نے خون سے سن کر خشک ہوتی پٹی کو کھولا مگر زخم اس قدر خراب تھا کہ کومل کی جان نکل رہی تھی۔

مسلسل دباو سے ابھری جلد پھٹ کر ساری رات خون رساتی رہی تھی اور اب خون کے ایک جگہ خشک ہونے سے پٹی زخم سے چپک گئی تھی۔

مجھے معاف کر دیں اللہ پاک، کاش میں رات یہیں سو جاتی تو فلذہ کے" ساتھ یہ نہ ہوتا۔ سادان مجھے معاف کر دیجیئے گا، اف دادی آپ کتنی ظالم ہیں" کومل کی آواز میں ٹوٹے کانچ سی لرزش تھی جب وہ بہت احتیاط سے روتی ہوئی فلذہ کی پٹی اتار رہی تھی۔

یہ دردناک معاملہ کومل جس طرح برداشت کر رہی تھی یہ وہی جانتی تھی، پٹی ذرا ذرا کھینچ کر آخر اتر گئی اور اب زخم کا پھیلاو دیکھ کر کومل نے اس پر بے بسی سے ہاتھ پھیرا۔

فلذہ تو تکلیف سے بیگانی تھی، نا جانے اس معصوم نے یہ رات کس کرب میں گزاری تھی۔

باجی یہ لیں، باجی یہ بچ تو جائے گی ناں۔ اللہ گواہ ہے کہ میں نے جان بوجھ "کے لاپرواہی نہیں کی۔ باجی سائیں مجھے چھوڑیں گے نہیں" بلقیس کا تو رو کر برا حال تھا اور آنکھیں بھی خوفناک حد تک متورم تھیں۔

کومل نے اسے فلذہ کو پٹیاں کرنے کا اشارہ کیا اور خود روئی پر پانی لگا کر فلذہ کی بازو پر جما خون صاف کرنے لگ گئی۔

سادان آگے کم تکلیف میں تھے کہ انکی پریشانی اور بڑھا دی ہم نے، بلقیس" تم گاؤں کے ڈاکٹر کو بلا لاو جا کر۔ اسکا زخم بہت بگھڑ گیا ہے یہ مجھ سے نہ ہو گا، اسے کچھ ہو گیا تو میں خود کو معاف نہیں کروں گی۔ میں یہیں ہوں تم

بابا جان کو کہو کے وہ ڈاکٹر کو بلادیں، سادان کا تو پتا نہیں کب آئیں۔اور انھیں اسکی حالت بتا کر میں سفر کے بیچ پریشان نہیں کر سکتی۔جاو فورا"

کومل کا حوصلہ نہیں پڑھ رہا تھا کہ وہ اس زخم کو ہاتھ بھی لگاتی،اسے فلذہ کے بیہوش ہونے کی بھی پریشانی تھی۔

بلقیس فورا اسے پہلے اپنی درد سے بھیگی آنکھیں پونجھتی باہر نکل گئی۔

کچھ دیر تک کرمان بے حد پریشانی سے گاوں کے ہی ایک عمر رسیدہ کبیر نامی ڈاکٹر کو لائے اور وہ بھی فلذہ کی حالت دیکھ کر صدمے میں غرق تھے۔

یہ گاوں کا ڈاکٹر تھا اور ممکن تھا یہاں سے نکلتے ہی یہ خبر بھی گاوں میں جاتی کہ کس طرح فلذہ پر ظلم ہو رہا ہے۔

اگر تھوڑی سی دیر ہو جاتی تو یہ مر جاتی سائیں، میں نے انجکشن دے دیا" ہے۔اسکا زخم بہت بری طرح پھیل رہا ہے جسکے لیے یہ تین انجکشن ہیں جو ایک آج رات اور دو کل لگیں گے۔انفیکشن ہو گیا ہے اور تیسرا اسکا بخار بہت تیز ہے اور یہ اسقدر تیز بخار ہی اسکی جان لینے کو تھا۔اسے مسلسل

ٹھنڈی پٹیاں کریں اور ہو سکے تو اس پر ہونے والے ظلم میں کمی کروائیں"

جاتے جاتے ڈاکٹر صاحب کی اپنی آنکھیں نم تھیں اور کرمان تو شرم اور غم سے زمین میں گڑھ سے گئے تھے۔

فلذہ انکے لیے بھی گاوں کی معصوم سی بچی تھی اور آج اسے اس حالت میں دیکھ کر وہ بھی رنجیدہ تھے۔

ونی ہوئے کئی معاملے آئے ہوں گے پر انکے لیے یہ کیس انکی زندگی کا دردناک سفر تھا۔

بشیر انہی کے کلینک پر کام کرتا تھا اور ممکن تھا وہ یہ بات واپس جا کر اس سے بھی کرتے۔

کرمان کی وہ تسلی جو اس بوڑھے منظور حسین کو تھوڑا پر سکون کر گئی تھی، یہ خبر ضرور اب لخت جگر کے بابا کا سینہ چھیلنے والی تھی۔

ڈاکٹر کے جانے کے بعد کرمان نے ایک نظر پلنگ پر بے سدھ پڑھی فلذہ کو دیکھا تو دل خون کے آنسو رویا۔

خود کومل شدید غمناک سی بابا کے سینے سے لگی رونے لگی جس پر وہ مزید
درد سے اٹ گئے۔

بلقیس بھی اپنی درد کرتی آنکھیں پونچھے اب فلذہ کو پٹیاں کر رہی تھی۔

آج میں چپ نہیں رہوں گا، یہ لوگ ایسا کیسے کر سکتے ہیں۔ جب سادان "
نے کہا تھا کہ ہفتہ دیں پھر انکو یہ درندگی نہیں کرنی چاہیے تھی" کرمان کے
صبر کا پیمانہ لبریز تھا اور وہ اب کمرے سے بہت دکھی اور دلبرداشتہ ہو کر نکلے
جبکہ کومل بھی اب چلتی ہوئی فلذہ کے قریب جا بیٹھی جو ابھی بھی بیہوش
تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آپ ٹھیک ہیں ناں سائیں "آج جمعہ تھا اور ساڑھے بارہ بجے ہی مسجدوں "
میں آذانیں دی جا رہی تھیں۔

ابھی کچھ دیر پہلے ہی وہ اپنے گاؤں کی سرحد میں داخل ہوئے تھے اور پانچ منٹ تک وہی مسجد آنے کو تھی۔

سادان جو بے جان انداز میں سر پشت سے ٹیکے سخت بے حال سا آنکھیں بند کیے ہوئے تھا اچانک عاقل کے پوچھنے پر اک تھکی سانس خارج کیے سیدھا ہوا۔

باہر پھیلی سنہری دھوپ اور پیچھے چھوٹتے مناظر کو پتھرائے انداز میں دیکھتا سادان بلاشبہ تکلیف کے اونچے دہانے پر کھڑا تھا۔

"ٹھیک نہیں ہوں عاقل، یہ تو ابھی سچ کا ایک قطرہ تھا جو مجھے توڑ گیا۔ میں کیسے مزید قائم رہ پاؤں گا، میں تو ابھی سے تھک گیا ہوں عاقل" سادان کے لہجے میں ناامیدی اور کرب تھا جس پر عاقل بھی مسجد نظر آنے پر کچھ دور گاڑی روک چکا تھا اور اب وہ مڑ کر سادان کے شکستہ وجود پر نظریں کیے خود بھی غم سے اٹا تھا۔

آج پہلی بار وہ سادان کو ایسا کربناک اور بے جان دیکھ رہا تھا۔

اللہ آپکو میری زندگی بھی لگادے میرے سائیں، آپ کو ایسے نہیں دیکھ" سکتا۔آئیں مسجد چلتے ہیں، جمعے کی نماز بھی پڑھ لیں گے اور آپ اپنے خواب کا بھی پوچھ لیجئے گا۔دل پر ابھی سے درد کو حاوی نہ ہونے دیں، اللہ اپنے پیاروں کا امتحان تو لیتا ہے ناں"آج سادان کو لگا جیسے اس تکلیف کی گھڑی میں اسکا سہارا اللہ کے بعد یہ نمانا سا مگر دل کا بادشاہ عاقل تھا۔

یہاں بھی عاقل پر مالو کا زرا اثر نہ تھا، وہ تو اپنی مرحوم اماں پر تھا۔

سادان کی سانس آج اسکا ساتھ دینے میں اٹک رہی تھی، دل پر اک پہاڑ سا درد تھا جو روانی سے رگیں چاٹ رہا تھا۔

سادان نے چہرے پر رقم ہر تباہی بمشکل ضبط کی اور سر اثبات میں ہلائے بہتر ہوا، عاقل بھی گاڑی سے نکل کر سادان کی طرف لپکا جواب گاڑی سے باہر نکل کر اس کھلی ہوادار فضا کے باوجود سینے پر گھٹن اور دباو محسوس کر رہا تھا۔

سیاہ رنگ میں آج تو شہزادے پر روپ ہی الگ تھا مگر آنکھوں کی تکلیف تھی کہ دہکتے ہوئے دل کی ترجمانی کررہی تھی۔

وہ دونوں ہی اب چلتے ہوئے مسجد تک گئے جہاں ابھی سے کچھ نمازی بیرونی احاطے میں قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول تھے۔

عاقل نے قران مجید امام معروف سلطانی سے ہی پڑھا تھا اور وہ اکثر و بیشتر یہاں انکی میٹھی اور پیاری باتیں بھی سننے آیا کرتا تھا۔

مسجد کے اندرونی احاطے سے وہی شفیق سی آواز آئی تو عاقل نے سادان کو اسی سمت چلنے کا اشارہ کیا۔

آواز کی شیرنی اور بیان کے پیارے انداز کو وہ دونوں ہی دل سے سنتے ہوئے اندر جا کر براجمان ہوئے تو امام صاحب کی نظریں سامنے سے آکر بیٹھے ان دونوں پر اٹھیں اور دل سے مسکرا کر وہ اپنا بیان جاری رکھے ہوئے تھے۔

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰى (۔بتحقیق جس نے پاکیزگی اختیار کی وہ فلاح پا" گیا،)

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی (اور اپنے رب کا نام یاد کیا پھر نماز پڑھی۔)" سرخ داڑھی والے وہ امام مسجد اس قدر شیریں فرحت بخش آواز اور انداز سے آیات اور ترجمہ پڑھ رہے تھے کہ سادان کو لگا کہ اسکا دل پر سکون ہو گیا ہے۔

انکی نظریں بنا بات کیے بھی سادان کی آنکھوں سے اسکے دل کا حال جان گئی تھیں، خدا برتر نے ملاقات کا، شرف دیا تھا۔

فلاح و نجات اس شخص کے لیے ہے جو اپنے آپ کو دنیا پرستی سے پاک" رکھتا ہے۔ یعنی اگر دنیا اور آخرت میں تصادم ہو تو آخرت کو ترجیح دیتا ہے اور دنیوی مفادات سے ہاتھ اٹھالیتا ہے۔ یہ نفس کی پاکیزگی کی علامت ہے۔

حدیث ہے:

حُبُّ الدُّنْیَا رَاْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ۔۔۔ (الکافی ۲:۳۱۶)

دنیاپرستی ہر گناہ کی جڑ ہے۔" ہنوز میٹھا پن جس پر وہاں بیٹھے سات آٹھ نمازی خشوع و خضوع سے امام مسجد کی بتائی تفسیر پر دلوں پر ہاتھ رکھے عاجز ہوئے۔

خود عاقل بھی پر سکون تاثر دیے توجہ سے سن رہا تھا مگر سادان تو دل میں لکھ رہا تھا۔

جب نفس حب دنیا کے پردوں کے پرے نہ ہو گا۔ بلکہ پاک وشفاف ہو گا" تو اس کا ضمیر اور وجدان بیدار ہو گا۔ نماز کے اوقات میں نام خدا یاد آئے گا پھر نماز کے لیے دوڑے گا۔ اللہ مجھے اور آپ سبھی کو قرآن پاک کا حقیقی فہم دیں۔ باقی ان شاء اللہ خطبے کے بعد" وہ مٹھاس سے ہی اپنی بات کا اختتام کر چکے تھے کیونکہ وہ بنا کسی کے بتائے ہی ان آنکھوں اور چہروں کا انتظار بھانپ گئے تبھی نمازیوں کو جانے کا کہہ کر خود بھی قرآن پاک بہت محبت سے بند کیے اپنی توجہ اب عاقل اور سادان کی سمت مبذول کر گئے۔

نمازی ایک ایک کر کے اٹھ کر چلے گئے تو پھر سادان اور عاقل بھی اٹھ کر انکے قریب آ کر بیٹھ گئے۔ عاقل کو تو وہ جانتے تھے تبھی اسکے سر پر اپنا دست شفقت رکھ کر دلگیر مسکرائے اور پھر نظروں کی شفقت اور پیار سادان پر گئی جو انکے میٹھے انداز سے خاصا متاثر تھا۔

ہاتھ اب سادان کے سر پر تھا اور وہ بھی عاجزی سے شفقت پر مسکرا دیا تھا۔

" وَعَلَیْکُم السَّلامُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہُ۔ اللہ عمر دارزی اور کیسے ہیں میرے بچے، حقیقی ایمان افروز زندگی کا لطف عطا کرے" یہ دعا وہ دعا تھی جو ہر مسلمان کی خواہش ہوتی ہے، سادان کو یاد تھا کہ وہ جاتے ہوئے یہیں نماز پڑھنے آیا تھا مگر اس روز ان شفیق ہستی سے اسے ملاقات کا شرف نہ مل سکا تھا اور آج عاقل کی بدولت وہ ملاقات کر کے کافی مطمئین تھا۔

" وَعَلَیْکُم السَّلام وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہُ۔ امام صاحب یہ سادان سائیں ہیں، ہمارے چوہدری صاحب کے بڑے بیٹے، آپ جانتے ہوں گے" سادان

نے سلام کا جواب عاقل کے ساتھ ہی دیا مگر عاقل اب بات آگے بڑھائے تعارف کروا رہا تھا جس پر وہ پیار اسا سر اثبات میں ہلا کر مسکرائے تھے۔

"ماشاءاللہ، تو یہ ہمارے طبیب بچے ہیں۔ اللہ مزید رحم دلی ڈالے، بہت خوشی ہوئی کہ یہ یہاں آئے، مگر کیا بات ہے بچے، تم چہرے سے کسی بڑی الجھن کا شکار لگتے ہو۔ امتحان جتنے بڑے کیوں نہ ہوں، اللہ بے حد بڑا ہے۔ سنا میں نے یاور کے قتل کا، اللہ اسکی مغفرت فرمائے اور اسکے جانے سے اہل وعیال پر بھی رحم نازل کرے" امام صاحب اب لہجے میں دکھ اور رنج لائے بولے جس پر وہ دونوں ہی بے جان سا تاثر دے رہے تھے۔

"امام صاحب یہ آپ سے اپنے ایک خواب کا پوچھنا چاہتے ہیں۔ آپ انکو بتائیں تب تک میں مسجد کی بیرونی صفائی کر آتا ہوں، آج ہر صورت میں ہی کروں گا کیونکہ پچھلی بار بھی آپ نے نہیں کرنے دی تھی" عاقل کی پیاری سی من مرضی پر جہاں سادان مسکرا دیا وہیں امام صاحب بھی اپنے اس عاقل بچے اور پیارے شاگرد پر واری جاتے ہوئے اسے اجازت دیے

اب اپنی ساری توجہ سادان کی سمت پھیر گئے جو اب مسکان معدوم کیے سر جھکائے سنجیدہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"اسے جا کر دیکھیں بھائی، روح کانپ رہی ہے۔ جب سادان نے کہا ہے کہ ایک ہفتے تک اسے موقع اور وقت دیا جائے تو آپ نے پھر یہ کیوں کروایا۔ کم از کم اس لڑکی کو مجرم تو ثابت ہونے دیں تا کہ ایک ہی بار اسے قبر میں اتار کر اسکی یہ روز روز کی اذیت ختم کی جائے" کرمان کے لہجے میں لرزاں خیز نمی تھی اور وہ درد دیتے تاثر کے سنگ درمان حق کے پھنکار سے بھرے سراپے کے روبرو نہایت عاجز ہو کر بولے تھے۔

کچھ دور بیٹھی انجیل بیگم تو یوں تھیں جیسے وہ فلذہ کی موت کی خبر سننا چاہتی تھیں اور اسکے زندہ ہونے پر افسوس میں مبتلا تھیں۔ انکے سائے کی مانند

ساتھ کھڑی فیضاں بھی پھٹا سا سنجیدہ تاثر دیے کھڑی تھی جبکہ سلطانہ بیگم کے چہرے پر بھی ان وعدہ خلاف بے زبان لوگوں کے اس درندہ صفت ظلم پر بس قہرناک درد رقم تھا۔

"تجھے بھی سادان کی طرح کچھ زیادہ ہی رحم دلی کا بھوت چڑھ رہا ہے، سادان میرا باپ نہیں جو میں اسکی بات ماننے کا پابند ہوں۔اس منحوس کے ساتھ جو ہو گا وہ اماں سائیں کی اجازت سے ہو گا اس لیے اس معاملے میں کوئی زبان درازی نہیں۔ مری تو نہیں ہے ناں، بس کافی ہے" درمان حق کا لہجہ زہریلا اور انداز آزاردہ ترین تھا جس پر کرمان نے شاکی نگاہ سے اس فرعون سے بھائی اور سامنے غرور میں اکڑ کر بیٹھی سفاک ماں کو دیکھا تو بے بسی سے دیکھتے رہ گئے۔

"آپ سب بہت غلط کر رہے ہیں، خدا کے لیے کسی پر اتنا ظلم مت کریں کہ اسکی آہ ہم سب کو تباہ و برباد کر دے۔ ہم بھی بیٹیوں والے ہیں، میرے ہاتھ دیکھیں بھائی کچھ دن تک یہ ظلم روک دیں" بس ہاتھ جوڑنا ہی باقی تھا

اوراب اس ماں بیٹے کو کرمان کی اس ٹوٹی شکستہ التجاء پر تپ چڑھی اور اس سے پہلے کہ درمان کوئی مزید حقارت نازل کرتے، پھنکارتی ہوئی انجیل بیگم اٹھ کر کرمان کے سامنے پتھر بن کر اکڑیں۔

کرمان تو ناراض ہی ماں سے تھے جو ماں ہونے پر صاف صاف دھبہ تھیں۔ یاور کے قاتل کو کوئی رعایت نہیں ملے گی، اب وہ اس گھر کی ایک اچھوت" گنہگار ہے جو ہر صورت سزا سہے گی۔ تجھے یہ جو ہمدردی کا شوق ہے اسے اپنے دل میں قفل کر لے، مرد ایسا بھیگی بلی نہیں جچتا، تم لوگوں کے بابا کافی تھے۔ خدا ترسی کا خناس ان سے تجھ میں آ تو گیا پر یاد رکھ، تو انجیل بیگم کا بھی خون ہے اور انجیل بیگم کو کمزور مردوں سے نفرت ہے۔ یہ جابر ہونا ہماری شان ہے، کل کو کوئی بھی لچا لفنگا اٹھ کر چوہدریوں کے بچے قتل کر دے گا، مت بھول کرمان کے وہ اور اسکا باپ مجرم ہیں۔ سادان جتنی مرضی کوشش کر لے، اب اس لڑکی کو ہمارے عتاب سے نہیں بچا سکتا" کس

قدر ظالم اور شیطانی خباثت سے بھری بڑھیا تھی جسکے لیے بس غرور اور ظلم ہی اہم تھا۔

وہ جو جھکنا پسند نہیں کرتی تھی عنقریب کسی کھائی میں دھکیل دی جانے والی تھی۔

دونوں ماں بیٹے کا غرور اور اکڑ سے تنی گردنوں کو دیکھ کر کرمان نے آج بھی دل کے درد دیتے تاثر سے بس ہدایت کی دعا کی تھی۔

مگر ایسوں کو ہدایت نہیں، عذاب کی بد دعا دینی بنتی تھی۔

سلطانہ بھی چپ چاپ یہ ظلم اور سفا کی برداشت کر رہی تھیں جو حد سے تجاوز کر رہا تھا۔

اللہ کا بھی ایک قہر ہے، وہ بھی رسی ڈھیلی کرنے کے بعد تیزی سے کھینچتا ہے۔آپ سے اب سادان ہی بات کرے گا" احساس و مروت اور رشتے کے ہر بھرم کی دھجیاں اڑاتے یہ دو ماں بیٹا کسی بات کے قابل نہ تھے تبھی کرمان سرخ ہوتے چہرے کے سنگ کہہ کر وہاں سے چلے گئے اور وہ

دونوں یوں مضحکہ خیزی سے ہنسے جیسے سادان پتا نہیں کونسی توپ تھا جسکی وہ انہیں دھمکی دے کر گیا تھا۔

سادان اپنا ہر کام من مانی سے کرے اور ہم کیوں پیچھے رہیں، بھئی میں" بھی اسی کی دادی ہوں" ہنستی ہوئی انجیل بیگم کس ادا سے کہہ کر دوبارہ براجمان ہوئیں کہ پہلی بار درمان بھی شیطانی سا مسکرائے جبکہ خون آشام آنکھیں کیے دیکھتی سلطانہ پر نظریں پڑتے ہی وہ خونخوار ہوئے مگر سلطانہ دکھ سے وہاں سے چلی گئیں۔

دونوں ماں بیٹوں کو یہ کھیل کھلینے میں اب لطف آرہا تھا، ہنس لو حبیسوں۔۔۔۔ جلد تم دونوں بھی خون کے آنسو رونے والے ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میں نے دیکھا کہ اک سنسان سا اندھیرا قبرستان ہے اور وہ ایک قبر ہے" جسکے قریب ایک لڑکی سفید سے لباس میں ہے۔ پھر یاور کی آواز آئی کہ بھائی مجھے بچالیں اور میں نے جب مڑ کر دیکھا تو وہاں اب ایک کے بجائے تین قبریں تھیں اور وہ لڑکی جسکا چہرہ دھندلا تھا وہ یوں تھی جیسے ان قبروں پر ہنس رہی ہو۔۔۔۔۔ یہ خواب مجھے ہلا گیا ہے امام صاحب، اس وقت سے میرا سینہ دباو سے بے حال ہے پلیز میری رہنمائی کریں" سادان جب یہ بات کہہ رہا تھا تو اک ان کہی سی تکلیف تھی جو امام صاحب نے اسکے لہجے اور انداز کے ساتھ چہرے پر دیکھی اور یہ خواب سن کر وہ حقیقی پریشانی اور اضطراب میں پیوست ہوئے تھے۔

سادان تو بس اپنی تکلیف میں کمی کا خواہاں تھا، جو کرب اسے اپنے اندر جا گزیں کیے تھا وہ اس ہولناک خواب کی تعبیر سے شاید مزید بڑھنے کو تھا۔ امام معروف کے چہرے پر پراسرار سی چپ تھی اور وہ اگلے ہی لمحے مصالحت اور کسی گہری سوچ کے باعث اپنی آنکھیں بند کر گئے۔

خواب کئی طرح کے ہوتے ہیں میرے بچے، کبھی کبھی وہ محض ذہن کا" فتور اور کبھی کبھی اللہ کی جانب سے اشارہ بھی ہوتے ہیں۔ اسکے کئی مفہوم نکلتے ہیں مگر اتنا طے ہے کہ تمہارا بھائی یاور اس وقت کسی تکلیف دہ عذاب میں ہے اور وہ اس عذاب سے تمہیں باخبر کر رہا ہے" امام مسجد کے لہجے میں مٹھاس ہنوز برقرار تھی مگر وہ دیکھ چکے تھے کہ سادان کے اندر کی بے بسی اور تکلیف اسکے چہرے پر تن کر محسوس کن حد تک واضح ہو رہی تھی۔

سادان جانتا تھا کہ وہ عذاب میں ہے کیونکہ وہ آدھا سچ جان چکا تھا کہ اس روز ان تینوں کا شکار فلذہ تھی جو قسمت اچھی ہونے کے باعث بچ گئی مگر یاور کی موت اور ان دو کا غائب ہونا ایک ایسا سوہان روح راز تھا جو جب تک افشاں نہ ہوتا تب تک سادان کی تکلیف میں کمی ممکن نہ تھی۔

کیا کروں میں، مجھے کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا" سادان کا دل نازک تھا اور وہ" خود بھی پہاڑ سا ہونے کے باوجود نہایت حساس تھا، یہ سارے حالات اسے پیس رہے تھے اور اسے ابھی سکون کا پل میسر نہ تھا۔

لَاتَقۡنَطُوۡامِنۡ رَّحۡمَۃِاللّٰہِ(اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا)۔ "

وہ بلاشبہ تمہیں روشنی کی امید ضرور دیکھائے گا، میرے بچے بس ایک بات یاد رکھنا کہ دکھ میں بھی اپنے دل و دماغ کو حاضر رکھنا۔اللہ کی رحمت تمہیں جلد اس راز سے روشناس کروائے گی، ممکن ہے چند اور اموات تمہارے سامنے آئیں، یہ بہت کم اور خاص لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے کہ انھیں اشارے کے بجائے عین حقیقت دیکھائی دیتی ہے۔مجھے معاملے کا علم نہیں پر تم اپنے دماغ کو اس خواب سے جوڑ کر بہت کچھ جان سکتے ہو" امام صاحب کی ان باتوں نے اب سادان کو بھی گہری فکر میں غرق کر دیا تھا اور وہ اب ان قبروں کے متعلق سوچ رہا تھا۔

کیا جب میں الجھ جاوں تو آپ سے رہنمائی لینے کسی بھی وقت آ سکتا ہوں؟" قربان جائیں ایسی اجازت پر، خود امام صاحب کے ہونٹوں پر حسین سا دلفریب تبسم پھوٹا اور وہ بہت پیار سے سادان کی سمت میٹھاس سے سنی نگاہیں مرکوز کر گئے جو ابھی بھی سخت پریشان حال تھا۔

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے میرا بچہ، تم جب چاہو یہاں آسکتے ہو۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ تم جیسا خاص رب کا پیارا مجھ ناچیز کو رہنما سمجھے"

اب اس بات پر سادان تھوڑا بے قرار ہوا تھا، اسے اپنے لیے ایسا اچھا اور اعلی سن کر جھجک محسوس ہوئی اور اسکا یہی انداز ہی اسے سب سے افضل اور منفرد بناتا تھا۔

"میں جانتا ہوں میرے بچے، اللہ نے تمہیں سچائی خواب کی صورت بہت واقع بتادی ہے۔ تم بہت جلد اسے جان لوگے اور یہ وہاں آسمان پر طے ہے۔

کوئی بہت پہلے کہہ گیا ہے کہ اس گاؤں کی تقدیر اک رحم دل عادل کے ہاتھ میں لکھی گئی ہے، بلاشبہ وہ بادشاہ وقت تم ہو بچے" سادان جواب خاموشی سے گھٹنوں کے گرد بازو باندھے سر جھکا کر بیٹھا تھا، وہ اسے دیکھ کر دل سے پر سکون تھے۔

اللہ کی شان کا یہ نظارہ دیکھنے کو میں بیتاب ہوں جب لوگ انصاف اور "
عدل پر چوہدری سادان حق کی مثال دیں گے" وہ مسلسل موہنے انداز میں
دلگیر لے کے سنگ اس بادشاہ وقت پر نظریں جمائے ہوئے تھے جو
صورت و سیرت دونوں کا شہزادہ تھا۔

محبت، نرمی، وفا اور احساس سے بھرا ہوا اک بادشاہ جسے اللہ نے اس گاوں
کی بادشاہت کے لیے چن لیا تھا۔

وہ اور عاقل وہاں سے جمعے کے بعد ہی واپسی کے لیے نکلے تھے مگر اس سب
کے باوجود سادان کا دل بہت تکلیف میں تھا اور ابھی تو حویلی کا ایک اور ظلم
اس نے سننا تھا جو یقیناً سادان کی اس چور حالت پر ایک اور کاری ضرب
ثابت ہونے کو تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بہت برا حال ہے فلذہ بیٹی کا، وہ لوگ اس پر بہت دردناک ظلم کر رہے ہیں۔ خدا انکو اس کا بدلا دے گا" کبیر کے لہجے میں سوز اور دلخراشی تھی اور سامنے کھڑا بشیر بھی یوں تھا جیسے دکھ میں گندھ گیا ہو۔

کل رات سے منظور حسین کی بھی طبعیت ٹھیک نہیں تھی اور رات بشیر انکے پاس تھا اور وہ ساری رات کسی ان کہے سے رنج اور تکلیف میں سسکتے رہے تھے۔

جب لخت جگر درد میں تھی تو پیارے بابا پر کیسے سکون قائم رہتا۔

سادان سائیں تو ایسے نہیں ہیں، اللہ ان درندوں کو برباد کرے جو ہماری بہن بیٹیوں سے ایسا سلوک کرتے ہیں" یہ بشیر نہیں بلکے اسکے اندر کا وہ ناسور بنا کرب بولا تھا جو اس خبر پر لاوے کی مانند پھٹ پڑا تھا۔

خود ڈاکٹر صاحب کنپٹی سہلا کر اس اتنے بڑے سانحے پر غم سے چور تھے۔ یہ ایک نجی سا دو تین وارڈ والا چھوٹا سا ہسپتال تھا مگر ایک وقت میں دو ہی

مریضوں کی گنجائش تھی جبکہ وہ سارا دن یہیں مریضوں کے معائنے کے لیے بیٹھتے تھے اور بشیر احمد انکا ایک طرح دایاں بازو تھا۔

بس بشیر، وہ کہتے ہیں ناں کہ ظلم جب حد سے بڑھتا ہے تو پھر اللہ سوہنا قہر" نازل کرتا ہے۔اور اس قہر کے بعد ایک عادل بھیجتا ہے۔ ہم مجبور ہیں کہ ہمارے پاس صبر کے سوا اور انتظار کے سوہان روح عمل کے علاوہ کوئی تدبیر نہیں ہے۔اب انتظار ہے اس عادل کا جو اللہ بھیجے گا" لہجے میں آہ و بکا کا عنصر لیے ڈاکٹر صاحب خاصے دل برداشتہ اور ناامیدی سے اٹے تھے پر سہی ہی تھا کہ انکے پاس انتظار کے علاوہ کوئی حل نہ تھا۔

بشیر خود سخت کربناک سی تلخی میں لپٹا ہوا بے بس تھا۔

ان شاءاللہ اچھا وقت بھی جلد آئے گا، کیا میں یہ بات منظور چچا کو" بتاوں ؟" دعائیہ انداز یک دم تکلیف زدہ ہوا تو بشیر کے استفسار پر وہ فوری سختی سے نفی میں سر ہلا گئے۔

نا بچے، وہ تو آگے ہی تکلیف کے دہانے پر ہے۔ میں دیکھ کر آیا ہوں فلذہ کو، "

اللہ سوہنا اسے صحت دے گا ان شاءاللہ۔ تم منظور کے لیے آج دوسری دوا

لے جانا، نیند کی گولی بھی ہے تا کہ وہ اس درد سے کچھ دیر ہی سہی پر باہر نکل

آئے " لہجے میں کھارا پن تو ان سب کے انداز میں پیوست تھا، بشیر بھی درد

دیتا تاثر دیے سر اثبات میں ہلائے باہر کی سمت بڑھا تو کبیر نے ایک دلسوز

سی سانس خارج کی اور دل میں فلذہ کے لیے بہت دعائیں کیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گھر آتے ہی سادان کی نظر باہر آتی کومل پر پڑی تو وہ تھوڑی فکرمندی سے

اسکی سمت گیا جبکہ عاقل بھی اب گاڑی بند کیے پیچھے ہی آ رہا تھا۔ انکو آتے

آتے شام ہو گئی تھی اور کومل کو یہ بات سادان کو آتے ہی بتانی مناسب

نہیں لگ رہی تھی لیکن وہ اسے فلذہ کی حفاظت سونپ کر گیا تھا اور وہ اس میں ناکام ہونے پر شرمندہ تھی۔

سادان بھی اسکے چہرے کا فق ہوتا رنگ اور چہرے کی بے رونقی دیکھ کر اب استفہامیہ نگاہیں لیے مرکزی دروازے سے کچھ دور رک چکا تھا اور کومل کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ سادان کو کیسے بتائے۔

کیا ہوا ہے کومل، سب ٹھیک ہے "کومل کی اضطرابی انداز سے کچھ کہنے کو" بیتابی اور ہاتھ مڑورنے کو دیکھ کر خود ہی سادان نے نرمی سے پوچھا جس پر کومل کی آنکھوں میں نمی سی اُمڈی اور اب سادان سمیت عاقل بھی پتھرائی سی صورت بنا چکا تھا۔

آئی ایم سوری سادان، میں فلذہ کی حفاظت نہیں کر پائی۔ رات نجانے" کب وہ پھر سے دادی کی درندگی کا شکار ہو کر موت کے منہ میں چلی گئی ہے۔ میں بہت شرمندہ ہوں "کومل کی آواز بھرا گئی مگر یہ سن کر سادان کو واقعی حقیقی صدمے میں جا گزیں ہو کر بنا اسکی بات سنے اندر کی جانب لپکا

اور عاقل اور کومل بھی اسی انداز سے سادان کے پیچھے گئے جو حویلی کے مرکزی احاطے میں پہنچ کر پوری شدت سے دھاڑا کہ پوری حویلی کی دیواریں لرزا ٹھیں اور آج پہلی بار سب نے اسے یوں غضبناک دیکھا تھا۔

بابا سائیں، دادی۔۔۔۔ کہاں ہیں آپ دونوں، سامنے آئیں" سادان کا" دل چاہا آج ساری اخلاقیات بھول کر زور زور سے چلائے اور انکو بتائے کہ یہ لڑکی گنہگار نہیں ہے۔ مگر ابھی وہ یہ سچائی بنا کسی ثبوت کے کسی تک پہنچا کر کوئی نفع حاصل نہیں کرنے والا تھا۔ سادان کی خونخواری پر انجیل بیگم پوری شان اور حیرت سے لہراتی ہوئیں عین سادان کے سامنے تن گئیں۔ پیچھے پیچھے باقی سب بھی یہ ہولناک دھاڑ سن کر پہنچ گئے تھے اور سادان کی آنکھیں اس قدر جلال سے دہک رہی تھیں کہ کرمان اور سلطانہ تو خلق تک تکلیف سے اٹ گئے۔

سادان نے ایک افسوس اور دکھ سے رنجور نظر دادی اور کچھ فاصلے پر بنا کسی شرمندگی کے گھورتے بابا سائیں کو دیکھا۔

دل تو سادان کا پہلے ہی ٹکڑے تھا اور اب رہی سہی کسر اس خبر نے پوری کی تھی۔

میں نے کہا تھا کوئی فلذہ کو ہاتھ نہ لگائے، کیوں لگایا آپ نے۔ ہفتہ مانگا تھا" اور آپ نے دیا بھی پھر میرے جاتے ہی آپ نے یہ کیوں کیا مجھے جواب چاہیے ؟" ضبط کی کوشش میں اب سادان کا چہرہ بھی تپ کر دہک رہا تھا اور وہ اپنی آواز میں ہر ممکنہ دھیمی لہر سمائے ماتھے کی رگیں پھڑکائے سختی سے بولا جس پر انجیل بیگم نے تنفر سے اس آتش فشاں جیسے پہاڑ کو دیکھا اور ناپسندی سنجیدگی سے اسکی گال یوں سہلانے لگیں جیسے وہ اس پر اپنا جلتا سینہ بجھا دے گا۔

ہاتھ بہت تمیز سے ہونٹ بھینچے وہ اپنی گال سے ہٹا چکا تھا اور سب ہی پھٹے تاثرات سے دونوں کا جبر دیکھ کر نڈھال تھے۔

میری مرضی، تجھے کیوں اتنی آگ لگ رہی ہے۔ کونسا اس بار تیرے" سامنے ظلم ہوا اس پر، اور تیرے جانے کے بعد بھی وہ خرافہ یہی سہے گی تو

میں نے بس اسے عادت ڈالنے کا سوچا ہے۔ تو اپنی دادی سے کسی سوال جواب کا حق نہیں رکھتا۔ آئی سمجھ؟" سادان کو تو اب ان لوگوں پر غصہ کم اور ترس زیادہ آتا تھا اور ابھی بھی اسے دادی ذہنی بیمار لگیں تھیں۔

ایک خون آشام نگاہ وہ حویلی کے ہر فرد پر ڈالتا ہوا پھر سے انجیل بیگم کو خشونت بھری نگاہ سے دیکھتا ہوا انکے کچھ قریب ہوا۔

رگوں میں بہتے درد کے شراروں نے سادان کا وجود بھی آج دہکا دیا تھا اور زرا جوان ظالموں کو اپنے کیے پر پشیمانی ہوئی ہو۔

کومل تو سارا دن ہی بوکھلا کر روتی رہی تھی اور اب سادان کی تکلیف پر پھر سے دلبرداشتہ حد تک دکھی تھی۔

ٹھیک ہے، آج سے میں بھی دیکھتا ہوں کہ اسکے قریب اب کون آتا ہے۔" وہ جیسی بھی ہے فی الحال میرے نکاح میں ہے اور آج سے اصولاً وہ میرے ساتھ رہے گی۔ اس تک پہنچنے کے لیے اب آپکو سادان کو نقصان دینا ہوگا جو مجھے امید ہے آپ ضرور دیں گی" سادان نے یہ بات کہہ کر پوری حویلی

میں لرزاں طاری کیا اور اب درمان حق اور انجیل بیگم کا فق ہوتا منہ دیکھنے کے لائق تھا۔

انکے تو گویا جسم سے جان اور رگوں سے لہو کھینچ لیا گیا تھا، انجیل کا تو ہاتھ اٹھتے اٹھتے رہ گیا اور وہ بمشکل اس بات پر اپنی حقارت کے اظہار سے خود کو روک پائیں تھیں۔

درمان حق کو اچھے پتنگے لگے تھے مگر سادان آج کسی کو بخشنے والا نہیں تھا۔

سلطانہ، کرمان اور کومل روئے سے چہروں کے باوجود مسکرا دیے تھے اور سادان نے آج حقیقی مرد بن کر دیکھایا تھا۔

وہ تو پہلے دن ہی فلذہ پر مہربان تھا، اور اب جب اسے پتا تھا کہ فلذہ بے گناہ ہے تو وہ اسے کسی سزا کا مستحق نہیں سمجھتا تھا۔

یہ بات وہ جو کر بیٹھا تھا، خود اسکا دل لرزا گئی تھی مگر وہ مجبور تھا اور یہ وقت کا تقاضا تھا۔

کیا کہا تُو نے، اس منحوس کو تو اب ساتھ رکھے گا۔ کیا ہو گیا ہے تیری عقل کو بدد ماغا، ایک بد کردار خرافہ کے لیے تُو ہمارے روایات اور ہمارے اصولوں کے نیچ آئے گا۔ پہلے تو وہ بچ گئی پر اب کہیں بچے گی" درمان جو اس نازل ہوئی ناقابل برداشت بات پر پتھر تھے اب تلملا کر سادان پر چڑھ دوڑے اور آج سادان کسی کی کوئی بات سننے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"بابا سائیں، ایسا سوچیے گا بھی مت۔ ورنہ ابھی تو اسے ساتھ رکھا ہے، مزید اگر آپ نے اسے کچھ بھی ضرر پہنچایا تو میں اسے اپنے ساتھ لے جانے پر مجبور ہو جاوں گا۔ جب تک سچائی سامنے نہیں آتی وہ لڑکی ملزم ہے اور میرے پاس امانت ہے۔ مجھے دوبارہ اتنا مجبور مت کریے گا کہ آپ دونوں کو بیٹھ کر ہاتھ ملنے پڑھیں" سادان انھیں صاف صاف ایک اور لرزاں خیز اور سنسنی سے اٹی دھمکی دے رہا تھا اور سب ہی جانتے تھے کہ پہلی بات سادان کوئی دعوی کرتا نہیں تھا، اور اگر کرے تو اس پر ڈٹ کر اپنی جان

تک وار دیتا تھا۔ پوری حویلی میں موجود ہر فرد کو سانپ سونگھ گیا تھا اور پھر کسی نے نہ بولنے کی ہمت کی تھی نہ کچھ کہنے کی۔

سادان عاقل کو اشارہ کیے کوارٹر کی سمت گیا تو عاقل بھی فوراً سے پہلے بنا کسی کو دیکھتا پیچھے گیا جبکہ درمان حق تو سرخی میں گویا نہا گئے اور یہی حال اس پھنکارتی انجیل کا تھا۔

مگر سلطانہ تو دل سے خوش تھیں اور انھیں آج سچ میں سادان کے مرد ہونے پر اور انکا بیٹا ہونے پر فخر ہوا تھا۔

کومل بھی مصالحت سے پیچھے ہی چلی گئی تھی۔

سادان کوارٹر میں داخل ہوا تو اس بے جان سی فلذہ کو دیکھ کر ایک بار پھر بے جان سا ہو گیا۔

بلقیس جو اسے ابھی بھی ٹھنڈی پٹیاں کر رہی تھی اب خوف سے کانپتی ہوئی سادان کے آتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی مگر سادان کسی کو سزا نہیں دے سکتا تھا۔

فلذہ کی یہ حالت وہ درندے ہر صورت ایسی کر دیتے پھر بھلے وہ کتنی ہی فوج کیوں نا تعینات کر دیتا۔

سادان نے کسی کو نہ دیکھا اور بہت آہستگی سے فلذہ پر جھکا اور اگلے ہی لمحے وہ نازک سی بے جان اسکی بازوؤں میں تھی۔

سادان نے نہ عاقل کو دیکھا نہ اندر آتی کومل کو اور بنا کسی سے نظریں ملائے فلذہ کو لیے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

ہر کسی نے سادان کو جاتے دیکھا اور پوری حویلی چہ مگویوں اور پر اسرار سرگوشیوں سے اٹ گئی مگر وہ دو پھنکارتے نقوش بس جبڑے اور مٹھیاں بھینچے رہ گئے اور سادان نے انکی روایات کو ایک پل میں اپنے پاؤں تلے روند کر رکھ دیا۔

عاقل جو سادان کے پیچھے ہی آیا تھا اب سادان کے کمرے کا دروازہ کھول رہا تھا، سادان نے ہنوز نرمی اور احتیاط سے کمرے کے اندر داخل ہو کر فلذہ کو اپنے بیڈ پر لٹایا اور اس پر باریک بلینکٹ اوڑھائے عاقل کو بلقیس کو یہیں

آکر پٹیاں کرنے کا کہا اور خود ایک تکلیف دہ نگاہ اس موت کے منہ میں جھولتی فلذہ پر ڈالے چینج اور فریش ہونے واش روم گھس گیا۔

کیونکہ اسکا سراب واقعی پھٹنے کے بے حد قریب تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ ایک گاوں کی ویران مٹی کی سڑک تھی جہاں ساتھ ہی ڈھلوان زدہ علاقہ تھا اور ساتھ ہی زمینیں تھیں۔

شام کا وقت تھا اور گاڑی سے ٹیگ لگا کر کھڑا تیمور چوہدری اور اسکے ساتھ اسکے ویسے ہی شکل سے بگھڑے یار خبیث شکلیں لیے کھڑے تھے۔

وہ جو حویلی کے مردہ ماحول سے تنگ آچکا تھا آج پھر اپنے لفنگے یاروں کے ساتھ گاوں کے ویران گوشے میں پایا گیا تھا۔

تیمور چوہدری ایک نمبر کا بد تمیز اور غیر ذمہ دار سولہ سالا لڑکا تھا اور عادات وخصائل میں یہ بھی یاور کی کاپی تھا۔

کیا بنا اس لڑکی کا" تیمور نے مشکوک سی پر اسراری سے سامنے کھڑے انجم کو کہا جو اپنی مد نچھ کو تاو دینے میں مصروف تھا یک دم شیطانی پن اور بے شرمی سے دانت کی نمائش کرنے لگا۔

گھر میں چھپ گئی ہے سالی، نکلنے دیجیے، جناب کی خدمت میں پیش ہو جائے گی" نا جانے اب یہ کس لڑکی کا ذکر تھا مگر جو بھی تھا اللہ کی پناہ۔

وہ لڑکا خباثت سے آنکھ مارے بولا تو تیمور سمیت وہ دوسرا اکرم داد نامی لفنگا بھی ویسا ہی ہنسا تھا۔

یار ویسے تم مجھ معصوم کو بڑا تر پاتے ہو، وہ لڑکی۔۔۔۔۔اف کیا پیس" ہے۔اب مجھ سے صبر نہیں ہو رہا" تیمور کی اس حسرت پر وہ دونوں ہی اب تالی مارے اپنے اس بے شرم یار پر ہنسے تھے جو اس لڑکی کے لیے ٹھنڈی آہیں بھرتا ہوا خاصا غیر اخلاقی لگا تھا۔

بھائی ابھی مرا تھا اور اسکے کام پھر سے وہی گندگی اور بے راہ روئی سے شروع ہو چکے تھے۔

"ویسے بڑی کمینی شے ہے تو تیمور، ابھی سے تیرے اندر کتنی آگ بھری ہے۔ کچھ غیرت کھا ابھی تو یاور بھائی کا کفن بھی میلا نہیں ہوا ہوگا" بظاہر کرم داد بے تکلفی سے بولا تھا مگر تیمور چوہدری کے چہرے کا قہقہہ دیکھ کر وہ دونوں ہی سر پیٹنے والے دیکھائی دیے تھے۔

"اتنی سی عمر کیا، کتنی بار کہا ہے میں جتنا زمین پر ہوں اتنا ہی نیچے ہوں میری جان۔ عمر سے کیا، دل میں دلداری ہونی چاہیے۔ اور زندگی موت تو چلتی رہتی ہے" یہ تو یاور سے بھی دو ہاتھ آگے کا لفنگا تھا، ذرا جو اس کمینے کو کوئی شرم یا غیرت ہو، اوپر سے اترا ایسے رہا تھا جیسے کوئی بڑا کارنامہ بیان کر رہا ہے۔

اس پر تینوں ہی ایک سی کھسیانی ہنسی ہنسے تھے۔

ویسے یاور بھائی کی موت کا بڑا افسوس ہے یار، پر کیا کریں یہ سب تو طے " چیزیں ہیں" وہ جو گھر میں یاور کی موت سے اب تک رونا پیٹنا ڈالے ہوئے معصوم تھا، اب باہر اسکی اصلیت بے نقاب ہو رہی تھی۔

افسوس میں گندھ کر وہ دونوں ہی اب سنجیدہ تھے مگر تیمور کے چہرے پر حقارت ابھر آئی تھی۔

اچھا ہوا مر گیا، کمینہ کہیں کا۔ جو لڑکی مجھے پسند آتی تھی اس پر پہلے ہی " نظریں جمائے بیٹھا ہوتا تھا۔ اچھا ہوا جان چھوٹی" تیمور کے خیالات پر بظاہر تو وہ دونوں بھی ہنس رہے تھے پر دل سے سخت ہولناک تھے جو یہ بندہ اپنے بھائی کی موت پر یہ کہہ رہا تھا۔

یہ واقعی کوئی عذاب تھا بلاشبہ۔

او یار تو کیا چیز ہے، بھائی تھا وہ تیرا" انجم نے پھر بھی اسے شرم دلانے کو" کہا پر شرم ایسوں پر سے اٹھ چکی ہوتی ہے۔

عذاب تھا عذاب، باقی وہ سادان صاحب تو ہیں ہی اللہ کی گائے۔ پتا نہیں" کہاں ہمارے گھر پیدا ہو گیا، اس سے ڈر ہی لگتا ہے مجھے، مارتا بہت برا ہے وہ" شکر ہے کسی سے تو ڈرتا تھا مگر سادان کو اگر بھنک بھی لگ جائے کہ اسکا چھوٹا بھائی کیا گل کھلا رہا ہے تو وہ تو صدمے سے ہی مر جائے۔

یقیناً یہ سب درمان حق کی درندگی کے نتائج تھے جو اسکی اولاد سہہ رہی تھی۔

تیمور اسکا ذکر کیے منہ پر خاصی ناپسندیدگی لائے بولا تھا، انجم اور کرم داد تو واقع صدمے اور حیرت میں تھے۔

پھر بھی یار، ہیں تو بھائی۔ بھائی تو سر کا سایہ ہوتے ہیں، میری مان تو جب" تک سادان بھائی یہاں ہیں اس لڑکی والا کام آگے کر دے۔ وہ بڑی تیز ہے، کچھ بھی ہوا تو چپ نہیں بیٹھے گی" یہ لوگ گاؤں کے نائی کی بیٹی رمشہ کی بات کر رہے تھے جو بلا کی حسین اور آفت سمجھی جاتی تھی اور تیمور ہی کی ہم

عمر تھی۔ تیمور کا اس پر دل آچکا تھا اور اسکے یار اسکے لیے وہ بطور تحفہ لانے کا وعدہ کر چکے تھے۔

ایسے تیمور پر بھی قہر ٹوٹے اور اسکے ایسے خبیث یاروں پر بھی، انجم کی بات سن کر مغرور سے تیمور نے تیوری چڑھالی جسکا مطلب تھا کہ مرچ لگ چکی ہے۔

میری طرف سے سب مر جائیں، بھاڑ میں چلے جائیں۔ پر مجھے وہ لڑکی جلد" میرے سامنے چاہیے، اب دنیا کی فکر کرتے کرتے ہم اپنا مزہ تھوڑی ناں خراب کر سکتے ہیں۔ ویسے بھی کسی میں جرت نہیں ہے کہ چوہدروں کے آگے بولے، یہ تو مت یاور بھا کی مر گئی تھی جو ایسا کچا کام کیا کہ الٹا جان سے گئے۔۔۔۔ نکمے" دور کھڑا شیطان تو آج رشک زدہ تھا کہ اسے تین شاگرد خاص ملے تھے۔

تیمور کی شخصیت گندھ سے بھر رہی تھی اور وہ بہت جلد ممکن تھا اب سادان کے ہاتھوں ہی مرتا۔

اللہ سادان کو واقعی اس کڑے امتحان میں مبتلا کر رہے تھے جس سے وہ ایک بار تو ہل گیا اور مزید اسکا درد ناک ضبط آزمایا جانا تھا۔

مگر اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کو اکیلا نہیں چھوڑتے اور برے لوگ اس دنیا میں ہی مقافات عمل سہتے ہیں۔

تیرا کچھ نہیں ہو سکتا" ظاہر ہے، ایسوں کا بس درد ناک انجام ہوتا ہے۔"

ممکن تھا کہ جلد تیمور کی اصلیت بھی سادان تک پہنچ جاتی مگر وہ بچارا خود ابھی اپنے مسائل میں الجھا تھا۔ وہ تینوں کی اب کی بار خباثت سے آنکھ مارے ہنس پڑے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کھڑکی کے ساتھ یک دم خاموش کھڑا ساداں یہ اتنا بڑا فیصلہ لے تو چکا تھا مگر اب اسے شدید اضطراب ساخود میں پیوست کر گیا تھا۔

یہ کمرہ جہاں ساداں کے علاوہ بس زیادہ تر عاقل آتا تھا، آج فلذہ سے آباد ہو کر اسے بے سکون کر رہا تھا۔

ساداں نے دونوں ہاتھ ٹراوز کی جیبوں میں دیے تھے اور رخ پھیر کر اب وہ بے سدھ انداز میں بیڈ پر لیٹی فلذہ کو دیکھ رہا تھا جسکا بخار اب کم تھا مگر وہ بیہوشی میں ابھی تک ڈوبی تھی۔

ساداں رخ پھیر کر پھر سے باہر دیکھنے لگا اور وہ شدید الجھن میں تھا۔

کھلے دروازے پر مدھم سی دستک نے ساداں کو اسکے خیالات سے باہر لایا تو وہ گردن موڑے مڑا جہاں سامنے کومل اندر آنے کی اجازت چاہتی تھی۔

ساداں خود ہی کچھ قدم چلتا ہوا کومل تک آیا جو کافی اداس تھی اور فلذہ کو رنجیدگی سے دیکھنے کے بعد ساداں سے ابھی تک شرمندہ تھی۔

آپ مجھ سے خفا ہیں ساداں، پلیز ناراض مت ہوں" کومل سے یا کسی سے بھی ساداں نے اسکے بعد بات نہیں کی تھی اور تبھی وہ اب دکھ سے چور انداز لیے بولی تھی۔

بلیک اینڈ پرپل سنپل سے ڈریس پر وہ دوپٹہ ایک کندھے پر پھیلا کر رکھتی تھی اور بالوں کو ہمیشہ ڈھیلی پونی میں قید کرتی تھی۔

ابھی تو چہرے پر تاسف کی حد تھی اور ساداں کیا بتاتا کہ وہ اس وقت بس خود سے خفا ہے۔

"میں خفا نہیں ہوں کومل، آئی نو تم بھی اتنی مجبور ہو جتنے باقی سب ہیں۔ لیکن یہ لڑکی گنہگار نہیں ہے اور میں اس بے گناہ کو اب کوئی سزا سہنے نہیں دوں گا" ساداں الجھا ہو کر بھی اپنے ارادے پر اٹل تھا اور کومل کو ساداں کا فلذہ کو لے کر یہ ناقابل یقین سٹیپ لینا بہت اچھا لگا تھا۔

"بلکل، میں آپکے ساتھ ہوں۔ میری کبھی بھی کوئی بھی ضرورت ہو تو مجھے یاد لازمی کیجیئے گا۔ آپ سے جڑ کر یہ لڑکی میرے لیے بھی اتنی ہی اہم ہے

جتنی آپکے لیے۔ اللہ اسکی مشکل کو جلد آسانی میں بدلیں، یہ بہت معصوم ہے اور معصوم پر ظلم کا بدلا اللہ خود لیتے ہیں" کومل کا یوں فلذہ کے لیے حساس حد تک نرم ہونا سادان کو بھی اچھا لگا تھا اور وہ تبھی اسے دوست کہتا تھا کیونکہ وہ اسے اور اسکے ہر جذبے کو سمجھ لیتی تھی۔

تھینک یو سو مچ کومل، بس دعا ہی چاہیے فی الحال" سادان سنجیدہ تھا اور ابھی وہ فلذہ کے ہوش میں نہ آنے پر تھوڑا اپ سیٹ بھی تھا۔

کومل نے مدھم سی مسکان سے سادان کو دیکھا اور پھر فلذہ پر نگاہ گئی تو مزید میٹھی ہو گئی تھی۔

اب وہ دونوں ہی فلذہ کو دیکھ رہے تھے جو ابھی تک یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ خواب کی سی کیفیت میں آج اپنے سر کے سائیں کے پاس پہنچ گئی تھی۔

آپ اگر سونا چاہیں تو سو جائیں، میں فلذہ کے پاس بیٹھ جاتی ہوں۔ آپکی" آنکھیں تھکن سے سرخ ہیں سادان، اپنا خیال بھی رکھیں تاکہ اسے سنبھال

سکیں" کومل کی نرم سی فکر مندی میں لپٹی اس بات پر سادان نے موہوم ہی سہی پر مسکان دے کر لمحے معطر کر دیے تھے اور کومل تو اسکی مسکراہٹ دیکھنے کو ترس گئی تھی تبھی اداس سا مسکرادی تھی۔

میں آج سو نہیں پاوں گا کومل، میرے اندر جنگ جاری ہے۔ میرا سر" پر سکون نہیں نہ میرے دل کو اس وقت کسی آرام کی طلب ہے۔۔۔ تم فکر مت کرو اگر مجھے نیند آبھی گئی تو میں یہیں سو جاوں گا، تم بھی آرام کرو جا کے "سادان نے کچھ دیر کومل کی فکر مندی کو اپنی مسکان سے سراہا اور پھر اسے معدوم کیے نرمی سے اسے بولا تو وہ بھی پوری فرمابرداری سے سر اثبات میں ہلائے باہر چلی گئی۔

سادان نے دروازہ بند کیا اور خود بیڈ سے تھوڑے سے فاصلے پر پڑے صوفے پر جا بیٹھا اور تھوڑا نیم دراز ہوئے اپنے سر کو پشت سے ٹکا کر اپنے ہاتھ سینے پر باندھے آنکھیں بند کر گیا۔

مکمل سیاہ ٹی شرٹ اور ٹراوز پہنے، الجھے بکھرے بالوں کے سنگ ہو کر بھی وہ حد درجہ نفیس اور بارعب دیکھائی دے رہا تھا۔

"اگر وہ جاگ گئی تو، مجھے سونا نہیں چاہیے۔ وہ تو پہلے ہی ڈری تھی اب یہاں خود کو پا کر کہیں مزید خوفزدہ نہ ہو جائے۔ آئی تھینک اسکے جاگنے کا انتظار کرنا چاہیے" بند آنکھیں چار و ناچار وہ کھول کر اب سوچتے ہوئے فلذہ کی سمت متوجہ ہوا جسکا وہ پہلی بار مکمل چہرہ دیکھ رہا تھا۔

ابھی تک اس نے جب بھی فلذہ کو دیکھا تھا تو وہ چادر میں لپٹی ہوئی اور سر کو ہر ممکنہ حد تک جھکائے ہی رہی تھی مگر ابھی وہ تھوڑی سی کروٹ پر لیٹی تھی اور اسکی لمبی سیاہ چوٹی اسکے کندھے سے نکل کر اسکی بازو کے نیچے دبی تھی۔

چادر کچھ پاس تکیے پر تھی اور باریک بلینکٹ اسکی گردن تک تھا، وہ اسکی آنکھیں دیکھ رہا تھا جو بند تھیں۔

یہ جو آنکھیں اٹھا کر دیکھتی نہیں ہے، حسین عادت رکھتی ہے۔ سادان" حق کو ایسی حیا بھاتی ہے" وہ یونہی بے دھیانی میں سنجیدگی سے خود کلامی کیے خود ہی حیرت زدہ ہوا۔

کل سے گاوں میں ان دونوں کی تلاش کا کام جاری کرواوں گا، ایک بار وہ" دونوں مل جائیں اور یہ معاملہ ختم ہو تا کہ میرے ساتھ ساتھ اسکی بھی خلاصی ہو" سادان اب کی بار اک ان کہی سی تکلیف میں اٹ کر سوچ رہا تھا۔

نیند سادان کی آنکھوں میں شدید انداز سے اتر رہی تھی اور وہ خود کو سونے سے روک نہیں پا رہا تھا، ساری رات جاگنے اور پھر اس سارے تماشے کے بعد سلگنے کی بدولت وہ جسمانی کے ساتھ ساتھ ذہنی اور قلبی تھکن کا بھی شکار تھا۔

فلذہ کے بے جان وجود کو دیکھتا دیکھتا وہ کب نیند میں جا ڈوبا، اسے خود خبر نہ ہو سکی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"یہ کیا ہو رہا ہے اماں سائیں، اب آپ مجھے اجازت دیں کے میں اس زلیل عورت کا کھیل ہی ختم کر دوں، اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور نیا چن چڑھائے اسکی سانسیں چھیننی ہوں گی" کنپٹی کی رگیں تھیں کہ آج واقعی پھٹ پڑنے کو تھیں، درمان حق جو مسلسل تلملاتا ہوا ایک سے دوسری جگہ وہشی پن سے چکر کاٹ رہا تھا اب جلبلا کر انجیل بیگم کی طرف رخ کیے بولا جو ناجانے اونچی شاہی کرسی پر براجمان ہو کر ہاتھ میں تسبیح پکڑے ناجانے کونسی خوفناک منصوبہ بندی کر رہی تھی کہ بچے کا سلگنا اور غضبناک ہونا بھی انکو بہت ٹھنڈا رکھے ہوئے تھا۔

"وہ لڑکی ہمارے لیے بہت بڑا عذاب بننے والی ہے درمان، اس سے اچھا تھا ہم اسکا نکاح تیمور سے کروا دیتے اور اب تک وہ اس حویلی کی ملازم بھی بن

چکی ہوتی۔ غلطی ہو گئ کہ اس منحوس کا نکاح ہم نے سادان سے کروادیا"

اب تو انجیل بیگم بھی پچھتا رہی تھیں اور انکی آنکھوں میں زہریلا پن تھا۔

!اب پچھتانے کا نہیں، انجام سے پناہ کا وقت تھا فرعونو

اماں کی یہ بات سن کر درمان نے پھنکارتے ہوئے سر کے بالوں کو جکڑا اور

ساتھ کے صوفے پر بے تابی سے آکر براجمان ہو گیا۔

زیر لب گالیاں دی گئیں، جی بھر کر دی گئیں۔

بیٹھے بیٹھے ان دونوں کی جان پھنس چکی تھی اور ابھی یہ شروعات تھی۔

اصل گیم تو کل شروع ہونی تھی جب سادان ان لڑکوں کی تلاش شروع

کروانے والا تھا۔

اب کیا کرنا ہے؟" سفاکی سے رخ پھیرے وہ شیطانی اوصاف کی مالک"

ماں صاحبہ سے پوچھ رہا تھا جو ماتھے پر آئی شکنیں ہٹا کر اپنی لاٹھی لہرائے اٹھ

کر کچھ قدم دور جا کر حقارت سے لبریز ہو کر پراسرار ہو چکی تھیں۔

اس لڑکی کو مارنا ہوگا، ورنہ انجام بہت برا ہوگا درمان۔ آج وہ اسکے کمرے تک پہنچی ہے کل سادان تک پہنچ جائے گی اور کیا اب ہم ایک خرافہ کو اس گھر کی نسل بڑھاتے دیکھیں گے" انجیل بیگم کی فطرت ہی سانپ اور ناگن سی تھی، ماں کی اس بات پر درمان کو وہ پتنگے لگے کہ وہ دلبرداشتہ ترین جلال کے سنگ اٹھ کر ان تک پہنچا اور شکایتی برہمی سے خفا ہوا۔

"ایسا ہونے سے پہلے میں اسکی قبر تو کھودوں گا ہی ساتھ سادان کو بھی عبرتناک سزا دوں گا۔ ایسا کچھ ہوا تو ہماری عزت دو کوڑی کی ہو جائے گی اماں سائیں۔ خدا کے لیے اس کا کام جلدی تمام کریں" اپنی کھوکھلی عزت پر بھی یہ ظالم کوئی خطرہ مول نہئں لے رہے تھے اور ایک بار پھر فلذہ پر قہر ناک تکلیف اور ظلم ٹوٹنے کو تھا۔

سادان جو اسکی حفاظت کا ذمہ پہلے سے شدید لے چکا تھا، اسے خبر نہ تھی کہ اسکا آج کا عمل فلذہ پر زندگی اور تنگ کر گیا تھا۔

ان لوگوں کی بے دردی کسی حد کی قائل نہ تھی اور آج کی رات گواہ تھی

کہ فلذہ پر سیاہ سایہ تن چکا ہے۔

کرتی ہوں کچھ، وہ سادان میرے راستے میں نہ آئے ورنہ بہت برا پائے گا"

مجھے "ایک دادی ایسی بھی ہو سکتی ہے، یہ تو سفاک ترین حد سے بھی اوپر

کے درجے کی ظالم تھی۔

دونوں کی نیندیں حرام ہو چکی تھیں اور اب بات عزت اور مرتبے کے

ساتھ اونچی ناک کی تھی اس لیے قیامت توٹے تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آہستہ آہستہ نینداور گہری تپش زائل ہوئی تو فلذہ کو اپنے پورے وجود اور

خاص کر بازو میں درد کی ٹھیسیں سے محسوس ہونے لگیں تھیں۔

رات کے دو بجے کا وقت تھا جب فلذہ ذرا ذرا ہوش میں آ رہی تھی مگر نقاہت اتنی تھی کہ اس سے اپنی آنکھیں نہیں کھولی جا رہی تھیں اور ایک پل کو اسے لگا وہ ہل بھی نہیں پائے گی۔

اپنا بے جان سا بیڈ پر دھرا ہاتھ اٹھا کر وہ اپنے سر کو بری طرح جکڑ کر سخت تکلیف میں تھی، کمرے میں مدھم سی روشنی تھی اور سادان سامنے ہی صوفے پر نیند میں گہرائی سے جاگ رہا تھا۔

فلذہ نے بہت کوشش کے بعد اپنی آنکھیں کھولیں تو سر کی ٹھیس کے باعث ہاتھ ہنوز سر پر تھا اور دوسرا تو اس سے ہلایا بھی نہ جا رہا تھا۔

آنکھیں کھلیں تو وہیں پتھر ہوئیں، پہلی نظر ہی سامنے صوفے پر گہری نیند میں غرق سے سادان پر گئی تو فلذہ پوری کی پوری کانپ کر رہ گئی۔

نظریں خوفزدہ سی کمرے میں بھٹکیں تو اسکی رہے سہے حواس بھی شل تھے۔

یہ کمرہ اور ایسا شاندار شاہی کمرہ تو فلذہ نے اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا، جہازی سائز بیڈ، سامنے بہت پیارا ڈریسنگ، ایک طرف گلاس ونڈوز جو باہر بیرونی حویلی کا سارا منظر دیکھاتی تھی۔

ایک صوفہ بیڈ کے کچھ ساتھ اور سامنے بھی دیدہ زیب ڈیزائن کا صوفہ سیٹ اور شیشے کا میز جس پر تازہ پھول اس وقت تھوڑے مرجھا چکے تھے۔ کمرے میں لگے سبز اور نیلے انوکھے سی ٹیوب لائیٹ کی مخمور روشنی میں ڈوبا یہ خاموش سا کمرہ، فلذہ نے خود پر سے فوری اٹھ کر بلینکٹ ہٹایا اور بنا بازو کے درد کی پراہ کیے اپنی چادر اٹھا کر کانپتی ہوئی اپنے گرد لپیٹے وہ اس بیڈ سے اٹھنے ہی لگی کہ سر شدید بری طرح گھوما تو فلذہ نے بمشکل بیڈ کی پشت پکڑ کر سر کو جکڑا۔

وہ سادان کو دیکھ بھی نہیں رہی تھی بس وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ یہ جو بھی تھا، اسے ابھی صرف اس سے ڈر لگ رہا تھا۔ فلذہ کا پورا جسم تپش زائل کیے اب سنسنی اور تکلیف سے یخ تھا۔ سادان جو نیند میں تھا، زرا

کسمسایا مگر فلذہ کواب اپنی رہی سہی پرواہ بھی نہ تھی اور وہ لڑکھڑاتی ہوئی جانے کو مڑی ہی تھی کہ سادان کی دانستہ نظر اس پر پڑی جواب دروازے تک تھی۔

فلذہ" کسی بے ساختہ صدا نے فلذہ کے سبک رو قدم پتھر کیے اور وہ" کپکپاہٹ سے وہیں سرخ ہو گئی۔

وہ جو اسے یوں جاتا دیکھ کر اب اپنی نیند سے مکمل نکل چکا تھا، دو سیکنڈ میں اس تک پہنچا اور اسکو آہستگی سے دونوں شانوں سے پکڑے اپنے سامنے لایا تو اب پتھرانے کی باری سادان حق کی تھی۔

وہ یوں تھی جیسے اسکا سارا لہو اسکے وجود سے کھینچ لیا گیا تھا، سر جھکائے نظریں زمین میں گاڑے سرخ پڑتی زرا زرا کپکپاتی فلذہ خوف کے اونچے دہانے پر فائز تھی اور سادان کو سمجھ نہیں آیا کہ اس وقت کیا کرے تو اسے بہت نرمی سے پکڑے خود میں سمیٹ گیا۔

یہ اتنا غیر ارادی اور اچانک افتاد جیسا تھا کہ فلذہ کے ساتھ ساتھ خود سادان پر بھی یہ احساس نما قربت کسی سانحے کی طرح اتری تھی۔

سادان کے وجود میں مکمل چھپی فلذہ کی آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھایا تھا اور وہ خود کو کسی پتھر کے قلعے میں محبوس ہوتا محسوس کر رہی تھی۔

سادان یہ بس اسکا خوف ہٹانے کو کر بیٹھا مگر جلد ہی اسے اپنی اس عجیب حرکت کا احساس ہوا تو فوری نظریں چراتا ہوا فلذہ کو خود سے الگ کیے اپنے سامنے لایا جواب کانپ کر بہت برا رو رہی تھی۔

رونے میں ایسی شدت تھی کہ سادان کے اپنے ہاتھ پیر پھول گئے اور اسے اپنے اس فعل پر ندامت ہوئی جو فلذہ کو اور بے جان کر گیا۔

دیکھو پلیز رومت، میں ایسا ویسا نہیں ہوں فلذہ۔ میں بس تمہارا خوف" ہٹانے کو یہ کر گیا۔ مجھے معاف کر دو، اور یہ رونا بند کرو اور آؤ یہاں بیٹھو تمہاری طبعیت خراب ہے "سادان اس وقت بہت عجیب صورت حال

میں تھا اور اسے اس معصوم سی کانپتی فلذہ کو اپنی صفائی دینی پڑی مگر وہ تو لگتا تھا نہ بولتی ہے اور نہ نظریں اٹھاتی ہے۔

اسکو بہت آہستگی سے پکڑے وہ بیڈ تک لے کر گیا اور اسے بیٹھائے خود بھی پریشان سا اسکے سامنے بیٹھا جو خود کو اب کہیں گم کر لینا چاہتی تھی۔

مجھے بابا کے پاس جانا ہے، مجھے بھیج دیں آپکو اللہ کا واسطہ "رو رو کر یقیناً وہ" مر جانے کو پہنچ چکی تھی اور سادان خود سخت رنجیدہ تھا کہ اب اسے کیسے چپ کروائے۔

نظریں ہنوز نیچے رکھے وہ بھرائی ہوئی دردناک آواز سے بولی تھی، سادان نے اسکا دوسرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا جسے وہ فوراً کھینچ کر مزید رو دی اور اپنی چادر میں خود کو چھپانے کی کوشش بھی تیز کر دی۔

یا اللہ مجھے کوئی تو راہ دیکھائیں، اسکا رونا کیسے روکوں۔ اور یہ مجھے بھی پتا" نہیں کیسا سمجھ رہی ہے" وہ سخت دکھ سے فلذہ کا خود کو غیر محفوظ سمجھ کر

چھپانا اور سمٹنا دیکھ کر سوچ رہا تھا اور وہ روتی ہوئی انتہا کی مظلوم اور دردناک لگ رہی تھی۔

ابھی اسکی طبعیت بھی ٹھیک نہیں تھی اور سادان کو اب فکر تھی کہیں اپنا سر ہی فارغ نہ کروا لے۔

میں تمہیں تمہارے بابا کے پاس ضرور چھوڑ آوں گا لیکن کچھ دن تک "
تمہیں صبر رکھنا ہو گا، ایسے کرو گی تو کیسے چلے گا۔ بہادر بنو فلذہ، رو کر تم خود کا مزید نقصان کرو گی" سادان نے اب کی بار لہجہ حد درجہ ملائم رکھا تو اسے لگا جیسے فلذہ کے رونے میں کمی آئی ہے۔

وعدہ کریں، مجھے میرے بابا کے پاس چھوڑ کر آئیں گے ناں" سر اور "
نظریں ہنوز جھکائے وہ لرزتی ہوئی معصومیت سے سادان سے جس انداز سے کہہ گئی وہ تو شہزادے کو ایک لمحے کے لیے ساکت کر گیا تھا۔

یہ انداز، یہ آنسو، یہ حیا اور یہ نظروں کا جھک کر بھی دل تک اتر تا دکھ سادان کو کہیں دل سے ہلا گیا تھا۔

ہاں، وعدہ کرتا ہوں" سادان کسی گہرے خاموش اثر میں اک وعدہ کر" گیا۔ فلذہ جو اس بات پر مزید رونا ختم کر گئی اب اپنی بازو پر ہاتھ رکھے پھر سے شدید رونے لگی ہے، شاید اسے بہت درد ہو رہا تھا۔

سادان بھی اس سحر انگیز سے ٹرانس سے نکلا تو اسے یوں بازو پر درد سے اٹ کر ہاتھ رکھے دیکھ کر اب اسکی وہی بازو پکڑے زخم دیکھ رہا تھا اور اسی دوران فلذہ نے آنکھیں اٹھا کر سادان کو دیکھا۔

شاید جتنا لوگ فلذہ کو برا کہتے تھے یہ بندہ اس شدت تک حسین اور پیارا تھا، فلذہ نے فوری پھر سے آنکھیں جھکا لیں۔

تم دیکھتی کیوں نہیں ہو، کیا مجھے دیکھنا برا لگتا ہے تمہیں" اپنے دھیان" میں ہی وہ اسکا بینڈ یج بدلتا ہوا بولا جس پر فلذہ نے پاگلوں کی طرح ہاں میں سر ہلایا تو سادان بھی اس پر ہلکا سا مسکرا دیا۔

میں برا لگتا ہوں، کیا سچ میں؟" وہ اب زرا بے تکلف ہو کر فلذہ کا اپنے لیے تھوڑا خوف مٹانے کو بولا تھا جس پر فلذہ پھر سے اثبات میں سر ہلا رہی تھی۔

واحد بندی تھی جو پورے دھڑلے سے سادان حق کو برا کہہ رہی تھی اور وہ بھی آگے سے فلذہ کے ایسے معصومانہ سا انداز پر مسکرا کر بینڈ تیج بدل رہا تھا۔

تم مجھ سے بلکل مت ڈرو، میں تمہیں خود یہاں سے جلد از جلد تمہارے" بابا کے پاس پہنچانے کی کوشش میں ہوں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں نہ تم قصور وار ہو نہ تمہارے بابا نے قتل کیا ہے" سادان اب اسکا وہی ہاتھ بہت اپنائیت سے پکڑے اسے دیکھنے کی کوشش میں مصالحت اور سچائی سے بولا مگر فلذہ نے تو قسم کھا رکھی تھی کہ کچھ بھی ہو جائے وہ کسی کو نہیں دیکھے گی۔

سادان نے محسوس کیا وہ پھر سے اپنا ہاتھ کھینچ رہی تھی اور یہ کرتے ہوئے وہ مشکل میں لگ رہی تھی۔

عجیب تھی وہ، بہت الگ سی۔

وہ ہاتھ جن میں اپنا ہاتھ دینے کو ایک دنیا ترستی تھی، یہ اسے جھٹکتی جا رہی تھی۔

سادان کو اسکا سانولا رنگ تو محسوس ہی نہیں ہوا تھا، شاید وہ اسکے چہرے پر لکھی باقی تحریریں زیادہ غور سے پڑھ رہا تھا۔

ایک خیال سا سادان کو آیا کہ کہیں وہ اپنی کم خوبصورتی کے باعث اپنا چہرہ جھکا کر نہ رکھتی ہو۔ وہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر اب بس اسے اور اسکے غیر اعتماد سے انداز دیکھ رہا تھا۔

یہ خوبصورت نقوش والی گداز بدن لڑکی"

سانولے رنگ کی نہ ہوتی تو پری ہوتی♡"یقینا بلاشبہ یہی ہوتا۔

جب تک تم یہاں ہو، اسی کمرے میں رہنا۔ اور ابھی کچھ دن باہر نکلنے کی" ضرورت نہیں۔ اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلقیس سے یا کومل سے کہنا، میں تمہیں جلد اس جہنم سے تمہارے بابا کے پاس بھیج دوں گا لیکن تب

تک تمہیں خود بھی اپنی حفاظت کرنی ہے۔ سمجھ آئی ہے میری بات "اب وہ اسے سمجھا رہا تھا اور اسکے استفسار پر فلذہ کو بھی اب کوئی جواب سمجھ نہ آیا۔

دل چاہا کہ اس پر یقین کر لے، یہ اسکا نرم اور ملائم انداز فلذہ کا کانپنا قدرے کم کر چکا تھا۔

سادان کے دوبارہ پوچھنے پر فلذہ نے روئے سے انداز میں سر ہلایا تو سادان بھی گہرا لمبا سانس خارج کیے اٹھ کھڑا ہوا۔

کچھ چاہیے تمہئں ؟"سادان نے اسکے سر پر کھڑے ہو کر بہت فکر اور " ہلکی سی غائب دماغئ سے سر کجھاتے پوچھا تو فلذہ اب واقعی بنا کوئی جواب دیے وہیں سمٹ کر کروٹ پھیرے لیٹ گئ۔

کپکپاہٹ تو معدوم تھی پر ابھی بھی وہ سادان سے خوف زدہ تھی۔

سادان نے ہنوز مسکرا کر جھکتے ہوئے اس پر ہٹایا ہوا بلینکٹ دیا جس پر تو مزید جھینپ سی گئی۔

سادان دوبارہ سے صوفے تک گیا اور نیم دراز ہوئے جا بیٹھا۔ اب فلذہ کی کمرا سکے روبرو تھی اور وہ اپنے اس اچانک عمل پر اب سخت سنجیدہ تھا۔

وہ کیا تھا؟ یہ سادان کو جھرجھری میں مقید کر گیا۔ وہ بس ہمدردی یا ترس سا تھا، یا پھر وہ نکاح کی کشش تھی۔

یا پھر مسیحا کی مسیحائی تھی جو فلذہ کو راس آئی تھی۔ سادان نے پھر سے تھکن سے چور انداز میں اپنی آنکھیں موندھ لیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دیکھو عاقل، یہ کام بہت ہوشیاری سے کرنا ہوگا۔ پورے گاؤں کا چپہ چپہ " چھان مارو۔ کھوجی، اور ہر وہ انسان جو ہماری مدد کرے سب کو ساتھ لو۔ چھوٹے سے چھوٹا سراغ بھی بہت اہم ہے۔ یہ کام ہم روز اسی وقت صبح چار سے چھ تک کریں گے۔ جب تک وہ دونوں نہیں ملتے میں ایک اذیت میں

مبتلا رہوں گا" سادان فون کان سے لگائے دوسری طرف صبح کے منہ اندھیرے میں زمینوں پر کھڑے عاقل سے پوری ہوشیاری اور احتیاط برتنے کا کہتے ہوئے اختتام تک اپنی الجھن کا بھی پرچار کر گیا تھا۔

اس وقت صبح کے چار بجے تھے۔

عاقل کے ساتھ چار موٹے سانڈ نما آدمی تھے جنکے ہاتھوں میں خطرناک دو پلے جاسوس کتے تھے جوان دونوں کو تلاشنے میں انکی مدد کرنے والے تھے۔

ایک گاوں کا بوڑھا سا کھوجی تھا اور تین سادان کے اعتبار کے آدمی تھے۔

خود عاقل منہ پر چادر سے نقاب اوڑھے آج بلکل کوئی پراسرار سراپا بنے فرمابرداری اور وفاداری کا ثبوت دینے کو چوکس تھا۔

سائیں آپ بے فکر رہیں، وہ دونوں اگر قبر میں بھی جا کر چھپ جائیں" تب بھی ہمارے ہاتھوں سے نہیں بچیں گے۔ میں نے سارا انتظام کر لیا ہے۔ کچھ بھی پتا چلتا ہے تو میں آپکو فوراً اطلاع دوں گا" عاقل کا جذبہ اور

نیت بھی آج تباہی مچانے والی تھی ،اور ساداں جو ابھی فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد حویلی کے احاطے میں ٹہلنے کو آیا تھا اب مطمئین سے انداز میں آنکھوں کی چمک بڑھا چکا تھا۔

صبح کا دلفریب منظر اور سفید کاٹن کے سوٹ میں مہکتا ساداں کا سراپا واقعی باعث ستائش تھا۔

یوں لگتا تھا صبح کا سارا نور بس یہیں ایک جگہ سمٹ گیا تھا،اوپر سے جناب من کے چہرے پر پھیلا ظالم انتشار اور الجھن اسے مزید پر کشش بنا رہی تھی۔

ٹھیک ہے،لگ جاو کام پر" ساداں نے کہہ کر فون رکھا اور دوسری طرف" اب عاقل سنسناہٹ سے مزین ان کھلی فصلوں کی طرف بڑھا تو باقی سب نے بھی اس کی تقلید کی۔

وہ لوگ آگے بڑھ رہے تھے اور دو سانڈ نما آدمی اب اپنے اپنے ہاتھ میں پکڑی شان اور خذیفہ کی قمیص ان کتوں کو سونگھا رہے تھے جو عاقل ہی دونوں کے گھروں سے لایا تھا۔

وہ کتے انکی خوشبو سونگھ کر اپنے منہ سے وہشتناک گڑگڑاہٹ نکالتے ہوئے بھاگتے جا رہے تھے اور وہ سب بھی اسی طرف دوڑے۔

عاقل کی نظر آگے کے علاوہ ہر طرف تھی، یہ معاملہ اسے ہر ممکن احتیاط سے حل کرنا تھا۔

بمشکل دو منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ کچھ دور ٹیوب ویل کے قریب کی سنسان سڑک پر جا کر ایک کتا عجیب سی آوازیں نکال کر زمین کو کھرچنے لگا جس پر عاقل نے حیرت سے کتے کی کریدی اس جگہ کا بیٹھ کر جائزہ لیا۔

کھوجی بھی اپنی لاٹھی سے آس پاس کی جھاڑیوں کو پرے کرتا ہوا اب مٹی پر بنی کچھ منفرد سی لکیریں دیکھ کر تشویش میں تھا۔

یہ جگہ منظور حسین کے گھر سے بہت قریب تھی اور پھر عاقل نے غور سے اس زمین میں دبی چمکتی سی کسی چیز کو دیکھا۔

چاکو دو" عاقل نے اپنے سامنے کھڑے ایک بھدی شکل والے کو حکمانہ " انداز سے کہا اور اس چاکو سے زمین مزید کھرچی تو وہ بٹن جیسا کچھ تھا۔

نکالنے پر عاقل نے اسے ہتھیلی پر رکھ کر دیکھا تو وہ بازو پر لگانے والا سٹڈ تھا اور کتے نے جس طرح بھونک کر اسکا سراغ دیا تھا اس سے یہی ثابت تھا کہ وہ انہی لڑکوں میں سے کسی ایک کا تھا اور یہاں گر کر آتے جاتے راستے میں ہونے کے باعث دب گیا تھا۔

ایک بٹن کوئی بڑا سراغ نہ تھا مگر ابھی شروعات تھی اور عاقل کو یقین تھا کہ وہ جلد ان دونوں لڑکوں کا سراغ لگا لے گا۔

یہاں سے دو عجیب سے نشان ملے ہیں عاقل پتر، ایسے جیسے کوئی لڑکھڑاتا" ہوا یہاں سے گزرا ہے۔ پاوں کے کچھ ترچھے نشان یہ بتا رہے ہیں کہ کوئی اس کچی سڑک کو پار کر کے ان جھاڑیوں کی طرف گیا ہے اور یا تو وہ بہت

زخمی تھا اور یا پھر کچھ ایسی حالت تھی کہ اس سے چلا نہیں جا رہا تھا" کھوجی جو اس وقت سے پورے انہماک کے ساتھ وہ نشان کھوج رہا تھا، یہ کہہ کر عاقل کو بھی کچھ پریشانی میں ڈال گیا۔

وہ دولڑکے بھی یا ور کی طرح نشے میں ہو سکتے تھے اور ممکن تھا بھاگ کر یہیں گرتے پڑتے جھاڑیوں کی طرف بھاگ گئے ہوں۔ عاقل نے سخت پریشانی سے اٹھ کر اپنا ماتھا سہلایا اور سر اثبات میں ہلائے سب کو جھاڑیوں کی طرف جانے کا اشارہ کیا اور خود اس بٹن کو بحفاظت ایک پلاسٹک کی تھیلی میں ڈال کر جیب میں رکھے پیچھے ہی بھاگا۔

آگے کھلا اور گھنا جنگل تھا جو کئی رقبے پر پھیلا تھا، ممکن تھا یہ جنگل ہی وہ راز کھولنے والا تھا جو ان سب کو ہلا کر رکھے ہوئے تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سادان کچھ دیر وہیں ٹہلتا رہا اور پھر فلذہ کا خیال آتے ہی حویلی کے اندرونی احاطے کی جانب لپکا۔ ابھی سب سو رہے تھے اور تبھی حویلی سنسان تھی، ویسے بھی دین و مذہب سے دور بسنے والی انجیل بیگم اور درمان کی نمازیں اور عبادتیں ویسے بھی کھوکھلی تھیں۔ وہ جنکے ہاتھ میں تسبیح ہمیشہ رہتی تھی وہ خود فرعون جیسی حصلت کی مالک تھی۔

یا ابلیس، جو بہت عبادت گزار ہو کر بھی محض اک تکبر کرنے پر رسوا و زلیل ہو گیا۔

تو پھر درمان اور انجیل بیگم جیسے لوگ کب تک اپنی خیر منانے والے تھے۔

سادان نے آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر جھانکا ہی تھا کہ اک خوشگوار سی حیرت نے سادان کے چہرے پر مسرت پھیلادی۔

سیاہ چادر میں مکمل لپٹی فلذہ دعا ختم کیے اب بڑی احتیاط سے جائے نماز اٹھا کر اسی جگہ رکھے مڑی تو سادان مصالحت سے واپس دروازے سے پیچھے ہو گیا۔

ذہن میں ایک ہی بات ابھری، یہ لڑکی نہ صرف معصوم تھی بلکہ دین دار تھی۔ یہ احساس سادان کے لیے واقعی خوبصورت تھا، بلاشبہ جنکا والی اللہ ہو وہ کبھی بھی ناکام و ناامید نہیں ہوتے۔

سادان کا یوں دروازے سے ہٹ جانا دراصل اس لیے تھا کہ وہ سادان کو آتا دیکھ کر پھر سے گھبرا نہ جائے تبھی سادان نے باہر رک کر دیکھنا مناسب سمجھا تاکہ فلذہ کی عبادت میں خلل نہ آئے۔

کب سے وہ بیہوش تھی اور اب جب اسکی طبعیت سنبھل چکی تھی تو وہ نماز پڑھ کر ہی سکون میں آئی تھی۔

رات جب وہ دوبارہ سوئی تھی تو دراصل وہ سو نہ پائی کیونکہ اسے بہت بھوک اور پیاس لگی تھی۔ بیہوشی سے اتنی دیر بعد اٹھنے کے بعد سادان کو بھی خیال نہ رہا کہ اسے کھانے کا پوچھتا اور وہ بھی ڈر کے مارے نہ بولی مگر اب تو فلذہ کا دل چاہا کہ بیڈ کا تکیہ ہی کھا جائے۔

سادان جو اسکے چہرے کو ادھر ادھر گھومتا ہوا دیکھ رہا تھا، اگلے ہی لمحے ہلکی سی دستک کیے اندر داخل ہوا اور فلذہ جو ابھی بیڈ کے کنارے پر ٹکی ہی تھی، ڈر کر پھر سے سہم گئی۔

وہ نظریں جو ابھی کمرے میں بجلی کی رفتار سے گھوم رہی تھیں، اب پھر سے جھک گئیں۔

سادان نے ہونٹوں پر آئی مسکان جذب کی اور اس تک پہنچا جو شدید ہلکان تھی اور بھوک سے بے حال اتنی تھی کہ ابھی دعا میں اللہ پاک سے کھانا مانگ بیٹھی تھی۔

سانولی چاند سے اجلی ہے، اور اس پر اس نے"

آنکھوں میں اجمیر کا کجلا ڈال رکھا ہے♡" کیا تال میل پال رکھا ہے، بلاشبہ آج بہت بہتر لگ رہی ہو تم، یہ بتاو کچھ کھاو گی۔ رات مجھے خیال نہیں رہا" کہ تم بھوکی ہو گی، دیکھو اس کے لیے مجھے معاف کر دو" فلذہ کو اصل

کرنٹ تو اب لگا جب سادان اسکی سوچ کو پڑھ کر وہ کہہ گیا جو وہ ابھی مجبورا خود کہنے والی تھی۔

فلذہ کو ہونق زدہ سا دیکھ کر سادان نے گھڑی پر ایک نگاہ ڈالی جہاں ساڑھے چار بجے تھے، اس وقت وہ کھانے کے لیے کسے کہے وہ یہی سوچ رہا تھا مگر پھر کسی خیال پر مڑا ہی کہ فلذہ کی آواز پر دوبارہ گردن موڑے پلٹا جہاں وہ اب اسکے سامنے سر جھکا کر کھڑی تھی۔

فلذہ ابھی تک اسی سبز جوڑے میں تھی اور چادر کو اس نے مضبوطی سے دو بار خود پر لپٹا رکھا تھا، چہرہ سانولا اور ہر منصوعی حسن کی کشش سے عاری ہو کر بھی نہایت معصوم تھا۔

اک مٹھاس تھی جو اسکے اس رنگ کے باوجود اسکے نین نقش سے پھوٹتی تھی اور یقینا اگر وہ گوری ہوتی تو اتنی پرکشش نہ ہوتی جتنی یوں سانولی سلونی ہو کر تھی۔

مجھے سخت بھوک لگی ہے، پیاس بھی" فلذہ کی اس بات پر اب سادان کو "واقعی اپنی غائب دماغی پر افسوس ہوا اور اس معصوم پر ترس بھی آیا جو یہ کہتی ہوئی لگا جیسے رونے کو ہے۔

میں لاتا ہوں کھانا، تم جاو آرام کرو" سادان نے ملائم سے انداز میں کہا اور " باہر نکلا تو فلذہ نے آنکھیں اٹھا کر اسے جاتا دیکھا۔

وہ پیارا تو تھا مگر فلذہ پر رحم دلی کی حد کر رہا تھا، رات جیسے اس نے فلذہ کو خود میں سمویا تھا، یہ لمس فلذہ کو ابھی تک یاد تھا۔

منظور حسین کے بعد یہ پہلا مرد تھا جسکی گرفت میں اسے تحفظ ملا، جو اس معصوم سی فلذہ کو بھی اثر انداز کر گیا تھا۔

کھلے بڑے سے حویلی کے باورچی خانے میں کھڑا سر کھجاتا سادان اب اسی سوچ میں تھا کہ کیا کرے، رات کا جتنا کھانا بچتا تھا وہ سب ملازموں میں تقسیم ہونے کے بعد رات ہی ختم کر دیا جاتا تھا اور صبح کا ناشتہ فیضاں اور اسکے ساتھ ایک اور ملازمہ سات بجے بناتی تھی۔

سادان اور شاویز لاہور میں بھی اپنا کھانا خود ہی بناتے تھے مگر اب اسے یہاں بھی یہ کرنا ہو گا یہ سوچ کر شہزادہ تھوڑا گھبرایا لگا تھا۔

فلذہ تو بہت لکی تھی جسکے لیے اسکے سر کا سائیں کچن تک میں پہنچ گیا تھا۔

یہ تو اللہ بھلا کرے کومل کا جو نماز کے بعد یونہی پانی پینے کچن آئی تو سادان کو وہاں پا کر خوشگوار سی حیرت میں لپٹی اس تک پہنچی جو یوں ایپرن پہنے بہت کیوٹ لگا تبھی وہ ہنسی روک نہ پائی اور وہ بھی گڑبڑائے تاثرات سے مسکرا دیا۔

ھاھا سادان آپ یہاں کیا بنا رہے ہیں، ارے مجھے کہہ دیتے۔ ہٹیں" فیضاں بنا لے گی ناشتہ، میں اسے کہتی ہوں" کومل ہنستی ہوئی سادان تک آئی مگر وہ تو اب فیضاں کا منہ بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا تبھی سنجیدہ ہوا تو کومل بھی اسے برہم سا دیکھ کر ہنسی معدوم کر گئی۔

میں اسے کوئی کام نہیں کہنا چاہتا، دراصل فلذہ نے کل پورا دن کچھ نہیں" کھایا تو اسے بھوک لگ رہی ہے۔ سچ پوچھو تو رات میں بھی بنا کچھ کھائے

سو گیا اور اب پیٹ میں چوہوں کا فٹ بال میچ شروع ہے" سادان کا یوں سنجیدگی سے ہنسی کی سمت لوٹنا خود کومل کو آج کا دلفریب لمحہ لگا جس پر وہ بھی حسین سا مسکرا کر سادان کے ہاتھ سے سپون لیے خود جگہ سنبھال چکی تھی۔

ھاھا او کے پھر میں ہوں ناں، میں بنا دیتی ہوں۔ چلیں چلیں جائیں آپ، "ویسے بھی بابا جان بھی آج جلدی ناشتہ کریں گے" کومل کی ایسی آفر تو سادان کو عیاشی لگی پر اب وہ اتنا بے مروت نہ تھا کہ صبح صبح کومل کو کچن میں لگا دیتا۔

میں نے تمہیں زحمت میں ڈال دیا، میں خود بنا لیتا ہوں نو ایشو" سادان" اب خاصا تکلف برت گیا جس پر کومل نے مسکرا کر گردن موڑی۔

آئی نو کہ آپ جینئیس ہیں، سب کر لیتے ہیں لیکن میرے ہوتے ہوئے" آپکو پرمیشن نہیں، اور جناب زحمت کیسی۔ مجھے خوشی ہوگی" کومل کی ایسی شفیق اور آسودہ طبعیت ہی تھی جو سادان کو اچھی لگتی تھی اور اب اس بات

پر جناب پوری دلبستگی کے سنگ ایپرن اتارے کومل کے پھیلے ہاتھ پر رکھے حسین سا مسکرایا اور آنکھوں سے ہی دلفریب سا تشکر ادا کیے کچن سے باہر نکل گیا اور وہ بھی اب زیادہ کھنکھناتی ہوئی ہنس کر ناشتہ بنانے لگ گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ناشتہ سادان نے اسے سامنے بیٹھ کر کروایا تھا اور اسکی جھجھک مٹانے کو کومل اور سادان نے بھی آج اس کے ساتھ ہی کھایا جس پر فلذہ ہنوز سمٹی رہی تھی۔

سادان کا اب پہلا کام یہی تھا کہ وہ فلذہ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اسے اس ڈر سے نکالے جس نے اسے مزید بزدل اور خوفزدہ کر رکھا تھا۔

دوسری طرف صبح ناشتے پر فیضاں جاسوسن نے یہ بات انجیل بیگم کو بتائی تو انھیں تو مزید جلن اور مرچ لگی پر وہ ابھی سادان کی موجودگی میں فلذہ پر کچھ ستم ڈھا کر اپنی پوزیشن خراب کرنا نہیں چاہتی تھیں۔

ایسے لوگ بہت سفاک ہوتے ہیں اور انہی میں اک انجیل بیگم تھی جو سانپ بھی مارنا چاہتی تھی اور لاٹھی بھی محفوظ رکھنا چاہتی تھی۔

سادان نے اگلے دو دن بھی اپنا زیادہ وقت فلذہ کے ارد گرد ہی گزارا اور وہ باباسائیں اور دادی کی پراسرار خاموشی سے پہلے ہی محتاط تھا۔

اس دو دن کے بیچ سادان کی توجہ تیمور پر بھی رہی اور وہ دو دن اسے بھی بڑی تفصیل سے چپ چاپ جانچ رہا تھا۔

وہ کب اٹھتا تھا، کب کھاتا پیتا تھا اور کب باہر نکلتا تھا، کن یاروں کے بیچ رہتا تھا اور کس وقت گھر لوٹتا تھا اور یہ کرنے کا کام سادان نے عاقل کو دن کے وقت سونپا اور وہ پیارا سا وفادار بھی سادان کی ہر بات حکم کی طرح پوری کرتا تھا۔

دو دن مزید صبح چار سے چھ تک گاوں کی ویسی ہی تلاش کی گئی اور دو دن میں فی الحال ابھی تک مزید کوئی ثبوت نہ ملا تھا۔

سادان ناامید ابھی بھی نہیں تھا اور اسکی امید مزید بڑھانے کو شاویز بھی دو ہفتے کی لیو لیے گاوں آنے والا تھا۔ سادان نے بھی اپنی ایک ہفتے کی مزید لیو لے لی تھی کیونکہ وہ ہر صورت یہ معاملہ نمٹا کر جانا چاہتا تھا۔

دو دن فلذہ چپ ہی رہی اور ہنوز وہ اپنی نظریں جھکائے رکھتی تھی۔

کومل نے اسے کچھ نئے اور ہلکے رنگوں کے لباس بھی منگوا دیے تھے اور وہ فلذہ کی ہر ضرورت کا خیال بلکل بہن کے جیسے رکھ رہی تھی۔

منظور حسین دو دن سے بخار میں بے سدھ تھے، فلذہ کی جدائی، لخت جگر کا الگ ہونا اس بوڑھے باپ کو نڈھال کر گیا تھا اور پورا گاوں ہی ان نمانوں کی مشکل کے حل کی دعا کر رہے تھے۔

بشیر اس سب میں منظور حسین کا خیال بلکل بیٹے کی طرح کر رہا تھا اور یہ اللہ کے بنائے وسیلے ہیں جو کمزوروں تک پہنچ ہی جاتے ہیں۔

سادان نے اگلے دو دن زیادہ فلذہ سے بات نہیں کی تھی اور وہ بھی چپ ہی رہتی تھی۔ جب لیٹ کر تھک جاتی تو کھڑکی سے گھنٹوں گھنٹوں باہر حویلی کو دیکھتی رہتی۔

بلقیس اسے باتیں کرواتی تھی پر وہ تو گھر میں بھی بہت کم گو تھی اور یہاں تو سب تھے بھی پرائے، مگر کومل اور سادان کا خود سے نرم رویہ دیکھ کر وہ کہیں دل سے مطمئین تھی پر ہر وقت پیارے بابا کی یاد اسے کسی طرح آسودہ نہ کرتی تھی۔

درندے یہ دو دن نا جانے کیسے چپ رہے، شاید اس لیے کہ درمان آجکل گاؤں کی کچھ مزید زمین خریدنے کے معاملات میں مصروف تھے اور انجیل بیگم کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس لڑکی کی جان لے آتیں۔ ابھی تک تو وہ فلذہ کے قریب سادان کے ہر وقت کے ہونے کی وجہ سے بندھی تھیں مگر یہ خاموشی عنقریب کسی طوفان پر پھٹنے کو تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دن ایک بجے کا وقت تھا جب ایک مسافر بس کچی سڑک پر رکی اور پھر اسکے رکتے ہی شاویز لاشاری چھلانگ مارے باہر کودا اور مسکرا کر بس ڈرائیور کو ہاتھ ہلائے اپنے کندھے پر ڈالا بیگ سنبھالتا ہوا ایک نگاہ ارد گرد دوڑائی۔

وہ تیسری بار گاوں آیا تھا اور بس والا اسے حویلی سے کافی دور اتار چکا تھا۔

گرے شرٹ اور بلو جینز، کندھے پر بیگ ڈالے وہ سرخی مائل مسکراتا شہزادہ اپنے جگر کو حوصلہ دینے پہنچ چکا تھا۔

قریب ہی چند گاوں کے بچے ہنستے ہوئے ٹائر گھماتے پاس سے گزرے تو شاویز انکو دیکھ کر ہنس پڑا اور سب ہی کہ بالوں کو سہلائے مسکرایا۔ وہ بھی اس پیارے سے شفیق بندے کو مسکرا کر دیکھتے آگے دوڑتے چلے گئے۔

گاوں کی فضا میں اک الگ فرحت بخش سا سکون تھا جو شاویز نے دل تک سرائیت کرتا محسوس کیا۔

ابھی اسے کافی سفر طے کرنا تھا تبھی شاویز نے سیدھے راستے پر چلنا تو شروع کردیا مگر اب اسے ٹھیک سے یاد نہیں تھا کہ کس طرف جانا ہے۔

ابے یار یہ سگنلز "شاویز کو خیال آیا کہ سادان کو اطلاع کردے مگر جناب" سگنلز بھی دم خم چھوڑے بیٹھے تھے۔

کچھ دور کھلے کھیت کھلیان تھے اور دوسری طرف بھی کئی کھڑی فصلیں تھیں۔ساری زندگی شہر میں جی کر اسے یوں گاوں کی پر فضا ہوا حسین حد تک دلفریب لگ رہی تھی۔

کچھ فاصلہ طے کرنے پر شاویز نے اچانک گردن موڑی تو اسکی نظر یہاں کے اسی سکول پر پڑی جسکے افتتاح میں خود اس نے بھی شمولیت لی تھی۔

یہ سکول کرمان خود چلاتے تھے اور گاوں کی چند پڑھی لکھی لڑکیوں اور کومل کے ساتھ گاوں کے بچوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرتے تھے۔

کرمان انکل سے مل کر تعزیت بھی کر لیتا ہوں اور پھر انہی کے ساتھ "

حویلی جاوں گا۔یہ اتنے راستے ہیں مجھے تو ابھی سے غش آرہے ہیں "شاویز

کے دماغ میں خیال تو اچھا آیا تھا مگر وہ ماتھا سہلائے تھوڑا گڑ بڑا رہا تھا۔

کچھ دیر یوں اندر کی طرف جانے کو وہ عجیب جھجھک میں لپٹے محسوس کرتا رہا

اور پھر پورے اعتماد سے اس دو منزلہ سکول کی عمارت کی طرف بڑھا جو

بہت پیارا اور چھوٹا سا سکول تھا جسکی شہزادی کومل تھی۔

وہ آج خود کافی دن بعد سکول آئی تھیٔ اور آج موسم اچھا اور فرحت بخش

ہونے کے باعث اس نے اپنی کلاس کی سولہ کے قریب لڑکیوں کو آج

گراونڈ میں بٹھائے خود بھی وہیں کرسی پر براجمانی کر رکھی تھی۔

شاویز سکول کے اندر آیا تو چوکیدار نے بہت ہشاش پن سے اسے خوش

آمدید کہا اور اسے خود لیے اندر کی سمت بڑھا۔

شاویز کی نظریں سکول پر تھیں جو وقت کے ساتھ ساتھ مزید پیارا بنا دیا گیا

تھا۔

گراونڈ میں کومل کے علاوہ ایک اور ٹیچر بھی سات کے قریب لڑکیوں کو لیے وہیں کچھ فاصلے پر براجمان تھی۔

سب ہی پڑھائی میں مگن تھے اور شاویز کو یہاں کا ماحول اور صفائی حاضی پسند آئی تھی، نظروں کا سفر یونہی رواں تھا جب کومل کسی کام کے لیے اندر کلاس روم کی طرف مڑنے لگی تو نظر کسی جہاں پر جا اٹکی اور پتھر ہوئی۔

وہ مین راہداری پر کھڑا اب کرمان حق سے بغل گیر ہوئے تعزیت میں مگن تھا اور کرمان کے چہرے پر رنجیدگی دیکھائی دے رہی تھی۔

کومل کی دعا قبول ہوئی تھی اور وہ شیدائی تو جنبش تک پر قادر نہ رہی۔

یہ شخص جسے وہ دعامیں مانگ کر نہیں تھکی تھی، آج اس شرف قبولیت کے لمحے میں پیوست سی ہوئی ہونق بنی یک ٹک اس کو دیکھ رہی تھی جواب مدھم سا مسکرا کر کرمان سے بات کر رہا تھا اور وہ اسکے کندھے کو تھپک رہے تھے۔

پنک شارٹ شرٹ اور پنک ہی وائٹ پانچوں والا تنگ ٹرواز، کھلے بال ایک طرف اور دوسرے کندھے پر باریک شال پھیلائے وہ سراپا حسن تھی مگر پھر بھی نگاہوں میں اس منظر پسندیدہ نے گل و گلزار کھلا دیے تھے۔

دھڑکن بے کل ہوئی جب وہ کرمان کے ساتھ ہی اب کومل کی سمت آ رہا تھا، اتنا پاس۔۔۔۔ وہ تو اسے اس سے کہیں زیادہ پاس چاہتی تھی۔ وہ جس نے شاویز کی چند جھلکیوں سے اسے دل کا امام ضامن بنا دیا تھا، اب ہوش میں تھی مگر چہرے کے اڑے رنگ سامنے والے دونوں بھانپ گئے تھے۔

کرمان تو مسکرا دیے جبکہ شاویز نے بس اک نگاہ کومل پر ڈالی اور اس پہلے سے فدا کا مزید دل لوٹ گیا۔

لو بھئی سادان کا جگر پہنچ چکا ہے، کومل تم ایسا کرو اسکو حویلی لے جاو۔ '' گاڑی لے جانا، مجھے دراصل تھوڑا کام ہے '' کرمان تبسم خیز انداز لیے اب

زرا فکر مندی سے یہ حسین سا فریضہ اس نڈھال کومل کو سونپ رہے تھے جو تذبذب کا شکار دیکھائی دیتی نہایت پیاری لگ رہی تھی اور شاویز صاف صاف کومل کے چہرے پر امڈتی سرخی دیکھ کر یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ جھجھک رہی ہے۔

انکل یہ پڑھا رہی ہیں، زحمت ہو گی۔آپ مجھے راستہ بتا دیں یا پھر کسی کو" میری پیروی کے لیے بھیج دیں میں ٹھکانے پر پہنچ جاوں گا"خود ہی شاویز نے میٹھی سی مصلحت آمیز بات کہہ کر کرمان کو جہاں مسکرانے پر مجبور کیا وہیں کومل تو یک دم بوجھل سی ہو گئی تھی۔

پہلی بار تو ایسی قربت ملی تھی اور وہ بھی اسے لگا اس نے کھو دی تھی۔کرمان اسے اسکا تکلف سمجھتے ہوئے پیار سے اسکے کندھے دبوچے دلفریب سے رشک کے سنگ مسکرائے۔

تم مہمان یا اجنبی نہیں ہو کہ کسی کو پیروی کے لیے بھیجوں، تم حویلی کا" حصہ ہو۔اور کومل کی کلاس میں دوسری ٹیچر کو دے دوں گا تم جاوا سکے

ساتھ۔ ویسے بھی وہاں سادان تمہارا منتظر ہو گا۔ جاو۔۔۔ کومل جان دھیان سے چلانا گاڑی" کرمان کا ایسا شفیق انداز شاویز کو انکی اس محبت میں باندھ گیا تھا اور پھر چاہ کر بھی وہ اتنی محبت کو انکار نہ کر سکا تھا۔

آخری بات پر تو کومل بھیُ مسکرادی تھی۔ کرمان انھیں جلد حویلی میں جوائن کرنے کا کہہ کر دونوں کو روانہ کر چکے تھے۔

شاویز نے محسوس کیا وہ بہت سمٹی سی حیا میں جا گزیں ہے، لڑکیوں سے یہ جناب بھی آج تک گریز پا رہے تھے مگر ماشاءاللہ سے جناب کے آفت خیز حسن نے کومل کا دل لوٹا تھا اور پیاری سیرت نے اس شخص کو پانے کی حسرت بھی پالی تھی۔

گاڑی تک کا سفر خاموشی سے طے ہوا تھا، سفر شروع ہوا تو اک نغمگی میں لپٹی چپ تھی جو دوحیا سے مزین لوگوں میں جل ترنگ سی مہکار پھیلا رہی تھی۔

سکول تو بہت اچھا ہو گیا ہے، آپکی اور کرمان انکل کی محنت دیکھائی دیتی" ہے۔ بہت اچھا لگا، تعداد اب کی بار پہلے سے بڑھی ہوئی ہے" تین ماہ پہلے بھی جب شاویز آیا تھا تب سکول کا رنگ و روغن جاری تھا اور تب بچے بھی کچھ کم تھے مگر آجکل سکول نکھرا ہوا تھا اور کچھ نئ بچیاں بھی سکول آئی تھیں۔

شاویز کا انداز بھی اس جیسا طلسمی اور ظالم تھا، کومل نے مسکرا کر اس داد دہی انداز پر خوشی کا اظہار کیا جو شاویز کو اچھا لگا۔

ابھی بھی بہت سے لوگ ہیں جو اپنی بیٹیوں کی تعلیم کے خلاف ہیں، ان" شاءاللہ اصل کامیابی تب ملے گی جب وہ لوگ بھی سکول کی افادیت کو مانیں گے" کومل زرا جناب کے رعب کے اثر سے نکل کر اب پر عزم انداز میں بولی جس پر شاویز اسکے خیالات سے بہت متاثر ہوا اور اسے رشک تھا کہ ایسے لوگ ابھی بھی ان فرسودہ علاقوں میں موجود ہیں جو روشنی کا دیا بجھنے نہیں دیتے۔

ان شاءاللہ وہ دن ضرور آئے گا، لوگوں کے سمجھنے کی رفتار اللہ پاک"
بڑھائے اور وہ جلد اس ضرورت کو قبول کریں" شاویز ویسا ہی باثر تھا اور
کومل کا دل چاہا بس وہ اسے دیکھتی رہے اور وہ یوں ہی خوش الحان سی آواز
میں بولتا جائے۔

آپ سے نا جانے کہہ بھی پاؤں گی یا نہیں، یا اللہ اس انسان کو کسی طرح"
میرا کر دیں" نظریں سامنے رکھے وہ شاویز کا احساس محسوس کیے ابھی بھی
دعا گو تھی اور شاویز جواب اپنے دھیان میں سنجیدگی سے باہر کے مناظر
دیکھنے میں مگن تھا، کسی آنکھ نے چپکے سے اسکے چہرے کو چھوا تھا۔

کومل کا دل دھڑکن سے شوریدہ سا ہوا تھا، پاس بیٹھے شاویز کے تو وہم و گمان
میں بھی نہ تھا کہ کومل اسے ابھی بھی دعا میں مانگ رہی تھی۔

اس کے بعد دونوں کے بیچ اک دلفریب سی خاموشی رہی جو گفتگو سے کہیں
درجے افضل تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گہرے نیلے رنگ کی ست رنگی کڑھائی دار قمیص اور کھلے گھیرے والی سفید شلوار، سر پر اجرک کے ڈیزائن کا نکھرے ست رنگی گداز پرنٹ سے مزین دوپٹہ جسے وہ سادان کے کمرے میں موجود ہونے کے باعث دو بار لپیٹ کر رکھتی تھی۔

وہ کوئی منصوعی حسن نہیں لگاتی تھی، پر ابھی جس انداز سے وہ خود کو آئینے میں دیکھ رہی تھی یک دم اسکی بڑی بڑی آنکھیں نمی سے بھر گئیں۔

!کیوں اپنی سانولی رنگت پے ہو چلی ہے اداس"

زوال حسن کی وحشت کسی حسین سے پوچھ "سہانے سے راگ، یادوں کی پگڈنڈیوں سے اترتے چلے آرہے تھے۔

میری فلذہ تو شہزادی ہے" ذہن کے دریچے میں پیارے بابا کی محبت میں" چور آواز نے ان آنکھوں میں رکے سمندر کو سانولی گداز گالوں پر بہا ڈالا تھا۔

جب بھی منظور حسین اسے یوں پیار کرتے تو وہ اپنا منہ غبارہ کر کے بابا کے سینے سے لگ جاتی تھی۔

ساری دنیا جسے کلوٹی، سانولی، اور بے رنگی کہا کرتی، وہ جب بابا سے شہزادی کا لفظ سنتی تو خوش ہونے کے بجائے تھوڑی خفا ہو جایا کرتی تھی۔

بابا آپکو کہاں کی شہزادی لگتی ہوں، میں تو ایویں سے بھی ایویں ہوں" پھر" پیارے بابا کی لخت جگر روتو سا شکوہ کرتی تو منظور حسین اسے ایسا کہنے پر منصوعی اداسی سے دیکھتے تو وہ جان بوجھ کر مسکراہٹ ہونٹوں پر گھسیٹ لا یا کرتی تھی۔

تجھے پتا ہے فلذہ، شکل تو وقتی شے ہے۔ اصل تو دل ہوتا ہے جو میری فلذہ کا" بہت پاک ہے۔ میری پاکیزہ سی فلذہ، خوبصورت شہزادیوں کو مات دے

دیتی ہے۔ تجھ میں سانولے پن کے باوجود بس میٹھاس ہے، تجھے دیکھ کر تیرے باباجان کا سینہ سانس سے آباد ہے، تواس ویران آنگن کی جان ہے۔ تو میری لجت جگر ہے فلذہ" منظور حسین پھر اپنی لخت جگر کو اپنے سینے میں سمولیتا اور فلذہ تب خود کو واقعی شہزادی سمجھ کر ہواوں تک پرواز بھر لیتی تھی۔

آج خود کو اس آئینے کے سامنے وہ پہلے سے سلجھا اور پر کشش دیکھ کر بھی رنجیدہ تھی، بابا کی یاد فلذہ کو آدھا کر رہی تھی۔

"پیارے بابا، مجھے یہاں سے لے جائیں۔ وہ کہتے ہیں وہ مجھے آپکے پاس چھوڑ آئیں گے، پر یہ نہیں بتا رہے کہ کب۔ جب فلذہ مر گئی تو تب لے جانے سے کیا ہوگا بابا، مجھے یہاں بہت ڈر لگتا ہے۔ آپ میرے اچھے بابا ہو ناں، بابا مجھے لے جاو ناں" یہ آنسو جو فلذہ کے دل سے نکل کر آنکھوں میں چمک رہے تھے، دردناک تھے۔

سادان آج صبح سے کمرے میں نہیں آیا تھا اور ابھی وہ بس چینج کرنے آیا تو اجلت میں دروازہ کھٹکھٹانے کا ذہن سے نکلا تو وہ جو اپنی دردناک سوچ سے خود پر ظلم ڈھا رہی تھی، سخت کانپ کر مڑی اور سادان خود پتھر ہوا اور یوں اچانک آنے پر اپنی غائب دماغی کو خوب کوسا بھی۔

کتنی بار بتانا پڑے گا سادان کے تو یہاں اکیلا نہیں رہتا اب "سادان نے سر کو زرا سا جھکائے خود کلامی کر کے خود کی کلاس لی اور فلذہ کو دیکھنے مڑا جو سر جھکائے اب واقعی مزید رونے لگ گئی تھی۔

گرے سوٹ پر پہنی سیاہ واسکٹ اور، سادان کا پر کشش سراپا ناقابل شکست تھا مگر یہ سر جھکا کر روتی لڑکی وہ فراموش نہیں کر سکتا تھا تبھی آہستگی سے اس تک پہنچا جو پھر سے اس سے خوف کھا رہی تھی۔

اب کیوں رو رہی ہو، کیا کسی نے کچھ کہا۔ بولو "عین فلذہ کے پاس جا کر کھڑا ہوتے ہی وہ پریشانی سے بولا جس پر فلذہ نے یک لخت سر کو نفی میں گمایا۔

بابا یاد آرہے ہیں؟" سادان جانتا تھا یہ آنسو اسکے بابا جان کے لیے ہیں مگر ابھی وہ کسی بھی مضبوط سراغ تک نہیں پہنچے تھے۔

"دیکھو فلذہ، میں نے تمہیں کہا ہے کہ میں تمہیں تمہارے بابا تک پہنچا دوں گا۔ کچھ دن صبر کرو، اور یہ رونا بند کرو" سادان کو لگا وہ اندر ہی اندر بہت زیادہ تکلیف میں ہے، وہ نہ بولتی تھی نہ سر اٹھا کر دیکھتی تھی۔

یوں سادان کو اسے تسلی دینا بھی نہایت کٹھن لگتا تھا اور وہ اس سے بات کرتے ہوئے تھکنے سا لگتا تھا۔

فلذہ کیا بتاتی کہ وہ جو بابا سے کبھی دور نہ رہی تھی اب کتنا تڑپ رہی ہے۔

"جلدی پہنچا دیں ناں" روئی سی اذیت ناک آواز پر خود سادان کے چہرے پر دکھ سا امڈا مگر ابھی اسکے بس میں جلدی جیسا کچھ بھی نہیں تھا۔

"جس دن تم مجھ سے سر اٹھا کر، آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہو گی تب سوچوں گا"

♡___

معاملے کی رنجیدگی کم کرنے کو سادان ہو نہی ہلکے پھلکے انداز میں کہہ گیا مگر اسے زرا اندازہ نہ تھا کہ وہ یوں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے گی۔

سادان کو تو صدمہ سا ہوا، نا جانے اسے کیا ہوا کے وہ مڑ کر کھڑکی کے پردے کو مسلتی ہوئی ہچکیوں سے روتی جا رہی تھی اور وہ پتھر بنا ابھی تک یہی سمجھنے کو لگا تھا کہ آخر ہوا کیا ہے۔

فلذہ، دیکھو میں مزاق کر رہا تھا۔ میں جلد تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آوں گا" مگر تم یہ رونا ختم کر دو" سادان کی آواز فلذہ کو یوں لگا سنائی ہی نہیں دی اور وہ ویسا ہی روتی رہی۔

یا اللہ یہ لڑکی مجھے بھی رلائے گی" سادان سے اسکا ایسا شدید رونا اب" برداشت نہ تھا اور اسے روتا دیکھ کر نازک سا شہزادہ بھی رونا محسوس کر رہا تھا۔

بس کر دو، مت دیکھنا مجھے، کوئی زبردستی نہیں "نرمی سے جناب ہار مانتے"
ہوئے اسکے دونوں شانے پکڑے روبرو لائے تو محترمہ نے رو رو کر چہرے
پر تالاب بنالیا تھا۔

سادان نے اسکی رونی شکل دیکھ کر سرد سی آہ بھری اور آج دل میں پھر سے
شدت سے ان آنکھوں کی حسرت جاگی۔ خود سادان کو لگا جیسے کسی دن وہ
زبردستی اسکا چہرہ اٹھائے حکم کر ڈالے گا کہ مجھے دیکھو فلذہ، مجھے دیکھو فلذہ۔
اپنی یہ عجیب سی سوچ ذہن سے گھبرا کر جھٹکتا سادان اس وقت دنیا کا سب
سے پیارا مرد لگ رہا تھا اور وہ میڈم تو جھکی نظروں سے ہی جناب کے دل
سے چھیڑ خانی کر رہی تھیں تو اٹھی نظروں کا تو حال ہی الگ ہونا تھا۔

یہ بتاو تم کتنا پڑھی ہو؟ مطلب کتنی کلاسز "خود ہی اسکا رونا اور اپنا عجیب"
ہونا جھٹکے وہ نرمی سے بولا جس پر فلذہ کا رونا بھی کچھ بریک سے رک گیا۔
آٹھ "فوری جواب کی امید نہ تھی پر آنے پر سادان امپریس ہوا تھا۔ وہ تو"
لگتا تھا زمین کی دیوانی ہے تبھی وہیں جھکی رہتی تھی اور اسے یوں سر خم کیے

دیکھ دیکھ کر اب سادان کو لگا اسکی اپنی گردن تھک گئی ہے پر مجال ہے جو وہ صاحبہ تھکی ہوں۔

آگے کیوں نہیں پڑھا؟"نرمی سے استفسار آیا جس پر فلذہ متذبذب سی" ہوئی اور پھر گردن زرا سی ہلائے کچھ بولنے کو تیار ہوئی۔

وہ مجھے سکول کی لڑکیاں کالی کہتی تھیں، مجھے مارتی بھی تھیں۔ میرا کھانا" کھا جاتی تھیں۔ میرے کپڑوں پر مٹی گراتی تھیں تو بابا نے اٹھوالیا" سادان ایک لمحے کو سن سا ہو گیا تھا، وہ یہ پہلی لمبی بات تھی جو کرتے کرتے پھر سے رونے کو جا پہنچی مگر سادان اس تکلیف سے ضرور ہلا۔

تم کالی نہیں ہو فلذہ، خیر جب یہاں سے جاو تو اپنی پڑھائی دوبارہ شروع" کرنا۔ بلکے بعد میں کیوں، یہ ذمہ داری بھی میں کومل کو دیتا ہوں۔ نویں اور دسویں کا ایک ساتھ تیاری کر کے امتحان دے دینا، اور بھی تمہیں کچھ بتاوں گا جسکے بعد تم خود کو ایسا کم فہم نہیں جانو گی" سادان کو فلذہ کی اس

بات نے واقعی تکلیف دی اور وہ فلذہ پر آج رحم نہیں بلکے بہت سا پیار محسوس کر رہا تھا۔

وہ پیار جو اسکی معصوم سی صورت پر اپنی سانولی صورت کے باعث دکھ جاگا، اس پر آیا۔

بالکل ویسے جیسے کسی راہ چلتے راہگیر کو کسی پارک میں کھیلتے بچے پر آجاتا ہے۔

سادان کی بات فلذہ کو حیرت میں ڈبو گئی تھی اور اسکا فق چہرہ سادان بغور دیکھ رہا تھا جو الجھن میں سنا ہوا تھا۔

خیر ابھی تم آرام کرو، آج میرا دوست آرہا ہے اور ممکن ہے رات میں نہ " آسکوں۔ کومل یا بلقیس کو بھیج دوں گا تمہارے پاس" سادان نے اسکی خاموشی کو کچھ دیر خود میں جذب کیا اور پھر کہہ کر مڑا ہی تھا کہ فلذہ نے فوراً سے اسکی آستین کا ذرا سا حصہ پکڑ لیا جس پر سادان نے حیرت سے رخ پھیر کر دیکھا جہاں وہ بہت مضطرب اور بیقرار تھی۔

سادان کے رخ پلیٹتے ہی فلذہ نے خوفزدہ ہو کر اسکی پکڑی آستین چھوڑی مگر سادان اب مکمل اسکی طرف متوجہ تھا۔

کچھ کہنا ہے؟" سادان نے اندازے سے ہی تکا لگاتے پوچھا جس پر فلذہ" کے ہونٹ کچھ کہنے کو حرکت پذیر ہوئے مگر وہ کچھ نہ بولی اور نفی میں سر ہلائے بے بس سی افسردگی سے بیڈ پر جا کر بیٹھ گئی۔

شاید وہ بھی سادان کے علاوہ اور کسی پر ابھی بھی اعتبار نہیں کر سکی تھی۔ اور سادان سے اسے کچھ کہنا جان جسم سے نکلنے جیسا لگ رہا تھا۔

وہ بھی بہت ملائم انداز میں پورے اعتماد سے ساتھ ہی بیٹھا تو فلذہ گھبرا کر تھوڑی دور ہو کر سرخی میں لپٹی کانپ گئی اور اب سادان کا دل یہی کیا کہ اپنا سر کہیں پیاری سی دیوار دیکھ کر مار لے۔ یہ اسکا نہ دیکھنا سادان کو اب چڑا رہا تھا۔

مجھے اکیلا چھوڑا تو وہ مجھے مار دیں گے" آنسو کا گولا تھا جو فلذہ کے حلق میں" اٹکا اور سادان بھی اس خوف میں لپٹی زرا زرا کپکپاتی فلذہ کی طرف رخ کیے

اب اسکا آنکھیں رگڑتا ہاتھ پکڑ کر دونوں ہاتھوں میں قید کر گیا جس پر فلذہ کی نظر ایک لمحے کو خوبخود سادان سے ملی اور سادان کو لگا اسکے دل کو کچھ ہوا ہے۔

سارے حسین لوگ، ارے دب گئے حضور"
"اس سانولی نے آنکھ اٹھائی کچھ اس طرح

سادان کا دل الگ سئ حرکت پذیری سے اتھل پتھل ہوتا ہوا پکار اٹھا۔
وہ جو یہ غیر دانستہ کر گئی اب اپنے اور سادان کے ہاتھ کو گھور کر چھڑوا رہی تھی مگر سادان اس اک سرسری سئ نظر میں ہی پتھر کا مجسمہ بن گیا تھا۔
پل دو پل کے لیے ہی سہی پر فلذہ نے اسے دیکھا تھا، یہ زرا سی بات اسے اتنی اہم لگی کہ وہ خود اپنے جذبات پر حیران و پریشان ہوا اور بمشکل خود کو واپس لاتا اسکا ہاتھ چھوڑے خود ہی رخ پھیرے اٹھ کھڑا ہوا۔

تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا، یہاں تم محفوظ ہو۔ آرام کرو، میں تم سے صبح ملتا ہوں" لہجے میں مٹھاس اور یقین ملائے وہ کہہ کر بنا رکے اور مڑے باہر نکل گیا اور وہ وہیں اب بجھے چہرے کے سنک پھر سے اس تاریک اور خاموش کمرے کا سناٹا دیکھ کر مرجھا سی گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"تُو اگر یہ زمین کا ٹکڑا مجھے نہیں دلا سکتا تو جا کے ڈوب مر، ان چوہدریوں کی اتنی بڑی کمزوری تیرے پاس ہونے کے باوجود تو سوچ میں ہے" رات کے گیارہ کا وقت تھا اور یہ ایک بہت بڑی حویلی کا بیرونی احاطہ تھا جہاں ایک طوائف بہت نازیبا رقص کرتی ہوئی ان سب لوگوں کو اپنی طرف مائل کیے ہوئے تھی۔

ہر طرف اس منگو سلطان نامی وڈیرے کے چنکارتی شکلوں والے گن مینز اور آدمی کھڑے ساتھ ساتھ رقص و سرور اور عیش پرستی کی یہ صورت حال ملاحظہ کرتے ہوئے پر شوق تھے۔

خود منگو اور تبریز چوہدری شراب پیتے ہوئے لڑکھڑائی شکلوں پر لالے لپکاتے انداز میں اس ناچنے والی کے برہنہ لچکتی کمر اور پیروں کی تال کے سنگ خود بھی مستے ہوئے تھے۔

یہ چوہدری درمان کے قبضے میں آئی اس زرخیز زمین کا ذکر کر رہے تھے جو ان دونوں گاوں کی سرحد پر تھی اور بہت زیادہ مارکٹ ویلیو رکھتی تھی۔
یہ زمین جس پر کئی امیر کبیر وڈیروں کی نظریں تھیں، ان میں ایک منگو سلطان بھی شامل تھا اور چونکہ تبریز، چوہدری درمان حق کا اکلوتا داماد تھا لہذا وہ اب اسے یہ زمین کسی بھی طرح اسے دلوانے کا حکم دے چکا تھا جس پر نشے میں سر مست ہوا تبریز بھی خاصا انکاری ہوا جو منگو سلطان کو طیش دلا چکا تھا۔

سلطان منگو، آپ تو خفا ہو گئے" تبریز نے بمشکل لفظوں کو منہ سے نکال "
کر روٹھے سے منگو کی سمت دیکھا جو غصے سے ایک ہی بار پورا شراب کا گلاس
گلے میں انڈیل کر پھنکارنے لگا۔
تو کیا، تمہارے لیے آج تک اتنا کچھ کیا اور تم ایک زمین کے لیے مجھے انکار "
کی تدبیر اپنا رہے ہو۔ مجھے وہ زمین ہر صورت چاہیے تبریز۔۔۔"یک
لخت ہی منگو سلطان کا انداز خفت آمیز ہوا تو تبریز نے بھی چہرے پر آئی بے
خودی کو معدوم کیے ٹیک چھوڑ کر منگو سلطان کی سمت دیکھا جو حتمی فیصلہ
سنانے کے بعد اب سخت برہم سا تھا۔
ٹھیک ہے، مل جائے گی۔ لیکن اگلی بار آپکو میرے لیے بھی خاص "
کوشش کرنی ہو گی۔ میرا اسلحہ، انشورنش کروا کر آگے بجھوانا ہو گا۔ تھرٹی،
اینڈ سیونٹی کے حساب سے" یہ یہاں اس گاؤں کا بہت امیر اور کرپٹ
جاگیر دار تھا اور تبریز اپنے دو نمبر کام اسی سے ایک نمبری کے خول میں
پیک کیے کرواتا تھا۔

دونوں کی آنکھوں کی وحشی نجاست بہت بدترین تھی مگر تھرٹی اور سیونٹی پر منگو سلطان نے سرعت کے سنگ حیرت زدہ اور شاکی نگاہ سے تبریز کو دیکھا اور اسکا گلا گھوٹنے کا دل بنایا۔

یہ بھی منگو کے لیے بس کام نکلوانے کا ذریعہ تھا تبھی وہ اسکی ایسی ناقابل برداشت آفرسن کر خود پر ضبط کر گیا۔

ناچنے والیاں مسلسل مدھر موسیقی پر تھرک رہی تھیں مگر ان دو کے چہرے پر اس وقت شیطانیت عروج پر تھی۔

ففٹی ففٹی میرا اصول ہے بچے، اس لیے اپنے یہ ارمان دل میں رکھا کر۔" میرا کام کروا پہلے، پھر دیکھی جائے گی۔اپنی بیوی کو مہرہ بنا اور اپنے نام لگوا۔ وہ چوہدری کسی قیمت پر وہ زمین مجھے نہیں بیچے گا اس لیے مجھے تیری ضرورت ہے" منگو سلطان نے اپنے عتاب کو ہر ممکنہ کوشش کیے سمیٹ کر مصالحت سے اسے اپنی بات اچھے سے باور کروائی جس پر اب تبریز کے ماتھے پر بھی بل سے ابھر چکے تھے۔

ہمم ٹھیک ہے، لیکن۔۔۔۔۔"اس سے پہلے کہ تبریز کچھ مزید بولتا، منگو" سلطان نے ماتھے کی رگیں تان کر ہاتھ کے اشارے سے اسے بولنے سے روکا تو وہ ہونٹ بھینچے دیکھتا رہ گیا۔

اپنے دو نمبر کے اسلحے کی سمگلنگ کے لیے اب اسے منگو سلطان کی بات ہر صورت ماننی تھی کیونکہ اگر منگو اسکے سر سے ہاتھ اٹھا لے تو وہ آج ہی پولیس کے ہتھے لگ سکتا تھا تبھی اس شاطر شخص نے خاموشی اور فرمابرداری میں ہی عافیت جانی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بہت دکھ ہوا یاور کا سن کر، اللہ اسکے درجات بلند کریں اور اسکی مغفرت" فرمائیں" تمام لوگ حویلی کے مہمان خانے والے دالان میں شاویز کی آمد

پر جمع تھے۔ سلطانہ بیگم تو ملازمہ کے ساتھ کھانے کے بعد اب چائے وغیرہ کا انتظام کروا رہی تھیں اور کومل انہی کے ساتھ تھی۔

سادان نے شاویز کی اس بات پر درمان حق کو دیکھا جو بہت ناپسندیدگی سے سادان کو اور یوں بے موقع اب اسکے یار کے ٹپک پڑنے پر تپے بیٹھے تھے۔

سادان کی تو جان میں جان آئی تھی اور انجیل بیگم اور درمان کو یہی لگ رہا تھا کہ اب انکے ہاتھ مزید جکڑے جا چکے ہیں۔

گھر کی بات الگ تھی اور اب وہ کسی باہر والے کے سامنے اپنے جابرانہ مظالم کا پول کھولنے میں خاصے محتاط ہونے والے تھے۔

یاور کوئی گنہگار نہیں جو اسے ایسی دعائیں چاہیں ہوں، بہت شکریہ کہ تم" آئے۔ اب میں آرام کروں گا" سب نے ہی درمان کے لہجے کی ناگواری محسوس کی جو نروٹھے پن سے کہہ کر جان چھڑواتا اٹھ کھڑا ہوا اور خود شاویز کو انکے ایسے پچھلی بار سے برعکس اکتائے اور جی جلاتے انداز پر افسوس ہوا

تھا مگر وہ یہاں صرف سادان کے لیے آیا تھا لہذا ابرامنا کر وہ سادان کو شرمندہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

سادان کو بھی باباسائیں کے ایسے رویے پر دلی دکھ تھا مگر وہ ان سے ایسی ہی بدتہذیبی امید کر رہا تھا۔

کرمان بھی افسردگی کے سنگ انھیں جاتا دیکھ کر شاویز کو دیکھ رہے تھے جو دل کا اتنا پیارا تھا کہ ایسے رویے پر بھی رکھائی سے مطمئین تھا۔

"درمان کا زخم تازہ ہے، بھرنے میں وقت لگے گا۔ خیر اب تم آئے ہو تو اپنے دوست کو بھی تھوڑی ہدایت دو کہ یہ ہمارے رستے سے ہٹ جائے۔ ہماری تو اسے سمجھ نہیں آتی ایسا باغی ہے، ممکن ہے تمہارا کہا مان لے"

باتوں میں زہر سا طنز اور کڑواہٹ ملائے انجیل بیگم سامنے بڑی کرسی پر براجمان ہوئی بولیں جس پر شاویز نے ایک نظر سادان کی سمت دیکھا جو بمشکل بولنے سے رکا تھا ورنہ آج اسکے دوست کا ایسا استقبال ہوا کہ سادان کو باباسائیں اور دادی دونوں پر دکھ ہی دکھ محسوس ہوا۔

وہ جانتا تھا شاویز اسکی سچویشن سمجھتا ہے مگر پھر بھی حویلی کے ایسے اصول بھی نہیں تھے کہ گھر آئے مہمان کو یوں طنز کے تیر مارے جاتے۔

جی، اللہ سب کو ہدایت دے" شاویز اپنی بات اور حق کی بات کہنے میں نہ کبھی پیچھے رہا تھا نہ یہ اسکی عادت تھی۔

ملکے سے پتنگے تو اب انجیل بیگم کو بھی لگے مگر وہ اس وقت بیٹے کی بد تہذیبی پر پردہ ڈالنے بیٹھی تھیں لہذا بڑے پیارے منافقت سے بھرے تاثرات سے چہرا سجاتی ہوئی اٹھیں تو فیضاں بھی دم چھلی کی مانند ساتھ ہی ہولی۔

شاویز بھی اٹھا تو سادان اور کرمان بھی اٹھ چکے تھے۔

ہمیں میسر ہدایت، ہماری پوری زندگی کو کافی ہے بچے۔امید کروں گی" اس حویلی کی روایات اور لحاظ قائم رہا جائے گا۔فضاں، شاویز کے لیے کمرہ کھلوا دو۔اسے کسی بھی چیز کی کمی نہ ہو" پہلی بات وہ باری باری جتاتے انداز میں پہلے سادان اور پھر شاویز کو کہنے کے بعد فیضاں کو حکم کرتیں اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں اور سادان کے چہرے پر ضبط کے مارے سرخی

اتری جسے کرمان نے قریب آکر کندھے سے جکڑے پر سکون ہونے کا کہا اور یہی تاثر شاویز کا تھا۔

میں ان دونوں کے لیے تم سے معذرت چاہتا ہوں شاویز، تم دل پے " مت لینا" بے قراری تو اب وہ تھی جو شہزادے کے چہرے پر یک لخت امڈی مگر شاویز نے اپنے ازلی میٹھے انداز میں اسکی گال سہلا کر آیا گیا کر دیا۔

بڑے ہیں وہ، بڑوں کی ہر بات قابل برداشت کرنی پڑتی ہے۔مجھے یہاں " کے کشیدہ حالات کا اندازہ نہیں تھا" شاویز بھی اب سنجیدہ تھا اور سادان بس اب یہی دعا کر رہا تھا کہ جلدی جلدی یہ معاملہ ختم ہو اور اسکی اس گاوں نامی عذاب سے جان چھوٹے۔

اچھا اب تم دونوں اداس مت ہو، انکی پرواہ مت کرو۔سادان تم اسے لے " جاو اور ریسٹ کر لو۔میں دونوں کے ساتھ ہوں اور اللہ بہت جلد یہ سارے معاملات سلجھا دیں گے" کرمان کا لہجہ اب کچھ زیادہ نرم تھا کیونکہ وہ کچھ دیر پہلے پچھلی تلخی کا کچھ اثر زائل کرنا چاہتے تھے مگر لفظوں کے

خنجر دل کے پار ہو جائیں تو رستے خون کی روانی تب تک جاری رہتی ہے

جب تک جسم لہو سے خالی نہ ہو جائے۔

وہ شاویز کو اسکے کمرے کی سمت لیے چل پڑا جبکہ اب کرمان کے چہرے پر

بھی ان کہا سا دکھ درج ہوتا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شاویز کے آجانے سے سادان کو واقعی حوصلہ ملا تھا مگر وہ ابھی بھی پریشان

تھا۔

شاویز کے لیے بھی اس وقت اگر کوئی اہم تھا تو وہ سادان تھا اور وہ اس تلخ

حالت میں اسے اکیلا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

گاوں آنے کے بعد یہاں ہوئی ہر زیادتی کی داستان سننا خود اس دل کے نرم

شاویز کو سکتے میں پہنچا چکا تھا

یہ لوگ صرف درندے دیکھائی نہیں دیتے تھے بلکہ واقعی میں خونخوار بھیڑیے تھے۔

سادان اور شاویز اس کے تھوڑے وقت بعد ہی باہر زمینوں پر نکل گئے تھے کیونکہ حویلی کی گھٹن میں شاویز تو دور، خود سادان کا دم گھٹنے لگا تھا۔

کل سے شاویز خود عاقل کے ساتھ مل کر ان دو لڑکوں کی تلاش کا کام شروع کرنے والا تھا اور یہ بات سادان کی شکتہ ہمت کو بندھا گئی تھی۔

دوست وہی ہے جو دوست کو تب سہارا دے، جب پوری دنیا اسے بے سہارا چھوڑ جائے۔

اب سادان کو لگتا تھا کہ یہ چھپی کڑیاں اب جلد ہی اسکے سامنے آئیں گی، جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، ویسے ویسے سادان کو ان حالات میں گزارہ کرنا کٹھن لگ رہا تھا۔

خاص کٹھن معاملہ فلذہ کا تھا، وہ اسی معاملے میں ڈر رہا تھا۔ کہیں وہ کسی ناانصافی کا مرتکب نہ ہو جائے۔ کہیں وہ اس رشتے میں الجھ نہ جائے۔

فلذہ کی حفاظت اللہ کے بعد اگر حویلی میں کوئی کر سکتا تھا تو وہ ساد ان تھا اور حفاظت کے لیے اسے فلذہ کے ارد گرد رہنا پڑتا تھا جو اسے کہیں دل سے بے آرام کر رہا تھا۔

بات یہ نہ تھی کہ وہ فلذہ کے ہونے سے بے آرام تھا، بات یہ تھی کہ فلذہ کے اپنے نکاح میں ہونے سے بے آرام تھا۔ایک ایسا رشتہ جو اس نے کبھی سوچا نہیں تھا، ایک ایسی معصوم سی سانولی جو پاکیزہ اور شفاف کردار رکھتی تھی۔

شاویز نے بھی محسوس کیا کہ ساد ان فلذہ کے ذکر پر سر سری سا بول کر چپ ہو گیا تھا، جیسے کوئی انسان بہت بول بول کر تھک جائے اور نڈھال ہونے لگے۔

اسکا معاملہ بہت عجیب ہے، میں سوچنا نہیں چاہتا شاویز" گاڑی سے ٹیک" لگا کر کھڑا ساد ان اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے بہت اداس تھا اور شاویز اسکے نرم دل کی یہ اتنی سخت جان ذمہ داری کا بوجھ بخوبی سمجھ سکتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ" سے ڈرو، کیوں کہ اللہ کی امان میں تم نے ان کو لیا ہے۔ (مسلم)

اسکا خیال رکھنا اور بحفاظت ان سارے حالات سے نکالنا تم پر نکاح ہوتے ہی فرض تھا ساداں، اس معاملے کو اپنی لگن سے نبھاو اور تمام اختیارات اللہ کو سونپ دو" مسلسل خاموش کھڑے الجھے سے ساداں نے شاویز کی ملائم سی اس بات پر تھکن سے چور ہو کر رخ شاویز کی سمت کیا جو اسے ایک اچھی ترغیب عطا کر رہا تھا۔

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْ◌َنَ اٰمَنُوْ◌ا لَا یَحِلُّ لَكُمْ ◌اَنْ ◌تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْ◌هًا◌ؕ وَلَا تَعْ◌ضُلُوْ◌هُنَّ لِتَذْ◌هَبُوْ◌ا بِبَعْ◌ضِ مَآ اٰتَیْ◌تُمُوْ◌هُنَّ اِلَّآ اَنْ ◌یَّاْ◌تِیْ◌نَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ◌ۚ وَعَاشِرُوْ◌هُنَّ بِالْ◌مَعْ◌رُوْ◌فِ◌ۚ فَاِنْ ◌كَرِهْ◌تُمُوْ◌هُنَّ فَعَسٰٓی اَنْ ◌تَكْ◌رَهُوْ◌ا شَیْ◌ـًٔا وَّیَجْ◌عَلَ اللّٰهُ فِیْ◌هِ ◌خَیْ◌رًا كَثِیْ◌رًا ﴿۱۹﴾

اے ایمان والو! تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم اپنی عورتوں کے جبراً وارث بنو اور اس نیت سے انہیں قید نہ رکھو کہ تم نے جو کچھ انہیں دیا ہے اس میں سے کچھ حصہ واپس لے لو مگر یہ کہ وہ مبینہ بدکاری کی مرتکب ہوں اور ان کے ساتھ اچھے انداز میں زندگی بسر کرو، اگر وہ تمہیں ناپسند ہے تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں تو ناپسند ہو مگر اللہ اس میں بہت سی خوبیاں پیدا کر دے۔" شاویز چاہتا تھا وہ جس الجھن میں ہے اس سے نکل آئے۔

عورت مال و متاع نہیں، جیسا کہ دیگر ادیان کا تصور ہے، بلکہ یہ ایک " انسان ہے۔ دوسرا عورت اگر بدکردار نہیں ہے تو اس پر کوئی ناروا پابندی نہیں لگائی جاسکتی: اِلَّآ اَنۡ یَّاۡتِیۡنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ۔
تیسرا یہ کہ عورت بقول دیگر ادیان شر محض ہے، جب کہ بقول قرآن اس میں خیر کثیر بھی ہو سکتا ہے: خَیۡرًا کَثِیۡرًا۔

اگر تم جانتے ہو کہ وہ بد کردار اور مجرم نہیں ہے تو اللہ سے یہ دعا مانگو کہ وہ تمہارے حق میں وہی کرے جو بہترین ہے، پھر اس بہترین پر اعتراض مت کرنا، اللہ بہترین کی دعا مانگنے والوں کو بہترین است دیتا ہے" شاویز اب مسکرا کر اسکے دونوں کندھے تھامے عین اسکی آنکھوں میں جھانکے روانی سے کہتا گیا اور سادان کو یوں لگا جیسے وہ کچھ بول نہیں پائے گا۔۔۔۔ پھر ان دونوں کے بیچ خاموشی رہی اور ڈھلتی رات نے کئی حقیقتیں سادان پر کھولنی شروع کر دی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"آپ کیوں رکی ہیں اماں سائیں، اس خرافہ کا کام تمام کریں ورنہ وہ میرے ہاتھوں مرے گی۔اور اس شاویز کی کمی تھی کیا؟ وہ ضرور سادان کی اس تحقیق میں مدد کرنے پہنچا ہے، اگر وہ لوگ واقعی کوئی سراغ ڈھونڈ کر

لے آئے تو ہماری عزت اور شان خطرے میں جا سکتی ہے۔یاور جیسا بھی تھا، میری اولاد تھا اور مرنے کے بعد میں اسکی کوئی بھی ذلالت ہونے نہیں دوں گا" درمان تب سے وہشت و غضب سے بھر کر دہکتی بلا بنا اپنے کمرے میں بند تھا اور اب انجیل بیگم کے آتے ہی وہ بے قراری سے اپنے کندھے کی چادر لہراتا ہوا ان تک پہنچا جو خود کسی سفاک سی گہری منصوبہ بندی میں غرق ہو کر کسی غیر مرئی نقطے پر حقارت سے پتھرائی ہوئی تھیں۔

تیرے اس خبیث سادان نے پہلی بار انجیل کے ہاتھ باندھ کے رکھ دیے" ہیں درمان، وہ بھی تو خون ہے۔اور کسی لچی لفنگی عورت کے لیے میں سادان کی جان خطرے میں نہیں ڈال پا رہی۔کچھ ایسے کی منتظر ہوں کہ سادان خود اس منحوس کو ہمارے قدموں میں پٹخ دے۔سادان جیسی بھی منہ زور آزمائی کیوں نہ کرے، جتنا مرضی باغی ہو جائے پر اس حویلی کا وارث ہے۔اب ایسا کیا کروں کے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے؟" انجیل بیگم میں چلو اتنی تو انسانیت کی رمق تھی کہ وہ اپنے پوتے کو

نقصان کا سوچ نہیں پا رہی تھی اور یہ بات الگ تھی کہ پھر بھی اس دادی نے اس نازک دل پوتے کو بہت اذیت دی تھی۔

شاید سفاکی کی حد تھی کہ انجیل بیگم کے نزدیک، تکلیف بس جسمانی ہوتی ہے اور وہ اسی اصول پر اطلاق کرتی تھیں۔

جو گھاؤ اور زخم ان دونوں نے سب کے سینوں پر لگائے تھے اللہ جلد اسکا حساب لینے کو تھا۔

دونوں ہی سخت اکتائی ہوئی وحشت ناک بے بسی میں اپنی شکلوں پر ہار سجائے پھنکار رہے تھے مگر انجیل بیگم ہو اور اسکی شیطانی عقل کام نہ کرے ایسا ممکن نہیں تھا۔

سادان واقعی ہماری راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے اماں سائیں، وہ آگے جا کر بھی ہماری روایات یونہی پاوں تلے روندے گا۔ اسے لگام ڈالنی ہو گی، جی تو چاہتا ہے اسے بھی اس بار دل دہلا دینے والی سزا دوں پر واقعی وہی بات کہ کمبخت جگر کا ٹکڑا بھی ہے۔ اب جگر کاٹ کے پھینکنا آسان نہیں، آگے

ہی یاور کا دیا زخم ابھی تک رگیں چاٹ رہا ہے" درمان تو ہارتا ہوا ہمت چھوڑے صوفے پر لڑھک گیا اور اک شکست خوردہ سا تاثر تھا جو درمان کے وجود پر حاوی ہوتا چلا گیا مگر انجیل بیگم کی سفاک ذہنیت کوئی نہ کوئی نیا فساد تلاشنے میں لگی تھی۔

زہر، اب اس منحوس کو زہر دوں گی۔ خود بھی تو وہ اس اذیت سے جان چھڑوانا چاہتی ہو گی۔ اسے کہوں گی یہ رہے دو آپشن، یا تو پل پل مر یا ایک بار مر کر ہماری جان بخش" واہ انجیل بیگم، کیا شاطر دماغ پایا تھا تم نے۔ شیطان بھی سوچ رہا تھا کہ اس بڑھی سے چند کلاسز لے لوں۔

درمان جو ہمت ہارے بیٹھا تھا، اس بات پر فتح یاب سا تاثر دیے خباثت سے مسکرایا اور پھر وہ مسکراہٹ انجیل کے چہرے پر سمٹ آئی۔

"کیا کیا سوچا تھا کہ حویلی کے لیے ایک نوکر لائیں گے اور اسکی بدولت اسکے باپ کو زندہ درگور کریں گے، مگر سب چوپٹ ہو گیا۔ اب بہتری اسی میں ہے کہ اس نحوست سے مکمل چھٹکارہ پا لیا جائے" بیٹے کی پسندیدگی پر مزید

زہر اگلا گیا، اور اب تو بچہ جی اپنی اتنی چالاک اور معاملہ فہم ماں پر قربان ہوا تھا اور دونوں کی یہ ظالمانہ منصوبہ بندی جلد حویلی میں ایک اور کہرام لانے کو تھی۔ خدا خیر کرے۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شاویز بھی تھکا تھا لہذا رات کے کھانے کے بعد وہ بھی وہیں سادان سے بات کرتے کرتے سو گیا تو سادان کو بھی فلذہ کی بات یاد آئی اور وہ خود کو اپنے کمرے کی طرف جانے سے روک نہ پایا تھا۔
بلقیس کو اس نے دن کو ہی فلذہ کے پاس بھیج دیا تھا اور کیونکہ وہ شام کو کبھی کبھی اپنے گھر جاتی تھی لہذا کومل بی بی کو بتا کر گئی تھی۔
کومل نے دو بار جا کر فلذہ کو دیکھا تھا اور وہ اب فلذہ کے لیے بھی اتنی ہی فکر مند تھی جتنا سادان تھا۔

دروازہ آہستگی سے کھولے وہ جونہی اندر داخل ہوا تو سامنے ہی بیڈ کے ساتھ فرش پر بیٹھ کر روتی فلذہ کو دیکھ کر پریشانی سے اگلے ہی لمحے اس تک پہنچا جو اپنی بازو جکڑے سخت تکلیف میں تھی۔

فلذہ، کیا ہوا ہے۔ تم اٹھو یہاں سے۔ کیا ہو گیا، رو کیوں رہی ہو" کسی کا" رونا ایسا دردناک نہ تھا جتنا وہ سہمی سی فلذہ رو رہی تھی، سادان اسے نرمی سے پکڑ کر ساتھ لگا کر اٹھائے بیڈ پر بٹھاتا خود بھی رخ اسکی طرف کیے بیٹھتے ہوئے بے قراری سے پوچھتے بولا، لب و لہجے میں محسوس کن حد تک فکر تھی مگر فلذہ شاید بازو میں پھر سے اٹھتے درد سے نڈھال تھی۔

مجھے ڈر لگ رہا تھا، مجھے بہت درد ہو رہا ہے۔ مجھے آپ حویلی سے کسی طرح" باہر نکال دیں میں بھاگ کر بابا کے پاس چلی جاوں گی۔ مجھے یہاں نہیں رہنا، مجھے جانے دیں" روتے روتے فلذہ کی آواز دردناک حد تک لرزی تھی اور سادان اسکی ان التجاوں پر اب خود بھی سخت صدمے میں تھا۔

روروکر اسکا چہرہ متورم حد تک سرخی میں ڈوبا تھا اور آنکھیں تو اسکی اب جھک کر بھی سوجن زدہ دیکھائی دے رہی تھیں۔

سادان نے بے بسی سے ایک نظر اس زرا زرا کانپتی، درد سے اٹی فلذہ کو دیکھا اور اسکی وہی بازو جسے وہ بری طرح جکڑے ہوئے تھی آرام سے پکڑ کر اسکی پٹی ہٹا رہا تھا۔

رونا بند کرو، میں ڈریسنگ کر دیتا ہوں۔انفیکشن کی وجہ سے درد ہے""

سادان نے تلخی سی چہرے پر لائے بس یہی بات کہنے پر اکتفا کیا مگر وہ یہاں رہ کر بہت تکلیف میں تھی۔

مجھے بھیج دیں ناں، آپ تو سب کر سکتے ہیں" وہ اس سے اس وقت وہ" مانگ رہی تھی جس پر سادان کا اختیار نہیں تھا۔وہ تکلیف سے اندرونی بھرتا جا رہا تھا۔

تمہاری پلکوں سے گر کے شبنم"

میری آنکھوں میں رک گئی ہے" دل سے اک ہوک اٹھی تھی، اٹھ کر کسی بنجر ویرانے کو کوچ کر گئی۔

کچھ دن دے سکتی ہو؟" سادان اب آسکے رونے پر ہار کر زرا سختی سے بولا" جس پر کئی آنسو مزید فلذہ کی آنکھوں میں اترتے گئے اور سادان کو اپنے لہجے کے تیز ہونے کا احساس ہوا مگر وہ خود بہت بری مشکل میں پھنس چکا تھا۔

اس سوال پر فلذہ نے نفی میں سر ہلایا تو سادان لاجواب ہو کر اس عجیب مخلوق کو دیکھتا رہ گیا۔

دیکھو مجھے مزید مشکل میں مت ڈالو پلیز، مجھے چند دن دے دو" سادان" اس سے درخواست کر رہا تھا مگر وہ کیا بتاتی کہ اسے بس دو ہی صورتیں قبول تھیں۔

یا بابا جان کے پاس واپسی یا موت۔

پھر آپ مجھے گاوں کی بڑی نہر میں پھینک آئیں، مر جانا چاہتی ہوں "سر جھکائے وہ ایسی بات کہہ گئی کہ سادان ایک لمحے کو پتھر ہوا اور اب اسکی اس دردناک بات پر خود سادان کی آنکھوں میں سرخی اتری تھی۔

اب اسے فلذہ کی تکلیف کا اندازہ ہوا تھا، جب کوئی تھک جائے، زندگی سے اکتا جائے تو موت مانگتا ہے۔ مگر جب زندگی ہی موت سے بدتر ہو تو موت چاہ کر اپنے درد کی کمی فلذہ کی طرح چاہی جاتی تھی۔

اسکے ہاتھ فلذہ کی ڈریسنگ بمشکل مکمل کیے رکے اور وہ رو کر بے جان ہوتی فلذہ اسے کہیں کا نہیں چھوڑ رہی تھی۔

خدا کے لیے، مجھے یہاں سے نکال دیں۔ بابا جان مجھے لے جائیں، اماں" مجھے لے جاو "فلذہ کی مخدوش حالت وہ دیکھ نہیں پایا تھا تبھی اٹھ کر ضبط کے دہانے پر فائز ہوتا رخ پھیر گیا، یہ کس مشکل میں پھنس گیا تھا۔

یااللہ یہ کیسا امتحان ہے، اس لڑکی کو صبر دیجیئے یا مجھے اس سچ کا ادراک۔"

میں مزید اسکی تکلیف نہیں سہہ پاؤں گا" وہ جو رو رہی تھی، اپنے کرب کے آگے ہاری ہوئی تھی۔

یہ جو دعا کرتا ہوا دردناک دکھ میں تھا، یہ بھی اب اپنا سینہ پھٹا محسوس کر رہا تھا۔

اس معاملے کے حل تک وہ فلذہ کا مزید سامنا ناں کرنے کا عہد لیتا پھر سے کمرے سے باہر نکلا اور وہ جو التجائیں رد ہونے پر مرنے کو تھی، وہیں سمٹ کر کراہنے لگی۔

دونوں کی تکلیف کا کوئی نہ کوئی سرا آج جڑھ گیا تھا، اللہ نے سادان کے دل میں آج رحم دلی اور ترس کے بجائے اک تیسری شے اتاری تھی۔

وہ جو اک لمحے کی نظر ملی، وہ سادان کے دل میں گڑھ چکی تھی۔

دل کی دھرتی پہ اتر آنا کوئی سہل نہیں"

"ان علاقوں کے تو نقشے بھی نہیں ہوتے یار

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک دو دن سے سادان کی جس طرح باقی معاملات پر گہری نظر تھی ویسۓ ہی تیمور کی پراسرار حرکتوں سے بھی وہ تھوڑا پریشان تھا۔

اسکے لیے بھی اس نے یہ ذمہ داری عاقل کو سونپی تھی کہ وہ اسکے آنے جانے کے معاملات کا اسے بتائے۔

آج صبح سے شاویز اور کرمان بھی تلاش کے کام میں نکلے تھے جبکہ سادان کا ارادہ اب تیمور کی کلاس لینے کا تھا جو عاقل کی خبر کے مطابق رات ایک بجے آیا تھا اور آتے ہی سو گیا تھا۔

سادان جو ایک وقت میں کئی عذاب جھیل رہا تھا، بلکل بھی کسی نئے امتحان کو سہنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔

صبح سات بجے وہ تیمور کے کمرے کا دروازہ کھولتا ہوا اندر داخل ہوا تو کمرے میں داخل ہوتے ہی اک عجیب سے متعفن زدہ لہر محسوس ہوئی جس پر سادان نے ایک تنقیدی نگاہ اسکے ملگجی روشنی والے کمرے پر ڈالی۔بیڈ کے درمیان میں وہ اوندھے منہ لیٹا نیند میں غرق تھا۔

کمرے کی حالت بظاہر سلجھی تھی مگر جا بجا اسکے کپڑے بکھرے تھے۔ جوتے جس طرح اتارے گئے تھے وہ ایک بیڈ کے ساتھ دوسرا سامنے ڈریسنگ کے ساتھ الٹا پڑا تھا جسے سادان نے ناگواری سے پلٹ کر سیدھا کیا۔

سفید کاٹن کے کف داری سوٹ میں ملبوس شہزادہ کندھوں پر سیاہ چادر لیے اس وقت پاکیزگی کا سارا اجمال خود پر لیے اب سوئچ بورڈ تک گیا اور بٹن آن ہوتے ہی سارا کمرہ روشنی میں نہا گیا اور پردے ہٹانے پر تیمور کی نیند میں

واقع حلل آیا جس پر وہ کسمساتے ہوئے آنکھیں ملتا پلٹا تو سر پر سادان کو کھڑا پا کر اس خبیث کی ساری آنکھیں باہر تھیں۔

سادان جو کھڑا تھا اب تیمور کے اڑے تاثرات بہت سختی سے دیکھ رہا تھا جو سادان سے اتنا خوفزدہ ہوا کہ فوراً سے بیشتر اٹھ بیٹھا۔

لالہ آپ، کیا ہے اس وقت کیوں جگا دیا" آنکھیں ملتا ہوا تیمور کسی خدشے میں غرق تھا اور سادان اب یا ور والی غلطی نہیں کرنا چاہتا تھا تبھی اس تیمور کو پہلے زبانی اور پھر تشدد زدہ زبان میں سمجھانے آیا تھا۔

صبح ہو گئی ہے، کب تک یوں گدھوں والے کام پکڑ کر رکھنے ہیں۔ یہ بتاو" کیا کرتے ہو آوارہ گردی کرنے کے علاوہ؟" سادان جو آیا تو اسے ڈانٹنے تھا مگر دل نے کہا کہ ایک بار نرمی اپنا کر سمجھا لے۔

اس سوال پر تیمور کو لگے تو پتنگے تھے مگر وہ بھی سادان کی مار سے خوفزدہ تھا تبھی سادان کے سامنے نہ یہ بدتمیزی کرتا تھا اور وہ یاور بھی احتیاط برتتا تھا پھر بھی اسکے کرتوت سادان تک پہنچ جاتے تھے۔

لالہ، موج کرتا ہوں۔ بابا سائیں کے ہوتے ہوئے مجھے کچھ کرنے کی کیا" ضرورت ہے" خاصا تپ چڑھاتا جواب آیا تھا اور وہ نکمایوں کہہ رہا تھا جیسے یہ بہت نیک اور قابل ستائش بات تھی۔

سادان کو اتنی سئ بات پر ہی تیمور کے بگھڑے انداز سے واقفیت ہو گئی تبھی اسکی پیشانی پر ناگواری سے بل پڑ چکے تھے۔

میٹرک کلئیر ہوا تمہارا؟" بے نیازی سے سادان نے محض اپنی بات" جاری رکھی تو اس سوال پر وہ بھی اب بستر سے اٹھ کر بھائی کے سامنے تن گیا جواب تیمور کو زہر لگ رہا تھا۔

اتنے سوال تو اس سے بابا سائیں نے نہیں کیے جتنے یہ تھانیدار بنا کر رہا تھا۔ نہیں، نہ مجھے کرنا ہے" ڈھیٹائی اور باغی پن لیے وہ سادان کو اب اکڑ کر" دیکھا رہا تھا جس پر سادان کا دل چاہا ایک اسکے کان کے نیچے لگائے۔

تمہارے تو اچھے بھی کریں گے، اگلی بار میں آوں تو تمہارا میٹرک کلئیر" ہونا چاہیے۔ اپنی یہ آوارہ گردی ختم کرو ورنہ مجھے بہت برا پاو گے۔ نماز

دین کی طرف توجہ دو۔ یاور کے بعد اس گھر کی کچھ ذمہ داری تم پر بھی عائد ہوتی ہے، اور ایک بات اپنی کھوپڑی میں بٹھالو تیمور، جو غلطی یاور نے کی ہے تم اس کے پاس بھی بھٹکے تو اسکی سزا تم پر اور تمہاری نازک جان پر بہت بھاری ہو گی" سادان کا غضبناک ہو کر نصیحت کرنا تو تیمور کی نوابی اور شیطانی حصلت دونوں پر بجلی گرا گیا اور اسکے جبڑے بھینچے منہ پر صاف لکھا تھا کہ وہ سخت بھڑ کا ہوا کھڑا ہے۔

میں اپنی مرضی کا مالک ہوں، آپ کافی ہیں مولانا۔ دوسری بات مجھے یاور" بھائی سے مت ملائیں، میری اپنی زندگی ہے اور میں اسے اپنے لحاظ سے جیوں گا۔ مجھے پڑھائی میں کوئی دلچسپی نہیں تو مجھے بار بار نہ کہیں۔ میٹرک نہیں ہو گا تو قیامت نہیں آجائے گی" تیمور کے لہجے میں سفا کی بلکل درمان اور انجیل سی تھی اور یہ بات سادان کو مزید رنجیدہ کر گئی تھی۔

یہ بکواس دوبارہ میرے سامنے کرنے سے گریز کرنا تیمور، تجھے سیدھی" زبان سے سمجھا رہا ہوں اس لیے مجھے بھی سیدھا رہنے دے۔ کل سے مجھے

تو آوارہ گردی کرتا دیکھائی دیا تو انجام بہت برا ہو گا۔ اور پڑھائی کل ہی شروع کر میں کومل کو کہتا ہوں تجھے پڑھائے۔ یہ جو بادشاہت پر اکڑ رہا ہے یہ ہمیشہ نہیں رہتی، اور تیرا ہے کیا جس پر تجھ میں ایسا غرور سمایا ہوا ہے"

سادان کو اس کل کے بچے کے ایسے باغیانہ تاثرات پر شدید غصہ تھا اور وہ تیمور کو لے کر اب کوئی ڈھیل نہیں دینے والا تھا۔

وہ جو بڑ بڑ کر رہا تھا، اس خون آشام وارننگ پر اب زرد باہو الگ رہا تھا۔

مجھے تنگ نہ کریں" تلملاتے ہوئے تیمور نے جانا چاہا مگر سادان اسکی بازو کھینچ کر واپس لائے اب عتاب زدہ ہوا تھا۔

اگر تو نے اپنی حرکتیں درست نہ کیں تو تجھے میں اپنے ساتھ لاہور لے کر" جاوں گا اور کسی ایسے ادارے میں جمع کروادوں گا جو تیرے دماغ کی خباثت نکال باہر کریں گے" سادان اتنا سخت اور غضبناک بس اپنے سے چھوٹوں کے لیے انکی بہتری کے لیے ہوتا تھا مگر تیمور جیسی ٹیڑھی ہڈیاں زبان کی بات سمجھنے سے لاتعلق ٹھڈوں سے سنبھلنے والی چیزیں تھیں۔

جس انداز سے وہ پیر پٹخ کر جلبلاتا ہوا وہاں سے فرار ہوا تھا وہ یہی ثابت کر رہا تھا کہ وہ عنقریب سادان سے شدید پٹنے کو تھا۔

ناجانے ابھی سادان کے کتنے امتحان باقی تھے مگر سب کے سب اس نازک سے شہزادے کی جان پر بن چکے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیوں پیتے ہیں آپ یہ حرام شے، رات بھی آپکو بلکل ہوش نہیں تھا" روز رات کو تبریز کا یہی معمول تھا کہ وہ شراب کے نشے میں چور ہو کر گھر آتا تھا اور اسے روکنے ٹوکنے والے اسکے والدین تک عاجز تھے تبھی عالیہ کی ایسی بات تبریز کا پارہ چڑھا چکی تھی۔

وہ جو ابھی دن چڑھے سو کر اٹھا تھا اب سر پکڑے نیم دراز تھا جب عالیہ کمرے میں داخل ہوئی اور تبریز کو دیکھ کر سخت دکھی ہو کر بولی۔

یہاں آ" کنپٹی کی رگیں پھڑ کائے وہ عالیہ کو ناگواری سے کہتا اپنے قریب آنے کا اشارہ کیے بولا جس پر وہ سہمے انداز میں اس تک پہنچی جواب اپنے مطلب کی بات کے لیے فوری میٹھا بن کر عالیہ کے چہرے پر لٹکتی لٹ کو انگلی میں گمانے لگا مگر اگلے ہی لمحے اس ظالم نے اتنے زور سے اسکے بال کھینچے کہ عالیہ کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔

کتنی بار کہا ہے بکواس مت کیا کر، خاص کر اپنے یہ مشورے۔ یہ بتا کیا خبر ہے تیرے میکے کی" تبریز کے ہر انداز سے حیوانیت برستی تھی اور عالیہ کی جان میں جان تب آئی جب وہ اسکے بال چھوڑے اب کھوجتے انداز میں عالیہ سے استفسار کر رہا تھا جو اس شوہر نما جلاد کو دکھ سے دیکھ رہی تھی۔

میری بات نہیں ہوئی" عالیہ کی آواز میں لرزاں خیز نمی تھی اور اب تبریز" چہرے کی ساری شیطانیت اور جلال معدوم کیے میٹھا ہونے میں گرگٹ کو مات دے گیا اور پاس بیٹھی عالیہ کے ہاتھوں میں اپنی انگلیاں پھنسائے اسکی گال پر ڈھلکی نمی کو صاف کیے سنجیدہ ہوا۔

"بات نہیں ہوئی مگر اب ہو گی، کام ہے تجھ سے۔ کرے گی ناں میرا کام؟" لہجے میں خماری لیے وہ سر جھکائے بیٹھی عالیہ سے مخاطب تھا جو اس زہریلے سے یک لخت میٹھے ہوتے تبریز کی مطلبی خصلت سمجھ گئی تھی۔

کونسا کام" عالیہ نے چہرہ اٹھا کر دیکھا تو تبریز کے چہرے پر بھی چراغ سے جلے۔

"چوہدری درمان نے کچھ دن پہلے زمین لی ہے، وہ زمین تجھے ان سے لے کر اپنے نام کروا کے پھر مجھے دینی ہے" تبریز اس قدر مطلبی اور موقع پرست تھا کہ عالیہ کا دل لہو کے آنسو رونا بھی بند ہو چکا تھا۔

اپنا ہاتھ تبریز کے ہاتھ سے چھڑوائے وہ اٹھنا چاہتی تھی مگر عالیہ کے یوں چپ چاپ جانے پر وہ پھر سے زہریلا ہو کر اسے بے دردی سے کھینچ کر واپس وہیں بٹھا چکا تھا جو اب اسے بہت تکلیف سے اٹ کر دیکھ رہی تھی۔

"میرے حصے جو بھی آتا تھا وہ بابا سائیں پہلے ہی مجھے دے چکے ہیں، خدا کے لیے مجھے اب انکے سامنے شرمندہ مت کریں۔ میں ان سے کچھ نہیں مانگ

سکتی، پلیز" عالیہ جو نا جانے اس عذاب کے ساتھ کیسے گزارہ کرتی آرہی تھی مگر اب آسکا دل چاہتا تھا کہ وہ تبریز کو چھوڑ کر چلی جائے۔

صرف بابا سائیں کی عزت کے لیے وہ اس جانور کے ساتھ بندھی تھی جو اسکے ساتھ صرف تب اچھے سے پیش آتا تھا جب کوئی مطلب آڑے ہوتا تھا۔

عالیہ کی فریاد پر پانی پھیرتا ہوا وہ اگلے ہی لمحے اسکا منہ دبوچ کر اپنی سرخ آنکھیں کیے دھاڑا تھا۔

مجھے انکار کرے گی، سزا جانتی ہے ناں" تبریز کا بس چلتا تو عالیہ کی ایک ہی بار جان لے لیتا۔

آپ مجھے بھلے مار دیں، میں مزید کچھ نہیں مانگوں گی" عالیہ بنا کسی تکلیف کے اثر سے دبے اپنے موقف پر ڈٹی تھی اور تبریز کی برداشت تھی کہ دم توڑ رہی تھی۔

تجھے سمجھ نہیں آرہی، کیوں بے موت مرنے کا ارمان پال رہی ہے۔بس" یہ زمین، مزید کچھ نہیں" تبریز کا لہجہ اب کی بار تنبیہی تھا اور آخری بات میں وہ اسکا چہرہ نرمی سے پکڑے ملائم سا بولا تو عالیہ نے کرب کے سنگ تبریز کو دیکھا۔

بول ناں، بات کرے گی ناں" بے خودی کے سنگ تبریز کے بدلتے تیور" دیکھ کر خود عالیہ صدمے میں تھی۔

عالیہ توازل سے مجبور تھی، شوہر کی میٹھی نظر سے پگھل جانے والی مجبور عورت۔وہ بھی تو اداکاروں کو مات دے دیتا تھا۔

جی" عالیہ کا گلاب چہرہ مرجھایا تھا مگر تبریز کو اب اسکی فرمابرداری پر پیار" ضرور اترا تھا مگر ایسے کھوکھلے شخص کی محبت بھی محبت کم اور سودا زیادہ تھی۔

تبھی تو تجھے اتنا عرصہ برداشت کر لیا ہے عالیہ، تو میرے سب مزاج سمجھ" لیتی ہے۔مجھ سے یونہی فرمابردار رہے گی تو خوش رہے گی" تبریز جیسے

لوگ اس دنیا میں صرف خود غرضی اور مطلب پرستی کے استعارے تھے۔

وہ جسے وہ زہر سمجھتا تھا، ایسی صورت حال میں یہی زہر امرت کی مانند اپنے اندر اتارنے لگتا تھا۔

عورت جس بھی طبقے کی کیوں نہ ہو، شوہر کی موہوم نظر سے ہی پگھلنے لگتی ہے۔ پھر چاہے وہ کوئی ظالم، جلاد اور درندہ کیوں نہ ہو۔

وہ رو رو کر تھک گئی تھی، اسے حسرت تھی کہ کاش یہ شخص اسے بنا کسی مطلب کے بھی بیوی سمجھتا اور اسے عزت دیتا۔

مگر عزت دینا ہر کسی کے بس کا روگ نہیں ہے، تبریز تو وہ شخص تھا جو سانس بھی فائدے اور مطلب کے لیے لیتا تھا۔

جس کے لیے رنگ برنگی عورتیں دستیاب ہوں اسے گھر کی ایک عورت ہضم کیسے ہو سکتی ہے۔

چھوڑیں مجھے، کچن جانا ہے" تبریز کی بڑھتی بے باکی اور مطلب کی قربت آج عالیہ کو تکلیف پہنچا رہی تھی مگر تبریز تو صرف بات پر ہی کافی مطمئین تھا۔ابھی بھی تبرئز کے پاس سے شراب کی سانس روکتی بدبو آرہی تھی اور عالیہ کا دم گھٹ رہا تھا۔

اب شوہر کا دل خوش کیا ہے تو انعام تو بنتا ہے" تبریز نے ذو معنی ہو کر ساری حدیں تجاوز کرنے کا ارادہ باندھا اور عالیہ کے پاس اس شخص کو مزید برداشت کرنے کے لیے اب کوئی تاب نہیں تھی تبھی اپنی پوری طاقت لگائے تبریز کی گرفت سے نکلی اور بنا اسے دیکھے کمرے سے باہر نکل گئی اور وہ بھی چند لمحے ناگوار سامنہ بنا کر اسے جاتا دیکھتا رہا اور پھر شیطانی انداز سے خبیث مسکان سجائے پھر سے بیڈ پر جا گرا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج کی تلاش فجر کے بعد تک نہیں بلکے پورا دن جاری رہی تھی۔ سادان آ بھی بھی گھر ہی تھا جبکہ شاویز اور عاقل چار لوگوں کے سنگ اپنے کام کے سنگ مصروف تھے۔

سادان کو بھی شاویز نے آنے کا کہا تھا اور وہ بہت اجلت سے بلقیس اور کومل کو فلذہ کا خیال رکھنے کا کہہ کر جنگل کے راستے میں پہنچ گیا تھا۔

یہ ایک سنسان سا جنگل کے ساتھ جڑا رستہ تھا جہاں دونوں طرف خار دار جھاڑیاں اور گھنے درخت تھے۔

ایک گھنٹے پہلے عاقل کو کسی نے فون کر کے اطلاع دی تھی کہ اس جگہ سے عجیب سے بدبو آرہی ہے۔ وہ مخبری کرنے والا آدمی دراصل مردہ خانے میں کام کر چکا تھا لہذا وہ اس بدبو کو پہچان گیا تھا جو اکثر لاشوں سے آتی تھی۔

وہ لوگ اس جگہ کے قریب ابھی نہیں گئے تھے کیونکہ سادان نے کہا تھا کہ وہ خود وہ جگہ دیکھے گا۔

شاویز، عاقل، کھوجی اور تین عدد آدمی اس جگہ کے کچھ فاصلے پر کھڑے تھے اور کتوں نے بھونک بھونک کر پورا جنگل سر پر اٹھار کھا تھا۔

ضرور اس کھائی نما جگہ میں ایسا کچھ ضرور تھا جو بہت عجیب اور متعفن زدہ تھا کہ اسکے اتنے فاصلے پر کھڑا شاویز اور عاقل بھی ناک ڈھانپے ہوئے کھوجتے انداز میں سادان کے منتظر تھے۔

دس منٹ تک کچے راستے پر سادان کی گاڑی رکی اور وہ دو مزید آدمیوں کے ساتھ ان تک پہنچا۔

کہاں ہے وہ جگہ "سادان جو اس وقت خود بھی وائٹ شرٹ اور بلیک" پینٹ میں تھا، چہرے پر خفگی لائے وہ شاویز اور عاقل تک پہنچتے ہی بولا جس پر اب سادان اپنے ساتھ ساتھ انھیں بھی ماسک دے رہا تھا۔

شاویز کے اشارے پر وہ سب ہی اس طرف بڑھے جہاں درختوں کے جھکاو کے نیچے کی زمین پر بے شمار پتے اور ایک چھوٹی سی کھائی تھی اور یہ بدبو وہیں سے آرہی تھی۔

ماسک کے باوجود بدبو کا احساس ہنوز قائم تھا اور اس جگہ پر پہنچ کر عاقل سمیت سب کے چہرے سفید پڑھ چکے تھے۔

کتے جو شدید لرزاں خیز بھونک رہے تھے اب اپنے اپنے مالکوں کے ہاتھ سے چھوٹنے کو بے قرار تھے۔

سادان نے سامنے دیکھا جہاں پتوں کے بیچ کسی کا گلا سڑا ہاتھ تھا۔اور شاویز نے خوف کے مارے جھرجھری لی کیونکہ یہ بدبوان دوعدد آدھی گلی سڑی لاشوں سے آرہی تھی جنکی حالت اسقدر بری تھی کہ دیکھنے والے کو ابکائی آجاتی۔

سادان کے لیے یہ منظر دیکھنا اپنی زندگی کا کٹھن مرحلہ تھا، وہ دو لاشیں تھیں جن کے چہرے منہدم ہو چکے تھے اور ایسی حالت تھی جو عام انسان دیکھ کر خوف سے کپکپا اٹھتا تھا۔

عاقل جسکی نظر سرسری پڑی، کانپ کر رخ پھیرے آنکھیں بند کر گیا مگر سادان اور شاویز مسلسل انہی کو دیکھ رہے تھے۔

أَسْتَغْفِرُ اللهَ، یہ نا جانے کون ہیں۔انکی ڈیڈ باڈیز تو بہت بری حالت میں "
ہیں" شاویز جواب ان کے کچھ فاصلے پر گھٹنے کے بل بیٹھا تھا، شدید ہولتے
دل سے بولا جس پر سادان بھی چند قدم چلتا ہوا دونوں تک آیا۔
یہ وہی دو تو نہیں شاویز، انکا کم از کم ڈی این اے چاہیے ہو گا اور مزید اگر"
دفنانے میں دیر ہوئی تو یہیں انکو کیڑے پڑ جائیں گے" سادان خود افسوس
سے ان دو کے جھلسے وجود اور چہرے جو پہچانے نہیں جا رہے تھے، دیکھتا
ہوا سخت رنجیدگی سے بولا جس پر شاویز نے بھی متفقہ سر ہلایا۔
میں ہوسپٹل سے فرانزک ٹیم کو یہیں بلواتا ہوں، یہاں سے ہم ان "
دونوں کو گاؤں کے کسی کلینک میں خفیہ طور پر منتقل کریں گے تاکہ انکی
شناخت تک کسی کو اس متعلق خبر نہ ہو" شاویز نے اس وقت معاملہ فہمی
سے کام لیا تھا اور فون نکالے سادان کے اشارے پر سڑک کی طرف بڑھ
گیا جبکہ سادان نے اپنے ایک آدمی کو ڈاکٹر کبیر کو لانے بھیج دیا۔

ساداں نے انکو فون کر کے ساری صورت حال بتادی تھی اور وہ بھی اس معاملے میں ساداں کی مدد کو تیار ہو گئے تھے۔

آدھے گھنٹے تک وہ اپنا کیری ڈبہ لیے اپنے دو وارڈ بوائے جن میں بشیر بھی تھا،اس جگہ تک پہنچ چکے تھے۔

دونوں لاشیں منہ سے یوں تھیں جیسے کسی جنگلی جانور نے نوچا تھااور ساداں اور شاویز کا یہ اپنا اندازہ تھا کہ یہ بدبو اور لاشوں سے جلسنے سے یہ پتا چلتا تھا کہ انکو مرے ہوئے کافی دن گزر گئے تھے۔

کبیر نے ساداں کو یقین دہانی کروائی تھی کہ انکی رپورٹ آنے تک وہ دونوں لاشوں کو بحفاظت رکھنے پر آمادہ ہیں۔

ممکن تھا کہ یہ خذیفہ اور شان ہی نکلتے،اگر یہ واقعی ان دونوں کی لاشیں تھیں تو اسکا مطلب یہ تھا کہ اس سب کے پیچھے واقعی ناقابل برداشت سازش تھی جسکا سوچ کر ابھی سے ساداں اور شاویز کے چہرے فق تھے۔

خود عاقل صدمے میں تھا، بھلے وہ نازک سا دل رکھتا تھا مگر اس خوفناک منظر کے باوجود وہ یہی دعا کر رہا تھا کہ یہ انہی دو کی ڈیڈ باڈیز ہوں اور اسکے سائیں بس جلدی سے اس عذاب سے نکلیں۔

لیکن ابھی تو سادان کی مشکلات نے بس سر اٹھانا شروع کیا تھا، وہ یونہی بادشاہت کے لیے نہیں چنا گیا تھا۔ بادشاہوں کی مشکلات بھی عام انسانوں سے زیادہ دردناک ہوتی ہیں۔

مگر جو بھی تھا، ہر کوئی اب سچ جاننے کا شدت سے خواہاں تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بشیر جو دن بھر کے اس خوفناک سفر سے وحشت ناک سا تھا، آج تو رات کے کھانے سے بھی منہ موڑ گیا۔

صغری کو بھی لگ رہا تھا جیسے انکا بچہ کسی گہرے دکھ میں ہے، کچھ دیر وہ اماں کی گود میں سر رکھے لیٹا رہا پھر ہڑ بڑاتے ہوئے اٹھا اور اماں کو منظور چچا کے گھر جانے کا بتاتا ہوا نکل گیا۔

منظور حسین کی طبعیت تھی کہ آئے دن گرتی جا رہی تھی، بشیر اور کبیر تو ہر دوا دے چکے تھے مگر بابا جان کا اپنی لخت جگر سے جدا ہونا اس مسکین کی روح نوچ رہا تھا۔

وہ پیارے بابا جنکا سب فلذہ تھی، بھلے کوئی بھی انکو فلذہ کی حقیقی حالت نہیں بتا رہا تھا پر یہ تو اللہ بہتر جانتے تھے کہ لخت جگر کی تکلیف کا ہر غائبانہ اثر اسکے پیارے بابا پر ہو رہا تھا۔

بشیر اس مجبور باپ کو دیکھ کر اپنی آنکھیں نم کر لیتا تھا اور پھر کتنی ہی دیر وہ سسکتے ہوئے منظور حسین کے پاس بیٹھا رہا۔

یا اللہ آپ تو سب جانتے ہیں۔ سچائی کھول دیں، منظور چچا کی تکلیف انکی"

جان لے رہی ہے اور ادھر فلذہ تڑپائی جا رہی ہے۔ آپ سادان سائیں کو سچ

کا ادراک کروا دیں" نمی ان آنکھوں میں ابھر کر دعا کا رنگ بنی تھی۔

گہری رات کے اپنے مظالم تھے۔

دوسری طرف انجیل بیگم آج توقع کے خلاف پوری شرافت سے سادان

کے کمرے میں آئیں تو فیضاں انکے ساتھ ہی خبیث سی شیطانیت لیے

ہوئے تھی۔

بلقیس جو فلذہ کے لیے جوس لینے گئی تھی اسی کا فائدہ اس سفاک عورت نے

لیا جس پر فلذہ سہم کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

میں تجھے دو آفر دیتی ہوں لڑکی، یا مر کر اپنی اور ہماری خلاصی کر یا پھر"

در ندگی کی زندگی قبول کر۔ ایک بات اپنی اس کھوپڑی میں ڈال لے کہ

سادان کے پیچھے چھپ کر تو کسی غلط فہمی میں مت رہنا کہ تجھ پر نازل ظلم وہ

روک پائے گا۔ وہ مسیحائی کرنے کی عادت سے مجبور ہے اور ہم تجھ پر تیری

بد کرداری کی سزا نازل کرنے پر مائل۔ وہ تیرے جتنے زخم بھرے گا، میں تجھے اس سے زیادہ تکلیف دوں گی" انجیل بیگم آج حتمی فیصلہ کن دھمکی لیے اپنی ایک اور بے رحمی نازل کرنے آئی تھیں اور وہ خوف اور تکلیف سے کانپتی فلذہ بھی شاید موت کو ہی اس وقت آسان سمجھ رہی تھی۔

سچ ہی تھا، مسیحا کے ہوتے ہوئے بھی وہ درد میں تھی۔

"مجھے میرے بابا کے پاس بھیج دیں" روتی ہوئی اک آخری التجاء آئی جسے انجیل بیگم نے حقارت سے گھور کر رد کیا اور فیضاں کو اشارہ کیا جو اسے فرمابرداری سے چھوٹی سی شیشی پکڑا کر منحوس سا ہنسی تھی۔

جبکہ فلذہ تو کانپ کر رہ گئی جب انجیل بیگم نے بگھڑے تاثرات کے سنگ عین فلذہ کے سامنے اکڑ کر وہ شیشی اسکی ہتھیلی پر رکھی۔

"یہ زہر ہے، پی لے اسے۔ ورنہ یہ تیرے بابا کو دیا جائے گا۔ اگر تو چاہتی ہے کہ تیرا باپ زندہ رہے تو تجھے مرنا ہو گا۔ تجھ جیسی غلاظت اپنے باپ کے ساتھ ساتھ سادان کو بھی کہیں کا نہیں چھوڑے گی۔ وہ جو تجھ پر ترس

کھا رہا ہے، کل تجھے پوچھے گا بھی نہیں۔ خود کو دیکھا ہے تُو نے، تُو سا دان کی زندگی کو ناسور مت بنا اور مر کر اس سارے فساد کو ختم کر" انجیل بیگم کی ہولناک باتیں اس معصوم فلذہ کی جان دبوچ گئی تھیں اور فلذہ نے سرخ سیلن زدہ آنکھوں نے سنگ وہ شیشی فوری تھامی جس پر انجیل بیگم نے کھسیانی ہنسی ہنس کر فیضاں کو آنکھ ماری۔

ٹھیک ہے، پر میرے بابا کو کچھ مت کہیے گا۔ میں یہ پی لوں گی" فلذہ کی" آنکھوں میں اس وقت بس بابا کی زندگی کی التجا تھی اور انجیل بیگم کو تو ہواوں میں جھومنے کا دل کر رہا تھا۔

یہ لڑکی اتنی آسانی سے مان جائے گی انکو اندازہ نہیں تھا مگر وہ تو تھی ہی ایسی معصوم اور اسے جب بتا دیا گیا تھا کہ اسکی موت ہی اسکے بابا کی زندگی ہے تو وہ اسے سچ سمجھ بیٹھی تھی۔

ہاں ٹھیک، کل تک مجھے تم دیکھائی نہ دینا" انجیل اپنی لاٹھی گما کر سفا کی" سے کہتی ہوئی مڑ گئیں اور فیضاں نے بھی اس نڈھال فلذہ پر درندے کی

مانند نگاہ ڈال کر باہر کی راہ لی اور وہ وہیں بے آواز روتی ہوئی بیڈ پر لڑھک گئی۔

آج تو وہ تھی بھی مکمل سیاہ لباس میں لپٹی کوئی سیاہ نصیب جسے حکم اجل سنا دیا گیا تھا۔ وہ شیشی اتنی چھوٹی تھی کہ فلذہ نے اسے تکلیف سے اپنی ہتھیلی میں جکڑا تھا۔

کچھ دیر اکڑے سانس لیتی فلذہ یک لخت سخت پھوٹ کر روئی تھی۔

فلذہ مر جائے گی، مر جائے گی۔ میں ہی سب کی تکلیف کی وجہ ہوں۔ تو مجھے مر ہی جانا چاہیے" کئی تکلیف کی سرحد پر فائز آنسو فلذہ کی گالوں پر اُمڈتے جا رہے تھے اور اسکی پکڑ اس شیشی کے گرد بھی ویسی ہی دلخراش ہو رہی تھی۔

قیامت خیز تھا یہ منظر، جب لخت جگر اپنی زندگی کا آخری رونا رو رہی تھی۔ منظر بھی آبدیدہ تھے، خدا کسی کو ایسا بے بس اور محتاج نہ کرے۔

فلذہ وہیں روتی ہوئی ڈھے گئی اور یہ اپنی جان لینے کی ہمت خود میں جمع کرنا اسکے لیے سوہان روح عمل تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

" دونوں کے بارے میں مکمل جانچ ہو گئی ہے، ڈاکٹر آفندی کا کہنا ہے ان دونوں کی موت ایک ساتھ ہوئی ہے کوئی دس پندرہ منٹ کا فرق ہو گا۔ باقی کی تمام تفصیل دو دن بعد ملے گی" سادان، شاویز، کومل اور کرمان یہ سب کرمان کے کمرے میں تھے کیونکہ یہ باتیں وہ لوگ ابھی پبلک نہیں کر سکتے تھے۔

کرمان اور کومل بھی اس ساری صورت حال سے سکتے کی سی حالت میں تھے۔

کرمان تو باقاعدہ پریشانی سے اپنی کنپٹی سہلا رہے تھے اور سادان بھی چپ چاپ الجھن اور پریشانی مبتلا بیٹھا تھا۔

"یہ سارے معاملات مجھ پر زندگی تنگ کر رہے ہیں، اتنی الجھی اور بری حالت کبھی پہلے نہیں ہوئی جتنی اب ہے۔ نجانے یہ اذیت ناک سفر کب ختم ہوگا" سادان کا حوصلہ شکستہ تھا اور وہ تھکے انداز میں اپنے اندر کی ٹوٹ پھوٹ کی ترجمانی کر رہا تھا جس پر کرمان نے تسلی آمیز انداز میں اسکے کندھے پر ہاتھ جکڑا اور کومل اور شاویز بھی ویسی ہی اداسی میں مبتلا تھے۔

"حوصلہ کرو میرے بچے، یہ وقت بھی گزر جائے گا۔ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں اس لیے تم خود کو کمزور ہونے مت دو" اس وقت سادان کو کسی تسلی سے افادیت نہیں تھی، اسکا دل چاہ رہا تھا وہ کہیں روپوش ہو جائے۔ یہ مسلسل اذیت ناک سے لمحے اسے ذہنی دباو کا شکار کر چکے تھے، شاویز سے بہتر سادان کو کوئی نہیں سمجھتا تھا مگر اس وقت حالات ہی ایسے تھے کہ انکے پاس حوصلوں کی شدید قلت تھی۔

سادان نے اک سینے پر بھاری پتھر کی مانند سانس لیا اور شرٹ ٹھیک کرتا اٹھ کھڑا ہوا جس پر وہ تینوں بھی اٹھ گئے۔

میں کچھ دیر سونا چاہتا ہوں، صبح ملتا ہوں" سادان اس وقت ہر ایک سے بیزار اور خود سے بھی اکتایا ہوا تھا۔ کرمان اور شاویز نے بھی اسے فوری جانے کو بھیجا اور خود شاویز اور کومل بھی کرمان کو شب بخیر کہتے باہر آ گئے۔ سادان تو اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا مگر شاویز اور کومل ایک ساتھ ہی نکلے تھے اور پہلے شاویز کا کمرہ آنا تھا۔

آپ بھی آرام کریں، صبح ملتے ہیں" شاویز کو اسکے کمرے کے باہر کہتی ہوئی کومل مدھم سے مسکرائی تو شاویز نے بھی اداسی کے پیش نظر مسکرا کر رخ پلٹا مگر نا جانے کیا ہوا کہ وہ دوبارہ سے رخ پھیر گیا اور کومل جو اسے یک ٹک اندر جاتا دیکھ رہی تھی، جھینپ سی گئی اور دونوں کی نظریں ملتے ہی خود ساختہ سا جھک گئیں۔

اف کومل، پاگل ہوگئی ہے کیا۔ کوئی حال نہیں" تیز تیز ہانپتی ہوئی وہ خود کو" ڈپٹے انداز میں اپنی اس حرکت پر فوری منظر سے غائب ہوئی مگر شاویز اسکے یوں گہرائی سے اسے دیکھنے کو فراموش نہیں کر پایا تھا تبھی چہرے پر شدید سی سنجیدگی پھیلائے اپنے کمرے میں داخل ہوگیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سادان کمرے میں آیا تو اک سرسری سی نظر بیڈ پر بیٹھے بیٹھے نیم دراز ہوئی فلذہ پر ڈالی اور نظریں چراتا ہوا چینج کرنے چلا گیا۔

دس منٹ تک وہ گرے سوٹ میں ملبوس باہر نکلا تو نظر پھر سے فلذہ پر گئی جو آج سر پر چادر کیے بنا ہی بے جان سئ ڈھری ہوئی لیٹی تھی۔ اسکا ایک ہاتھ اسکی گال کے نیچے اور دوسرا سختی سے بند تھا۔

آج صبح ہی سادان نے خود سے عہد لیا تھا کہ وہ اسے نہ دیکھے گا اور نہ بات کرے گا مگر فلذہ کے چہرے پر رقم درد سادان کو مزید تکلیف دے رہا تھا اور وہ صاف صاف یوں تھی جیسے روتی روتی نیند میں چلی گئی تھی۔

سیاہ قمیص شلوار، جسکی قمیص پر سرخ دھاگے سے سرسری سی کڑھائی تھی۔اسکی گندھی ڈھیلی چوٹی جس میں سے آج جابجا اسکے سیاہ ملائم بال نکلے ہوئے تھے۔

وہ چہرہ جو سانولا ہو کر بھی سادان کو برا نہئں لگتا تھا، وہ درد میں تھی اور سادان ان کچھوے کی رفتار سے چلتے حالات پر کوئی قدرت نہیں رکھتا تھا کہ اپنی اور اس معصوم کی تکلیف ختم کرتا۔

وہ جو مرنے کے لیے خود کو تیار کرتی کرتی درد سے نیند سے جا ملی تھی، یک لخت یوں ہڑبڑائی جیسے اسے نیند سے کسی نے جنجھوڑ کر جگایا ہو۔

ساداں جو ٹاول پکڑے کب سے فلذہ کو دیکھ کر کرب زدہ تھا، اسکے یوں نڈھال ہو کر اٹھنے پر آہستگی سے اس تک آیا جو اسے قریب آنے پر مزید کانپ کر اٹھی اور یوں بھاگنے لگی جیسے ساداں اسے نقصان دینے والا ہو۔

فلذہ، کیا ہوا ہے تمہیں۔ مجھ سے کیوں ڈرتی ہو، میں تمہیں نقصان نہیں دے سکتا" آج وہ اسے سرخ ہوتی انگارہ آنکھوں سے دیکھ رہی تھی اور اپنی مٹھی کو لرزتی ہوئی جکڑ رہی تھی جو ساداں نے بھی محسوس کیا کہ اسکے ہاتھ میں کچھ ہے جسے وہ اب چھپا رہی ہے۔

آپ جائیں یہاں سے، مجھے اکیلا رہنا ہے" کچھ دیر ہی وہ ساداں کو دیکھ پائی" اور پھر نمی سی آنکھوں میں بھرے التجاء کیے بولی جس پر ساداں نے حیرت سے فلذہ کے اڑے تاثرات اور کربناک شکل دیکھ کر اسکا اور اپنا درمیانی فاصلہ ختم کیا تو وہ چہرہ فق کیے پھر سے اسے دیکھ رہی تھی اور وہ اسے نہیں اب اسکی بازو کو جکڑ چکا تھا جس پر فلذہ کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

کیا چھپا رہی ہو، کھولو ہاتھ۔ کیا پکڑ رکھا ہے" سادان اسکی ہر التجاء کو" غضبناک ہو کر رد کرتا اسکی جکڑی ہتھیلی کھول رہا تھا جسے وہ ہر ممکن کوشش کیے روتی ہوئی اسکے ہاتھ سے چھڑوا رہی تھی۔

چھوڑ دیں۔۔۔اللہ کا واسطہ چھوڑ دیں" فلذہ دردناک سا تڑپ اٹھی مگر" سادان کے چہرے اور گردن کی رگیں تو تب تنی جب وہ چھوٹی سی شیشی اب سادان کے ہاتھ میں تھی اور فلذہ مسلسل وہ لینے کی کوشش میں سسک رہی تھی۔

کیا ہے یہ؟ میں پوچھ رہا ہوں کیا ہے یہ اور تمہارے پاس یہ کیسے آئی"" شیشی اپنے ہاتھ میں جکڑے اب وہ سختی اور دکھ سے فلذہ سے پوچھ رہا تھا جسکا اب روتے روتے سانس تک اٹک چکا تھا۔

مجھے یہ دے دیں، مجھے مرنے دیں۔ وہ میرے بابا جان کو مار دیں گی۔ میں" تو ویسے بھی چند دن تک مر جاوں گی، پر میں بابا کی موت نہیں دیکھ سکتی۔

مجھے دے دیں یہ، مجھے دے دیں مجھے صبح سے پہلے مرنا ہے ورنہ میرے بابا

جان کو۔۔۔"سادان کی تو سمجھنے بوجھنے کی صلاحیت معاوف ہو کر رہ گئی اور اسے جھر جھری تو اس سامنے رو کر سرخ ہوتی فلذہ کو دیکھ کر آئی جو اسکے سامنے موت پانے کو گڑگڑا رہی تھی۔

یہ دلسوز اور دل چیرتا وقت بھی سادان کو دیکھنا باقی تھا، یہ اسکے دل کی روانی متاثر کر گیا تھا۔

وہ لڑکی جو موت کی تمنائی تھی، آج سادان کو ہلا گئی تھی۔

وہ کتنی ہی دیر پتھر کی مورت بنا ہوا اس اذیت سے خود کو نکالتا رہا مگر یہ تکلیف تو ان دونوں کے دہکتے وجودوں میں سراہیت کر گئی تھی۔

کمرے میں شیشی کے پٹخنے کی آواز گونجتی سنائی دی اور فلذہ نے سرخ ہوتی آنکھوں سے سادان کو دیکھا جو اب بمشکل اپنا غصہ ضبط کیے اسے برہمی سے دیکھ رہا تھا۔

تم آخر کیوں نہیں سمجھ رہی فلذہ کے یہ پاگل پن بھی تمہارے بابا کی جان" نہیں بچا سکتا، اپنی بیٹی کی موت سے وہ ویسے بھی مر جائیں گے۔اور خود کشی

کر کے تم بھی قبر کا عذاب سہو گی۔ کیا ہو گیا ہے، تھوڑی تو عقل سے کام لو" سادان رونکھا ہو کر سخت دلبرداشتہ ہو کر اسے دیکھتے بولا جو پھر سے سر جھکائے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگ گئی تھی۔

میں کیا کروں پھر، بابا کو مرتے ہوئے دیکھوں" فلذہ کی آواز میں ٹوٹے کانچ کی کھنک تھی اور سادان سے آج اسکا یہ دردناک رونا واقعی برداشت نہیں تھا۔

تمہارے بابا کی حفاظت بھی کروں گا، مجھ پر بھروسہ کرو۔ پرسوں تک کا" وقت دے دو" سادان چاہتا تھا آج پھر اسے اپنے سینے سے لگالے مگر وہ اسکے قریب آنے پر مزید رو دے گی بس یہی سوچ کر وہ اسے بس دیکھنے پر اکتفا کیے ہوئے دلخراشی زدہ تاسف سے بولا اور فلذہ کے دکھ میں کمی ہونا ناممکن تھی۔

میرا دل کہہ رہا ہے کچھ بہت برا ہونے والا ہے، میرے بابا تکلیف میں " ہیں۔ میں آپکو کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتی۔ بس مجھے اور میرے بابا کو

آپ سب معاف کر دیں۔ ہم یہاں سے بہت دور چلے جائیں گے" وہ جو سادان کے دیے کسی حوصلے پر سنبھل نہیں رہی تھی پھر سے التجاء کیے سادان کو دیکھ رہی تھی جو اسکے ان لفظوں کی تکلیف دل تک زخم دیتی محسوس کر رہا تھا۔

سادان نے ایک لمبا تھکا سانس خارج کیا اور اپنے اور اسکے بیچ کا رہا سہا فاصلہ ختم کیے اسکے چہرے کو ہاتھوں میں بھرے پر اسرار سا مہربان ہوا۔

وہ تو نظریں ہٹانا ہی بھول گئی تھی، یہ سوچے بنا کہ یہ کسی کا کام تمام کر رہی تھیں۔

مجھے بس تم اپنا محافظ سمجھو اس وقت، میں کسی مظلوم کو سزا ہونے نہیں" دوں گا فلذہ۔ میری بات پر اعتبار کرو پلیز، آج کے بعد ایسا کوئی بھی پاگل پن کرنے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ تمہاری یہ حرکت بہت کچھ تباہ کرے گی۔ تم حویلی کے ہر فرد سے دور رہو، یہاں جگہ جگہ بے رحمی پیوست ہے۔ کرو گی مجھ پر اعتبار؟" سادان اسکی آنکھوں میں جھانکتا ہوا اس قدر

جذباتیت اور اپنائیت سے فلذہ کو پرسکون کر گیا کہ وہ خود بھی رونا تھم جانے کے ساتھ ساتھ دل کے اندر اک تسلی اترنے پر حیرت میں غرق تھی۔

وہ اسے دیکھ رہی تھی جو اسکے بابا سے بھی زیادہ رحم دل تھا، وہ تو سب کو بری لگتی تھی پھر اس مہربان کو وہ کیوں تحفظ دے رہا تھا۔

یہ ساری باتیں فلذہ کے نازک دل پر الجھن زدہ بوجھ تھیں۔دل کہتا تھا یقین کر لے مگر دماغ نفی میں حمایت کرتا ہوا فلذہ کو تکلیف دے رہا تھا۔

میں تمہاری خاموشی سمجھتا ہوں، تم اپنے بابا کے سوا کسی پر اعتبار نہیں" کرتی ہو۔لیکن ابھی اس وقت حالات کا تقاضا ہے کہ تم مجھ پر میرے کہے الفاظ پر یقین رکھو۔ابھی میں تمہارے لیے غیر نہیں ہوں اس لیے مجھے لے کر خوفزدہ مت ہو"سادان کی ملائم سی باتیں فلذہ کے دل میں روشنی پھیلاتی جا رہی تھیں اور وہ بس سر کو جھکاتی ہوئی اثبات میں سر ہلا رہی تھی جس پر سادان کو بھی کچھ تسلی سی ہوئی۔

مگر وہ پھر سے رو رہی تھی، سادان نے اب بہت نرمی سے اسے خود کے ساتھ لگائے اسکو اس رونے سے روکا تھا اور آج ایک بار پھر فلذہ کو ایک ایسی پناہ ملی کے اسکا دل ٹھنڈک سے پر نور ہوا تھا۔

"رونا ہر مسئلے کا حل نہیں ہوتا، یہ معاملہ حل ہو تو میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاوں گا۔ وہاں تم اپنی تعلیم جاری کرنا اور میں منظور حسین کو بھی تم سے ملوا دوں گا۔ تم جانتی ہو جب تک یہ سچائی سامنے نہیں آتی تمہیں میری حفاظت میں ہی رہنا ہو گا۔ اب چپ کر جاو، اور آگے سے یوں ہمت مت ہارنا۔ تم نے کوئی گناہ نہیں کیا اس لیے تمہیں یوں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ کچھ اور نہیں تو کم از کم تم مجھے اپنا دوست سمجھ لو، جیسے کومل تمہارا خیال رکھتی ہے۔ سب برے نہیں ہوتے، سمجھ آئی بات" ہنوز اسے اپنے سینے سے لگائے وہ اس بے جان سے فلذہ کو کہتا رہا مگر وہ تو چپ چاپ سرخ ہوتی آنکھیں لیے سادان کی رحم دلی پر بھی دلخراش سی تھی۔

بولا کرو، یہ اشارے مجھے سمجھ نہیں آتے "زراسی مسکرائی نظر وہ فلذہ پر" جھکائے جان بوجھ کر مسکرایا جو سر ہلانے کے بجائے اب اسے دیکھتی ہوئی کچھ بولنے کی کوشش میں ہلکان تھی۔

جی "فلذہ اب خود ہی سادان کی بازووں سے نکلنے کو بے چین ہوئے سر" جھکائے جھجھک کر بولی جس پر سادان نے اسے خود سے الگ کر کے ایک پیاری نگاہ میں مرکوز کیا۔

اب تم سو جاو، اور فکر مت کرو۔ میں صبح ہوتے ہی چند آدمی تمہارے بابا" کی حفاظت پر لگوادوں گا۔ اب تم مجھے روتی مت دیکھائی دینا، پھر میرا دل بھی کرے گا کہ تھوڑا رولوں" سادان چاہتا تھا جب تک وہ اسکے ساتھ ہے، وہ اسے بہادر اور پر اعتماد بنادے اور اسی لیے وہ اسے اپنے تھوڑے قریب لایا تھا۔

یہ سب سادان اس وقت صرف مصالحت سے کر رہا تھا مگر پگلا یہ جانتا ہی نہیں تھا کہ یہ تو کوئی اور شے تھی۔ وہ شخص جو آج تک کسی عورت کے کسی

حسن سے متاثر نہ ہوا تھا، یہ سانولی سی پر کشش فلذہ کو بنا کسی جھجھک سینے سے لگا کر مطمئین تھا۔

کومل تک سے سادان نے ہمیشہ لمٹ میں رہ کر بات کی تھی، حالانکہ وہ اسکی اچھی دوست اور کزن تھی مگر سادان ایک حیادار مرد تھا جس کے لیے عورت ایک وجود نہیں بلکے اسکی طرح کی انسان تھی۔

آج تک اس نے اپنی کلاس فیلوز تک سے کام کے سوا بات نہ کی تھی اور وہ اکثر ہی انھیں بنا دیکھے ہی بات کرتا تھا۔ مگر یہ واحد فلذہ تھی جسکو دیکھ کر بات کرنا اسے عجب سا فرحت بخش احساس دیتا تھا اور وہ خود یہی چاہتا تھا کہ وہ بھی اسے دیکھا کرے۔

آج تو فلذہ نے اسے بارہا دیکھا تھا، اسکی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں متورم تھیں مگر اک ان کہا افسانہ تھا جو سادان کے دل نے چپکے سے پڑھ لیا تھا۔

وہ سادان حق جو اپنی حد سے باہر نہیں جاتا تھا، صرف فلذہ کے لیے اپنی باہیں تک کھول دیں۔

یہ بلاشبہ احساس اور ہمدردی سے پرے کی کوئی تیسری شے تھی۔
فلذہ اور وہ ایک دوسرے کو دو مختلف انداز لیے دیکھ رہے تھے۔وہ مسکرا رہا تھا اور سانولی مسکرانا چاہتی تھی۔

الجھنیں بھی اسے دیکھیں تو سلجھ جاتی ہیں"
"♡ ھائے وہ شخص! اپنی آنکھوں سے گرہ کھولتا ہے

شکریہ آپکا" فلذہ جو مدھم سے سکون میں اٹ کر مڑ گئی، اچانک گردن موڑے سادان کو دیکھتے بولی جس پر سادان کو اسکے اس انداز پر بھی پیار سا آیا۔
آداب، ویسے اگر ہم اللہ کے فضل و کرم سے دوست بن ہی گئے ہیں تو یہ تکلف بھی ختم کر دینا چاہیے" سادان اتنا میٹھا بھی ہو سکتا تھا، یہ تو فلذہ کی بجھتی سانس مزید بحال کر گیا تھا۔

وہ فلذہ جسکا اعتماد اسکے پیارے بابا نے ہمیشہ لازوال رکھا تھا، یوں لگا جیسے واپس لوٹ آیا ہے۔

وہ واپس گردن موڑے بنا سادان کی نظروں میں آئے مدھم سا مسکرائی جو اسکے دل کے سکون میں آنے کی ترجمانی کر گیا۔

خود سادان جو کچھ دیر پہلے عجیب ذہنی دباو میں تھا اب تو خود کو بہت ہلکا محسوس کیے صوفے پر جا بیٹھا اور مطمئین سے انداز میں دو تین کشن اکھٹے کر کے رکھتا اس پر لیٹ گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

آج تو سانولی بھی یک ٹک اپنے سر کے سائیں کی جانب متوجہ تھی جو واقعی بہت پیارا تھا۔

"جب تلک تیرا سہارا ہے مجھے

گہرا پانی بھی کنارا ہے مجھے

نہ بھی چمکے تو کوئی بات نہیں

تو تو ویسے ہی ستارہ ہے مجھے"

دونوں کے دل پر سکون تھے۔
وہ بھی سر تکیے پر رکھے غیر محسوس انداز میں بہت جلد نیند میں جا گزیں ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"میں بتا رہا ہوں وہ ہوتے کون ہیں میرے معاملات میں بولنے والے، بہت برا پیش آوں گا۔ کل سے لالہ نے میرے پیچھے اس منحوس عاقل کو لگا رکھا ہے۔ یہ نہ ہو وہ میرے ہاتھوں مر جائے اور پھر اسکی قبر بھی نہیں ملنی" تیمور کل سارا دن عاقل کی کڑی نگرانی کے باعث گھر سے نہیں نکل پایا تھا اور اب اسکا ماتھا اس دھونس پر تپا تھا جب وہ سلطانہ کے کمرے میں آکر ہتھے سے اکھڑ کر تلملاتے ہوئے دھاڑا جس پر سلطانہ نے برہم ہوتے

ہوئے اس چھٹانگ بھر کے بگھڑے بچے کو دیکھا اور اٹھ کر اس تک پہنچیں۔

"وہ تیرا بڑا بھائی ہے، اور تیرے بھلے کی سوچتا ہے۔ بس بہت ہو گئی آوارہ گردی اب اپنی پڑھائی کو سنجیدہ لے۔ یاور کا حال اپنے دماغ میں بٹھا لے تیمور، وہ غلطی کبھی مت کرنا جو اس نے کی ہے" ماں کا تو دل ابھی تک بیٹے کی جدائی پر سلگ رہا تھا مگر وہ اب تیمور کے باغی انداز پر مزید خوفزدہ تھیں۔ وہ تو اماں سائیں کی اس بات پر مزید بھڑک اٹھا تھا اور وحشت ناک ہوئے اپنے بالوں کو جکڑتا ہوا دھاڑا۔

"نہیں۔ میں اپنا بھلا خود اچھے سے جانتا ہوں۔ آپ اپنے اس مولوی بیٹے کو سمجھا دیں کے میرے معاملے میں ٹانگ نہ اڑائے۔ قسم کھا رہا ہوں اماں، اسکے بڑے ہونے کا لحاظ نہیں کروں گا" اس قدر بتمیز اولاد پر سلطانہ کا دل یہی چاہا کہ تھپڑوں سے اسکا منہ لال کر دیں مگر وہ چاہ کر بھی ایسی سخت نہ تھیں۔

مجھ سے پٹ مت جانا تیمور، یہ ایسا سفاک لہجہ تو کس کی سیکھ سے اپنا رہا"

ہے۔ بالکل یاور جیسا ہو رہا ہے تو، سادان بہت اچھا کر رہا ہے، اور وہی تیری

بے لگامی کو اب لگام ڈالے گا۔ بابا اور دادی تجھے بھی یاور جیسا بنا گئے ہیں"

سلطانہ اب کی بار برہم کم تھیں مگر انکے لہجے میں ان کہے سے لاتعداد دکھ

تھے جس پر تیمور نے حقارت سے گردن پھیری اور اسی لمحے بابا سائیں کو

اندر آتا دیکھ کر فوری انکی جانب لپکا۔

بابا سادان لالہ میری جاسوسی کر رہے ہیں، میرا گھر سے نکلنا بند ہو گیا"

ہے۔ آپ انکو سمجھا دیں کے مجھے تنگ نہ کریں" وہ جو ماں سے ناامید تھا

اب جبڑے بھینچ کر اندر آتے درمان سے بولا جس پر وہ تیمور کی اس بیتابی پر

اپنے ماتھے پر شکنیں ڈالے گھور چکا تھا۔

وہ ٹھیک کر رہا ہے، اپنی یہ آوارہ گردی ختم کر کے زمین کے کاروبار میں"

دل لگا۔ یا پھر ایسا نہ ہو کہ تجھے شہر بھیجنا پڑ جائے۔ غلطی کی گنجائش اب میں

کسی کو نہیں دے سکتا، تجھے بھی نہیں" یہ آج سورج شاید مغرب سے نکلا

تھا۔ درمان کی تڑختے ہوئے کہی اس بات پر تیمور کے ارمان کو پانی میں بہہ ہی گئے تھے البتہ سلطانہ بھی ورطہ حیرت میں ڈوب گئیں۔

شاید کہیں اندر سے اب درمان بھی خوفزدہ تھا کہ کہیں وہ اپنا دوسرا بیٹا بھی گنوانہ دے۔ جو بھی تھا، یاور انکا خون تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ یقیناً غلطی بھی یاور کی تھی۔

مگر اپنی جھوٹی آن کی خاطر یہ سارا ونی کا تماشا لگانے کے بعد اب خود یہ ماں بیٹا اپنی گردنیں پھنسوا بیٹھے تھے۔

پر بابا مجھے نہ پڑھنا ہے نہ کاروبار کرنا ہے" تیمور کی ہڈدھرم سی اس بات پر " درمان نے رخ پھیر کر ایک خون آشام نگاہ سلطانہ پر ڈالی جو سفر کرتی ہوئی تیمور پر پہنچی جو میسنی سی شکل بنائے کھڑا اب باباسائیں کے عتاب کو للکار رہا تھا۔

پھر کیا کرنا ہے، ذرا ارشاد فرما" بابا کا تیکھے برہم انداز میں استفہامیہ " نگاہوں سے دیکھنا تیمور کے چہرے پر ضرورت کا رنگ غالب کر چکا تھا۔

شادی" اب تو درمان حالت غش میں تیمور کے منہ سے برآمد ہوتے اس" انکشاف پر صدمے میں تھا اور سلطانہ کا رنگ تو فق ہو کر سفید ہو چکا تھا۔ بے غیرت، عمر دیکھ اپنی اور فرمائش دیکھ۔ آج یہ بکواس منہ سے نکالی" آگے سنی تو تیری ٹانگیں میں خود سیکوں گا۔ کل سے زمین کے معاملات سمجھ کیونکہ کل کو تجھے ہی یہ سب دیکھنا ہے۔ یہ تربیت کر رہی ہے تو ان کی سلطانہ، ایک اس خرافہ کے لیے مر گیا دوسرا اسکے پیروں میں گرا پڑا ہے اور اس کمینے کو ابھی سے بیوی چاہیے۔ لعنت ہو تم سب پر" کیا ستم ناک شخص تھا، اپنی ہی دی آزادی آج جب اپنے منہ کے سامنے آکر ناچی تھی تو بے دردی سے اس کا سارا الزام بھی اس بچاری سلطانہ پر جا لگا جو صدمے میں غرق بمشکل لڑکھڑاتی ہوئیں صوفے پر بیٹھیں۔

درمان کے کمرے سے واش روم کی سمت جاتے ہی تیمور پھنکارتا ہوا پیر پٹختے کمرے سے نکل گیا تھا۔

کئی آنسو سلطانہ کی آنکھوں میں اُمڈ رہے تھے۔

خدا گواہ تھا، انکی تربیت لعنت کے قابل نہیں تھی۔

وہ تو عالیہ کو اپنے جیسا صابر اور سادان کو اپنے جیسا رحم دل بناتی آئی تھیں۔

تیمور اور یاور کا مزاج ہمیشہ سے نوابی تھا اور دونوں کو آزادی اور لاڈ بھی عالیہ اور سادان سے کئی گنا زیادہ ملا تھا۔

مکافات عمل طے تھا ظالم جابر درمان حق، کیونکہ جو لوگ دوسروں کا سکون غارت کرتے ہیں وہ خود بھی سسک سسک کر ہی مرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"وہ زہر اگر میں پی لیتا دادی؟" انجیل بیگم جو لاٹھی ٹیکے صبح صبح حویلی کے لان میں کھڑی مالی کو سختی سے ہدایت کر رہی تھیں۔ سادان کے عین انکے کانوں میں آکر بولنے پر ہڑبڑا کر پلٹیں تو سادان کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی دیکھ کر خونخوار ہوئیں۔

صبح فجر کے وقت ہی سادان نے اپنے دو لوگ منظور حسین کی رکھوالی کے لیے تعینات کر دیے تھے جو اس سے مسلسل رابطے میں تھے جبکہ شاویز آج کرمان کے ساتھ انکے سکول گیا تھا۔

جبکہ عاقل کی ڈیوٹی آجکل تیمور کے پل پل کی خبر سادان کو کرنا تھی۔

آپ بول نہیں رہیں اب، ایسا کیوں نہیں کرتیں کہ مجھے ہی زہر دے دیں" ۔میں جو غلطی سے اس حویلی میں پیدا ہو گیا، اسکی سزا آپ اماں سائیں کے بعد اب مزید فلذہ کے علاوہ کس کس کو دیں گی۔ میں ہی آپکی الجھن کی وجہ ہوں تو مجھے ہی مار دیں، ویسے سادان مر تو گیا ہی ہے۔ آپ کا اور بابا سائیں کا یہ روپ دیکھ کر سادان مر گیا ہے" مسلسل ضبط سے سرخ ہوتی انجیل اب نظریں چرا رہی تھیں مگر سادان تو آج بہت تکلیف میں اٹا ہوا بولتا جا رہا تھا۔

سادان چاہتا تھا کہ وہ ان پتھروں کو جذباتی طور پر ہلا کر پگھلانے کی ایک آخری کوشش کرے مگر وہ تو چٹانیں تھیں۔ جنکے دل سیاہ اور ضمیر مردہ تھے۔

فلذہ کو اس حویلی سے نکال کر اسے طلاق دے، چھوڑ دوں گی تیری" جان۔ اور اسے اور اسکے باپ کی بھی جان بخشی کر دوں گی۔ وہ جتنا تیرے قریب رہے گی اتنا درد سہے گی۔ میری تجھ سے کوئی لڑائی نہیں سادان، بس میری راہ میں مت آ" جھکنا اور شرمندہ ہونا تو انجیل بیگم کی شیطانی طبعیت پر کبھی اترا ہی نہ تھا۔

وہ کس دھڑلے سے یہ کہہ رہی تھیں جیسے سادان تو انکا فوری حکم بجالائے گا۔

اک دلخراش سی مسکان شہزادے کے ہونٹوں پر چمکی اور وہ اس پتھر دل دادی کو دیکھتے ہوئے سنجیدہ ہوا۔

آپ مجھے اپنی راہ میں خود لائی ہیں دادی، فلذہ بھلے آپکی مرضی سے میری" زندگی میں آئی ہے پر وہ میری مرضی کے بنا نہ اس حویلی سے جائے گی نہ میری زندگی سے۔ بہت اچھا ہوا کہ میرا نکاح اس سے ہوا، ورنہ آپکا اور بابا

سائیں کا یہ چہرہ اور آپ دونوں کے اس گاوں پر ہوتے ظلم میں کیسے دیکھ پاتا" سادان کی آواز میں واقع سوز تھا، اور وہ ان سب پر شدید رنجیدہ تھا۔

انجیل بیگم کو تو پتنگے لگ گئے تھے، دل تو چاہا سادان کا گلا دبا دے مگر وہ اپنے خون کو نقصان نہیں دے سکتی تھی۔

سادان انکے چہرے کے اتھل پتھل ہوتے زوایے دکھ سے دیکھتا ہوا کچھ دور ہٹا۔

بہت پچھتائے گا، مجھ سے متھا لگا کے بہت پچھتائے گا۔ میں چاہوں تو اس" خرافہ کو دو سیکنڈ میں غائب کر سکتی ہوں۔ تُو کسی خوش فہمی میں مت رہ، تین دن دیتی ہوں۔ سوچ اس پر، چوتھے دن تجھے اس لڑکی کا نام و نشان بھی مل گیا تو میرا نام انجیل بیگم نہیں" یہ عورت تو صاف صاف سادان کو دھمکا کر لہراتی ہوئی غرور سے وہاں سے چلی گئی مگر سادان اب ضرور پریشانی میں مبتلا ہو کر اپنا ماتھا سہلانے لگ گیا تھا۔

جس کی حفاظت کا اس نے وعدہ لیا تھا وہ اب اس پر کوئی آنچ نہیں آنے دے سکتا تھا لہذا اب سادان کوئی مضبوط فیصلہ لینے کے متعلق سوچ رہا تھا۔

مجھے فلذہ کو لاہور بجھوانا ہوگا، شاویز کے والدین کے پاس فلذہ مکمل محفوظ رہے گی۔ہاں۔تب تک میں یہاں گاوں رہ کر منظور حسین کی حفاظت کے ساتھ دوسرے معاملات دیکھ لوں گا" دل میں ایک اور مضبوط فیصلہ لیتا ہوا سادان اپنی طرف سے عمدہ سوچ رہا تھا مگر ابھی وہ انجیل بیگم اور درمان حق کی درندگی سے مکمل واقف نہ تھا۔جو بھی تھا، بس اللہ اب سادان کا مددگار ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ ایک سنسان ساپرانے طرز کااکادکا قبروں سے مزین قبرستان تھاجہاں اردگرد حدنگاہ تک بس جھاڑیاں اور درخت تھے۔

دوپہر کاکڑاوقت تھا، گوموسم اب گرمی کوالوداع کہتاہواآہستہ آہستہ مرطوب ہونے کی سمت گامزن تھامگرآج دوپہر کے سورج نے کچھ اضافی تپش اوڑھ کر حدت حاوی کرر کھی تھی۔

یہاں موجود قبریں آپس کے کافی فاصلے پر موجود تھیں، کوئی لڑکھڑاتاسا بزرگ نماوجوداک قبر کے کنارے گھٹنوں کے بل بیٹھاتھااوراسکے سسکنے کی آوازیوں لگاہوک بن کراٹھی تھی۔

وہ نقاب پوش ساعام سے قمیص شلوار میں ملبوس آدمی تھاجس نے سرپر باندھے حجاب سے اپنامنہ ڈھک رکھاتھامگروہ آنکھیں۔

اف اسقدر دردناک سرخی سے اٹی آنکھیں اوران میں سیل رواں کی بھرمار تھی۔

قبر کی مٹی سخت تھی اور یوں لگتا تھا نہ ہی قبر تازہ ہے اور نہ ہی زیادہ پرانی ہے۔

قبر کی تختی کی جگہ بس اک پتھر نسب تھا اور قبر کی ڈھلوان پر اب وہ جھریوں والا ہاتھ پھول پھیلا رہا تھا۔

اپنے کلیجے کو زمین میں دفن دیکھنا اب بھی آتنا ہی کھٹن ہے، میں نے اپنے "جلتے سینے کی آگ بجھالی ہے پتر۔ تو اب سکون میں ہے ناں؟ اللہ تجھے سکون دیں اور تو جنت کا پھول بن جائے" کئی آنسو اس آدمی کی آنکھوں سے چھلک رہے تھے اور اسکی آواز میں اک کربناک ہوک تھی، اک جان سوز کپکپاہٹ تھی۔

ناجانے اس قبر میں کون تھا؟ یہ آدمی اس قبر میں دفن وجود کا کیا لگتا تھا۔

آنسو، کرب اور ہولنا کی بتا رہی تھی کہ اس قبر میں اس آدمی کا دل دفن تھا۔

وہ سسکتا ہوا اس قبر پر ہاتھ پھیر کر غم سے چور ہو کر اگلے ہی لمحے بلند آواز سے رونے لگا۔

اسقدر درد اور رنج کہ اسکی آواز دل کے ساتھ ساتھ روح تک دبوچ رہی تھی۔

" اپنے بابا کو معاف کر دینا پتر، تیری حفاظت نہیں کر سکا۔ پر تیرے مجرموں کو عبرتناک سزا دے دی ہے۔ خدا غرق کرے، کیڑے پڑیں ان سب کو۔ موت کے بعد بھی وہ دوزخ میں ہر پل جلیں جنھوں نے میرے سینے سے میرا دل نکال کر روند ڈالا۔ تیری قبر ٹھنڈی اور آسودہ رہے، اب میں مر بھی جاوں تو کوئی غم نہیں رہے گا" جھک کر وہ اپنی بہتی آنکھوں میں امڈتے درد کو اپنے اندر اتارے اب اس قبر کو بوسہ دیے پھر سے دردناک رویا تھا۔

اپنے دل پر ہاتھ سہلاتا وہ آدمی تکلیف کے اونچے عہدے پر فائز تھا، اپنی ضعیف ہتھیلی سے وہ اپنی آنکھیں رگڑتا اٹھا اور اک نظر اس قبر پر ڈالی۔

" یااللہ اسکی قبر پر اپنی رحمت نازل فرما، تیری چیز تھی تیرے حوالے کر دی تھی۔ اسکو اس قبر میں گاڑنے والے خود بھی جہنم واصل ہو گئے، اب تو

میری بھی جان لے لے مالک۔ تو جو بہتر سمجھے وہ کر دے" اب کی بار وہ آدمی سراپا باک تھا اور دل سے کربناک ہو کر سوچتا ہوا اپنے قدم موڑ گیا۔

وہ قبر جس میں دفن ہوا راز کوئی نہیں جانتا تھا، یوں لگا دھوپ یک دم بادلوں میں چھپ کر ابر رحمت بن گئی تھی۔

زیر زمین انصاف پہنچ گیا تھا، زمین آسودہ تھی۔

درندے اپنے انجام کو پہنچ چکے تھے۔ اس آدمی نے دوبارہ رخ پھیر کر نہ دیکھا اور یوں اک کہانی تھی جسکا چپکے سے انجام پہنچ آیا تھا۔

یہ کہانی جو بادشاہ وقت کو سنائی جانی تھی، مگر اپنے وقت پر۔۔۔۔۔۔ وقت اپنی رفتار بڑھانے والا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں، لیکن پھر بھی میں خفا ہونا چاہتا ہوں۔" آپکی آج تک کی خاموشی پر، آپکے اس خوف پر، اماں سائیں آپکا بیٹا ٹھیک نہیں ہے۔ میرے اندر بہت تکلیف ہے، میں ان روایات اور اصولوں سے چکنا چور ہو گیا ہوں" آج بہت دن بعد ساداں خود اماں سائیں کے پاس آیا تھا، وہ بھی اب پہلے کی طرح نہ کمرے سے زیادہ باہر آتی تھیں اور نہ ہی ساداں کو اپنے رنج زدہ سلسلے سے فرصت ملی کہ وہ ماں کو جا کر کچھ دکھ سناتا یا انکی تکلیف سنتا۔

وہ تو ہمیشہ سے سنتا آیا تھا، بچپن سے بابا سائیں کا اماں سائیں سے کھینچا اور اکتایا انداز شاید اس لیے کہ سلطانہ ان جیسی بے باک اور ظالم نہ تھیں۔ آج ساداں کا دل ان کہی سی تکلیف کی آماجگاہ بنا تو وہ انکی گود میں سر رکھے اپنی سرخ آنکھیں میں نمی کو چاہ کر بھی معدوم نہ کر پایا۔

فلذہ کے پاس بلقیس تھی جبکہ باقی ابھی تک حویلی نہیں لوٹے تھے۔

کئی آنسو اس ماں کی آنکھوں میں بھی تھے جو اپنے سب سے لاڈلے بچے کی تکلیف پر بے قابو ہو کر بہتے جا رہے تھے۔

"تُو ہی تو میرا حوصلہ ہے سادان، ورنہ میں تو کب کی مر کھپ گئی ہوتی۔ تیرا خفا ہونا بنتا ہے پتر، پر تجھے پتا ہے تیری اماں سائیں بزدل اور بے وقعت تھی اور وہی آج تک ہے" سلطانہ نے درد دیتے تاثر کے سنگ سادان کی پیشانی چومی تو وہ بھی رنجیدگی سے اپنی آنکھیں بھینچ گیا۔

"ہمت مت ہارنا" سادان کی بند آنکھیں دیکھ کر سلطانہ نے بھرائے انداز میں دکھ سے کہا تو سادان نے اپنی آنکھیں کھول کر اماں سائیں کو دیکھا تو تلخ ہوا۔

"ہار گیا تو، کون سدھارے گا یہ بگھاڑ۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ ان سب سے لڑوں، تیمور نے مجھے الگ پریشان کر دیا ہے۔ بابا سائیں اور دادی کے دل ہیں کہ پتھروں سی سختی سے بھی تجاوز کر گئے ہیں۔ اور فلذہ، جس سے اسکی حفاظت کا وعدہ کر بیٹھا ہوں۔ اکیلے میں جب بیٹھ کر سوچا تو لرز کر

رہ گیا ہوں، آپ دعا کریں" ماں تو اس بچے پر جان تک وارنے کا ارمان رکھتی تھی اور وہ دکھ سے اپنے دل کی شکستہ حالت روکھے پن سے بیان کرتا کرتا یک دم تاسف میں جا لپٹا۔

سلطانہ نے محبت سے بھری اداس نگاہیں سادان پر سایہ فگن کیے اسکے ماتھے پر ہاتھ پھیرے ڈھلکے سے بالوں کو سہلایا اور وہ تو سراپا منتظر تھا۔

میری ساری دعائیں تیرے ساتھ ہیں، اللہ تجھے سرخرو کرے۔ ہر طرف" سے کامرانی پاتا ہوا سرفراز ہو جا۔ پریشان مت ہو، سب خیر ہو گی" اب کی بار وہ بھی اماں سائیں کا ہاتھ پکڑے چومتا ہوا کچھ بہتر ہوا، شاید ماں کی دعا کا مل جانا بھی لگ جانے جتنا افضل ہوتا ہے تبھی سادان پرسکون سا پھر سے آنکھیں بند کر گیا۔

وہ بھی پیار سے سادان کے بالوں میں انگلیاں پھیر کر اسے کچھ دیر اس اذیت ناک دنیا سے نیند میں لے گئی تھیں۔ دن کے وقت وہ سوتا نہیں تھا

مگر ماں کی گود کی یہ عیاشی ملنا سادان کو اس وقت اپنی زندگی کا پر سکون لمحہ لگا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بہت اچھا سوچا تم نے، اماں سائیں کی دھمکی صرف دھمکی نہیں ہے۔فلذہ کی حفاظت اب مضبوط کرنی ہی ہو گی "آج وہ سب رات کو شاویز والے کمرے میں تھے جب سادان نے انکو اپنے فیصلے کا بتایا جس پر کرمان تو متفق تھے اور کومل اور شاویز بھی بلکل راضی بہ رضا سا، تاثر دے رہے تھے۔ بلکل، بابا اور امی کے پاس وہ بلکل محفوظ رہے گی۔اور کوئی اس تک پہنچ بھی نہیں پائے گا۔کب جانا ہے سادان "شاویز نے بھی سادان کے اس فیصلہ کو سراہا اور بے تابی سے اگلے لائحہ عمل کو دریافت کیا جس پر سادان نے ایک ایک نظر سبکو دیکھا۔

ان لاشوں کی رپورٹ آتے ہی اسی رات تم اور کومل اسے یہاں سے لے کر لاہور نکل جانا، میں یہیں رہ کر باقی کے معاملات دیکھوں گا۔ کومل تمہیں اس لیے بھیج رہا ہوں کہ وہ تم سے تھوڑی مانوس ہو گئی ہے اور مجھے بھی تسلی رہے گی ورنہ اسکا کوئی بھروسہ نہیں رو رو کر وہاں بھی ندیاں بہا دے گی "سادان نے اتنی فکر اور دلکشی کے سنگ فلذہ کا ذکر کیا کہ سامنے بیٹھے تینوں نفوس مدھم سی دلفریب مسکان میں لپٹے محسوس ہوئے جس پر سادان بھی تھوڑا کنفوز سا ہو گیا۔

آپ بے فکر رہیں، میری تو خوشی ہے کہ میں فلذہ کے ساتھ رہوں """ کومل نے پیار سے بھرے انداز میں اپنے دل کو بھی دھڑکتے پایا تھا۔

اسی بہانے وہ شاویز کے گھر جانے والی تھی اور یہ خوشی کومل کا روم روم مہکا گئی اور جسکا نوٹس شاویز نے کن اکھیوں سے بڑی تفصیل سے لیا تھا۔

اسے خود بھی کومل بہت نفیس اور اچھی لگتی تھی مگر یہ محبت اور عشق سے سنی کونپلوں کا پھوٹنا ابھی باقی تھا۔

بس پھر میری بھی کچھ ٹنشن کم ہو گی، باقی میں ابھی یہاں سے جا نہیں" سکتا۔ مجھے تیمور پر نظر رکھنی ہے اور ساتھ ساتھ منظور حسین کو دادی اور بابا سائیں کے عتاب سے بھی بچانا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں اپنے ہسپتال کا کام بھی شروع کروا دوں" چھوٹی سی نازک جان پر کتنا بوجھ تھا کہ ساداں کا فرحت بخش چہرہ اس اتنی لمبی ذمہ داریوں کی لسٹ بیان کرتے کرتے مرجھا سا گیا اور شاویز نے رشک سے لپٹے انداز میں اپنے اس ہیرے یار کو دیکھا۔

ماشاءاللہ، ضرور میرے بچے۔ اللہ کا نام لو پھر۔ وہ ہر قدم پر تمہارا حامی و" ناصر ہو گا" کرمان کو بھی بس فخر تھا، اس اپنے سے بڑھ کر عزیز ساداں پر جو واقعی بادشاہ وقت کے عہدے پر ایک دم پرفیکٹ پورا اترتا تھا

آمین، مجھے تجھ پر مان ہے ساداں۔ تیری دوستی پر اور تیرے ہر جی دار" فیصلے پر۔ اللہ حقیقت میں تیرا مددگار رہے، بس ہمت مت ہارنا۔ یہ جنگ تجھ اکیلے کی نہیں بلکے ہم سب کی ہے" شاویز جو سراپا عاجز اور محبت بنا ہوا بولا تھا،

ساداں کا تو حوصلہ پہاڑ کر گیا جبکہ اب بے پناہ رشک کومل نے بھی اس سنہرے وجود پر محسوس کیا جو اسکی زندگی کی ریاضت تھا۔جو اسکی محبت تھا۔

شہزادے"

مری بات سنو!

اِک لمحے کو یہ ساحر آنکھیں بند کرو

میں حرفِ صبا کی طرح جھک کر

اِن خاص گلابی ہونٹوں سے

اِک نظم چرانا چاہتی ہوں"سب کے بیچ بھی وہ پگلی شاویز پر دل و جان نثار کرتی ہوئی بے جان ہو رہی تھی اور اسکی آتشی نظروں کا فیض شاویز تک بخوبی پہنچ رہا تھا۔

وہ چاروں حق کی جنگ لڑنے کو اپنے پر تول چکے تھے،اور اللہ نیتوں کی اونچائی جان کر بلاشبہ ان سب کو سرخرو کرنے والا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"پہلے قسمت کو دعاوں کی طرف لانا ہے

پھر اک فیصلہ قسمت کی طرف لاوں گی

میرے چہرے کو عجلت میں ابھی دیکھتا ہے

دیکھنا اس کو میں فرصت کی طرف لاوں گی

اس کو معلوم کہاں میری طلسمی طاقت

جلد ہی اسکو محبت کی طرف لاوں گی

گورے لوگوں کی طرف اسکا جھکاو ہے زرا

پیار سے سانولی رنگت کی طرف لاوں گی"

مدھر سی خاموشی میں وہ اپنی میٹھی آواز کو ہر ممکنہ محدود رکھے کھلی کھڑکی سے جھانکتی ہوئی باہر کی تاریکی میں محو تھی۔

وہ آج سارا دن ہی چپ چاپ ساداں کو سوچتی رہی تھی، وہ انسان اسے کہیں سے انسان نہیں لگا تھا۔

کوئی اتنا نرم دل بھی ہوتا ہے، یہ تو فلذہ کا نازک دل سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

وہ جس نے فلذہ کی تکلیف میں ہر ممکنہ کمی کی کوشش کی تھی وہ اسکو نقصان نہیں دے سکتا تھا، محبت پیار اور عشق جیسی کوئی رمز فلذہ پر کبھی نہیں اتری تھی۔

بچپن سے بس بابا دیکھے، دنیا کا واحد مہربان مرد۔ باقی دنیا کاٹ کھانے والی دیکھی، جنکے منہ سے لال لپکتی اور آنکھوں سے وحشت پھوٹتی۔

مگر ساداں، وہ اسے مردوں کی فہرست مئں شامل نہیں کر پا رہی تھی۔

وہ تو سب تھا، کہیں کہئں اماں ہاجرہ جیسا۔ بہت سارا منظور حسین جیسا۔ اور ناجانے کس کس جیسا۔ یا شاید بس انہی دونوں جیسا۔

آج گہرے نیلے اور سفید نفیس سے لباس پر وہ چادر کے بجائے دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھی اور اسکی گندھی ڈھیلی چوٹی اسکی کمر پر ڈھلکی تھی۔

درمیان سے مانگ کے بجائے آج کومل نے ہی اسکی ایک طرفہ مانگ بنا کر تھوڑا پف بنا کر رول کیے پنز لگا کر ہیر اسٹائیل بنایا جو اسکی پیارے پرکشش سانولے چہرے پر کمال جچ رہا تھا۔

کومل بھی اسے پیاری لگتی تھی، اگر فلذہ کی کوئی بہن ہوتی تو اسے لگ رہا تھا وہ کومل جیسیٔ ہوتی۔

وہ اپنی سوچوں میں ایسی محو تھی کہ سادان جو بنا دستک دیے ہی اندر آ چکا تھا، سامنے کھڑکی سے باہر جھانکتی فلذہ کو دیکھ کر وہیں سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا ہوا۔

کوئی تنہائی میں کیسے وقت گزارتا ہے، شاید وہ یہی جاننا چاہتا تھا مگر وہ حساس تھی اور آہٹیں پہچان لیتی تھی۔

آج تو گہرے بھورے سوٹ پر کالی واسکٹ پہنے سادان کا سرخی مائل رنگ اور پرکشش بھرا اور قد آور سراپا بھی سحر انگیز تھا۔

اپنے سر پر سر کا سا آنچل ٹھیک سے خود کے گرد پھیلائے وہ رخ پھیر کر ساداں کو دیکھ رہی تھی اور وہ اسکا یوں بنا جھجھک خود کو دیکھنا سراہنے کو اب اس تک پہنچا تھا۔

دیکھ دیکھ کر ہی شہزادے کو اسیر کرنے والی تھی، ساداں اسے اپنے فیصلے کا بتانا چاہتا تھا پر اسکی آنکھیں راہ کی رکاوٹ کی مانند ساداں کے الفاظ پر حاوی ہو گئیں مگر وہ انھیں فوری جھکا بھی لیتی تھی۔

شاید جادو گر کو اپنے طلسم کا تھوڑا اندازہ ہوتا ہے، فلذہ کو بھی تھا۔ وہ اپنے اور اپنے بابا جان کے لیے اس دنیا کی خوبصورت لڑکی تھی۔

میں نے تمہارے لیے ایک فیصلہ لیا ہے، تم پرسوں رات یہاں سے " جا رہی ہو۔ کومل تمہارے ساتھ ہو گی اس لیے بلکل بھی مت گھبرانا۔

جہاں تم جا رہی ہو انھیں اپنے ماں باپ سمجھنا، اور ایک اور بات۔ ایک وعدہ پہلے کیا اور ایک اب کرتا ہوں کہ تمہارے بابا کو تم سے وہاں جلد ملوانے بھی لاؤں گا۔ تم وہاں کومل کے ساتھ رہنا اور اپنی رکی تعلیم شروع کر لینا،

جب یہاں کے تمام معاملات سلجھ جائیں گے پھر میں تمہیں واپس تمہارے گھر پہنچادوں گا" سادان کا لہجہ اتنا ملائم اور پاکیزہ تھا کہ فلذہ بھرے رنجور دل کے باوجود جھکے سر کو اثبات میں ہلا رہی تھی۔

شاید وہ سمجھ گئی تھی کہ اب اسکی زندگی کے ساتھ جو بھی ہو گا، وہ اس پر اختیار نہیں رکھتی ہے۔

سادان اسکے جھکے چہرے کے باوجود اسکی تکلیف جان گیا تھا اور یہ ادراک اسے اسکے دل نے کروایا تھا۔

کبھی بتا نہیں پائے تمہارے اشک ہمیں"

ہمارے ذمے محبت کا کیا نکلتا ہے____♡" سادان نے اسکی سمت دیکھ کر دل سے اک آہ بھری۔ درد کو محسوس کرنا وہ بخوبی جانتا تھا۔ خاص کر فلذہ کے درد کو۔

ایک اور بات، تم نے اس روز خود کو کالی کہا تھا۔"

آ و یہاں "فلذہ تو بس موم کی بن گئی، وہ جو جو کہتا وہ ماننے لگی اور وہ جیسا کہتا ویسا ہی کرنے لگی۔

تمہیں پتا ہے کالا رنگ تو بہت پیارا ہے، تم تو پھر بھی گندمی رنگت کی ہو۔" یہ منصوعی حسن اہم نہیں ہوتا فلذہ، اصل خوبصورتی انسان کے دل اور کردار کی ہے۔ وہ تم میں بہت ہے، بلاشبہ۔ اپنے اندر اپنی کسی کمی کو سرائیت مت ہونے دینا، تم جو ہو وہ اپنی جگہ حسین ہو۔ ہر کسی کو اللہ نے اسکے منفرد حسن کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ کبھی بھی غیر اعتماد ہو کر خود کو کم تر مت جاننا، یاد رکھنا کہ سیاہ و سفید کا مالک صرف اللہ ہے۔ جو تمہیں سانولا، کالا، اور ایسا سب کہتے تھے وہ یقیناً اللہ کی بنائی تخلیق میں کمی کا کہہ کر گناہ کرتے تھے۔ آج کے بعد تم خود کو بس فلذہ سمجھنا، نہ سانولی نہ کالی۔ بس اپنے بابا کا لجت جگر۔ ایک وعدہ اب تم بھی مجھ سے کرو" فلذہ کا دل چاہا ایک بار پھر سادان سے لپٹ جائے، یہ بندہ تو اسکے ہر دکھ کو خود میں جذب کرتا جا رہا تھا۔

اسے اپنی عادت بنا رہا تھا، روتی ہوئی بے آواز سیاہ آنکھیں آخری بات پر پھر سے اٹھ کر سادان پر جا ٹھہریں جو اسکے سامنے ہی بیڈ پر بیٹھا سراپا محبت بنا بیٹھا تھا۔

کونسا؟" فلذہ کی آواز کا اتار چڑھاو ظالم تھا اور سادان اسکا نازک سا ہاتھ " اپنے ہاتھوں میں لیے دلفریب سا مسکرایا تھا۔

یہی کہ اب کبھی مت رونا، اور حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا۔ اسکے علاوہ " کسی سے مت ڈرنا، ٹھیک ہے" سادان جانتا تھا وہ وہاں جا کر بھی کومل کے ہونے کے باوجود بہت روئے گی اور ممکن ہے سادان کو نا پا کر سہم بھی جاتی تبھی وہ اس سے وعدہ لے رہا تھا کہ خود کو فلذہ کی کمزوریٔ کے بجائے مضبوطی بنائے۔

سادان کی اس بات پر ان آنکھوں نے نمی سے فیض یاب ہو کر غمناک ہونے کا سامان بنایا تو سادان نے اب تھوڑا خفا ہو کر اسکے رونے کو دیکھا

جس پر وہ فوراً سے ہتھیلی سے آنکھیں رگڑتی ہوئی اپنے آنسو اپنے اندر اتار گئی۔

آپ یہ سب کیوں کر رہے ہیں"فلذہ صاحبہ! یہ کیسا سوال کر دیا آپ" نے، ابھی تو شہزادہ خود اسی کھوج میں غرق تھا۔

فلذہ کی منتظر آنکھیں سادان کو پھر سے الجھا رہی تھیں اور وہ لاجواب ہونے کے باوجود مدھم سا مسکرا دیا تھا۔

اسے کہو مری آنکھیں دھڑکنے لگتی ہیں"

اسے کہو کہ مرے سامنے ہنسا نہ کرے"دلوں کی رمز تو بے اختیار سانسوں تک چڑھے جا رہی تھی۔

کیونکہ تم میرے نکاح میں ہو اور میری ذمہ داری ہو۔ جب تک یہ نکاح" ہے میں اپنی ذمہ داری نبھانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا"سادان نے اپنی طرف سے تسلی بخش جواب دینے کی کوشش کی مگر اس سے نہ تسلی فلذہ کو ملی نہ خود سادان کو۔

تو مجھ سے دور چلا جائے گا، خدا نہ کرے"

خدا کرے تو بچھڑنے کا حوصلہ نہ کرے"آج دلوں نے تھوڑا ہی سہی مگر یک جان ہونے کا فیصلہ لے لیا تھا۔

اور بعد میں آپ مجھے بھول جائیں گے"فلذہ نے معصومیت سے ایک اور" سوال کر کے سادان کا دل روک دیا تھا۔

یہ تو سادان نے سوچا ہی نہیں تھا، کیا بھولنا اتنا آسان ہوتا ہے۔

شاید۔۔۔۔ لیکن نہیں۔ ہو بھی سکتا ہے۔

آپ کا بہت شکریہ، میں آپکو مزید زحمت نہیں دوں گی۔اس سب سے" نکلتے ہی آپکی زندگی کی یہ افراتفری جو میرے آنے سے ہوئی وہ بھی ختم ہو جائے گی۔ میں کسی پر بوجھ نہیں بنوں گی، آپ پر تو ہرگز نہیں۔ مجھے بس میرے بابا کے پاس پہنچادیں پھر مزید آپکو پریشان نہیں کروں گی"فلذہ کی یہ باتیں تھیں تو وہی جو طے تھا پر سادان کا دل ہلا گئی تھیں۔

کیا نکاح اتنی کمزور شے ہے، کہ جب چاہا کر لیا اور جب چاہا توڑ لیا۔ سادان کو اپنے دل میں درد سا، اٹھتا محسوس ہوا، فلذہ کی بات میں رنج تھا، اسکی آواز کی تکلیف جیسی ہم جنس تکلیف سادان کے اندر بھی جاگی تھی۔

کیا تم اس نکاح سے بھی آزادی چاہتی ہو؟" یہ سوال وہ تھا جو آج سادان " نادانستہ پوچھ بیٹھا اور فلذہ کتنی ہی دیر فیصلہ نہ کر پائی مگر پھر بے جان سے انداز میں سر جھکا گئی۔

آف کورس، میں بھی کیسے الٹے سوال پوچھ رہا ہوں۔ خیر تمہیں مکمل " آزادی ملے گی لہذا اداس مت ہو۔ اب تم سو جاو، ابھی بھی تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ میں بھی سوتا ہوں" سادان خود نہیں چاہتا تھا کہ وہ اسے اسکا جواب دے تبھی نظریں چراتا ہوا اسے آرام کا کہہ کر خود بھی صوفے پر جا لیٹا اور لیٹتے ہی سادان نے کروٹ لی اور خود کو شدید ڈپٹا۔

کیا بول گیا ہے سادان، ظاہر ہے اس سب کے بعد وہ اس ونی کے فیصلے " سے آزادی کا حق رکھتی ہے۔ اپنے دماغ کو لائن پے رکھا کر خدا کے لیے "

سادان کا دل پوری رفتار سے اپنی اس عجیب دل دہلاتی حالت پر دھڑک رہا تھا اور بیڈ پر تکیے کو درست کر کے اس پر سر ٹیک کرٹانگیں سمیٹتی فلذہ کی آنکھ میں اب ایک نہیں۔بے شمار آنسوؤں کی نمی تھی۔

مسیحا ملا اسکی خوشی تو تھی، مسیحا کھو جائے گا آج فلذہ کو اس بات پر سخت تکلیف محسوس ہوئی تھی۔

دلوں کی حالت اللہ بہتر جانتا ہے پر نکاح دلوں کی کشش ثقل ہے اور کہیں نہ کہیں اسکا اثر فلذہ اور سادان دونوں پر حاوی ہو رہا تھا۔

دل کی دہلیز_پر قدم رکھ دو"

سارے رستے فقط تمہارے ہیں_"دل مرضی کے تابع نہیں جناب، یہ تو بے خود اور بے اختیار شے ہے۔اور ان دونوں کو دیکھ کر یوں لگا جیسے بڑی بے قرار شے ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چل ملا کال اپنے باپ کو، اور ایک بات یاد رکھنا عالیہ۔ انکار وہ کرے گا اور" تکلیف تُو سہے گی۔ اتنا بڑا زمین دار اپنی اکلوتی لاڈلی کو ایک زمین کا ٹکڑا دینے سے انکار کر دے تو لعنت ہے ایسے کمینے باپ پر" عالیہ کا ہاتھ بے دردی سے کھینچے وہ ہتک آمیزی کے سنگ اسے وارن کر رہا تھا جو اس کے ان زہریلے الفاظوں سے زمین میں گڑھ رہی تھی۔

درد دیتے تاثر کے سنگ وہ تبریز کی آزاردہی نگاہیں بھانپ کر اپنی نم ہوتی آنکھیں رگڑتی ہوئی فون ملانے لگ گئی تھی۔

تبریز نے اسے ڈریسنگ کے ساتھ لگا رکھا تھا اور وہ بمشکل فاصلہ بنائے سخت بے جان تھی۔

صبح کے آٹھ بجے تھے اور اس وقت درمان ڈیڑے پر کچھ اپنے جیسے کھوکھلے معززین کے ساتھ بیٹھا زمینوں کے معاملات پر ہی غور و فکر کر رہا تھا جب اسکا ٹیبل پر رکھا فون بجا۔

صبح صبح تبریز کا نمبر دیکھ کر درمان نے خشونت بھری نگاہ سے مغرورانہ انداز میں ٹیبل سے فون اٹھایا اور اٹھ کر کچھ فاصلے پر آکر کال ریسیو کی اور کان سے لگایا۔

اسلام وعلیکم باباسائیں، کیسے ہیں آپ اور باقی سب کیسے ہیں"فون لگتے ہی عالیہ کی آواز سن کر درمان کے چہرے کی سختی کچھ معدوم ہو چکی تھی۔یہ قدرتی تھا کہ عالیہ اسکو اس لیے بھی عزیز تھی کہ آج تک اس نے انکا کوئی فیصلہ نہیں ٹالا تھا۔

دوسری طرف تبریز کی خمار آلود نگاہیں پتھر کی طرح عالیہ کے ہوش ربا مگر سہمے چہرے پر جمی تھیں۔

وعلیکم السلام،اچھا ہوں اور باقی بھی۔خیریت ہے؟ صبح صبح فون کیا""

درمان کا لہجہ کچھ اکتاہٹ سے لبریز سا ہو کر استفہامیہ ہوا جس پر عالیہ نے شاکی نگاہ سے تبریز کو دیکھا جو اسے بات کرنے کا اشارہ کر رہا تھا اور وہ تھی کہ دعا کر رہی تھی یہیں اسکی سانس جسم سے جدا ہو جائے۔

جی بابا سائیں، وہ آپ سے کچھ بات کرنی ہے" عالیہ کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ آخر وہ کس طرح بات کرے اور دوسری طرف درمان کی چھٹی حس انھیں تبریز کی نئی شیطانی خصلت زدہ فرمائش کا اشارہ دے رہی تھی۔

وہ جو اڑتی چڑیا کے پر گن لیتا تھا، فون کے پار بھی سہمی سی عالیہ کا ادراک کر چکا تھا۔

"تبریز کو فون دے عالیہ" درمان نے تیوری چڑھائے یہ کہہ کر عالیہ کو بھی صدمے میں غرق کیا جبکہ عالیہ نے کانپتے ہاتھوں سے فون تبریز کو دیا جس پر وہ غضبناک ہو کر عالیہ کو دیکھتا ہوا فون لے کر جھجکتے ہوئے کان سے لگا چکا تھا۔

"جو کہنا ہے اور مانگنا ہے وہ مجھ سے کہنے کی ہمت رکھ تبریز، پہلے بھی تجھے سمجھایا تھا کہ ان معاملات میں عالیہ کو مت گھسیٹا کر۔ ایسا نہ ہو تجھے درمان حق کے جلال کا نظارہ کروانا پڑھ جائے، ڈیرے پر پہنچ۔ بات کرتا ہوں" سخت تلخی اور غصیل برہمی سے وہ تڑختے ہوئے اپنی ترنگ میں ایک ایک

لفظ سے تبریز کے اعصاب پر بجلی گرانے کے بعد رابطہ منقطع کر گیا اور تبریز جسکی آنکھوں میں خون سا اتر آیا تھا اب اپنی پوری شدت سے دھاڑا تھا۔

عالیہ تو سہمی ہوئی اگلے عذاب کے نازل ہونے کے لمحے گن رہی تھی مگر تبریز نے اسے بالوں سے گھسیٹ کر بیڈ پر جا پٹخا اور اپنی پھٹ پڑنے والی کن پٹی سہلاتا ہوا تلملاتا ہوا پھر سے روتی ہوئی عالیہ کو کھا جانے والے انداز سے گھورا۔

اگر تیرے باپ نے مجھے بلا کر بے عزت کیا، تو تیری جان میں خود لوں گا" عالیہ۔ منحوس ماری، بولا نہیں گیا تجھ سے۔ دل چاہتا ہے تیرا خون پی جاوں" تبریز کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ اس معصوم سی بے جان عالیہ کا گلا گھونٹ دیتا اور وہ تو بنا جرم ہی پستی آرہی تھی اور آگے بھی اسکے ساتھ یہی ہونا تھا۔

وہ جو دھاڑ کر اب جلبلاتا ہوا باہر نکل گیا تھا، عالیہ کے کربناک آنسو رواں کر گیا۔

وہ پھوٹ پھوٹ کر اپنے نصیب کو لگے اس گرہن پر شدید رو پڑی تھی۔
اسکا سرخی مائل سفید چہرہ تو رہتا ہی متورم اور آنکھوں کے گوشوں کی محسوس کن سرخی اب دل دہلا رہی تھی۔ ناجانے عالیہ کے ساتھ اب کیا کیا ہونا باقی تھا مگر تبریز جیسے وحشی کچھ بھی کر گزرنے والے ہوتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"سائیں ابھی تیمور چوہدری کسی سے فون پر بات کر رہے تھے کہ رات دس بجے وہ پہنچ جائیں گے اور مال وہاں پہلے سے موجود ہونا چاہیے" سادان جو چینج کیے ابھی باہر نکل کر ڈریسنگ کے سامنے کھڑا اپنے آدھے گیلے اور خشک بالوں میں برش کر رہا تھا، عاقل کی کال پر فوری فون کان سے لگا گیا

مگر یہ خبر ملتے ہی سادان کی رگوں میں شرارے دوڑے اور غصے سے اسکی کنپٹی تن گئی تھی۔

فلذہ سامنے ہی صوفے پر سر رکھے ہاتھ میں پتا نہیں کونسی کتاب لیے بیٹھی تھی پر جو بھی تھا محترمہ اس میں پورے انہماک سے پیوست تھیں۔

"ہمم، تم مجھے بس تیمور کے نکلنے کی اطلاع دینا۔ آج اس کی طبعیت تو میں خود صاف کرتا ہوں۔ کمینہ خبیث کہیں کا" سادان کو اسقدر غصے اور عتاب سے تپے چہرے پر سرخی ضبط کرتا دیکھ کر فلذہ نے بھی یک لخت گردن اٹھا کر حیرت سے سادان کو دیکھا جو غصے میں بہت خوفناک حد تک دہک رہا تھا۔

"جی سائیں میں آپکو بتادوں گا" عاقل جو آج کچھ خفیہ طریقے سے تیمور کے ارد گرد کے بجائے چھپ کر اس پر نظر رکھے ہوئے تھا تبھی تیمور کو بھی لگا تھا کہ عاقل سے جان چھوٹ گئی تھی۔

وہ کمینہ آج اس رمشہ نامی لڑکی کو بے آبرو کرنے کا ارادہ بنا چکا تھا اور اسکے دونوں یار اسکے لیے رمشہ کو جنگل کے ایک خفیہ علاقے تک لانے والے تھے۔

عاقل جو سمجھ گیا تھا کہ تیمور کو اسکی نگرانی کا علم ہو گیا ہے، وہ اب اس سے کچھ فاصلے پر رہ کر اسکی اُس گھناونی منصوبہ بندی کو جان گیا اور فوری سادان کو خبر دی۔

ابھی پچھلا انتشار کم نہیں ہوتا تھا کہ سادان کی تکلیف بڑھانے کو نیا فساد سر اٹھالیتا تھا۔

فلذہ پھر سے اپنے کام میں غرق ہو کر اب بھی کن اکھیوں سے سادان کو دیکھ رہی تھی جو آج آسمانی سوٹ میں مزید حسین دیکھائی دے رہا تھا، آج واسکٹ کے بجائے اس نے گرے چادر کندھوں پر پھیلا کر ایک کنارہ کندھے پر ڈال رکھا تھا۔

پاؤں میں عمدہ کھدی ہوئی چمڑے کی چپل، کلائی پر بندھی گھڑی اور قمیص کے کف تھوڑے سے فولڈ جن سے اسکی رواں دار بالوں والی بازو بھی دیکھائی دے رہی تھیں۔

بال نفاست سے جمائے تھے پھر بھی کمال سحر انگیز انداز میں شہزادے کی پیشانی پر ڈھلک کر آفت مچا رہے تھے۔

چہرے پر مدھم سی بڑھی شیو جسے وہ کبھی کلین کر لیتا اور کبھی بڑھا کر مزید بجلی گرانے کا سامان کر لیتا تھا۔ سفید صورت، سرخی مائل کشش۔ وہ آنکھیں شاید گرے یا ہلکی نیلی تھیں مگر کبھی کبھی یوں لگتا سبز رنگ اوڑھ گئی ہیں۔ میٹھے نین نقش جیسے حسن کی ایک جگہ فراوانی ہو گئی ہو، پھر بھی حیرت کہ اتنا حسین ہونے کے باوجود چوہدری سادان حق میں رتی برابر غرور نہ تھا۔

فلذہ آج بہت غور سے سادان کا جائزہ لے رہی تھی، پھر خود ہی اداس ہو کر نظریں جھکا گئی۔

ساداں جواب فون رکھے بال سیٹ کرنے کے بعد خود پر بہت ہلکا سا کلون لگائے فون جیب میں رکھے مڑا تو نظر فلذہ پر جا کر اٹک گئی۔

رات وہ سو نہیں پایا تھا، اک عجیب سی بے چینی تھی۔ آج کا دن تھا پھر فلذہ یہاں سے جانے والی تھی اور یہ خود ساداں کا فیصلہ تھا پھر بھی اسے بے قرار کر رہا تھا۔

ہمارے ساتھ حادثہ بھی دفعتا" نہیں ہوا"

جو ہاتھ میں نصیب کی لکیر ہے، اخیر ہے" دل کا تو اپنا ہی سوز تھا، وہ اپنے ہی رنج میں مبتلا دہائیوں پر لگا تھا۔

سفید کڑھائی دار تنگ ٹراوزا اور سرخ اور گلابی قمیص، سر پر آج پھر سے چادر لپیٹے وہ خود کو مکمل اس اردو کی کتاب میں غرق کیے ہوئے تھی۔

صوفے کی ہینڈل پر کشن رکھے پاؤں اوپر کر کے گھٹنے کھڑے کیے وہ ان پر کتاب رکھے پڑھ رہی تھی جب ساداں نے دھیمے سے انداز میں اس تک پہنچ کر اس سے کتاب لی تو فلذہ نے چہرہ اٹھا کر اداسی سے ساداں کو دیکھا۔

"ویسے ممکن نہ تھا، سو آئنہ لے کر اک روز

اس کے چہرے کو چھوا ایک کرن سے میں نے"

ھائے یہ قریب ہو کے بھی دوری پے مائل حالات، تو پھر آنکھیں ہی لمس کی پیاس بجھانے کا کام کر رہی تھیں۔

گو اسے دیکھنے کے لیے نظروں کا حسین اور پاکیزہ ہونا اشد ضروری تھا اور تبھی فلذہ اسے ابھی سے یوں دیکھتی تھی جیسے صدیوں سے ان دونوں کی نگاہیں غائبانہ ہم کلام رہی تھیں۔

کیا پڑھ رہی ہو" سادان نے خوشگوار سے انداز میں کتاب کھولی تو اسے واقع شدید صدمہ ہوا۔ وہ کوئی ٹوٹکوں والی اور ریسپی بک تھی جو پتا نہیں اسے کہاں سے ملی اور محترمہ کافی دیر سے اس سے چپکی تھیں۔

سادان کو تو لگا شاید کوئی کورس کی کتاب ہے یا پھر عموما اسکی عمر کی لڑکیاں جو رسالے ڈائجسٹ پڑھتی ہیں۔

سادان نے حیرت سے فلذہ کو دیکھا جو پھر سے سر جھکائے اب ٹانگیں سمیٹ کر صوفے سے اتار کر بیٹھی اپنے ہاتھ مسل رہی تھی جب سادان ویسے ہی کتاب میں انگلی دبائے مدھم سی آفت خیز مسکان کے سنگ اسکے ساتھ بیٹھا۔

فلذہ تو کرنٹ کھائے کچھ دور ہٹی مگر آگے صوفے کا اختتام تھا اور اسے یوں گھبراہٹ کے سبب سرخ ہوتا دیکھ کر خود ہی سادان نے بیچ میں کچھ فاصلہ بنایا تو فلذہ کی لگا جان میں جان لوٹی ہے۔

یہ وہاں پڑی تھی، میرے پاس کچھ کرنے کو نہیں تو اسے اٹھالیا۔اگر آپ" اجازت دیں تو میں حویلی کی صفائی کر دوں، میں گھر بھی سارا کام کرتی تھی اور میں بلکل نہیں تھکوں گی"فلذہ نے بھولے پن کے سنگ سامنے ریک پر رکھی بے شمار کتابوں کی سمت اشارہ کیااور اگلی بات پر وہ اسکی سمت سر سری سا دیکھتے بولی مگر سادان ضرور اس عجیب و غریب لڑکی پر اب سخت الجھن زدہ ہوا۔

کتنی ہی دیر سادان اسکے معیار کے لفظ ہی تلاشتا رہ گیا،ابھی اتنے سے سانولے حسن پر وہ قیامت کی طرح سادان پر قہر ڈھا رہی تھی پھر اگر وہ اسکی طرح گوری ہوتی تو سادان کو تو اپنی حالت سوچ کر ہی جھر جھری آئی۔

لوگ فراغت ڈھونڈنے کے بہانے تلاشتے ہیں اور ایک یہ موصوفہ تھیں کہ پوری دیو ہیکل حویلی کی صفائی کی اجازت طلب کر کے ساتھ نہ تھکنے کی گرانٹی بھی دے رہی تھیں۔

تم کتنی عجیب ہو فلذہ، جن لوگوں نے تمہارا حال برا کر دیا انہی کی ملازمہ" بننے کا شوق چڑھا ہے تمہیں۔ یا اللہ مجھے صبر دیں۔ چلو اتنا ہی صفائی کا جنون آرہا تو یہ میرا کمرہ ہے، اسے چمکاتی رہا کرو۔ خوش" سادان نے غش کھاتے انداز میں رخ فلذہ کی سمت کر کے اس قدر جھنجھلا کر کہا کہ فلذہ تو پھٹی آنکھوں سے اپنا چہرہ مرجھا کر رہ گئی مگر پھر سادان کی مسکرا کر دی گئی اگلی آفر پر فلذہ صاحبہ نے پھر سے سر کو خم کر دیا۔

یہ تو پہلے ہی صاف ہے" نئی الجھن سامنے رکھی گئی، فلذہ کی بے بسی پر" سادان کو دلفریب سا احساس جاگا۔

ساری دنیا کو سانولی لگنے والے اسے کیوں عزیز ہو رہی تھی، وہ رات سے خود کو اس سوال سے باندھ باندھ کر تھک چکا تھا۔

پھر کر دو نا، تمہاری فراغت ختم ہو جائے گی۔ ویسے بھی بس آج اور کل کا" دن ہے۔ پھر تم خود ہی بزی ہو جاو گی اور تمہارے پاس میرے اس غریب خانے اور مجھ مسکین کو یاد کرنے کا وقت بھی نہیں ہو گا" اف جیلسی، شہزادہ

کیا کر رہا تھا یہ اسے خود بھی علم نہ تھا۔ شاید وہ ابھی سے فلذہ کی غیر موجودگی کو محسوس کر بیٹھا تھا اور فلذہ یہ سن کر اب یک ٹک ساداں کی سمت رخ پھیرے دیکھ رہی تھی۔

آپ کو نہیں بھول سکتی، میں خود پر رحم کرنے والے کو نہیں بھولتی۔ آپ" بھول جایئے گا" فلذہ نے بنا آنکھ جھپکے ساداں کو یہ کہہ کر ڈھر کا ہی تو دیا تھا، کیا بھولنا اتنا آسان ہوتا ہے۔

یہ چند دن اسے اپنے قریب فلذہ کو دیکھنے کی جو عادت ہو گئی تھی، ممکن تھا کہ شہزادے کو بے چین کرنے والی تھی۔

ساداں نے خود ہی اُس سے نظریں چرالیں اور فلذہ بھی رکھائی سے پھر سے گردن جھکائے خاموش سی ہو گئی۔ ساداں نے پھر سے رخ پھیر کر فلذہ کو دیکھا اور دل نے کہا کہ بس دیکھنا ہی حسین ہے۔

رحم کرنے والی ذات صرف اللہ کی ہے، میں بس وسیلہ تھا" مدھر سی سنجیدگی میں سادان نے اپنی بات فلذہ تک پہنچائی تو نا جانے وہ کملی پھر سے اپنی آنکھیں تر ہوتی محسوس کر رہی تھی۔

" آپ بہت اچھے ہیں، پر میں تو نہ اچھی ہوں، نہ پیاری نہ آپکے رحم کے لائق " بنا نظریں اٹھائے فلذہ کی زبان سے لفظ گرے اور یک لخت سادان نے نظر اٹھا کر فلذہ کی یہ بات سنی۔ دل نے سرگوشی کی جسے سادان نے ان سنا کیا، یہ کیا ہو رہا تھا سادان کو۔

فلذہ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو سادان کی آنکھیں سوالیہ نشان جیسے اسکے اندر اتر رہی تھیں۔ اب کی بار دونوں نے ایک سی سبک رو گھبراہٹ سے آنکھیں چرائی تھیں۔

" اسکا جواب رات کو دوں گا۔ ابھی مجھے جانا ہے، آرام کرنا اور صفائی ستھرائی کی قطعاً ضرورت نہیں۔ تم یہاں نہ حویلی کی ملازمہ ہو نہ میری "

شاید اسکا جواب ڈھونڈنے کے لیے سادان کو وقت درکار تھا اور وہ اٹھ کر

اسے کہتا ہوا مڑا مگر دروازے تک پہنچ کر سادان نے غیر دانستہ طور پر گردن موڑی جہاں فلذہ صوفے پر رکھی کتاب دوبارہ اٹھا رہی تھی۔

کون کہتا ہے تم پیاری نہیں، کس نے کہا اچھی نہیں۔اور کہاں لکھا ہے کہ " میرے رحم کے قابل نہیں۔یا اللہ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے، مجھے میرے فیصلے پر ثابت قدم رکھیے۔اس معاملے میں مجھے مت آزمائیے، میں تھک گیا ہوں" نظریں ہڑبڑاہٹ میں ہٹائے وہ بجلی کی رفتار سے باہر نکلا اور بند دروازے سے ٹیک لگائے سخت جھنجھلاہٹ زدہ ہوئے دل میں سوچنے لگا۔مشکل پیش آ رہی تھی، فلذہ کو بھی اور شہزادے کو بھی۔

کیا دل بدل رہے تھے، نکاح کی تاثیر، رحم اور مہربانی سے مل کر چاہت کا لبادہ اوڑھنے کو پر تول رہی تھی۔سادان کا دل کانپ اٹھا اور وہ اسی پریشان سی الجھن میں وہاں سے بھی فرار ہو گیا۔

محبّت میں کبھی دورائے کا امکان نہیں ہوتا"

یہ ہوتی ہے تو ہوتی ہے،
نہیں ہوتی تو جتنا بھی جتن کر لو،نہیں ہوتی
کوئی اچھا اگر لگ جائے تو سب خامیاں اُسکی
اچانک،خوبیوں کی اوڑھنی میں چُھپ سی جاتی
ہیں
زمانہ لاکھ سمجھائے سنبھل جاؤ،وہ ایسا ہے وہ
ویسا ہے
سمجھ میں کچھ نہیں آتا
سماعت اور بصارت کو،سُجھائی کچھ نہیں دیتا
سمجھ آتا ہے اُس لمحے کہ جب دامن میں لاکھوں
چھید ہو جائیں
کبوتر کے پروں کے ساتھ لپٹے،سب عیاں جب
بھید ہو جائیں
محبّت میں کبھی دورائے کا امکاں نہیں ہوتا
یہ ہوتی ہے تو ہوتی ہے

"نہیں ہوتی تو جتنا بھی جتن کر لو،نہیں ہوتی !!...

یہ حقیقت آج مکمل طور پر آسمان سے اتر کر شہزادے کا دل ہلا گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شاویز اور سادان کا پلین آج یونہی باہر نکلنے کا تھا مگر سادان تو اکیلا ہی حویلی سے باہر نکل گیا تھا اور شاویز کو اس نے کال کر دی تھی جو ابھی نہا کر تازہ دم ہوئے نکلا تھا اور سادان کی بتائی جگہ پر جانے کے لیے نکلنے لگا تھا۔

وائٹ شرٹ اور بلیک پینٹ میں محترم حسین معلوم ہو رہے تھے۔ لگتا تھا آج دونوں آفت خیز شہزادوں نے گاوں کی پریاں اور چڑیلیں خود پر عاشق کرنی تھیں۔ شاویز موذن کا بیٹا اور خود حافظ قرآن تھا مگر اسکے لیے لباس کا نقطہ اپنی پسند کا معاملہ تھا۔

پتلون شرٹ میں بھی ایک مسلمان ملبوس ہو سکتا تھا اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ آپ خود کو ڈھانپنے والا مکمل لباس پہنیں نا کہ صرف قمیص شلوار کا ہی انتخاب کریں۔ یہ سوچنے کی بات تھی کہ ہم لوگوں نے ایک مسلمان کو صرف داڑھی اور قمیص شلوار تک محدود کر دیا ہے، البتہ اسی خلیے میں کئی شیطان بھی سر عام گھومتے ہیں۔

شاویز بھی ایسی ہی سوچ رکھتا تھا، ایک مسلمان ہونے کے لیے جو چیز اہم ہے وہ اللہ کی ذات پر کامل ایمان اور اسکے پیغمبر حضرت مُحمَّد ﷺ کے نبی آخر زماں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ دل میں حسن اخلاق، آنکھ میں حیا اور ہر زندگی کے معاملے میں بہترین اور حق سے مزین فیصلہ لینے کی ہمت کے ساتھ کردار کا مضبوط ہونا اہم ہے۔ نام اور شکل کے مسلمان سے بہتر ہے، دل و دماغ اور کردار کا مسلمان بنا جائے۔

اور جب مسلمان بن جایا جائے پھر سنتوں پر محبت سے عمل کیا جائے، جو شاویز بارہا کرتا بھی تھا۔

وہ بلاشبہ ایک پیارا مرد تھا، جو آج تک سیدھے راستے پر چلا تھا۔ جسکی ہدایت

اللہ اور انکے نبی ﷺ اور ماں باپ کی پر لطف اور جان گیر تربیت تھی۔

اپنا سراپا آئینے میں دیکھتا ہوا شاویز اپنا سیل فون جیب میں ڈالے اجلت کے

سنگ نکلا ہی تھا کہ بے دھیانی میں دروازے سے نکلتے ہی کومل سے ٹکراتے

ٹکراتے بچا۔

بہت مہارت سے اس نے اپنے گرتے فون کی پرواہ کیے بنا مصالحت سے

کومل کی بازو پکڑے اسے بچایا جو شاید پتھر سے بھی زیادہ منجمد ہو چکی تھی۔

بچارا فون گر کر بھی بچ نکلا مگر کسی کا کام تو تمام ہو گیا۔

فورا سے پیشتر کومل کی بازو آزاد کیے وہ فکر مندی سے اپنا فون اٹھانے جھکا

اور اب کومل کو اپنی پھرتی پر رہا سہا افسوس بھی ہٹ چکا تھا۔

آپ ٹھیک ہیں، میں معافی چاہتا ہوں اچانک نکلا تو دیکھا نہیں" شاویز کو"

لگ رہا تھا کہ اسکے پہاڑ سراپے سے ٹکرا کر پاش پاش ہوتی وہ نازک جھجھک

میں رکھائی سے نفی میں سر ہلا گئی تھی کیونکہ وہ اچانک بہت زور سے پٹخی تھی پر ابھی کومل کو یاد تھا تو بس شاویز کا اسکو پکڑنا۔

دل بھی کتنا بے رحم ہوتا ہے، قربت کی نزدیکی کو مانگتا چلا جاتا ہے۔پہلے دیکھنے پر پھر قریب سے دیکھنے پر۔اب اس اتفاقیہ لمس پر بھی دل مزید کی خواہش میں ہلکان تھا۔

میں ٹھیک ہوں" کومل حواس باختہ سی بمشکل بولی اور دکتوں سے اپنے" منتشر دل کو ڈپٹتی مڑی مگر اک مانوس سی صدا نے اسکے قدموں کو زنجیر کیا۔

وہ جو اپنی بازو پکڑے سہلا رہی تھی، اچانک مڑی جہاں شاویز اسی کی سمت متوجہ تھا۔

دل سے معاف کر دیجیئے گا، آئی نو آپ ٹھیک نہیں ہیں۔آگے سے احتیاط" برتوں گا" ساحرانہ سے معذرت خواہ انداز میں کہتا شاویز اک پل میں کومل

کو اپنا مزید دیوانہ کیے وہاں سے چلا گیا اور وہ جو اپنی بازو تک سہلانا بھول گئی۔ آنکھوں میں نمی لائے دیوار سے لگ گئی۔

"ترا کیا بنے گا اے دل؟؟"

کسی خواب سے فروزاں

کسی یاد میں سمٹ کر

کسی حُسن سے درخشاں

کسی نام سے لپٹ کر

وہ جو منزلیں وفا کی

مرے راستوں میں آئیں

وہ جو لذتیں طلب کی

مرے شوق نے اُٹھائیں

اُنہیں اب میں جمع کر کے

کبھی دھیان میں جو لاؤں

تو ھجومِ رنگ و بُو میں

کوئی راستہ نہ پاؤں

کہیں خوشبوؤں کی جھلمل

کہیں خواھشوں کے ریلے

کہیں تتلیوں کے جمگھٹ

کہیں جگنوؤں کے میلے

یہ دلفریب منظر

کہیں ٹھہرتا نہیں ھے

کوئی عکس بھی مسلسل

سرِ آئینہ نہیں ھے

یہی چند ثانیے ھیں

مری ھر خوشی کا حاصل

انھیں کس طرح سمیٹوں

کہ سمے کا تیز دھارا

سرِ موجِ زندگانی ھے

فنا کا استعارا

نہ کھُلے گرہ بھنور کی

نہ ملے نشانِ ساحل۔

ترا کیا بنے گا اے دل؟

ترا کیا بنے گا اے دل؟" دل کے رونے، ممکن ہے سرخوشی کے عالم میں بدل جائیں۔ جب دو دل چپکے چپکے ملن کی رمز جانیں گے تو اک دوسرے کا وجود بھی مانیں گے۔

مجھے آپکو معاف نہیں کرنا شاویز، کوئی ایسا بھی حادثہ ہو جو آپکو میرا کر دے" نادانستہ ان روتی آنکھوں کے سنگ ان ہونٹوں نے اک ایسی دعا کر دی جو قبولیت کے لمحے سے جا ٹکرائی۔

حادثہ۔۔۔۔۔!پرکار کا دائرہ اب اک حادثے پر رکنے کو تھا، آج کسی دل کی صدا آسمان تک جا پہنچی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"""جا مالو، لسی لا تبریز کے لیے۔اور روٹی ٹکر کا بھی بندوبست کروا۔بیٹھ ٹھیک دن دوپہر چڑھی جناب تبریز چوہدری لش پش سے انداز میں سیدھے ڈیڑے پر سدھار چکے تھے۔ سفید کاٹن کا چمچماتا سوٹ جس پر گہری بھوری واسکٹ پہنے اسکا بھاری پر کشش وجود دور سے ہی توجہ کا مرکز بننے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

خود درمان چوہدری آج بھی اگلے پر ایک ہی نظر میں رعب اور دبدبا بٹھا لیتا تھا، بھلے تبریز داماد تھا مگر درمان کے لیے اپنے علاوہ ہر فرد اس سے نچلے طبقے کا رہائشی تھا۔

اپنی مونچھ کو تاو دیتے ہوئے درمان نے کچھ دور کھڑے مالو کو ہدایت دی
جس پر وہ فوری تابعداری میں منظر سے غائب ہوا اور اب ساری توجہ اسکی
اپنے اس مطلبی داماد پر تھی جو نا جانے اتنا اعتماد کہاں سے لے آیا تھا حالانکہ
مانگنے والوں کو عاجزی سے سنا ہوا ہونا چاہیے۔

درمان کی مستفسرانہ نگاہوں کا سایہ اب تبریز پر تھا جو آنکھیں چرانے پر ایک
نمبر کا مطلبی ہی لگا تھا۔

بول، کیا چاہیے اب "استفسار بڑا تحمل سے آیا گو وہ شخص ایسے نرم لہجے کا"
عادی نہ تھا اور یہ چیز تبریز کو اپنی مانگ سامنے رکھنے کا حوصلہ دے گئی تھی۔
آپکے اور ہمارے گاوں کی ملحقہ سرحد والی زمین "گولی کی طرح بنا جھجھکے"
تبریز نے منہ کھول کر ارشاد کیا جس پر درمان نے تبریز کی ہٹ دھرمی کو
تسلی سے جانچا اور ایک اچٹتی نگاہ اس نمونے پر مرکوز کی جو اسے سسر
صاحب کی ناپسندیدگی کا ادراک کروا گئی تھی۔

اچھا" درمان نے اچھا کو مضحکہ خیزی سے لمبا کھینچا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر "
تبریز کی سمت آیا جو خود بھی ادب سے کم مگر بے عزتی کے خوف سے زیادہ
چوکنا ہو کر اٹھا تھا۔

اور اگر میں یہ کہوں کے وہ زمین میں تمہیں تو کیا، اپنے بھائی اور ماں کو بھی "
نہیں دے سکتا پھر؟" سوال کرتے ہوئے چوہدری درمان محظوظ سا ہوا
جس پر تبریز کو ہلکی سی آگ لگنی شروع ہوئی اور اسکے چہرے پر وافع برہمی
تھی جسے اس شاطر نے فوری معدوم کی۔

پھر۔۔۔۔۔امم آپ بہتر جانتے ہیں ایک چوہدری کی خصلت "وہ"
صاف صاف لفظوں میں درمان چوہدری کو دھمکی دے رہا تھا اور آج تک
کسی کی ہمت نہیں تھی کہ ایسا سوچتا بھی۔

تو چوہدری بخت کا سگا خون نہیں لگتا۔ کہاں وہ شریف النفس اور کہاں تو "
بے غیرت۔ ایک تو میرے سامنے دھڑلے سے مانگنے آگیا اور اوپر سے
مجھے دھمکی دے رہا ہے" درمان چوہدری نے خشونت سے اٹی آنکھیں

خونخوار حد تک نکال کر لہجے میں تضحیک ملا کر تبریز پر انڈیلی جس پر اسے تو گویا پتنگے لگ چکے تھے۔

آپ میری بے عزتی نہیں کر سکتے "جواب بھی نخوت زدہ لہجے میں " وارننگ کی طرح آیا جس پر اب تبریز کی زرافے جیسئ تفاخر سے تنی گردن چوہدری درمان کے فولادی ہاتھ میں تھی اور وہ بھی غصے سے بھر چکا تھا۔

تیری جتنی عزت ہے وہ سب جانتا ہوں، یہ تو تیرے باپ کی ٔبرسوں سے " بنائی عزت ہے اور چوہدری درمان کی فرزندی ہے جس نے تیری گردن کے طوق ہٹا رکھے ہیں۔ اس منگو نے تجھے کہا ہو گا، گھٹیا شخص میرے ساتھ اب یہ گیم کھیلے گا۔ لعنت ہے تجھ پر زلیل انسان، اگر تو بخت سکندر کا خون نہ ہوتا تو اس دھمکی پر تجھے یہیں اسطبل میں گاڑ دیتا "آئے ھائے کیا کرارہ جواب تھا، تبریز تو ہونق زدہ بن کر اسی شش وپنج میں تھا کہ آخر اسکے ساتھ ہوا کیا ہے۔

اتنی بے عزتی، اتنی زلت۔ شرم ہو تو چلو بھر پانی میں ڈوب مر۔ واہ آج ایک فرعون کے ہاتھوں دوسرے درندے کی عزت افزائی پر سواد آگیا تھا۔

بچارے تبریز پر تو یہ انکشافات سن کر صدمے کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا اور دونوں ہی ایک دوسرے کو کاٹ کھانے کی مانند گھور رہے تھے۔

آپکو یہ زلت بہت مہنگی پڑے گی" ایک سیر تھا تو دوسرا سوا سیر، یعنی اتنی" زلت کے بعد بھی تبریز کا دل تھوڑی اور ڈوز لینے کا کیا جس پر چوہدری درمان نے پھنکار بھرتے ہوئے اسے دو قدم دور جھٹکا۔

تبریز کا زہر خند لہجہ بے باک تھا اور درمان اب چاہتا تھا اس خبیث کا دل چیڑ کر رکھ دے۔

ستا تو مجھے ویسے بھی کچھ نہیں بھاتا، دفع ہو جا۔ اور جا کر اپنے اس منگو کو" کہہ دے کہ میرے جیتے جی تو اسکو زمین ملنے سے رہی۔ اس لیے اپنے یہ کیڑے سنبھال کر رکھے۔ چلا جا ورنہ ایسی درگت بناوں گا کہ یہاں دوبارہ

قدم رکھتے بھی کانپے گا" درمان چوہدری کو اسکی دھمکی مزید مشتعل کر گئی اور اب تو تبریز نے بھی حقارت سے سسر کو دیکھا اور دل میں عالیہ کے قتل تک کا سوچ لیا۔

ٹھیک ہے سسر جانی، جیتے جی نہیں تو تیرے مرنے کے بعد ہی سہی۔ پر" اس زلت پر تو پہلے اپنی بیٹی، پیاری بیٹی کی میت پر بین کو تیار رہ" اپنی گال پر ہاتھ پھیرتا تنفر کی حد میں لپٹا تبریز دل ہی دل میں منصوبہ بندی بناتا ہوا ساتھ زیر لب چوہدری درمان کو کئی گالیاں دیتا پیر پٹختا ہوا وہاں سے نکل گیا۔

مالو جو کھانے پینے کے لوازمات لیے پہنچا اب چوہدری صاحب کی ایک ہی خون آشام نگاہ پر پھر سے تمام لوازمات اٹھائے گدھے کے سر سے سینگ کی مانند غائب ہوا اور درمان کا بس نہیں چل رہا تھا اس تبریز کا سانس ہی روک دیتا اور ساتھ منگو سلطان کا بھی جو ہمیشہ سے چوہدریٔ درمان کے

زمینی معاملات میں چھوٹے موٹے پنگے لیتا تھا مگر اب تو اس ماں کے لال نے سیدھا سیدھا مگر مچھ کے منہ میں ہی ہاتھ گھسا دیا تھا لہذا کٹنا طے تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیا ہوا ہے تجھے، سب ٹھیک ہے "شاویز اور وہ حویلی سے ملحقہ ہی" تھوڑے فاصلے پر آئے تھے جہاں سادان کچھ فاصلے پر بنی ڈھلوان پر بیٹھا اب زمین پر لگی گھاس اکھاڑنے میں مگن تھا جب شاویز نے اسکے قریب آکر فکر سے پوچھا۔

سادان کا چہرہ یک دم متغیر ہوا اور اسکی سانسوں کا ربط بھی غیر ہموار ہو کر اسکے اندر کے انتشار کی ترجمانی کر رہا تھا۔

شاویز اسکے چہرے کے بے قرار رنگ بھانپے خود بھی اسکے ساتھ براجمان ہوا۔

تیمور، یاور کے نقش قدم پر چل رہا ہے۔ابھی مجھے نہ جانے کیا کیا دیکھنا پڑے گا شاویز" شاویز نے سادان کے لہجے کی آہ و فغان پر گردن موڑے اس صبر و ہمت کے پیکر کو دیکھا اور اسکا کندھا تھپکا کر خاموش تسلی دی۔

"وَمَن یَتَّقِ اللہَ یَجعَل لَّہُ مَخرَجًا: جو تقویٰ اختیار کرے گا اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنا دے گا" شاویز نے اپنی آنکھیں بند کر کے سادان کو راستہ دکھایا۔

"ہاں بے شک لیکن یہی تو مشکل ہے، اس سارے معاملے میں چیخ کر رہ گیا ہوں" شہزادے کی آنکھوں میں ہار کی لہر پوری قوت سے بیدار ہوئی جو شاویز کو بھی فکر میں غوطہ زن کر گئی۔

"حَسبُنَا اللہُ وَنِعمَ الوَکِیل: ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے" ایک اور تسلی دل تک اتری تھی اور سادان نے رخ پھیر کر شاویز کو دیکھا جو اس مشکل وقت میں اسکا حقیقی سایہ بنا ہوا تھا۔

تجھ سے کچھ پوچھنا تھا، پر سمجھ نہیں آتی کیسے پوچھوں" سادان کو اسی دل دہلاتے خیال نے پھر سے کسی بچے کی مانند دامن سے پکڑ لیا اور شاویز تو یار کے چہرے پر لکھی کہانی بن کہے بھی سمجھ چکا تھا تبھی مٹھاس کے سنگ اشارے سے اثبات میں سر ہلائے مسکرایا۔

تجھے کہاں پتا ہو گا چھوڑ" سادان نے کہہ کر خود ہی بات بدلی جس پر شاویز زیر لب مسکرا کر سادان کے یہ دل کو چھوتے رنگ ڈھنگ دیکھ رہا تھا جو اب اپنے ہونٹ کچلتا ہوا الجھی صورت سے پھر سے بچاری گھاس کی شامت لا چکا تھا مگر شاویز نے خود ہی اسکا ہاتھ روک کر جناب من کی توجہ اپنی سمت مبذول کی مگر سادان کو خود نہیں پتا تھا کہ وہ کہنا کیا چاہتا ہے۔

ہلکی پھلکی فرحت بخش فضا کے ہوتے ہوئے بھی اس ڈھلتی شام میں اک یاسیت تھی، اک خوف زدہ سی لہر، اک خلش اک الجھن۔

نکاح کی کشش سے پریشان ہے یا دل کے ساتھ کوئی اور خوشگوار واردات ہو گئی ہے؟" شاویز اسکی بجھی صورت کس قدر آسانی سی پڑھ لیتا تھا اور وہ تو

حیرت کا مجسمہ بنا ہوا گنگ ہو چکا تھا۔ گویا شاویز کی اس سوالیہ بات نے گردش کرتی کائنات روک دی اور رگوں میں خون تھا کہ جمنے لگا تھا۔

برف پوش پہاڑوں سی سردی نے سادان کا وجود خود میں حلول کر لیا اور وہ سرد مہری کا مجسمہ بنے رخ پھیر کر اب اپنی انگلیاں چٹخا رہا تھا جو سخت الجھن میں شہزادے سے خود بخود سرزد ہوتا تھا۔

مجھے سمجھ نہیں آ رہی، میں باولا کیوں ہو رہا ہوں" سادان نے سر جھٹکتے ہوئے بے بسی سے کہا تو شاویز اب رخ پھیرے اس الجھن کے شہکار کا چہرہ سرخوشی کے عالم میں ہاتھوں میں بھرے دلفریب ہوا۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے! عشق میں اور کچھ نہیں ہوتا، آدمی باورا سا رہتا ہے۔ میرے باورے شہزادے کو کچھ کچھ ہو گیا ہے" شاویز نے یہ بات پر لطف ہو کر اسکا بجھا موڈ سیٹ کرنے کو کہی پر وہ گھبرا کر اسکے ہاتھ جھٹکتا اٹھ کر گردن موڑے کچھ دور جا کھڑا ہوا۔ اک الگ ہی کپکپاہٹ تھی جو سادان کے دل کو دبوچے ہوئے تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے" لہجے کا حتمی پن تو کڑک تھا پر سادان کا دل اس بات کی کھلے عام مخالفت پر سوار تھا۔

خود شاویز وہیں بیٹھا دور دور پھیلی سبز فصلیں دیکھ کر ایک لمبی سی سانس خارج کیے مسکرایا۔

"سادان، مت ہو پریشان۔ وہ اب تیری ہے، روک لینا اسے۔ اس میں ایسی بے قراری کس لیے۔ نکاح کوئی مزاق تھوڑی ہے، یہ تو وہ رشتہ ہے جو وہ دور اس آسمان پر پہلے جڑتا ہے پھر زمینی واسطے کے تحت دو وجود، دو دل جوڑ دیے جاتے ہیں۔ ابھی سے مت الجھ، جو ہوگا بہتر ہو گا" یہ شاویز کیا کہہ رہا تھا، سادان کا دماغ معاوف اور حواس شل ہو رہے تھے

کتنی ہی دیر پھر دونوں کے بیچ بس اک چپ حائل رہی اور سادان کی طبعیت مزید بے قرار ہونے پر مائل رہی۔

اس اعصاب شکن ماحول نے شہزادے کو واقعی کملا کے رکھ دیا تھا، اپنے دل کے بدلتے جذبات وہ چاہے جس مرضی سے جتنا چھپالیتا، وہ خود متاثر ہو چکا تھا۔

بات محبت کی نہیں عادت کی تھی، اُسے سانولی کی عادت ہو گئی تھی اور عادت بعض دفعہ محبت سے زیادہ جان لیوا ہوتی ہے۔

دماغ و دل میں اندیشے پنہاں تھے جو اسکی صورت پر گراں سی اداسی کی صورت ثبت ہوتے چلے جا رہے تھے۔ نا جانے شہزادے کا کیا بنے گا، وہ تو وعدہ کر بیٹھا تھا۔ اور وعدہ توڑنا اسکے مسلک میں جائز نہ تھا۔

بجا ارشاد فرمایا گیا ہے"

کہ مجھ کو یاد فرمایا گیا ہے

عنایت کی ہیں ناممکن امیدیں

کرم ایجاد فرمایا گیا ہے

ہیں اب ہم اور زد ہے حادثوں کی

ہمیں آزاد فرمایا گیا ہے

ذرا اس کی پراحوالی تو دیکھیں

جسے برباد فرمایا گیا ہے

نسیم سبزگی تھے ہم سو ہم کو

غبار افتاد فرمایا گیا ہے

مبارک فال نیک اے خسرو شہر

مجھے فرہاد فرمایا گیا ہے

سند بخشی ہے عشق بے غرض کی

بہت ہی شاد فرمایا گیا ہے

سلیقے کو لب فریاد تیرے

ادا کی داد فرمایا گیا ہے

کہاں ہم اور کہاں حسن سر بام

ہمیں بنیاد فرمایا گیا ہے "کوئی کب سمجھ پاتا ہے عشق کو یک لخت، پہلے وہ خدشوں اور واہموں سے گھائل ہو گا پھر کہیں جا کے دل کی آواز کی سمت مائل ہو گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج کی رات تاریخ کے سنہرے پنوں میں درج ہونے کا مرتبہ پانے والی تھی کیونکہ جناب تیمور چوہدری اپنے بھائی سے ظالم ساپٹنے کا سامان بنائے ٹھیک رات نو بجے حویلی سے نکل چکے تھے۔

سادان نے عاقل کو اسکے پیچھے لگا رکھا تھا لہذا سادان پوری تیاری کے ساتھ تیمور کے نکلنے کے ٹھیک دو منٹ بعد عاقل کے ساتھ گاڑی لیے نکلا تھا۔

سادان اس وقت سخت غصے اور اشتعال میں تھا اور عاقل بھی محتاط انداز اپنائے گاڑی چلا رہا تھا۔

کچھ ہی دیر میں عاقل نے تیمور کی گاڑی اپنے کچھ فاصلے پر پالی اور سادان نے عاقل کو مین لائٹس آف رکھنے کا کہا تھا۔

کچی سڑک کے آس پاس بنے گھروں کے باہر لگے معمولی روشنی کے بلب ہی پیچھے کو کافی تھے۔

سادان کے ماتھے پر تناو اور نمی کی گہری چھاپ تھی اور آج وہ تیمور کو سزاوار پاتے ہی مار دینے کی حد تک خونخوار تھا۔

دوسری طرف یہ ایک سنسان سا جنگل کا راستہ تھا جہاں انجم اور کرم داد ایک پھنکارتی ہوئی پندرہ سالا رمشہ کو درخت سے باندھ کر حباثت سے آنکھ مارے ہنسے تھے اور وہ تو منہ میں کپڑا ٹھونس کا اپنے ہی دوپٹے سے بندھی ہوئی اب بے جان ہو رہی تھی۔

کہا بھی تھا تیمور کو کہ جلدی مر آئے، اب اس پر میری نیت خراب ہو رہی ہے یار "انجم نے بے ہودگی کی مسند پر بیٹھے اپنی لپکتی لال کو قابو کیے اس درخت سے بندھی کانپنے کے باوجود خونخواری سے گھورتی رمشہ کی گال پر

ہاتھ پھیرے کہا جس پر کرم داد اسکی کمینگی پر ہنس کر ادھر ادھر پھیلے اندھیرے کو دیکھنے لگا۔ یہاں ساتھ ہی ایک کاٹیج تھا اور اسکے ساتھ لگا بلب یہاں تک مری ہوئی روشنی پہنچا رہا تھا جس میں انجم کی گندی نظر اب رمشہ پر بڑھ رہی تھی اور کرم داد اسے اشارے میں ڈپٹ رہا تھا۔

یہ تیمور کے لیے مال نہیں ہے، مجھے تو لگتا ہے سالا اس پر لٹو بھی ہے" وہ یہ باتیں رمشہ کے سامنے کر رہے تھے جو نڈھال اور بے جان ہو کر لگتا تھا ابھی گر پڑنے کو تھی۔

وہ اچھے حسن کی تیکھی سی لڑکی تھی، مگر اس وقت اسکا چندن گداز روپ ہولناک تھا۔ چہرہ تر تھا، رونگٹے کھڑے تھے اور اپنے ساتھ ہونے والی حرکت کا سوچ کر اس بچاری کے ہاتھ پاوں پھول چکے تھے۔

ان دو کمینوں نے نائی خیر دین کے گھر نقب زنی کر کے اس سوئے بوڑھے باپ کے ناک کے نیچے رمشہ کو اٹھا لائے تھے۔

جب تک بچارے صبح اٹھتے تب تک تو انکی دنیا لٹ چکی ہوتی اور یہی پلین ان تینوں کا تھا۔

یار قسم سے یہ ہے ہی ایسی کہ ایک بار تو بندے کا دل نہ بھرے، ھائے " حسینہ نمکین "انجم اب پھر سے رمشہ کے چہرے کے قریب اپنا مکروسانس خارج کرتا آہ بھر رہا تھااور اس سے پہلے کہ رمشہ صدمے سے ہی مر جاتی۔

کچھ دور گاڑی رکنے کی آواز آئی اور اگلے ہی لمحے چوہدری تیمور مغرورانہ سا فاتح چال چلتا ان تک آیا جس پر انجم بھی چہرے پر کچھ دیر پہلے والی بیہودگی معدوم کر گیا۔

تیمور کی گاڑی سے کچھ دور ہی سادان اور عاقل گاڑی روک چکے تھے اور ان دونوں نے وہیں گاڑی کے قریب درخت تک پہنچ کر دم سادھا جہاں سے سادان وافع تیمور اور اسکے دو منحوس دوستوں کو دیکھ کر اپنا جلال بمشکل قابو کر پایا۔

تیمور جواب رمشہ تک جا کر تنا تھا ساتھ ہی اپنے دو یاروں کو اب شکلیں گم کرنے کا اشارہ کرتے مڑا جس پر کرم داد تو ہنس دیا جبکہ ہلکے سے پتنگے انجم کو لگے مگر اس وقت تیمور کی بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

انجوائے دا لائف" انجم نے آنکھ مار کر تیمور اور کہا اور وہ کرم داد کے ساتھ" وہاں سے نکلا اور ان کے جاتے ہی سادان نے اب عاقل کو چوکس رہنے کا کہا۔

تیمور نے اک ٹھنڈی سی آہ بھر کر گھورتی نظر رمشہ کو دیکھا تو مزید دل تک پر سکون ہوا۔

کیا کہا تھا تُونے، مجھ پر تھوکنا بھی پسند نہیں تجھے۔ ہے ناں، اب تیرا وہ" حال کروں گا کہ کوئی تجھ پر بھی تھوکنا پسند نہیں کرے گا۔ میری نرمی کو میری کمزوری سمجھ لیا، بہت برا کیا" ایک ہاتھ درخت سے ٹیکے وہ عین اس رنگ و روپ کی حسین سی اس وقت سہمی سی رمشہ کے بلکل قریب آئے بولا جس پر سادان نے یہ منظر جس ضبط سے دیکھا یہ وہی جانتا تھا۔

وہ بند منہ کے باعث ہزار جتن کر رہی تھی پر رہائی کی سبیل منہ چڑا کر رمشہ کی آنکھوں سے سرخی نکالتی جارہی تھی۔

اوپر اللہ کا ہی آسرا تھا، دل دعا گو تھا کہ اس درندے سے حفاظت ہو اور اب سادان کی ہمت جواب دے رہی تھی یہ اسکی آنکھوں کے سرخ پن سے واقع تھا۔ خود عاقل سراپا افسوس میں غرق تھا۔

اس سے پہلے کہ تیمور اپنی حیوانیت اس معصوم پر نازل کرتا، تیمور کو لگا اسکی جسم جان سے نکل گئی ہے۔ وہ رمشہ پر جھکا تھا اور دوسری طرف کسی نے اسکی گردن دبوچی جس سے تیمور کا سانس رکا اور رمشہ کا رکا سانس بحال ہوا۔

اگلے ہی لمحے زوردار تھپڑ کی تڑختی گھونج ممکن تھا پورے جنگل کو لرزا گئی تھی۔

گہرا سناٹا پھٹ کر پھیلا اور تیمور کی آنکھوں کے آگے گویا ستارے سے ناچنے لگے۔

گھٹیا انسان، بے غیرتی کی ساری حدیں پار کر کے تجھے تو زندہ در گور ہو جانا چاہیے" ایک کے بعد سادان نے نہ آو دیکھا نہ تاو اور تھپڑوں کی کراری برسات ہی شروع کر دی۔

اس نے پھر نہیں دیکھا کہ اسکا کا جھانپڑ تیمور کو کہاں لگا اور کہاں نہیں، سادان آج اسے واقعی زندہ در گور کر دینے کی حد تک تکلیف سے اٹا ہوا اسے مارتا گیا۔

عاقل نے فوری درخت سے بندھی رمشہ کو کھولا اور وہ اب واقعی بیہوش ہونے کو تھی۔

دونوں ہی اب پھٹی آنکھوں سے سادان کو دیکھ رہے تھے اور تیمور اپنے بچاو کی ناکام کوششیں کرتا ہوا بے سدھ اور بے بس کراہ کر دھاڑیں مار رہا تھا۔

"مر جا کمینے، یہ دن دیکھانے سے پہلے مجھے زہر دے دیتا خبیث۔ یہ تربیت کی تھی تیری کہ تو یہ گل کھلائے، بول کیوں کیا یہ۔۔۔ آج میں تیری قبر یہیں کھودوں گا اور ضرورت پڑی تو تیری چمڑی ادھیر دوں گا" تھپڑوں کی

سخت برسات اب تیمور کی ساڑی اکڑ جھاگ کر گئی اور وہ بس اس ظالم جلاد سے گڑگڑا کر پناہ اور معافی کے لیے ہاتھ جوڑتا رہا۔

خود سادان کی آنکھوں میں غصے اور اذیت سے نمی تھی، ہاتھ میں مار مار کر درد اٹھا مگر اس نے اپنا ہاتھ اتنی جلدی یا ور پر بھی نہ روکا تھا تو اس پر کیسے روکتا۔

اوہ چھوڑ دے، اماں۔۔۔۔ بابا۔۔۔ یہ مجھے مار دے گا، چھوڑ مجھے " تیمور " نے ٹوٹے پھوٹے چور بدن سے اٹھتی تکلیف سے کراہ کر دہائیاں دیں اور اب ایک ٹراخ کرتا تماچہ تیمور کی عین گال پر لگا جس پر وہ پھر سے چودہ طبق روشن ہونے سے سن ہوتا زمین پر گرا اور اس سے پہلے کہ سادان اس پر چڑھ کر آسکا گلا دباتا، عاقل نے دوڑ کر سادان کو روکا۔

رمشہ تو خوف سے کانپ رہی تھی، اور اسکی آنکھوں کے آگے بھی تکلیف سے اندھیرا آرہا تھا۔

اگر مجھے ایک خون معاف ہوتا تو تجھ جیسے گند کا صفایہ کر دیتا، گھر چل باقی " کی سوغات آج تجھے اماں بابا کے سامنے عنایت کروں گا۔ اٹھ، جو جھنڈے گاڑے ہیں انہی کے ڈنڈوں سے تیرے اندر کی آگ بجھاوں گا۔ اٹھ گھٹیا شخص، تجھے بھائی کہتے مجھے شرم آتی ہے " سادان نے تو تیمور کی ہستی تہس نہس کر کے بھی دم نہ لیا اور اب اسے گھسیٹتا ہوا اٹھا کر گاڑی تک گیا اور عاقل کو اس نے رمشہ کو اسکے گھر بحفاظت پہنچانے کا کہہ کر خود تیمور کو گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر دھکا دیا جس پر تیمور کو لگا اسکا جوڑ جوڑ ہل گیا ہے۔

سادان نے بھی فوری دوسری طرف سے بیٹھ کر ایک حقارت سے بھری نظر اس بھائی نما جبیث پر ڈالی اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

سادان کی آنکھیں سرخ انگارہ تھیں اور ہاتھ اسکا اپنا اب ہل نہیں پا رہا تھا، ناجانے کتنے تھپڑ وہ تیمور کو بنا رکے مار گیا مگر تیمور اسی لائق تھا۔

پورے راستے تیمور کے رونے میں شدت آتی رہی اور سادان نے پگھلنے کی ہر کوشش رد کر کے اپنے چہرے پر نفرت کا غلاف قائم رکھا۔

عاقل نے رمشہ کو اسکے گھر پہنچادیا جس پر وہ ایک تشکر آمیز انداز میں لپٹی اپنے گھر کا دروازہ کھولے اندر داخل ہو گئی اور عاقل نے بھی فوری پیشانی مسلتے ہوئے گھر کی راہ لی کیونکہ اسے سادان کی بہت فکر تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آپکی چائے، وہ فیضاں دادی کے کمرے میں بلانے پر چلی گئی تو میں نے سوچا آپکو دے آوں" ہلکی سی دستک کے ساتھ ہی موہوم سے خجالت آمیز لہجے میں کومل نے اپنی آمد کی خبر اس گہری سوچ میں غرق شاویز کو دی جس پر وہ گود میں رکھا میگزین ہٹا کر میز پر رکھے متوجہ ہوا جسے وہ یونہی کسی گہری سوچ کے پیش نظر پلٹ رہا تھا۔

خوشانصیب محبت ملی قدم بہ قدم"
حسیں سراپے کو سرتاقدم سراہا گیا
تری مثال زمانے میں یوں بھی مشکل تھی
"تُواِس لئے بھی حسیں ہے کہ تجھ کو چاہا گیا

یہ قدرتی تھا کہ وہ جب بھی شاویز کو دیکھتی تو اس کی دھڑکنیں جلترنگ بن جاتیں اور گیتوں کے مدھر سر ہر سو پھیل کر کومل کو وجود اپنی لپیٹ میں لے لیتے اور وہ نیم بے ہوشی کی سی کیفیت میں ڈوبنے لگتی۔

اس وقت کالے سوٹ میں ملبوس شاویز کا سراپا ہوش ربا تھا اور کومل ہر بار کی طرح آج بھی اسکے سامنے دب گئی تھی۔

بہت شکریہ، زحمت کی آپ نے" شاویز بھی مودب ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور" ہلکی سی تشکر آمیزی میں تکلف کی آمیزش ملائے کومل سے چائے کا کپ

لیے ٹیبل پر رکھ کر کومل کی سمت دیکھ رہا تھا جو اسکا دیکھنا تک سہہ کر سرخ رو ہو رہی تھی۔

زحمت کیسی، مجھے خوشی ہوئی" چہرہ جھکائے شاویز کی بات کا جواب دیتی" کومل شاویز کو ہمیشہ کی طرح آج بھی اک راز جیسی ہی لگی تھی۔

ہماری آنکھوں ہی آنکھوں میں سارے بنتے گئے"

وہ مجھ کو تکتا رہا اور اشارے بنتے گئے ___ ♡"بعض دفعہ گفتگو لفظوں کی محتاج نہیں ہوتی۔

اپنی زندگی میں وہ کئی سمٹی، اور بے تکلف لڑکیوں تک سے کالج اور یونی میں سرسری ہی سہی مگر کام کاج کے حوالے سے بات کرتا آیا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ سادان اور شاویز دونوں ہی اس معاملے میں اصول سے کبھی نہیں ہلے تھے پر وہ کومل کو جب بھی دیکھتا تھا، وہ کسی پر اسرار سی خاموشی میں لپٹی ملتی تھی۔

شاویز مبہم سی کومل کے چہرے کی کہانی تلاشنے کی کوشش میں تھا جب اسکی جھکی نظر شاویز سے جا ملی اور نا جانے ان نظروں میں ایسا کیا تھا کہ شاویز کو عجیب سی بے چینی لاحق ہوئی۔

یہ خاموشی جان لیوا تھی تبھی شاویز نے بات کرنی ہی مناسب سمجھی۔

آپکی بازو، بہت زور سے پٹخا تھا یہ پہاڑ۔اب آپ ٹھیک ہیں؟"یوں لگا" جیسے شاویز کو بات ڈھونڈنے میں دقت پیش آئی تھی اور وہ بھی جو پلٹنے کا ارادہ کر رہی تھی، شاویز کے یوں ملائم پن سے پوچھنے پر پھر سے اسے گردن موڑے دیکھنے لگی۔

اگر کہوں نہیں ٹھیک تو؟"یہ جملہ بے ربط سا کومل کے ہونٹوں سے مٹھی" میں بھری ریت کی مانند پھسلا اور وہ یہ گستاخی سرزد ہونے پر سرخ ہو گئی جبکہ شاویز کو چند لمحے کومل کے چہرے پر اڈتے گھبراہٹ سے مزین رنگوں اور اتھل پتھل ہوتے نین نقش کے رقص کو دیکھنے میں لگے۔

عشق میں مبتلا شخص کے نزدیک دنیا کی کل آبادی صرف ایک شخص ہوتا ہے، اسے دیکھنا، اسے چاہنا اسے رگِ جان سا محسوس کرنا بس یہی تو خواہش باقی رہ جاتی ہے۔ سب مٹ جاتا ہے اپنا، بس محبوب زندہ وجاوید ہو جاتا ہے۔

تو میں دعا ہی کر سکتا ہوں کہ میری اس بے ادبی کی تلافی کسی صورت ممکن ہو جائے" شاویز اسکی آنکھوں میں جھانکنے سے زرا نہ چوکا اور کومل کو لگا وہ جنبیش تک کی روادار نہیں رہی۔

یہ کیسا انمول سا ساحر لمحہ تھا جس نے چپکے نے ان دونوں کے کانوں میں ایک سی سرگوشی کی تھی۔

بھلے کوئی بھی صورت؟"مزید کومل باولی ہو کر کہہ بیٹھی اور اسکا بولنا شاویز کے لیے دلچسپ اور دلفریب تھا۔

وہ جو ہونٹ کپکپاتی ہوئی زمین کی سمت جھکی تھی، اسکی سماعت جواب کی منتظر تھی مگر شاویز کے چہرے پر سنجیدگی کی گہری چھاپ تھی۔

لفظ کافی نہیں،"

ہاں مگر

میں رہوں نا رہوں

میرے الفاظ ہر شب

ستاروں کی مانند

بامِ فلک پر چمکتے رہیں گے

تمہیں یہ بتاتے رہیں گے کہ تم

" میرے وجدان کی روشنی ہو

دل نے ہونٹوں سے چپ چاپ اظہار چھین لیا۔

کچھ دیر خاموش سے سکتے کے بعد کومل نے خود ہی چہرہ اٹھا کر خود پر سایہ فگن ان آتشی حسن سے افروز آنکھوں کو دیکھا تو دل کی رہی سہی لگام بھی جاتی رہی۔

کوئی بھی "شاویز کے ہونٹوں سے لفظ نہیں، کومل کی سانسیں ادا ہوئیں۔"

اک ان کہا سا ربط کہیں آنکھوں آنکھوں نے دل کے صحن میں چنبیلی لگا کر بنایا۔ جسکی خوشبو ممکن تھا جلد دلوں اور روحوں کو ہم آہنگ کر دیتی۔

محبت کشش رکھتی ہے، محبت آنکھوں سے ہزار ہا چھپانے کے باوجود چھلکتی ہے۔

اورجناب محبت کوئی ٹریک تھوڑی ہے کہ چلتے چلتے راستہ بدل لیا جائے۔محبت تو اک سکوت ہے ،ٹھہراؤ ہے ۔ مستقل مزاجی ہے،ایک ہی در پہ زندگی بتانے کا نام ہے۔

وہ مرد تھا، خود پر ثبات ہوئی ہر نظر کا زاویہ جانتا تھا۔ وہ اسیر شیدائی تھی۔ خود کو محبت کے پرچار سے روک نہ پائی اور آنکھوں آنکھوں سے دل کی بات کہہ آئی۔

دونوں کے چہرے پر سنجیدگی کا راج تھا، کومل کا دل چاہا آج یہ لمحہ جو آیا ہے پھر جانے کب لوٹے۔ وہ اسے کہنا چاہتی تھی پر نہ کہہ پائی۔

وہ بھی اس سے پوچھنا چاہتا تھا پر پوچھ نہ پایا۔

چپ چاپ وہ مڑ کر چند بے قرار سانسیں خارج کیے ایک بار پھر ناکام ہونے پر دلبرداشتہ سی کمرے سے باہر نکل گئی اور وہ کتنی ہی دیر کومل کے گم ہوتے سراپے کو کھوجتا رہ گیا۔

دماغ سا دان کی طرف سے الجھا تھا اور باقی کا یہ مختصر ملاقات الجھا گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پوری حویلی میں گویا قیامت برپا ہو گئی تھی، سادان کی گاڑی حویلی کے پورچ میں رکی اور سادان گاڑی سے نکل کر بدستور مشتعل ہو کر دوسری سمت لپکا اور دھاڑیں مار کر چینختے تیمور کو گردن سے پکڑ کر باہر گھسیٹ کر لایا۔

چوکیدار سمیت کئی حویلی کے ملازمین اور آدمی تو صدمے میں تھے اور سادان کو ایک بار پھر سب بہت برے عتاب میں دیکھ کر کانپ چکے تھے جبکہ تیمور کی سانڈ جیسی دھاڑوں نے پوری حویلی کو سر پر اٹھالیا۔

حویلی کے سب مکین پھولے ہاتھ پاوں کے سنگ حویلی کی بیرونی سمت دوڑے۔

یہاں سادان اسے ہزار ہاتھ پاوں مارنے کے باوجود جکڑے ہوئے گھسیٹتا جا رہا تھا اور وہاں درمان، انجیل بیگم، کومل، شاویز، سلطانہ اور کرمان اس ہولناک دھاڑ زدہ واویلے کو سن کر حویلی کے بیرونی دروازے سے باہر آئے تو سامنے کا منظر ان سب کو کھڑے کھڑے زمین میں محبوس کر گیا۔

آنکھ، کان، دل و دماغ شل ہوئے کیونکہ وہ سادان نہیں کوئی دہلکتا ہوا آتش فشاں تھا جس نے ان سب کے آتے ہی اپنے ہاتھ میں جکڑی تیمور کی گردن کو زوردار دھکا مارا جس سے وہ سیدھا بابا سائیں کے قدموں میں جا گرا۔

درمان نے جبڑے بھینچ کر سادان کا سرخ چہرہ اور غضبناک آنکھیں دیکھیں اور پھر ایک نظر قدموں میں گر کر بمشکل اکھڑے سانس لے کر روتے تیمور کو دیکھا جس پر اب سلطانہ اور کرمان ایک ساتھ تیمور کی سمت لپکے مگر سادان نے سب کو اپنی جگہ رکنے کی تنبیہ کی۔

"کیا تماشا لگا رکھا ہے تُو نے، کیوں مارا ہے اسے۔ ہوا کیا ہے کچھ پھوٹو گے تم دونوں" درمان چوہدری نے مزاج کے نخوت پن میں درشتگی ملا کر دبنگ انداز میں کہا جس پر سادان نے اپنی گردن اور ماتھے کی رگیں پھڑکائے اک سینے کا اٹکا سانس خارج کیا اور بے رحمی سے اس زمین پر کراہتے تیمور کو دیکھا۔

آپ کی تربیت صرف بول ہی نہیں رہی، بلکے چینخ چینخ کر نئی ایک اور قبر" کی تیاری کر رہی ہے۔ دل چاہتا ہے اسے زندہ دفن کر کے خود بھی کہیں جا کر مر جاوں۔ یہ زلیل جو آج کرنے جا رہا تھا اسکے بعد آپ یاور کے بعد اس خبیث کو بھی رو رہے ہوتے۔ شراب، نشہ، اور بدکاری۔۔۔۔۔۔۔ یہ سیکھ رہا ہے یہ سولا سالا تیمور چوہدری" ہر ایک کے اعصاب پر گویا بجلی گری اور سلطانہ تو اپنی کانپتی ٹانگوں سے گر ہی جاتیں اگر کومل انھیں بروقت نہ سنبھالتی۔ کئی آنسو اس ماں کی آنکھوں سے درد کی فراوانی پر بہہ نکلے۔

درمان اور انجیل بیگم کے چہرے فق تھے اور حواس شل، شاویز اور کرمان بھی گویا سکتے میں تھے۔

اصل پریشانی ہی انھیں سادان کی تھی جو لگتا تھا ابھی گر کر فنا ہو جانے کی دہلیز پر کھڑا تھا۔

جھوٹا کہیں کا، مر جا جا کے۔ زندگی عذاب کی ہوئی ہے۔ آہ۔۔۔۔ مار دیا" مجھے اس نے" زمین پر کراہتا تیمور لگتا تھا پھر سے اپنے جسم میں رہی سہی

جان نکلوانے کے درپر تھااور اب سادان اسکی گردن ہی مڑورنے کو اس کی سمت تنفر سے لپکا مگر بھلا ہو شاویز کا جس نے اپنی پوری طاقت لگائے سادان کو جکڑ کر روکا، سب ہی سادان کے یوں تہس نہس کر دینے والے انداز سے خوفزدہ ہوئے اور ان دو فرعونوں کو تو سانپ سونگھا ہوا تھا۔

"تیری زبان کاٹ کے پھینک دوں گا تیمور، مجھے مجبور مت کر۔اور آپ، کس لیے چپ ہیں۔اس انتظار میں ہیں کہ یہ بھی کسی کی عزت سے کھیل کر آئے" سادان کی برداشت تھی کہ ٹوٹتی جارہی تھی اور اب کی بار اس بات پر درمان کا ہاتھ اٹھا پر پھر ضبط کے دہانے پر جا کر وہ اپنی مٹھی بھینچے پھنکارتا رہ گیا۔

"ماریں باباسائیں، رک کیوں گئے ہیں" پشیمان سا درمان حق سادان کی آنکھوں میں اُمڈتی نمی سے ہل گیا جو اس وقت بمشکل خود کو سنبھالے کھڑا تھا۔

میری نظروں سے ہٹ جا سادان اور کوئی اس بد بخت کو بھی لے جائے۔" مر گئے تم سب کے بابا سائیں، اس لیے مر جاو تم سب کے سب" عین وقت اس فرعون نے کانپتے دل کے باوجود دامن چھڑوالیا اور سادان نے اک دلخراش نگاہ درمان حق پر ڈالی جو اندر کی سمت بڑھ گیا۔

دو آدمی اب جھک کر تیمور کو اٹھا رہے تھے جو لگتا تھا بس چر مر ہو کر مسمار ہو گیا ہے۔

برداشت کی آج حد ختم تھی۔ شاویز کو سادان کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں لگی اور نہ وہ کسی کو اپنے قریب آنے دے رہا تھا۔

گھور کیا رہا ہے، ابھی تیری اکڑ نہیں ٹوٹی" دونوں آدمیوں کے سہارے پر" کھڑا ہونے کے باوجود تیمور سرخ اور نیل زدہ منہ کے ساتھ سادان کو کاٹ کھانے کو گھورا تو سادان کو مزید تپ چڑھی۔

خود تو کچھ ہوتا نہیں، میری جان کے پیچھے پڑا ہے۔ اب مجھے ہاتھ لگا یا تو قسم" کھاتا ہوں مار دوں گا تجھے" سلطانہ سمیت ہر کوئی روح فنا کیے تیمور کی زبان

درازی دیکھ رہا تھا اور یہ پہلی بات ہی سادان کا میٹر گما گئی اور ایک زوردار تھپڑ مزید تیمور کے منہ پر پڑا۔

اگلے ہی لمحے سادان نے ان دو آدمیوں کو دھکا دے کر پھر سے تیمور کی گردن دبوچی، سب ہی انکی جانب لپکے مگر سادان نے ایک ہی خون آشام نگاہ ڈال کر سبکو پتھر کیا۔

"کیا بکواس کی ہے تُو نے، کھل کے بول جو گند پھیلانا ہے وہ آج سارا پھیلا۔ بول ورنہ تیرا گلا دبا دوں گا" سادان سے اب سب ہی سہمے تھے کہ کہیں وہ واقعی تیمور کی جان نہ لے لے۔

سلطانہ تو بس گر پڑنے کو تھیں۔

"چھوڑ مجھے، سب پتا ہے مجھے۔ خود تو شادی شدہ ہو کے کنوارہ پھر رہا ہے اور مجھ پر زور آزمائی کر کے اپنی کھوکھلی مردانگی دکھا رہا ہے۔ میری مرضی میں جو مرضی کروں جس مرضی کی عزت لوٹوں" یہ تیمور کی ذہنیت تو نالی کے گند جیسی تھی جس پر سادان نے یک لخت پتھرائے انداز میں اسکا

گریبان چھوڑا اور وہ بھی خبیث ہنسی سے سادان پر کیے اس وار سے محظوظ ہوا۔

کومل اور سلطانہ تو اپنے منہ پر ہاتھ رکھے اس بات پر محسوس کن حد تک نڈھال ہوئیں جبکہ کرمان اور شاویز بھی تیمور کی ایسی بات پر پورے کے پورے ہل گئے تھے۔

سادان کو تو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا، یہ سامنے ادھ منہ ہوا تیمور اس سے یہ کہے گا جو اسکی روح تک لرزا گیا تھا۔

اب کی بار تھپڑ سلطانہ نے مارا اور ہر کوئی اب اس تھپڑ سے گھونجتے سناٹے پر اپنے دل و دماغ کو شل محسوس کر رہا تھا۔

خبیث کہیں کے، یہ خرافات کہاں سے سیکھ رہا ہے۔ آج سادان نہیں" میں لوں گی تیری جان، تجھے یہ بات سوچتے ہوئے اور اپنے منہ سے نازل کرتے زرا غیرت نہیں آئی، بے شرم بے حیا۔ عزت لوٹے گا تو، اس قابل رہے گا تو لوٹے گا" سلطانہ نے اپنی جوتی اتار کر دو تین تو لگا ہی ڈالیں یہ تو

انجیل نے دھاڑ کر پوتے کا بچاو کیا جس پر وہ مرنے سے بچتا ہوا اب دادی سے چپک گیا۔

انجیل نے سب پر ایک تنفر سے نگاہ ڈالی اور تیمور کو ساتھ ہی لگائے اندر بڑھ گئیں۔

انکے جاتے ہی سلطانہ بھی پھوٹ پھوٹ کر رو دیں مگر کرمان نے کومل کو انھیں اندر لے جانے کا اشارہ کیا۔

شاویز اور کرمان ایک ساتھ ہونق زدہ تکلیف سے آٹے سادان کی سمت بڑھے مگر وہ فوراً سے بیشتر مڑا اور تیزی سے قدم اٹھائے پھر سے حویلی سے باہر لپکا۔

کرمان نے پریشانی کے عالم میں شاویز کو اسکے پیچھے بھیجا اور خود سخت دلبرداشتہ ہوتے حویلی کے اندر بڑھ گئے۔

سادان آج واقعی یا اپنی جان لے لینے والا تھا یا کسی اور کی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یااللہ، آج تو سادان سائیں کے غصے سے پوری حویلی کانپ گئی۔ میری تو"
اب تک ٹانگیں کانپ رہی ہیں "بلقیس، فلذہ کا کھانا لائی تو وہ جو کھڑکی سے
لگی کھڑی تھی، یک دم بیقراری سے مڑی کیونکہ بلقیس کی بات اسے
ساکت کر گئی تھی۔

جس وقت یہ سب ہوا اس وقت فلذہ صوفے پر بیٹھی ہی سو گئی تھی تبھی اس
نے باہر ہونے والا واویلہ نہیں سنا تھا۔

ہرے اور گہرے سرخ کڑھائی دار مختصر سی قمیص کے نیچے سفید ہی
خوبصورت پانچوں والی شلوار، سر پر باریک دوپٹہ ڈالے فلذہ بے یقین سی
اب بیڈ پر بیٹھی تو بلقیس نے آہستگی سے کھانے کا ٹرے اسکے سامنے رکھا جو
سراپا سوال بنی بلقیس کو دیکھ رہی تھی۔

فلذہ دبلی پتلی ہو کر بھی بھری لگتی تھی، یا یوں کہنا چاہیے کہ وہ سڑی ہڈیوں کے ڈھانچے جیسی لڑکیوں کی طرح نہیں تھی بلکہ اسکا گداز پن ہی تھا جو اسکے سانولے رنگ پر بھی جچتا تھا۔

سانولا رنگ ہونے کے باوجود اسے گہرے رنگ پہننا پسند تھا، کمر تک جاتے بال جو کس کے آگے سے مانگ نکال کر بندھے ہوتے تھے اب کومل اسکا ایک طرفہ پف بناتی تھی اور چوٹی بھی کسنے کے بجائے ڈھیلی کرتی جسکی وجہ سے اسکے چہرے پر پڑتا کھنچاو اب زائل ہوا لگتا تھا۔ اسکی گالوں پر شفاف پن تھا۔ ہونٹ اسکے معصوم سے چہرے پر پھیلا ور کھتے تھے اور جو ہمیشہ گلابی لالی سے مزین رہا کرتے اب تو بے رنگ تھے۔ یہاں آکر تو اسے سجنے کی ہوش ہی نہیں رہی تھی۔ اوپر وی ہونٹ کے کنارے پر موجود تل مبہم ہو کر بھی دیکھائی دے رہا تھا۔

کانوں میں وہی بابا جان کی دلائی بالیاں تھیں جو اس پر حسین لگتی تھیں مگر آج پھر سے فلذہ اداس تھی۔ صبح سادان اسے آنے کا کہہ کر آیا ہی نہیں تھا اور اب جو بلقیس نے کہا وہ تو فلذہ کا چہرہ مزید تاریک کر گیا۔

کیا ہوا خالا جی، وہ کہاں ہیں" بلقیس نے فلذہ کو یوں لاعلم جان کر اگلے ہی پل ساری داستان گوش گزار کر دی اور یہ سارا کچھ سن کر فلذہ کے تو ہاتھ پھیر ٹھنڈے پڑھ گئے۔

دل میں سونے پر شکر گزار ہوتی فلذہ لرز کر رہ گئی تھی، جس انسان کو اس نے بس رحم کرتے دیکھا تھا وہ بلقیس کے بقول ایسا خوفناک بھی ہو سکتا ہے یہ تو فلذہ کی روح فنا کرنے جیسا تھا۔

بلقیس تو اپنے خوف میں کہہ بیٹھی پر فلذہ نے کھانے سے ہاتھ روک دیا جس پر بلقیس نے پیار سے فلذہ کی گال سہلائی۔

ڈر مت پتر، سادان سائیں بروں کے لیے ایسے ہی ہیں۔ تُو تو بھاگوں والی "ہے جس پر وہ بس نرمی اور اپنی چھاوں ہی رکھتے ہیں" بلقیس کے لہجے میں رشک بولا تھا پر نجانے کیوں فلذہ کا دل سخت سہم کر بجھ گیا تھا۔

مجھے بھوک نہیں ہے خالا جی، کیا میں سو جاوں "فلذہ نے خلق سے لگی" آواز کے سنگ کچھ کہنے کو منمنانے کی کوشش کی تو بلقیس بھی اب تھوڑی فکر مند تھی۔ فلذہ کے کھانے کا سادان اسے سختی سے کہتا آیا تھا اور اسے یہی ڈر تھا کہ کہیں سادان اس بات پر بلقیس پر ہی نہ غصہ اتار دیں۔

تھوڑا سا کھا لے پتر، ورنہ سائیں مجھ پے ناراض ہوں گے "بلقیس نے" دل کے خدشے کو زبان دی پر نا جانے کیا تھا کہ فلذہ کو رہ رہ کر سادان کی فکر تھی اور بھوک تو جیسے مر گئی تھی۔

خالا جی نہیں کھایا جائے گا "فلذہ نے اب کی بار التجاء کی تو بلقیس بھی اب" مزید نہ کہتے ہوئے اسکے سر پر پیار سے ہاتھ رکھتے اٹھ کر باہر چلی گئی۔

کئی الجھن زدہ لکیریں تھیں جو فلذہ کے چہرے پر درج تھیں، آج اسے بھی سر کے سائیں کی فکر اور پریشانی ہو رہی تھی۔ گویا یہاں بھی سانولی کے دل میں اللہ پاک شہزادے کو تحریر کر رہے تھے۔

اللہ جی آپ انکو ٹھیک رکھیے گا، انھیں دکھی مت ہونے دیں۔ آپ کو تو پتا" ہے ناں وہ میرے لیے اور میرے بابا کے لیے کتنا کچھ کر رہے ہیں۔ آپ میرے حصے کی رہی سہی خوشی بھی انکو دے دیں۔ مجھے بس میرے بابا جان مل جائیں" بھولی سی سانولی فلذہ اپنے معصوم دل سے جو دعا مانگ بیٹھی تھی وہ بھی سن لی گئی تھی۔

کچھ دعائیں وہ رب پاک اس محبت سے سنتا ہے کہ بعد کے بجائے اسی وقت قبول کر لیتا ہے۔

سوتے سوتے آنکھ اچانک کھل جاتی ہے"

ایک ہی خدشہ نیند اڑا کر لے جاتا ہے

خواب میں اُڑتا آتا ہے اک مبہم سایہ

" مجھ سے تیرا ہاتھ چھڑا کر لے جاتا ہے

دل نے آج سہم کر حسرت کا پرچار اور خوف کی نمائندگی بھی کی تھی۔

فلذہ نے وہیں بیڈ پر بیٹھے بیٹھے ہی سر ٹکا لیا اور یہی دعا کرتی کرتی اپنی آنکھیں موندھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سادان حویلی سے نکل کر جس ضبط سے نہر تک پہنچا تھا یہ یا تو وہ جانتا تھا یا اسکا رب۔ پاوں تھے کہ اذیت کا بوجھ وہاں تک اتر آیا تھا۔ وجود اک بھر بھری مٹی کا ٹیلہ تھا۔ وہ گویا ایسے گر پڑنے والا تھا جیسے گھن کھایا زینہ جو دھڑم سے چرمرا کے چور ہو جاتا ہے۔

شاویز نے اسکے قدموں کی پیروی کی مگر اس سے چند قدم پر جا کر رک گیا اور اسے خدشہ تھا کہیں وہ نہر میں چھلانگ ہی نہ مار دے۔

سادان کے چہرے پر اذیت کا گراں سا بوجھ رقم تھا، آنکھیں سرخ انگارہ اور انکے کنارے گلابی پن سے لبریز تھے۔رات کی اس دل چیرتی خاموشی اور پر فضا ہوا کے باوجود سادان کو اپنے وجود سے آگ کے شعلے اٹھتے محسوس ہو رہے تھے۔

گردن کی رگوں میں تباہ کن تناو تھا، سرخی مائل چہرہ یوں زرد تھا جیسے اسکے وجود سے آخری لہو کا قطرہ تک نچوڑ لیا گیا ہے۔

سانس سے سانس بھی ٹھیک سے نہیں لیا جا رہا تھا، دل پر اک جان نکالتا درد تھا جو پل بھر میں ناسور بن گیا تھا۔

وہ پیاری مہربان آنکھیں درد میں پیوست ہوئیں اور وہ نہ دھاڑ پایا نہ چلایا بس اپنے بے مراد ہاتھ کو دیکھ کر ضبط ہار گیا۔

اسکے رخساروں پر پُر حدت قطرے پھسلے، اور سارا کرب آنکھوں سے بہتا گیا جسے وہ بے دردی سے اپنے چہرے پر جلاتا، سلگتا درد محسوس کر رہا تھا۔

چند قدم پر کھڑا شکستہ سا شاویز اب اسکی سمت لپکا اور اسے پشت سے خود میں پیوست کیا مگر یہ لمحہ خود شاویز کی آنکھیں سرخ انگارہ تھیں۔

آج جان گیا ہوں کہ بعض دفعہ موت، زندگی سے زیادہ ضروری ہوتی "ہے۔ میں ان لوگوں میں زندہ نہیں رہ سکتا، یہ سسٹم یہ ماحول میری رگوں سے جان کھینچ رہا ہے۔ میں تھک گیا ہوں، اتنے کم وقت میں میری ساری ہمت جواب دے گئی۔ مجھے خود سے اس وقت وحشت ہو رہی ہے" شاویز اسکے درد میں برابر کا شریک تھا اور چاہتا تھا کہ وہ اپنے اندر کی تکلیف کسی طرح باہر نکالے۔

سادان کی آواز میں ٹوٹے کانچ سی چھنکار نے شاویز کا سینہ بھی کاٹ ڈالا مگر وہ اسے ہنوز جکڑے ہوئے تھا۔

بس میرے شہزادے، بس۔ حوصلہ" شاویز کی اپنی آواز لرز اٹھی مگر سادان نے آج کسی حوصلے کا سہارا نہیں لینا تھا۔

نہیں کرنا مجھے حوصلہ، چھوڑ شاویز مجھے۔ آج مجھے مرنے دے، میں جینا" نہیں چاہتا۔ میں یہ لڑائی نہیں لڑ پاوں گا۔ میں ہر وعدے سے ہار جاوں گا، میری آنکھوں کے سامنے یہ سب ہوتا رہے گا اور میں یوں گھٹ گھٹ کر سانس لیتا رہوں گا۔ چھوڑ دے مجھے شاویز میری مشکل مت بڑھا" آج سادان بلکل ٹوٹ گیا تھا، پہلے بھائی کی درندگی اور پھر اسکا ہر رویہ سادان کا دل چور کر گیا۔

شاویز اسے مزید مضبوطی سے جکڑ چکا تھا پر وہ طاقت میں شاویز سے زیادہ تھا اور مسلسل بے رحمی سے خود کو چھڑوا رہا تھا۔

سادان ہمت مت ہار، یہ تو ابھی تیرے امتحان کی شروعات ہے۔ کیوں" مجھے بھی ہلکان کر رہا ہے۔ ادھر دیکھ میری طرف۔۔۔۔ دیکھ ناں یار" شاویز اسے بلکل بچے کی طرح ٹریٹ کیے اسکا دہکتا سرخ چہرہ موڑے اپنی

سمت کیسے بولا مگر وہ تو تہس نہس ہو کر منتشر تھا جسکے ریزے ہوا میں تحلیل ہو رہے تھے۔

"شاویز میری بات سمجھ، میں واقعی ہار گیا ہوں۔ یہ سب میری طاقت سے کئی گنا زیادہ ہے۔ میں یہاں سے خود کو گم کر لینا چاہتا ہوں۔ چھوڑ دے، آج سمجھا ہوں کہ فلذہ نے اس حویلی میں رہنے کے بجائے اس نہر میں جا کر مرنے کا کیوں کہا تھا۔ وہ سچی تھی، وہ پھر بھی مر جائے گی اور میں اسے مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ مجھے مرنے دے، چھوڑ مجھے" اب تو شاویز کو سادان کی ذہنی حالت تک ہلی لگی اور اسی بے گانگی میں وہ بہت کچھ کہہ گیا۔ وہ بھی جو اس نے اب تک خود تک سے چھپا کر رکھا تھا۔

شاویز اسے سینے میں بھینچ گیا مگر وہ تب بھی پر سکون نہیں تھا، وہ آگ کی طرح تپ رہا تھا۔ وہ سلگ رہا تھا، اسکی ہستی لرزاں خیز تھی۔

"بس سادان، سب ٹھیک ہو گا میرے شہزادے۔ خود کو سنبھال۔ میں ہوں ناں تیرے ساتھ، بس کر یہ خود کو تکلیف مت دے۔ بس یہ آنسو

پرے مار، مرد بن۔ رونی شکل والا سادان کسی نے دیکھ لیا تو صدمے سے مر جائے گا" شاویز بس کسی طرح اسکا پھٹا دل سینے کی کوشش میں تھا جو بہت پیار سے سادان کے چہرے پر ڈھلکی نمی ہٹائے مسکرا کر اسکی گال تھپکاتے بولا مگر اسے تو جیسے کوئی اثر ہی نہیں تھا۔

"چل وہاں بیٹھتے ہیں، آجا" سادان کا ہاتھ پکڑے وہ اسے نہر کی ڈھلوان تک لے گیا اور اسے بٹھائے خود بھی ساتھ جا بیٹھا۔

سادان تو سامنے نیم اندھیرے میں پیوست نہر کو یوں دیکھ رہا تھا کہ جیسے سارا پانی یا پی جائے گا یا خود کو اس میں غرق کر لے گا۔ کچھ دیر وہ مصالحت سے سادان کی خاموشی پر غور و فکر کرتا رہا۔

"تیمور چھوٹا ہے اور بری صحبت اور آزادی سے گمراہ ہو گیا ہے، ہر گناہ کی توبہ ہے اور اسے توبہ کی سمت صرف تیرا نرم مصالحت زدہ لہجہ لائے گا۔ اس سے پرسنلی بات کر کے آخر وہ چاہتا کیا ہے، یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے۔ اسے تیری ضرورت ہے جو بات حق ہے۔ خود کو اس اذیت سے نکال، اسکی

کہی بات نہ دیکھ، اسکے بگھاڑ کی گہرائی دیکھ کے وہ اس عمر میں ایسی گھٹیا سوچ سوچتا ہے۔ میرا شہزادہ ہے تُو، اور میں تجھے کبھی بھی کمزور نہیں دیکھنا چاہتا" شاویز کی نرم سی باتیں سادان کو کچھ حد تک پر سکون سا کر گئی تھیں۔

میں اسکی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا" سادان دکھ سے اٹا ہوا شاویز کی اس" بات کو چنداں اہمیت نہ دیتا ہوا ضدی پن سے بولا جس پر شاویز ہلکا سا مسکرایا مگر فوری مسکان معدوم کر گیا۔

ابھی مت دیکھ، ویسے بھی اسکی شکل دیکھی کہاں جائے گی۔ سوجھ گیا ہوگا" اب تک۔ ویسے وہ اس مار کے لائق تھا پر اپنا ہاتھ دیکھ، سرخ لال کر لیا۔ آپنے آپ کو دیکھ، آنکھیں انگارے جیسی۔ اسے مار کر اسکو دی تکلیف تُو سہہ رہا ہے، کبھی کبھی مار اہم ہوتی ہے پر ساتھ سختی اور نرمی سے اصلاح بھی درکار ہے۔ صرف مار سے وہ جو آج بدکاری سے بچ نکلا، ممکن ہے ضد میں آکر کوئی اور بد فعل کر آئے۔ ہر حربہ آزما، مار ہو گئی اب زرا نرمی کر کے دیکھ لے" شاویز اسے ایک اچھی ترغیب دے رہا تھا اور اب کی بار بات

سادان کے پلے بھی پڑھ گئی مگر فی الحال تو وہ اس منحوس اور خبیث کی شکل نہ دیکھنے کا فیصلہ لے چکا تھا۔

"ٹھیک ہے یہ بھی کر کے دیکھ لوں گا، پر وہ ٹیڑھی ہڈی ہے جسکا استاد بس میرا یہ ہاتھ ہے" سادان نے اپنا ہاتھ بری طرح مسلتے ہوئے ویسے ہی روٹھے اور نروٹھے پن سے کہا جس پر شاویز نے اسکا ہاتھ پکڑ کر دکھ سے دیکھا۔

"معصوم سے ہاتھ کی چینخیں نکلوا دیں یار، چل خیر ہے۔ بس تیرا دل بہتر ہو جائے میری اس وقت یہی خواہش ہے" شاویز کے حوصلے اور ساتھ نے سادان کو کافی بہتر کر دیا مگر دل کی بہتری والی اس بات پر سادان دلخراشی سے سر جھٹک گیا۔

"وہ تو مر کے ہی ہو گا" پھر سے جلا بھنا انداز سر زد ہوا تو شاویز نے ہنوز مسکرا کر ابھی تک دہکتے اپنے جگری یار کو دیکھا اور کچھ دیر پہلے سادان کے ہونٹوں سے نکلی غیر دانستہ بات یاد آنے پر مزید دلفریب مسکرایا۔

گھر نہیں جانا، بھابھی جی انتظار میں ہوں گی "ہلکی سی شرارت شاویز کے "

ہونٹوں پر تبسم پھیلانے پھوٹی تو سادان نے کرنٹ کھا کر گردن موڑے

اس بتیسی چھپا کر مسکراتے شاویز پر ڈالی تواب اسکا واقعی دل کیا نہر میں

چھلانگ لگا جائے۔

شاویز مت کر "سختی سے وارننگ آئی تھی اور شاویز بھی کانوں کو ہاتھ "

لگائے توبہ کرتا بلکل دلفریب سنجیدگی میں لپٹ کر سادان کی طرح نہر کو

دیکھنے لگ گیا۔ ممکن تھا دونوں یونہی صبح تک یہیں جمے رہنے والے تھے۔

اسکا ذکر تک تجھے پر سکون کر دیتا ہے شہزادے "

پھر اس سراپا امرت جیسی سانولی کا رتبہ کیا ہو گا "شاویز نے دلفریب سی

مسکان پھر سے اپنے ہونٹوں پر سجائے سادان کی سمت چپ چاپ دیکھتے

سوچا اور آج شاویز کے دل نے بھی سادان کے دل کی مراد کی قبولیت کی دعا

کر دی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حویلی میں یہ رات ایک طرح سوگ اور ماتم کناں سی تھی۔ ساری رات تیمور تھپڑوں اور ٹھکائی سے تڑپتا رہا اور انجیل بیگم ساری رات پوتے کے سرہانے اسکی بیمار پرسی کرتی رہیں۔ درمان چوہدری نے خود کو الگ کمرے میں مقفل کر رکھا تھا۔ کومل کو درمان نے روتی ہوئی سلطانہ کے ساتھ رہنے کا کہا اور خود بھی وہ ساری رات حویلی کے دالان میں پھرتے رہے۔

دوسری طرف تبریز جو ٹکا کر بے عزت ہوا تھا آج اپنے ڈیرے پر ہی رکا تھا۔

سارا دن وہ اپنی ذلت کے عالیہ سے بدلے لینے کے منصوبے بناتا رہا تھا، اسکی حالت مخدوش تھی۔

چہرے پر بدلے کی آگ نے آتش فشان ثبت کر رکھا تھا۔

منظور حسین کی طبعیت کچھ بہتر تھی مگر مسکین سا اپنے کچے صحن پے ڈالی چارپائی پر لیٹا تاروں کو دیکھ رہا تھا۔ بشیر نے سگوں سے بڑھ کر ساتھ نبھایا اور

ڈاکٹر کبیر نے بھی بلامعاوضہ ہر وہ دوا دی جو اس بوڑھے کی تکلیف میں موہوم کمی کا سبب بن جاتی۔

فلذہ کو بھی ساری رات نیند نہ آسکی، آج سانولی کو شہزادے کی پریشانی نے نیند سے بیگانہ کر دیا تھا۔

دل میں سوسو وسوسے اور برے خیال امڈ امڈ کر اسے بے حال کر رہے تھے مگر وہ تو آج نہر کے پاس سے ملنے تک کو راضی نہ تھا۔

شاویز نے تو گھنٹہ سارا ساداان کے کندھے پر سر ٹکا کر نیند بھی پوری کر لی، بھئی بادشاہ بندہ تھا۔ جہاں نیند آئی بس سوجانے کا کام کرتا تھا۔

مگر ساداان کو ایسی کوئی حسرت نہ جاگی، وہ بس غیر مرئی سے نقطوں کو کھوجتا رہا۔

اسے یاد آیا کہ اس نے فلذہ کو رات جواب دینے کا کہا تھا اور وہ منتظر ہو گی۔

یہ خیال سادان کو بھی بے قرار کر گیا تھا اور فجر کی نماز مسجد میں ادا کرنے کے بعد آخر سادان حویلی جانے پر مان گیا جس پر شاویز نے ہاتھ اٹھا کر رب کے حضور شکر ادا کیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات کے کسی تاریک پہر تبریز جب حویلی لوٹا تھا تو بخت سکندر اسکی اجڑی حالت دیکھ کر دہل گئے تھے کیونکہ وہ اسکے ابھی تک گھر نہ لوٹنے پر فکر مندی سے باہر ہی براجمان تھے اور تبریز کی گاڑی کا ہارن سنتے ہی خالدہ بھی باہر چلی آئیں۔ اور وہ تو آج عالیہ کو زندہ زمین میں گاڑ کر اپنا بدلا لینا چاہتا تھا۔

تبریز، یہ کیا حالت بنا رکھی ہے " سکندر اسے خونخوار انداز میں کمرے کی " سمت جاتا دیکھ کر پریشانی سے اسکی سمت لپکے اور بازو سے پکڑ کر اس پہاڑ کو سامنے لائے۔

تبریز کی ماں بھی اسکی ایسی وہشت ناک سرخ حالت دیکھ کر کانپ کر اسکی سمت لپکی۔

"چھوڑیں مجھے، آپکے اس دو ٹکے کے چوہدری درمان نے میری بہت زلالت کی ہے۔اب اسکا بدلا وہ عالیہ چکائے گی" تبریز تو اس وقت بے لگام تھا اور اس پر اب چوہدری سکندر بے یقینی سے ہراساں نظروں کے سنگ تبریز کو دیکھ رہے تھے۔

ماں تو ماں تھی، فوری بے قراری سے تبریز کا تپا چہرہ تھامے چومنے لگی کہ کسی طرح اس آتش فشاں کو ٹھنڈا کیا جاتا۔

چوہدری بخت سکندر مان ہی نہیں سکتے تھے کہ درمان نے بنا کسی وجہ کے تبریز کی درگت بنائی ہو گئی تبھی اب وہ اسے خشونت بھری نگاہوں سے گھور رہے تھے جو آج سب تہس نہس کر دینے والا دیکھائی دے رہا تھا۔

"ضرور تیری ہی غلطی ہو گی، اور اپنے بگھڑے کام تو عالیہ سے بدلا لے کر سنوارے گا۔ خبردار تبریز جو اس بچی کو ہاتھ بھی لگایا تو تیرے ہاتھ کاٹ

دوں گا۔ سمجھالے اسے خالدہ، آگے ہی ہم اس معصوم کو اس جانور کے ساتھ باندھ کر شرمندہ ہیں" وہ جو پہلے ہی جلا بھنا چرمرا کر منتشر ہونے کے دہانے پر کھڑا تھا، والد گرامی کی یوں عزت نفس مجروع کرنے پر تلملا اٹھا تھا۔

اسکا سرخی مائل دہکتا فربہی وجود اب اس مزید زلت کی ڈوز پر سلگ اٹھا اور اس نے ایک خون آشام نگاہ بابا اور اپنے چہرے کو پریشانی سے سہلاتی اماں پر ڈالی اور انھیں جھٹک کر لڑکھڑاتا ہوا دو قدم دور ہٹا۔

اب سچ میں بتاؤں گا کہ جانور کیسا ہوتا ہے" دونوں کو تنبیہ زدہ انداز میں وہ کہہ کر رکا نہیں اور وہ دونوں ہی صدمے کی کیفیت میں مبتلا پیچھے دوڑے مگر ان کے پہنچنے تک تبریز اپنے کمرے کا دروازہ پٹخ کر بند کر چکا تھا۔

عالیہ جو الماری میں کپڑے تے کر کے رکھ رہی تھی، لاوے کی طرح ابلتے تبریز کو اندر آتا دیکھ کر کپڑے اسکے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش بوس ہوئے اور وہ تیز تیز سانس لیتی الماری سے لگ گئی۔

تبریز، قسم کھاتا ہوں تیری ہڈیاں توڑ دوں گا۔ عالیہ کو کچھ مت کہنا" باہر سکندر بخت اپنی پوری دبنگ آواز سے دھاڑے مگر اگلے ہی لمحے ایک زور دار تماچہ عالیہ کے منہ پر پڑا اور اک ہیجانی چینخ فلک بوس کی دیواروں سے ٹکرا کر باہر کھڑے ان دونوں نفوس کو پتھرا گئی۔

وہ جو اس قدر زور دار تھپڑ پر فرش پر جا گری تھی اب تبریز نے اسے بالوں سے گھسیٹ کر اپنے سامنے لایا اور اسکا جبڑا دبوچا۔

وہ سسکتی رہی، آہیں بھرتی رہی مگر تبریز کو نہ رحم آیا نہ اسکی درندگی میں کمی آ سکی۔

کہا تھا تجھے، وہ میری ذلت کرے گا اور میں تجھے جیتے جی مار دوں گا۔ مرنے کے لیے تیار ہو جا عالیہ " تبریز جو ابھی تک نشے میں تھا، اس نازک سی عالیہ پر قہرناک بن کر ٹوٹ پڑا۔

باہر وہ دونوں دھاڑتے رہے، خالدہ تو پھوٹ پھوٹ کر اس ظلم پر روتی رہیں اور چوہدری بخت سکندر تو بند دروازے کو زوردار دھکے دے دے کر ہلکان تھے۔

اندر عالیہ کی چینخیں تھیں اور شاید اللہ بہت مہربان تھا، لگاتار دروازہ دھکیلنے کے باعث آخر کار دروازہ کھلا اور جہاں خالدہ تڑپ سینے کے سنگ زمین پر بے سدھ پڑی عالیہ تک پہنچیں وہیں چوہدری بخت سکندر نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ اور اپنی پوری قوت سے تبریز کے منہ پر ایک ساتھ دو تھپڑ رسید کیے جس سے اس درندے کا سارا نشہ باہر آن ٹپکا اور وہ سرخ آنکھیں کر کے حقارت سے دیکھتے بابا پر اک طیش بھری نظر ڈال کر زوردار پاؤں عالیہ کو مارتا باہر نکل گیا۔

وہ تو لگتا تھا بس مرنے والی ہے، خالدہ نے فوری عالیہ کو زمین سے اٹھا کر بیڈ پر لٹایا اور اسکے سرہانے بیٹھتے ہی روتی ہوئیں اسکا ماتھا چومنے لگیں۔

بخت سکندر کے جسم کا سارا لہو انکے چہرے پر تھا اور آج یہ دو تھپڑ لگانے میں انھیں بہت دیر ہو گئی تھی۔

بد بخت تبریز، تو نے مجھے زلیل کرنے کے سوا کچھ نہیں کیا۔ کیا حال کر دیا" ہے بچی کا۔ میں ڈاکٹر کو لے کر آتا ہوں خالدہ، تو اسکے پاس رہ" چوہدری بخت سکندر افسوس میں جا گزیں ہو کر بولے اور خالدہ کو ہدایت کرتے ہی باہر نکل گئے اور وہ جو روتی سسکتی ہلکان تھی اب اکھڑے سانس لے رہی تھی۔

نہ جانے اس جانور نے اسے کچھ ہی پل میں کتنا مار ڈالا تھا، مگر عالیہ کی حالت ابتر تھی اور وہ بہت بری حالت میں ڈوب گئی تھی۔

آدھے گھنٹے تک چوہدری بخت گاوں کی ہی ایک لیڈی ڈاکٹر کو لائے اور خود وہ اپنے آدمیوں سے تبریز کو ڈھونڈ کر لانے کا حکم کرنے باہر آ گئے تھے۔

وہ درندہ یہ ظلم ڈھا کر نا جانے کہاں جا کر مرا تھا مگر اب وہ بابا کے عتاب سے ہر گز بچنے والا نہیں تھا۔

اصل لرزاں خیز صدمہ تو تب لگا جب ڈاکٹر نے فوری اپنے کلینک کی ٹیم کو بلوایا اور خالدہ کو بھی کمرے سے باہر بھیج دیا۔

دونوں میاں بیوی شدید کرب میں تھے اور پھر انکا کرب ناقابل حد تک بڑھا جب ڈاکٹر نے انکو دل دہلا دینے والی یہ خبر سنائی۔

وہ ماں بننے والی تھیں، آئی ایم سوری ان کا مس کیرج ہو گیا ہے۔اور وہ" خود بمشکل بچ پائی ہے۔آپ پلیز اسکا خیال رکھیے گا، شی از سٹل ان ڈینجر۔وہ ابھی بھی خطرے میں ہے۔میں یہ نرس یہیں چھوڑ رہی ہوں" حویلی کی اتنی بڑی خوشی پتا چلے بنا روٹھ جائے گی یہ تو چوہدری بخت نے کبھی نہ سوچا تھا۔کئی سیل رواں سے آنسوان دونوں میاں بیوی کی آنکھوں سے نکل کر ماتم کناں ماحول بنا گئے تھے۔

تبریز نے اپنے ہاتھوں سے اپنے بچے کی جان لے لی تھی اور جب یہ بات اس معصوم سی بے جان عالیہ کو پتا لگنی تھی تو ممکن تھا یہ ستم اسکی جان بھی لے لیتا۔

خدا کی لاٹھی بہت بے آواز ہے، یہ ظلم جو تبریز کر گیا تھا اب اسے اسکا بدلا ہر صورت چکانا تھا۔

کئی بے آواز آنسو وہ ماں بہاتی گئی جسکے گھر میں قیامت آگئی تھی۔

وہ بیڈ پر بے سدھ پڑی تھی، چہرے پر تشدد کے باعث سرخی اتری ہوئی تھی۔اچھا ہوا کے ہوش سے بیگانی ہوگئی تھی ورنہ یہ اذیت اس پہلے سے کربناک عالیہ کبھی نہ سہہ پاتی۔

یہ حقیقت ممکن تھا دبالی جاتی، بخت سکندر شرمندہ و بے بس تھے۔دوست کی بیٹی موت کے منہ میں تھی اور وجہ انکا بیٹا تھا۔

دل پر ہاتھ سہلاتے ہوئے وہ سرخ انگارہ آنکھیں لیے صوفے پر لڑھک گئے اور خالدہ کا تو ویسے بھی رو رو کر برا حال تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ابھی مکمل صبح نہیں ہوئی تھی۔ ہلکی ہلکی سحر میں دور دور تک ابھی تک آذانیں سنائی دے رہی تھیں۔

فلذہ نے نماز پڑھ کر اب بھی وہی رات کی دعا مانگی تھی، رات نیند اسکی آنکھوں سے دور تھی اور آج حویلی چھوڑنے پر خوشی کے بجائے سادان کو نہ دیکھنے کی تکلیف سی زیادہ حاوی تھی۔

اپنے سر پر دوبارا اوڑھا دوپٹہ ٹھیک کرتی وہ آہٹ پر مڑی تو سادان کو آتا دیکھ کر گویا فلذہ کے چہرے پر بہار آگئی۔ وہ تو آج فلذہ کی طرح نظریں جھکائے ہوئے اپنی چادر صوفے پر بے نیازی سے رکھ رہا تھا، اس دوران فلذہ اسے ہی بیقراری سے دیکھ رہی تھی مگر سادان کو لگا جیسے وہ اسے دیکھ کر ہار جائے گا۔

فلذہ کے اکیلے ہو کر ڈر جانے کے خوف سے وہ شاویز کے کہنے پر آتو گیا تھا مگر اس میں ابھی بھی کسی کا سامنا کرنے کی نہ ہمت تھی نہ سکت۔ اور فلذہ تو شاید اسکی کمزوری بن چکی تھی۔

آج ویسے بھی ان دو ڈیڈ باڈیز کی رپورٹ آنی تھی، سادان بس جلد از جلد ان معاملات سے خلاصی چاہتا تھا۔

فلذہ اسکے ایسے بے گانے سے رویے پر اسے ہراساں ہوئے دیکھ رہی تھی جو اب اپنی کلائی سے گھڑی اتارے ڈریسنگ پر رکھ رہا تھا۔

وہ اسے بجھا لگ رہا تھا، سادان کا گلاب سا تروتازہ چہرہ تھکن سے اٹا تھا۔

اب وہ چاہتی تھی کہ وہ اس کو دیکھے اور اس سے بات کرے مگر سادان اپنے آپکو اس سمت لانے سے جان بوجھ کر روکے ہوئے تھا۔

اور پھر آج فلذہ جانے والی تھی، کہیں اندر دل اس ہجرت پر بھی راضی نہ تھا۔

مسلسل سادان کی خاموشی بھانپتی ہوئی وہ خود بھی چپ اور مرجھائی رہی تو سادان فریش ہونے واش روم گھس گیا۔

فلذہ وہیں بیڈ کے کنارے پر ٹکی بے چینی میں لپٹی اپنے ہونٹوں کی شامت لائے بھرائی آنکھوں سے اپنے مسلتے ہاتھ دیکھتی رہی۔

سادان کا اسے نظر انداز کرنا فلذہ کو بھری دنیا میں اکیلا کر دینے جیسا لگ رہا تھا اور آنسو تو ویسے بھی فلذہ پر بہت عاشق تھے۔

سادان چاہتا تھا کہ وہ تھوڑا بہتر ہو کر بات کرے، ورنہ وہ اسکی آنکھوں سے ویسے ہی خوف کھا کر صدمے میں چلی جاتی جو تکلیف سے دہک کر ہولناک ہو گئی تھیں۔

پندرہ منٹ تک سادان ترو تازہ اور بہتر انداز میں باہر نکلا اور ان پندرہ منٹ فلذہ نے رونے کا مشغلہ خوب نبھایا اور جب سادان باہر نکلا تو اسکی نظر فلذہ پر پڑی جو اپنی ہتھیلی سے اپنی آنکھ کو رگڑنے کی حد تک مسل کر کباڑا کر رہی تھی۔

گرے سوٹ میں زرا شہزادے کا نکھار واپس آیا تو وہ ٹاول ڈریسنگ پر رکھتا برہمی اور بے قراری سے فلذہ تک پہنچا اور اسکا ہاتھ اسکی آنکھ سے الگ کیا جو اس اچانک افتاد اور سادان کے قریب آکر بیٹھے پر کانپ کر چونک گئی۔

کیوں آنکھ کا کام تمام کر رہی ہو، دیکھو کیا حال کر لیا مسل کر۔ کیا ہوا ہے " فلذہ، تم پھر سے رو رہی تھی؟ آج تم اس حویلی سے جا رہی ہو اب کس بات کا رونا ہے " سادان نے بات تو ملائم پن سے شروع کی پر نا چاہتے ہوئے بھی اختتام تک شہزادے کے لہجے میں اک ان کہی شکایت اور تلخی تھی۔

فلذہ نے بھرائی آنکھوں سے سادان کو دیکھا جسکی آنکھوں کے گوشے ابھی بھی گلابی پن لیے تھے، وہ اسے ہی دیکھ کر بے جان ہوا بیٹھا تھا۔

آپ نے مجھ سے بات نہیں کی، آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ میری وجہ سے " آپکی زندگی میں سب خراب ہو گیا۔ مجھے معاف کر دیں۔ آج جاوں گی تو پھر کبھی آکر آپکی پریشانی نہیں بنوں گی " روتے روتے فلذہ کی آواز دکھ سے اٹی تھی اور وہ تو پہلے ہی نڈھال تھا، اس دلخراش بات پر دل پھر سے اذیت میں جا گزیں ہوا تھا۔

ایسا الٹا مت سوچو فلذہ، تمہاری وجہ سے ہی تو میری آنکھیں کھلیں ہیں۔ " ورنہ اس گاوں میں ہونے والے یہ گھٹیا گھناونے فعل مجھ تک کبھی نہ

آتے۔اور بات کی پوزیشن میں نہیں تھا، تم نہیں جانتی کس تکلیف سے گزرا ہوں۔لیکن یہ بھی سچ ہے کہ تم سے خفا نہیں ہوں، پلیز رومت'' آج پہلی بار وہ فلذہ کی گالوں پر لڑھکتی نمی اپنی انگلیوں کی پوروں سے بہت رسانیت سے ہٹا رہا تھا، فلذہ کو یوں لگا جیسے آج رو وہ رہی ہے لیکن وہ آنسو سادان پر گراں ہیں۔

دونوں کی آنکھیں ہی رتجگے کی غماضی کر رہی تھیں۔جہاں فلذہ کے لہجے میں آنسوؤں کی آمیزیش تھی وہیں سادان کا لہجہ بے بس اور فلذہ کے لیے مان سے پر نور تھا۔

آپ ٹھیک ہو جائیں ''معصوم سی خواہش ان ہونٹوں سے نکلی اور وہ'' آنکھیں جو سادان کو پھر سے ہرا رہی تھیں، نمی سے جھلملا گئیں۔

میں ٹھیک ہوں، تم اپنا سامان وغیرہ باندھ لینا۔شام تم شاویز اور کومل کے'' ساتھ لاہور جا رہی ہو۔یہ رونا، یہ خوف سب یہیں چھوڑ کر اپنی نئ زندگی صرف اعتماد اور مسکراہٹ سے شروع کرنا۔ڈرنا اس لیے مت کیونکہ میں

ابھی تمہارے ساتھ ہوں، اپنا تو علم نہیں۔ تمہیں کسی منزل پر پہنچا دوں گا" سادان کا لہجہ تر اور پھر بھی فلذہ کو یوں لگا بہت ساری ہمت دے گیا ہے۔

فلذہ نے اپنی بھیگی آنکھیں پونچھ کر سر اثبات میں ہلایا اور پھر سے دونوں کی نظریں ہم آہنگ ہوئیں۔

فلذہ کا ہاتھ ابھی تک سادان کے ہاتھ میں تھا، اور یہ ہاتھ نا جانے چھوٹنے پر سادان کو دکھ کیوں تھا۔

سارے کھیل روحوں کے ہوتے ہیں، مٹی کے جسم میں کشش تب ہی جاگتی ہے جب روح کا ٹکراؤ ایک دل کو لگ جانے والی روح سے ہو جاتا ہے ورنہ یہاں تو حسین و جمیل لوگ بھی دل کو نہیں بھاتے اور کبھی سادہ سا انسان بھی جان سے پیارا ہو جاتا ہے۔

آپ مجھ سے ملنے آئیں گے؟" اک حسرت سی فلذہ کی بڑی بڑی سیاہ" آنکھوں میں چھلکی جس پر سادان کو لگا وہ لاجواب ہو گیا ہے۔

شاید آوں، یا شاید ملے بنا ہی تمہیں تمہاری منزل تک پہنچادوں۔ایک دو"
دن تک عاقل تمہارے بابا کو لے کر وہاں آئے گا۔سب بہت اچھا ہونے
والا ہے۔تم خوش رہنا اب"ساداں اٹھ کر جانا چاہتا تھا مگر اب کی بار ساداں
نے حیرت سے اپنے ہاتھ کی سمت دیکھا جسکے گرداب فلذہ کے ہاتھ کی پکڑ
تھی اور وہ پھر سے بھیگی آنکھیں لیے ساداں کا حوصلہ توڑ رہی تھی

مجھ سے دامن نہ چھڑا مجھے بچا کے رکھ لے"
مجھ سے اک دن تجھے پیار بھی ہو سکتا ہے"دونوں کی آنکھیں بچھڑنے کی
تکلیف سے ویران تھیں۔ان ظالم آنکھوں کے تقاضے تھے کہ جان پر وبال
بن رہے تھے۔
رہ لوں گی"فلذہ کے دل اور آنکھوں نے اسکا ساتھ چھوڑ سا دیا تھا اور وہ"
پھر سے نظریں جھکا گئی تھی۔

ساداں نے محسوس کیا وہ بہت رو رہی ہے، اتنی بڑی رہائی پر کون روتا ہے
بھلا۔

رومت پلیز، میں کسی کو روتا نہیں دیکھ پاتا" سادان نے ہلکی سی اداسی سے "
اسکا چہرہ ٹھوڑی سے اٹھائے کہا مگر وہ پھر روئی اور آج فلذہ نے بنا جھجھک
سادان میں حلول ہونے کا فیصلہ لیا تھا۔

یوں لگی ہوں ترے گلے سے میں "
جس طرح کوئی ڈر نہیں جاتا
کیوں میرے آس پاس حائل ہے
یہ نشہ کیوں اتر نہیں جاتا" لمحے معطر ہو گئے تو گویا دلوں میں عشق کی ایک
جیسی شدت کو بھڑکاتی رمز پیدا ہو چکی تھی۔

وہ اسکے سینے سے لگی باقاعدہ کانپ رہی تھی اور سادان کو اس صدمے کی سی
حالت میں اپنا آپ ہوا میں تحلیل لگا۔ وہ اپنی نازک سی گرفت میں اس
پہاڑ کو سموئے شاید اسے یہ بتا رہی تھی کہ وہ اسے بہت یاد کرے گی۔

یہ مراد دل کی بر آئی تھی، دیر سے ہی سہی پر سادان نے بھی اپنی بازو اسکے
گرد پھیلائے اسے یہ بتا دیا کہ وہ اسے اس سے زیادہ یاد کرے گا۔

آپ بہت اچھے ہیں، مجھے بہت یاد آئیں گے۔ میں ہمیشہ دعا کروں گی کہ "
اللہ آپکو کبھی کوئی دکھ نہ دیں اور آپ ایک دن اس گاؤں کے شہزادے
بنیں۔ میں نے جتنے دن آپکو رو رو کر پریشان کیا مجھے معاف کر دیں، آپ
بھی خوش رہیے" سینے سے لگی فلذہ آج سادان پر حقیقی اعتبار کر بیٹھی اور
وہ تو اس قربت کے لمحے خود میں جدائی سے سنی زندگی کو بہلانے کے لیے
اتار رہا تھا۔

وہ اپنی ہی دھن میں بچوں کے جیسے چمٹی ہوئی سادان کا سانس روکے دعائیں
دیتی گئی۔ یہ جانے بنا کہ وہ تو اس گرفت تک سے نجات پر راضی نہ تھا پھر
فلذہ کو چھوڑنا تو یقیناً سوہان روح عمل ہونے کو تھا۔

!...پہلا سا اب مجھے وہ جنونِ وحشت نہیں رہا"
کچھ کچھ سنبھل رہا ہوں تمھاری دعا سے میں" پر یہ سنبھلنا تو ادھورا تھا، اب
اگر کوئی سادان کی خوشی بن سکتا تھا تو وہ بس سانولی تھی۔

ان شاءاللہ، خوش رہوں گا" سادان نے بھی خود پر قابو کیے اسکے گرد" گرفت میں اک دلفریبی اور چاہت لیے اسکی تسلئ کو کہہ ڈالا جس پر وہ اسکے سینے سے الگ ہوئی تو کتنی ہی دیر نظریں جھکائے رہی اور سادان اسکے ہر انداز کو ذہن ودل میں رقم کررہا تھا۔

دقتوں سے خود کو بہتر کرتی فلذہ اب چہرہ اٹھائے سادان کو دیکھ رہی تھی جو اسے مسکرا کر دیکھ رہا تھا اور یہ قدرتی تھا کہ سادان کے چہرے کی مسکان اب فلذہ کے ہونٹوں پر تھی۔ایسی ہجرت جو کبھی کسی نے نہ دیکھی تھی، ہر شے ساکت کر گئی۔

اس روز سادان اسے دیکھ نہیں پایا مگر آج اس نے فلذہ کو پہلئ بار مسکراتے دیکھا اور یہ مسکان اسے کڑوروں میں واحد لگی۔

ایسی مقدس مسکراہٹ جسے چرا کر دل میں رکھنے کا خیال جاگ جائے۔

ماشاءاللہ، یونہی تمہارے بابا کے تمہارا نام فلذہ نہیں رکھا۔یقیناً اس" مسکان کو دیکھ کر یہ نایاب نام رکھا گیا ہے، بلاشبہ تم بہت پیاری ہو۔اچھی ہو

اوراس دنیا کی ہر خوشی کے لائق ہوں" وہ اسے دیکھتا ہوا اسے نہ صرف ہواوں میں پرواز عطا کر گیا بلکے اسے سوال کا جواب بھی دے گیا جس پر فلذہ کے ہونٹوں پر پہلے سے زیادہ مخملی سمٹی سی مسکراہٹ ابھری تھی۔

آپ بھی بابا جان والے کام کر رہے ہیں، ایویں سی کو پتا نہیں کیا کیا کہہ دیا" معصومیت تھی کہ اس لڑکی پر فدا تھی، وہ اب منہ پھلائے اپنے ہر رنگ دکھا رہی تھی مگر اب تو جدائی کا وقت تھا۔

اس بات پر سادان نامعلوم سی تلخی میں لپٹا اور پھر بے چینی معدوم کیے مسکرا دیا۔

شہر کی ہوا لگنے کی دیر ہے محترمہ، پھر دیکھیے گا لوگوں کی نزاکت" وہ اسے اسی کے انداز میں چھیڑتا ہوا شریر ہوا جس پر وہ پیارا سا ہنس دی۔

کسی کے خوشنما ہونٹوں پہ وار دوں خود کو"

کسی کی دلنشیں باتوں کو____ میری عمر لگے "سادان اسے آنکھوں کے ذریعے دل میں اتارتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

یہ ہنسی بہت دیر سے دی تم نے مجھے فلذہ، کاش اسے چرا کر پاس رکھ لیتا۔ پر جاتے جاتے تم سے کچھ لینا نہیں چاہتا۔ دعا ہے تم یونہی ہنستی رہو" وہ اسے مسکراتا ہوا دیکھ کر دل کو صدائیں بلند کرتا محسوس کر رہا تھا۔

وہ اب خوش تھی، شاید بابا سے ملنے کی خوشی نے لخت جگر کو زندگی دی تھی۔

پر وہ خوش نہیں تھا، فلذہ کے لیے گویا دل نے دھڑکنا چاہا۔ پر بعض اوقات خواہشیں ہوتی ہی بے مراد رہنے کے لیے ہیں۔

میری سانولی! عنقریب ہے اب تم خطابِ "جاں" سے

نوازدی جاو" سادان ہار گیا تھا، وہ جذبات جن سے وہ شاویز کے سامنے انکاری تھا اب فلذہ کے دور جانے پر مان گیا۔

کیا یہ کہانی بس یہیں تک تھی، اک سانوری سانولی آئی اور بنا محسوس ہوئے شہزادے کی روح میں اترتی چلی گئی۔

ایسا تو دردناک ہے، یا شاید یہ کہانی پھر کسی نئے موڑ پر دوبارہ جڑنے کے لیے بس منقطع ہو رہی تھی۔

"میرے درد بے زبان ہیں فلذہ اور میں تمہاری طرح رو نہیں سکتا، مجھے اک عمر درد کی آبرو نبھانی ہے، تم خوش رہو اور کاش تاعمر میرے نکاح میں رہو" وہ اسکی مسکراہٹ دیکھ کر اب اپنے دل پر قہر برپا کر رہا تھا، ایسا قہر جو شہزادے کی نزاکت پر بے حد بھاری تھا۔

ابھی تو مست شہزادے کو صرف سانولی بھائی تھی، ابھی اظہار، اقرار اور پیار کے جنون خیز، پاکیزہ، دلفریب اور اچھوتے پر سکون، طلسمی آسودگی سے پرنور لمحے تو باقی تھے۔

"خدا قبول کرے بددعائے عشق کہ میں

اگر تمہارا نہیں، تو کسی کا بھی نہ رہوں...!" دل نے اس بات پر قلم توڑ دیا، ساداں نے آج اپنی کہانی کا رخ موڑ دیا۔ وہ اسکی مسکراہٹ کو بہت یاد کرنے والا تھا جو اسے خوف تھا کہ کہیں پہلی اور آخری نہ ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ سب لوگ ڈاکٹر کبیر کے ہسپتال تھے جہاں فارنسک ڈاکٹر بھی دوبارہ آ چکے تھے۔ دونوں ڈیڈ باڈیز کو ان دنوں مکمل فریزر کھا گیا تھا اور آج رپورٹ کے آتے ہی دونوں کو ان کے لواحقین کے حوالے کر دیا جانا تھا۔ اسکے بعد انکی تدفین وغیرہ کی اجازت دی جانی تھی۔

ابھی کچھ دیر میں مین ڈاکٹر رپورٹ لے کر آنے والے تھے جبکہ ہوسپٹل کی مین راہداری میں ساداں، شاویز، عاقل بے صبری سے رپورٹ کے منتظر تھے۔

آج اگر یہ دونوں مردے شان اور خذیفہ نکلتے تھے تو یہ سادان کا ایک نیا امتحان تھا۔

مگر اس سب سے ایک چیز ضرور واضح ہونی تھی کہ آخر ان دونوں کی موت کیسے ہوئی۔

ہو سکتا تھا انکی موت کے پیچھے چھپا راز ہی سادان کو حقیقت کے قریب لے جاتا۔

سادان جو سامنے کوریڈور کی سمت ہی کھڑا تھا، باہر سے ڈاکٹر آفندی کو اپنی ٹیم کے ساتھ آتا دیکھ کر فوری ٹیک چھوڑے بے قراری سے انکی سمت لپکا۔

سبکے دل بے ہنگم طور سے دھڑک رہے تھے۔

وہ لمحہ آگیا تھا جسکا سادان کو بے صبری سے انتظار تھا۔

انکے ہاتھ میں ایک وائٹ انویلپ میں لپٹی رپورٹ تھی جو وہ عین سادان کے سامنے آکر اسے تھما چکے تھے۔

شاویز اور عاقل تو پتھرایا تاثر دے رہے تھے۔

سادان کا دل ایک بار تو رپورٹ کھولتے لرزا تھا مگر آخر بہت سی ہمت جمع کر کے وہ رپورٹ اوپن کرنے کے بعد اپنی مضطرب آنکھیں اس پر مرکوز کر چکا تھا۔

ایک کے بعد ایک حقیقت نے سادان کی آنکھوں کے گرد اندھیرا پھیلا دیا تھا۔ گہرا سناٹا پھٹ کر پھیلا اور یوں لگا ہر طرف سائیں سائیں کرتی چنکار ابھری تھی۔

کھڑے کھڑے سادان پر کئی حقیقتیں وارد ہوئیں اور ہوتی چلی گئیں۔

سادان نے ساری رپورٹ تفصیل سے پڑھی اور وہ کاغذ اس کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا اگر شاویز نہ پکڑتا۔

اب وہ رپورٹ شاویز پڑھ رہا تھا۔

عاقل بھی بے چین سا سچ جاننے کو بے تاب تھا اور ڈاکٹر کبیر اور بشیر کا بھی تجسس کے ساتھ اب خوف سے برا حال تھا۔

اس رپورٹ کے مطابق یہ خذیفہ اور شان ہی ہیں، انکے گھر سے منگوائے" دونوں کے ڈی این اے میچ کر گئے ہیں۔ صرف یہی نہیں، ان دونوں کی موت یاور کی موت سے ٹھیک بیس منٹ بعد ہوئی تھی۔

دونوں کے سٹمک سے ایک زہریلی جڑی بوٹی کے ذرات ملے ہیں جو دنوں کی موت کا باعث تھی۔ وہ زہریلی چیز ان دونوں نے چائے کے ساتھ لی اور اس کے اثر کرتے ہی دونوں کی سانس چلنی بند ہوئی اور دم گھٹنے سے موت ہو گئی۔ ان دونوں کے ناخنوں سے مٹی کے نمونے بھی ملے ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ زمین پر تڑپ تڑپ کر مرے ہیں۔

یااللہ۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ سب" رپورٹ کو ترجمہ کر کے پڑتا شاویز خوف اور سنسنی سے سرخ ہو چکا تھا اور یہی حال باقی سب کا تھا جنکی مانو روحیں فنا ہوئی تھیں۔

دردناک موت، مگر آخر دونوں کو زہر کس نے دیا۔

اسکا مطلب یہ ہے کہ نہ صرف وہ زہر ان دونوں کو دیا گیا بلکہ یاور کی" موت ڈنڈا لگنے کے بجائے اسی زہر سے ہوئی۔ یاور کی موت زہر سے ہوئی۔۔۔۔۔ یااللہ یہ کیا پہیلی ہے۔ یہ معاملہ اس قدر دردناک نکلے گا یہ تو سوچا نہیں تھا" سادان اپنے بالوں میں ہاتھ جکڑے مخدوش سی حالت میں وہیں راہداری پر لگی کرسی پر ڈھے گیا اور باقی سب بھی پتھر سے تاثرات دیے ہونق زدہ اور فق ہوتے چہروں کے ساتھ اس حقیقت سے ہل چکے تھے۔

اور ایک بات، یہ دونوں شراب کے نشے میں بھی سر مست تھے۔ موت" کا دورانیہ اس قدر ملتا جلتا ہے جو یہ بتا رہا ہے کہ تینوں ایک سی حالت میں تھے۔ یاور کے سر پر ڈنڈا لگنے سے وہ مرا نہیں ہوگا بلکے بیہوش ہوا ہوگا۔ اور چونکہ زہر اسکے اندر بھی تھا لہذا بیہوش ہوتے ہی زہر نے اپنا کام فوری کیا اور اسکی موت ہوگئی" پچاس کے لگ بھگ ڈیسنٹ سے ڈاکٹر آفندی نے مزید یہ کہہ کر ان سب پر لرزاں طاری کیا اور سادان کو سرٹیفکیٹ تھمایا

جس پر اس کیس کو پولیس کیس بننے سے بچا لیا گیا تھا اور اس معاملے کی ساری تفتیش سادان کو سونپنے کے کورٹ آرڈرز تھے۔ دوسرا اجازت نامہ تھا کہ دونوں لاشوں کی جلد از جلد تدفین کر دی جائے۔

سادان نے عاقل کو دوسرے گاؤں یہ دونوں لاشیں لے کر جانے کا حکم دیا اور ساتھ ڈاکٹر کبیر کو اپنی جگہ روانہ کیا۔

خود وہ اب کچھ اور سوچ رہا تھا، یاور کی قبر کی کھدائی کے سوا انکے پاس کوئی چارہ نہیں تھا کیونکہ وہ ثبوت کے بنا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

قبر کی کھدائی کے لیے خود کو امام مسجد سے فتوی لینے نکل پڑا جبکہ ڈاکٹر آفندی سے اس نے دو دن وہیں رکنے کی گزارش کی جسے وہ قبول کر چکے تھے۔

شاویز کو سادان نے حویلی روانہ کیا تاکہ وہ شام سے پہلے ہی فلذہ اور کومل کے ساتھ لاہور روانہ ہو جائے اور خود وہ بنا فلذہ سے ملے ہی گاڑی لیے سرحد پر بنی مسجد روانہ ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دوسرے گاؤں میں تو گویا قیامت خیزی کی انتہا برپا تھی۔پورے گاؤں کے لوگ ہراساں نظروں سے کچی زمین پر پڑے دو تابوتوں پر نظریں جمائے کانپ رہے تھے۔

گاؤں میں خذیفہ اور شان کی لاشیں عاقل خود لے کر آیا تھااور ہر کوئی اس سانحے پر سوگواری میں لپٹا ماتم کناں تھا۔

ملک فاضل تو صدمے میں سرخ ابلتی انگارہ آنکھوں سے خذیفہ کے تابوت پر نظریں پتھر کیے ہوئے کرب میں تھااور شان کے والدین کی بھی دردناک آوازیں پورے گاؤں کے اکھٹے مجمعے کو رلا رہی تھیں۔

ملک فاضل کی بیوی تو کہا جا رہا تھا کہ اس خبر پر ہوش سے بیگانی ہو گئی ہے۔

کچھ ہی دیر میں ان دونوں کو ہی سپردِ خاک کیا جانا تھا۔

ملک فاضل اکبر کے لیے جوان بیٹے کا قتل کمر توڑ دکھ تھا، مگر سادان نے عاقل کے ہاتھ ان قتل کی تمام جانچ کرنے کی تسلی بھی بھیجی تھی۔

اگر یہ دونوں واقعی کسی سازش کا شکار تھے تو سادان انھیں انصاف ضرور دلوانے والا تھا مگر یہ محض ایک دلاسہ تھا کیونکہ سادان جانتا تھا کہ یہ جو قتل ہوئے ہیں یہ اسی لائق تھے۔

اس روز ان تینوں نے جو درد ندگی سوچ رکھی تھی، صرف اسکے لیے یہ بھی کم سزا تھی۔

سادان اس حقیقت کا پتا بس اس لیے لگوانا چاہتا تھا تاکہ وہ فلذہ کو انصاف دے اور گاؤں والوں کو انکے ونی جیسے درندہ صفت فیصلے پر سینہ ٹھوک کر انکی غلطی بتا سکے۔

مگر سادان تو ابھی خود اس سازش سے لاعلم تھا جو دونوں گاؤں کی بنیادیں تک ہلا دینے والی تھی۔

گاؤں کے ہر فرد کی آنکھوں میں ان عبرت ناک موتوں پر خوف کی لہر پوری قوت سے بیدار ہوئی تھی۔

ملک فاضل بھی کہیں نہ کہیں خذیفہ کی بری خصلت سے واقف تھا تبھی سادان کی تسلی پر ہی ضبط کیے ہوئے انتظار ہی پر مان چکا تھا۔

دھندلی آنکھوں سے وہ خذیفہ کے تابوت کو دیکھ رہا تھا، وہ تو کلیجے کا ایک حصہ ہے جسے ایک باپ اب زمین میں دفن کر آئے گا۔

شان کا باپ تو اپنے واحد سہارے کے چلے جانے پر ہولناک دھاڑ رہا تھا، یہی صورت اس ماں کی تھی جسکا بیٹا گیا تو اپنی نام جیسی شان سے تھا مگر گل سڑ کر اس تابوت میں بند ہو کر آیا تھا۔

کیا وقعت ہے زندگی کی، بعض دفعہ برے اعمال انسان کو دنیا میں ہی جہنم دیکھا دیتے ہیں۔

یہ جو موت ان تینوں کے حصے آئی تھی یہ بلاوجہ تھوڑی تھی، تینوں نے دل دہلاتا گناہ کیا تھا۔

وہ گناہ جس کی نہ معافی ہے نہ سزا میں رعایت۔ وہ گناہ جو زمین کی سات پر تیں لرزا دیتا ہے۔
تو پھر دنیا میں ایسی بے درد موت ان تینوں کا حق تھی۔
یہ سچائی بہت بڑی سچائی تھی جسکے لیے بادشاہِ وقت کے ابھی کئی امتحان باقی تھے۔ ابھی سادان نا جانے کتنی بار رونے والا تھا۔
مگر اللہ نے اسے چن لیا تھا، اور جسے اللہ چن لیتا ہے اسکی مصیبت اور اسکی راہ کے کانٹے وقتی کر دیتا ہے۔ وہ اللہ کا مہربان پیارا انسان تھا، اور اللہ جلد سادان کو اپنے صبر، اور اپنے ضبط کا پھل بھی دینے کو تھا۔
اصل مسئلہ ہی اب یہی تھا کہ یہ دو گواہ بھی مر گئے، مگر جاتے جاتے اپنی موت کی وجہ دے کر سادان کی تھوڑی مدد کر گئے۔
آخر انھیں زہر دیا تو کس نے دیا اور کیوں؟ یہ دو سوال اب باقی تھے جنکی تلاش سادان نے آج سے شروع کر دی تھی۔

ان دو صبر و ہمت کے پیکر لوگوں نے پھر اپنے اپنے جگر کے گوشے کو زمین میں اتار کر اپنی سوہان روح ہستی کو مزید غمناک کر لیا۔

یہ دن اس گاؤں کی تاریخ میں سیاہ لفظوں سے درج ہونا چاہیے تھا کہ دو گناہ گار عبرتناک انجام کو پہنچے تھے۔ آسمان سرخ تھا، ہونا بھی چاہیے تھا۔

زمین میں دو ناقابل قبول وجود اترے تھے، اس پر تو زمین کو کانپ کر ان لاشوں کو باہر اگل دینا چاہیے تھا۔

کاش ایسا ہوتا، تاکہ پھر کوئی ایسی درندگی کا نہ سوچتا۔ وہ نقاب پوش جو اس روز کسی قبر پر رو رہا تھا آج ان دو کے جنازے میں بھی موجود تھا۔

چہرے پر وہی نقاب، مگر آنکھوں میں صرف تشکر۔

اب وہی شخص تھا جو اس سچ سے پردہ چاک کر سکتا تھا مگر اگلے ہی لمحے وہ وہاں سے چلا گیا۔

کسی موڑ پر، کسی نئے فسانے پر اب شاید وہ بادشاہِ وقت سے ضرور ٹکرانے والا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الۡاَرۡضِ مِثۡلَہُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الۡاَمۡرُ بَیۡنَہُنَّ لِتَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۬ۙ وَّ اَنَّ اللّٰہَ قَدۡ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عِلۡمًا

وہی اللہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور انہی کی طرح زمین بھی، اس کا حکم ان کے درمیان اترتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ اللہ نے بلحاظ علم ہر چیز پر احاطہ کیا ہوا ہے"

امام معروف سلطانی اپنے حجرے میں آج پھر کچھ طالب علموں کو درس قرآن دے رہے تھے جب انکے ایک شاگرد نے آکر سادان کے آنے کی اطلاع دی جس پر انکی آنکھوں میں خود بخود مٹھاس امڈ آئی تھی۔

میں آتا ہوں، اسے مسجد لے کر چلو" امام صاحب نے بے حد تشفی زدہ" انداز میں کہا اور اپنے بقیہ درس والے شاگردوں کو انتظار کرنے کا کہہ کر خود اپنے پیارے انداز میں بلانے والے کے جاتے ہی باہر روانہ ہوئے۔

آج تو سادان کی بیقراری دور سے ہی امام صاحب بھانپ گئے تھے تبھی اس تک جاتے جاتے انکے چہرے پر بھی پریشانی سی نمودار ہوئی۔

وہ جو تہس نہس سا بکھرا ہوا تھا، انکے آنے پر زمین سے مودب ہو کر اٹھنے لگا مگر شفیق سے اشارے نے زخمت سے منع کیا اور وہ خود بھی عین سادان کے سامنے قالین زدہ زمین پر براجمان ہو گئے تھے۔

اس وقت آنے کے لیے معذرت چاہتا ہوں یقیناً آپ مصروف ہوتے" ہیں، لیکن بات بہت اہم تھی۔اور آپکے علاوہ میری مشکل فی الحال کوئی حل نہیں کر سکتا" وہ جانتے تھے، وہ سب جانتے تھے۔

ساداں پر صدمے کے پہاڑ کا گرنا جانتے تھے، اسکی تکلیف کی ہر گہرائی جانتے تھے، اور اگر وہ اسے سب بتادیتے تو ساداں کبھی بھی بادشاہت نہ پا سکتا تھا۔

اس گاؤں کی بادشاہت اسے صرف اسی صورت مل سکتی تھی جب وہ خود، اپنے بل بوتے پر اور اپنی فہم و فراست بروئے کار لا کر حقائق تک پہنچتا۔

وہ جو قبر تھی، اس میں دفن وجود کا جنازہ خود امام معروف سلطانی نے پڑھایا تھا۔

لیکن یہ سب وہ ابھی ساداں کو بتا نہیں سکتے تھے۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَن ◌ْيُّت ◌ْرَكُو ◌ْ آاَن ◌ْيَّقُو ◌ْلو ◌ْ آاَمَنَّاوَهُم ◌ْلَا"
يُف ◌ْتَنُو ◌ْنَ

کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ صرف اتنا کہنے سے چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور یہ کہ وہ آزمائے نہیں جائیں گے؟

وَلَقَدۡ ◌ فَتَنَّا الَّذِیۡ ◌ نَ ◌ مِنۡ ◌ قَبۡ ◌ لِہِمۡ ◌ فَلَیَعۡ ◌ لَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیۡ ◌ نَ
صَدَقُوۡ ◌ ا وَ لَیَعۡ ◌ لَمَنَّ ال ◌ کٰذِبِیۡ ◌ نَ۔

اور بتحقیق ہم ان سے پہلوں کو بھی آزما چکے ہیں کیونکہ اللہ کو بہر حال یہ واضح کرنا ہے کہ کون سچے ہیں اور یہ بھی ضرور واضح کرنا ہے کہ کون جھوٹے ہیں۔

اَمۡ ◌ حَسِبَ الَّذِیۡ ◌ نَ یَعۡ ◌ مَلُوۡ ◌ نَ السَّیِّاٰتِ اَنۡ ◌ یَّسۡ ◌ بِقُوۡ ◌ نَا ◌ سَآءَ مَا
یَحۡ ◌ کُمُوۡ ◌ نَ۔

برائی کے مرتکب افراد کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہم سے بچ نکلیں گے؟

"کتنا برا فیصلہ ہے جو یہ کر رہے ہیں

سادان توجہ سے انکی آواز اور لہجے کو محسوس کر کے اپنے دل میں اتار رہا تھا۔

بیشک ہر عمل کا رد عمل اور ہر گناہ کی سزا ہے، مگر سچائی تک جانے کے " لیے میرے پاس یاور کی قبر کھودنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ یہ جاننا بہت اہم ہے کہ کیا اسے بھی زہر دیا گیا۔ اگر ہاں تو تب ہی میں اس سفر میں آگے

بڑھ سکتا ہوں۔ مجھے بتائیں امام صاحب میں اب کیا کروں" چہرے پر بے حد تھکن سجائے وہ اپنی ساری الجھن کہہ گیا اور امام صاحب اس بات پر اب کسی گہری سوچ میں تھے۔

اسلامی شریعت کی رو سے کسی قبر کو کھولنا اور میت کو وہاں سے نکالنا اور" اس زمین سے منفعت حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ الا یہ کہ ایسا کرنے کے لیے کوئی شرعی عذر موجود ہو۔ شرعی عذر کیا ہو سکتے ہیں۔ مختصراًان کے بارے میں بتاتا چلوں۔

1۔ قبر اتنی قدیم ہو چکی ہو۔ کہ اس بات کا یقین کامل ہو کہ اب اس کے اندر سب کچھ بوسیدہ ہو کر مٹی بن چکا ہے۔ اور اس بات کا تعین کہ سب کچھ مٹی بن چکا ہو گا تجربہ کار حضرات ہی کر سکتے ہیں۔

2۔ قبر کے اندر میت کو اس قبر کی وجہ سے تکلیف پہنچ رہی ہو مثلاً یہ کہ قبر کی جگہ بہت گندگی ہو یا پانی سے بھر گئی ہو یا بہت خستہ حالت ہو۔ ایسی

حالت میں میت کو قبر سے نکالنا جائز ہے تا کہ اسے کسی دوسری بہتر جگہ دفن کیا جاسکے۔

3۔ کسی زندہ آدمی کا کوئی حق قبر کے اندر رہ جائے۔ مثلاً قبر کے اندر زندہ شخص کا مال وغیرہ رہ جائے تو دوبارہ اس قبر کو کھولنا ہے تا کہ اس مال کو برآمد کیا جاسکے۔ فقہاء نے تو اس بات کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ کہ میت کا پیٹ چاک کیا جاسکتا ہے اس مال کو نکالنے کے لیے جو اس نے نگل لیا تھا۔ اگر کسی ایک زندہ آدمی کے حق کی خاطر قبر کھولی جاسکتی ہے۔ تو عوام کے فائدے کے لیے بدرجہ اولٰی کھولی جاسکتی ہے" امام صاحب نے سادان کو کچھ اصول وضوابط بتائے جس پر سادان توجہ سے انکی کہی باتوں کو سن رہا تھا۔

تو کیا یاور کی قبر کھودی جاسکتی ہے، اس بارے میں رہنمائی فرمائیں۔"

کیونکہ یہ معاملہ کسی کی عزت وذلت کا ہے۔ اور جب تک یہ ادراک نہ ہوگا کہ زہر ہی اسکی موت کا سبب ہے تب تک میں ان تینوں کو زہر دینے والے

تک نہیں پہنچ پاؤں گا" سادان کی مشکل تو وہیں کی وہیں تھی اور امام صاحب نے کچھ توقف کے بعد چہرے پر آئی فکر مندی کی شکنیں دور کیں۔

"ٹھیک ہے، چونکہ یہ معاملہ اس کے سوا تکمیل نہیں پا سکتا لہذا میں اسکی اجازت دیتا ہوں مگر اسکی چند شرائط ہوں گی۔

قبر کھودنے کا سارا کام صرف دو گور کن کریں گے اور تم یا یاور کا کوئی سگا رشتہ اسکی قبر کے قریب نہیں جائے گا۔اسکے علاوہ صرف ایک ڈاکٹر کو اسکے قریب جا کر جانچ کی اجازت ہو گی۔کام مکمل کرتے ہی اسے بہت احتیاط کے ساتھ کسی دوسری جگہ قبر کھود کر دفن کرنا ہو گا اور اس سارے کام کے دوران بہت احتیاط برتنی ہو گی بچے"امام صاحب نے آخر کار سوچ بچار اور اپنے علم پر کچھ دیر غور و فکر کے بعد اجازت کے ساتھ چند احتیاطی تدابیر بھی بتائیں۔

ساداان کی آنکھوں میں اڈتی سرخی یہ بتارہی تھی کہ آج ایک بار پھر اسکا

سینہ پھٹاہے۔

صرف وہی قبریں کھولی جائیں جن کی عمر پچیس سال سے زائد ہو۔ الا یہ "

کہ ان سے کم عمر قبروں کا کھولنا ضروری ہو۔ چونکہ یہ معاملہ بہت اہم ہے

لہذا قبر کھودی جاسکتی ہے۔

کام کرنے والے اس بات کا پورا خیال رکھیں کہ کوئی ہڈی نہ ٹوٹے۔ کیونکہ

ابوداؤد کی روایت ہے:

"کَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِ عَظْمِ الْحَيِّ"

"میت کی ہڈی ٹوٹنا زندہ شخص کی ہڈی ٹوٹنے کی طرح ہے"

اور تیسری بات جو ہڈیاں جمع ہوں انہیں پوری عزت و حترام کے ساتھ علماء

ومشائخ کی زیر نگرانی کسی دوسری جگہ منتقل کرکے دفن کردیا جائے۔

یہ چند مزید اس حوالے کے اصول ہیں، یہ کام دو دن کے بعد نماز ظہر کے

بعد کیا جائے گا اور ان شاءاللہ میں بھی پہنچ جاوں گا۔ اللہ سے دعا کرتا ہوں

کہ وہ ہمارے اس عمل کو خیر کا باعث بنائیں "امام صاحب نے اب کی بار ساداان کے سر پر دستِ شفقت رکھ کر اپنے ساتھ کی تسلی بھی دی اور ساداان کا دل آج برداشت سے زیادہ درد میں تھا تبھی چند آنسوان آنکھوں سے بہہ نکلے جس پر امام صاحب نے بھی دل سے ساداان کی تکلیف محسوس کی۔

بچے صبر کرو، ہمت وحوصلے سے کام لو۔ اللہ جلد تمہیں ہر مشکل سے نکالے گا۔ ان شاء اللہ "وہ جو خود نہیں جانتا تھا کہ چند آنسو اسکے رخسار پر ڈھلک آئے ہیں اس بات پر فوری آنسو ہٹائے سر کو بے بسی سے جنبیش دیے سر جھکا گیا۔

یُّدۡ◌خِلُ مَنۡ◌ یَّشَآءُ فِیۡ◌ رَحۡ◌مَتِہٖ◌ وَ الظّٰلِمِیۡ◌نَ اَعَدَّ لَہُمۡ◌ عَذَابًا" اَلِیۡ◌مًا۔

اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور اس نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کرر کھا ہے "آج خود امام معروف سلطانی کو اس قرآنی آیت کا مفہوم سمجھ آیا تھا۔ جو گناہ کے مرتکب ہوں انکی نجات کسی صورت نہ دنیا میں ہے نا آخرت میں۔ اور اللہ جس پر چاہے اپنی رحمت کا نزول کرے گا، بس وہ ایمان والا ہو۔ اس رب پر زندگی کے ہر معاملے میں ایمان رکھتا ہو۔ اسکے بعد شاید خاموشی ہی اہم تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زندگی اسقدر الجھ جائے گی یہ تو سادان نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ یہ دن جب اسے اپنے بھائی کی قبر کھودنے کے سوا ہر راہ بند نظر آئی تو گویا سادان کی آنکھوں میں سرخی اتار لائی تھی۔

وہ مسجد سے نکل کر اب واپسی کی راہ میں تھا، گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا وہ شدید کرب میں تھا۔

اگر یاور کی موت واقعی زہر سے ہوئی ہے تو پھر اک نیا امتحان تھا جو شہزادے کا منتظر تھا۔

ایسا کیا کر گئے ہو تم یاور کے تمہاری موت اس قدر عبرتناک ہے۔ میرا سینہ پھٹ رہا ہے، کاش تم سنبھل جاتے" سرخ پیاری سی مہربان آنکھوں میں اخیر دردناک خلش تھی اور شام کا پر سوز منظر سادان کے وجود پر بھاری تھا۔

اور وہ بھی جا رہی ہے جو ان حالات میں میرے سکون کا باعث ہے، کیوں" ہوں بے بس۔ فلذہ کو نہ بھیجا تو دادی پھر سے کوئی سفاکی نازل کریں گی اور اسے بھیج دیا تو میرا سب خالی ہو جائے گا۔ منظور حسین کے بے گناہ ثابت ہونے کے بعد جب وہ آزاد ہو گی تو میں کس دل سے اسے رہائی دوں گا۔ زندگی سے دینی پڑی تو دل سے کیسے یہ کر پاوں گا۔ یا اللہ میری مدد کریں،

مجھے ہمت دیں" مرد بھی روتا ہے، اور جب اسکے پاس اسکا پہاڑ حوصلہ دم توڑ جائے تو وہ پگلا بھی رو دیتا ہے۔

سادان کے پاس اس وقت صرف فلذہ ہی تو وہ آسانی تھی جو اس کی ہمت کا بڑا اسبب تھی، دوسرا اشاویز۔ آج تو وہ دونوں جا رہے تھے اور پھر شہزادہ ظالم حالات میں پس جانے والا تھا۔

یہ منظر جب سادان نے فلذہ کی کمی پر اپنی آنکھیں نم کیں، کہیں آسمان پر بھی لرزاں پھیلا گیا تھا۔ وہ اسکی تھی، اور اللہ نے فلذہ کی کم مائیگی کے باوجود اسے سادان کے دل کی ملکہ بنا دیا تھا۔

وہ اسے روک لینا چاہتا تھا مگر اس وقت اسکے لیے فلذہ کی جان اہم تھی، وہ اسے اب آنچ تک آنے نہیں دے سکتا تھا۔

وہ تکلیف میں تھا کہ کہیں اس سچائی کے سامنے آنے پر اسے فلذہ کو چھوڑنا نہ پڑے، وہ خوفزدہ تھا۔ اپنی آٹھائیس سالا زندگی میں وہ پہلی بار کسی کو کھونے سے کانپ اٹھا تھا اور وہ فلذہ تھی۔

سچائی سامنے آتی ہے یا نہیں۔ کوئی مجرم نکلتا ہے یا نہیں۔ میں تمہیں خود "
سے دور جانے کی اجازت دے رہا ہوں مگر زندگی سے نہیں۔ جب تک
میں تمہارے لیے تمہاری جگہ بناوں گا، اس حویلی میں اگر سادان کی کوئی
بیوی ہو گی تو وہ تم ہو گی۔ اور تمہیں تمہارا مقام دینے کی میں ہر کوشش
کروں گا۔ لیکن کبھی وہ وقت نہ آئے کہ تم مجھ سے رہائی مانگو، وہ دن میری
ساری ہمت توڑ دے گا" جہاں وہ خود سے اپنی ذات سے اعتراف کر رہا تھا
وہیں خوف سے تہس نہس بھی تھا۔

اور اللہ نے تو سادان کو بادشاہت کے لیے چنا تھا، اور بادشاہ کو اسکی ملکہ سے
جدا نہیں ہونا تھا۔

دوسری سمت اپنے چند کومل کے دلائے جوڑے اس چھوٹے سے بیگ میں
رکھتی فلذہ جو صبح تک خوش تھی اب رو رہی تھی۔

جاتے ہوئے کمرے کی کسی چیز کو چھو دے "

میں یاد کروں گا کہ ___ تیرے ہاتھ لگے تھے "یوں لگا کسی نے اسکے کان میں تاسف سے گزارش کی تھی، کسی احساس نے۔ کسی بے جا عقیدت نے۔

کیا یہی تھی میری اور آپکی وہ طویل ملاقات جس نے آج ختم ہونا ہے اور "ہم بچھڑ کر ایک دوسرے کو بھولنے والے ہیں" وہ کرب کے دہانے پر اپنے سائیں سے دوری پر نڈھال تھی۔ ابھی بس دس منٹ تک وہ شاویز اور کومل کے ساتھ حویلی کے پچھلے خفیہ دروازے سے نکلنے والی تھی۔

کئی آنسوان سانولی سی گداز گالوں پر رواں ہوئے اور فلذہ کی آنکھوں میں جدائی کی تکلیف لہرائی۔

یہ کمرہ اسے اپنے آپ سے زیادہ پیارا ہو گیا تھا جہاں اس نے اپنی زندگی کے سب سے کٹھن اور شاید سب سے پیارے دن گزارے تھے۔

شام سی رنگت والی کے سب نقش فسوں میں ڈوبے ہیں"

"آنکھیں یاد میں جھلمل ہیں تو، ہونٹ جنوں میں ڈوبے ہیں

سانولی تجھے تیرے سائیں کا حسن چڑھ رہا ہے، تو حسین ہو رہی ہے۔ دنیا کے لیے نہ سہی، شہزادے کے لیے۔

مجھ سے یہ تو نہیں ہو پائے گا، آپ کو اتنا اچھا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ آپ" بہت اونچے ہیں سائیں اور میں خاک سے بھی حقیر۔۔۔ لیکن آپ جیسا میرے لیے اب کوئی نہیں ہے، جا رہی ہوں۔ دعا ہے میرے جاتے ہی آپکی ساری مشکلیں بھی دور ہو جائیں۔ مجھ بددعا کے آپ سے دور ہوتے ہی وہ ساری دعائیں آپکو لگ جائیں جو میں نے مانگیں۔ اللہ آپکو کوئی دکھ نہ دے، اور ہو سکے تو میری بیکار عمر بھی آپکو لگ جائے" ہتھیلی سے اپنی زرد آنکھیں رگڑتی ہوئی وہ بھی متاثرینِ عشق کی پیرنی بن چکی تھی۔

یہ کیسے ممکن تھا کہ کسی کے نصیب میں شہزادہ درج ہو اور اس سانولی کے دل کو خبر نہ ہو سکے۔

نکاح معمولی شے نہیں، اور پھر سادان کے پیارے اور انمول دل پر نکاح کی تاثیر نے دگنی دلفریبی سے اثر کیا تھا۔

فلذہ پاکیزہ تھی، اور نکاح کی پاکیزگی سے مل کر وہ اپنے سائیں کے رنگ میں رنگ کر جا رہی تھی۔

سادان کی دعا قبول ہوئی، وہ دن اب کبھی نہیں آنے والا تھا جب سانولی اپنے مست شہزادے سے رہائی مانگتی۔

دل بدل دیے جائیں تو محبتیں ایسی ہی پاکیزگی سے دل میں بہاریں جا گزیں کرتی ہیں۔

اور ویسے بھی محبت کرنے والوں کو صابر ہونا چاہئے، جذباتیت بے صبرا پن انہیں اکیلے پن میں محصور کر سکتا ہے!!

دونوں وقتی تکلیف میں تھے مگر دونوں کا سکون ایک دوسرے سے جڑھ گیا تھا جسکا ادراک بھی بہت جلد ہونے کو تھا۔

اور ابھی تو جاتے جاتے بھی شہزادے اور سانولی کی قسمت میں اک لمس زدہ ملاقات باقی تھی جو ممکن ہے دونوں کے سفر کو خوشبو سے باندھ دیتی۔

روح کی پیاس بجھادی ہے تری قربت نے"

تُو کوئی جھیل ہے، جھرنا ہے، گھٹا ہے، کیا ہے

نام ہونٹوں پہ ترا آئے تو راحت سی ملے

تُو تسلی ہے، دلاسہ ہے، دعا ہے، کیا ہے" محبت جا تجھے کسی کی نظر نہ لگے، اے عاشقانہ رمز تیری عمر دراز ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شام تک سادان کی واپسی ہو گئی تھی اور وہ شاویز سے مسلسل رابطے میں تھا۔ حویلی سے تھوڑے ہی فاصلے پر سادان کی گاڑی کا سامنا کومل کی گاڑی سے ہوا جسے اس وقت شاویز ڈرائیو کر رہا تھا۔

وہ تو چاہتا تھا کہ وہ فلذہ کا سامنا نہ کرے مگر قسمت تھی کہ دونوں کو دور جاتے جاتے پھر ملانے والی تھی۔

شاویز فرنٹ سیٹ پر تھا جبکہ کومل اور فلذہ بیک طرف تھیں، وہ جو ابھی سے سہمی اور ڈری تھی۔ گاڑی کے رکنے پر یونہی خوفزدہ ہو گئی۔

سادان نے اسے کہا تھا کہ وہ گاڑی مت روکے مگر شاویز یہ ستم نہ کر پایا۔

فلذہ کی نم آنکھیں مزید نمی سے جھلملائیں تھیں۔

سادان، چلو جاتے جاتے اس سے مل لیتے ہیں اور پوچھ بھی لیتے ہیں کہ " امام صاحب نے کیا کہا۔ ویسے بھی وہ ڈھابہ ہے، چل کر ایک گرما گرم چائے بھی پی لیں گے " شاویز نے گاڑی روکنے پر پیچھے بیٹھی خواتین کو وضاحت دی اور گاڑی کھولے باہر جھمپ مارے نکلا جس پر کومل نے بھی مسکرا کے فلذہ کا ڈرا سہما چہرہ تھاما اور خود باہر نکل کر اب دوسری طرف سے فلذہ کی سائیڈ کا دروازہ کھولے اسکا ہاتھ پکڑے باہر لے آئی۔

شام گہری تاریک تھی اور سادان نے بھی گاڑی سے نکل کر پہلی نظر فلذہ پر ڈالی جو لگا پھر سے رونے کو تھی۔ سر پر دوپٹہ اوڑھے، کندھوں پر شال پھیلائے وہ جدائی سے صاف صاف متاثر دیکھائی دے رہی تھی۔

شاویز نے سادان کے قریب جا کر اسکا کندھا جکڑے سارا احوال دریافت کیا اور کومل بھی فلذہ کے گرد بازو پھیلائے ساتھ ہی کھڑی تھی۔

میرون شیشے دار قمیص اور سیاہ کھلے گھیرے کی شلوار، سر پر سیاہ ہی دوپٹہ اوڑھے فلذہ کا چہرہ صبح کی ہر ہنسی اور مسکان سے خالی تھا۔

وہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی، جیسے شاید اب وہ اسے کبھی دیکھائی نہیں دے گا۔

کومل بھی محسوس کر رہی تھی جیسے سادان اور فلذہ ایک دوسرے کے لیے اداس ہیں مگر وہ ابھی اس پر قادر نہیں تھی کہ کسی کی اداسی ہٹاتی۔

آئی تھنک چائے پی لیتے ہیں، تم بھی تھکے لگ رہے ہو۔ آئیں کومل ہم چلتے ہیں یہ بھی آجائیں گے" شاویز نے ہی ہمت کر کے تھوڑی پرائیویسی عنایت کی جس پر کومل پیارے سے انداز میں مسکرا کر شاویز کے ساتھ ڈھابے کی طرف بڑھی جبکہ اب سادان اس دم سادھ کر سر جھکائے کھڑی فلذہ کو بے

قراری سے دیکھ رہا تھا جو اسکی زندگی میں ہوا کے جھونکے سی آکر سب تہس نہس کرتی ہوئی وقتی طور پر واپس جا رہی تھی۔

کئی ان کہی باتیں ان دونوں کی آنکھوں میں درج تھیں، ساتھ ہی ہلکا سا کچا راستہ تھا جو آگے جنگل کی طرف جاتا تھا۔ اپنا ہاتھ فلذہ کے سامنے پھیلائے وہ شاید خود بھی اسکے ساتھ کچھ آخری لمحے چاہتا تھا۔

فلذہ نے ایک تھکی سی نگاہ سادان کے بوجھل چہرے پر ڈالی اور اپنا ہاتھ اسکی پھیلی ہتھیلی پر رکھے اسکے ساتھ کچی سڑک پر چلنے لگی۔

ڈھابا اوپن تھا اور شاویز اور کومل نے باہر کے ہی ایک ٹیبل تک جا کر سیٹ سنبھالی۔

یہاں بھی شاید پرائیویسی کی اشد ضرورت تھی، جہاں شاویز تھوڑا سمٹا ہوا تھا وہیں کومل کے چہرے پر بہار امڈ کر اسکے چہرے کی سرخی بڑھا رہی تھی۔

مجھے تو لگا میں آپکو دیکھے بنا شہر کے ہجوم میں گم ہو جاوں گی، مجھے مت بھیجیں۔ میں وہاں جا کر کیا کروں گی" سادان نے اسکا ہاتھ پوری مضبوطی سے جکڑ رکھا تھا اور وہ تو پہلے سادان سے دور جانا چاہتی تھی مگر اب دور جانے کا خیال تک فلذہ کی جان پر گراں تھا۔

وہ دونوں چلتے ہوئے کچھ دور ہی آئے تھے اور یہاں کچی سڑک کے دونوں اطراف بس درخت اور سبزہ تھا۔

سادان نے رخ پھیر کر خود کی سمت دیکھتی اس سانولی کو دیکھا جو اس شام کا ہی کوئی پر کیف منظر تھی۔ دل نے تو خود بھی فلذہ کو دور بھیجنے پر وبال مچا رکھا تھا مگر سادان کے لیے اس وقت سب سے اہم چیز فلذہ کی حفاظت تھی جو حویلی میں رہ کر ممکن نہ تھی۔

حویلی میں تمہاری جان کو خطرہ تھا فلذہ، اور آج سچائی بھی سامنے آگئی ہے " مگر ادھوری۔ جب تک میں اصل مجرم تک نہیں پہنچتا مجھے تمہاری حفاظت کرنی ہے۔ تم وہاں محفوظ رہو گی، اور میں چاہتا ہوں تم اپنی زندگی کے نئے

رنگ دیکھو۔ کومل تمہارے ساتھ رہے گی، بالکل بھی مت گھبرانا" وہ اسکا ہاتھ پکڑ کر تھوڑا قریب کیے بے حد اپنائیت اور جذباتیت سے اسے سمجھا رہا تھا مگر فلذہ کا چہرہ ابھی بھی بوجھل تھا۔

آپ کہیں نہیں ہوں گے، مجھے ڈر لگے گا" فلذہ نے نم سی بھرائی آواز سے " سادان کے دل پر مزید کئی من وزنی بوجھ اتارا تھا۔ وہ بھی خود پر ضبط کرتا کرتا تھک سا گیا تھا۔

ڈرنے والی فلذہ کو یہیں چھوڑ جاو، میرے پاس" اسکی گال پر حدت دیتا" آنسو سادان نے بے حد ملائم پن سے ہٹایا تو وہ پھر سے سر جھکا کر رو دی تھی۔

کئی لمحے دونوں کو ایک دوسرے کی حالت کی بے قراری محسوس کرنے میں لگے تھے۔

دوسری جانب وہاں بس اک دلفریب چپ تھی۔

میں آنکھیں پڑھنے میں اتنا خاص ماہر نہیں، لیکن کیا یہ سچ ہے کہ آپکی" نگاہوں میں کوئی راز پوشیدہ ہے" چائے آچکی تھی اور کومل جوشش وپنج میں مبتلا ہوئے اپنے نازک ہاتھ مسل مسل کر سرخ کررہی تھی،اس بات پر حواس باختہ سی ہو کر شاویز کو دیکھنے لگی۔

نہیں۔۔ایسا تو کچھ نہیں" کومل کی آواز میں صاف منصوعی پن تھا،" جس کے تلے وہ اپنے دل کا بے لگام دھڑکنا قابو کیے ہوئے تھی۔

شاویز نے سر کو اثبات میں ہلا کر گویا کومل کا ٹالنا مان لیا۔

نہ غور سے دیکھ میرے دل کا کباڑ ایسے"

کہ میں کبھی بھی نہیں رہی تھی اجاڑ ایسے

تو میری عادت سے میری فطرت ہی ہو چلا ہے

ابھی بھی کہتی ہوں مجھ کو تو نہ بگاڑ ایسے" ہونٹوں پر خاموشی لیے وہ آنکھوں سے ان تشفی آمیز آنکھوں سے ہمکلام ہونے کی جستجو میں تھی۔اب لب خاموش تھے اور دونوں کے دل دہائی مچانے والے تھے۔

کیا آپ بن کہے نہیں سمجھ سکتے ؟" بنا بولے ہی کومل کی نگاہوں میں بھیگی "
سی شکایت نے شاویز کا دل جکڑا تھا۔

کچھ الٹا سیدھا سمجھ لیا تو نقصان ہو جائے گا" وہ بھی اسکی آنکھوں سے پوری "
بے باکی کے سنگ ہمکلام تھا۔یوں لگا لمحے سمٹ کر رک گئے تھے۔ایسی
آنکھوں سے دل تک اترتی گفتگو نے منظر معطر کر ڈالے تھے۔

مجھے ہر نقصان قبول ہے، میرے دل کو قرار چاہئے بس" وہ بے بس سی "
پھر سے تاسف سے شاویز کی آنکھوں سے ہمکلام تھی اور اب کی بار شاویز
کے چہرے پر تاریکی پھیلی تھی۔

مجھے بے بس تو مت کریں کومل" تلخی آنکھوں میں بھرے شاویز نے "
بھی آنکھوں میں شکایت سموئے دل سے سرگوشی کی جسے کومل کے دل
نے سنا تھا۔

اور مجھے مزید مت تڑپائیں شاویز" یہ آخری دل کی سرگوشی تھی جسکے بعد" دونوں کی نظریں ایک دوسرے سے چرائی جاچکی تھیں۔ دل تو لگتا تھا ہم آہنگ ہیں، کمبخت یہ زبانیں ہی تھیں جو ساتھ نہ دینے پر بضد تھیں۔

وہ تو اسکی دھڑکن بڑھا چکی تھی، کومل کا دل بھی اتھل پتھل ہونے میں غرق تھا۔

لمحے یہاں بھی ساکت تھے مگر وہاں تو آنکھوں میں نئے قربت کے رنگ تھے۔

کیا آپ ابھی تک ڈرپوک فلذہ سے تنگ نہیں آئے، جیسے ساری دنیا مجھے" خود سے دور پٹختی آئی ہے ویسے آپ بھی۔۔۔۔"مزید وہ پگلی نہ کہہ پائی تھی۔ سادان نے خفگی سے اسکے ہونٹوں پر انگلی رکھے اسے ایسا کہنے سے منع کیا اور اس پر فلذہ پھر سے روہانسی سی ہوئی۔

یہ شخص تو ایسی بات تک نہیں سن پایا تھا، سادان نہیں چاہتا تھا کہ وہ خود کو اب ایسا حقیر جانے۔

فلذہ "یوں لگا شہزادے نے سانولی کو پکار کر اپنی اور مقابل کی سانسوں "
میں ارتعاش برپا کر دیا تھا۔

وہ اسکا چہرہ اپنے ہاتھوں میں بھرے الوداع ہونے کی رسم نبھانے کو اپنی آنکھیں بند کیے اسکی پیشانی پر حرف بے قراری اس آسودگی سے لکھ گیا کہ فلذہ تو جنبیش تک کی روادار نہ رہی۔ اس سانولی گداز پیشانی کی تو قسمت روشن کی گئی جس کو شہزادے کے مخملی ہونٹوں نے بلا جھجھک چوم لیا تھا۔
یہ کیسی خطا کر گیا وہ کہ کتنے ہی لمحے دونوں کی سانسیں بے ترتیب سی ہوئیں اور فلذہ کے ماتھے سے سادان کے ہونٹوں کی تاثیر دل کے تار چھیڑ گئی تھی۔

پہلے یہ ایک دوست کی طرف سے، شاید مجھے یہ کر کے خوشی ہوئی ""
سادان نے اپنے چہرے کے گھبراہٹ سے مزین رنگ چھپا کر بات بنائی تو فلذہ کہہ نہ پائی کہ اسے یہ لمس شدت سے درکار تھا۔ یہ محبت، اور عاشقی جیسا نہ تھا، یہ حفاظت کا امام ضامن تھا۔

جی" وہ بمشکل زبان سے حرف نکال پائی۔"

وہ اپنی بھیگی تحیر سے کھلی آنکھیں اٹھائے سراپا سوال تھی اور وہ اب یہ ملاقات منقطع کرنا ہی بہتر سمجھ رہا تھا، اس سے پہلے کہ جدائی کی وقتی تکلیف کچھ بے وقت سا سرزد کرواتی وہ خود کو سنبھالنے میں ہی عافیت جان رہا تھا۔

میں جانتا ہوں"

کہ یہ تعلق بہت دِنوں تک نہیں رہے گا

کسی سفر کی کسی سڑک پر بغیر پوچھے بغیر بولے

بغیر اک دوسرے کو دیکھے

نظر جُھکائے

خود اپنی اپنی مسافتوں پر نکلنا ہو گا

میں جانتا ہوں کسی پڑاو پہ عمُر بھر کے لئے اچانک بچھڑنا ہو گا

سو ایسا کر لیں

ہم ایک دوجے کو دل میں بھر لیں

میں تم کو سارے کا سارا رٹ لوں

تم مجھ کو سارے کا سارا پڑھ لو

سُنا ہے لمبی مسافتوں کے سفر میں زادِ سفر نہ ہو تو

"طویل رستے نہیں ہیں کٹتے

دونوں کی آنکھیں کچھ دیر خاموشی سے ہمکلام رہی تھیں، ایک سی شدت اور ایک سی تشنگی کا عروج تھا۔

میں زخم زخم ہوں پھر بھی مسکرا کر ملوں گی، آپکی جانب سے شروع کی" گئی محبت پر دھبہ نہیں پڑنے دونگی" فلذہ کا دل سادان کی محبت پر ایمان لا چکا تھا۔

"یہ مت سمجھو کہ تمہیں شہر بھیجنا، دور پٹخنا ہے۔ نیور، میں ایسا نہیں ہوں۔ یہ سب مجھ پر فرض ہے، اور فرض نبھانا میری عادت ہے۔ تم یہ چند دن میرے ساتھ رہی اور مجھے لگا ہی نہیں کہ کوئی غیر آن آباد ہوا ہے۔ تمہیں

کبھی نہیں بھولوں گا،نہ ہی تمہیں پٹخوں گا نہ کسی کو ایسی جرت کا حق دوں گا" جاتے جاتے یہ سادان اسے خود سے باندھ رہا تھا،اور یہ تو خود شہزادہ بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ خود پر کتنا بڑا ظلم کر رہا ہے۔

فلذہ نے اب کی بار ہتھیلی سے رخساروں پر پھیلتی شفق کو مٹایا اور پیارا سا مسکرا کر بچوں کی طرح سر ہلا گئی اور شاید سادان کا دل بھی وہ اپنے ساتھ لے جا رہی تھی۔

آپ مجھے ملنے ضرور آنا،بس ایک بار" یہ خواہش نہیں،فلذہ کے دل کی" مراد تھی۔

سادان خود کو اپنے ہاتھ سے چھوٹتا محسوس کر رہا تھا،عجیب سی ناآسودگی تھی جو فلذہ کے دور ہونے پر سادآن کو لاحق تھی۔

سانس سانس قربتیں ہیں بات بات دوریاں"

تیرے میرے درمیاں یہ رابطے عجیب ہیں" فلذہ اور سادان کا رشتہ بلاشبہ انوکھا اور نایاب تھا،اور یقیناً اسکا انجام بھی بہت منفرد جنوں خیز ہونا تھا۔

ٹھیک ہے، لیکن تم مجھ سے کیا وعدہ مت بھولنا۔ نہ رونا اور نہ ڈرنا۔" اوکے؟" اسکا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ملائم پن سے تھامے وہ بھی اب مسکرایا جس پر فلذہ کے چہرے پر چاندنی نکھری اور سادان اب پھر سے اسے شدت سے گلے سے لگانا چاہتا تھا مگر نا جانے کیوں اسے لگا وہ بس اسی پر اکتفا نہ کر پائے گا لہذا دل کی یہ خواہش بہت پیارے انداز سے دل میں ہی دبائے وہ اسکا ہاتھ پکڑے واپس مڑ گیا۔

چاروں نے کڑک دار چائے ساتھ پی تھی اور پھر سانولی اور شہزادے کی اصل محبت شروع ہونے کے لیے یہ وقتی جدائی حائل ہونے کا وقت آ گیا۔ وہ جا چکی تھی پر سادان کے دل میں سانولی نے اپنا پہلا قدم رکھتے ہی اجارہ داری سنبھال لی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قیامت تو وہ تھی جو آج تبریز چوہدری پر اتری تھی، یوں لگا کہ ساری زندگی
کالطف چلا گیا۔
روتے ہوئے ماں باپ کے منہ سے یہ انکشاف سننا کہ وہ اپنی اولاد قتل کر
بیٹھا ہے۔ شاید یہی وہ لمحہ تھا جس نے تبریز کی پتھر آنکھوں میں بھی نمی
بھری تھی۔
سارا نشہ اتر گیا اور اپنی درندگی کے لمحے اسکی آنکھوں کے سامنے ناچتے
ہوئے اسکا سانس بند کر رہے تھے۔
نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ آپ۔۔۔ آپ دونوں جھوٹ بول رہے ہیں۔"
میں نے ایسا کچھ نہیں کیا، مجھے قاتل مت کہیں" حویلی اس پتھر کی ہولناک
دھاڑ سن کر لرز اٹھی تھی اور خالدہ تو ابھی عالیہ کے کمرے سے آئی تھیں۔
جب سے اسے اپنی گود اجڑنے کا علم ہوا تب سے وہ آہیں بھرتی ہوئی بس
اپنی قسمت کو رو رہی تھی۔

ایک ہی بات اسکے ہونٹوں پر تھی کہ اسے گھر چھوڑ آئیں، اس جگہ وہ مر جائے گی۔

بخت سکندر تو شرمندگی سے زمین میں دبے تھے، کس منہ سے یار کو یہ سچ بتاتے۔ کس منہ سے کہتے کہ میری اولاد نے تمہاری اولاد اجاڑ دی۔

کبھی نہ رونے والا وہ بوڑھا باپ آج اس اولاد کے ہاتھوں سسک رہا تھا۔

چپ چپ دل سے سلگ رہا تھا اور رہی سہی کسر اب تبریز کے پاگل پن نے پوری کی۔

اس سے پہلے کہ وہ اپنے کمرے کی سمت بڑھتا، اسے بازو سے دھکیل کر اپنے سامنے لاتے چوہدری بخت سکندر پھٹ پڑے۔

بس، بس تبریز بس۔ ایک سال سے وہ بچی چپ چاپ تیری درندگی سہتی رہی۔ ہم بد بخت بھی چپ رہے کہ چلو ہو سکتا ہے تجھ میں کسی دن انسانیت آ ہی جائے۔ پر نہیں، تو قاتل نکلے گا یہ دکھ میرا سینہ چیر گیا ہے۔ اس معصوم کو بلا وجہ تکلیف دے کر تو نے اس حویلی تک کو زخم لگایا ہے۔ اب وہ

تیرے ساتھ نہیں رہے گی، اسکی طبعیت بہتر ہوتے ہی میں اسے خود درمان کو سونپ آوں گا۔تو نے مجھے زلیل کر دیا ہے، اسکے پیر پڑھ کر معافی مانگوں گا کہ اسکی نازک سے بیٹی کو ایک جانور کے لیے لے کر جانے کے لیے شر مندہ ہوں۔ تجھ میں اگر زرا بھی رتی برابر غیرت بچی ہے تو اب اسکے سامنے مت جانا۔تجھے اپنا بیٹا کہتے ہوئے شرم آرہی ہے مجھے" یہ الفاظ نہیں تھے، یہ وہ تکلیف تھی جو بے حد دردناک تھی۔

تبریز کو لگا جیسے کسی نے آرے سے اسکا دل چیڑ دیا ہو، وہ جو رسائی میں تھی تو قدر ہی کہاں تھی۔اوراب اسکے دور ہونے کے خیال نے ہی تبریز جیسے دیو ہیکل پہاڑ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔

بابا مجھے جانے دیں، میں ہوش میں نہیں تھا۔مجھے جانے دیں خدا کے لیے" وہ مسلسل دلبر داشتہ سا اپنا آپ چھڑوائے کمرے کی سمت لپکا جس پر بخت سکندر نے جا کر روکنا چاہا مگر خالدہ نے انکو بازو سے پکڑے اس

آخری چھوٹ کی اجازت مانگی تو وہ بے بسی سے سر جھٹکائے وہاں سے چلے گئے۔

قدموں نے تبریز کا ساتھ چھوڑا، نرس جو اسے ڈرپ لگا رہی تھی، تبریز کو دیکھتے ہی فوری طور پر باہر کو لپکی مگر عالیہ نے نیم دراز ہونے کے باوجود اپنی آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔

ایک درد کا جہاں تھا جو عالیہ کے چہرے پر تھا، آج پہلی بار ہی تبریز کا دل بھی دکھ سے متعارف ہوا جب اپنی اولاد کا دکھ ملا۔

ممکن تھا یہ اللہ کی طرف سے تبریز کی سزا تھی مگر وہ کہتے ہیں ناں کہ ہر گناہ اپنے ساتھ تلافی نہیں رکھتا۔

اب عالیہ اسکی نہیں تھی، وہ پہلے درندہ اور ظالم تھا اب اسکے لیے بس اپنی اولاد کا قاتل تھا۔

دبے پاوں بنا آہٹ کیے وہ اسکے قریب جا کر بیٹھا ہی تھا کہ وہ جو بے جان سی نڈھال پڑی تھی، بند آنکھوں سے بھی اسکے رخساروں پر شفق چمکنے لگی۔

آنسووں کی پر حدت نمی عالیہ کو اب جلانا بھی چھوڑ گئی تھی۔

مجھے معاف کر دے، یہ سب میں غصے میں کر گیا۔ ورنہ کون اپنی"

اولاد۔۔۔۔" آگے تو شاید تبریز کا ضبط بھی جواب دے گیا اور وہ جو اسکا ہاتھ پکڑنے کی کوشش میں تھا، عالیہ کے بے دردی سے چھڑوانے پر مزید قریب ہوئے اب اسکا پھیرا ہوا چہرہ پکڑے اپنی طرف کر گیا۔

وہ آنکھیں سرخ ہو کر تبریز پر آج حقارت سے تنی تھیں، آج وہاں خوف اور ڈر نہیں بلکہ صرف نفرت تھی۔

اللہ آپ سے اسکا حساب لے گا، مجھے دی ہر تکلیف کا حساب۔ کل تک میں" آپکے ساتھ تھی کیونکہ شاید کہیں نہ کہیں اس رشتے کو بچانے کی کوشش میں تھی پر اب یہ رشتہ میرے لیے صرف تکلیف رہ گیا ہے۔ بنا اپنی غلطی بھی سب سہتی آئی پر اب اپنی اولاد کے قاتل کے لیے میرے پاس رحم

کرنے یا معاف کرنے کا حوصلہ نہیں ہے۔مجھے چھوڑ دیں، میں آپکی نہ شکل دیکھنا چاہتی ہوں نہ آپکا ساتھ سہہ سکتی ہوں" وہ آج عین تبریز کی سرخ آنکھوں میں جھانک کر درد سے بھر کر اپنی رہائی چھیننے کے بجائے مانگ رہی تھی اور آج پہلی بار ہی تبریز کا دل عالیہ کو کھونے پر ہول اٹھا تھا۔

نہیں، میں نہیں چھوڑ سکتا۔بس ایک آخری بار۔عالیہ مجھے چھوڑ کر نہیں" جا سکتی تُو۔مجھے اتنی بڑی سزا مت دے، میں قسم کھاتا ہوں اب تجھے زرا تکلیف نہیں دوں گا۔جانے کی بات مت کرنا، خدا کے لیے" یہ تھا اللہ کا انصاف، آج وہ درندہ اسکے دور ہونے پر سسک اٹھا تھا۔

پر عالیہ اب فیصلہ لے چکی تھی اور اب بھلے وہ جتنے بھی ڈرامے کر لیتا، وہ اس شخص کو معاف نہیں کر سکتی تھی۔

جاوں گی، ضرور جاوں گی۔ نفرت ہے مجھے آپ سے۔یہ مجھے مار دیں یا" مجھے اس قید سے آزادی دے دیں۔مزید آپکو دیکھنا نہیں چاہتی۔آپ مجھے جانے دیں ورنہ اب میں خود اپنی جان لے لوں گی" دکھ سہہ سہہ کر وہ بے

جان ہو چکی تھی، اسکی نازک سی آنکھیں بھرنے لگیں۔ پھر کنارے تک بھر کر بہہ نکلیں۔ اسکے گداز گالوں پر گزرتا سیل رواں آج اس پتھر دل تبریز کے دل تک پہنچ رہا تھا۔

اس بات پر تبریز نے عالیہ کو دیکھا تو دل پر آرے چلنے کا مفہوم واضح ہوا۔ گویا آج عالیہ کی تکلیف کے ادراک نے تبریز کی چلتی کائنات روک دی تھی۔

وہ پھر سے بے قراری سے عالیہ کے جھٹکتے ہاتھ اپنی گرفت میں لے کر اسکا چہرہ پکڑے اسکے رونے کی کوشش میں تھا اور وہ اسے چھونے تک سے تکلیف کی دلدل میں دھنس رہی تھی۔

"میرے قریب آنے کی کوشش بھی مت کریں، مجھ پر ایک قاتل کا کوئی حق نہیں ہے" پہلی بار وہ اپنی گود اجڑنے کے غم سے سخت غصے اور اشتعال میں آکر تبریز کو پرے دھکیل رہی تھی مگر وہ بے مراد آنکھیں لیے یوں لگتا تھا جیسے میں آسمان سے زمین پر گر کر چیخ گیا ہے۔

مگر بہت دیر کر دی تھی، جب اسکی دی اذیت عالیہ کا اتنا نقصان کر گئی تب پلٹنے کا کیا فائدہ۔

"یہ جو ہوا دوبارہ نہیں ہو گا، پھر سے یہ خوشی لوٹ آئے گی۔ جانے کی بات مت کرنا عالیہ، تُو مجھے چھوڑ کر گئی تو ہر کسی کو آگ لگا دوں گا۔ تجھ پر صرف میرا حق ہے، اور میری اجازت کے بنا تو میرے پہلو تک سے ملنے کی روادار نہیں" کچھ دیر وہ بے بس رہا مگر اب پھر سے درندہ بنے زہر خند لہجے میں عالیہ کے کرب کو بڑھا گیا اور وہ تو اس پر بھی دکھ سے پھٹ پڑی تھی کہ اسکے اختیار میں زندگی تو ہے نہیں پر اب موت بھی نہیں رہی۔

وہ اسے روتی ہوئی آج زرا نہیں بھا رہی تھی اور آج جس انداز سے چہرے پر سختی کے باوجود اس حیوان نے عالیہ کے چہرے پر آئی نمی ملائم پن سے ہٹائی تھی یہ عالیہ تک کو ہلا گیا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر جلد مر جاوں گی، ویسے بھی بابا سائیں نے کہا تھا اب وہاں سے تمہاری میت ہی اٹھے گی۔ تو بس کریں میں مزید سہہ نہیں سکتی، میرا

قصہ ختم کریں اور یہ کہانی یہیں روک دیں" عالیہ نے بے دردی سے اپنی سرخ ہوتی آنکھوں کو مسل کر تبریز کی سرخ آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوز سے کہا اور وہ چاہتا تھا کہ عالیہ کی زبان کچھ دیر بند ہو جائے کیونکہ اسکا سر پھٹ رہا تھا۔

بکواس بند کر، تُو جانتی ہے میرا غصہ۔۔۔ تیرے باپ نے مجھے دو کوڑی کا" کر کے رکھ دیا ہے۔ میں نشے میں تھا، اور مجھے نہیں پتا تھا کہ یہ خوشی آنے والی ہے۔۔۔۔۔ وعدہ کرتا ہوں اب تجھے درد نہیں دوں گا بس یہ چھوڑ کے جانے کی رٹ چھوڑ دے" دل تو اس نمانی کا دہائیاں دے کر تبریز کے ہر ستم کے باوجود اس سے لپٹنے کو چاہ رہا تھا پر عالیہ کا دماغ اس شخص کو معاف نہیں کر سکتا تھا۔

میں آپکی کسی بات میں نہیں آوں گی، چھوڑ کر جانا ہے مجھے۔ بابا نے مجھ" سے وعدہ کیا ہے کہ وہ مجھے میرے گھر چھوڑ آئیں گے" عالیہ نے چپ چاپ

دل میں کرب سے سوچا اور وہ اسکی خاموشی کو اقرار سمجھ کر اب اسکے دونوں ہاتھ یوں چوم رہا تھا جیسے یہی عالیہ اب اسکے لیے مقدس ترین عورت تھی۔

عالیہ لاکھ اس شخص سے پرے سر کتی مگر وہ اس پر اپنا حق پورے سے جماتا تھا۔

اگر تجھ پر درندگی اتاری ہے تو تجھ پر خود کو فدا بھی تو رکھا ہے۔ تیرے سوا" کوئی عورت میرے قریب نہیں آئی عالیہ، دیکھ میں برا ہوں، شرابی ہوں۔ درندہ بھی کہہ لے پر تیرا ہوں۔ مجھے دھکا لگا ہے بہت زور کا، ایسا گرا ہوں کہ سب صاف صاف دیکھائی دے رہا ہے۔ میں اب خود کو بدلوں گا، پر میرے پاس تو نہ رہی تو۔۔۔۔۔۔۔" بے جان سی عالیہ کو اپنے بھاری وجود میں حلول کیے آج وہ پشیمان تھا پر وہ کہتے ہیں ناں۔

بعد مرنے کے میری قبر پے آیا غافل"

یاد آئی میرے عیسی کو دوا میرے بعد" اب عالیہ کے دل کی قبر پر کھڑا وہ جتنی مرضی دہائی دے لیتا۔ جدائی کا فیصلہ وہ نڈھال سی پری لے چکی تھی۔

وہ جو کہتے کہتے چپ ہو گیا تھا، آج اسکی گرفت میں کوئی شدت نہیں تھی۔

اک خلش، اک دکھ تھا۔

یا اللہ مجھے اس شخص کے لیے پگھلائیے گا مت "وہ بس یہی دعا کر رہی" تھی، تبریز نے اپنے سینے سے اسے جدا کیا اور نرم سی تاثیر اسکی پیشانی پر رکھے ہنوز سختی سے دیکھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

تُو نے چُپ چاپ الگ کر لئے رستے سارے "

میں سمجھتا تھا تُو بچھڑے گی تو مر جائے گی

کون زخموں کو لگاتا ہے گلے سے اپنے

یہ محبت مرِے احساں نہ چُکا پائے گی" یہاں بھی آج دونوں کے دل ایک کی اذیت میں ڈوبے ہوئے تھے، ایک بچھڑنا چاہتا تھا اور دوسرا بچھڑنے نہیں دینا چاہتا تھا۔

کچھ دن بے شک گھر چلی جا پر مجھے دھوکہ مت دینا عالیہ، ورنہ تباہی لے" آوں گا" یک دم ہی تبریز کا سرخی مائل وجود دہک اٹھا اور وہ اسے دھمکاتا ہوا

لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے نکل گیا اور وہ جو ایک عرصے سے رو رہی تھی اب اپنے آنسو صاف کیے خود کو دھوکے کے لیے آمادہ کر رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ رات دیر تک لوٹا تھا جب پوری حویلی ہولناک چپ میں لپٹی تھی۔ عاقل اسے باہر ہی منتظر ملا اور اس نے بھانپ لیا تھا کہ سادان بہت تھکا ہے۔

کھانے کا پوچھا مگر واپسی پر چائے پی لینے سے اسے بھوک کا احساس نہ رہا دوسرا ابھی سادان کا دل بہت بے چین تھا۔

عاقل نے دو تین بار پوچھا مگر پھر سادان کی مرضی کو اہمیت دے دی۔

سادان نے اس سے حویلی کے اندرونی معاملات اور تیمور کی طبیعت کا پوچھا جس پر اس نے یہ بتایا کہ فلذہ، شاویز اور کومل کے جانے کا کسی کو علم نہیں

ہے اور تیمور پر بھائی کی مار نے ایسا طلسم پھونکا تھا کہ وہ سارا دن نیم بیہوشی اور تیز بخار میں رہا تھا۔

یہ سن کر تو سادان کا دل مزید بھاری ہوا اور وہ عاقل کو بھی آرام کرنے کا کہتا اپنے کمرے کی سمت چل دیا۔

فلذہ کے غائب ہونے سے لے کر قبر کی کھدائی تک یہ سارے وہ معاملات تھے جو حویلی میں کئی تماشے برپا کرنے والے تھے۔

تھکن سے چور انداز میں وہ اپنے کمرے کا دروازہ کھولتا ہوا اندر داخل ہوا تو اک اور کمی نے سادان کا وجود قبضے میں لیا۔ فلذہ کی کمی، جب سے وہ یہاں تھی سادان کا بستر صوفے پر تھا مگر آج اسکا بیڈ پھر سے خالی تھا۔

وہ کیا اتنی مختصر اسکی تھی، یہ سوچ کر سادان کا دل ہل گیا۔ سارے معاملات ایک طرف اذیت ناک تھے اور آج سادان کو اپنے اس کمرے کی ویرانی پہلی بار وحشت ناک لگی تھی۔

فلذہ، خود تو چلی گئی۔ اپنے لاتعداد عکس یہیں جا بجا بکھیر گئی۔ کیا پتا اب تم" یہاں کبھی نہ آو، وہیں سے اپنی منزل پر چلی جاو۔ میں خوش ہوں کہ تمہیں انصاف دلانے پر لگا ہوں، مگر فلذہ۔۔۔" لڑکھڑاتے ہوئے وہ اپنے وجود کو بیڈ تک لایا اور عین اسی جگہ گرتے ہوئے نیم دراز ہوا جہاں فلذہ آباد تھی۔

وہ آنکھیں ویران تھیں، وہ اس سے مل کر آیا پھر بھی دل تھا کہ سینے سے نکلتا جا رہا تھا۔

وہ ادھوری باتیں جو دلخراش آہ میں دب جائیں، کبھی مکمل نہیں ہوتیں۔

سادان کو اک ایسے ہی جذبے نے جکڑا تھا جو دیوانے کا خواب تھا، وہ فلذہ کو چھونے کا احساس۔ وہ اسکی مسکراہٹ جسے وہ چرانے تک کا سوچ بیٹھا تھا۔

لال آنکھیں جبر کی غماضی کر رہی تھیں تو لہجہ آنسووں کی آمیزیش سے تر تھا۔

اک ایک سانس اُکھڑ گئی تمام پورشل ہوئے"

مگر کھلے نہ بھید مُجھ پہ اُس قبائے بند کے

بدن پہ ضرب بھی نہیں تھی پھر بھی پور لے اُڑی

جگر میں تیر بھی نہیں تھا پھر بھی چیختے رہے

وہ سُرخ روشنی تھی سب کی آنکھ میں اُتر گئی

ہم آخری چراغ تھے -- ہوا کی نذر ہو گئے

نجانے کس کی یاد تھی جو تیرے نام کی گئی

نجانے کس کے اشک تھے جو تیرے واسطے بہے

خمیر اُٹھ رہا تھا 'بین' کا؛ ہم اضطراب میں

اخیر لالچی بنے -- سبھی کے اشک لے اُڑے

جہانِ رنگ و بو میں تیرے آنکھ میچنے سے آج

کسی کی نیند کھل گئی کسی کے خواب چل بسے "دکھ اور درد سمجھ سے بالا تھے،

شاید نئی نئی جدائی شہزادے سے برداشت نہ تھی۔

تم کیا تھی ؟ کیا کر گئی ہو۔ میرے دل پر یہ کیسا سانحہ اتر آیا فلذہ، کاش میں " تم سے کسی اور مہربان دنیا میں ملا ہوتا۔ جہاں تمہیں واپس کرنے کی شرط نہ ہوتی، تمہیں خود سے دور کرنے کی مجبوری نہ ہوتی، جہاں تمہیں چھوڑنے کا جبر نہ ہوتا۔ پر خیر، یہی طے تھا۔ پر یہ کمرہ اب مجھے اچھا نہیں لگ رہا، یہ تمہیں ابھی سے یاد کر رہا ہے" سادان یک لخت دل کی افراتفری سے دھڑکنے پر اٹھ بیٹھا۔

اسے تیمور کو دیکھنا تھا، جو بھی تھا۔ وہ اسکا بھائی تھا۔ تیمور کے کمرے تک کا سفر سوہان روح تھا مگر دروازہ وا کیے اس نے اندر جا کر جب تیمور کو دیکھا تو کئی گنا تکلیف کی مقدار بڑھ گئی۔

وہ بے سدھ تھا، سادان کو اپنی سختی پر اب تکلیف تھی اور وہ بے آواز اور بنا آہٹ کیے تیمور کے سرہانے جا بیٹھا۔

مجھے معاف کر دو تیمور، مگر تمہاری بہتری کے لیے مجھے یہ ظلم ڈھانا ہی " تھا۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہاری قبر بھی جہنم بنے۔ میں تمہیں برائی میں

دھنستا نہیں دیکھ سکتا۔ ٹھیک ہو جاو میرے شیر "وہ اسکے ماتھے پر آئے بال سہلائے بہت کربناک تھا۔

یہ تھا سادان، بھائی بھلے درندہ تھا تب بھی اسکے دل کا ٹکڑا تھا۔ اور دل میں درد یا خرابی ہو تو اسکو کاٹ پھینکنے سے پہلے اسکا علاج کیا جاتا ہے۔

وہ تو بے ہوش تھا، دنکو کئی بار اسے اس سے زیادہ گہرے بخار کا اٹیک ہوا تھا۔

وہ یقیناً سادان کے ہاتھوں پٹ کر بھی باز نہیں آنے والا تھا مگر سادان پتھر نہیں تھا۔

جن ہاتھوں سے اس نے تیمور کو پیٹا اب وہ ہاتھ اسے برے لگ رہے تھے۔

کچھ دیر ہنوز وہ اس بے جان سے تیمور کے پاس سر جھکائے بیٹھا رہا اور پھر آخر کار اٹھ کر واپس کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زندگی کی یہ صبح اک نئے بدلاو کے ساتھ ان سب پر اتری تھی۔عالیہ کی تکلیف کوئی عام نہ تھی کہ وہ رو دھو کر ایک بار پھر ظالم سفاک اور درندہ نما تبریز کے دھوکے میں آجاتی۔اسکا ارادہ تو آج ہی جانے کا تھا مگر خالدہ اور بخت سکندر نے اس سے درخواست کی تھی کہ ایک دو دن تک اسکی طبعیت کچھ سنبھل جائے تو وہ اسے خود حویلی چھوڑ آئیں گے۔اور اس بار اور کبھی نہ واپس آنے کے لیے لوٹ رہی تھی۔مار کا اثر اب اسکے چہرے پر لگے روح شگاف نشانوں سے اور دردناک ہوا اور وہ آئینے میں اپنے ہوش ربا حسن کو گرہن لگا دیکھ کر بہت سا روئی۔

منگو سلطان کو پہلی بار تبریز نے انکار کی جرت کی تھی،شاید یہاں سے تبریز کی زندگی کی ایک اور سزا شروع ہونے کو تھی۔وہ حویلی کے مرکزی دالان میں سیاہ جوڑے پر سیاہ چادر اوڑھے کنپٹی سہلاتا ہوا فون پر منگو سلطان کے غضب کو للکار رہا تھا جو پھنکار بھرتا ہوا ہتھے سے اکھڑنے کے پر تول رہا تھا۔

مجھے انکار کر کے بڑا پچھتائے گا تُو، زمین تو بہر حال میں اس چوہدری درمان "

کے کلیجے سے بھی نکال لوں گا بچے پر تجھے تیرے انکار کی پوری سزا دوں گا"

یہ چند جملے جو تبریز کی روح تک سنسنی پھیلا گئے تھے، وہ اپنے انجام سے

کانپ گیا تھا مگر اب گردن پھنسائے بیٹھا شخص مرے نہ تو کیا کرے۔

تبریز کے کچھ کہنے سے پہلے ہی رابطہ منقطع ہوا اور اک جھرجھری تھی جو

تبریز کے پورے وجود پر قابض تھی۔

وہ آنکھیں جن میں لالچ، درندگی، اور بے رحمی پیوست تھی آج اک ان کہا

سا درد تھا۔ اولاد کا قاتل، یہ ایسا تیر تھا جس نے تبریز کو کہیں اندر سے ہلا یا

تھا۔

وہ آسمان کے کسی غیر مرئی نقطے پر خوف اور تکلیف سے نظریں گاڑے

وہیں لان کی لگی کرسی پر لڑھک گیا تھا۔

دوسری طرف اسد لاشاری اور گلناز بیگم کا گھر تو ستاروں سے چمک اٹھا تھا۔

ایسے مہمان نواز اور میٹھے لوگ تو نہ کومل نے دیکھے نہ اس بے جان سی فلذہ

نے۔اسد بابا کی بے غرض سی لازوال محبت نے تینوں بچوں کے سر پر حفاظت اور شفقت کا ایک سا یا تھ رکھا تو کومل اور فلذہ کو محسوس ہی نہ ہوا کہ وہ کسی اجنبی جگہ آگئی ہیں۔گلناز بیگم کا دل موہ لیتا مہربان انداز گویا ہر خدشہ وڈر مٹا گیا تھا۔

ان دونوں میاں بیوی کے لیے تو جیسا شاویز تھا ویسا ہی دل کا ٹکڑا اسادان تھا اور اب جب وہ اس ذمہ داری سے فیض یاب ہو گئے تھے تو ان دونوں بچیوں کی مکمل حفاظت اور انکو اس گھر میں اپنائیت کا ماحول دینا فرض اولین تھا۔

شاویز کا گھر ایسا شاندار حویلی جیسا تو نہ تھا مگر وہ گلناز کی پر شوق اور سگھڑ طبعیت اور دل پسندی کا اک جہاں تھا جہاں ہر رنگ ،ہر خوشی اور ہر احساس موجود تھا۔کھلا کشادہ بہترین طرز تعمیر سے مزین پھر بھی سادہ اور دل موہ لیتا وہ گھر جو کومل کو اپنی کئی کنال کی حویلی سے زیادہ خوبصورت اور عزیز لگا کیونکہ وہاں اسکے دل کی مراد بستی تھی۔

شاویز کی تو کومل پہلے ہی شیدائی تھی اور اب اسکے والدین کو دیکھ اور مل کر وہ ان دونوں پر بھی فدا ہوئی تھی۔

خود شاویز کہیں دل سے خوش تھا، عجب فرحت بخش سا احساس جسے وہ پگلا کوئی نام دینے سے ڈرتا تھا۔

شاویز کا گھر بہت پیارا اور نفیس تھا، نہ بہت بڑا نہ بہت چھوٹا۔ آسائش زندگی کی ساری رونق موجود تھی۔ فلذہ اور کومل نے ایک ہی کمرے میں رہنے کا فیصلہ لیا تھا کیونکہ کومل چاہتی تھی کہ وہ سادان کی امانت کا اس بار پورے دھیان سے خیال رکھے۔ خود فلذہ کو یوں کومل کے ساتھ ہونے پر تسلی تھی ، یہ الگ بات تھی کہ وہ اپنا دل سادان کو دے آئی تھی۔

شاویز ایک ہفتے مزید لیو پر تھا پھر اسکا ارادہ اپنے کام پر جانے کا تھا مگر ممکن تھا یہ ہفتے کی رفاقت ہی کوئی رنگ لے آتی کیونکہ گلناز بیگم فلذہ پر تو قربان تھیں ہی مگر انھیں وہ پیاری سی نازک کومل دل سے بھا گئی اور ماؤں کے تو کیا ہی کہنے۔ بیٹا کنوارہ ہو تو ہر لڑکی میں بہو ہی دیکھائی دیتی ہے۔

اگر شاویز کے دل نے دیری کر بھی دی تو ممکن تھا والدہ صاحبہ کوئی حادثہ پر لطف منعقد کروا ہی لیتیں۔

چونکہ وہ سب لمبے سفر سے تھک گئے لہذا سب کو ہی آرام کا کہا گیا تھا اور ناشتے کی گلناز بیگم کے ہاتھ کی تگڑی ڈوز کے بعد نیند آنا تو طے تھا۔

فلذہ کا ڈر مدھم ضرور تھا پر دلوں سے زیادہ نکاح کی کشش اب فلذہ کو بھی اپنے سائیں کا کر رہی تھی۔

سادان کے لیے اب ہر دن اک نیا امتحان لانے کو تھا، کل قبر کی کھدائی کا معاملہ تھا اور آج ہر صورت سادان یہ بات بابا سائیں سے کرنا چاہتا تھا جسکا انجام اسے معلوم تھا کہ بہت بھیانک بھی ہو سکتا ہے۔

دوسری طرف شاویز اور کومل کی غیر موجودگی کے بعد جب فلذہ کا غائب ہونا سب کے سامنے آنے کو تھا تو اک نیا وبال حویلی کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے لیے تیار تھا۔

بشیر نے بھی بہت دن بعد منظور حسین کی تکلیف میں کمی دیکھ کر دل ہلکا محسوس کیا۔ وہ انھیں کل کی تمام صورت حال سے فلذہ کے شہر جانے کا بتا چکا تھا۔ لخت جگر محفوظ تھی یہ بات پیارے بابا کا سینہ پھر سے آباد کر گئی۔ جتنی دعائیں اس مسکین کو آتی تھیں سب اس نے کچھ لخت جگر کو غائبانہ سونپیں تو کچھ بادشاہِ وقت پر وار دیں۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ یہ سب معاملات آخر کس طرف جانے کو تھے۔

درمان چوہدری کو بھی عنقریب وہ منگو سلطان اپنا کوئی بھیانک روپ تو ضرور دیکھانے والا تھا، گاوں کی روایات آخر منہدم ہونے کو تھیں مگر ابھی کئی امتحان تھے جو رگوں سے خون نچورنے کے لیے تاک لگائے بیٹھے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بھائی دراصل کومل کی دوست کی شادی تھی شہر میں، وہ خود اسے لینے "
آئی تھی۔رات آپ سو گئے تو پھر میں نے اجازت کے لیے آپکو جگانا
مناسب نہیں سمجھا۔وہ اسکی ایک ہی سہیلی ہے تو شادی سے کچھ دن پہلے
اسے لے جانا چاہتی تھی تو میں نے اجازت دے دی تھی" صبح کا ناشتہ لگ
چکا تھا اور حسب توقع درمان نے پہلا سوال ہی کومل کی غیر موجودگی پر کیا
جس پر کرمان نے بہت مہارت اور مصالحت سے بہانہ تراش کر بات بنائی
مگر انکی اس بات پر وہاں تو گویا سکتہ اور برہمی ابھر آئی تھی۔

جہاں درمان نے خون آشام نگاہ سے کرمان کو دیکھا وہیں انجیل بیگم کی
شیطانیت نے اسے یقین نہ کر کے بھڑکنے کا سگنل دیا۔سادان ابھی تک
نہیں آیا تھا جب کے سلطانہ نے بھی آج تیمور کے ساتھ اپنا ناشتہ بھی
کمرے میں منگوالیا تھا۔

تیمور اتنی ہوش میں تھا بس کہ آنکھیں کھولتا مگر بخار اور نقاہت کے باعث اس سے نہ ہلا جا رہا تھا اور نہ بولا، ڈائنگ پر پھیلی چپ بتا رہی تھی کہ ابھی یہ دونوں ماں بیٹے منہ سے شعلے اگلنے لگیں گے۔

واہ، یعنی اب تُو اتنا خود مختار ہو گیا ہے کہ اجازت کے بجائے اطلاع دے رہا" ہے۔ کچھ غیرت کھا کرمان، جوان بیٹی کو اکیلے کسی غیر کے گھر بجھوا کر یوں آرام سے مجھے بتا رہا ہے" درمان حق نے کھردرے زہر خند لہجے میں اپنی ناپسندیدگی کا برملا اعتراف کیا اور انجیل بیگم کا بھی یہی تاثر تھا۔

کرمان نے ایک تھکی سانس لی اور باری باری افسردگی سے دونوں کو دیکھا۔

دوست غیر نہیں ہوتے بھائی، مجھے اپنی بیٹی اور اسکی دوست کے پورے" خاندان پر بھروسہ ہے" کرمان رفتہ رفتہ ان دونوں سے چڑنے لگے تھے، مطلب کوئی اتنا برا ہو اور آپکا خون ہو تو یقین مانیے سانس لینا بھی نہایت کٹھن امور لگتا ہے۔

یہی بھروسہ ہوتا ہے جو زلیل کرتا ہے، اور وہ منحوس نظر نہیں آرہا"

شاویز" انجیل بیگم بھی زہر اگلتی ہوئیں اب فیضاں سے چائے کا کپ لیے نخوت پن سے شاویز کا پوچھ رہی تھیں جس پر ایک لمحے کو کرمان کے چہرے پر سفیدی آئی مگر وہ جلد خود کا چہرہ بحال کیے مضبوط ہوئے۔

شاویز تو آج صبح ہی واپس چلا گیا ہے، مجھے علم نہیں" یہ بات ان دونوں کو" تیر کی مانند کھٹکی تھی۔

بڑے بڑے دوستی کے دعوے کرنے والا اتنی جلدی چلا گیا، خیر انکی بلا سے۔ وہ تو سادان کو مدد فراہم کرتے ہر شخص کو زہر آلود انداز سے دیکھتے تھے۔

کرمان نے افسوس سے ان دونوں کے مطمئین چہرے دیکھے جن پر اصل آگ تو تب لہرائے گی جب انھیں فلذہ کے غائب ہونے کا علم ہو گا۔ یہ بات ابھی جب تک چھپی تھی تو کرمان اور سادان نے یہی سوچا تھا کہ چھپی رہنے

دی جائے اور اس کے لیے وہ عاقل، بلقیس اور چوکیدار کو بھی اپنے ساتھ کر چکے تھے۔

چوکیدار بابا سادان کے اعتبار کے تھے مگر حویلی کی باقی ملازمین کی فوج میں کوٹ کوٹ کر درندگی بھری تھی جو درمان اور انجیل بیگم کی حاکمیت کی ترجمانی کرتی تھی۔

اسی لمحے درمان حق کے فون کی بیل پر انجیل کے ساتھ کرمان بھی محتاط انداز میں لپٹے۔ فون نجانے کس کا تھا جسے دیکھ کر درمان کے چہرے پر پتھر سی سنجیدگی آئی۔

اگلے ہی لمحے فون اٹھایا گیا اور کرمان نے واقع محسوس کیا کہ درمان چوہدری یک لخت ہل چکا تھا۔ کچھ توقف کے بعد فون رکھا گیا اور وہ سر کے بال جکڑ کر یہ ترجمائی کر رہا تھا کہ دوسرے گاوں کی دو لاشوں کی خبر پہنچ گئی ہے۔ یاور کے دو دوست، خذیفہ اور شان۔ وہ قتل ہو گئے، کل جنازہ تھا ان کا""

یہ سننا تھا کہ انجیل بیگم کا بھی رنگ کچھ لمحے کو سفید ہوا۔ دونوں کو ہی

صدمہ تھا اور کرمان بہت باریک بینی سے ان دونوں فرعونوں کے چہرے پر بے قراری دیکھ کر گہرائی سے جانچ رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"ہم خیریت سے پہنچ گئے ہیں۔ وہ اداس ہے، شاید نئی جگہ اور آپ سے دوری اسے ابھی سوٹ نہیں کی۔ ابھی وہ فریش ہو رہی ہے۔ آج میں نے آپکی وائف کو تھوڑا گروم کروانے جانا ہے تاکہ اسکی لک تھوڑی ماحول کے مطابق ہو اور اس کے اندر پہلے سے موجود اعتماد مزید بڑھ جائے" سادان جو اپنے کمرے کے ٹیرس پر چائے کا مگ لیے کھڑا تھا، کومل کی اس بات پر مدھم سا مسکرا دیا۔ میں نے سوچا آپکی فلذہ سے بات کروا دوں،

وہ ابھی مکمل سیاہ میں تھا، درمان کچھ دیر پہلے ہی حویلی سے باہر نکلا تھا اور اب وہ انکے آنے کا منتظر تھا تاکہ قبر والی بات بتا سکے۔

رات کھانا تو سادان نے کھایا نہیں تھا البتہ اب عاقل زبردستی اسے ناشتہ کروا کر گیا تھا جسکے بعد محترم تروتازہ سے اب چائے پی رہے تھے۔

کومل بھی ڈریسنگ کے سامنے کھڑی خود پر نظریں جمائے مسکرا رہی تھی آج وہ فلذہ کو سیلون لے کر جا رہی تھی اور فلذہ بمشکل ماننے کے بعد اب فریش ہونے گئی تھی۔

تھینک یو کومل، مجھے ایسا لگتا ہے کہ اسکے ساتھ ابھی بھی سادان موجود ہے۔اللہ تمہیں اسکا بہت اجر دے گا" دعا ہو اور سادان کے ہونٹوں کی۔ یوں لگتا تھا بس نکلتے ہی قبول ہو جائے گی۔وہ تو خود فلذہ کا بہنوں سے بڑھ کر خیال رکھ رہی تھی۔

یہ چیز ہی فلذہ کے اندر اعتماد لا رہی تھی کہ اب پیارے بابا جان کے علاوہ سادان اور کومل بھی تھے جو اسے عزیز سمجھتے تھے۔

ان شاءاللہ، آپ نے کہہ دیا تو اجر مل کر رہے گا۔ویسے بھی فلذہ مجھے بہت " پیاری ہوگئی ہے، وہ اتنی معصوم ہے کہ اس سے انسان خفا تک نہیں ہو

سکتا۔آپ کا حصہ ہے، تو بس مجھے اسکا خیال بھی فرض کی طرح رکھنا ہے "
بہت پیار سے وہ سادان کو فلذہ کی سمت سے یہ آسانی دے گئی جو شہزادے کا
دل کچھ مطمئین کر گئی۔

آج تو وہ بھی اعتراف کر رہا تھا کہ وہ اسکا حصہ بن رہی ہے، رات جس طرح
وہ اسے یاد کر رہا تھا تو یہ مرتبہ کسی بہت خاص کا ہی ہوتا ہے۔

اسے زیادہ گروم بھی مت کر دینا، تھوڑی سی پہلی فلذہ رہنے دینا" ھائے "
اس ادا پر مر ہی نہ جائیں، سر کھجا کر معصومیت سے کہتا سادان کومل کو بھی
ہنسا گیا مگر اسے ہنسی سے زیادہ سادان کی اس بات پر پیار آیا تھا۔

اف سادان کتنے پیارے ہو آپ، ڈونٹ وری۔بس تھوڑا سا اسے اپنے "
جیسا کرنے والی ہوں تا کہ وہ خود پر پہلے سے زیادہ اعتماد کرے۔وہ نیچرل
بیوٹی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔اسکے اس رنگ کے باوجود وہ کئی
حسیناؤں کو مات دے دیتی ہے، اور اسے یہ بتانا بہت اہم ہے کہ وہ بے رنگی

ہرگز نہیں بلکے نایاب ہے" کومل کا دل واقعی بہت پیارا تھا تبھی تو شاویز اس دل کا حاکم تھا۔

ساداں تو اسے تصور میں لا کر ہی مسکرا دیا تھا اور اسی لمحے وہ واش روم سے فریش ہو کر نکلی تو کومل اسے لمبے سیاہ بال دیکھ کر دھنگ رہ گئی۔

وہ جو آج کومل کے ہی پسند کیے نیلے اور وائٹ بہت پیارے جوڑے میں تھی، بلاشبہ پیاری اور منفرد تھی۔

یہ کندن رنگ اور سیاہ آنکھیں، کومل نے مسکرا کر فلذہ کی نظر اتاری اور ہنستی ہوئی اپنا فون لیے اسکی جانب لپکی جو گیلے بالوں پر ہی دوپٹہ اوڑھ چکی تھی۔

فلذہ، ساداں ہیں۔ بات کر لو تب تک میں چائے لاتی ہوں۔ پھر ہم چلتے ہیں سیلون" کومل نے محسوس کیا کہ وہ ساداں کے ذکر پر ہی کھل اٹھی تھی اور فون وہ اسے پکڑا ئے فوری کمرے سے نکل آئی۔

"اسلام و علیکم "بہت جازبیت سے وہ سادان کا دل چھیڑ گئی، آواز میں اک گداز اور نرمی تھی۔

"و علیکم اسلام، کیسی ہو مس روتو؟" وہ جو اسکے سحر میں بس آواز سے ہی ڈوب گیا خود ہی اپنا حال بے حال ہونے سے بچانے کو تھوڑی لطیف ترنگ میں بولا تو اک موہوم تبسم سافلذہ کے ہونٹوں کو چھو گیا۔

"ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟" دور جاتے ہی محترمہ کو حال پوچھنے کا بھی ڈھنگ آگیا جس پر سادان نے مسکرا کر گردن موڑے کمرے کا رخ کیا اور کپ میز پر رکھے صوفے پر براجمان ہوا۔

یہ سوال، کیا بتاتا وہ کہ ٹھیک ہی تو نہیں ہے۔

"ہم کو معلوم نہیں محبت کے تقاضے لیکن

ہم نے تیرے سوا ہر بات بھُلا رکھی ہے" دل تو بس فلذہ کا تمنائی تھا، اسکے سوا ہر شے بھول جانا چاہتا تھا۔ "اچھا ہوں، سنا ہے اداس ہو۔ وعدہ تو یاد ہو گا" بہت ہی ملائم پن سے قصد یاد کروانا بھی کوئی سادان سے سیکھے۔ وہ

بھی آنکھیں جھپکتی ہوئی تھوڑی مرجھا کر بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئی اور اسکے بال کھلے تھے اور بیڈ تک کو چھو رہے تھے۔ "جی یاد ہے، اداس ہوں بہت" وہ چاہ کر بھی جھوٹ نہ بول پائی اور اسکی بڑی بڑی آنکھیں سادان کو یاد کرتے ہوئے جھلملا سی گئیں۔ اب فلذہ بابا جان کے ساتھ سادان کو بھی شدت سے یاد کرنے والی تھی، دونوں طرف ایک سی شدت پروان چڑھ رہی تھی۔ "تمہیں پتا ہے، میں بھی ہوں تھوڑا۔ لیکن تمہاری اداسی کا بندوبست کل ہوگا، عاقل آئے گا منظور حسین کو لے کر۔ ساتھ تمہارے ڈاکومنٹس کا بھی کہا ہے انکو تاکہ وہاں تم میٹرک کا ایڈمیشن لے سکو۔ ممکن ہے کل کے بعد تمہارے گرد اداسی کا وجود معدوم ہو جائے" یہ بات کہتے ہوئے سادان اک ان کہی سی خلش میں گم تھا اور سادان کی یہ بات فلذہ کے لیے عید سے کم نہیں ہونی چاہیے تھی مگر وہ خود حیران تھی کہ اس قدر بڑی خوشی کے بعد بھی وہ خود کو بے جان کیوں محسوس کر رہی ہے۔ "اور آپکی اداسی کیسے ختم ہو گی؟" سوال تو آسان تھا پر کرنے والے سمیت سادان پر

صدیوں کی تھکن اتار گیا۔ "تم آ جاؤ دیکھو میز پہ رکھی نظموں کی کلیاں بھی سوکھ رہی ہیں سوچوں کے گلدان میں شعر بھی زرد پڑے ہیں پھولوں کے

کھلنے کا موسم ہے اور فصل خزاں چھائی ہے

تم آؤ تو بجھتے دیپ بھی جل سکتے ہیں

دل کا کارنس پھر پھولوں سے سج سکتا ہے

تم آ جاؤ" ھائے شہزادے کی خواہش پر گل و گلزار تک قربان ہو جائیں، کیا قسمت تھی سانولی کی، ساداں کی ہر شدت رفتہ رفتہ بس فلذہ کے لیے محفوظ ہو رہی تھی۔ جو وقت آنے پر شہزادہ پورے حق سے اپنی سانولی پر لٹانے کا خواہشمند تھا۔

دل نے کہا کہ تم پاس آ جاو فلذہ، میری اداسی ہٹ جائے گی۔ پر دماغ تو بس فرار کی ترغیب دے کر حقیقت پسند بننے کا مشورہ سونپ رہا تھا۔

جنوں کا جام محبت کی مے خرد کا خمار"

تمھی ہو وہ جو یہ سارے کمال رکھتے ہو" اف یہ دوری کا فسوں، بڑھتا ہوا یہ جنون۔

یہ سارے حالات سلجھ جانے سے میری اداسی بھی ہٹ جائے گی، میری فکر مت کرو۔اب تم صرف اپنے لیے اپنی خوشی کے لیے جیو فلذہ، بہت خوش رہنا" نمی نے فلذہ کی آنکھوں سے اسکے سانولے گداز رخساروں پر گر کر خودکشی کی اور اب فلذہ کو لگا وہ بول نہیں پائے گی۔

جی" زیادہ بولنے سے اسے لگا اسکا دل اسکی روئی حالت سادان تک پہنچا" دے گا مگر وہ اسکے اس ایک لفظ تک سے جان گیا کہ وہ رو رہی ہے۔

تجھے تو ہنس کے الوداع کہہ دیا"

اور اب جو اپنا حال کر رہا ہوں میں ھائے" حالت تو دونوں کی ایک سی تھی پر دوری کی بھی تو اک آبرو ہے کہ اسے معتبر کیا جائے۔

وعدہ توڑو گی تو سزا ملے گی" ہلکی سی شوخ آواز میں وہ اسے تسلی دینے کی" کوشش میں بولا تو فلذہ نے اپنے آنسو اپنے اندر اتار لیے۔

کونسی؟"دل کو مضبوط کیے وہ پوچھ بیٹھی۔"

ہمیشہ میری قید میں رہنے کی سزا"ناجانے یہ سادان کہہ نہ پایااوراک"

خاموشی تھی جودونوں طرف حائل تھی۔

میں بھی رودوں گااور کیا"اب کی بار وہ اس روئی سی فلذہ کو ہنسا کر خود"

تکلیف زدہ ہوا تھا۔

جب تیرے درد میں دل دُکھے گا"

ہم تیرے حق میں دعا کر دیں گے"آسمان کے سارے بادل، زمین کے

سارے معطر فضا سے لبریز زرے تک بس ان دونوں کے ملن کے لیے دعا

گو ہو گئے تھے۔

وہ مسکرائی تھی، پر پھر سے آنکھوں میں کسی کی کمی نے پانی بھرا۔

ہر اک منظر مٹا کر ____ رائیگانی چھوڑ جاتی ہے"

تمھاری یادان آنکھوں میں پانی چھوڑ جاتی ہے" فلذہ کا دل تھا کہ بس اپنے پاس سادان کو چاہتا تھا۔آئے ھائے محبت تجھے نظر بد سے بچنا ہو گا۔

نہیں، میں وعدہ نہیں توڑوں گی" شاید وہ سادان کے اس مزاق پر بھی سہم گئ اور وہ تو اسکی فرمابرداری پر دل تک اسیرِ خاص ہوا۔

گڈ،اب جاو جی پالر شالر۔لڑکیوں کے نخرے اب مس رو توپر بھی اترنے والے ہیں۔اچھا ہے خود سے پیار کرنا سیکھ جاو گی، میں تم سے بات کرتا رہوں گا اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔اپنا مکمل خیال رکھو، فی امان اللہ" سادان کی ایسی باتیں کس کمبخت کو اسکا دیوانا نہ کرتیں،اور وہ تو تھی ہی اسکی مسیحائی سے زندہ۔اپنے میسحا سے انس تو فطری ہے،پر اتفاق سے وہ اسکے نکاح میں تھا اور یہ چیز عنقریب دلوں کو پاگل کرنے والی تھی۔

وہ فون اختیاط سے سائیڈ پر رکھے پھر سے اپنی نم آنکھیں پونچھ رہی تھی اور سادان تھا کہ تلخی اور دلخراشی سے نڈھال ہو گیا تھا۔

فلذہ سے بات کرنا اسے سکون دے گیا پر وہ دور تھی، نا جانے پھر اس کمرے میں کبھی اسکا سایہ بھی آنا تھا یا نہیں، یہ بات سادان کو بہت تنگ کر رہی تھی۔

"صیغۂ راز میں رکھیں گے نہیں عشق تیرا۔۔۔!

ہم تیرے نام سے خوشبو کی دوکاں کھولیں گے" لگ تو یہی رہا تھا کہ یہ عشق ہر سمت پھیل کر اپنے ہونے کا اعلان کرنے والا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"اسلام و علیکم آنٹی، آپ ہٹیں میں بنا دیتی ہوں چائے" بہت پیار سے وہ کچن میں چائے بناتیں شفیق سی گلناز کو کہے مسکرائی تو وہ بھی اس اتنے محبت زدہ مان پر بنا تکلف کے ہٹ گئی تھیں۔

امام صاحب حسب معمول اپنی مسجد روانہ ہو چکے تھے اور شاویز آج گھر ہی تھا۔

"ارے بچے ابھی تو تم آئی ہو، شاویز نے مجھے کہنا کہ اماں آتے ہی کام لگا دیا مہمانوں کو۔اور تم مجھے آنٹی نہیں، شاویز کی طرح امی کہہ سکتی ہو۔ تم سب میرے لیے میرے شاویز جیسے ہو" یہ تو محبت کی کوئی اونچی لہر تھی کہ وہ اجنبی ہو کر بھی کتنی پیاری اور نرم تھیں کہ ماں کے لفظ پر نا چاہتے ہوئے بھی کومل کا دل سا بھر آیا۔

"آپ بہت اچھی ہیں، میری امی اس دنیا میں نہیں ہیں مگر یقیناً وہ ایسی ہی پیاری ہوتیں" خود گلناز بیگم اس تکلیف زدہ بات پر اس سرخ اور سفید نفیس جوڑے میں تر و تازہ سی مہکتی کومل کے قریب آئیں اور آسودگی سے اسکی پیشانی چومے خود بھی اداس ہوئیں اور وہ تو سلطانہ کو ہی امی کہتی آئی تھی اور اب یہ انوکھی سی گھریلو ایک اور ماں کا ملنا کومل کو واقعیً حسین مسکان دے گیا۔

بہت دکھ ہوا یہ جان کے، بس میرا بچہ جیسی اُس رب کی رضا۔ مائیں سب ایک سی ہوتی ہیں، اپنے بچوں کے سر کا سایہ۔ دکھی نہ ہو، میں ہوں نا۔ جیسے میرے لیے میرا شاویز اور ساداں ہے ویسے آج سے تم اور فلذہ ہو۔ مجھے تو اللہ نے ایک بیٹا دیا اور تین بچے مزید عطا کر کے جیسے مزید مکمل کر دیا ہے"

گلناز بہت شفیق تھیں اور ایسی پیاری کہ کومل کا دل چاہا ان سے لپٹ جائے، اب وہ سمجھی تھی کہ شاویز اتنا پیارا کیوں ہے۔ اسکی پرورش کرنے والے والدین ہی بے حد پیارے تھے تو پھر انکی پیاری اور نیاری تربیت کا شہکار بھی سب سے دلفریب ہونا ضروری تھا۔

کومل کی تو جیسے ساری خلش مٹ گئی جب خود ہی گلناز نے اسے اپنے سینے سے لگا کر اسکے گلاب چہرے کے بجھاو کو پہلے جیسا کیا۔

یہ منظر باورچی خانے میں تشریف لاتے مسٹر شاویز کے لیے اک ہلا دینے والا منظر تھا۔

اسے اماں جان کا یوں واری چلے جانا لگا تو حسین پر وہ ڈر ہی رہا تھا کیونکہ یہ پیاری اماں جان بھی پچھلے کئی ماہ سے شاویز کے پیچھے لگی تھیں کہ شادی کر لے۔اور اب لگتا تھا گلناز صاحبہ نے گھر آئی لڑکی کو ہی بہو مان لیا تھا۔

دونوں کا یہ پیار وہ سفید سوٹ میں ملبوس اجلے شہزادے ہضم کیے گلا کھنکھارے اندر داخل ہوئے تو نظریں دلِ جان سے جا کر چار ہوئیں جس پر کومل کو لگا اسکی ہارٹ بیٹ مس ہوئی ہے۔

وہ اس وقت اتنا پیارا لگ رہا تھا کہ کومل کا دل غش کھا کر جھر جھری لینے میں مگن ہوا اور شاویز نے اماں جان کی شرارتی نگاہوں سے اندازہ لگانے کی بھرپور کوشش کی پھر وہ تو ان دو کے آتے ہی اپنے اکلوتے لخت جگر کو لفٹ ہی نہیں کروا رہی تھی۔

ھائے معصوم سا شاویز۔۔۔۔

ہم تیرے پاس آکر ہی سمجھے کشش "

کیوں زمیں چاند سے ایسے پیوستہ ہے" کومل کا بس چلتا تو شاویز کو چپکے سے دل میں سمو لیتی، وہ اسکے لیے کوہِ نور سے بھی افضل تھا۔اتنا پاکیزہ اور پیارا کہ دل اسکو پانے پر مچلتا ہوا نڈھال ہو جائے۔

امی چائے دے دیں، اور کومل آپ کیا کر رہی ہیں یہاں" شاویز نے ہلکی پھلکی آواز سے پہلے پیاری والدہ کو دیکھا اور پھر کومل کو جو یہ بھول ہی گئی کہ کیا جواب دے۔

بس اسے یاد تھا تو شاویز کا کومل کہنا، ھائے یہ دل بھی ناں، بے عزت کروا کے دم لے گا۔

چائے آج میری بیٹی بنائے گی، اسکے بعد یہ آج فلذہ کو لے کر گھومنے " جائے گی" خود گلناز اب ساتھ ساتھ دن کے کھانے کا انتظام شروع کیے بڑے پیار سے بولیں اور شاویز نے کن اکھیوں نے ماں جان کا یہ بیٹی کہنا ھضم کیے دیکھا جو اسے لاڈ سے دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔

شاویز کیا آپ مجھے اپنا نمبر دے سکتے ہیں، دراصل ہم کیپ پر چلے جائیں"
گے پر واپسی پر آپ ہمیں پک کر لیجیئے گا" کومل جواب چائے بنانا شروع
تھی، مڑ کر دل کے ڈولتے انداز کو معدوم کیے بڑے مان سے بولی جس پر
بچارے شہزادے نے تھوڑی مایوسی سے سر کھجایا۔

نمبر تو لے لیجیئے پر وہ دراصل میرے پاس تو بائیک ہے، غریب بندہ ہوں"
ابھی" شاویز نے زیر لب مسکرا کر عاجزی کا ریکارڈ بریک کیا تو جہاں گلناز
مسکرادیں وہیں کومل تو اس سادگی پر مزید لٹ گئی۔

کتنی آنکھوں کی بصارت یہ ترا چہرہ ہے"
کتنے دل ہیں جو دھڑکتے ہیں ترے ہونے سے" اف، کومل تو بس اب اپنی
خیر ہی مانگ سکتی تھی۔ یہ شاویز سے سامنا تو اسکی جان آدھی کر رہا تھا۔

ھاھا اٹس اوکے، ہم کیپ پر ہی آجائیں گے۔ اور جنکے پاس ایسی پیاری مما"
ہوں وہ غریب تو کہیں سے نہیں ہو سکتا" کومل کا دل بھلے شوخیوں پر ڈوبتا

جارہا تھا پر وہ کسی قسم کا ایسا کوئی تاثر نہیں دے سکتی تھی جو اسکے جذبات کی عکاسی سرعام کر دیتا۔

وہ بھی بادشاہی لہجے میں اس بات کو مزید حسین کر گئی۔ کچھ دیر میں وہ چائے بنا کر چار کپس میں ڈال چکی تھی۔

یہ امی مشکوک لگ رہی ہیں" شاویز صاحب کی چھٹی حس تھی کہ اماں" جان کی زیر لب مسکان پر اسے سگنل دے رہی تھی۔

کومل نے جلدی سے شاویز کی سمت کپ کیا جسے اس نے بہت سرسری اسے دیکھ کر لیا اور دوسرا کپ وہ پیار دیتی اور لیتی گلناز کو دیے اپنی اور فلذہ کی چائے کا کپ ٹرے میں رکھتی فوری باہر لپکی مگر اس سے پہلے کہ شاویز بھی اماں جان کی پہنچ سے فرار کرتا، بڑے پیار سے پکارا گیا۔

شاویز بھی اب مسکرا کر پلٹ چکا تھا جہاں ماں جان تو نکھر کر دوشیزہ لگ رہی تھیں۔

مجھے کومل چاہیے، بہو کی صورت" یہ فرمائش تھی یا انکشاف، بچارا شاویز تو سن ہو گیا۔

اڑی ہوائیوں والی صورت لیے وہ گلناز کو دیکھ کر اب اپنا سر پکڑ گیا جس پر وہ تو بھئی خفا سی ہوئیں۔

امی پلیز، کیا ہو گیا ہے۔ وہ مہمان ہے یہاں، بہو کیسے۔ میری ملکہ آپکو کہا تو" ہے جلد آپکی بہو کا انتظام ہو گا تو یہ ہر کسی کو بہو کی نظر سے دیکھنا چھوڑ دیں" شروع تو شاویز نے حیرت سے کیا پر پھر لاڈورانی جیسی والدہ کو بہلانے کی سعی کیے اچھا مسکین لگا۔

تو میری امی مت بن، میں نے کہہ دیا ہے بس۔ دیکھ کر کلیجہ ٹھنڈا ہوتا،" کتنی پیاری اور نیک ہے ماشاءاللہ، بس میرے بچے اب یہی میری بہو بنے گی اور کوئی نہیں۔ تو بس چپ کر کے دیکھتا جا میں اسے کیسے بہو بناتی ہوں"

اماں جان راک اور پیارے سے بیٹا جانی شاک۔ گلناز بیگم کس ادا سے تعریف کے ساتھ ساتھ کومل پر قربان ہو کر کہتیں سبزی والی ٹرے

اٹھائے باہر نکلیں تو شاویز بھی حقیقت کی دنیا میں اپنے صدمے سے واپس لوٹا۔

یااللہ یہ امی کیا کرنے لگی ہیں" اپنی کنپٹی مسلتا شاویز سخت فکر مند تھا" کیونکہ مشن ایمپاسیبل کو پاسیبل کرنا گلناز بیگم کا من پسند کام تھا اور وہ بھی شاویز کے معاملے میں۔

کومل نے جس حادثے کی دعا کر، ڈالی تھی ممکن ہے وہ حادثہ اب بہت جلد رونما ہونے کو تھا، شاویز وہیں کرسی گھسیٹے بیٹھ کر اب واقعی پریشانی میں مبتلا ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مجھے بہت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ آپکے بے عقل بیٹے کی وجہ سے اس" پنچائیت کی بنی بنائی روایات دم توڑنے کے دہانے پر کھڑی ہیں، ونی کا کوئی

فیصلہ آج تک درندگی کے سوا نہیں تھا تو پھر سادان کا اس لڑکی سے رحم دلی کرنا ناجائز قرار دیا جائے گا۔ دیکھیے چوہدری درمان آپ ہمارے اصول پرست ساتھی ہیں لہذا سادان کو سمجھائیں کے وہ اس لڑکی کو نوکر ہی سمجھے۔ کل کو اگر کوئی تعلق بنتا ہے تو یہ آپ کی ہی عزت میں کمی ہے۔ کیا کہیں گے لوگ کہ چوہدری درمان کا بیٹا ایک کم فہم، کم ذات اور بد کردار سے جڑھ گیا ہے" آج یہ سب پنچائیت کے معززین پھر سے جمع تھے، سادان کا فلذہ پر رحم کرنا پورے گاوں میں آگ کی مانند پھیلا تھا اور جرگے کے تمام بڑے بڑے لوگ اس بات سے سخت نالاں تھے۔

اونچے شملے سجا کر بیٹھے یہ پست ذہنیت کے تمام لوگ ہی جلد عبرتناک ہونے والے تھے۔

ایسی باتیں سننا تو چوہدری درمان حق کے اعصاب پر بجلی گرا گیا تھا، پہلے ہی وہ اس خرافہ سے تنگ تھا اور اب اسکی وجہ سے انکو اپنی ہی پنچائیت کے لوگ باتیں سنا رہے تھے۔

مالو بھی مسکین سا منہ بنائے کچھ فاصلے پر ہی کھڑا یہ سارا معاملہ سن اور دیکھ رہا تھا، چوہدری درمان کی جبر زدہ خاموشی پر کئی لوگ زہر خند سی سرگوشیوں میں مصروف ہوئے۔

ایسا کچھ نہیں ہو گا، وہ نوکر اور کم ذات ہی رہے گی۔ سادان اس سے کوئی" تعلق نہیں بنائے گا۔ وہ واقعی بے عقل ہے اور اسکی عقل بہت جلد میں ٹھکانے لگا دوں گا" درمان چوہدری نے ان برہم پنچائیت کے لوگوں کو تسلی دی مگر ان سب کی ناراضگی ہنوز برقرار تھی۔

آپ کو کوئی سخت اقدام اٹھانا پڑے گا، ورنہ ٹکے ٹکے کے لوگ ہم پر انگلی" اٹھائیں گے" معززین کے مجمعے میں سے ایک دلبرداشتہ سا آدمی اپنی ناپسندیدگی کو قدرے ضبط کیے دبنگ انداز سے بولا اور سب ہی متفق دیکھائی دیے۔

چوہدری درمان کا بس نہیں چلا کہ جا کر سادان سمیت اس لڑکی کا گلا گھونٹ آتے۔

مالو بھی اب پریشان حال سا کھڑا تھا، پورے مجمعے کا نشانہ آج چوہدری درمان حق تھا۔

اس لڑکی کو مروا دیں، عزت بچانے کے لیے "ایک اور وڈیرا تنفر سے" غرایا جس پر سب نے پھنکار کر گردنیں ہلائیں۔

بلکل، ایسا ہی کوئی فیصلہ لیں۔ ورنہ گاوں کے لوگ جلد بغاوت کے لیے" لاٹھیاں اٹھالیں گے۔ ایک ونی کی موت ہو گی تو ان سب کی روحیں کانپ اٹھیں گی اور ڈر کے باعث بغاوت دم توڑ جائے گی۔ ہماری بادشاہت کے لیے آپکا وہ کم فہم سادان بہت برا خطرہ ہے" آوازیں بلند ہوتی جا رہی تھیں اور چوہدری درمان کا سارا لہو عتاب سے اسکے چہرے پر تھا جو خوفناک تھا۔

بلکل، یاور کے دو ساتھی بھی قتل ہوئے ہیں۔ اس معاملے سے بھی اپنے" بیٹے کو دور کریں چوہدری صاحب۔ اگر یاور کا بھی قتل ہوا ہے تو یہ ونی کا فیصلہ ہم سب کے گلے کا طوق بنے گا اور پھر ہم سب کا بہت برا انجام ہو گا۔ ہم سب اپنی زلت کسی قیمت پر نہیں ہونے دیں گے اور اگر سادان آسان

زبان نہ سمجھا تو ہم اسے تکلیف پہنچانے پر مجبور ہو جائیں گے" یہ آخری بات تھی جو مجمعے میں سنائی دی گئی پھر چوہدری صاحب کی دھاڑ نے ہر اک بولتی زبان کو قفل کیا۔ وہ خونخوار بھیریے کی طرح تلملا اٹھا جس پر اسکے ساتھی نے اٹھ کر اسے پر سکون کرنا چاہا مگر چوہدری نے اسے جھٹک کر سب کو ایک خون آشام نگاہ میں دبوچا۔

کوئی سادان کا بال بھی بھیگا کرنے کا نہ سوچے، میں اس لڑکی کو اب خود" موت دوں گا۔ اجازت" دبنگ غراتے جلبلاتے وحشت ناک انداز میں دھاڑ کر مجمعے پر سکتہ پھیلا کر وہ تڑختے اور خونی انداز سے سب کو تنبیہ کیے وہاں سے اٹھ کر نکلا اور مالو نے بھی کانپتی ٹانگوں سے اسکی پیروی کی۔

دونوں کے جاتے ہی پھر سے پنچایت کے مجمعے میں پست آواز سے سرگوشیاں بلند ہوئیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دفع ہو جاو یہاں سے سب، ورنہ سب کو کھڑے کھڑے لاشیں بنادوں" گا" تیمور کو آج اگر تھوڑی ہوش آہی گئی تھی تو اس نے حویلی میں اپنی وحشت ناک دھاڑ سے لرزا پھیلا رکھا تھا۔

خود سادان جسکی صوفے پر ہی نیم دراز ہوئے آنکھ لگ گئی تھی اس آواز پر ہڑبڑا کر اٹھا تو تیمور کی چینخ و پکار پر ناگوار سا منہ بنائے اپنی شرٹ ٹھیک کرتا اٹھا اور کمرے سے باہر نکلا جہاں دو آدمی اب تیمور کو بمشکل مشتعل ہونے سے روک رہے تھے مگر وہ ہاتھ میں پکڑا گلاس ہی اب ایک ملازم کے سر پر مار چکا تھا۔

اس بیچارے کے کراہنے کی آواز پر سادان پریشانی سے تیز تیز قدم چلتا دالان میں آیا جہاں ایک آدمی سر پکڑے زمین پر گرا تھا جبکہ انجیل بیگم اور سلطانہ بھی اب خوفزدہ سی اس بد دماغ سے باولا ہو کر پھنکارتے تیمور کو گھور رہی تھیں۔

سادان نے فوری پہنچ کر اس گرے آدمی کو اٹھایا اور دوسرے دو آدمیوں کے ساتھ اسے کلینک بھیجا۔ خود وہ اس وقت بس تیمور کو غصے سے بازو سے گھسیٹ چکا تھا۔

چھوڑیں مجھے، میں نے کہا چھوڑیں" تیمور جسکے منہ پر ابھی بھی تھپڑوں کا" ابھار تھا، چہرہ متورم اور اسکی ہڈدھرمی تھی کہ وہ کچھ کھا پی بھی نہیں رہا تھا۔ جسکی وجہ سے نقاہت کے باعث اسکا سفید اور سرخی مائل چہرہ مرجھایا ہوا تھا مگر پھر بھی اس میں دھاڑنے کی پوری انرجی قائم تھی۔

زبان بند کر تیمور، تجھے ابھی بھی اثر نہیں ہوا۔ چل دفع ہو کمرے میں،" چل" دادی اور اماں سائیں کی ہزار روکنے کی کوشش کے باوجود سادان اسے غصے سے گھسیٹ کر اسکے کمرے تک لے گیا اور جب تک سلطانہ اور انجیل وہاں پہنچیں تب تک ٹھاہ سے سادان نے دروازہ لاک کر کے تیمور کی بازو چھوڑی جس سے وہ لڑکھڑا کر گرتے گرتے بچا۔

سادان کا غصے سے خون کھول رہا تھا اور وہ جو گرنے سے بچ گیا تھا اب حقارت سے روئی آنکھوں کے ساتھ سادان کو کاٹ کھانے کو دوڑا۔ جس پر سادان نے ایک ہی بازو سے اسے مکمل جکڑا۔

وہ آج سخت رو رہا تھا اور سادان کا سارا غصہ بھی اب دکھ بنا تھا۔

بہت برے ہیں آپ، مجھے آپ سے نفرت ہے۔ اللہ کرے آپ مر جائیں، چھوڑیں مجھے" تیمور کی آواز آنسوؤں سے تر تھی مگر وہ ابھی بھی زہر خند لہجے میں سادان پر نفرت انڈیل رہا تھا اور سادان نے ہنوز سختی قائم کیے اسے جکڑ رکھا تھا جو مسلسل اسکی گرفت سے نکلنے کو پھڑ پھڑا رہا تھا۔

بہت مارا ہے آپ نے مجھے، میں آپکو کبھی معاف نہیں کروں گا۔ میرے سامنے بھی مت آیئے گا دوبارہ، چھوڑیں مجھے" شکر ہے وہ اس وقت جتنا بھی بد تہذیب کیوں نہ تھا اسے تم کہنے سے گریز پا تھا جس پر سادان اب اسے ریلکس کروانے کو اپنے سینے میں بھینچ گیا تھا۔

اک تباہ کن سی سرخی تھی جواب سادان کی آنکھوں میں بھی تھی۔

بس کر، یہاں دیکھ۔ تیرے بھلے کے لیے تھا، کیا عزت رہ جاتی ہمارے خاندان کی بول۔ جو تُو کرنے جا رہا تھا وہ حرام ہے۔ بہت پیار کرتا ہوں تجھ سے، قسم سے تجھے مار کے تکلیف خود کو بھی دی ہے پر تُو نے میرے پاس چوائز ہی نہیں چھوڑی تھی" سادان اب کی بار درد دیتے تاثر کے سنگ اسے اسی کے انداز میں تاسف سے کہہ رہا تھا مگر وہ بس تکلیف سے روتا جا رہا تھا۔

"کوئی پیار نہیں ہے، کسی کو نہیں ہے۔ میں خود کو ہی مار دوں گا۔ میں اس دنیا میں مار کھانے نہیں آیا، چھوڑ دیں ورنہ میں بہت برا پیش آوں گا" کئی آنسو اب ان بظاہر دیکھائی دیتی معصوم سی آنکھوں سے یوں گرے جیسے غم کا پہاڑ تھا جو تیمور کے دل پر اترا تھا۔

سادان نے ایسا تو نہیں چاہا تھا کہ وہ تیمور کو تکلیف میں دھکیل دے۔ وہ تو بس اسکی رہنمائی کے لیے اسے سزا دے بیٹھا تھا۔

سادان نے اب کی بار اسے چھوڑ کر اسکا چہرہ تھامے بے حد رنجیدگی سے تیمور کو دیکھا جو اسے وافع نفرت سے دیکھ رہا تھا۔

اچھا چل بدلا لے اور ختم کر یہ سوگ، چل مار لے۔ تجھے اگر لگتا ہے میں" نے یہ سب پیار کے بجائے نفرت میں کیا ہے تو چل تُو بھی مار۔۔۔ چل چل سوچ مت اب" سادان کا ایسا کہنا ایک پل کو تیمور کے چہرے کا رنگ اڑا گیا اور وہ پھر بے دردی سے سادان کے ہاتھ سے اپنی بازو چھڑوائے دو قدم پیچھے ہوا اور پلٹ کر تیزی سے واش روم میں جا گھسا اور جب تک سادان اس تک پہنچا اس نے دروازہ لاک کر لیا۔

تیمور کی یہ حرکت سادان کو اب خوفزدہ کر گئی تھی۔

مجھے آپکی شکل سے نفرت ہے، مجھے کسی سے بات نہیں کرنی۔ میری" طرف سے سب مر جاو" دروازہ بند کرتے ہی وہ وہیں گھٹنوں کے بل زمین پر ڈھے کر بے درد آواز سے چلایا اور سادان بھی دروازے پر ہاتھ رکھے سخت پریشان حال کھڑا تھا۔

اب تو سادان کو بھی اپنے ایسے ہولناک رویے پر دکھ تھا جس نے تیمور کو مزید بد دماغ بنا دیا تھا۔

خود کے ساتھ کچھ مت کرنا تیمور، تجھے مجھ سے نفرت سہی پر میرے لیے "
تو میری زندگی کا غرور ہے۔ نہیں چاہتا کہ تُو بھٹک کر اپنے لیے اندھیرا
منتخب کرے۔ مجھے معاف کر دے لیکن میری نیت کو غلط مت سمجھ، کھول
دے دروازہ" سادان خود بے حد لخراشی سے التجاء کر رہا تھا مگر تیمور سر
جھکائے اپنی سیل رواں سے بھرتی آنکھیں پونجھتا ہوا پتھر بنا بیٹھا تھا۔
جائیں" جتنی قوت سے وہ چیخ سکتا تھا، اتنی سے چلایا تھا اور سادان بھی "
دل پر قائم اس ایک اور بوجھ سے نیم جان تھا۔
ابھی تو نا جانے اسے کس کس کربناک لمحے سے گزرنا تھا۔ شکن آلود پیشانی
اب دکھ کے گہرے زاویوں سے مزین کیے وہ چند لمحے دروازے کو دیکھتا رہا
اور پھر کمرے کا لاک کھولے باہر نکل گیا۔
تیمور جو بیٹھا تھا اب وہیں فرش پر اپنی ٹانگیں دہری کیے ڈھے گیا۔
شاید وہ بھی کہیں دل سے سادان سے جڑا تھا، اور تبھی اس دن کی ہتک
آمیزی کے بعد آج اس نے اسے تم کہنے کی غلطی نہیں کی اور خونخواری سے

بھرے تیمور میں یہ چھوٹا سا سدھار ہی ممکن تھا شہزادے کی آگے جا کر
جیت بننے والی تھی۔

ابھی تیمور تکلیف اور غصے میں تھا اور ممکن ہے یہ کمرے کی تنہائی اسے
تھوڑی غیرت دلانے میں کامیاب ہو جاتی جو ابھی تک تو نا ممکن تھا۔

اگر سادان نے اسے تکلیف دی تھی تو تیمور یہ بھی بخوبی جانتا تھا کہ اس نے
بھی اپنی زہر خند زبان سے سادان کے دل کو کبھی نہ بھرنے والے زخم
دیے ہیں۔امید پے دنیا قائم ہے، ممکن ہے سدھار وقوع پذیر ہو ہی
جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زندگی کا یہ رنگ تو شاید فلذہ کبھی نہ دیکھتی اگر اسکی قسمت اسے یوں سفر
سے ہم آہنگ نہ کرتی۔

شاید اسکی زندگی کا یہ رنگ اس پر وا فع ہونا طے تھا، وہ جو خود کو آئینے میں دیکھ کر پتھر تھی۔

کیا یہ وہ تھی ؟ اسے کتنی ہی دیر اپنے چہرے کی نئی روشنی نے چونکائے رکھا۔

کومل جو واقعی مہربانی کی مسند پر اپنے بابا سائیں جیسی فائز تھی، آج تو فلذہ کو دیکھ کر اسکی نظر کے ساتھ اسکا صدقہ بھی اتار رہی تھی۔

وہ سیلون والی خود فلذہ کے انوکھے پر کشش بے داغ سانولے رنگ کی بلا جھجھک تعریف کر رہی تھی۔

گو ابھی بھی وہ پیاری سی سانولی تھی مگر اسکا نمکین سا حسن گو نظروں کو وارفتہ کر دینے پر مائل تھا۔

کاجل سے اٹی آنکھیں آج ہلکی پھلکی چمک میں لہراتی ہوئی کسی نئے خواب کے لبادے کو اوڑھے ہوئے تھیں۔ گھنی بھوئیں بس زرا سی چھیڑ خانی سے پرفیکٹ شکل اوڑھے ہوئے رنگ میں ترنگ ملائے حسین تھیں۔

وہ تو آنکھوں پے ہی رک گئی تھی، سچ تھا شہزادہ یونہی اسیر تھوڑی ہوا تھا۔

فلذہ کی آنکھیں ہی اسکے چہرے کا دلفریب حسن تھیں۔ جن میں ہر رنگ تھا، سوز تھا، طلسم تھا۔ بے خودی تھی، اور تھوڑی بے رحمی بھی۔

چہرے پر اسکے وہ مدھم سے گلابی چھب ولی لالی سے سجے پھیلا و زدہ گلابی ہونٹ جن پر آج مسکراہٹ تھی۔

مگر مسکراہٹ میں نمی کی اک آہٹ تھی، کسی کمی کی سنسناہٹ تھی۔

وہ پہلے ہی پر کشش تھی اب تھوڑے سے ورک آوٹ پر اسکا سانولا چہرہ کسی غزل کا مصرع بن گیا تھا۔

خود کومل نے بھی زرا اپنی بھی صورت چمکوائی تھی اور وہ تو ویسے ہی حسین تھی اوپر سے زرا سی محنت کے ہوتے ہی یوں لگا رنگوں کا ریلا ابھی آسمان سے اترا ہے۔

وہ لمبے سیاہ بال جن کو فلذہ نے چوٹی میں باندھ باندھ کمر سے نیچے تک بڑھا رکھا تھا، اب تھوڑی سی کٹنگ کے بعد اسکی آدھی کمر تک پہنچ آئے تھے مگر

سٹیپ کٹنگ اس پر بہت اچھی لگی اور بیوٹی سیلون والی نے اسکے بال سٹریٹ کر کے ڈھیلے سے ہیر بینڈ میں باندھ دیے کیونکہ کومل نے انھیں بتایا تھا کہ وہ سر پر دوپٹہ لیتی ہے اور اسے بال باندھنا پسند ہے۔
وہاں سے وہ دو پریستان کی پریاں شاپنگ کے لیے مال گئیں اور کومل نے تین چار اپنے ڈریسز لیے اور ویسے ہی نفیس سے ڈیزائنر ڈریسز فلذہ کو دلائے۔
اسکے کمپلیکشن کا کومل بہت دھیان رکھتی تھی اور اسے اس سب کی کافی اچھی سینس تھی کہ فلذہ کے گندمی رنگ پر ہلکے ڈریسز زیادہ بھاتے ہیں۔
خود فلذہ نے ایک پسند کیا جو مکمل وائٹ تھا اور اسکی شرٹ پر پیرٹ کٹ داری موتیوں سے کام ہوا تھا اور دوپٹہ مکمل پیرٹ تھا۔
کومل نے اسے اس یونیک پسند پر ایک زبردست جھپی ڈالے سراہا اور وہ بھی پورے دل سے مسکراتی ہوئی آج حسین سے بھی حسین تھی۔

شاپنگ کے بعد دونوں نے دن کا کھانا بھی مزے سے باہر ہی کھایا اور پھر آخری سٹیپ کچھ جوتوں کا تھا، اسکے علاوہ بھی جو جو کومل کو پسند آیا اس نے سب لے لیا۔

آئس کریم کھا کر ہی وہ دونوں تقریبا چار تک واپس پلٹی تھیں، کومل نے مال میں اپنی اور فلذہ کی سیلفی لی تھی جو اس نے گھر پہنچتے ہی پہلی فرصت میں سادان کو بھیجی۔ ایک تو وہ شہزادہ آگے ہی تڑپ رہا تھا اوپر سے میڈم کومل بھی اس کا دل دھڑکانے کے سارے ارمان پورے کر رہی تھی کیونکہ اسے خود فلذہ اور سادان کا ساتھ عزیز تھا اور وہ چاہتی تھی کہ یہ دونوں کبھی الگ نہ ہوں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ جو دل ہوتا ہے ناں، یہ مکمل وجود سے پرے ہی کسی تیسری دنیا کا مکین ہوتا ہے۔ جسکے لیے ظاہری حسن اور وقتی چمک معنی نہیں رکھتی۔ سچے دل کو سچے دل کی دعا لگ جائے تو عشق جنم لیتا ہے، وہ عشق جو رگوں سے ہر اندھیرا نکال باہر کرتا ہے۔

سادان جانتا تھا کہ تیمور اس وقت جو بھی سلوک کر رہا ہے وہ ایسا ہی کرنے والا تھا، اسکی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ بھی اس وقت اسی جنگلی حالت کا شکار ہوتا۔ حویلی کے صحن میں اترتی شام نے آج سادان کے اندر بھی ویسا ہی اندھیرا ابھر دیا تھا اور ابھی تو اصل قیامت تب آنی تھی جب درمان حویلی میں واپس آتا۔

وہ جسے اب اپنی دو کوڑی کی عزت بچانے کے لیے فلذہ کی جان چاہیے تھی، اور پھر جب فلذہ اسے ملے گی نہئں تو آج حویلی کی بنیاد تک تھر تھر لرز اٹھے گی۔

آج تو شہزادے نے چینج تک نہ کیا اور وہی سیاہ ٹراوزر شرٹ پہنے الجھے حال میں صحن میں لگی کرسی پر تھکے انداز سے بیٹھا آسمان کے کسی غیر مرئی نقطے پر نگاہیں جمائے ساکت تھا۔

چہرے پر آثار غم صاف صاف اضطراب پھیلائے ہوئے تھے۔آنکھوں کے گوشے نچلی طرف سے گلابی پن میں نہائے ہوئے تھے۔

گلابی مائل سفید چہرے پر گھرے بھورے منتشر بالوں کا رواں بتا رہا تھا کہ کچھ دن سے شیو نہیں کی گئی۔

کرمان پر آج مکمل سکول کی ساری ذمہ داری تھی اور وہ ابھی تک واپس نہیں آئے تھے۔

میسج ٹون پر سادان کی بکھری دردیتی سوچوں کا رابطہ منقطع ہوا تو سادان نے زرا سے ترچھا ہو کر ٹراوزر کی جیب سے فون نکالا جس پر ون واٹس ایپ میسج تھا جو کومل کا تھا۔

وہ جو ابھی میسج اگنور کیے واپس فون جیب میں ڈالنے لگا تھا اچانک سے انگلی ٹچ ہونے پر میسج اوپن ہوا اور سادان کو لگا شاید وہ اپنی آنکھیں ہٹا نہیں پائے گا۔

اس سانولی کے فیض سے اجلا ہے میرا چار سو"
میں بھی مکمل رفتہ رفتہ، دھانی ہوتا جاؤں گا
یا پھر کہانی ہوتا جاؤں گا۔۔۔۔۔۔ کیا یہ فلذہ ہے "شعر کہہ کر تو شہزادے کے ہونٹوں نے ڈھلتی شام کا طلسم چرا لیا، وہ جو سر پر آنچل کیے نہ مسکرا کر بھی مسکرا رہی تھی، سادان کے حواسوں پر تصویر سے ہی مسلط ہوتی چلی گئی۔

کیا کسی کی تصویر اتنی گداز آئی ہو گی کبھی، جتنی دلکش وہ سانولی بڑی بڑی آنکھوں والی نے اپنا کندن حسن کیمرے کی آنکھ کو تھما دیا تھا۔

جب میرے پاس میری سانولی لوٹے"

سرمئی شام کی تنویر غزل میں آئے "وہ تو مست ہو رہا تھا، شاید سید ھا ہی عشق کا رنگ سر چڑھ رہا تھا۔

وجود کی قید سے پرے بس وہ ان سیاہ آنکھوں کی پاکیزہ حیا پر اپنا سب وار رہا تھا، جیتنے سے پہلے ہی بادشاہ وقت ہار رہا تھا۔

اوڑھنی کے ساتھ اسکا جھمکا اٹک کر رہ گیا"

اور جھمکے میں ہیں اسکے ملائم بالوں کی لٹیں الجھی ہوئی۔

لب کھلے، چہرہ شفق آلود ہو کر سانولا ہائے،

مگر حیران ہوں میں، حسن کی ژولیدگی ہے کس قدر سلجھی ہوئی

آنکھوں میں ہنسی میرے وعدے کے بلکل عین پوری ہے۔

"مگر میں کیا کروں فلذہ، یہ دوری بے حد ضروری ہے

مزید خود کو بے دم ہونے سے بچانے کے لیے وہ فون آف کیے سامنے میز پر دھرے بے قراری سے اپنے الجھے بالوں میں ہاتھ پھیرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

نہیں سادان، وہ بس تیری ذمہ داری ہے۔ اسے فی الحال کچھ اور مت بنا، "
یہ اسکی زندگی کا کٹاؤ ثابت ہو گا۔ نہیں وہ ابھی میری نہیں ہو سکتی، اسے اپنا
نہیں بناؤں گا۔ اسے چپ چاپ اسکی منزل پر پہنچا کر لوٹ آوں گا، مجھے ایسی
کسی کمزوری کی سمت ہاتھ نہیں بڑھانا، ورنہ وہ قیامت جسے میں روک کے
رکھے ہوئے شکستہ ہو گیا ہوں وہ آ کر سب بہا لے جائے گی" شاید مصلحت
کا وجود عشق پر بھاری تھا، وہ کوئی آسان زندگی تھوڑی جی رہا تھا کہ دل لگی کی
گلی میں داخل ہو جاتا۔

اسے تو وقت نے ابھی بہت کچلنا تھا، مگر شہزادہ یہ نہیں جانتا تھا کہ سانولی
اس پر اثر کر گئی۔

اب بھلے جتنی مرضی مضبوط مصلحت آ جاتی، عشق کا پلڑا بھاری تھا۔

وہ سخت دلبرداشتہ تھا، دل تو رائیگانی کی کہانی لکھنے پر آمادہ تھا۔ مگر دماغ اسے
ہوش مندی تھامنے کا مشورہ دے رہا تھا۔

اور پتا ہے جب جنگ دل و دماغ کی ہو تو نسیں پھٹ جاتی ہیں، حویلی کے مین گیڈ کھلنے کی آواز پر درمان کی گاڑی کا سبک روی سے داخل ہونا سادان کو اپنے منتشر خیالات سے باہر پٹخ چکا تھا۔

وہ جو آج ظالم جابر اور جلاد پن کی ہر حد اپنے پیر تلے مسلنے کی حد تک خونخوار دیکھائی دے رہا تھا، لمبے لمبے ڈگ بھر کر لہراتا ہوا عین سادان کے سامنے رکا۔

سادان نے بابا سائیں کی آنکھوں میں حقارت اور عتاب سے بھی کوئی بڑی ظالم شے دیکھی اور اسکے وجود میں سنسنی اترنا طے تھا۔

"آج تیری وجہ سے دو ٹکے کے لوگوں نے مجھے زلیل کیا، مجھے میرے خاندان کو گالی دی۔ صرف تیری وجہ سے، دل تو چاہتا ہے آج تیرے سینے سے دل نکال لوں پر یہ ظالم باپ افسوس ایسا نہیں کر سکتا۔ پر آج میرے

ہاتھوں سے وہ خرافہ نہیں بچے گی۔ آج تیرے سامنے اسکی اسی حویلی میں قبر کھودوں گا" غصہ، حقارت، ہتک آمیزی، جلن، دکھ، نفرت، عتاب اور ظلم کیا کیا نا تھا آج درمان چوہدری کے ہولناک لہجے میں۔

اسکی دبنگ آواز پر حویلی کے مکین بھی ہولتے دلوں کے سنگ باہر نکلے تو باپ بیٹے کو آمنے سامنے دیکھ کر سلطانہ تو دل کو تھامے رہ گئیں۔

لفظوں کے دل کو چھلنی کرتے طماچوں کی فکر سے بے نیاز سادان بس افسوس اور دکھ سے باباسائیں کی ان کھوکھلی روایات کے پرچار پر غمناک ہوا تھا۔

آپ میری جان لے لیں باباسائیں، ختم کریں آج اس قصے کو۔ لیکن فلذہ" تک پہنچنا اب آپکی بس سوچ ہے۔ وہ یہاں نہیں ہے" آخر وقت آگیا تھا کہ سادان یہ لرزاں خیز انکشاف کر کے سامنے سکتہ پھیلاتا۔

اسکی اس اچانک افتاد کی طرح نازل ہوتی دلخراش اور اختتام تک باغی بات پر انجیل بیگم اپنے قدموں کی مٹی چھوڑے ان دونوں کی سمت لپکی اور

درمان حق تو سادان کے منہ پر تھپڑ مار ہی دیتا اگر عین وقت پر کرمان انھیں آکر نہ روکتا۔

سادان کی آنکھوں میں آج کوئی خوف نہ تھا مگر درمان اسکو سرخ ہوتے جلال کے سنگ گھور رہا تھا اور اگلی ہی لمحے کرمان سے اپنا ہاتھ جھٹک کر وہ سادان کا گریبان پکڑ کر عین اسکی سرخ آنکھوں میں گھورا۔

کہاں بھیجا ہے اس بد چلن کو، اس فساد کی جڑ کو۔ بول سادان ورنہ آج" تیری جان لے لوں گا۔ بول کہاں ہے وہ منحوس ماری، مجھے تنگ مت کر۔ مجھے اسے مار کر یہ قصہ ختم کرنے دے۔ بتا مجھے کہاں ہے وہ" غیض و غضب سے اٹا درمان بے دردی سے سادان کا گریبان پکڑے اسے دھمکی خیز دھاڑ سے جنجھوڑ رہا تھا اور انجیل بیگم بھی جلبلاتی ہوئی سادان کا خون پی جانے والی دیکھائی دے رہی تھی۔

سادان کا آج بابا سائیں پر رہا سہا مان بھی کرچی کرچی ہوا اور وہ اپنی پوری طاقت لگائے درمان کے ہاتھ اپنے گریبان سے جھٹکتا ہوا اسے مزید آگ لگا گیا۔اب تو سامنے کھڑا عاقل اور کرمان بھی خوفزدہ تھے۔

اسے ایسا سب کہنے سے پہلے یہ یاد رکھیں وہ میری بیوی ہے، سنا آپ نے۔"

اور اب اسے سادان بیوی ثابت کرے گا، اسکی حفاظت مرتے دم تک کروں گا اور اس تک پہنچنے کے لیے آپکو میری جان لینی ہو گی۔وہ بے قصور ہے اور جلد یہ سچائی میں نہ صرف گاوں کے سامنے لاوں گا بلکہ ضرورت پڑی تو پوری دنیا کو بتاوں گا" ان حالات میں سادان اب یاور کی قبر کھدوانے کے معاملے کا ذکر بھی نہیں کرنا چاہتا تھا اور یہ اتنا بڑا کام وہ بنا درمان کو بتائے کرنے کا عہد لے چکا تھا۔

سادان کی اس بات پر جو پتنگے آج انجیل بیگم اور درمان کو لگے اسکی مزہ تو وہ آگ سے دہکتے شعلے تھے جو دونوں ماں بیٹے کے چہرے پر درج تھے۔

ٹھیک ہے، ایک بیٹا ویسے مر گیا دوسرا مارنے میں مجھے افسوس نہیں۔" میرے بنائے اصولوں میں بھلے تُو بھی آیا تو کاٹ کے رکھ دوں گا۔ وہ قبر میں بھی جا کر چھپ گئی تو میرے کتے اسے نوچتے ہوئے نکال باہر لائیں گے۔ تُو کسی خوش فہمی میں مت رہنا، اس لڑکی کو تیرے سامنے ماروں گا۔ اس دو ٹکے کی مسلن کے لیے مجھ سے ضد لگا کر تُو بہت برا کر رہا ہے، اب تجھے بتاتا ہوں چوہدری درمان حق چیز کیا ہے" زیر لب نازیبا کلمات کہنے کے بعد درمان نے اپنے ذہن کی غلاظت الٹ کر اب کی بار سادان کو بھی پتھر کر دیا تھا۔

آج فلذہ کے لیے یہ سب الفاظ اس سے برداشت نہیں تھے مگر وہ مجبور تھا کہ یہ اپنی ہر حد پار کرتا اسکا باپ تھا اور سادان کی تربیت اسے چار و ناچار تمیز کا دامن پکڑے رہنے پر مجبور کر رہی تھی۔

سادان مٹھیاں بھینچے، پیشانی اور گردن کی رگیں دکھ سے تانے ضبط کے دہانے پر کھڑا تھا اور درمان یہ کہہ کر اندر بڑھا مگر اب سادان کی تکلیف مزید بڑھانے اسکی ناگن دادی چہرے پر حقارت لیے سامنے تن گئی۔

لگتا ہے تیمور کی بات دل پے لے گیا میرا بچہ، پچ پچ پر تجھے کنوارے کا" لیبل ہٹانے کے لیے اس خرافہ پر فدا ہونے کی ضرورت نہیں۔ایک اشارہ کر، حسین سے حسین عورتوں کی لائن لگ جائے گی۔ لیکن یہ فلذہ نامی گند ہمارے خاندان میں لانے کی غلطی مت کر ورنہ تیرے ساتھ ساتھ تیرے کئی پیارے اس خود ساختہ آگ میں جلیں گے" سادان ناجانے کس ضبط سے ان سب کی بکواس سن رہا تھا اور آج تو اسے دادی سے نفرت سی محسوس ہو رہی تھی جو اسے آج حقیقی زہر لگیں۔

اس بات پر تو کرمان اور سلطانہ نے بھی بھیگی سرخ آنکھوں سے انجیل بیگم کی سفا کی دیکھی۔

اب آگ لگ چکی ہے، آپ اپنا دامن بچانے کی سبیل کریں۔ مجھے پتا ہے" میں نے خود کا اور خود سے جڑے اپنوں کا کس صورت بچاو کرنا ہے" اب بھی سادان چپ رہتا تو شاید انجیل بیگم کو مزید ہمت ملتی کہ وہ سادان کے دل کو درد دیتیں۔ مگر اس کرارے جواب پر وہ بڑھیا اچھی بدمزہ ہو کر حقارت سے جلبلا اٹھی تھی۔

قیامت آئے گی اب، قیامت۔ اس لڑکی کو تو بہت جلد ہم ڈھونڈ لیں گے" پھر تیرا کیا ہو گا وہ سوچ۔ بہت بیوقوف ہے ابھی میرا بچہ" بچہ کہتے ہوئے جو زہر انجیل کے لہجے میں تھا اس نے سادان کا دل کاٹ کر اک خنجر سینے کے آر پار کیا۔

آج اسے اپنے ہونے پر ہی دکھ تھا، اور اب تو سادان کے پاس شاویز بھی نہ تھا جو اسے نہر میں کودنے سے روک پاتا۔ عاقل تو اپنے پیارے سائیں کی ایسی بے بس حالت دیکھ کر آدھا ہو گیا تھا۔

کرمان اور سلطانہ بھی اپنی جگہ بے بس تھے اور سادان تو بس آج ہر شے تہس نہس کر دینا چاہتا تھا۔ انجیل بیگم بھی چادر کا پلو لہرائے لاٹھی گما کر تنفر سے پیر پٹختی اندر کو بڑھی اور وہاں ہر چہرہ تاریک سے بھی تاریک ہوتا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ع۔بثـــــھ۔یں وہ ری۔اضتی۔ں، جـــوی۔ارکـــونـــہمـــنا

ســـک۔یں

وہ ڈھـــول، تھ۔اپـــــ، بانســـری، وہ ھـــردھـــمال

مستـــرد

جاوتم "سارادن سوگواری میں کاٹے وہ پھر سے عالیہ کے پاس آیا اور "

نرس کو اس نے باہر جانے کا کہا جس پر وہ فرمابرداری سے سر ہلائے باہر نکلی

تو تبریز نے ایک سرد مہر نظر عالیہ پر ڈالی جو نیند میں ہونے کے باوجود یوں لگا جیسے تکلیف میں ہے۔

کبھی کبھی احساس نامی چیز ہم سامنے والے کے کشکول میں تب ڈالتے ہیں جب وہاں چھید ہو جاتا ہے اور آپکا احساس کرنا نہ کرنا ایک برابر ہوتا ہے۔

چوٹ اس شخص کے سینے پر لگی تھی اور وہ پورا دن اسی سوچ میں تھا کہ اس نے اس فرمابردار عورت پر ہر ظلم کیوں ڈھایا۔

آج تو سلجھا سا چوہدری تبریز بھی اجڑے حال کو آیا ہوا تھا، چہرے پر درد کی حدت لیے وہ اپنے کندھوں سے بھوری چادر اتار کر صوفے پر رکھتا اپنے من وزنی بھاری قدم اٹھاتا بیڈ کی دوسری طرف سے اس نیم جان عالیہ تک پہنچا۔

پتا ہے آنکھوں میں بھر آنے والے آنسوؤں کو واپس دھکیل کر کبھی بولنا پڑ جائے بات کرنا پڑ جائے تو کتنا ضبط لگانا پڑتا ہے

روئے سے کچھ نہیں ہوتا کیونکہ سنا نہیں جسے پا نا سکو اسکا سوگ مت مناو معاف کرو اور آگے بڑھ جاو۔

آگے بڑھو تو اک آواز راستہ روکتی ہے پیچھے پلٹو تو کسی نیم جان کی آنکھوں کی لاتعلقی وجود کے ریشے ریشے کر دیتی ہے، دونوں کے درمیان ناممکن کی لفظ کی گہری کھائی ہے۔یہ شخص بہت بدنصیب ہے کہ جس کے ایک قدم کے فاصلے پر وہ موجودہ ہے مگر یہ ہاتھ بڑھا کر اسے چھو نہیں پا رہا، شاید اسے دی تکلیف اس شخص پر بھی اثر انداز تھی۔

سفید کاٹن کا سوٹ جس پر اب جا بجا شکنیں درج تھیں، تبریز کی بے حالی کا پرچار کر رہا تھا۔

وہ آہستگی سے عالیہ کا گلابی گداز ہاتھ ذرا سا جھک کر اسکے سینے پر سے اٹھا کر شاید اس پورے سال میں پہلی بار محبت سے ہونٹوں سے لگا کر چوم رہا تھا۔

مگر اب تو بہت دیر ہو گئی تھی تبریز صاحب، آپکی جنجر زدہ شخصیت نے اس پری جیسی دیکھائی دیتی عالیہ کو آج اس نہج پر لا چھوڑا تھا کہ اسکی آنکھوں میں خون تو کیا خون سا پانی تک نہ بچا تھا۔

اگر سادان کو علم ہو جاتا کہ اسکی بہن کس حال میں ہے تو یہ تو شہزادے پر مزید زندگی تنگ کر دیتا۔آخر وہ کیا کیا سنبھالنے پر لگا تھا، کوئی چیز ایسی نہ تھی جو اسے سکھ دیتی۔

"مجھے معاف کر دے عالیہ، تجھے کھونے کا سوچ کر ہی کانپ اٹھا ہوں۔کون ہے جو تیری طرح مجھے سہے گا مجھے برداشت کرے گا۔پتا نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا جو تیری قدر نہ کر سکا۔پر تُو بھی حق پر ہے، اپنے ہاتھوں اپنا بچہ مار دیا میں نے۔یہ کیا ہو گیا مجھ سے، اتنی مدت بعد تو یہ سکھ ملا اور بنا خوشی دیے دکھ بن گیا۔شاید میں باپ بننے کے لائق ہی نہیں، شوہر بننے کا ڈھنگ تو آیا نہیں باپ کیا خاک بنتا" وہ تلخی اور دلخراشی سے وہیں اسکے قریب ہی تھک

ہار کر لیٹ گیا اور اسکا رخ عالیہ کے زرد چہرے کی جانب تھا جو شاید نیند کی دوا کے زیر اثر تھی۔

میری سزا مجھے مل گئی ہے، تجھے نہیں جانے دوں گا" سرخ ہوتی انگارہ آنکھوں اور کانپتی آواز کے سنگ وہ اسکے چہرے پر جھک کر جابجا نرم سے انداز میں لمس دھرے معافی طلب کر رہا تھا مگر اب شاید معافی ناممکن تھی۔

عالیہ کا صبر یہیں تک تھا، وہ بس بخت سکندر کی درخواست پر رکی تھی اور بس اب واپس جانا چاہتی تھی مگر تبریز کی کملائی حالت دیکھ کر لگتا تھا وہ واقعی سخت برے طریقے سے ٹھوکر کھائے گرا ہے۔اب کی بار فیصلہ عالیہ کے ہاتھ تھا اور تبریز خوفزدہ تھا کہ نا جانے وہ کیا فیصلہ لے گی۔

وہیں اسکے چہرے سے چہرہ ٹکائے وہ ایک ہاتھ سے اسکا چہرہ چھوئے اپنی سوز زدہ آنکھیں بند کر گیا۔

کیا اسے اندازہ ہے میں نے کیا کھویا؟؟"

یقیناً جواب انکار ہو گا کیونکہ میں بہت دن بعد اپنی ذات میں اس انکار کو اثبات میں منتقل ہوتے ہوئے محسوس کر رہا ہوں،

کیا عجب دستور محبت ہے کے جدائی کا خوف، بچھڑنے کا ڈر انسان کی روح تک کایا پلٹ دیتا ہے،

جانتا ہوں تم اس سٹیج پر ہو جب تمہیں محبت، تشنگی، لمس اور احساسات سے وحشت ہونے لگی ہے،

مگر کیا میں اس غم کے بعد اپنی روح کی گہرائی سمیت ساری شدتوں کو لیکر کہیں کا رہوں گا؟

شاید نہیں! یقیناً نہیں،،

مجھے اب تمہارے بغیر ہر خوبصورت منظر خنجر کی زہر آلود نوک کی طرح چبھتا ہوا محسوس ہو گا۔

جن سکون کے لمحوں کے لئے میں نے اپنی کئی راتیں تم پر جبر کر کے،

تمہیں تکلیف دے کر گزاری ہیں، انہی خیالات سے بھاگ جانے کے لئے

شب و روز ننگے پیر بھاگتا رہوں گا۔

پیاس سے حلق میں کانٹے چبھتے ہوئے بے دم ہو کر دھڑام سے جب گر

جاوں گا تو ایسا لگے گا۔

جدا ہونا تو نہیں،

مجھے تمہارا مجھ سے خفا ہونا مار ڈالے گا" وہ آج شاید سچ میں عالیہ سے محبت

محسوس کر رہا تھا، وہ عورت جو اسکی تمام تر بد سلوکی، وحشت سہہ کر بھی

جدائی کے فیصلے سے خود متاثر تھی۔

تبریز اسے اب کسی قیمت پر چھوڑنا نہیں چاہتا تھا مگر عالیہ دائمی نہ سہی پر وقتی

جدائی کا پورا حق رکھتی تھی تاکہ یہ شخص اچھے سے اسکی اہمیت جان جاتا۔

آج عالیہ کو دیکھنا تک اسے سکون دے رہا تھا اور جب کو اپنے سکون کی اصل

پہچان ہوتی ہے تو سنبھلنے کا ایک موقع تو ملنا اہم ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"اومائی گارڈ، یہ تو بہت بُرا ہوا۔اب کیا ہو گا، وہ تو یہاں تک بھی پہنچ جائیں گے "ساداں نے ساری صورت حال شاویز کو بتا کر اسے بھی سخت تفشیش میں مبتلا کر دیا تھا اور ساداں کی اس وقت حالت بہت ابتر تھی۔

ایک طرف اسے اب جہاں منظور حسین کی حفاظت کرنی تھی وہیں فلذہ کے لیے وہ بہت پریشان تھا۔

"نہیں شاویز، پلیز تم اور کومل کسی بھی طرح فلذہ کی حفاظت یقینی بناو۔میرا دھیان وہاں رہا تو میں یہاں کچھ بھی سنبھال نہیں پاوں گا۔تم وہاں پولیس کی مدد لو اور گھر کے باہر دو لوگوں کو سول وردی میں تعینات کرواو"

ساداں جو اس وقت بے حد ذہنی دباو میں تھا، یہی آخری حل سوچ پایا جس پر شاویز نے بھی متفقہ سر ہلایا۔

ٹھیک ہے میں آج ہی کرتا ہوں، تم پریشان مت ہو" شاویز نے اسے "فوری تسلی دی مگر سادان کا دل اس وقت سخت کانپ رہا تھا۔

وہ جو مسلسل خود کو کمرے میں گھسیٹے یہاں وہاں چکر کاٹ رہا تھا، سامنے عاقل کھڑا اپنے پیارے سائیں کی تکلیفوں کے اس لامتناہی سلسلے کے تھم جانے کے لیے دردناک انداز میں دعا گو تھا۔

قبر والا معاملہ میں کل خفیہ ہی نمٹانے والا ہوں، کیونکہ باباسائیں اس" وقت میری اس بات پر مزید بپھر جائیں گے اور میں پھر کبھی بھی اس معاملے کی تہہ تک نہیں پہنچ پاؤں گا۔ تم دعا کرنا کہ میں یہ سارا معاملہ ٹھیک سے حل کر پاؤں، میں ابھی عاقل کو منظور حسین کے ساتھ نہیں بجھوا رہا۔ فلذہ سے وعدہ کیا تھا مگر ابھی یہ ممکن نہیں۔ کومل کو کہنا اسے سمجھا دے" حالات ہی اتنے کسیلے تھے کہ سادان چاہ کر بھی اپنی کہی کسی بات کو پورا نہیں کر پا رہا تھا۔

کنپٹی کی رگیں تو پھٹنے کو تھیں، شہزادہ شدید ذہنی دباو کا شکار تھا۔ آواز میں اختتام تک جی بھر کر تاسف امڈ آیا تھا۔

"یہاں کی ٹینشن مت لے، میں دیکھتا ہوں سارا معاملہ۔ اور اللہ تیرا ضرور مددگار ہوگا" شاویز نے لہجے میں جی بھر کر ملائم پن بھرے تسلی دی جس پر سادان چپ چاپ فون بند کیے ٹیبل پر رکھے اپنے بال جکڑے مڑا تو نظر نڈھال سے عاقل پر گئی۔

"سائیں آپ خود کو سنبھالیں گے تو ہی یہ سارا ظلم روک پائیں گے، یقیناً منظور چچا کی زندگی کو بھی اب خطرہ ہے۔ آپ حکم کریں میں کیا کر سکتا ہوں، میرے بس میں ہو تو آپکی زندگی سے ہر مشکل کاٹ کے رکھ دوں" عاقل جو خود سادان کی آئے دن بڑھتی تکلیف پر دل چھوڑے بیٹھا تھا، اب تو روئی آنکھوں سے آواز کے ظالم اتار چڑھاو کے سنگ بولا تو سادان کے اس تک پہنچ کر چہرے پر گھسیٹ کر تھوڑا اطمینان لا کر اسکا کندھا تھپتھپایا مگر عاقل جانتا تھا کہ سادان کو ابھی خود تسلی درکار ہے۔

کل کے لیے تمہارا کام قبرستان کا سارا معاملہ دیکھنا ہے۔امام صاحب بھی" پہنچ جائیں گے اور ڈاکٹر آفندی یہ فریضہ خود سرانجام دیں گے۔، قبرستان کا کام کل ہی کرنا ہے عاقل ورنہ یہ ہم کبھی نہیں کر پائیں گے۔یاور کی ڈیڈ باڈی سے کچھ ضروری سنپل لینے ہیں، جس سے پھر ہمارے پاس قانونی طور پر ثبوت ہوں گے کہ وہ تینوں زہر سے قتل ہوئے ہیں۔یہ معاملہ سلجھ گیا تو منظور حسین اس کیس سے بری ہو جائیں گے مگر یہ سب بہت کٹھن سفر ہے۔میں کل بھی گھر رہ کر بابا سائیں اور دادی پر نظر رکھوں گا جو ابھی اشد ضروری ہے" سادان جانتا تھا کہ اسکا مشکل کام اگر کوئی کر سکتا ہے تو وہ عاقل ہے اور وہ بھی کملا سائیں پر جان چھڑکتا تھا۔فوراً راضی ورضا ہوئے وہ سادان کا کچھ بوجھ کم کر گیا۔

سادان نے آنکھوں میں تشکر بھرے اس بھائی سے کہیں زیادہ عزیز عاقل کی گال تھپکائی اور تھک ہار کر صوفے پر جا بیٹھا۔

بھائی کھانا لاوں" عاقل واحد تھا جسے سادان کی ہر طرح سے فکر تھی، "
سادان کا حلق تو زہر خند تھا اور ابھی اسے کسی شے کی حاجت نہ تھی۔
نہیں یار کھایا نہیں جائے گا، میں بس آرام کروں گا۔ تم بھی جاو صبح ایک "
تھکا دینے والا دن ہے" سادان نے رسانیت سے ٹال کر اپنی متورم تھکی
آنکھیں موندھی تو عاقل بھی ایک اداس سی نظر سادان پر ڈالتا باہر نکل
گیا۔

وہ جو مشکلوں میں بری طرح پھنس چکا تھا، آنکھیں بند کیے بھی بے چین
تھا۔ شہزادہ تھک چکا تھا، پور پور نڈھال تھا اور اس پر ستم کے اسکی بہار اس
سے بہت دور تھی۔

کہاں گئی ہو؟"

میں خواب آنکھوں میں اور سینے میں سانس بھر کر تمہیں پکاروں

کہاں ملو گی؟

میں شام ڈھلنے کے بعد

نیندوں میں چل رہا ہوں

کہاں رکی ہو؟

سنو میں سینے کی وسعتوں میں

غبار بھرتی ہوئی اداسی کے ساتھ دھڑکن میں رک گیا ہوں

جہاں بھی ہو تم

مجھے ملو،

یا مجھے پکارو۔

میں تھک گیا ہوں" شہزادے کی تھکن اور اداسی بارگاہِ عشق میں قبول ٹھہری تھی اور جلد شہزادے پر رحم کا سوچا جانے والا تھا۔

کل کا فلذہ اور منظور حسین کو ملوانے والا وعدہ بھی ابھی تو پورا ہوتا نہیں دیکھائی دے رہا تھا اور سادان خوفزدہ تھا کہ اس پر وہ سانولی پھر سے روئے گی مگر کیا جانتی سانولی کہ اسکے سائیں کس قدر اذیت اور بے بسی کا شکار ہو گئے ہیں۔

وہ بھی سوتی سوتی جیسے اپنے سائیں کی تکلیف کو محسوس کرتی اٹھ گئی اور دل تھا کہ شدید ہانپ اٹھا تھا۔

اس نے خواب دیکھا تھا، سادان اسکے پاس تھا پر آنکھ کھلی تو سادان نہیں تھا اور پھر سے سانولی کی آنکھیں اپنے خالی ہاتھ دیکھ کر بھر آئیں۔

سُفنے دے وچ ملیا ماہی تے میں گل وچ پالیّاں باواں"

ڈر دی ماری اکھ نہ کھولاں کتے فیر و چھڑ نہ جاواں" ہوک سی اٹھی اور آج دونوں کے سکون کے ساتھ ساتھ دونوں کی تکلیف بھی کہیں آسمان پر ہم جنس ہو گئی۔

یہ عشق تھا، ایک تڑپ رہا تھا اور دوسرے کو خبر ہو رہی تھی۔

میڈا جسم وی توں میڈا روح وی توں"

میڈا قلب وی توں جند جان وی توں

میڈا ذکر وی توں میڈا فکر وی توں

میڈا ذوق وی توں وجدان وی توں

میڈا دھرم وی توں میڈا ابھرم وی توں

میڈا شرم وی توں میڈا شان وی توں

میڈا ڈکھ سکھ رووَن کھلن وی توں

میڈا درد وی توں درمان وی توں" ہر رنگ جاودانی ہو گیا، اک مست کو سانولی سے عشق ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تم سب مرے ہوئے تھے، وہ کم ذات اس گھر سے نکل گئی اور کسی کے سر پر جوں تک نہ رینگی۔ دل تو چاہتا ہے تم سب کی یہیں قبریں کھود دوں" نو کے قریب بھدی شکلوں والے سانڈ نما آدمی چوہدری درمان حق کے آگے بھیگی بلیاں بنے کانپ رہے تھے جب درمان کے سوال پر سب نے یہ کہا کہ وہ کچھ نہیں جانتے کہ وہ لڑکی کب حویلی سے باہر نکلی ہے۔ خودا نجیل بیگم کو

اس روز سادان کو دی دھمکی پر اب افسوس تھا جسکی وجہ سے وہ محتاط ہو گیا اور ان دو ماں بیٹوں کے ہاتھ لٹو ٹھما گیا۔

دبنگ جلالی دھاڑ نے سب کے حلق خشک کیے اور دونوں کی پھنکار بھی ایک سے بڑھ کر زہریلی تھی۔

بڑے سائیں ہم تو ساری رات چوکس ہوتے ہیں، زرا لا پرواہی نہیں کی""

ایک بھدے نقوش والے دیو ہیکل آدمی نے چوہدری درمان کے آگے منمنانے کی کوشش کی جسے اس درندے نے ایک ہی جھانپڑ رسید کیے دو فٹ دور دھکیلا۔

باہر دروازے کی اوٹ کے پاس کھڑے کرمان محتاط انداز میں اندر ہونے والی باتیں سن رہے تھے جسکا مقصد ماں اور بھائی کی اگلی پلیننگ جاننا تھا۔

سلطانہ تو بے سدھ سی بستر سے لگی تھیں اور تیمور تو اس گھر میں ہوتے نئے تماشے سے بے نیاز اپنی ہی اکڑ اور صدمے میں نظر بند ہوا پڑا تھا۔

مجھے کچھ بکواس نہیں سننی، مجھے وہ لڑکی جلد از جلد اپنے سامنے چاہیے۔" ہر جگہ چھان مارو، ممکن ہو تو اس منظور سے پوچھو، اس میسنے کو علم ہو گا۔ زمین کھود دو یا آسمان۔ مجھے وہ ہر صورت چاہیے" بگھڑے تاثرات کے سنگ درمان چوہدری نے سب کو خشونت بھری نگاہوں میں دبوچ حکم کیا اور دفعان ہونے کا اشارہ ملتے ہی وہ سب باری باری کمرے سے نکلے جس پر کرمان اختتاطً دیوار کی اوٹ میں چھپے اور ان مسٹنڈوں کے نکلتے ہی پھر سے دروازے تک آئے اور اپنے کان ساتھ ٹیکے۔

"سادان اسے گاؤں میں رکھنے کی غلطی تھوڑی کرے گا، وہ اس بار تجھے ہاتھ دیکھا گیا درمان بلکے مجھے بھی۔۔۔۔ یہ بہت برا ہوا، اس روز اسے زہر دے کے آنے کے بجائے منہ میں انڈیل آتی تو اچھا تھا۔ مردود کہیں کی، سادان پر پتا نہیں کیا جادو کیا اس موئی شکل و صورت والی نے۔ اسے تو دیکھ کر کراہت اور نفرت محسوس ہوتی ہے، ایک بار اسے کوئی دیکھے تو دوسری بار دیکھنے کا دل نہیں کرتا۔ پر یہ سادان، اب جو کرنا ہے بہت سوچ سمجھ کر کرنا

ہو گا۔ اگر وہ گاؤں کے باہر ہے تو اس پر ہاتھ ڈالنا اتنا آسان نہیں ہے، بہت باریکی اور مصالحت چاہیے" خدا کا کوئی خوف اس فرعون کی خصلت سے مزین عورت کو نہ تھا، ممکن تھا اسکا انجام بھی ایسا ہی ہوتا کہ دیکھنے والے کراہت اور نفرت محسوس کرتے۔ اپنے کہے لفظوں کا بوجھ ہر کوئی اٹھاتا ہے، یہ بھی اٹھائے گی۔

دروازے کی اوٹ سے لگ کر کھڑے کرمان کو بھی آج ان دونوں کا پکچھ ہونے پر نفرت محسوس ہوئی تھی۔ کوئی اتنا برا کیسے ہو سکتا ہے، کرمان کی سرخ ہوتی آنکھیں اور دکھتی سماعت مزید کچھ سے وہاں سے فرار حاصل کر گئی مگر اندر کا ماحول خاصا تناوزدہ تھا۔

وہ جس بھی دنیا میں چھپ جائے، اب اسکی موت تو طے ہے۔ منگو" سلطان الگ پنگے کر رہا ہے، کل مجھے زرا اسکی طبعیت صاف کرنے جانا ہے آپ پیچھے سے ہر چیز پر نظر رکھیے گا۔ ایک فساد تھمتا نہیں دوسرا اٹھ جاتا

ہے" سخت تلملاتا ہوا وہ اب صوفے پر لڑھک چکا تھا اور انجیل بیگم کے چہرے کی دلکشی، حقیقت میں بہت بدصورت تھی۔

کیا فائدہ ایسے پیارے چہروں کا جن کے پیچھے درندگی کا سیلاب ہو۔

ایسے حد سے زیادہ حسن اور ایسی ضرورت سے زیادہ دولت سوچ کر ویسے بھی ابکائی ی آتی ہے۔ کراہت والی ابکائی ی نہیں، کھوکھلے پن والی، جو پیٹ خالی ہونے پر آتی ہے۔

یہ کم ظرف اور فتنہ پرور نمود و نمائش سے خود کو آسودہ کرنے والے کیا جانیں کہ درویشانہ مستی کا کوئی مول نہیں۔

اور وہ سانولی جسے یہ بوڑھی اتنی غلیظ باتیں کہہ رہی تھی، اللہ کے نزدیک وہ تھی خوبصورت۔ اور اللہ کے بعد وہ اپنے سائیں کی بہار بن رہی تھی اور ممکن تھا یہ سارے حالات اسے سادان حق کا بہت جلد واحد قرار ثابت کر دیتے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"سادان اس وقت بہت ذہنی دباو میں ہے، وہاں ہر جگہ فلذہ کی تلاش کی جا رہی ہے ایسے میں سادان ہو سکتا ہے عاقل کو منظور حسین کے ساتھ کل نہ بھیج پائے۔ آپ فلذہ کو اپنے طریقے سے سمجھا دیجئے گا، وہ فلذہ کو لے کر پریشان تھا" شاویز یہ بات فلذہ کے بجائے کومل سے کرنا مناسب سمجھ رہا تھا تبھی کچھ دیر اسے صحن میں بلانے کے بعد وہ خود بھی سنجیدگی اوڑھے ساتھ ہی باہر آ گیا تھا۔

فلذہ اندر شاویز کے امی ابو کے ساتھ تھی۔

شاویز کا یوں پریشان حال ہو کر کومل کو سارا معاملہ بتانا اسے بھی فکر مند کر گیا تھا کیونکہ فلذہ تو کل بابا جان سے ملنے کے لیے بہت بے چین تھی۔

شاویز نے محسوس کیا کہ کومل بہت رنجیدہ تھی، اور وہ یونہی سر جھکائے صحن کے باہر بنی ریلنگ پر ہاتھ رکھے کسی سوچ میں تھی۔

نجانے یہ سب مشکلات کب ختم ہوں گی، وہاں سادان اکیلے کیا کیا سہیں گے۔اور فلذہ، اسکی آنکھوں میں چمکتی ہوئی روشنی پھر سے دم توڑ دے گی"

کومل کا گلاب چہرہ مرجھایا ہوا تھا اور لہجے میں قنوطیت کی بھرمار تھی۔

گرے نفیس سے جوڑے میں جس پر سرخ کڑھائی تھی، وہ سر پر دوپٹہ اوڑھے جاذب لگ رہی تھی۔

وہ جب سے یہاں تھی، خود بھی فلذہ کی طرح سر کو ڈھانپ کر رکھتی تھی کیونکہ وہ اپنے گھر نہیں تھی اور اس طرح کھلے سر رہنا اسے کچھ مناسب نہ لگا اور کومل کی یہی خوبصورت حیا تھی جو شاویز کو بھی دل سے اسے دیکھنے پر آمادہ کر رہی تھی اور شاویز کے ذہن میں ابھی بھی والدہ کی بات گردش کر رہی تھی۔

ہاف وائٹ قمیص شلوار میں حافظ صاحب بھی نکھرے اور تروتازہ سے کومل سے کچھ فاصلے پر دیوار سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔

یہ وقتی مشکل ہے اور جلد حل ہو گی، سادان نے فلذہ کو ہم دونوں کی ذمہ داری بنا کر بھیجا ہے۔سچ پوچھیں تو میں تھوڑا خوفزدہ ہوں، میں نے اسکی کال کے بعد ہی یہاں کے ایس ایچ او سے رابطہ کیا ہے اور انہوں نے سادان کی پرانی جان پہچان کی وجہ سے معاملہ اپنے تیئں ہینڈل کرنے کا یقین دلایا ہے۔دولوگ مسلسل گھر کے باہر پہرہ دیں گے "یہ بات تو کومل کے ڈوبتے دل کو کچھ تسلی بخش لمس دے گئی اور شاویز بھی تھوڑا مطمئین تھا کہ کومل کی اداسی کچھ زائل ہوئی ہے۔

الحمداللہ، بس یہ سارے معاملات جلد حل ہوں اور فلذہ اپنے سائیں کے پاس چلی جائے "بے حد محبت کے سنگ کومل کی زبان سے یہ بات غیر ارادہ ہی نکلی جس پر وہ تو کیا خود شاویز بھی تھوڑا حیرت زدہ ہوا۔کومل نے نگاہیں اٹھا کر دل کے اس پیارے مکین کو دیکھا تو جی بھر کر سیراب ہوئی۔ وہ سادگی میں بھی کتنا مکمل اور پاکیزہ تھا،اور اسکا پراعتماد سراپا کومل کو ہر پل نئے طور سے بھاتا جارہا تھا۔

شاویز نے اسکا دیکھنا دیکھ کر نظر یونہی کسی خدشے کے پیش نظر پھیری تو وہ بھی دل کے بے قابو ہوتے جذبات اپنے دل کے تہہ خانے میں مقفل کیے مڑی مگر اس مانوس سی آواز نے گویا کومل کے قدم تو کیا دھڑکنیں تک روک دیں۔

کومل "آج سے پہلے کومل کو اپنا نام اتنا پیارا نہ لگا جتنا وہ ان پاکیزہ ہونٹوں" سے نکل کر ہوش کے تقاضے چھین گیا۔

فق ہوتے، اڑے تاثرات والے چہرے کے سنگ کومل نے رخ پھیر کر شاویز کی سمت دیکھا تو ایک لمحہ لگا جو خود شاویز کو بھی قید کر گیا۔

!ہمارے بعد تیری یہ آنکھیں کشش گنوا نہ دیں۔۔۔۔۔۔۔"

سُنا ہے جھیلیں رہ جاتی ہیں، کنول دم توڑ جاتے ہیں" شاویز کا دل بھی اس سے کچھ کہہ رہا تھا جسے وہ سن کر بھی ان سنی کر رہا تھا۔

جی "لرزتی ہوئی آواز وہ چھپا نہ پائی، ان پلکوں کا رقص بتا رہا تھا کہ یہ آواز" وہ سماعت سے نہیں بلکے دل سے سن چکی ہے۔

ایکچولی مجھے کچھ کہنا تھا، وہ امی اگر آپ سے کوئی عجیب و غریب سی بات کہہ دیں تو درگزر کر دیجئے گا۔ یو نو ماؤں کو تو بس ایک ہی ارمان ہوتا، اور اسے پورا کرنا ہی انکی زندگی کا مقصد ہوتا ہے" شاویز صاحب تو امی کے ارادوں سے واقعی ڈرے بیٹھے تھے تبھی اسکے لہجے میں اس بات کے دوران کئی خدشے اور کئی طرح کی احتیاط درج تھی مگر کومل کو لگا وہ جواب نہ دے پائے گی۔

کونسا ارمان؟" کومل نے تحیر سے کھلی آنکھوں میں الگ سی بے قراری سموئے سوال کیا تو شاویز کچھ لمحے اسے لاجواب ہو کر دیکھتا رہ گیا۔

وہ کافی واقع بتا گیا تھا مگر اسے حیرت تھی کہ وہ پھر بھی سوال کر رہی ہے۔

دونوں کے دل اس وقت بے ہنگم انداز سے ایک ہی رفتار سے مزین ہو کر دھڑک اٹھے تھے۔

بولیں ناں شاویز" وہ پھر سے اس سے پوچھ رہی تھی اور جس طرح کومل نے پوچھا تھا یہ شاویز کو الجھا گیا تھا۔

شادی کا، اور خانہ آبادی کا" سنجیدگی خطرناک تھی تبھی شاویز نے دانستہ ہلکا پھلکا انداز اپنایا تو کچھ پل کو کومل بھی گھبرایا سا مسکرا دی۔

یہ الگ بات تھی کہ محترمہ کا دل روشنی کی رفتار کو بھی کراس کر چکا تھا۔

میں در گزر کر دوں گی" مدھم سی سنجیدگی سے کہتی ہوئی کومل اندر"

کمروں کی سمت بڑھی مگر دروازے کی اوٹ میں جا کر چھپ کر دیوار سے لگ کر تیز تیز سانس لیتی ہوئی آنکھیں دیوار کی اوٹ سے نکالے شاویز کو دیکھنے لگی جواب اسی جگہ ریلنگ پر بازو رکھے کھڑا کسی سوچ میں گم تھا۔

نشہ رنگ و بو سے تم مست ہو اپنے آپ میں"

ہم کو بھی اپنا رنگ دو ہم کو بھی مشکبور کرو" محبت کا اظہار تو کہیں نہ کہیں دونوں کی ظالم آنکھیں کر چکی تھیں مگر اس دیوانی کی شدت کے کیا ہی کہنے۔

نہیں کروں گی در گزر، کوئی مجھ سے اشارے میں بھی یہ کہے تو ایک سیکنڈ" میں اس انسان سے لپٹ جاوں گی۔ کوئی مجھے آپکا کر دے تو اس انسان کو

ساری زندگی دعائیں دوں گی۔ کوئی آپکے دل میں میرا نام لکھ دے تو اسے پیر مان لوں گی۔ آئی لو ویو سوچ شاویز، مجھے آپکا ہی ہونا ہے۔ اس دنیا میں کومل صرف آپکو جانتی ہے، اور آپکی نظروں کے سائے اور جسم، دل اور روح کے ہر لمس کی شدت سے تمنائی ہے" چھپ کر، دور سے وہ شاویز سے اظہار عشق کر رہی تھی اور منظر تھے کہ اس پاکیزگی پر معطر ہو کر کومل کے حق میں با آواز بلند دعائیں کر رہے تھے۔

اب ضروری نہیں ہاتھوں سے جلائیں یہ چراغ"
یہ بھی کافی ہے کہ آنکھوں سے اشارہ کیئے جائیں
یہ جو ہم ماننے والے ہیں تری آنکھوں کے
جانے کب موج میں آئیں تو ستارہ کیئے جائیں" خواہش افضل تھی، تبھی گوشہ قبولیت میں جا ٹھہری تھی۔

دعائیں، شدت، صدق اور تشنگی مل کر دیوانی کو انعام میں بہت جلد شہزادہ شاویز دینے والے تھے کیونکہ ان دونوں کا ملن وہاں آسمان پر لکھا جا چکا تھا۔

وہ ہنستی ہوئی اسی لمحے کمرے کی سمت لپک گئی اور شہزادہ شاویز وہیں سنجید گی اوڑھے انجان کھڑا رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ نیند سے بیدار ہوئی تو چہرے پر دباو سا محسوس کیے یک دم آنکھیں کھولیں تو دھنگ رہ گئی، تبریز کا ہاتھ اسکی گال پر تھا اور وہ وہیں عالیہ کے قریب ہی اسکے کندھے سے لگا نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔

کتنے ہی دلفریب اور باہمی قربت کے مقدس لمحے اس ظالم شخص نے اپنی درندگی سے ناسور بنا دیے تھے کہ چاہ کر بھی عالیہ ان مظالم کی کاٹ بھول نہ پائی تھی۔

یہ جو آج بے وقت مہربان ہو رہا تھا، اسکی اس مہربانی کی خواہش لے کر جیتی جیتی وہ نڈھال پری زخم زخم ہو گئی تھی۔

وہ بھرائی آنکھوں سے تبریز کا چہرہ دیکھ کر یہ اندازہ نہ لگا پائی کے وہ اس سے زیادہ تکلیف میں ہے یا کم۔ عورت پگھلنے میں موم کو مات دے دیتی ہے مگر بعض اوقات اسکی روح پر لگے زخم اسے پتھر سے زیادہ ظالم بنا دیتے ہیں۔

وہ شکل کا کتنا مہربان تھا مگر افسوس عالیہ اپنے ذہن پر دباو ڈالنے کے باوجود تبریز کی کوئی مہربانی بھولے سے بھی ڈھونڈ نہ سکی تھی۔

اس شخص نے اسے کسی دل بہلاتی شے کی مانند استعمال کیا تھا مگر پھر بھی وہ اس ظالم کے ساتھ بندھی رہی کیونکہ عورت اپنے شوہر سے پورے دل سے جڑنے میں بلکل وقت نہیں لگاتی۔

وہ جو اسکے یوں دور جانے پر کسی نڈھال بچے کی مانند اسکے پہلو سے لگا تھا، عالیہ کو لگا وہ اسے ہزار برہمی کے باوجود چھوڑنا نہیں چاہتی۔

مگر پھر جب اپنی کوکھ کے اجڑنے کا خیال آیا تو اسکے دماغ کی شریانیں پھٹنے لگیں اور کئی آنسو عالیہ کی آنکھوں سے دردناک ہو کر بہے۔

ذرا سی دیر میں اترے گا جب خمارِ انا"

اس ایک شخص نے، بے حد پکارنا ہے مجھے "زندگی تنگ کرنے والے ناجانے زندگی کیوں ہوتے ہیں، ہم سے ہمارا سب چھیننے والے آخر ہماری کمزوری کیوں ہوتے ہیں۔

کاش یہ سب آپ پہلے کرتے جب مجھ میں کچھ سکت باقی تھی، اب میرے پاس آپکو چھوڑنے کے سوا اپنی زندگی کے بچاو کا کوئی حل نہیں۔ کاش میں بھی آپ جتنی سفاک ہوتی اور برے طریقے سے بچھڑتی مگر ایک مدت آپکو چاہا ہے تو میں اپنی کی گئی چاہت کی توہین نہیں کروں گی۔ میں چپ چاپ جا رہی ہوں، آپ سے اور آپ کے سائے سے بھی دور" آہستگی سے اس نے نم ہوتی آنکھوں سے تبریز کی بند آنکھوں کو چھو کر اپنے اوپر سے تبریز کی بازو ہٹائی، وہ جانتی تھی تبریز کی نیند بہت گہری ہے مگر توقع کے برعکس وہ عالیہ کے اٹھنے کی کوشش پر کسمسا کر آنکھیں کھول چکا تھا اور وہ جواب اٹھ رہی تھی، بے حد نرمی سے دوبارہ واپس نیم دراز کروادی گئی۔

کئی آنسو پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ عالیہ کی آنکھوں میں جلملائے جنھیں تبریز نے فوری ہاتھ کے حقدار اور پیارے لمس سے ہٹا کر اپنا سر عالیہ کے سینے پر رکھے آنکھیں موندھ لیں۔

جانے نہیں دوں گا، مت جا عالیہ۔ مجھے معاف کر دے" وہ بلکل ٹوٹے پھوٹے شکستہ انداز میں عالیہ کی رہی سہی ہمت بھی توڑ رہا تھا اور وہ اپنی کوشش کے ناکام ہونے پر سخت تکلیف میں تھی۔

مجھے معاف نہیں کرنا، چھوڑیں مجھے ورنہ میں خود کے ساتھ کچھ کر بیٹھوں گی۔ مجھے مت تکلیف دیں مزید، مجھے کچھ دن گھر جانے دیں" آواز میں ٹوٹے کانچ سا دکھ تھا اور وہ کچھ دن کے بہانے ہی سہی پر یہاں سے نکلنا چاہتی تھی۔

تبریز نے اپنا سر اٹھا کر عالیہ کی سرخ متورم آنکھوں کی سمت دیکھا اور اٹھ کر سیدھا ہو کر بیٹھا اور رخ بیٹھی عالیہ کی سمت کیا جو بیڈ سے لگے تکیے سے ٹیک لگائے بھی بے آرام تھی۔

وعدہ کر پہلے، واپس ضرور آئے گی" وہ تو باولا ہو کر تڑپ اٹھا اور اسکی کوئی تڑپ عالیہ محسوس تک نہیں کرنا چاہتی تھی تبھی برہمی اور بھیگی آنکھوں سے نظریں پھیر گئی۔

چپ مت رہ، سزا تو مجھے مل گئی ہے عالیہ۔ وہ بچہ میرا بھی تھا۔ اب کیا تُو بھی سزا دے گی، چل دے لے۔ پورا سال تجھے ستایا ہے۔ تو بھی پورا سال بدلا لے لینا، پر مجھے اکیلا تو مت کر" وہ بھی تکلیف سے اسکا پھیرا چہرہ اپنی سمت کیے تاسف سے اٹ کر بولا تو عالیہ نے تبریز کا یہ ناقابل یقین روپ دیکھ کر جھرجھری لی۔

آپ کی مجھے دی تکلیف کا ایک لمحہ بھی قابل تلافی نہیں ہے، میں آپکو" معاف نہیں کروں گی۔ آپ نے مجھ سے میرا سب چھین لیا ہے، میرا اعتماد، میرا حوصلہ، میری چمک، میرا حسن۔۔۔ کھوکھلا محسوس کر رہی ہوں خود کو، ایک دم خالی۔ نا جانے یہ سانس بھی کیوں چل رہی ہے، مجھے اس زندگی سے نفرت ہو رہی ہے۔ مجھے جانے دیں، مجھے خود سے رہائی دیں ورنہ میرا

دم گھٹ جائے گا" رخساروں پر پھیلتی کربناک پُر حدت نمی کے سنگ وہ لرزتے دل سے التجائیں کرتی ہوئی رودی تھی اور تبریز اسکی مسلسل ایک رٹ پر اب بھڑک سا اٹھا تھا۔

چل ٹھیک ہے، چلی جا۔ سزا قبول ہے۔ میں ڈرائیور کو کہتا ہوں تجھے حویلی چھوڑ آئے" تبریز نے اپنا غصہ ہر ممکنہ حد تک معدوم کیے کہہ کر اٹھنے کی سعی کی مگر عالیہ نے روئی سی آنکھوں کے سنگ تبریز کی بازو شدت سے پکڑ کر روکا اور وہ اسکی سرخ آنکھیں دیکھ کر صدمے میں غرق تھی جو پہلی بار اپنا غصہ ضبط کر کے بمشکل قائم تھا۔ آج غصے میں تکلیف بھی شامل تھی۔

کیا ہے اب" سخت برہمی سے وہ اپنی بازو جھٹکے اٹھنے ہی لگا تھا جب عالیہ" نے بے تابی سے روتے ہوئے اسے جکڑ لیا اور اسکے سینے سے لگی پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

شاید وہ دور جانے کا خود بھی حوصلہ نہ کر پائی، وہ بھی ورطہ حیرت میں ڈوبا ہوا اپنے وجود کو گھیرے میں لیتی اس نازک عالیہ کے گرد اپنی جاندار گرفت پھیلائے اپنی تکلیف کی ترجمانی بھی کر گیا تھا۔

میں بہت تکلیف میں ہوں، واپس آجاوں گی۔ لیکن آپکو معاف کرنے" کے لیے ابھی میرے اندر ہمت نہیں لیکن مجھے آپ سے محبت ہے اور محبت پر میری وقتی نفرت حاوی ہو کر بھی بے جان ہے۔ آپ نے میرے ساتھ بہت برا کیا ہے مگر میں جانتی ہوں میرے بنا اب آپ بھی نہیں جی سکتے" وہ اسکے گلے لگ کر کلیجہ چیرتے درد میں مبتلا وہ کہہ گئی جو تبریز جیسے پتھر دل کو بھی پور پور اذیت سے بھر گیا۔

افسوس دیر بہت ہو گئی تھی، عالیہ کی محبت کے قابل یہ شخص رتی برابر نہ تھا مگر وہ بھی دل کے ہاتھوں مجبور تھی۔

ٹھیک ہے تیری ہر سزا قبول ہے، جب تک تیرا دل مجھے معاف نہیں کرتا" وہیں رہ لینا۔ میں کہتا ہوں ڈرائیور کو" اسے اپنے سینے سے زبردستی الگ کر

کے اسکی ٔدرد سے بھیگی پیشانی اور آنسوؤں سے تر رخساروں کی ہر نمی اپنے ہونٹوں سے خود میں جذب کیے وہ اسے رعایت سونپ کر اٹھ گیا اور وہ جو اس شخص کو چھوڑنے کا فیصلہ لے چکی تھی اب اس سے دور ہونے پر سخت تکلیف سے دوچار ہو چکی تھی۔

یہ عالیہ جیسی عورتیں بھی ناں، مر جائیں پر اپنا سب اپنے سائیں پر وار جائیں گی۔ بھلے وہ پھر کوئی درندہ صفت ہی کیوں نہ ہو۔

یہاں بھلے تبریز خوشقسمت تھا مگر عنقریب اسکے کالے کرتوت ہی اسکی اصل سزا شروع کرنے والے تھے۔ایک سزا انسان کو انسان دیتا ہے مگر ایک سزا وہاں اوپر بیٹھا اللہ بھی دیتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

محبت اس طرح بھیجو کہ جیسے پھول پر تتلی اترتی ہے"
ہوا میں ڈولتی پر تولتی تتلی لرزتی کپکپاتی پنکھڑیوں کو پیار کرتی ہے
تو ہر پتی نکھرتی ہے
محبت اس طرح بھیجو
کہ جیسے چار سو خوشبو بکھرتی ہے" کوئی مدھم مدھم سی آسودگی کے سنگ اسکی پیشانی سہلا رہا تھا اور وہ کسی خواب کی سی کیفیت میں مبتلا تھا۔
سامنے حد نگاہ تک نیلا پانی تھا، اور بیچ پانی کے سفید لہراتے لباس میں کھڑی سانولی جو اپنی باہیں پھیلائے سادان کو اپنے قریب بلا رہی تھی۔
آسمان پر اک بہت بڑا ستارہ تھا جو رات کے اس وقت پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔
اسکی روشنی اسقدر زیادہ تھی کہ اس نیلے پانی میں آتی جاتی ہر چھوٹی بڑی لہر گنی جا سکتی تھی۔

شہزادہ بھی سفید لباس میں چہرے پر دلفریب مسکان اوڑھے اپنی بہار کی سمت گامزن تھا مگر پھر اچانک وہ ستارہ بجھنے لگا اور مسکراتی ہوئی سانولی کا چہرہ بھی مرجھانے لگا۔

وہ ستارہ بجھ گیا، اور ایک دم سادان کو فلذہ دیکھائی دینی بند ہو گئی اور اسی گھبراہٹ میں وہ ہڑبڑا کر خواب سے باہر نکلا تو اپنے پاس سلطانہ کو پایا جو بہت پیار سے اسکا سر اپنی گود میں رکھے اب اسکے جاگنے پر دکھی سی اسکی پیشانی چوم رہی تھیں۔

وہ تو اس عجیب سے خواب سے پریشان سا تھا مگر فوری پریشانی معدوم کیے اٹھ بیٹھا اور نرمی سے سلطانہ کے دونوں ہاتھ ہونٹوں سے لگائے انکی اداسی میں کمی کو مسکرا دیا۔

تم نیند میں فلذہ کو پکار رہے تھے، کیا وہ تمہیں اچھی لگنے لگی ہے "ماں کی" محبت سے پوچھی اس بات پر سادان بنا کچھ کہے انکے سینے سے جا لگا۔

وہ بھی اپنے اس صبر و ہمت کے پیکر بچے پر واری چلی گئیں۔ کیا بتاتا کہ اسے فلذہ کے سوا اب کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"اسکو وہ پہلے ہی اچھی ہے، میں نے خواب میں اسے دیکھا شاید تبھی۔ اسکو بچانے کا وعدہ کیا تھا اماں سائیں، اسکی حفاظت کا باندھا قصد ڈگمگا رہا ہے۔ میں نے اپنے اور فلذہ کے بیچ حائل روشنی کو بجھتے دیکھا ہے۔ وہ پھر سے اندھیرے میں چلی جائے گی، یہ گاوں اور اسکی درندہ صفت روایات یونہی سب کا خون نچورتی رہیں گی" سادان خوف کی لہر میں ڈوبے ہوئے غیر ہموار سانس لیے بولا جس پر خود سلطانہ بھی بے حد غمگیں ہوئیں۔

"ہم بہت مجبور ہیں، یہاں تیرے بابا سائیں اور دادی کی حکومت ہے۔ کاش میں کچھ کر پاتی، پر دعا ہے کہ اللہ تجھے سرخرو کر دے۔ یہ سارے حالات تجھ پر تیری طاقت سے زیادہ بوجھ لاد چکے ہیں اور میں کیسی بد قسمت ماں ہوں کہ چاہ کر بھی اپنے بچوں کی کسی آسانی کا باعث نہیں بن سکتی" سلطانہ نے بے پناہ اداسی سے سادان کا چہرہ سہلائے دل کی سچائی سے

اپنا دل ہلکا کیا تو سادان نے انھیں اب خود میں سمو کر ایسی ناامیدی سے روکا تھا۔ گو وہ خود بے حد یاسیت کی سی حالت میں تھا۔

"آپ بس دعا جاری رکھیں، اور آج کا دن خیر سے گزر جائے۔ مجھے اس وقت اپنی نہیں صرف خود سے جڑے اپنوں کی فکر ہے۔ بابا سائیں تو مجھے مارنے کی دھمکی بھی دے چکے ہیں، اور مجھے مرنے سے کوئی ڈر نہیں پر میں اپنے وعدوں کے ادھورے پن سے ڈرتا ہوں۔ میں یہ سارا ابگھاڑ دور کر دینا چاہتا ہوں بس آپ مایوس نہ ہوں اور دعا کریں کے یہ سارے حالات سازگار ہو جائیں" وہ ماں کی بجھی صورت نہیں دیکھ پایا تھا اور تبھی شکستہ ہونے کے باوجود پر امید اور پر عزم تھا۔

"اللہ تجھے میری زندگی بھی لگا دے، میں ناشتہ بنواتی ہوں۔ نماز پڑھ کر نیچے آجا۔ عاقل نے مجھے بتایا کہ رات تُو نے کھانا نہیں کھایا۔ اپنا خیال رکھے گا تبھی یہ جنگ جیت پائے گا۔ آجا میرا شہزادہ" بے پناہ پیار سے وہ ایک بار پھر سادان پر ساری کی ساری محبت لٹا کر اسے آنے کا کہتی ہوئیں اپنی چادر گرد

لپیٹے اٹھ کر کمرے سے باہر کی سمت چلی گئیں اور انکے جاتے ہی سادان کے چہرے پر بے حد یاس اور تکلیف درج ہو گئی تھی۔

"یا اللہ، اے صبح و شام کے مالک۔ اے دل کے ہر جذبے پر قادر رب۔۔۔۔۔ مجھے ہمت دیجئے، مجھے اتنی زندگی دے دیں کہ میں اس گاوں اور یہاں کے لوگوں کے لیے کچھ اچھا کر جاوں۔ مجھے اتنی مہلت دیں کہ میں اس نڈھال فلذہ کو یہ بتا سکوں کہ وہ مجھے بھا گئی ہے، وہ میرے دل تک آ گئی ہے۔ مجھے حوصلہ اور طاقت دیجئے کہ میں اپنے ہر وعدے کا پاس کر سکوں۔ اے رب برتر، مجھے اس راہ پر چلنے کی سکت دیں، یہ نہ ہو وقت سے پہلے ہی میرا وجود منتشر ہو جائے" وہ بند آنکھوں سے مدھم ہوتی سحر میں رب سے ہمکلام تھا، اور اللہ بھی اس پیارے شہزادے کی ہر دعا سننے والے تھے۔

وہ جو خوشبو تھا، بکھرنے کے لیے نہیں تھا۔ بلکے ہر سو مہکانے کے لیے تھا۔

آج شہزادے نے فلذہ کو چاہنے کا اعتراف بھی اللہ کے سامنے کیا تھا اور وہ اسے حفاظت دینے کے بعد محبت دینے کا تمنائی تھا۔

مگر یہ سب ابھی اک خیال تھا۔

یہ عشق نہیں آسان، بس اتنا سمجھ لیجئے"

اک آگ کا دریا ہے، اور ڈوب کے جانا ہے" اور یہی سچ تھا، اسے تو خدا کی خدائی سے عشق تھا۔ اسے اللہ کے بندوں سے عشق تھا، اسے اپنے فرض سے عشق تھا اور اسے اب اپنی زندگی میں بے دھیانی کے کسی پتھر لمحے میں شامل ہوتی فلذہ سے عشق تھا جو اب اسکے دل پر پہلی اور آخری شہزادی بن کر فائز ہو چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قبر کھودنے کا کام عین مقررہ وقت پر ساداان کے دو اعتبار کے بندوں کے ذریعے عمل میں لایا جا چکا تھا۔ اس دوران عاقل اور امام معروف سلطانی نے قبرستان سے کچھ دور رہ کر انکے ارد گرد نظر رکھی تھی تاکہ کسی کو شک نہ ہو۔ خود عاقل نے چھ سات اپنے اعتبار کے گاوں کے لوگ آگے پیچھے نگرانی کے لئے فائز کر رکھے تھے۔

لاش کی جانچ کرنے کے لیے سپیشل کٹ سے مزین بس وہیں لے جائی گئی تھی جہاں ڈاکٹر آفندی اور انکے دو لوگ مکمل کورڈ کٹ میں ملبوس ہو کر یاور کی ڈیڈ باڈی کی جانچ کے لیے اسے اس ایمبولینس جیسی گاڑی میں منتقل کر چکے تھے۔

ان کو آدھا گھنٹہ لگا کیونکہ مردے کی حالت ایسی نہیں تھی کہ انکا کام آسانی سے مکمل ہوتا۔ ڈاکٹر آفندی کے لیے یہ انکی زندگی کا ہولناک کیس تھا۔ اس معاملے میں یہ اصول تھا کہ مردے کی حالت کے بارے میں وہ سب لوگ بات نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ انسان مرنے سے پہلے جیسی بھی زندگی

گزار کر گیا ہو مگر مردے کی ایک آبرو ہوتی ہے جسکے تقدس کا خیال رکھنا فتوی میں سر فہرست درج تھا۔

یاور کی قبر سے کھدائی سے لے کر اسکی جانچ تک اور اسی جگہ سے کچھ فاصلے پر کھودی گئی دوسری قبر میں اسکی منتقلی تک یہ سارا معاملہ بس ان پانچ لوگوں نے ہینڈل کیا جس میں دو گورکن تھے اور ایک ڈاکٹر آفندی اور انکے ساتھ دو انہی کے فارنسک ہیلپرز۔ وہ لوگ یاور کی لاش سے کچھ ضروری سیمپل لے چکے تھے جسکی رپورٹ انکی کوشش تھی کہ کل ہی آجائے تاکہ سادان کو اس سب سے آگاہی ملے اور وہ آگے ان حالات کا جائزہ لے پائے۔

دوسری قبر کی ویسی ہی تعمیر کرنے کے بعد عاقل اور امام صاحب بھی قبرستان میں داخل ہوئے اور ان سب نے پھر دوسری قبر پر فاتحہ پڑھی۔

رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَلِاِخۡوَانِنَا الَّذِيۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِيۡمَانِ،"

اے اللہ اس قبر کے مکین کے عذاب میں کمی فرما دیجئے۔ اسکے گناہوں کو بخش دیجئے اور اگر اس سارے معاملے میں ہم سب سے کوئی گستاخی یا فعلِ بد سرزد ہو گیا ہو تو ہمیں بھی معاف کر دیجئے۔ آمین" وہ سب اب یاور کی بنی قبر پر ایک ساتھ دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے اور سب کے چہروں پر سخت تناؤ تھا۔

اللہ تمہاری مغفرت فرمائیں یاور چوہدری" ڈاکٹر آفندی نے بھی اب کی بار" دکھ سے اس قبر کی سختی میں کمی کی دعا فرمائی جس پر سب نے ایک سی سنجیدگی کے سنگ آمین کہا۔

اللہ قبر کے معاملات سے بخوبی آگاہ ہے اور وہی جانتا ہے کہ زیرِ زمین کس فرد کے ساتھ کیسا سلوک ہوتا ہے۔ کون قبر کے اندر کس حال میں ہے، اسکا علم بھی بس اس رب کو ہے۔ پر کہتے ہیں جو نیک لوگ ہوتے ہیں انکا جسم کوئی کیڑا تک چھو نہیں پاتا، وہ مٹی کا ہو کر بھی مٹی میں نہیں ملتے۔ مگر

سچائی بس اللہ پاک کی ذات جانتی ہے، قبر کے تمام معاملات ہم انسانوں کے فہم سے بہت بالاتر ہیں۔

جو گنہگار ہوتے ہیں، انکی روحوں اور جسموں کے ساتھ جو بھی ہوتا ہے یہ بھی ہم انسانوں کے فہم وادراک سے بالا ہے۔

جو بھی تھا، یاور کا گناہ اس سے ثابت تھا کہ اسے مرنے کے بعد بھی سکون میسر نہ ہوا۔اسکی قبر بدل دی گئی، ہو سکتا ہے اس میں بھی کوئی خدائی مصلحت تھی۔آیا اس زمین کے حصے نے ہی یاور کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا یا پھر زمین کی ہمت دم توڑ گئی تھی۔

یاور نے جو بھی کیا تھا، وہ اسکی خلاصی تو کسی صورت نہیں کر سکتا تھا۔

ہم مسلمان ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ ہم نیک اعمال پر فیض اور فلاح پائیں گے اور بد فعل پر ہمارا انجام بھی وہ ہو گا جو بدکاروں اور گنہگاروں کے ساتھ ہوتا ہے۔

مگر پھر بھی ہم لوگ محض دنیا کی لذت کے لیے درندگی کی حدیں پار کر دیتے ہیں، ایسے ایسے گناہ جن سے یہ زمین کانپ کر تھک گئی ہے۔ آئے دن کتنی ہی کلیاں مسل دی جاتی ہیں، اور ان ہوس کے پجاریوں کو روکنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

اگر تم بھی ایسے کسی گناہ میں ہو تو خدارا پلٹ آو، اس سے پہلے کہ تم قبر میں دبا دیے جاو اور عذاب الہی سے داغے جاو۔

بارہا قرآن پاک میں یہ ذکر ہے کہ یہ ٹھکانے ابدی ہیں۔ بد فعل، بد کردای، نشہ، شراب خوری، شرک، بہتان بازی اور ایسے ہر گناہ کرنے والے تا قیامت پھر اسی عذاب میں جلیں گے اور زرا قبر میں دبے ایک لمحے کا سوچیے۔ آپکی روحیں جسم سے اک لمحے کو فنا ہوتی محسوس ہوں گی۔

خود قرآن کریم، کتابِ حق کہہ رہی ہے ملاحظہ فرمائیے۔

وَ مَن ۡ یَّک ۡ سِب ۡ اِث ۡ مًا فَاِنَّمَا یَک ۡ سِبُہٗ عَلٰی نَف ۡ سِہٖ ؕ وَ کَانَ "

اللّٰہُ عَلِی ۡ مًا حَکِی ۡ مًا۔ (اور جو برائی کا ارتکاب کرتا ہے وہ اپنے لیے وبال

کسب کرتا ہے اور اللہ تو بڑا علم والا، حکمت والا ہے)" دیکھیے جناب، یہ وہ کتاب کہہ رہی ہے جو اس دنیا کی، سارے زمین و آسمان اور سارے جہانوں کی سچی کتاب ہے۔

یہی نہیں، بہتان لگانے والے درندوں نے بھی تا ابد جلنا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے

"وَمَن ◌ّیَک ◌سبِ ◌خَطِی ◌ ◌سی۔ ٗ قَاَو ◌اِث ◌مًا ثُمَّ ◌یَر ◌مِ بِہٖ بَرِی ◌ ۔ ٗ اَفقَدِاح ◌ تَمَلَ بُہ ◌تَانًا وَّاِث ◌مًا مُّبِی ◌نًا(اور جس نے خطا یا گناہ کر کے اسے کسی بے گناہ کے سر تھوپ دیا تو یقیناً اس نے ایک بڑے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھایا۔)" لیکن افسوس ہم پھر بھی غافل ہیں اور ان گناہوں کے مرتکب ہیں۔

کیا سمجھتے ہیں ہم کہ گناہ کر کے چھپ جائیں گے، ارے بھولے بادشاہو! وہ رب شاہ رگ کے قریب بستا ہے، کتنا چھپو گے۔ بدکرداری کر کے کس

کونے میں منہ چھپاؤ گے ؟ وہ تو ہر جگہ ہے، وہ تو ہر سمت ہے۔ وہ نور ہے، وہ ہر شے پر قادر ہے۔

وہ رب تعالیٰ خود فرماتا ہے، سنیے زرا !

وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا۔" (اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کا ہے اور اللہ ہر چیز پر خوب احاطہ رکھنے والا ہے)۔ غور کیجیے، ہر شے۔ ہر شے جناب۔

اور پھر وہ رب سزا دیتا ہے تو توبہ کی توفیق بھی تو عطا کرتا ہے، شرط یہ ہے کہ کوئی توبہ کی سمت مائل ہو۔ وہ میرا پروردگار جسکا نام میٹھا، اللہ جل جلالہ لیتے ہی دل سکون سے بھر جائے۔ وہ جو ستر ماؤں سے زیادہ انس رکھے، وہ مہربان نہ ہو، ایسا تھوڑی ہو سکتا ہے۔

سنیے ناں، وہ خود کہتا ہے۔ زرا دل سے سنیے اور اس میں اپنے پالن ہار، اپنے پیارے اللہ جل جلالہ کی محبت اور ہم ادنیٰ انسانوں کو دی آسانی محسوس کیجیے۔

"وَمَن ◌ یَّع ◌ مل ◌ سُو ◌ ٓءًا اَو ◌ یَظ ◌ لِم ◌ نَف ◌ سَہٗ ◌ ثُمَّ یَس ◌ تَغ ◌ فرِ اللّٰہَ یَجِدِ اللّٰہَ غَفُو ◌ رًا رَّحِی ◌ مًا۔(اور جو برائی کا ارتکاب کرے یا اپنے نفس پر ظلم کرے پھر اللہ سے مغفرت طلب کرے تو وہ اللہ کو درگزر کرنے والا، رحم کرنے والا پائے گا)" دیکھیے، وہ کتنا مہربان ہے۔ توبہ کا در وہ گنہگاروں پر بھی کھول دیتا ہے، وہ رب ہمیں بخشش کے خزانے کیسے انمول دیتا ہے۔

بھٹکے ہوئے ہو تو راہ نجات کی سمت دوڑو، یہ نہ ہو۔ کل کو تمہیں دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کی رسوائی بھی سہنی پڑھ جائے۔

اَستَغفِرُ اللّٰہ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دو بڑی بڑی گاڑیاں عین کچی سڑک کے بیچ آ منے سامنے آکر رکیں اور دونوں گاڑیوں سے ایک سی سبک روئی کے سنگ کئی مسٹنڈے آدمی باہر کودے اور دونوں اطراف ان بھدے سانڈوں کے ہاتھوں میں بندوقیں تھیں اور پھر باری باری دو سفید شملے سجا کر تنفر سے نکلتے دو شیطان جنکی آنکھوں میں خباثت، نفرت، حقارت اور بدمزاجی، بد دماغی، اکڑ اور غرور ایک سے بڑھ کر چمکا تھا۔

ایک طرف سفید سوٹ پر سیاہ واسکٹ پہنے ہوئے بے حد نفرت اور برہمی سے پھنکارتا درمان حق تھا تو دوسری طرف سیاہ سوٹ پر بھوری چادر کندھوں پر پھیلا کر اپنی مونچھ کو تاو دینا منگو سلطان جو خلیے سے ہی کوئی چھٹا ہوا بدمعاش دیکھائی دے رہا تھا۔

دونوں کے ساتھ دونوں کے آدھ درجن خونخوار آدمی تھے جنھیں بس اشارے کی دیر تھی اور وہ خون کی ندیاں بہا دینے والے دیکھائی دے رہے تھے۔

تجھے پہلے بھی بہت صاف لفظوں میں سمجھایا تھا کہ مجھ سے اور میرے" زمینی معاملات میں پنگے دینا بند کردے مگر تیرے جیسی حرام ہڈی کی کھوپڑی میں میری سیدھی بات سمائی نہیں۔ کیا تجھے اپنی جان پیاری نہیں، نام تیرا تیرے سکوں نے ٹھیک منگور کھا ہے۔ مانگنے کے علاوہ کونسا تیر مارا ہے تُو نے" لفظوں کا پہلا تماچہ ہی درمان حق نے پوری شدت سے اس کالے خلیے میں لپٹے منگو سلطان کے منہ پر کرارہ مارا اور وہ تو ایسی باتوں پر بلبلا اٹھا اور اسکے چہرے کا آفشار خون اسکے اندر کی آگ کی بھرپور نمائندگی کر رہا تھا۔

میں نے بھی محترم کو صاف صاف بتا دیا ہے کہ میں پنگے لینے کا پسندیدہ کام" چھوڑ نہیں سکتا، تیرا وہ مداری کے بندر جیسا داماد بھی کباڑ ہی ہے۔ چل مجھے زمین دینی نہیں تو بیچ دے، چھوڑ دوں گا پیچھا۔ وہ زمین کتنے عرصے سے میری نظر میں تھی اور میں اسے کسی قیمت پر چھوڑ نہیں سکتا" درمان کے ہتک آمیز رویے کے برعکس منگو نے تو خوب ضبط سے بڑے محظوظ انداز

میں اپنی آفر سامنے رکھی جس پر درمان کے تن بدن میں شرارے سے پھوٹ پڑے۔

وہ زمین تو تجھے خواب میں بھی نہیں ملے گی، دفع ہو جا اور دوبارہ میری راہ میں آیا تو تیری یہ زبان ہمیشہ کے لیے بند کر دوں گا" لہجے میں گرمی اور تضحیک ملائے درمان چوہدری اسے انگلی اٹھا کر سمجھا رہا تھا جس پر اسکا دل چاہا وہی انگلی مروڑ کر اس فرعون کے ہاتھ میں رکھ دے۔

چچ چچ غصہ اس عمر میں، ہارٹ فیل ہو جائے گا۔ٹانگیں قبر میں لٹکائے ہوئے بھی تجھے زمین عزیز ہے درمان حق، اس زمین اور اس طاقت کے نشے میں تجھے خبر ہی نہیں کے تُو نے اپنے لیے کتنا جہنم کا سٹے بک کروایا ہے" منگو سلطان اب اسے آئینہ دیکھا رہا تھا اور اگلے ہی لمحے منگو کی گردن دبوچ کر غراتا ہوا درمان واقعی ہتھے سے اکھڑا۔

منگو کے لوگ اپنی گنز لیے آگے بڑھے مگر منگو نے انھیں مسکرا کر رکنے کا اشارہ دے کر درمان کا سرخ ہوتا چہرہ بڑی خوشی سے دیکھا۔

ابھی تو مزید آگ لگائی باقی تھی۔

"تیری زبان کاٹ دوں گا، مجھ سے دور رہ اگر زندگی چاہتا ہے۔ بار بار تجھے آخری موقع نہیں دوں گا، یہ نہ ہو تجھے ہی سیدھا مستقل سٹے کے لیے جہنم بھیج دوں" درمان چوہدری کے چہرے کا افشار ہوتا خون مدھم ہوا مگر لہجے میں ویسا ہی زہر لیے وہ منگو کی گردن ہی مڑور دینا چاہتا تھا مگر پھر حقارت سے اسے دور دھکیلتے ہوئے مڑا مگر کسی آواز پر درمان چوہدری کے قدم پتھر ہوئے۔

"تیرے اس داماد نے سنا ہے اپنا بچہ مار دیا ہے" یہ بات سننے کی دیر تھی کہ درمان چوہدری زخمی شیر کی طرح پھر سے اسکی سمت لپکا اور اب کی بار اسے گردن سے دبوچے وہ اسے گھسیٹتا ہوا اسی کی گاڑی کے بونٹ سے پیچھے ساتھ لگا گیا۔

ایک بار پھر منگو نے اپنے کتوں کی طرح لالیں لپکاتے لوگوں کو روکا اور دل میں اس بڈھے کی اس عمر میں بھی طاقت کو سراہنے کے لیے خبیث ہنسی ہنسا۔

کیا کہا، تیرا آج یہیں خاتمہ کر دوں گا" درمان کو یہ بات واقعی دل کو چیرتی محسوس ہوئی تھی۔

سچ ہے یار، وہ اپنے گاؤں کی ڈاکٹرنی میری بیوی کی ہمسائی ہے۔ وہی بتا رہی" تھی کہ تیرے کرموں کی سزا اس بزدل کتے نے بچاری اپنی بیوی کو پیٹ کر دی۔ پچ پچ گھر تیرا تجھ سے سنبھلتا نہیں اور چلا ہے زمین داری کرنے" پھر اس کے بعد اس پر وہ کھونسوں کی برسات ہوئی کہ معاملہ اس حد تک پیچیدہ ہو گیا جس پر دونوں کے آدمیوں نے ان جنگلیوں کو لگام ڈالے الگ کیا مگر دونوں ہی ایک دوسرے کو کاٹ دینا چاہتے تھے۔

اگر یہ بات غلط نکلی تو تیری قبر میں خود کھودوں گا منگو" جاہ و جلال میں" ڈوبی غضبناک دھاڑ بلند ہوئی جس نے فلک بوس کی دیواروں کو لرزا دیا اور

منگو جسکے منہ سے اب خون کی لکیر پھوٹ پڑی تھی، نخوت زدہ انداز میں درمان کی مخدوش حالت پر لطف اندوز ہوا تھا۔

"تُو میں جھوٹ نہیں کہتا، مجھے تیری یہی حالت دیکھنے کی حسرت ہے۔ تڑپ تڑپ کر مر جا، زمین میں خود لے لوں گا بے بی۔ ویسے ابھی تیرے اس بندر نما داماد کو بھی عبرتناک سزا دینی باقی ہے۔ دیکھ میرے حصے پر قبصہ مت کرنا، مجھ پر اسکی تھوڑی عزت کی نیلامی قرض ہے۔ انجوائے داشاک، زمین وہ صرف منگو کی ہے۔ اچھا ہو گا کہ اپنی ضد چھوڑ دے ورنہ میں اتنی پیاری زمین پر بہت پیار سے قبضہ جماتا ہوا بہت اچھا لگوں گا" منگو نے اس جلتے ہوئے غرور کے پاش پاش ہوتے ٹکڑوں سے زخمی درمان حق پر ایک اور کاری وار کیا اور یک دم حقارت سے اپنے منہ سے رستا خون ہاتھ سے پونچھتا ہوا گاڑی کی سمت بڑھا اور اسکے آدمی بھی یکے بعد دیگرے اسکی پیروی کرتے گاڑی تک پہنچے اور وہ خبیث سی مضحکہ خیزی سے اسے گاڑی کا

شیشہ ہٹا کر ہاتھ ہلاتا نظروں سے اوجھل ہوا اور درمان حق کا بس نہئں چل رہا تھا کہیں خود کو غرق کر آتا۔

آج یا اس دنیا میں تبریز نہیں تھا یا پھر چوہدری درمان حق۔۔۔۔خدا خیر کرے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بصد دیدہ باید بر آن کس گریست کہ واماند از یار بی نالہ زیست (اس شخص" پر بصد چشم رونا چاہئے کہ جو یار سے دور ہو گیا ہو اور اس پر بغیر فریاد کیے زندہ ہو)" سہی کہہ گئے ہیں حضرت میرزا بیدلؒ، یار سے دور بھی کوئی زندگی ہے۔

ایک تو سادان سے دوری اور اوپر سے وہ جو آج بابا سے ملنے کے لیے آنکھوں میں امید کے چراغ جلائے خوش تھی پھر بابا نہ آنے پر اسکی خشک آنکھیں پھر سے تر ہو گئیں۔

ناجانے یہ کس کس دکھ کا اظہار ہوا مگر کومل سے فلذہ کی آنکھ کا یہ غبار دیکھا نہ گیا تھا۔

فلذہ میری جان، رو تو مت۔ سادان جیسے ہی ممکن ہو گا تمہارے بابا کو بھیج دیں گے" کومل اسکے روبرو بیٹھی بہت پیار سے اسکی گداز گالوں پر لڑھکتی نمی ہٹائے ملائم پن سے بولی مگر وہ بس روتی جارہی تھی اور کومل اسکا رونا نہیں دیکھ پا رہی تھی۔

میری چشمِ تر میں بسا ہوا۔۔۔۔ کوئی خواب گزرے دنوں کا ہے،"

"اسے آکے مجھ سے وصول کر، میرا کچھ تو بوجھ اتار دے۔۔۔

نہیں کومل باجی، ایسا لگتا ہے میں بابا سے کبھی نہیں مل پاؤں گی۔ میں ان" سے دور آگئی ہوں اور مجھے ڈر لگ رہا کہ انکو کچھ ہو نہ جائے "آنسو رواں کیے وہ بھرائی سی آواز میں باقاعدہ اکھڑی اور بے ربط سانسیں لیے بولی جس پر کومل نے آسودگی سے اسکا نازک ہاتھ پکڑے خود بھی فلذہ کو اپنے سینے سے لگالیا۔ وہ بھی اس تسلی پر ہزار ہا بہتر ہوئی مگر آنکھوں میں وہی نمی جو کہیں نہ کہیں اب اپنے بابا کی دوری کے ساتھ سادان کے نظروں سے اوجھل ہونے پر بھی تھی۔

نہیں فلذہ، سادان تمہارے بابا کی مکمل حفاظت کریں گے۔ رومت، اچھا" میں انکو کال کرتی ہوں تم بات کرلو "کومل کو واقعی لگا جیسے وہ فلذہ کے آنسو نہیں دیکھ پائے گی اور وہ تو سادان کے ذکر پر مزید دردناک روئی تھی۔

نہیں باجی "فلذہ نے اٹکتی آواز کے سنگ یوں کہا جیسے یہ بھی اسکے لیے" مشکل ہے مگر کومل اپنی ہتھیلی اسکے چہرے پر سہلائے اٹھ کر سائیڈ ٹیبل سے اپنا فون اٹھا چکی تھی۔

فلذہ نے فوری اپنی ہتھیلی سے اپنے چہرے کی نمی ہٹائی تو کومل نے مسکرا کر فلذہ کو دیکھا اور کال ملا دی۔

وہ جو ابھی چینج کیے باہر نکلا تھا، ڈریسنگ پر وائبریٹ ہوتے فون پر کومل کا نام دیکھ کر پریشان ہو چکا تھا۔

گرے نفیس سے سوٹ میں شہزادے کے چہرے کا بجھا و وافع تھا، قبر کھدائی کا سارا معاملہ اسے ڈاکٹر آفندی نے بتا دیا تھا اور امید دلائی تھی کہ کل نہ سہی تو پرسوں تک فائنل رپورٹ آجائے گی۔

آج ویسے بھی سادان حد درجہ بوجھل تھا، اوپر سے اب وہ فلذہ سے کیے وعدے پر بھی پشیمان تھا جو ابھی بھی مکمل ہوتا دیکھائی نہیں دے رہا تھا۔

پتا ہے ہر سچا دل محبت کا چرواہا ہوتا ہے جو بے محبت موسم میں محبت کی نگہبانی کے عہد کی پرورش سے کبھی غافل نہیں ہوتا لازوال محبت کی پراسرار وسعتیں اس چرواہے کا قدیم پہناوا ہیں کبھی ختم نا ہونے والی تنہائی

ہمیشہ موجود رہنے والی اداسی اور ابدی انتظار اس چرواہے کی زندگی پر چپکے ہوئے رسیدی ٹکٹ ہیں۔

بہت سے ڈر جو سادان کو لاحق تھے ان میں ایک فلذہ کے دکھ کی زیادتی کا تھا، سادان کی ذات ذمہ داری سے اٹ کر نڈھال ہو رہی تھی مگر وہ واحد اسکا سکون بھی تھی۔

سادان، آپ فلذہ سے بات کریں۔ مجھ سے تو اسکا رونا نہیں دیکھا جا رہا، " اسے بتا دیں تاکہ وہ بہتر ہو ورنہ اس نے پورے لاہور کو آنسوؤں میں ڈبو دینا ہے " آخر کار تھکن سی خود پر سوار کیے سادان فون اٹھا کر کان سے لگائے ٹیرس کی سمت آیا تو کومل کے دانستہ ہلکے پھلکے پن پر اداس سا مسکرا دیا اور وہ جو بیڈ پر بیٹھی رونے میں مشغول تھی اب لگا مزید رو دی تھی۔

ٹھیک ہے، دو فون اسے " سادان نے پھر سے چہرے پر شدید سنجیدگی " لاتے ہوئے متغیر سی سانسوں کے اخراج کے سنگ ریلنگ پر ہاتھ رکھے کہا

جس پر کومل نے پیار سے فون فلذہ کو دیا اور خود بعد میں آنے کا کہہ کر باہر نکل گئی۔

سادان کو آج بات کے لیے لفظ نہیں مل پا رہے تھے، آج اسکا رونا سادان کے دل کو متاثر کر رہا تھا۔

فلذہ" یہ پکار، زیر زمین بھی کوئی ہو تو اس صدا پر دوڑتا چلا آئے۔ وہ تو پہلے ہی غم سے بھری تھی، یوں سادان کی آواز سن کر مزید غمناک ہوئی۔

آپ نے کہا تھا آپ میرے بابا کو بھیجیں گے، وہ نہیں آئے۔ وہ ٹھیک ہیں" نا؟ مجھے میرے بابا کے پاس بھیج دیں پھر آپکو تنگ نہیں کروں گی" اپنے اندر درد سے اٹھتی کپکپی قابو کرتی فلذہ مانگ بھی وہ رہی تھی جس پر سادان کا ابھی اختیار نہ تھا۔ سادان نے اس بے بسی پر اپنا ماتھا بہت دباو سے سہلایا اور فلذہ کے دکھ کو دل سے محسوس کیا۔

جب اس بھری دنیا میں آپکا ایک ہی قریبی ہو تو پل پل بس اسی کی سلامتی مانگی جاتی ہے۔

میں ضرور انکو بھیجوں گا، بس یہاں تھوڑا ماحول سازگار نہیں ہے۔آج" رات تک بھی اگر حالات میرے قابو میں ہوئے تو میں رات ورات منظور حسین کی تم سے ملاقات کروادوں گا بس یہ رونا ختم کردو۔اور تم نے نہ مجھے آگے تنگ کیا نہ اب کر رہی ہو اس لیے ایسا ویسا مت سوچو" سادان نے ملائم پن میں بے حد مان ملا کر فلذہ تک تسلی کے چند لمس زدہ لفظ پہنچائے مگر جب درد دل کے اندر تک جا گزیں ہو تو پھر اس سے اتنی جلدی چھٹکارہ ممکن نہیں ہے۔

میں نے آپکو مشکلوں میں ڈال دیا ہے، مجھے معاف کردیں" فلذہ نے سر" جھکا کر آواز میں ٹوٹے کانچ کی چھنکار کے سنگ دلخراش جملے کہے جس پر سادان کے چہرے پر کئی شکنیں ابھریں اور پھر فوری معدوم ہو گئیں۔

ایسی بات نہیں ہے، مشکل کے بعد ہی آسانی ملتی ہے۔ تم یوں ہمت ہارو" گی تو مجھے اچھا نہیں لگے گا، میں نے تمہیں بہادر بننے کے لیے بھیجا ہے فلذہ، خود کو یوں نڈھال مت کرو۔ مجھ پر بھروسہ رکھو، میں اپنی ہر کوشش کر رہا

ہوں" اب کی بار سادان کے لہجے میں جذباتیت اور رسانیت کی بے حد زیادتی تھی اور سادان کی آواز ہی فلذہ کے دکھ میں کمی کا باعث ہوئی تھی۔ پھر بھی اتنی سی دیر میں اس نے رو کر اپنے نازک چہرے کو متورم زدہ کر ڈالا تھا۔

آپ کب آئیں گے؟" یہ سوال جو فلذہ یونہی معصومیت سے کر بیٹھی،"

سادان کا دل جکڑ گئی۔

یعنی وہ اسکی بھی منتظر تھی، یہ احساس موہوم ہی سہی پر شہزادے کی اس وقت کی بڑی آسانی تھا۔

کیا مجھے بھی آنا ہو گا؟" سوال کے بدلے وہ جان بوجھ کر سوال کر رہا تھا اور" دونوں کے دل دھڑک رہے تھے۔ فلذہ نے سر جھکا لیا جیسے فیصلہ نہ کر پا رہی ہو کہ کیا جواب دے۔

بولو فلذہ" اسے آج پہلی بار فلذہ کی خاموشی نے تنگ کیا اور وہ ہنوز بے" جان سی ہلکان ہو گئی اور پھر سے آنکھیں نمی سے لبالب بھر گئیں۔

آپ بس بابا کو بھیج دیں، آپ کو مزید پریشان نہیں کروں گی" فلذہ کو جو بھی سمجھ آئی بول گئی اور سادان نے ہلکی سی مسکان کے سنگ فلذہ کی اس عنایت کو سراہا۔

سہی کہتے ہیں کہ سب سے خوبصورت راہ محبت کی راہ ہوتی ہے، کتنی ہی کٹھن کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو، محبوب ساتھ ہو تو جدائی کے موڑ تک ایسے ہی لگتا ہے جیسے ابھی تو چلے تھے سالوں کا سفر لمحوں کی مسافت ہو جیسے.

مجھے صرف تمہارا رونا پریشان کرے گا جو تم بہت پسندیدگی سے کرتی ہو۔" دیکھو فلذہ میں تمہارے ساتھ ہوں، اس جلساتی آگ میں اسی لیے کودا ہوا ہوں تاکہ تمہیں اور تمہارے بابا کو انصاف دلا سکوں۔ مجھے وہی مسکراتی فلذہ دیکھنی ہے جو جاتے ہوئے دیکھی تھی۔ تم مسکراو گی تو میں بہتر طریقے سے یہاں معاملات دیکھ پاوں گا" سادان تو اسے پاس چاہتا تھا مگر شاید یہ دوری ہی ان دونوں کے قریب ہونے کا کام کرنے والی تھی۔

مجھے بابا یاد آتے ہیں، اور آپ بھی "تو اصل وجہ ان ہونٹوں پر روتی ہوئی" آواز سے آ ہی گئی جس پر سادان نے بے حد دلفریب بہت دن بعد دل کو فرحت دیتی آسودگی اپنے اندر اترتی محسوس کی تھی۔

وہ جسے یاد کرتا تھا، وہ بھی اسے کرتی تھی۔

یہی تو عشق تھا، محبتوں کی انتہا تھی۔

سچ کہتے ہیں، یہ محبت اوس کی مانند ہے۔ بارش کی طرح برستی تو نہیں مگر پھر بھی گیلا کر دیتی ہے۔

سچا عشق، وہ جو نکاح کی تاثیر کے سنگ جڑھ کر پیدا ہوتا ہے یہ اسکی معراج تھی کہ فلذہ اور سادان کے دل جڑھ گئے تھے۔

وہاں وہ بے قرار تھا اور یہاں یہ بابا کے ساتھ ساتھ سادان کی دوری پر نڈھال تھی۔

میں بھی جلد ملوں گا، ایک ملاقات کی تو کسی نے فرمائش کی ہوئی ہے۔ میں" تمہارے ساتھ ہوں فلذہ، ہر وقت۔ تمہارے پاس کومل ہے، اسکی محبت

بے حد شفاف ہے۔ کیا کہے گی وہ کہ فلذہ اسکے ہوتے ہوئے روتی ہے، وہ وہاں تمہارے لیے ہے۔ بس مجھے تھوڑا وقت اور دو، رو یا مت کرو کیونکہ رونے سے کوئی سدھار نہیں آئے گا۔ تو اچھا ہے مسکرا کر میری طاقت بنو" بے حد چاہت میں جا گزیں الفاظ نے گویا فلذہ کا درد سے بے حال دل چٹکیوں میں بحال کر ڈالا اور فلذہ نے اب کی بار سچ میں اپنے آنسو پونچھ ڈالے تھے۔

جی "ابھی بھی سادان کو وہ روئی لگی جس پر اب شہزادہ بھی اداس تھا۔"

میں تِرے ہجر کی ٹھنڈک سے سُلگ اُٹّھا ہوں"

ڈال دے وَص۔۔ل کی حِ۔۔دّت کا الاؤ مُجھ پر" یہ وصل کی چاہت تو اب شہزادے کی پہلی مراد تھی اور یقیناً فلذہ کی بھی۔

جی جی مت کیا کرو لڑکی، اچھے سے لمبا سا جواب دو تا کہ مجھے تسلی ہو"" سادان چاہتا تھا وہ تھوڑا سا بہتر ہو جائے تبھی ہلکی پھلکی لطافت ملائے شیریں انداز سے مسکرایا۔

نہیں رووں گی، رونا آیا بھی تو نہیں رونے والی۔ آپ کہیں گے تو بھی "
نہیں" سادان کا اس معصومیت پر بے ساختہ قہقہہ پھوٹا اور اب تو فلذہ اسکے
ہنسنے پر ہی قربان ہو گئی تھی۔ وہ پہلی بار اسے ہنستا سن رہی تھی اور اسے بہت
سارا اچھا لگا تھا۔

اف اف مس روتو، اتنا بھی سیریس نہیں ہونا تھا۔ ھاھا سو سوئیٹ، چلو "
اب اپنے چہرے پر سمائیل لاو فوراتا کے میں بھی تھوڑا مسکرا سکوں" ھائے
شہزادہ تو جان تھا سب کی، فلذہ تو دھنگ تھی کہ وہ اس سے کس قدر
خوبصورتی سے بات کرتا تھا۔

وہ جتنا بھی دکھی ہوتی وہ پل بھر میں فلذہ کے آنسو دور سے ہی جذب کر لیتا۔
یہ شخص واقعی کسی تیسری دنیا کا مہربان لگتا تھا۔

نہیں آرہی" صاف گوئی سے بجھا سا جواب آیا جس پر سادان کی اک بیٹ "
مس ہوئی۔

بہت آئے گی، اور کبھی جانے نہیں دوں گا" یہ بات وہ چاہ کر بھی فلذہ سے " کہہ نہ پایا مگر اسکی خواہش اب فلذہ کی خوشی تک محدود تھی۔

ٹھیک ہے اسے ادھار رکھ دیتے ہیں، رونا مت۔ جب بھی دل گھبرائے " مجھ سے بات کر لینا" سادان کی محبت یہ مان اور عزت ہی تھی جو اسے بس دیتا چلا جا رہا تھا اور فلذہ بھی اس سے بات کر کے بہت بہتر ہو گئی۔

ٹھیک ہے "فلذہ کی فرمابرداری پر شہزادہ بھی قربان ہوا مگر ابھی وہ اس " سے دور تھی اور دوری کے باوجود دونوں ایک دوسرے کے مزید قریب آ رہے تھے اور یہی چیز انکے نئے حسین تعلق کی بنیاد تھی۔

وہ تعلق جسے آسمانی عطائے ربی اور نعمتِ عظیم گردانہ جاتا ہے۔ عشق سے محبوب اور محبوب سے دلپذیر محرم تک کا سفر۔۔۔۔

!! تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ھے "

جیسے ویراں ھو راہ گزار حیات جیسے خوابوں کے رنگ پھیکے ھوں جیسے لفظوں سے موت رستی ھو جیسے سانسوں کے تار بکھرے ھوں جیسے نوحہ کناں ھو صبحِ چمن

!تم نہیں ھو تو ایسا لگتا ھے

جیسے خوشبو نہیں ھو کلیوں میں

جیسے سونا پڑا ھو شہر_ دل

جیسے کچھ بھی نہیں ھو گلیوں میں

جیسے خوشیوں سے دشمنی ھو جائے

جیسے جزبوں سے آشنائی نہ ھو

!!!تم نہیں ھو تو ایسا لگتا ھے

جیسے اک عمر کی مسافت پر

بات کچھ بھی سمجھ نہ آئی ھو

جیسے چپ چپ ھوں آرزو کے شجر

جیسے رک رک کے سانس چلتی ھو

جیسے بے نام ھو دعا کا سفر

جیسے قسطوں میں عمر کٹتی ھو

!!! تم نہیں ھو تو ایسا لگتا ھے

جیسے اک خوف کے جزیرے میں

کوئی آواز دے کے چھپ جائے

جیسے ھنستے ھوئے اچانک ھی

غم کی پروا سے آنکھ بھر جائے

تم نہیں ھو تو ایسا لگتا ھے!!!" فون رکھ کر سادان نے کچھ دیر پھر سے فلذہ کی کمی کو دل میں شدت سے محسوس کیا مگر اگلے ہی لمحے حویلی میں داخل ہوتی گاڑی دیکھ کر سادان کے چہرے پر تفشیش ابھر چکی تھی اور وہ الٹے قدموں مڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بڑئ سی گاڑی عین پورچ تک آکرر کی اور اگلے ہی لمحے اسکا دروازہ کھلا اور عالیہ، بخت سکندر اور خالدہ باہر نکلے۔ بخت سکندر نے عالیہ کو پوری ایمانداری سے معافی کے ساتھ سونپنا تھا لہذا وہ خود آئے تھے۔

جب تک وہ لوگ حویلی کے داخلی دروازے تک پہنچتے، سادان وہیں باہر تک پہنچ آیا تھا۔

اس وقت عالیہ اپنے سسر اور ساس کے ساتھ آئی تھی جو سادان کو اچھا تو لگا مگر نا جانے کیوں ان لوگوں کے چہرے پر عجیب سا درد درج تھا۔

عالیہ تو سادان کو دیکھتے ہی اپنا ضبط قائم نہ رکھ پائی اور سادان کے سینے سے لگ کر رو دی۔

وہاں کرمان، سلطانہ اور انجیل بیگم بھی باہر ہوتی ہلچل سنے پہنچے مگر باہر کا ایسا منظر دیکھ کر سب ہی اب پریشان تھے۔

سادان نے سینے سے لگی عالیہ جو بلکل اسی کی ہمشکل تھی، اسے ملائم سے پن سے خود میں سمیٹے پھٹی آنکھوں کے سنگ نظریں اٹھا کر سامنے پشیمان سے کھڑے بخت سکندر اور خالدہ کو دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو کہ یہ کیوں رو رہی ہے۔

سب ہی ان کہے سے خدشے میں غرق تھے اور یہ خاموشی بتا رہی تھی کہ بہت کچھ ہوا ہے۔

کیا ہوا ہے آپی، آپ رو کیوں رہی ہیں۔ پلیز مت روئیں یہاں دیکھیں۔" کیا ہوا ہے اتنی کمزور کیوں لگ رہی ہیں" سادان نے بہت پیار سے عالیہ کا چہرہ ہاتھوں میں بھر کر پوچھا جسکی چمکتی صورت پر بجھا اور کرب تھا اور آنکھوں کے گرد مدھم سی سیاہی اور چہرے پر متورم پن تھا۔

خود سلطانہ اب خوفناک سا تاثر دیے اپنی جان سے پیاری عالیہ تک پہنچیں اور وہ بھی سادان کی طرح پریشان اور تکلیف زدہ تھیں۔

سب کی سوالیہ نگاہیں بخت سکندر پر تھیں اور اب خود آنجیل بیگم منہ پر سختی سجائے ان دونوں میاں بیوی کے مقابل آئیں۔

"یہ سب ہماری وجہ سے ہوا، نہ ہم تبریز کے لیے اس معصوم کو بیاہتے نہ آج یہ دردناک حادثہ ہوتا" بخت سکندر کی روتی سرخ آنکھوں کے برعکس انجیل بیگم نے خونخوار انداز میں سامنے والے کو کسی بھی تمہید کو باندھنے سے منع کا اشارہ کیا جس پر اب سادان بھی سخت بے قراری سے عالیہ کی تکلیف اور ان دو کے چہروں کی بے چینی کی وجہ جاننا چاہتا تھا۔

"پلیز آپ صاف صاف کہیں، کیا ہوا عالیہ آپی کے ساتھ۔ انکی ایسی حالت؟" سادان نے گویا انکی بات کو درمیان سے ہی اچک کر تلخی سے استفسار کیا مگر اس سے پہلے کہ کوئی مزید سوال و جواب کی مہلت ملتی، حویلی کا گیٹ پھر سے کھلا اور تیز رفتار سی چوہدری درمان کی گاڑی اندر داخل ہوئی جس پر اب سب کا دھیان باہر ہوا مگر اگلے ہی لمحے یوں لگا قیامت برپا ہو گئی ہے۔

چوہدری درمان جو تبریز کو زندہ دفن کرنے اسکی حویلی گیا تھا مگر وہاں کسی کو نا پاکر اور اسکے آدمیوں سے بخت اور اسکی بیوی کا یہاں آنا جان کر وہ سیدھا یہیں آیا تھا۔

سلطانہ جواب عالیہ کو سینے سے لگائے اس سے اس تکلیف کا سبب پوچھ رہی تھیں مگر وہ بس غمناک سی چپ میں مبتلا تھی۔

سادان الگ شش و پنج میں مبتلا تھا اور یہی حالت کرمان کی تھی مگر سب کے ہاتھ پاؤں تو تب پھولے جب چوہدری درمان حق نے غیظ و غضب کے سنگ چوہدری بخت سکندر کے عین سامنے آکر اسکا گریبان پکڑا جس پر اب سب ہی ورطہ حیرت اور ہولناکی سے اپنی جگہ جم چکے تھے۔

"کہاں ہے وہ تیرا قاتل، بول بخت۔۔۔اس دن کے لیے تُو نے مجھ سے میری بیٹی کا ہاتھ مانگا۔ تُو نے اسے یہ نہیں بتایا کہ مردوں کی لڑائی میں عورتوں کو گھسیٹنے والے نامرد ہوتے ہیں۔ مجھے بتا کہاں ہے وہ خبیث میں اسکی قبر کھود دوں گا" چوہدری درمان کے سر پر اس وقت تبریز کا خون سوار

تھا،چوہدری بخت کی تو شر مندگی سے آنکھیں تک سوز زدہ ہو کر جھکی

تھیں۔

سادان کو لگا اب اگر کسی نے بات نہ بتائی تو جھنجھلاہٹ سے اسکا سر پھٹ

جائے گا۔

مجھے معاف کر دے درمان، میں ہاتھ جوڑتا ہوں اسکی جان بخش دے۔"

دوستی کا واسطہ ،میرے بندھے ہاتھ دیکھ لے۔میں تیری عالیہ کو لے آیا

ہوں، ہو سکے تو مجھے معاف کر دے میں شر مندہ ہوں۔تبریز کو اسکے کیے

کی سزا اللہ نے دی ہے ،وہ بھی اس حادثے سے متاثر ہے"چوہدری بخت کی

آنکھیں لہو روتی ہوئی اس آتش فشاں کے سامنے گڑ گڑا رہی تھیں جس پر

درمان نے سخت ضبط کے دہانے پر جا کر بخت کا گریبان دور کر کے پٹخا اور

اک نظر مڑ کر روتی ہوئی سلطانہ کے ساتھ لگی عالیہ کو دیکھتا ہوا سب سے

نظریں چراتا اندر بڑھا اور سب تھے کہ اب پتھرائے چہروں کے ساتھ اس

رازداری پر چہرے سفید کر گئے۔

سب کے چہروں اور آنکھوں میں بہت سے سوال دیکھ کر خود ہی بخت سکندر نے بات کو کہنے کا حوصلہ جمع کیا۔

تبریز اور درمان کی کسی بات پر تلخ کلامی ہوئی، کوئی زمین کا معاملہ تھا۔" تبریز نے زلت سے دلبر داشتہ ہو کر عالیہ کو مارا۔ اور اس بد بخت فعل میں وہ اپنے ہی بچے کا قاتل بن گیا" ہر ایک فرد کی گویا جسم سے روح کھینچتا یہ انکشاف وہاں موجود ہر فرد کو لرزا گیا یہاں تک کہ سادان کو تو اپنے کانوں پر یقین تک نہ آیا۔

انجیل بیگم بھی اس نازل ہوتے قہر پر یوں لگا سفید پڑھ گئی ہے۔ سلطانہ جنکو یہ خبر مزید نڈھال کر گئی تھی، بے یقینی سے عالیہ کا نقاہت زدہ چہرہ تھامے رو دیں اور وہ تو اب رو رو کر بھی تھک چکی تھی۔

کرمان بھی اپنی آنکھوں میں غضبناک سرخی لائے ہاتھ جوڑ کر زمین میں گڑھے انداز سے بتاتے بخت سکندر کی طرف متوجہ تھے جواب دونوں میاں بیوئی روتی آنکھوں سے اپنے ہاتھ جوڑے کھڑے تھے۔

اس درندے کو چھوڑوں گا نہیں، جس نے میری آپی کا یہ حال کیا۔ آپ" دونوں یہاں سے چلے جائیں پلیز" سادان نہیں چاہتا تھا کہ غصے میں کوئی تلخ بات کہہ جاتا تبھی تمیز کا لاکھ دامن پکڑے وہ سختی سے ہونٹ بھینچے بولا جس پر بخت سکندر نے ایک نظر خالدہ پر ڈالی اور ایک روتی ہوئی عالیہ پر جو اس وقت کسی کو دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

چلو خالدہ، اس اولاد نے آج مٹی میں ملا ہی دیا ہے" اتنا عزت دار باپ اور" اولاد تبریز جیسی ہو تو آنسوان بوڑھی آنکھوں میں تا عمر کے لیے سمو جاتے ہیں، خالدہ کا دل تو پھٹ چکا تھا۔

وہ سب ان دونوں کو بلکل انہی نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے وہ کسی ہولناک جرم کے مجرم ہوں، سہی کہتے ہیں اولاد آزمائش ہے اور آج دیکھ بھی لیا۔

سادان کے لیے اس وقت خود پر قابو پانا مشکل تھا، کہیں نہ کہیں اس سب کی وجہ بھی درمان حق تھا اور وہ شخص آج اس وار پر بلاشبہ اندر تک چیخ چکا تھا

مگر جھوٹی انا کا بھرم بھی تو قائم رکھنا تھا تبھی گوشہ نشینی کا آپشن وہ ڈھر لے سے چن چکا تھا۔

انجیل بیگم نے زرا جو اس روتی نڈھال بچی کو تسلی دی ہو، وہ ابھی بھی تنفر سے نظروں کو پتھرائے ہوئے تھی۔

بعض لوگ ایسے ہی سیاہ نصیب ہوتے ہیں، انکے دلوں کی سفیدی پر سیاہی چڑھی ہوتی ہے۔ سادان نے ان دونوں کے جاتے ہی سلطانہ اور عالیہ کو لیے اندر بڑھ جانا ہی مناسب سمجھا جبکہ اب کرمان چہرے پر سخت رنجیدگی سجائے عین اکڑ کر کھڑی انجیل تک آئے۔

"جب آپ نے اور بھائی نے عالیہ کا رشتہ طے کیا تھا تب ہی میں نے درخواست کی تھی کہ اس بچی کے ساتھ ایسا مت کریں، دیکھ لیں۔ آپ کے فیصلوں نے کتنوں کو خون کے آنسو دے دیے اب بھی وقت ہے بھائی کو سمجھائیں کے وہ برائی کا رستہ چھوڑ دیں۔ یہ نہ ہو اب کی بار اس سے بھی بڑا قہر ٹوٹے اور آپ نہ اپنا بچاو کر پائیں اور نہ بھائی کا" آج وقت تھا کہ اس

دل سے کہیں کہیں نڈھال فرعون کی خصلت والی بڈھی کو آئینہ دیکھایا جاتا مگر کرمان کی حد درجہ دکھ اور تاسف سے کہی ان باتوں پر انجیل نے بے حد ناپسندگی اور حقارت سے کرمان کو دیکھا جو اس بچے کا سینہ سلگا گیا تھا۔

تُو ابھی اتنا بڑا نہیں ہوا کہ ہمارے فیصلوں پر اعترض کرے، اس تبریز کو" سزا ضرور ملے گی۔ لیکن اس منحوس کا منہ اٹھا کر یہاں آجانا بھی گورا نہیں مجھے۔ اس میں ایسی کونسی قیامت آگئی کہ بچہ مر گیا، اتنی سی بات پر سسر اور باپ کو دشمن بنانے کا کام بہت مہارت سے کر گئی ہے۔ بھئی بیٹی کس چالاک سلطانہ کی ہے، اس نے بھی تو رو پیٹ کے ہی درمان کی قربت حاصل کی تھی اور وہ منحوس کمہار کی بدذات زینیہ جس نے ڈوڑے ڈالے تجھ پر۔ یہ سب عورتوں کے مردوں کو نیچا دیکھانے کے ڈرامے ہیں۔ تبریز سزا بھگتے گا اور اسے لے جائے گا یہی ہمارا اصول اور انصاف ہے" واقعی یہ عورت پتھر کا دل رکھتی تھی جس میں کسی بھی نرمی کا سوال تک پیدا نہیں

ہو سکتا تھا۔ کس تفاخر سے یہ عورت اپنے کھوکھلے، ہولناک انصاف کا پرچار کررہی تھی جیسے اسے کسی کے درد کا احساس نہ تھا۔

شاید اگر انجیل کی اپنی کوئی بیٹی ہوتی تو وہ آج اتنی سفاک نہ ہوتی۔

آج بہت مدت بعد کرمان کی آنکھوں میں آنسو تھے، وجہ کوئی بہت دلخراش تھی۔ زینیہ! کون تھی آخر یہ۔۔۔؟

آپ نے جو ظلم میرے ساتھ کیا تھا، اسکا درد آج بھی میرے سینے میں" سلگتا ہے۔ جب آپ نے اپنے بیٹے تک سے سفاکی کردی تھی تو یہ تو پھر آپکی پوتی ہے۔ مجھے زرا حیرت نہیں ہوئی، لیکن اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے۔ وہ سب آہیں اور آنسو کسی دن آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑیں گی اور آپ دونوں کو چھپنے کے لیے یہ دنیا کم پڑھ جائے گی" ناجانے اب اس کے پیچھے کونسا راز تھا، کیا کرمان بھی ان دونوں کی کسی دردندگی کا ڈسا تھا؟ جو بھی تھا بہت دردناک تھا۔

انجیل بیگم کے چہرے پر لمحے بھر کو سفیدی اتری مگر وہ اپنے غرور کا سر اونچا رکھے نخوت زدہ سی کرمان کو دیکھتی ہوئیں پیر پٹخ کر اندر بڑھ گئیں اور وہ آنسو جو کرمان کی آنکھوں میں تھے اب آسمان کی طرف نظریں اٹھیں تو ان آنسوؤں نے رخساروں پر امڈنا شروع کر دیا۔

کرمان حق کی بھی اک دردناک کہانی تھی اور آج یوں لگا کہ زینیہ کے ذکر پر انکے سینے پر بنا ناسور پھر سے رسنے لگا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گہری سوز زدہ شام کا یہ منظر جب ایک گہرے سناٹے میں پیوست اک قبر اور اسکے بلکل پاس کھڑے کرمان سرخ وحشت ناک آنکھیں لیے قبر پر

نظریں پتھرائے کھڑے تھے۔ کچھ دور انکی گاڑی تھی جس کی ہیڈ لائٹس آن ہونے کی وجہ سے روشنی یہاں تک قبرستان کے احاطے تک آرہی تھی۔

قبر کی تختی پر لکھا وہ نام جس کو دیکھ کر اب کرمان حق کی آنکھوں سے خون بہہ رہا تھا۔

"جن کی محبت پوری ہوتی ہے مجھے اُن کی ہتھیلی دیکھنی ہے، کیسی ہوتی ہے وہ لکیر جو میرے ہاتھوں میں نہیں تھی" درد کا کہرام مچ گیا، رنج پوری ہولناکی سے کرمان کی شفیق آنکھوں سے رسنے لگا۔

"آج بہت مدت بعد تمہاری تکلیف نے پھر سے مجھے توڑ دیا، مجھے لگا تھا میں اس قبرستان میں دوبارہ نہیں آوں گا مگر آج یہ نظریں تمہیں چاہتی ہیں زینیہ، میں نہ اس روز تمہارے ساتھ ہوتے ظلم کو روک پایا نہ زندگی بھر جی پایا۔ ٹوٹ پھوٹ گیا ہوں، تمہاری کوئی دعا مجھے نہیں لگی" دلخراشی سے

چند آنسو بہاتے کرمان اب تھک ہار کر لڑکھڑاتے ہوئے اس "زینیہ علی" نامی قبر کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے تو ضبط ہار گئے۔

میں تیرے بعد ذرا سوچ کدھر کو جاتا"

کون لیتا ہے کسی اور کا چھوڑا ہوا دکھ" سچ ہے، کسی کا چھوڑا دکھ کوئی لے بھی لے تو کب تک دل سے لگاتا ہے۔

کون تھی یہ زینیہ، انکی زوجہ تو نہ تھیں۔ پھر ایسا کونسا راز دفن تھا اس قبر میں جس نے پیارے سے کرمان حق کو اس قدر رنج میں لا چھوڑا تھا کہ انکی آنکھوں کی تکلیف اس رات کے اندھیرے میں چپ چاپ بڑھ رہی تھی۔ وہ اب بے بسی سے اس قبر پر ہاتھ پھیر رہے تھے اور کرمان کی شفیق سی آنکھیں غمناک تھیں۔

صبر ہر بار اختیار کیا"

ہم سے ہوتا نہیں ہزار کیا

ہم نے اکثر تمہاری راہوں میں

رُک کر اپنا ہی انتظار کیا" کرب بھی اخیر تھا اور درد سے سینہ بھی پھٹا ہوا تھا۔

"میں تمہارے قاتلوں سے تمہاری موت کا حساب نہیں لے سکتا نہ لے پاؤں گا۔ اس روز ہی یہ معاملہ میں نے اللہ پے چھوڑ دیا تھا، کاش میں تمہیں بچا پاتا۔ کاش میری محبت ہی تمہیں بچا لیتی، پر افسوس اسی محبت نے تمہیں اس قبر میں پہنچا دیا۔ تم مجھے معاف مت کرنا، کبھی مت کرنا۔ مجھ سا بزدل معافی کے لائک نہیں۔ تمہاری تکلیف میرے سینے پر وہ بوجھ ہے جو میری قبر تک ساتھ جائے گا" کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ دل کے نیارے اور پیارے سے کرمان اپنے اندر کوئی آتش فشان کی مانند سوہان روح دکھ پالتے آئے تھے۔

منظر تک اس ادھورے ملن پر آبدیدہ تھے۔

"کوئی مجھ سا بد قسمت بھی نہیں ہو گا زینیہ، جس نے محبت تو کی مگر ایسی قاتل محبت جو تمہاری دردناک موت کا باعث بنی۔ میں جب جب

تمہارے درد کو محسوس کرنے کی کوشش کرتا ہوں تو مجھے موت کی چاہت ہوتی ہے۔پر موت مانگنے سے نہیں آتی، مجھے تمہارا دکھ نہیں بھولتا۔ کیسے بھولوں وہ ظلم، تم تو دعائیں دے کر چلی گئ مگر دیکھوناں میں بے مراد، بے سکون اور بے چین ہی رہ گیا ہوں۔مجھے یہ دکھ جینے نہیں دیتا زینیہ میں کیا کروں، کس سے کہوں کہ مجھے تمہاری تکلیف کا ازالہ دے" کرمان اس وقت سخت بری حالت میں تھے اور نا جانے اس پیارے شخص پر کونسا غم ٹوٹا تھا جسکی ازیت سے یہ شخص رو کر اب کانپ رہا تھا۔

کون تھا اس دردندگی کا سبب؟ یہ راز بھی جلد کھلنے کو تھا مگر اس شخص کی تکلیف تو ناقابل برداشت تھی۔

جیسے کوئی بچہ ہمت ٹوٹنے پر پھوٹ پھوٹ کر رو دے، دردناک تھا یہ دکھ جو کرمان کے سینے میں دفن تھا۔

کچھ دیر یہ سوز زدہ دکھ بڑھا اور جب برداشت ٹوٹی تو وہ اپنے شکستہ ٹوٹے اور بکھرے وجود کو بمشکل سنبھالے قبرستان سے نکلے اور گاڑی کی طرف روانہ ہو گئے۔

وہ قبر جس میں کرمان کا دل دفن تھا، کون تھی زینیہ علی اور آخر اسکے ساتھ کیا ہوا تھا۔ جلد پتا چلنے کو ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اتنا سب تم برداشت کرتی رہی اور ہمیں خبر تک نہ کی، کیوں عالیہ۔ میری جان، میری شہزادی" جہاں سلطانہ کب سے عالیہ کے نازک ہاتھ چومتی رو رہی تھیں وہیں عین سامنے کرسی کیے بیٹھا سادان تو سخت خفا تھا۔ کرمان تو تب ہی حویلی سے نکل گئے تھے اور انجیل بیگم اب سید ھادرمان حق کے کمرے کی سمت جا چکی تھیں۔

مجھے بابا سائیں کی عزت عزیز تھی، میں تو یہ سب کبھی نہ بتاتی مگر سکندر بابا" نے مجھے اسی شرط پر یہاں لایا تھا کہ یہ سچائی آپ سبکو بتائی جائے گی" عالیہ کی آواز تھی کہ صدمے اور کرب سے لرز رہی تھی اور اب کی بار سادان نے تلخی سے عالیہ کے ایسے بزدلانہ سوچنے پر خفگی سے اٹھ کر اسکے ساتھ نشست سنبھالی اور وہ تو پھر سے سادان کے سینے سے لگ گئی تھی۔

سادان نے کرب سے سلطانہ کو دیکھا اور ایک نظر اپنی بہن پر جو نجانے کونسی قربانی کی بکری بن کر میڈل پا گئی تھی۔

ایک بار مجھے ہی بتا دیتیں، کیا میں اتنا پرایا تھا کہ آپ نے یہ سب ظلم چپ" چاپ سہا۔ ظالم سے بڑھ کر مجرم وہ مظلوم ہوتا ہے جو ظلم کے آگے آواز اٹھانے سے پہلے گھٹنے ٹیک دے۔ تبریز کو نہیں چھوڑوں گا، زلیل انسان یہ سب ایک ہی تھالی کے چھٹے بٹے ہیں۔ نجانے ان لوگوں میں انسانیت نامی کوئی شے ہے بھی یا نہیں" سادان بہت پیار سے عالیہ کو خود میں سموئے سخت خفا ہوا تھا اور سلطانہ کی آنکھیں تو عالیہ سے بھی زیادہ متورم تھیں۔

مجھے معاف کر دو سادان، لیکن میں یہ رشتہ بچانے کی کوشش میں تھی۔" وہ جیسے بھی ہیں میرے شوہر ہیں اور میں نے تو وہی کیا جو مجھے اماں سائیں نے سیکھایا۔اور تم بتاو کہ تم کیا کر لیتے، تم تو مجھ سے بھی زیادہ مجبور ہو" گو یہ بات تو سچ تھی مگر اب سادان واقعیٰ چاہتا تھا کہ ان ساری مجبوریوں سے دامن چھڑوا کر واقعی ان لوگوں کی بڑھتی درندگی کو لگام لگا ڈالے۔

عالیہ کے لہجے میں دکھ اور تاسف تھا اور سادان ابھی کے لیے بے بس تھا کیونکہ یہ چیز سلطانہ نے ان دو کی تربیت میں گوندھ دی تھی جواب زیادتی کے باعث نقصان بن رہی تھی۔

سلطانہ کا تو صدا سے بے بس ہونا آج بھی قائم تھا، اپنے ان دو بچوں کی سچی خوشی کو ترستی ترستی یہ عورت شاید مر جاتی مگر ان ماں بیٹے کی سفاکی نا ختم ہو رہی تھی نہ ختم ہو سکتی تھی۔

بہر حال اب وہ درندہ آپکا شوہر کہلانے کے لائق نہیں ہے، آپ کسی اور" کے لیے اہم ہوں نہ ہوں میرے اور اماں سائیں کے لیے قابل محبت اور

آسودگی ہیں۔میری معصوم سی بہن پر اس سفاک نے جو ظلم ڈھایا ہے اسکا بدلا اس سے اللہ لے گا اور ایک بھائی ہونے کے ناطے اس پر کچھ قہر میں بھی ڈھاوں گا"یک دم ہی سادان نے عالیہ کو ڈھیر سامان سونپ کر اسکی پیشانی چومی اور اگلے ہی پل مستعل ہوا جس پر عالیہ نے شاکی نگاہ سے سادان کو دیکھا جیسے کوئی ان کہی سی التجاء تھی جس نے سادان کے رواں قدم روک دیے تھے۔

نہیں سادان، وہ خود بھی تکلیف میں ہیں۔میں یہاں کچھ وقت اس ماحول" اس گھر سے دور رہنا چاہتی ہوں۔تم انھیں کچھ مت کہنا، پلیز"یہ کیسی بات کہہ رہی تھی عالیہ جس پر سلطانہ اور سادان دونوں ہی پتھر ہو کر رنجید گی میں جا لپٹے اور کئی آنسو پھر سے عالیہ کی آنکھوں میں رواں ہوتے گئے۔

آپ ابھی بھی۔۔۔"سادان کی دلبر داشتہ ہو کر کہی بات کو عالیہ نے" مکمل نہ ہونے دیا اور سلطانہ کے سینے سے لگی رو دی۔

ہاں، کیونکہ وہ شخص میری محبت بھی ہے۔اب زندگی کے اس موڑ پر مجھے " ان سے نفرت بھی ہو جائے تو میں نہیں رہ سکتی دور۔ سادان پلیز تم مجھے سمجھ سکتے ہو، یہ میرے بس میں ہوتا تو شاید یہاں آنے کے بجائے کہیں کسی نہر میں جا کر مر جاتی۔ میں بس چاہتی ہوں وہ شخص بھی اتنا تڑپے جتنا میں نے سہا ہے اور پھر معافی دے دوں گی" عالیہ کے لہجے میں نمی اور کھارے پانی سا ذائقہ تھا اور وہ جو کہہ گئی اس نے سادان اور سلطانہ دونوں کو لاجواب کر دیا تھا۔

سادان تو دلخراشی سے ایک نظر اپنی اس پاگل بہن پر ڈالتا ہوا رہ گیا جو وہ حساب کر رہی تھی کہ آ بیل مجھے مار۔ یہ سارے حالات تو سادان کو ذہنی مریض بنانے پر تلے تھے۔ مگر سادان نے تبریز سے ایک حتمی ملاقات کا عہد باندھ لیا تھا۔

اماں سائیں آپ آپی کا دھیان رکھیے گا، میں بلقیس کو کہتا ہوں انکے لیے " کچھ اچھا سا بنائے۔ان درندوں نے انکا یہ حال کر دیا پھر بھی یہ اسی کمینے کے

گن گا رہی ہیں۔ یااللہ مجھے صبر دے" سادان اب اپنے لہجے میں فکر اوڑھنے کے باوجود اپنی برہمی اور غصہ چھپانہ پایا اور عالیہ تو اب اس قدر بے حال تھی کہ درد دیتی آنکھیں بھی موندھ گئی جبکہ سلطانہ کے پاس بھی کہنے اور برداشت کرنے کو سارا ضبط ختم ہو گیا تھا۔

انکے بس میں صرف دعا کرنا تھا اور وہ ابھی بھی کر رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

درمان، بچے ٹھیک ہے تُو" انجیل تو آج خود ذرا محتاط سی تھیں کیونکہ ضبط" کے دہانے پر خونخوار بلا بن کر فائز ہوتا درمان آج سامنے والے کو کپکپاہٹ میں مبتلا کر رہا تھا۔

اسکی سرخ انگارہ آنکھیں ہار کی ترجمانی کر رہی تھیں مگر ماں کے فرعونی حوصلے تھے کہ آسمان پر فائز تھے۔

تبریز کی جان لے کر ہی مجھے سکون آئے گا، یہ سب کیا ہو رہا ہے اماں" سائیں۔ آج یوں لگا جیسے کلیجہ کٹ کر گرا ہو۔ مجھے تکلیف ہو رہی ہے، بہت زیادہ "تو گویا دوسروں کو سوہان روح تکلیف دیتے فرعون کا آج اپنا سینہ بھی درد سے پھٹ گیا جو اس وقت انجیل کو بہت بڑا خطرہ ہی لگا۔

وہ درمان کو ہرگز ایسا کمزور نہیں دیکھنا چاہتی تھی کیونکہ ابھی تو ان لوگوں نے کئی اور مظالم ڈھانے تھے، ستم کے پہاڑ توڑنے تھے۔

مرد بن درمان، یہ عورتوں کی طرح ہمت ہارے گا تو لوگ تجھے کاٹ " کھائیں گے۔ مت بھول کے تُو اس گاؤں کا سب سے طاقت ور انسان ہے۔ تبریز کا معاملہ مجھ پر چھوڑ اور تجھے اس وقت بس اس خرافہ والے معاملے کو دیکھنا ہے "انجیل ہر ممکنہ حد تک درمان کے اندر کی معدوم ہوتی بے حسی کو پھر سے بڑھاوا دے کر اسے درندہ بنے رہنے پر اکسا رہی تھی اور درمان نے ایک دلخراش نظر اٹھا کر ماں پر ڈالی اور اٹھ کر ان تک پہنچا۔

تبریز کے ساتھ جو کروں گا میں خود کروں گا، قسم کھاتا ہوں اس کا بدلا اس سے لے کر رہوں گا۔ دوسری بات اس خرافہ کی توکل میں اسی کام میں خود آگے پیچھے کے گاوں جاوں گا اور ضرورت پڑی تو شہر بھی کھود ڈالوں گا۔ یہ جو مجھ سے چھپ کر سمجھ رہے ہیں کہ خلاصی پا جائیں گے، بہت بڑی بھول میں ہیں۔ اب ہر کوئی درمان حق کے اصل حیوانی روپ کو دیکھے گا جس پر ان حالات نے مجھے مجبور کر دیا ہے" بس اماں کے بھڑکانے کی دیر تھی اور درمان کے اندر بجھتی آگ پھر سے شعلوں کی مانند بھڑک اٹھی اور انجیل بیگم کے چہرے پر اپنی کوشش کی کامیابی پر خبیث سی ہنسی پھیلی۔

"شاباش، یہ ہوتا ہے مرد۔ اس تبریز نے اگر ایسا نازک وار کیا ہے تو اسے بھی ویسی ہی مار مارنی ہو گی۔ باقی عورتیں تو ہوتی ہی مردوں کی وحشت سہنے کو، اس میں عالیہ نے کونسا تیر مار لیا۔ ویسے بھی جو تجھ سے بے عزت ہو جائے اسکی مت تو ویسے بھی ماری جاتی ہے۔ عالیہ بھی کچھ روز رو دھو کر چپ کر جائے گی اور تب تک تبریز کی عقل بھی لائن پر آجائے گی۔ اتنے

سیدھے معاملے کو خامخواہ طول دینے کا کیا تک بنتا ہے، یہ سب تجھے تیرے مقصد سے ہٹا نہیں سکتے سمجھا ہے" واہ انجیل بیگم، شیطان تو صدمے سے مر گیا ہو گا کہ یہ بڑھی تو مجھ سے بھی ستر ہاتھ آگے کی خبیث ہے اور ایسے میٹھے انداز سے اس نے درمان کے دل میں بیٹی کے لیے پیدا ہوتی ہمدردی ختم کی کہ لمحے تک چینخ اٹھے۔

یہ دادی کم کوئی ڈائن زیادہ تھی، جسکے لیے کوئی رشتہ اہم نہ تھا سوائے اپنی حکمرانی اور بادشاہت کے۔ درمان حق بھی آج یوں لگا جیسے اس عورت کے ہاتھ کی ایک کٹھ پتلی ہے کیونکہ اصل ماسٹر مائنڈ تو انجیل تھی جو آج تک اس سارے ہولناک کھیل کو لیڈ کر رہی تھی۔

درمان حق جسکی عقل پر پتھر پڑے تھے، یوں متفق اور پر سکون ہوا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

ایسے لوگ صرف عذاب کے مستحق تھے، سخت عذاب کے مستحق۔

"مجھے یہ منگو نے کتے اس تھا گیا ہو پاگل تو میں ،سائیں اماں ہیں رہی کہہ سہی

سب اسطرح بتایا کہ میرا خون سلگ گیا تھا۔ باقی آپ جیسا بہتر سمجھیں ابھی

میں کچھ دیر سونا چاہتا ہوں ورنہ میرا دماغ پھٹ جائے گا" درمان چوہدری

نے بڑی جلدی سارا غصہ ایک طرف کیے بیڈ تک جا کر خود کو گرا لیا جس پر

انجیل بیگم کے چہرے پر مطمئین سی شیطانیت ظہور پذیر ہوئی اور وہ بھی

منہ پر دنیا و جہاں کی فکر سجائے درمان کو آرام کا کہنے کے بعد باہر نکل گئیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"ابھی موقع اچھا ہے، عاقل تم ابھی جاو اور منظور حسین کو فلذہ سے ملوا لاو۔

ابھی شام کے چھ بجے ہیں، کوشش کرنا کہ سحر سے پہلے لوٹ آو۔ مجھے لگتا

ہے آج ہمارے پاس فی الحال یہ آخری موقع ہے۔ دھیان سے جانا اور یہ

رضوان تمہارے ساتھ رہے گا خفاظت کے لیے، کچھ بھی ہو فوری مجھ سے

رابطہ کرنا" آج موسم ابر آلود ہونے کے باعث چھ بجے ہی اندھیرا پھیلا تھا

اور یہ حویلی سے کچھ قدم دور جگہ تھی جہاں سادان، عاقل اور رضوان نامی گاوں کا ایک آدمی تھا جو گن پکڑ کر سادان کی اس بات پر ایک دم فرمابرداری سے سر ہلا رہا تھا۔

عاقل نے بھی پوری جی داری سے سینے پر ہاتھ رکھے سادان کو تسلی دی۔

"یہ گاڑی ڈاکٹر کبیر کی ہے، اسکا یہ لائسنس کارڈ پکڑو۔ رضوان تم پر ان سب کی ذمہ داری عائد کر رہا ہوں میرے بھائی یہ رازداری سے معاملہ طے ہو جائے بس۔ اب تم دونوں نکلو اور رضوان کو منظور کو لینے بھیجو اور عاقل تم یہیں انتظار کرو" سادان اس وقت ہر طرف نظر رکھے ہوئے تھا، جہاں اسے حویلی کے اندر کی سازشوں کا خوف تھا وہیں اب عالیہ کی پریشانی اور فلذہ کی فکر بھی تھی۔

آج اگر یہ لوگ جاتے تو ممکن تھا یہ سب راز ہی رہ جاتا ورنہ کل سے ویسے بھی اس درمان نے ہر جگہ تلاش شروع کرنی تھی۔

سادان ان دونوں کو ہدایت کرتا خود بھی واپس مڑا اور یہ سارا کچھ شاویز کو میسج کر کے بتادیا جس پر وہ بھی وہاں یہ سارا معاملہ طے کروانے کو چوکس تھا۔

اس وقت فلذہ کی زندگی میں باباجان سے ملاقات ہی اس معصوم کو بہتر کر سکتی تھی اور سادان نے عین ٹھیک وقت پر یہ تیر بلکل نشانے پر لگا کر ایک ساتھ دو کام کیے۔ایک تو فلذہ کی اسکے بابا سے ملاقات دوسرا اپنے وعدے کی پاسداری کے ساتھ فلذہ کی خفاظت کا عہد بھی نبھادیا تھا۔

سادان عاقل کے روانگی کے میسج تک وہیں باہر رہا اور پھر یہاں وہاں محتاط سے نظریں گھماتا حویلی میں داخل ہوا جو اس شام کے وقت بھی سوگ اور خاموشی میں غرق تھی۔

سادان اندر کی جانب بڑھنے ہی لگا کے حویلی کے صحن میں بے قرار سی طبعیت کے سنگ ٹہلتے کرمان کو دیکھ کر اندر جانے کے بجائے وہیں انکی سمت بڑھ گیا۔

دونوں ہی نڈھال رہتے آئے تھے پر آج سادان نے چاچو کے چہرے پر بہت الگ سا رنج دیکھا اور اسکے لیے حیرت کی بات یہ تھی کہ انکی آنکھیں سرخی مائل ہو رہی تھیں۔

"چاچو، آپ پریشان مت ہوں۔ آپ تو میری ہمت ہیں اور آج آپکے چہرے کا یہ اندھیرا مجھے خوفزدہ کر رہا ہے" عین کرمان کے روبرو کھڑا ہو کر سادان نے انکے کندھے پر ہاتھ دھرے تاسف اور مان سے کہا جس پر وہ زخمی سا مسکرا کر کندھے پر رکھے سادان کے ہاتھ پر دباو ڈالے سر ہلا گئے تھے۔

"میں بس تھک گیا ہوں سادان، مجھے خوف آ رہا ہے ان حویلی کی چار دیواریوں سے۔ سادان ایک بات کہوں؟" کرمان کے سینے کا آلاونا جانے کیسی تکلیف رکھتا ہو گا جو آج وہ بہت منتشر سے لگ رہے تھے۔

اک ان کہی سی تکلیف تھی جو کرمان کے وجود پر لرزاں طاری کیے تھی جس نے سادان کو بھی اب سخت پریشان کیا تھا۔

جی چاچو کہیے، کیا ہوا" وہ بھی فکر میں غرق ملائم پن سے بولا جس پر کرمان نے ایک تھکی سی سانس خارج کی جیسے وہ نہ لیتے تو دل پھٹ جاتا۔

شاویز کو کہو کہ وہ کومل کو کسی طرح وہیں روک لے، میرا مطلب کچھ " بھی۔ میں وہ سب نہیں سہہ پاوں گا سادان۔۔۔۔ عالیہ کی تکلیف میرا سینہ چھلنی کر گئی ہے اور اگر کل کو بھائی اور اماں سائیں نے کومل کو بھی کسی درندے سے باندھ دیا تو میں مر جاوں گا۔ سادان تم اسے کہو کومل سے شادی کر لے، بس وہ اسے اس جہنم سے نکال لے" یہ سب کرمان مخدوش سی حالت میں سخت تکلیف سے کہہ گئے اور سادان تو پہلی بار کرمان کو یوں کانپ کر ایسی بُری حالت میں آتا دیکھ کر دو سکینڈ کے اندر انکو اپنے سینے سے لگا کر جکڑ چکا تھا اور کرمان کی شفیق آنکھیں درد سے ابل پڑیں۔

چاچو، کیوں میرا دل دہلا رہے ہیں۔ کیا ہوا ہے آپکو، ٹھیک ہے میں شاویز" سے ضرور کہوں گا مگر آپ خود کو سنبھالیں۔ آپ کب سے یوں ہمت ہارنے لگ گئے، پلیز میرے پیارے سے دوست ہمت رکھیے" اس قدر پیار

سے وہ کرمان کا ٹوٹا دل جوڑ رہا تھا کہ آج انھیں شدت سے مزید تکلیف ہوتی جا رہی تھی۔ آج کوئی پرانا زخم کا ٹانکا ادھڑ گیا تھا تو سکون و آرام کی دستیابی سہل نہ تھی۔

"ہاں ٹھیک ہوں میں، بس تم یہ لازم کرنا۔ اور دوسرا افلذہ کو کبھی مت چھوڑنا۔ فلذہ تمہاری ڈھال ہے اور اسے کبھی اپنی کمزوری مت سمجھنا۔ باقی میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں" دل پر کچھ دیر ضبط باندھے وہ سادان کا چہرہ ہاتھوں میں بھر کر اک دلسوز لے میں کہہ کر اپنی درد کے لاوے سے بھری آنکھیں رگرتے اندر بڑھ گئے اور سادان وہیں ذہنی دباو میں ماتھا مسلتا ہوا انھیں جاتا دیکھتا رہا۔ ویسے یہ جو کرمان کہہ گئے تھے یہ خود بھی شہزادے کی خواہش تھی کہ کومل کو شاویز جیسا ہمسفر ملتا۔

کچھ تو تھا جو کرمان چھپا گئے تھے، کیا راز تھا آخر جو اس خونخوار حویلی کی بنیادوں کے نیچے دفن تھا۔ شاید کچھ ایسا جو ان سب کی روحیں ہلا دینے والا تھا۔

یا اللہ یہ سارے حالات مجھے پاگل کر دیں گے، میری مدد کریں۔ چاچو کو" کچھ تو ہوا ہے، آج سے پہلے یہ اس حالت میں کبھی نہیں آئے" سادان کی چھٹی حس یہ ماننے کو تیار ہی نہ تھی کہ کرمان کو کچھ نہیں ہوا اور یہ سوچ سوچ کر سادان کا دماغ بھی اب درد کر رہا تھا۔ ابھی تک تو شہزادہ بہت بے سکون تھا مگر ممکن تھا کل کا دن اسکے تھوڑے سکون کا باعث ہوتا کیونکہ اللہ بہت بے نیاز ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ جو سادان کے ساتھ ساتھ اب اپنے بابا جان کو یاد کرتی بے جان ہو رہی تھی، یہ لمحہ اسکی زندگی کا سوز میں لپٹا ہو کر بھی جان تو سے عزیز تھا جب لخت جگر کی آنکھوں کے سامنے کوئی اور نہیں اسکے پیارے بابا تھے۔ ٹھیک رات دس بجے عاقل اپنی پوری احتیاط اور ذمہ داری کے ساتھ شاویز کے

گھر آچکا تھا اور یہ دلخراش لمحہ اسد صاحب اور گلناز کی آنکھیں تو تر کر گیا مگر کومل بھی بلکل فلذہ کی طرح روئی سی خوشی میں مبتلا تھی جس پر شاویز کی نظریں مہربانی اور محبت سے جمی تھیں۔

منظور حسین کی تو گویا آنکھوں سے جاتی بینائی لوٹ آئی تھی، چند دنوں کی دوری اس بوڑھے باپ پر نہایت کٹھن رہی تھی اور اسکی ترجمانی منظور حسین کا تاریک چہرہ کر رہا تھا۔

وہ تاریک تھا پر آج فلذہ پر صرف رشک کر رہا تھا، کل تک پیارے بابا کی شہزادی آج اتنی سندر ہو گئی کہ اسے بلا جھجک پوری دنیا کی شہزادی کا لقب دیا جا سکتا تھا۔

وہ سانولی تھی، گہرا پر کشش گندمی رنگ مگر چہرے پر چمک اور ملائم پن پھر اسکے بعد جینے کی اتنی بڑی سبیل کے سائیں نے وعدے کی پاسداری شروع کر دی اور آج وہ اپنے بابا کے سینے سے لگ کر روتی رہی۔

اسد صاحب خود اس سچویشن میں ہلکان تھے، وہ ان مظلوموں پر ڈھائے ہوئے ظلم پر اللہ سے بس اب انکی آسانی طلب کر رہے تھے۔

کومل کے چہرے پر ویسی خوشی تھی جیسی فلذہ کی تڑپتی آنکھوں کے باوجود چہرے پر تھی۔

دوست ہو تو شاویز جیسا اور ہمدرد ہو تو کومل جیسی۔ یہ دونوں ہی اللہ کے پیارے تھے اور کیا حسن اتفاق تھا کہ کومل کے دل کی بے قرار زمزیں شہزادے شاویز پر اثر انداز تھیں۔

عاقل کو سادان نے گیارہ تک منظور حسین کو واپس لانے کا کہا تھا اور یہ اس وقت اشد اہم تھا، سادان ہر چیز کو بہت تسلی سی کنڑول کیے ہوئے تھا اور اسکی معاملہ فہمی اس وقت آزمائی جا رہی تھی۔

جب منظور حسین نے فلذہ کو گاوں کے سنگین حالات کا بتایا تو اس سمیت باقی بھی پریشان ہوئے تھے۔ سادان کی مشکلات کے لیے سب دعا گو تھے۔

میری فلذہ، تُو اگر اس دنیا میں کسی کے پاس محفوظ ہے تو وہ یہی جگہ ہے" میرا بچہ، وہ سائیں تیرے ہی نہیں میرے بھی ہو گئے۔ میں تیرے سکول والے کاغذ وغیرہ بھی لایا ہوں۔ میری فلذہ پڑھے گی، اس قسمت پر تیرے بابا قربان جائیں۔ میری پھول جیسی فلذہ کو پھول سا سایہ ملا، سچ پوچھ تو تیرے بابا بس اسی وجہ سے زندہ ہیں۔ میری فکر مت کر، میں اچھا ہوں۔ تو ٹھیک رہے گی تو میں بھی جیتا رہوں گا۔ نہ میرا بچہ رو مت، تیری قسمت تو اب رونے والی نہیں رہی۔ میری پاکیزہ فلذہ، اللہ تجھے کسی دکھ سے ہمکلام نہ کریں" پیارے بابا کی آنکھیں اس مختصر ملاقات پر نم تو تھیں پر ان میں پیاری فلذہ کے آسودہ ہونے کی خوشی تھی۔

وہ بھی بہت روئی، سارے وعدے ٹوٹ گئے مگر کہیں نہ کہیں اپنے بابا کو دیکھ کر وہ پر سکون بھی تھی۔

منظور حسین نے اسکا ماتھا دیر تک چوما، نا جانے وہ پھر فلذہ کو دیکھ بھی پائیں گے یا نہیں۔ لہجے میں آہ و فگاں تھی پر دلوں میں ایک دوسرے کی فکریں بھی جا گزیں تھیں۔

آپ مجھے بہت یاد آئے بابا، میں بہت جلد آپکے پاس آجاوں گی۔ بابا اپنا" خیال رکھنا، بابا جان آپ رویئے گا مت۔ آپکی فلذہ ٹھیک ہے، پیارے بابا آپ مجھے بہت یاد آئیں گے" وہ بھی سارا ہی رو دی تھی، کسر ہی نہ چھوڑی۔ سب ہی اشکبار تھے۔

ملن کے مختصر وقفے نے وقتی تکلیف تو دی مگر دل آسودہ ہو گئے تھے۔

بچھڑنا کتنا مشکل ہے، پھر چاہے وہ فلذہ کے لیے اپنے بابا سے بچھڑنا ہو یا پھر اپنے سائیں سے۔

کئی دعاوں اور پیارے بابا کے شفیق لمس کی چھاوں کے لمحوں میں لپٹی فلذہ پھر سے بابا سے جدا ہوئی پر اب کی بار دل خوشی سے رو رہے تھے۔

عاقل ٹھیک گیارہ تک منظور حسین کو لے کر واپسی کے لیے نکل چکا تھا۔

راستے میں جاتے ہوئے بھی کوئی مشکل نہ آئی اور الحمد اللہ آتے ہوئے بھی اللہ پاک نے ان لوگوں کو آسمانی مدد فراہم کی۔ سحر سے پہلے ہی وہ لوگ گاوں پہنچ گئے اور ایک بار پھر رضوان نے پوری رازداری سے منظور کو اسکے گھر پہنچایا اور عاقل بھی ڈاکٹر کبیر کو انکی گاڑی انکے کلینک دے کر فجر سے پہلے ہی حویلی لوٹ آیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سادان نے فجر کی نماز میں وعدے کی پاسداری کے لیے دل ہلکا کیے دعا کی اور جائے نماز فولڈ کر کے رکھتا خود تیمور کے کمرے کی طرف بڑھا۔

اسے اب تیمور کے ڈھیٹ پن سے وحشت ہو رہی تھی اور وہ بھی ممکن تھا اب کچھ اکڑ زائل کر چکا ہوتا۔

سفید کاٹن کے کف داری سوٹ میں شہزادہ اس وقت بادشاہ ہی لگ رہا تھا، آج شیو تھوڑی زیادہ بڑھی تھی جس میں سادان کا وجیہہ سراپا اور زیادہ ممتاز تھا۔ قد چھ فٹ کے قریب اور توانا وجود اوپر سے وہ اس حویلی میں سب حسین افراد سے کئی درجے زیادہ پیارا اور مٹھاس رکھتے نقوش لیے ہوئے تھا۔

وہ رنگ بدلتی طلسمی آنکھیں سفید پر نیلی لگتیں، اور گہرے رنگوں پر یوں لگتا گرے رنگ اوڑھ گئیں۔ اور جب وہ تکلیف میں ہوتا تو سبز رنگ جیسی ہونے لگتیں جو شاید آنکھوں کے کنارے پر پھیلتی سرخی کے باعث ہوتا تھا۔

تمیوران کچھ دنوں میں ہی لاغر اور کمزور سا ہو گیا اور دوسری طرف اسکے دونوں خبیث یار بھی اسکی فکر میں ہر الٹا کام چھوڑے گھروں میں محصور ہو کر خوفزدہ تھے کہ کہیں اگلی پھینٹی پڑنے کی باری انہی کی نہ ہو۔

سادان نے سخت اداسی سے تیمور کو دیکھا اور چلتا ہوا اسکے سرہانے بیٹھا اور اداسی سے اپنا ہاتھ اسکے بالوں میں پھیرنے لگا۔

"تیمور، میرے بھائی۔ جب تک تم مجھ سے بات نہیں کرو گے یہ مسئلہ کیسے حل ہو گا۔ تم جو چاہتے ہو وہ مجھے بتاو۔ میں تمہاری ہر جائز خواہش پوری کروں گا۔ لیکن یوں خود پر ہر چیز بند کر کے میرے ساتھ سبکو تکلیف مت دو" وہ جو جاگ رہا تھا، سادان کے آتے ہی سختی سے آنکھیں بند کر گیا مگر سادان آج ہر صورت یہ معاملہ بھی حل کرنا چاہتا تھا۔

اور یہ بہت غیر دانستہ تھا کہ تیمور نے سرہانے سے اپنا سر اٹھا کر سادان کی گود میں رکھ کر اپنی درد کرتی سرخ متورم آنکھیں کھولیں جن میں نمی تھی اور سادان کو آج پھر سے اپنی دی مار پر دکھ ہوا کیونکہ تیمور کے چہرے پر ابھی بھی سرخ نشان واضح تھے۔

"جو کہوں گا دیں گے؟" تو گویا اس کی بھی ہمت ٹوٹ چکی تھی، آخر کب تک وہ اس تنہائی اور بھوک ہڑتال کو سہتا آخر وہ بچہ ہی تھا۔

ہاں بلکل، لیکن تب جب تم اپنی حرکتیں درست کرو گے۔ بولو کیا" چاہیے ؟" سادان ابھی بھی لہجے میں نرمی کے ساتھ سختی لیے ہوئے تھا جس پر تیمور اٹھ کر بیٹھا تو سادان کے اسکی ابتر حالت کو افسوس سے دیکھا۔

رمشہ، مجھے وہ چاہیے "اس لڑکے کی مری حالت میں بھی سوئی اسی لڑکی پر" تھی جس پر اب سادان کو باقاعدہ غش آیا۔

اب تو سادان کو بھی یہ معاملہ کچھ اور ہی لگا تبھی اس نے تیمور کی گال پر اپنی ہتھیلی رکھے نرمی سے دیکھا۔

اچھا وہ چاہیے، پر اسے تم جیسا تو میرے خیال میں ہرگز نہیں چاہیے ہو گا" جو اسکی عزت سے کھیلنے والا تھا" سادان اسے مسلسل کرید رہا تھا اور تیمور تھا کہ اب بات بات پر روہانسا ہو رہا تھا۔

میں نے بابا اور اماں کو کہا بھی تھا میری شادی کروادیں اور انہوں نے مجھے " بہت برا ڈانٹا، مجھے اور کچھ سمجھ نہیں آیا۔ مجھے وہ لڑکی چاہیے بس اور میں کچھ

نہیں جانتا، یہیں پڑے پڑے مر جاوں گا ورنہ" سادان پر ایک اور انکشاف نے گویا بجلی گرائی اور اب اسے معاملے کی سنگینی کا علم ہوا۔

کبھی کبھی والدین کو بھی بچوں کی بات کو توجہ دینی چاہیے ورنہ وہ پھر مجبور ہو کر ایسی گندی طرف نکل جاتے ہیں جو بعد میں سبکی ذلت بنتی ہے۔

تیمور پر اب سادان کو ترس آرہا تھا اور نا جانے تیمور یہ سب کیسے کہہ گیا۔ شاید اسکی اکڑ جھاگ بن چکی تھی۔

تو بات یہ ہے، تم میرے پاس کیوں نہیں آئے۔ عقل تو اللہ نے سبکو برابر دی ہے ناں" سادان کی برہمی پر تیمور نے اسے شاکی پن سے دیکھا اور نڈھال سا سر جھکا گیا۔

آپ مجھے بتائیں کیا آپ مجھے رمشہ دے سکتے ہیں یا نہیں" تیمور کے تیور یک دم بھڑکے اور سادان کو اسکی ذہنی حالت اب واقعی ہلی لگی تھی۔

یار وہ جیتی جاگتی لڑکی ہے، ٹافی تھوڑی ہے۔ اچھا چاہتے کیا ہو؟ نکاح چاہتے ہو؟" سادان نے اب جان بوجھ کر تھوڑا تناؤ ہٹانے کو پوچھا جس پر وہ ربوٹک انداز سے سر ہلا گیا۔

"اممم، ٹھیک ہے میری چند شرائط ہیں۔ اگر تم مان لو تو میں جلد ہی اس سے تمہارا نکاح کروا دوں گا" سادان نے ملائم پن برقرار رکھا جس پر تیمور نے گردن اٹھا کر یوں دیکھا جیسے یہ شرائط کا سن کر اسے خاص کرنٹ لگا ہے۔

"پہلی بات کہ یہ صرف نکاح ہو گا، شادی تم دونوں کی آٹھارہ سال کی عمر میں ہو گی۔ دوسری شرط کے تم آج سے اپنے ہر آوارہ دوست اور برے کام کو چھوڑ کر پڑھائی پر توجہ دو گے۔ رمشہ تم سے نکاح کو آسانی سے نہیں مانے گی مگر اگر تم مجھے یہ دو شرائط ماننے کا وعدہ دیتے ہو تو میں اس بچی کو خود جا کر مناؤ گا۔ بولو، منظور ہے؟" سادان کو اس معاملے میں بھی اپنی جیت دیکھائی دے رہی تھی مگر تیمور اس بات پر ششش وپنج میں اور تلملاہٹ میں مبتلا تھا۔

اسکے لیے یہ سب چھوڑنا بہت کٹھن تھا اور اسی قربانی پر اسے سادان رمشہ دینے کا کہہ رہا تھا لھذا سودا مہنگا بھی نہ تھا۔

دو تین منٹ تک سادان اور تیمور میں خاموشی رہی اور پھر سادان کے ہونٹوں پر مسرت آمیز رمک تب جاگی جب تیمور نے آہستگی سے ہامی بھرتے اپنا سر ہلایا۔

سادان نے اسے پیار سے اپنے سینے سے لگایا اور آج وہ دو دو آسودگیوں پر کچھ بہتر تھا۔

چل اب مجھے بھی معاف کر دے، اور فریش ہو جا۔ آج میں اپنے چھٹکے" شہزادے کے ساتھ ناشتہ کروں گا۔ میری تو جان ہے تجھ میں تیمور، برا نہیں ہوں بس تیری بھلائی چاہتا ہوں" سادان نے اس سے اپنے تمام سخت رویے کی معافی مانگتے ہوئے بہت مان سے کہا جس پر تیمور نے بس بے دلی سے سر ہلایا اور بھوک کی تو پوچھیے ہی مت۔ تیمور کو اب لگا وہ دنیا پوری کھا جائے گا۔

سادان اسے فریش ہونے بھیجتا ہوا خود بھی اک سکھ کا سانس خارج کرتا اپنے کمرے میں آگیا۔ ابھی اور بہت سے بگھاڑ باقی تھے۔ ممکن تھا آج یاور کی رپورٹ آجاتی اور ساتھ ہی سادان نے عاقل کو واپس آتے ہی اب تبریز کی تلاش کا کام سونپا تھا کیونکہ سادان تبریز سے بھی اک ملاقات ضروری سمجھ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چہرے پر سنجیدگی کی چھاپ سجائے سادان اب اپنے کمرے میں کھڑکی کے پاس کھڑا کرمان چاچو کے کل کے رویے پر غور کر رہا تھا۔ تیمور کو اس نے آج اپنی نگرانی میں ناشتہ کروایا تھا جسکے بعد وہ پھر سے سو چکا تھا۔
جبکہ سادان پھر سے کمرے میں آکر ٹہل رہا تھا، ابھی تک عاقل کو تبریز کی کوئی خبر نہیں ملی تھی۔

آخر چاچو کو کیا ہوا تھا کل، کوئی تو بات ہے جو انکے اندر سلگ رہی ہے""""

سادان دونوں ہاتھ سینے پر باندھے فکر مندی سے باہر حویلی کے صحن میں کسی غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے ہوئے سوچ رہا تھا۔

اسکے فون کی مدھم سی ٹون پر سادان کی سوچیں منتشر ہوئیں اور اس نے جھک کر سائیڈ ٹیبل سے فون اٹھایا جہاں کومل کی کال آرہی تھی۔

کومل کو نام دیکھ کر پھر سے سادان کو رات کرمان کی کہی بات یاد آئی اور وہ الجھن زدہ ہوئے فون ریسو کیے کان سے لگا گیا۔

دوسری طرف وہ دونوں ہی پیارے سے مسکان زدہ چہرے کے سنگ چھت پر تھیں اور آج یہاں لاہور میں بھی صبح سے بارش ہو رہی تھی۔

فلذہ تو اپنے ہاتھ باہر نکالے اپنی ہتھیلیوں کو گیلا کرنے کا پیارا سا شغل کیے حسین لگ رہی تھی جبکہ کومل نے سادان کو پھر سے اسکی فلذہ سے بات کروانے اور فلذہ کی خوشی کا بتانے کو فون کیا تھا۔

سادان، آپکی فلذہ بہت خوش ہے۔ آپ یقین نہیں کریں گے وہ بارش "
سے کھیل رہی ہے۔ بچوں کی طرح" فون لگتے ہی فلذہ سے کچھ دور کھڑی
کومل نے رشک سے آٹی نگاہیں فلذہ کے سراپے پر ٹکائے کچھ پل شہزادے
کو بھی خوشی سے مزین مسکان دی تھی اور شہزادہ بھی تو چاہتا تھا کہ فلذہ پر
زندگی کے بند سارے دروازے کھل جائیں۔

سچ کہتے ہیں سب سے بڑی آسودگی محبت ہے، ہر تکلیف ہر دکھ اپنے اندر
سمیٹ کر بھی حسین تر رہتی ہے۔

جانتا ہوں، خوشی بنتی بھی ہے۔ خیر مجھے تم سے کچھ بات کرنی تھی""
سادان نے مدھم سی مسکان کے سنگ پہلی بات کی اور اختتام تک وہ سنجیدہ
ہوا جس پر کومل بھی متوجہ ہوئی۔

جی سادان کہیے" کومل کو اسکا یوں تمہیدی انداز فکر میں مبتلا کر گیا جس پر "
وہ استفسار کیے تھوڑی محتاط ہوئی۔

شاویز کیسا لگتا ہے تمہیں، میرا مطلب اگر میں اسکے لیے تمہارا رشتہ "
مانگوں۔یعنی کہ مجھے خوشی ہو گی کہ شاویز جیسا قسمت کا سکندر تمہاری
زندگی میں شامل ہو۔اگر تم کسی اور کو پسند کرتی ہو یا ایسا کچھ ہے تو مجھے بتا
دو"سادان نے اس قدر اطمینان سے اتنی غیر یقین بات کی کہ کومل کے
ہاتھ سے فون چھوٹتے چھوٹتے رہ گیا اور اس اچانک کے سوال پر وہ سرد
برف کی طرح جم سی گئی۔

یہ بالکل کسی حادثے سا تھا، جو کومل کو بحرِ حیرت و بے یقینی میں ڈبو گیا۔
اسکے رونگٹے کھڑے ہوئے اور سانس کا ربط تک متاثر ہوا۔

یہ تو کومل کی زندگی کا سب سے بڑا ارمان تھا مگر نا جانے کیوں یوں سادان
کے اچانک پوچھنے پر اسکی زبان اسکا ساتھ چھوڑ گئی۔

تم خاموش مت رہو، میں تمہارا دوست بھی ہوں۔ تم نے جو کچھ میرے "
لیے کیا ہے میں بس چاہتا ہوں کہ تمہیں کوئی تمہارے معیار کا ساتھی ملے
اور میرے لیے اس وقت اگر کوئی ایسا بے مول انسان اس روحِ زمین پر
ہے تو وہ شاویز ہے۔ تم مجھے ایک دو دن تک سوچ کر بتا دو تا کہ پھر میں یہ
بات آگے کروں، اور یہ خواہش میرے ساتھ ساتھ تمہارے بابا کی بھی
ہے "ایک اور برف میں محبوس کرتا انکشاف تو کومل کی نازکی پر بھاری تھا،
وہ دعاوں کی اثر انگیز قبولیت پر بس سجدہ شکر چاہتی تھی۔

آنکھوں میں اللہ کے اس انعام پر نمی کا جہاں تھا اور سادان ابھی بھی سراپا
منتظر تھا۔

مجھے کوئی اعتراض نہیں، جو بابا اور آپکی خوشی۔ فلذہ سے بات کرواتی "
ہوں "کومل سے خوشی کے مارے بات ہی نہ کی جا رہی تھی اور سادان کو
اس پیاری سی رضامندی پر خوشگوار سی آسودگی کا احساس ہوا اور اگلے ہی پل
کومل فلذہ تک آئی اور اسے فون پکڑائے تیزی سے مڑ گئی۔

ساداں کی اب ساری توجہ محترمہِ خاص کی جانب تھی جو فون کان سے لگائے پیارا سا مسکرانے کا شغل فرما رہی تھیں۔ آج وہ مکمل وائٹ میں بادلوں جیسی نرم و نازک اور پیاری لگ رہی تھی۔ دوپٹہ اس نے سر پر ہمیشہ کی طرح ٹکا کر اسکا ایک سرا کندھے پر ڈال رکھا تھا۔

"آپ کا بہت سارا شکریہ، مجھ سے میرے بابا کو ملوادیا۔ میں بہت خوش ہوں کہ میرے بابا جان بالکل ٹھیک ہیں" آج تو مس سانولی کی آواز میں بھی چمک اور مہکار تھی اور ساداں نے بے حد مٹھاس میں ڈوب کر صوفے پر ٹکنے کے بعد کشن گود میں لیے خود کو تھوڑا نیم دراز کیا۔

"تم خوش ہو اور مجھے بس یہی تسلی کافی ہے۔ کچھ دن تک اپنی پڑھائی بھی شروع کرلو گی، پھر مزید خوشی ملے گی" وہ ساداں کی آواز سن کر پھر سے دل کو بھرا محسوس کر رہی تھی، دل تو اب ساداں کی جھلک دیکھنے پر بھی اصرار کر رہا تھا۔

آپ ساتھ واقعیٔ نہیں آئے، مجھے لگا آپ بھی آئیں گے "فلذہ کا چہرہ

مرجھایا اور شہزادے نے بنا دیکھے سانولی کے دل کی اداسی جان لی۔

کیا خوش نصیب سا لمحہ تھا کہ شہزادے کو اپنی اس اہمیت پر حد درجہ رشک

آیا۔

ارے محترمہ سیدھا سیدھا کہتی کیوں نہیں کہ ہمیں یاد فرمایا جا رہا ہے "وہ

بھی تو شہزادہ تھا، اب اس عیاشی پر تھوڑا شوخ پن تو بنتا تھا اور وہ گداز سانولی

تو ہلکی سی گھبراہٹ کے سنگ جھینپ سی گئی۔

فلذہ "یہ صدا، دل تک دھڑکا گئی۔"

فلذہ کو لگا بارش تھم کر برف باری شروع ہو گئی ہے اور وہ منجمد ہو کر رہ گئی

ہے۔

جی "قربان جائیں اس شفاف سے جی پر، سادان کے چہرے پر بہاروں کو"

مات دیتے رنگ لہرائے۔

ہم یوں لپک پڑے تھے تری سمت جس طرح"

اک تشنہ لب پرندے کو دریاد کھائی دے

دیکھا نہیں کسی نے مری آنکھ سے تجھے

ورنہ تو ساری دنیا کو اچھاد کھائی دے

مٹی کے سادہ رنگ پہ کھلتے ہیں جیسے پھول

ہر رنگ تجھ پہ اس طرح کِھلتا دکھای دے" دل نے تو ہاتھ سے چھوٹ کر اس پری روح کی اہمیت سے ہر سو مہکار پھیلادی تھی۔

تم خود کو مضبوط اور بہادر بناو، میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ تمہارے لیے" آسانیاں ہی آسانیاں پیدا کر دوں گا مگر پھر بھی کچھ امتحان ہم دونوں کو گھسیٹیں گے۔ یہاں کے حالات بہت سنگین ہیں، اگلے پل کچھ بھی ممکن ہے۔ میں چاہتا ہوں تم اپنی حفاظت سب سے پہلے خود کرنا سیکھو۔ کچھ دن تک کومل واپس آجائے گی اور شاویز بھی جاب پر چلا جائے گا، پھر تمہیں اکیلے سب فیس کرنا ہے۔ اسد بابا اور گلناز امی نے تمہاری ذمہ داری خوشی خوشی لی ہے، تم بھی ان حالات میں خود کو جلد سیٹل کرو۔ میری کوشش

ہے کہ یہاں سے تھوڑا ریلیف ملتے ہی میں تم سے ملنے آوں گا۔ گھبرانا مت، جب تک میں ہوں۔ تم تک پہنچنے والی ہر بری چیز کو روکنے کے لیے جان لگادوں گا۔ تم سمجھ گئی ہونا، کیا تم ان حالات سے لڑنے میں میرا ساتھ دو گی؟" سادان نے بنا رکے ایک لمبی سی فکر میں مزین بات کہی تو فلذہ نے سنے بلکے سن کر ان پر عمل کا عہد بھی دم سادھے یہ سارے لفظ نہ صرف لیا مگر پھر بھی ان سانولی سی رخساروں پر خود بخود نمی نے پھیلنا شروع کر دیا تھا۔

جی دوں گی" وہ بمشکل بول پائی اور سادان نے اسکی آواز میں وافع" کپکپاہٹ محسوس کی تھی جس سے وہ خود بھی اداس ہوا تھا۔

رو رہی ہو؟" وہ اسے یہ کہہ کر پتھر کر گیا اور اگلے ہی لمحے وہ سخت رو دی" جس پر سادان بھی پریشانی سے ٹیک چھوڑے سیدھا ہوا۔

فلزہ، ایسے تو مت کرو۔ میں نے کہا ہے میں تمہارے ساتھ ہوں، مت رو" پلیز" وہ پاس ہوتی تو سادان اسے سینے سے لگا کر محبت سے اسکے آنسو خود میں جذب کر لیتا مگر ابھی دونوں میں دوری تھی جو بہت ضروری تھی۔

فلزہ کیا بتاتی کہ وہ اسے شدت سے یاد کر رہی ہے، اور سادان سے جدائی کا سوچ کر پھر سے تکلیف میں مبتلا ہے۔

سادان کے کہنے پر وہ اپنے دلسوز آنسو اپنے اندر اتارے بے دردی سے اپنی آنکھیں رگڑ کر چپ ہوئی پر زرا سا رو کر ہی وہ ہلکان ہو گئی تھی۔

وہ مجھے خود ہی رونا آ گیا تھا" معصومیت سے وہ بھیگی پلکیں لرزاتی ہوئی" معذرت زدہ انداز سے بولی تو سادان کے ہونٹوں پر بے بسی سے تلخی ابھری۔

تمہارا رونا مجھے تکلیف دیتا ہے" سادان نے پوری سچائی سے اعتراف کیا تو" فلزہ نے دکھ سے اپنی دوبارہ بھیگتی آنکھیں رگڑیں۔

نہیں رو رہی نا، چپ کر گئی ہوں "اف یہ لڑکی، سادان کا بس نہیں چل رہا" تھا اڑ کر اس پگلی کے پاس پہنچ جاتا۔

وہ تو شہزادے کو گھائل پے گھائل کرتی جا رہی تھی اور شہزادہ اب خود اک ملاقات کی دعا کر رہا تھا۔

"گڈ، اب تھوڑا مسکرا دو" سادان نے ہنوز اداسی کے سنگ اپنی ملکہ سے فرمائش کی جس کو اس بھیگی پلکوں والی نے پورے احسن طریقے سے پورا کیا۔

"آپ کیسے ہیں؟" چلیں جی شکر ہے شہزادے کا بھی محترمہ کو خیال آیا پر یہ سوال یہ لڑکی کاش قریب ہو کر پوچھ لیتی تو سادان اسے حق سے بتاتا کہ وہ کیسا ہے۔

"میں بہت پیارا" جان بوجھ کر وہ اپنی اور فلذہ کی اداسی ہٹانے کو شریر سا ہوا تو اس شام جیسے دلکش اور پرکشش رنگ و روپ والی سانولی بھی مسکرائی تھی۔

جی پتا ہے مجھے" وہ بھی اسی انداز میں مان سے بولی، پیار اتو وہ تھا مگر" شہزادے کو تو بس سانولی پیاری تھی۔

تم مجھ سے زیادہ پیاری ہو، چاکلیٹی پرنسس" سادان کو نہیں پتا تھا کہ اسکی" اس بات پر مقابل ہنسی کھل اٹھے گی، وہ اتنا پیارا منہ پر ہاتھ رکھے ہنس پڑی کہ برستی بارش نے بھی رک کر اس ہنسی کا پہلے صدقہ اتارا پھر زمین بوسی کی۔

سادان تو اس سنہری ہنسی والی کی اس کھنک میں ہی قید ہو گیا تھا۔

یونہی ہنسا کرو، بلکے بس ہنسا کرو۔اب تم بارش سے اپنی اٹکیلیاں جاری" کرو مجھے اب ایک اہم کام سے نکلنا ہے۔ فکر مت کرنا، اور اپنا خیال رکھنا"

سادان کا دل تھا کہ تقاضے کرتا کرتا اسے بے جان کر رہا تھا اور وہ بھی پوری فرمابرداری سے مسکراتی ہوئی فون لیے نیچے چلی گئی جبکہ سادان نے وہیں صوفے سے سر ٹکا کر ایک تھکن آلود سانس بھری۔

مجھے اس سے محبت ہے، کیا یہ اسے کبھی کہہ پاؤں گا۔ وہ اس دنیا کی سفاک "
بھیڑ میں مجھ سے کھو نہ جائے، نہیں میرے اللہ مجھے فلذہ سے جدا مت کیجئے
گا۔ وہ دور رہے، جہاں جس مرضی دیس کی باسی بن جائے، بس وہ میرے
نام سے جڑی رہے۔ وہ میری بیوی رہے، وہ میرے نکاح میں میری آخری
سانس تک رہے اور کچھ نہیں مانگوں گا۔ مجھ مست کو بھا گئی ہے وہ سانولی،
اسکی مسکان اور اسکی خوشی کی حفاظت کریے گا" سادان نے اپنے تڑپتے
خوف زدہ دل کو سہلا کر پھر سے دعائے خیر کی، وہ خیر جو بس خیر تھی۔

شہزادے! وہ تمہارے نام تا عمر رہے گی، مت گھبراو۔

عاقل کے میسج پر سادان نے فون کی سمت دیکھا جہاں ایک لوکیشن سینڈ
ہوئی تھی۔

سادان نے خود کو پر سکون سا کیا اور فون لیے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھے فریش
ہونے چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ تیز تیز سانس لیتی دیوار کے ساتھ لگی کبھی مسکرادیتی تو کبھی گھبرا کر ہونٹوں کو دانتوں میں دبانے لگتی، بارش میں بھیگتا دل اور وجود یک جان تھے۔ سردیوں کی آمد کی اطلاع دیتی یہ بارش کومل کا دل بھی بہار کر گئی تھی۔

کیا واقعی اسکی دعائیں اتنی جلدی قبول ہو گئی تھیں، سرخ اور جامنی نفیس سے جوڑے میں اس وقت وہ پیاری نازک کومل سہمی ہوئی اور اڑی رنگت کے سنگ دیوار کا سہارا لیے باہر صحن کی گرتی پاگل بوندیں دیکھ کر دل پر ہاتھ رکھے مسکرادی تھی۔

دل و نگاہ پہ طاری رہے فسوں اس کا"

چلا ہے پاکیزہ ہونے سبھی جنون اس کا۔

کیا یہ سچ ہے۔۔۔۔۔۔۔یا اللہ آپ نے میری سن لی، بس اب تو آپ سے تا عمر کچھ نہ مانگوں بس شاویز مجھے ملیں تو میری آخری سانس تک میرے رہیں" شکر گزاری میں لپٹی زرا زرا کپکپاتی کومل جھلی ہو رہی تھی، شیدائی ہو گئی تھی۔

وہ میرے ہو جائیں گے ،اف یہ کیسا کرم ہے آپکا میرے اللہ۔میں ادنی" آپکے اس انعام پر قربان جاوں، میری تو ساری عمر سنور گئی۔یا اللہ آپکا بے حد شکریہ، میری محبت کو جنون اور دیوانگی بننے سے پہلے ہی آپ نے میری آبرو رکھ کر میری خالی بے مراد جھولی میں شاویز ڈال دیے۔کیا کروں، کیسے شکریہ کہوں۔آپ کتنے پیارے ہیں اللہ، بس جلدی سے انھیں میرا کر دیں مکمل" کومل کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ اس خوشی پر جھوم جھوم کر رقص کرتی، ہواوں کو چیر کر پرواز بھرتی۔

اسکے روم روم میں جلتے چراغوں کی لو کسی پر اثر انداز تب ہوئی جب شاویز کسی کام سے کمرے سے باہر نکلا تو نظر دیوار سے لگ کر بھینا بھینا مسکراتی کومل پر پڑی تو محترم کی ہارٹ بیٹ مس ہوئی۔

وہ اسے یوں آدھا بھیگا سا، اپنے ہی آپ میں مسکاتا دیکھ کر تھوڑا حیران تو ہوا مگر اسکے ان حسین خیالات میں دخل دینے کی کوشش نہ کر پایا۔

وہ نا جانے کس بات پر اسقدر باولے انداز سے خوش تھی اور یہ شاویز صاحب کو تفشیش میں مبتلا کر رہا تھا۔

بھٹک جاتی ہیں تمہارے سحر کے پیارے تعاقب میں"

جو تم چاہو مری آنکھوں پہ اپنی انگلیاں رکھ دو" شاویز کا دل پہلی بار کسی کے لیے دھڑک اٹھا تھا، وہ ہر ممکن کوشش کے باوجود کومل سے اپنی نگاہیں ہٹا نہیں پا رہا تھا۔ یہ دعاوں کی کشش تھی یا اس دیوانی کی ریاضت جس نے شاویز کے دل میں آج اپنے ہوش ربا ظاہری اور قلبی حسن کے سنگ حق دار سی دستک دی تھی۔

وہ جو گرے شرٹ اور وائٹ پینٹ پہنے ہاتھ میں موبائیل پکڑے ہوئے باہر آکر جم چکا تھا اب وہئں تھم کر کومل پر نظریں جمائے ہوئے ٹک گیا تھا جب اسکے فون کی وائبریشن پر وہ کومل کو دیکھنے سے چوکا اور فون کان سے لگائے دوبارہ کمرے کی سمت بڑھا صوفے پر بیٹھتے ہی جناب سادان صاحب کی کال پک کیے کان سے لگا گیا۔

میرے شہزادے، کیسا ہے "شاویز نے لہجے میں خوشگوار سی محبت کا " جہاں بھرتے ہوئے پوچھا تو سادان جواب نیوی بلو شرٹ اور بلیک پینٹ میں آئینے کے سامنے ریڈی ہو رہا تھا، مدھم پر اسرار سا مسکرا دیا۔

کیسا ہو سکتا ہوں، جبر زدہ، تھوڑا جکڑا ہوا اور کافی سارا بے بس "سادان" کے جواب میں خلش تھی اور شاویز اسکی سچویشن بخوبیٔ سمجھتا تھا۔

ہمت مت ہار، اچھا وقت جلد آئے گا "شاویز اسے تسلی دے کر مطمئین " نہ ہوا کیونکہ یہ تسلیاں ابھی سادان کو اثر انداز نہ تھیں۔

ان شاءاللہ، فی الحال تو میں نے جناب کے اچھے وقت کی آمد کے لیے" پیشن گوئی کے واسطے فون کیا ہے۔ دراصل میں تجھ سے ایک پیارے سے بندے جنکا نام شاویز ہے، اسکا رشتہ مانگنے لگا ہوں" یک دم ہی دونوں کا موڈ بدلا، جہاں سادان شریر سا ہوا وہیں شاویز تو حیرت کا مجسمہ بنے ہوئے فق رنگ لیے سادان کے انداز اور لفظ ہی کھوجتا رہ گیا۔

ہیں" شاویز کا ہیں نہایت مزیدار اور کیوٹ تھا کہ خود سادان ہنس دیا تھا۔"

ہاں جی ویسے تو لڑکے والے مانگتے ہیں، پر میں ایکچولی دونوں طرف کا" ہوں لہذا بولیے خضور کیا آپکو کومل ولد کرمان حق اپنے ازواج کے خانے کو پر کرنے کے واسطے قبول ہے" سادان نے بنا تمہید باندھے سیدھا سیدھا بچارے شاویز کو جھٹکا ہی دے ڈالا اور شاویز کو سمجھ نہ آیا کہ یہ ہوا کیا ہے۔ سادان کو بنا دیکھے بھی شاویز کے تاثرات کا اندازہ تھا تبھی شہزادہ مسکرا رہا تھا۔

یار،،،،"شاویز کی تو بولتی ہی بند ہو گئی تھی، آنکھیں حیرت سے باہر تھیں۔ایک طرف والدہ اور اب سادان، شاویز نے پریشانی اور خجالت سے کان اور سر کھجایا۔

جلدی بتا میرے پاس ابھی وقت نہیں، ایکچولی یہ میری خواہش کے ساتھ" ساتھ کرمان چاچو کی بھی ہے۔اور کومل نے بھی فیصلہ ہم پر چھوڑ دیا ہے لہذا اب تُو بتا دے تاکہ پھر اس نیک پیارے فریضے کو سرانجام دینے کا سوچا جائے"سادان کی اس بات پر شاویز کو کچھ دیر پہلے کومل کے چہرے کے مسکراتے رنگ یاد آئے جس پر اس نے حیرت سے اپنی پیشانی مسلی اور اسے ابھی بھی سمجھ نہ آیا کہ یہ سب ہو کیا رہا ہے۔دوسری طرف سادان کو دیر ہو رہی تھی اور شاویز صاحب تھے کہ اوسان خطا کیے بت بنے بیٹھے تھے۔

کومل راضی ہے؟"شاویز نے خلق سئ لگی آواز کے سنگ استفسار کیا تو" سادان کو اس بھولے معصوم پن پر رج کے پیار آیا۔

ہاں، اب بتا بھی دے یار۔ میرا بھی ارمان ہے کہ اپنے نہ سہی تیرے بچے" وچ دیکھ کر جی بہلا لوں" سادان ہلکی پھلکی شرارت سے اسے ڈپٹتے بولا جس پر اب شاویز بھی کملا یا سا مسکرا دیا۔

تیرے بھی ہوں گے، ڈونٹ وری" شاویز صاحب تو اصل مدعے سے" ہٹ رہے تھے اور سادان نے محترم کی چالا کی بڑی مہارت سے پکڑی۔

ھاھا چل بتا بھی دے یار" سادان اب کی بار لاڈ سے بولا اور شاویز ابھی" بھی صدمے میں اور شش و پنج میں مبتلا سا سوچ میں گم تھا۔

اچھا اچھا مگر" شاویز کی بات اتنا ولے شہزادے نے بیچ میں ہی مزے سے" اچک لی۔

اچھا کے بعد مگر کہیں تو مگر مچھ کھا جاتا، چل بائے۔ باقی کے معاملات کا" کرتے ہیں جلد کچھ۔ مجھے زرا نکلنا ہے۔ پھر کرتا ہوں تفصیلی بات" سادان جو پیارے سے آسودہ انداز میں کہہ کر فون بند کرتا ہی کمرے سے نکل گیا تھا، شاویز کو ضرور حیرت کے سمندر میں غرق کر گیا۔

وہ راضی ہے، اور وہ کیا اسی لیے خوش تھی؟" شاویز نے بوکھلاہٹ اور الجھن میں چہرے پر ہاتھ پھیرے خود کلامی کی اور اگلے ہی لمحے آفت خیز مسکان نے شاویز کے ہونٹوں کو چھو لیا۔ کیا خوبصورت حادثہ تھا جسے لفظوں میں ڈھال دیا جاتا تو اک دیوان لکھ دیا جاتا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چھوٹے چوہدری جی آپ سے ملنے سادان صاحب آئے ہیں" تبریز ابھی بھی گاڑھے میرون قمیص شلوار کے اوپر سیاہ چادر کندھوں پے ڈالے اپنے ڈیرے پر غم اور تباہی سے چور ہو کر بیٹھا تھا جب اسکے ایک آدمی نے سادان کے آنے کی اطلاع دی جس پر تبریز کے چہرے پر مزید بجھی تاریکی پھیلی اور وہ اسے سادان کو اندر آنے کا کہہ کر خود بھی اٹھ کر باہر بنے کچے دالان کی سمت آیا۔

چال میں آج واقع تھکن تھی اور سادان کے چہرے کی محسوس کن سختی تبریز کو دور سے ہی خاصا وارن کر گئی تھی۔

سادان کے ماتھے پر خفگی اور غصے سے لکیریں بنی تھیں اور تبریز ہر سزا کے لیے راضی و رضا تھا۔

"تم یہاں مجھ سے بدلا لینے آئے ہو سادان، لیکن میں اس وقت کسی بدلے کو چکانے کے موڈ میں نہیں ہوں" سادان کے چہرے کا تناو اس شخص کے اکتائے اور لاپرواہ انداز سے مزید بڑھا اور سادان کو اس آدمی پر اب ایسا غصہ تھا کہ اسکا جی چاہا ساری اخلاقیات بھول کر آج اسے ایسا سبق سیکھائے تاکہ آئیندہ یہ ایسا کچھ سوچنے سے پہلے ہی زمین میں دفن ہو جائے مگر ایک تو سادان ایسا بے باک اور بد تہذیب نہیں تھا دوسرا عالیہ نے بھی اسے منع کر کے اسکے ہاتھ باندھ دیے تھے۔

"بدلا تو آپ سے وہ آسمان پر موجود اللہ لے گا، آخر کس لیے آپ نے آپی پر ظلم ڈھائے۔ ہم نے انھیں آپکے ساتھ بیاہا تھا، بیچا نہیں تھا۔ حویلی میں ناز

سے پلی عالیہ کا آپ نے یہ حال کر دیا ہے، جی تو چاہتا ہے اس پر آپکی جان لے لوں" سادان نے اس شخص کے اتنے بڑے ظلم کے بعد یوں نارمل سے انداز میں جان چھڑانے کو سخت ناپسندیدگی سے لیا اور سخت ناگواری سے وہ اس ظالم شخص کو حقارت سے یہ سب کہہ گیا مگر تبریز تو یوں تھا جیسے اسے پرواہ ہی نہیں ہے۔

دیکھ سادان، مجھے یہ کرنے کے لیے تیرے ہی باپ نے اکسایا تھا۔ اس" کمینے نے میری بے عزتی کی، ایک چھوٹا سا زمین کا ٹکڑا جس پر وہ مجھے دو کوڑی کا کر گیا۔ میں پاگل ہو گیا تھا، مجھے کچھ سمجھ نہیں آیا کہ میں نے کیا کر دیا" تبریز کے لہجے میں یک لخت ہی تکلیف نے اتر کر سادان کو بھی غمناک کیا مگر سادان کو اس شخص پر اس وقت صرف شدید غصہ تھا۔

افسوس ہے آپ پر اور ان پر بھی، آپ دونوں ہی اس بچے کے قاتل ہیں۔" بہر حال جو بھی ہے، اب آپی آپ کے ساتھ نہیں رہیں گی۔ اور اگر آپ نے کسی قسم کی زیادتی کی کوشش کی تو اگلی بار آپکو یوں کھلے عام معافی نہیں

ملے گی بلکے جیل کی سلاخیں سہنی ہوں گی۔مجھے میری تربیت کا پاس نہ ہوتا تو آج بہت برا انجام کرتا آپکا،اب عالیہ آپی بھی اگر چاہیں تب بھی میں انھیں آپ جیسے درندے کے پاس ہر گز آنے نہیں دوں گا" سادان نے لہجے میں حتمی پن اور شدید برہمی ملائے تبریز کے اعصاب پر بجلی گرائی اور اسے تو گویا اچھے وولٹج کا کرنٹ لگا تھا۔

تُو ہم میاں بیوی کے بیچ مت کود سادان، ورنہ تیرا پتہ بھی بہت اچھے سے صاف کر سکتا ہوں۔وہ میری ہے اور اسے مجھ تک آنے سے روکنے کی ہمت کسی کے باپ میں بھی نہیں ہے" اپنی طرف سے وہ سادان کی اس دھمکی کو چنداں اہمیت نہ دیتے ہوئے پھنکار اٹھا جس پر سادان نے ضبط کے باعث ایک خون آشام نگاہ تبریز کے ڈھیٹ اور بے شرم اکڑے پن پر ڈالی اور خلق تک کڑوا ہوا۔

کسی کے باپ میں نہ سہی اسکے اس بھائی میں ضرور ہے،آپ مجھے کسی سختی" پر مجبور مت کریے گا کیونکہ پورا گاؤں جانتا ہے کہ سادان جتنا میٹھا ہے اتنا

ہی زہریلا بھی ہے۔ آپ میری بہن کو اپنی جائیداد سمجھ کر کسی بھی خوش فہمی میں مت رہیے گا، وہ ایک انسان ہیں اور اب انھیں آپ جیسے درندے سے میں خود نجات دلاؤں گا۔ آج آپ نے اپنے وجود کے حصے کو مارا، کیا بھروسہ کل میری بہن بھی آپکی درندگی کا شکار نہ ہو گی۔ بس! بہت ہو گیا۔ مجھے اور کچھ نہیں کہنا، اچھا ہو گا کہ اب میں آپکا آپی کے گرد سایہ تک نہ دیکھوں" سادان نے بہت اچھے سے اس جنگلی انسان کو آڑے ہاتھوں لیا اور سادان کا مقصد اس شخص کو اسکی غلطی کا احساس دلانا تھا جو وہ ابھی بھی مکمل نہیں کر رہا تھا۔

پہلی بار تبریز نے بھی سادان کا یہ خوفناک روپ دیکھا ورنہ اس نے بھی اسے بس مہربان دیکھا تھا۔

لیکن وہ بادشاہِ وقت تھا اور کچھ سختی اب اسکے اس رتبے کا تقاضا تھی۔

دونوں کی آنکھیں سرخ دہکتا شعلہ تھیں اور تبریز نے اسے کاٹ کھانے کو غراتے ہوئے دیکھا جس پر سادان نے برہمی اور عتاب سے ایک نظر زخمی

شیر کی مانند بلبلاتے تبریز پر ڈالی اور اپنی ہاتھ میں پکڑی عینک واپس پہنتا ہوا مڑ گیا۔

اور تبریز تو تڑختا ہوا فضا میں مکا اور دھاڑ ہی لہراتا رہ گیا۔ابھی تبریز کو ایک اور سرپرائز تو ملنا باقی تھا۔اسکے خلاف منگو سلطان نے پولیس کو رپورٹ درج کروادی تھی اور تبریز کے اریسٹ وارنٹ کی تیاری جاری تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یااللہ، میں صدقے میں واری۔ سادان میرے سامنے ہوتا تو اسکا ماتھا چوم لیتی" شاویز بچارا پریشانی اور الجھن سے آدھا ہو رہا تھا اور اماں جان میں تو یہ خبر سن کر بجلی دوڑ گئی جس پر شاویز نے انھیں آواز دھیمی کا اشارہ کیا تو گلناز اپنے بچے کی اس ڈرپوک معصومیت پر ہنس دیں۔

امی جان آہستہ بولیں پلیز، کیا کر رہے ہو آپ سب مل کر۔ کتنی عجیب" سچویشن میں ڈال دیا ہے مجھے" شاویز نے منہ پھلا کر شکوہ کیا تو گلناز جو شام کی چائے بنا رہی تھیں، اس بات پر مڑ کر ہنستی ہوئی شاویز کی گالوں کو دبائے کچن سے نکلیں تو شاویز بھی سایے کی مانند اماں جان کا پلو لیے پیچھے ہی چل پڑا۔

وہ فریج سے کباب نکال کر واپس آئیں تو شاویز بھی ویسی ہی بے قراری لیے پیچھے آیا جس پر اب گلباز کی ہنسی واقعی بے قابو ہوئی۔

نا تو مجھے یہ بتا، اس میں عجیب کیا ہے۔ میں نے تو امام صاحب سے بھی" اجازت لے لی ہے اور خود انھیں بھی اپنی کومل بہت پیاری لگی ہے۔ اب جب سادان اور کرمان بھائی بھی راضی ہیں تو مسئلہ کیا ہے تجھے" گلناز بیگم کو آخر بچے جانی کی حالت پر رحم آیا اور وہ سرعت سے پلٹ کر جنجھلاہٹ کا گھر اشکار بن کر کچن کے دروازے کے ساتھ سینے پر ہاتھ باندھ کر منہ بنائے کھڑے شاویز تک آئیں اور استفہامیہ نگاہیں مرکوز کیے بولیں۔

امی وہ کیا سوچے گی پلیز، مجھے عجیب لگ رہا ہے۔ایک دم سے یہ رشتہ، "
مجھے اس سے بات تو کرنے دیں کہ آیا وہ بھی ایسا چاہتی ہے یا سادان اور بابا
کی وجہ سے مان گئی ہے۔ دیکھیں میں یوں کسی کو زبردستی اپنی زندگی میں
شامل نہیں کر سکتا۔شادی کا فیصلہ دل کی خوشی سے وابستہ ہے "شاویز
صاحب آپ کیا جانیں، کوئی آپکا ہونے کو لمحے گن رہا تھا۔

پر شاویز بھی اس اچانک افتاد کی طرح آتے رشتے پر تھوڑا الجھن زدہ تھا اور
اب کی بار گلناز نے بے حد پیار اور محبت سے اپنے پیارے بچے کا صدقہ
اتارا۔

میں تجھ پر واری ہی چلی جاوں، جب سادان نے کہا ہے وہ راضی ہے تو تُو"
نے بات کر کے کونسا راضی کرنا ہے۔بس طے ہو گیا ہے، ہم بہت
جلدی سادگی سے نکاح کی رسم کا سوچ رہے ہیں۔ساری زندگی پڑی ہے پھر
اس سے پوچھتے رہنا" گلناز بیگم تو بجلی کی سبک روی سے یہ معاملہ نمٹانے کا
سوچے بیٹھی تھیں اور اب شاویز کو نکاح کا سن کر واقعی جھرجھری آئی۔

اس نے بلاشبہ کومل کو خوش دیکھا تھا پر شاویز کے لیے پھر بھی خود کومل سے اسکی خوشی جاننا اہم تھا اور وہ تب تک نکاح نہیں کرنا چاہتا تھا جب تک کومل سے خود نہ پوچھ لیتا۔

گلناز نے کھوجتی نگاہوں سے شاویز کے الجھے اور فکر سے اٹے چہرے کو دیکھا تو اب اپنا سر پکڑ کر رہ گئیں جس پر وہ بھی شکائتی سا منصوعی برہم ہوا۔

اچھا ٹھیک ہے، جب تک سادان آتا ہے تب تک تیرے پاس ہے وقت، " پوچھ لے خود کومل سے۔پر اب میری بہو کومل ہی بنے گی، پھر چاہے تُو چی کر یا چوں کر" گلناز نے یہ کہہ کر گویا شاویز کو بھی ہنسا ہی ڈالا اور اسے ہنستا دیکھ کر اب ماں جان تو بچے کی اس دلفریب سی مسکان پر واری ہی چلی گئی تھیں مگر وہ ابھی بھی تھوڑا کنفوز سا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس زلیل کو کچھ دن حوالات میں رکھو، خوب حاظر تواضع کرو۔ جب "
اسکی عقل ٹھکانے آئے گی پھر ہی اسے رہائی ملے گی" درمان چوہدری فون
پر کسی سے نخوت زدہ انداز میں کھڑکی کی سمت چہرہ کرکے مخاطب تھا۔
دوسری طرف وہ پولیس کا ایس ایچ او تھا جو اپنی گاڑی نکالے پہلے ہی تبریز کو
اریسٹ کرنے کے لیے نکل چکا تھا۔
چوہدریؑ صاحب، آپکو شاید علم نہیں کہ منگو سلطان نے اسکے خلاف "
دھوکہ دہی کا پرچہ کروایا ہے، تبرئز کی گردن ہمارے ہاتھ میں بس کچھ ہی
دیر میں آجائے گی مگر آپکو تو پتا ہے چوہدری بخت سکندر کے ہم پر بڑے
احسان ہے لہذا میں تو کہتا ہوں جلد از جلد یہ معاملہ آپسی طور پر ہی سلجھالیں
ورنہ ایک بار پکی ایف آئی آر کٹ گئی تو خوامخواہ آپ دونوں معززین کورٹ
کچہری میں رل جائیں گے" وہ بھدی سی شکل کا اوباش اور کرپٹ سا آفیسر
تھا جس نے ابھی تک تبرئز کے خلاف پکی رپورٹ نہیں کاٹی تھیؑ اور اسے
غیر قانونی طور پر ہی اریسٹ کرنے نکل چکا تھا۔

درمان حق آج پہلے ہی فلذہ کی کوئی خبر نہ ملنے پر تپا تھا اب تو اس بات پر مزید خونخوار ہوا اور اسکے چہرے پر افشار ہوتا خون یوں لگا سفیدی پھیلا گیا ہے۔

ہمم پھر بھی دو ہفتے تک اسے اندر رکھو، اس کی اکڑ ٹوٹنی چاہیے۔ اور ہاں " زیادہ بھاری ہاتھ نہیں، یہ مت بھولنا کہ وہ میرے یار کا خون ہے۔ بس میں اس خبیث کو اسکی اوقات دیکھانا چاہتا ہوں جس نے میرے ساتھ پنگا لینے کی ٹھانی ہے۔ چوہدری درمان تو خود کو نہیں بخشتا، یہ تو پھر یار کا خون ہے "

چوہدری درمان کا حکم ان کرپٹ بکے پولیس والوں کے لیے سر متھے پر تھا اور یہی ہوا۔

عین اسکے ڈیرے سے تبریز کو اریسٹ کر لیا گیا تھا اور وہ جو پہلے ہی مخدوش حال میں تھا، اس ہولناک سے عذاب پر واقعی قابل رحم ہو چکا تھا۔

خود بخت سکندر اور خالدہ کو کافی دیر بعد اطلاع ملی مگر تب تک پولیس تبریز کو اٹھا کر لے جا چکی تھی اور ہاتھ ہولا رکھنے کے حکم کے باوجود وہ اس پر ہاتھ کھول کر تشدد کر رہے تھے۔

دو گھنٹے کے اندر اندر تبریز کے چہرے پر جا بجا سرخ خون سے اٹے نشان تھے اور اسکی گردن کا سریا بھی پگھل کر اسے بے سدھ کر چکا تھا۔

چوہدری بخت سکندر کی چھ مس کالز کو بے دردی سے نظر انداز کرتا درمان ہاتھ میں سگار پکڑے حویلی کی شام سے ہمکلام تھا۔

آج صبح سے درمان کے آدمی کتوں کی طرح جگہ جگہ فلذہ کی تلاش کر چکے تھے اور منظور حسین پر ابھی کوئی عذاب اس لیے نہیں اترا تھا کہ اسکے گھر کی تلاشی وہ لے چکے تھے جبکہ منظور حسین کو سادان نے سخت بیمار ہو کر بستر پکڑ لینے کا بہانہ کرنے کی ہدایت کر رکھی تھی اور بشیر کو بھی اس وقتی ڈرامہ بازی میں شامل کیا گیا تھا جو ایک طرح سادان کا ہی آئیڈیا تھا۔

درمان کو اسکے آدمیوں نے منظور کی آدھ مری حالت کا بتا دیا تھا مگر یہ بھی ممکن تھا کہ یہ دھوکہ بھی اس فرعون کے سامنے جلد آ جاتا۔

سادان نے ابھی تک قبر کی بات چھپا رکھی تھی مگر آج رات تک رپورٹ آتے ہی وہ جلد یہ لرزاں خیز انکشاف حویلی میں کرنے والا تھا جس سے ایک اور قیامت آنی طے تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جی ٹھیک ہے، مجھے شدت سے انتظار ہے۔ بہت شکریہ سر" سادان" مضبوط سے تشکر آمیز انداز سے سنگ فون کے اس پار مخاطب تھا اور کرمان اور عاقل بھی بے تاب انداز میں اپنے اپنے چہروں پر تجسس اور فکر سجائے ہوئے تھے۔

رپورٹ آج آجائے گی، لیکن چاچو یہ سب باباسائیں کو بنا کورٹ آرڈر بتایا" تو وہ اس پر اور مشتعل ہو سکتے ہیں۔ اس کے لیے مجھے لاہور جانا ہو گا۔ تینوں کی موت اگر ایک ہی زہر سے ہوئی ہے تو پھر منظور حسین اور فلذہ اس

سارے معاملے سے آزاد ہو جائیں گے" سادان تشویش زدہ سا صوفے پر براجمان ہوئے بولا تو کرمان بھی ماتھا مسل کر کسی گہری غرق کرتی سوچ میں تھے۔

ٹھیک ہے تم جاو، میں اور عاقل پیچھے پورا دھیان رکھیں گے۔اور میں کچھ " اور بھی سوچ رہا ہوں "اس وقت سادان کے جو سب سے قریب اور وفادار تھا وہ عاقل تھا اور سچ میں اس نے ثابت کیا تھا کہ وہ سادان کا سچا رکھوالا ہے تبھی کرمان بھی بلا جھجک یہ بات عاقل کے سامنے کرنے والے تھے جس پر اب سادان بھی تجسس میں تھا۔

ابھی ایک دو دن مجھے اپنے ہسپتال کا کام شروع کروانا ہے، ان شاءاللہ " پرسوں روانگی کا سوچتا ہوں۔آپ کیا سوچ رہے ہیں" سادان ان تمام بگھڑے حالات کے ساتھ ساتھ اپنے پروفیشن کو بھی لے کر آگے جانے کا سوچ چکا تھا اور اس نے یہیں گاؤں میں ہی اپنا ہوسپٹل کھولنے کا ارادہ کیا تھا جس کے لیے وہ اپنے نام کی ساری زمین استعمال میں لانے والا تھا۔

آخری بات پر کرمان کچھ متذبذب سے ہوئے جو سادان اور عاقل نے بھی نوٹ کیا۔

"میں چاہتا ہوں تم جاو تو کومل اور شاویز کا نکاح کروا آو، بعد میں یہ بات ہم حالات کی سنگینی کے کم ہوتے ہی سب کو بتا دیں گے۔ واپسی پر ویسے بھی کومل تمہارے ساتھ آجائے گی، میں بس اپنی بیٹی کی زندگی میں اپنے جیسی بے سکونی نہیں چاہتا۔ تم سمجھ رہے ہو نا؟" یہ بات کہہ کر کرمان نے اب واقعی سادان اور عاقل دونوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا اور سادان سمجھ نہ پایا کہ آخر وہ اس شادی اور نکاح کے لیے اس قدر ٹچی کیوں ہیں۔ حالانکہ وہ تو یہ تک نہیں جانتے تھے کہ کومل کی مراد، شاویز ہے۔

"وہ تو ٹھیک ہے چاچو لیکن آپ کے بنا نکاح، یہ تو ادھوری خوشی ہو جائے گی" سادان تو ایسے الگ تھلگ سے نکاح پر تھوڑا مرجھا گیا مگر اس وقت وہ سب حویلی چھوڑ کر غائب ہو جاتے تو درمان اور انجیل کو شک پڑھ جاتا اور

اگر یہ بات ان دو کے سامنے رکھی جاتی تو ممکن تھا کومل اور شاویز کی کہانی کا

وہ دو ظالم کباڑہ کر دیتے۔

شاید اسی لیے کرمان چاہتے تھے کہ یہ نکاح ہو جائے اور بعد کے قیامت خیز

ہنگامے کو وہ ابھی سوچنا بھی نہیں چاہتے تھے۔

نہیں، تم وہاں موجود ہو گے تو یہی سمجھوں گا کہ میں وہاں ہوں۔ وہ سب "

راضی ہیں تو بس یہ نیک فریضہ تم جاتے ہی پورا کرواؤ اور میری دعائیں تو

میرے سب بچوں کے ساتھ یہاں ہو کر بھی ہیں۔ یہ بات سلطانہ بھابھی کو

بھی بتائی میں نے اور وہ بھی متفق ہیں کہ حویلی میں اسکا ذکر کرنے سے پہلے

ان دونوں کا نکاح کروا دیں۔ یہ حویلی صرف خوشیوں کا قتل کرنا جانتی ہے

شادان، اور میں نہیں چاہتا میری پیاری کومل کے ساتھ ایسا کچھ ہو" شاید

اولاد چیز ہی ایسی ہے کہ والدین انکے سکون کی ہر ممکن کوشش کرتے

کرتے خود نڈھال ہو جاتے ہیں۔

سادان کو اب انکی بات قابل منظور لگی تبھی وہ انکے گرد اپنی مضبوط بازو پھیلائے مسکرا کر اس پیارے فریضے کی ادائیگی کی یقین دہانی کروا گیا جس پر اب ان دونوں سمیت عاقل کے چہرے پر بھی بہار تھی۔

ان شاءاللہ، چاروں کی شادی اس حویلی میں دھوم دھام سے ہو گی یہ مجھے" یقین ہے۔ایک بار میرے پیارے سائیں کو جیت مل جائے تو پھر اس حویلی کا ہر سیاہ سایہ بھی ختم ہو جائے گا۔آپ پریشان نہ ہوں کرمان سائیں، اللہ سب بہتر کر دے گا" اس نازک وقت پے عاقل کی جوش میں اور دلفریب تسلی میں لپٹ کر کہی یہ باتیں جہاں سادان کا دل بہار کر گئیں وہاں اب کرمان نے بھی بے حد نثار نگاہیں عاقل پر ڈالیں جو ابھی انکے لیے بھی بہت بڑی آسانی تھا۔

وہی تھا جو سادان کو ہر چھوٹی بڑی اطلاع دے رہا تھا، پورے گاوں میں عاقل نے گاوں کے چنے لوگ پھیلا رکھے تھے جو اسے چوہدری درمان کے آدمیوں کی ہر نقل و حمل کی پوری اطلاع دے رہے تھے اور ابھی تک

منظور حسین بھی محفوظ تھا مگر درمان چوہدری کی درندگی کی کوئی حد نہ تھی لہذا وہ لوگ مکمل احتیاط برتنا چاہتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کل ہی میں تمہارے ایڈمیشن کے لیے جاوں گی، میرا خیال ہے تم نویں اور دسویں ایک ساتھ دے دو، ویسے بھی تمہارا کافی حرج ہو چکا ہے۔ اور تم بلکل بھی ٹنشن مت لو میں تمہیں اونلائن ٹیوشن دوں گی۔ تم تو جانتی ہو نا کہ میں یہاں زیادہ نہیں رہ سکتی۔ بابا نے دوست کی شادی کا بہانہ بنا رکھا ورنہ ابھی تک تو حویلی میں ہنگامہ برپا ہو چکا ہوتا" کومل کے چہرے پر آج تو الگ ہی فرحت تھی اور یہ فلذہ نے بھی محسوس کیا تھا۔

وہ اب بس سونے کی تیاری کر رہی تھیں جب کومل نے اسکی ٹھوڑی پکڑ کر بے حد پر جوش انداز سے کہا تو ہلکی سی مسکراہٹ فلذہ کے ہونٹوں پر بھی آئی مگر پھر معدوم ہو گئی۔

کومل باجی، میں نے انکو کہہ تو دیا ہے کہ میں رہ لوں گی پر سچی مجھے بہت ڈر لگے گا" فلذہ نے سہمے سے انداز میں لپٹ کر اپنے خوف کو زبان دی تو کومل اسکو 'انکو' کے لفظ پر حسین سا مسکرا کر فلذہ کی گالوں کو پکڑے ہنس دی جس پر فلذہ بھی جھینپ سی گئی۔

انکو کیوں کہہ رہی ہو، سادان نام ہے انکا۔ نام لینا اچھا نہیں لگتا کیا میری شہزادی کو۔ ویسے تمہارے ڈر کا بھی کچھ کر لیں گے تم ابھی سے فکر مت کرو۔ ابھی تو کچھ دن ہوں ناں۔ تب تک تمہیں عادت ڈال جاوں گی"

کومل نے مسرت کی تیز لہر میں ملبوس ہوئے ایک ساتھ کئی باتیں کر دیں پر پیاری گداز سی سانولی تو سائیں کے نام پر ہی دم سادھ گئی تھی۔

یہ نام جواب اسکے لیے مقدس تھا، ایسا پاکیزہ جس کو آنکھوں سے چوما جاتا۔

خود کومل نے بڑے ہی دلفریب انداز میں فلذہ کے چہرے کے خودرو سے نغمگی میں لپٹے رنگ بھانپ کر خوشی محسوس کی تھی۔

تمہیں سادان کیسے لگتے ہیں؟" ایک کے بعد ایک لرزاں خیز سوال اور " فلذہ تو یوں لگا لہو سے خالی ہو گئی تھی۔

گھبراہٹ، جھجھک، اور گلابی پن نے بھی ان سانولی گالوں پر آج حسب توقع عود آنا مناسب سمجھا تھا۔

وہ اچھے ہیں ناں، سب کو اچھے لگتے ہیں" سر جھکا کر نڈھال سی فلذہ پر کومل " کو بے حد پیار آیا، یونہی وہ سادان کی ملکہ نہیں تھی۔ کچھ تو تھا فلذہ کے چہرے میں جو سامنے والے کو مسکان دیتا اور وہ اپنے گندمی رنگ کے باوجود پر کشش اور حسین لگتی تھی۔

ھاھا یہ تو مجھے بھی پتا ہے، لیکن ہماری پیاری فلذہ کو کیسے لگتے ہیں" کومل " آج خود خوش تھی تو لگے ہاتھوں اس کپل کے لیے بھی دعا گو تھی، سادان کی آنکھوں میں تو بنا کہے اور بتائے بھی فلذہ کے لیے محبت اور چاہت

دیکھائی دیتی تھی مگر فلذہ صاحبہ کے بارے میں کومل زرا شش وپنج میں تھی۔

باجی مجھے نیند آرہی ہے، کل بتاوں؟"اف اس معصومیت پر مرہی نہ جائیں،اتنی پیاری کیوں ہوتم فلذہ۔کومل بھی دلفریب سی ہنسی ہنسے اسے فراغ دلی سے سر کو اثبات میں ہلائے بولی اور خود بھی سونے کو لیٹنے لگی تو پیاس کا احساس جاگا مگر پانی نہیں تھا۔

فلذہ صاحبہ تو فوری لحاف میں غرق ہو گئیں اور کومل بھی ایک نظر فلذہ کو دیکھ کر مسکراتی ہوئی پانی پینے کمرے سے باہر نکل گئی۔

بہت اچھا فیصلہ ،اللہ میری شہزادی کو خوش رکھے۔اس بات کا ذکر ابھی تم "
تیمور سے مت کرنا۔ بھلے یہ شریف النفس بنا ہوا ہے پر ہے تو بابا اور دادی کا
چمچا۔اللہ میرے بچے کی مشکلیں آسان کرے"آج تیمور کو اپنی کتابیں
لے کر دالان میں بیٹھ کر پڑھتا دیکھ کر ساداں اور سلطانہ کو تو حقیقی صدمہ لگا
تھا پر یہ سب کرامت تو اس وعدے کی تھی جو ساداں نے اس سے کیا تھا کہ
وہ جلد اسکا رمشہ سے نکاح کروائے گا۔
ساداں کو یہاں سے تھوڑی تسلی تھی، سلطانہ بھی بے حد پیار سے کومل اور
شاویز کے نکاح پر دل کی خوشی لفظوں میں پروئے دعائیں دیتے دیتے
ساداں کو احتیاط کا بھی بتا گئیں جس پر وہ اماں سائیں کو خود میں سموئے مسکرا
اٹھا۔

میرے پیاری اماں سائیں، یہ بات صرف آپکو، مجھے، عاقل اور چاچو کو پتا "
ہے اور جب تک حویلی کے خونخوار نظام نہیں بدلتے تب تک ہم اسے خفیہ
رکھیں گے۔بس آپ نے عالیہ آپی کا دھیان رکھنا ہے۔میں پرسوں ان شاء

اللہ فجر کے وقت نکل جاوں گا،اور اس تیمور پر بھی آپ نے پوری نظر رکھنی ہے کہ یہ گھر سے نہ نکلے۔ویسے تو میں عاقل کو اسکے پیچھے لگا کر جاوں گا پر اس نمانے پر بھی تھوڑی ذمہ داریاں نہیں ہیں لہذا بشیر کو بھی میں نے نظر رکھنے کا کہا ہے"وہ بھی اماں سائیں کے ساتھ ہی صوفے پر براجمان ہوئے ڈھیر سی تسلئ دیے اور انکی فکر ہٹائے بولا تو سلطانہ نے سادان کے ہر مددگار فرد کو کئ غائبانہ دعائیں دے کر سادان کی پیشانی پیار سے چومی۔

اللہ تجھے سرخرو کرے،ہر اس بندے کی عمر دراز ہو جو میرے شہزادے" کا مددگار ہے۔اور ہاں میری بہو کو میرا بہت سا پیار دینا اور اسے کہنا کہ خود کو اکیلا نہ سمجھے۔اسے یہ احساس دے آنا کہ وہ خود کو پیار کرنے لگے"اب کی بار تو سادان کے چہرے پر دلفریب رنگ تھے جنکو بہاروں سے ملانا غلط نہ تھا۔

ملاقات کا سوچ سوچ کر دل میں خوشی اور سرمستی بڑھتی جارہی تھی، اور اس بار سادان اسے واقعی دوست سے بڑھ کر کوئی انوکھا احساس دینا چاہتا تھا تاکہ اپنی اور فلذہ کی کہانی کا موہوم ہی سہی پر آغاز کر سکے۔

سادان نے ہلکی سی آنکھ چرا کر معاملے کو دبانے کا سوچا مگر مائیں تو بچوں کی رگ رگ سے واقف ہوتی ہیں تو سلطانہ کیسے نہ جانتیں کہ انکا شہزادہ بھی اسیر ہو رہا ہے۔یہ آنکھیں چراتا سادان اس قدر حسین تھا کہ سلطانہ نے اسکا صدقہ اتارے اسکا پکڑا ہاتھ چوما اور بچے کے چہرے کا سکون ملاحظہ فرمایا جو فرحت بخش تھا۔

ابھی وہ آپکے بیٹے کی ذمہ داری ہے اماں سائیں، ڈرتا ہوں کہ اسے کھو نہ دوں۔آپ اب میرے لیے یہ دعا بھی کیا کریں کے وہ مجھ سے کبھی دور نہ ہو۔اور میں جانتا ہوں آپ یہ دعا میرے بن کہے بھی کرتی ہیں اور کریں گی۔یاور کی موت کا دکھ تو لازوال ہے پر میری کوشش ہے کہ آپ اب کسی اور بچے کا دکھ نہ دیکھ سکیں۔میری تو طاقت ہیں آپ، میرے پیاری اماں

سائیں" اب کی بار سادان کے دل نے ہر شے ماں کے سامنے کھول دی، اور سلطانہ تو نم آنکھوں سے اپنے اس بچے کو دیکھ رہی تھیں جو انکے وجود کا وہ حصہ تھا جسے بلا جھک کوہِ نور کہا جا سکتا تھا۔

وہ انکی پیشانی چومتا ہوا اپنا بھاری دل ہلکا کر گیا اور وہ بس اس کی نظر اتارتی رہ گئیں۔

"اللہ تجھے فلذہ سے کبھی دور نہیں کرے گا، اگر وہ میرے بچے کی بہار ہے تو کبھی اس بہار کو خزاں کی سیاہی نہ ملے" سادان کے دل نے اس پر آمین کہا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ سنبھلتے، کمرے میں آتی عالیہ کے ہونق زدہ اڑی رنگت سے اٹے چہرے کو دیکھ کر وہ دونوں ہی چونکے۔ سادان بھی اٹھ کر عالیہ تک گیا جو پھر سے رو دی تھی۔

"وہ امی کا فون آیا تھا سادان، تبریز کو پولیس لے گئی۔ پلیز سادان کچھ کرو، انکو چھڑوالو پلیز" عالیہ تک آخر تبریز کے اریسٹ ہونے کی خبر پہنچ ہی گئی مگر سادان کے چہرے پر اک سکون تھا جو اس خبر سے آیا اور وہ تسلی دیتا ہوا

عالیہ کو سینے سے لگا گیا مگر وہ تو تبریز کی اتنی سی تکلیف پر آدھی ہو گئی تھی جس پر سلطانہ اور سادان دونوں غمناک ہوئے۔

"یہ ضرور بابا سائیں نے کروایا ہو گا، آپی آپی میری پیاری آپی یہاں دیکھیں۔ کیوں اس جانور کے لیے رو رہی ہیں۔ اسے اسکے کیے کی سزا ملنی چاہیے۔ جس نے میری بہن کو بے وقعت کیا اب اسے بھی سزا ملنی چاہیے"

عالیہ رو رو کر ہی لگتا ہے مر جانے کو تھی۔ پہلے تبریز سے دوری ہی اسکے لیے سوہان روح تھی اب جب وہ تکلیف میں تھا تو اس پگلی کا دل کٹ رہا تھا۔

سادان کی اس بات پر وہ مزید رو کر شاکی آنکھوں سے سادان کو دیکھتے ہوئے دور ہوئی کیونکہ وہ اسے اب سنگدل لگا تھا۔

"وہ میرا سب کچھ ہیں، میں ان سے ناراض ہوں مگر الگ نہیں ہوئی۔ کسی کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ انھیں ایسی سزا دیں۔ مجھ سے یہ برداشت نہیں۔۔۔ خدا کے لیے سادان انکو نکلوا دو پلیز" روتی ہوئی التجاء کرتی عالیہ

اس درندے سے ایسی شدید محبت رکھتی ہے یہ تو سلطانہ اور سادان کو رنجور کر گیا جس پر سادان نے غمگیں سی اس نڈھال بہن کو پھر سے اپنے قریب کیے اسکا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ تھام کر آنسو ہٹائے۔

اس انسان نے آپکو اتنی تکلیف دی پھر بھی آپ اسی کا سوچ رہی ہیں، آپی" آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔ کوئی آپکو ان سے الگ نہیں کرے گا لیکن اس شخص کو آپکی قدر آنا ضروری ہے۔ میں آپکو مزید بے قدر ہوتے نہیں دیکھ سکتا اور باباسائیں کا یہ فیصلہ درست ہے۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں انکو خود نکلوادوں گا لیکن کم از کم تین چار دن وہ وہیں رہیں تو اچھا ہے۔ بس یہ آنسو ہٹادیں، تھوڑی سی بے رحم بن جائیں ورنہ اس انسان کو آپکی قدر کبھی نہ آئے گی" سادان کا انداز اب محبت اور پیار سے اٹا تھا اور یوں لگا جیسے عالیہ بھی یک دم پرسکون سی ہوئی ہے پر اسکی گالیں رو رو کر سرخ ہو چکیں تھیں اور اب تو وہ باقاعدہ بے جان سے سادان کے سینے سے لگی کانپ رہی تھی۔

یہ تھی عالیہ، اتنا سب ہونے کے باوجود بھی سر کے سائیں کی زرا سی تکلیف پر تڑپ اٹھی تھی۔

"سادان میں تم پر بھروسہ کر رہی ہوں، مجھے انکی کوئی تکلیف نہیں دیکھنی۔ انکو جو سزا ہے وہ میں دوں گی۔ تم پلیز انکو جلد اس سب سے نکال لو ورنہ میرا دل بند ہو جائے گا" روتی ہوئی تاسف سے گزارش کرتی عالیہ پر اب سادان کو بھی دکھ تھا اور وہ واپس آتے ہی تبریز کو چھڑوانے کا سوچ چکا تھا اور عالیہ کا بس چلتا تو تبریز پر آئی مصیبت بھی خود پر لے لیتی۔

سادان نے ایک نظر غمزدہ سی اماں سائیں پر ڈالی اور ایک سینے سے لگی عالیہ پر اور خود بھی تھوڑا اداس ہوا۔

"میں آپکا بھروسہ نہیں توڑوں گا مگر آپ یوں رونا بند کر دیں، آپکی طبعیت آگے ہی سٹیبل نہیں ہے۔ بی پی دیکھا تھا آپ نے کتنا ہائی ہے، بس ناں میری شہزادی اب آپ ہر ٹنشن مجھ پے چھوڑ دیں۔ آئیں یہاں آرام سے بیٹھیں" بھائی ہو تو سادان جیسا، اپنا رونا بھول کر وہ بیڈ پر اسے بیٹھائے خود

بھی ساتھ بیٹھا جس پر سلطانہ نے اب ان دونوں ایک جیسے ہمشکل پیارے سے لاڈلوں کا نثار ہوتی نظروں سے صدقہ اتارا۔

تم پر آگے کیا کم ٹنشن ہیں میرے بھائی، تیمور کا سنا میں نے۔ دل کٹ گیا، "تم بھی ہمت مت ہارنا۔ میری اور اماں سائیں کی ساری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں" عالیہ خود اب تلخی اور دلخراشی سے اس ہمت و صبر کے پیکر پیارے بھائی کو دیکھتے بولی جس پر وہ شہزادے سا مسکرا کر عالیہ کی گال کو چھیڑ کر اسے بھی مسکرانے پر مجبور کر گیا۔

"تھینک یو میری ہم شکل، ویسے سب برا جلد ختم ہو گا۔ آپ بس میرا حوصلہ بنے رہیں۔ آپنا خیال رکھیں گی تو مجھے یہ دعا سے زیادہ افضل لگے گا۔ آپ پہلے کی طرح اب اپنی تعلیم بھی جاری کریں اور میں تبریز سے یہ شرط بھی رکھوں گا کہ آپکو پڑھنے کی اجازت دے۔ کاش تھوڑی جماعتیں وہ بھی پڑھ لیتے تو یہ جواب عقل ٹھکانے لگانی پڑی یہ پہلے ہی آجاتی۔ میرا بس چلے تو انھیں بھی پڑھنے بٹھادوں قسم سے" سادان چاہتا تھا عالیہ کو کچھ بہتر فیل

کروائے اور سادان کچھ کرے اور وہ رنگ نہ لائے ایسا تھوڑی ممکن تھا۔
اب تو وہ تلخ ہی سہی پر ہنس کر منظر معطر کر گئی تھی۔
بلکل وہ ہنستی بھی سادان کی طرح آفرین حد تک حسین تھی اور یہ ہلکا پھلکا سادان کا دانستہ اپنایا انداز بہت حد تک تناو ہٹا گیا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے اب واقعی دکھوں کا تھوڑا ہی وقت باقی رہ گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ کچن میں پانی پینے آئی تھی، سب شاید سونے جا چکے تھے تبھی گھر کی مین لائٹس آف تھیں مگر کچن کی لائیٹ آن رہتی تھی۔
کومل نے پانی پی کر بوتل دوبارہ وہیں شیلف پر رکھی اور باہر نکلنے ہی لگی جب سامنے سے شاویز کے آنے پر وہ بوکھلا گئی مگر اس بار جناب من ٹکر سے بچ گئے تھے مگر یوں شاویز کا سامنا وہ امید نہیں کر رہی تھی تبھی گھبراہٹ اور

خوشی سے اسکی گالوں پر سرخی اتر آئی۔دوسری طرف تو سنجید گی تھی، شاید شاویز ابھی بھی الجھن میں تھا اور وہ کومل سے بات کرنا چاہتا تھا، اتفاق سے قسمت نے اسے یہ موقع آج ہی فراہم کر دیا تھا۔

کومل "وہ جو اپنے ڈولتے، ڈوبتے، دھڑکتے دل کو بھی ابھی سنبھال نہ پائی" تھی کہ دل کو جکڑتی صدا پر ہونق زدہ ہوئی چہرہ اٹھائے شاویز کو دیکھنے لگی جو شدید مضطرب سا تھا۔

کیا ہم تھوڑی دیر بات کر سکتے ہیں، چھت پر "شاویز سے بات تو وہ خود" بھی کرنا چاہتی تھی مگر نا جانے کیوں شاویز کا ایسا سنجیدہ پن دیکھ کر کومل کا دل لرز اٹھا اور وہ پریشان سی سر ہلائے اسکے ساتھ چھت تک آئی۔

آجکل یہاں بارشوں کا طویل سلسلہ شروع تھا اور ابھی بھی یوں لگتا تھا جیسے فضا میں نمی کے قطرے موجود ہیں۔

وہ چھت پر لگی ریلنگ کے پاس آکر کھڑا ہوا تو کومل بھی جھجکتے سے قدموں کے سنگ بیچ میں فاصلہ بناتی ہوئی اسکے ساتھ ہی آکر کھڑی ہوئی۔

دل تو دونوں کے بے ہنگم طور سے دھڑک رہے تھے مگر شاویز بات کرنا ضروری جانتا تھا۔

اور کومل تو بہت ڈر رہی تھی کہیں شاویز کچھ ایسا نہ کہہ دے جو اسکی زندگی پر بھاری ہو۔

کچھ دیر دونوں کے بیچ خاموشی کا حسب منشاء سا وقفہ رہا اور پھر خود شاویز نے ہی بات کرنے کی ہمت بندھائی۔

وہ ڈارک نیوی بلو شرٹ اور بلیک ٹراوزر میں عام سے خلیے میں تھا اور چہرے پر مدھم سی داڑھی آج زرا الجھی ہو کر منتشر سا منظر پیش کر رہی تھی۔

کومل نے دوپٹہ کندھے پر ڈال رکھا تھا اور وہ عام سے پیرٹ اور وائٹ سوٹ میں پر کشش لگ رہی تھی۔

"دراصل ہم دونوں کو لے کر تمام افراد سنجیدہ ہو گئے ہیں، میں نہیں جانتا کہ آپکی خوشی کیا ہے تبھی آپ سے خود بات کر کے تسلی چاہتا ہوں۔ آپ

ایک مشرقی لڑکی ہیں اور یقیناً آپ نے اپنے بڑوں کا فیصلہ قبول کیا ہے مگر کیا آپ اس سب سے واقعی متفق ہیں؟" کومل کو لگا اسکی دھڑکن رک گئی ہے اور سانسیں بے ربط ہو کر پاگل ہو گئی ہیں۔

دل تو چاہا آج ساری حدیں توڑ کر اس شخص کو بتادے کہ وہ تو اسے آنکھوں سے لگاتی آئی ہے، اسکا ہونا اپنی سانسوں میں بساتی آئی ہے۔

یہ تو کوئی کومل سے پوچھتا کہ آج وہ کن ہواوں میں اڑان بھر گئی، جب اسکے مقدر کا شہزادہ اس سے یہ پوچھ رہا تھا۔

وہ کسی بات کے قابل نہ رہی، حواس بس شاویز کے گرد منڈلاتے ہوئے شل تھے۔

اور وہ اسکی اس پر اسرار خاموشی پر کچھ الجھن زدہ سا کومل کے رنگ بدلتے حسن کو تفصیلی اور سرسری دونوں طرح دیکھ رہا تھا۔

آپ مجھے کھل کر بتا سکتی ہیں اگر آپ کسی اور کی زوجہ بننا چاہتی ہوں، "دیکھیں یہ شادی بیاہ دل کی منشاء اور رضا سے ہونے چاہیں۔ میں آپکی رائے

کو جاننا چاہتا ہوں پلیز خاموش مت رہیں" اتنا تو شاویز بھی ایمان رکھتا تھا کہ وہ اسے کچھ الگ جانتی ہے مگر وہ ایک حقیقت پسند انسان بھی تھا اور اسکے لیے کومل کی خوشی کو اہم رکھنا فرض تھا۔

اس بات پر کومل بے قرار سی دیکھائی دی اور دلفریب سی خاموشی توڑنے کو رضامند ہوئی۔

مجھے کوئی اعتراض نہیں، اور میں کسی اور کی زندگی میں شامل ہونے کا کوئی" ارمان نہیں رکھتی۔ میں نے آپکو قبول کیا ہے، زبردستی نہیں ہوئی۔ آپ پریشان مت ہوں" وہ شاویز کو اسکا اظہار نکاح کے بعد پورے حق سے دینا چاہتی تھی تبھی اس وقت وہ شاویز کی تسلی بہت خوب کر چکی تھی اور وہ بھی نظر جھکا کر جواب دیتی کومل کے اس من پسند جواب سے ہلکا پھلکا ہو چکا تھا۔

شکریہ، آپ نے میرے دل سے بوجھ اتار دیا۔ ویسے یہ سب میرے لیے" بھی اتنا شاکنگ ہے جتنا آپکے لیے، اگر آپکو یہ سب زرا بھی اداس کر گیا ہو یا یو نو لڑکیاں ایسی سچویشن میں جس طرح فیل کرتیں۔ تو در گزر کر دیجئے گا"

بڑا بتا تھا جناب کو لڑکیوں کا پر اپنی ہی دیوانی کا حال نہیں جان پا رہا تھا جو نا جانے خود پر کس ضبط سے جبر کیے ہوئے نڈھال تھی۔

ایک تو یہ جناب من پسند اوپر سے اتنے پر کشش کہ جیسے میگنٹ ہو، کومل ابھی جو عجیب سوچ سوچ رہی تھی اس پر وہ کانپ سی اٹھی اور اپنے شوخ دل کو لمبی شٹ آپ کال دی۔

پر حق ملتے ہی وہ شاویز پر قربان ہونا چاہتی تھی، اپنے دل کی ہر رمز اس پر کھول دینا چاہتی تھی جو بہت جلد اسکا سب ہونے کو تھا۔

اور آپ کو بھی میں ناچیز قبول ہوں یا نہیں؟" اچانک سے کومل کے دل" نے خدشے کی انتہا کے سنگ لرزتے دل سے ان ظالم آنکھوں میں جھانک کر استفسار کیا تو ہلکا سا تبسم شاویز کے ہونٹوں پر جگمگایا جو بڑھی شیو میں چھپے ہو کر بھی آفت خیزی پھیلا رہے تھے۔

جب آپکو میں قبول ہوں تو پھر مجھے بھی یہ سب قبول ہے، ویسے بھی"
میری والدہ صاحبہ کو بہو کی شدید ضرورت ہے" وہ اس وقت کسی نازک
بات کو کرنا نہیں چاہتا تھا مگر کومل نازک ہو رہی تھی۔
انکو بہو کی ضرورت ہے بس تبھی؟" کومل نے تحیر سے کھلی آنکھوں سے"
سوال کر کے شاویز کو بھی ساکن کیا جو اسے دیکھ کر تھوڑا نچ بچاؤ کرنے کی
سبیل میں مگن دیکھائی دیا۔
نہیں، ساری انکی بہو تو نہیں ہوں گی آپ" اف یہ ادا، جو دونوں کا دل"
دھڑکا گئی اور نظروں کا یہ ملنا تو اب خطرناک تھا تبھی دونوں ایک سی بھینی
بھینی آسودہ مسکان کے سنگ نظریں چرا چکے تھے۔
آئی تھنک اب سونا چاہیے، آپ بھی ریسٹ کیجئے" اس وقت اب ملاقات"
بڑھتی تو خدشہ تھا دونوں کسی اور سمت ہی نکل پڑتے۔ کومل کو بہار کرتا ہوا
وہ رسانیت سے کہہ کر نیچے چلا گیا اور آج کومل کا دل واقعی شاویز پر قربان
ہو گیا۔

بس نکاح ہونے دیں، پھر آپکو آپکی محبت دینے میں لمحہ نہیں لگائے گی یہ"

دیوانی۔ یااللہ آپکا بے حد شکریہ، مجھے اس قابل جانا کہ میرے نصیب میں

شاویز لکھ دیے۔"آج تو وہ رشک زدہ تھی، ہواوں میں تھی اور حقیقت

میں جینا شروع کر چکی تھی۔

نکاح نامے پر آپکی سنگت کے اعتراف میں دستخط کرتے ہوے میرا دل"

چپکے سے کہے گا... فَبِاَيِّ آلاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ. "وہ تو بس اب لمحے گن رہی تھی

جب وہ اسکا من پسند انسان اسکا محرم بن جائے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات تک رپورٹ تو آگئی تھی مگر ساداں اس وقت ہوسپٹل جا نہیں پایا تھا

مگر فائنلی یہ بات طے ہو چکی تھی کہ یاور کی موت زہر سے ہی ہوئی ہے۔

ناجانے کیوں یاور کی موت کادکھ تو تھا مگر سادان کا دل کہیں اندر سے فلذہ اور منظور حسین کے بے گناہ ہونے پر مطمئین تھا۔

وہ ساری رات اس معاملے پر غور کرتا رہا تھا مگر کوئی کنارہ ہاتھ نہیں آ پا رہا تھا۔

اگر ان تینوں کو زہر دیا گیا ہے تو اب اس زہر دینے والے تک کی رسائی درکار تھی اور یہ رسائی بادشاہِ وقت کو اتنی آسانی سے نہیں ہو سکتی تھی۔

یاور اور اسکے دوستوں کو اگر اس دن زہر نہ دیا گیا ہوتا تو یقیناوہ فلذہ کے ساتھ زیادتی کرنے والے تھے اور یہ سوچتے ہوئے سادان کانپ ہی تو اٹھا تھا۔

کتنی عجیب الجھی ہوئی مشکل گھڑی تھی کہ یہ سارے حالات شہزادے پر ذہنی دباوڈال رہے تھے۔ فجر تک وہ یونہی صوفے پر نیم دراز سا بس ان معاملات پر غور فکر کرتا رہا جو اسے آگے درپیش آنے تھے۔

سادان کے لیے اس بات میں فیصلہ لینا مشکل تھا کہ یہ زہر ان تینوں پر فرض تھا یا نہیں، یعنی دوسری صورت فلذہ اسکے پاس نہ ہوتی۔ اور یہ تو شہزادہ اب سوچ بھی نہ سکا کیونکہ ایسا خیال ہی اسکے ذہن و دل کی شریانیں تان گیا۔

اب تو وہ فلذہ پر کسی کی بری نظر تو دور کسی کا سایہ بھی پڑنے نہیں دے سکتا تھا اور دل میں کل فلذہ سے ملنے کی الگ ہی خوشی بھی تھی۔ دوسرا وہ شاویز اور کومل کے لیے بہت خوش تھا۔

اگلا دن سادان کے لیے ایک کٹھن سفر لایا تھا کیونکہ وہ ہوسپٹل سے رپورٹ لینے خود گیا اور ساتھ ساتھ ڈاکٹر آفندی جو اسکے سئنئیر تھے، انکا بھی شکریہ ادا کیا جنہوں نے اسکی اس سارے معاملے میں جی جان سے مدد کی۔

اسکے بعد بشیر، ڈاکٹر کبیر کا وہ مشکور تھا۔ یقیناً اگر یہ سب نہ ہوتے تو سادان کبھی بھی سچائی تک نہ پہنچتا۔

رپورٹ کے مطابق یاور کو بھی وہی زہر دیا گیا اور وہ بھی مرنے سے پہلے شراب کے نشے میں تھا۔ یہ یقیناً شہزادے کے لیے سوہان روح غم تھا مگر اب وہ خود کو کمزور کرنے کے بجائے مضبوط کرنے والا تھا۔

لاہور جا کر اس نے یہ ساری رپورٹس اور تمام معاملات وکیل کو دینے تھے اور اسکے بعد وہ سادان کو ایک لیگل نوٹس دینے والا تھا جس کی رو سے منظور حسین کو باعزت اس کیس سے بری کیا جانا تھا اور گاوں کی روایات کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کیس کو جانچنے کی ساری ذمہ داری وہ کورٹ کی اجازت کے بعد خود لینے والا تھا۔

پھر جب سادان اصل مجرم تک پہنچ جاتا تو اسکے بعد کے تمام معاملات اور اس مجرم کی سزا کورٹ نے تجویز کرنی تھی۔ یہ سارے معاملات طے کرنے ہی سادان کل لاہور جا رہا تھا اور ساتھ ہی شاویز اور کومل کے نکاح کے ساتھ ہی وہ کومل کو بھی واپس لانے والا تھا۔

سادان نے اگلا دن اس کام کے بعد اپنے ہوسپٹل کی جگہ پر کام شروع کروانے اور وہاں امام صاحب سے دعائے خیر کروانے سے کیا۔

خود امام صاحب نے سادان کے اس کار خیر کی دل سے حوصلہ افزائی کی اور اپنے مبارک ہاتھوں سے ہوسپٹل کی بنیاد رکھی۔اس چھوٹی سی تقریب میں بس عاقل، کرمان، سادان اور امام مسجد کے علاوہ گاوں کے کچھ لوگ شامل ہوئے جبکہ تیمور بھی کچھ دیر آیا تھا مگر پھر وہ عاقل کے ساتھ واپس چلا گیا۔

درمان جان بوجھ کر نہیں آیا تھا اور اسکا سادان کو دکھ تھا۔یہ ہوسپٹل وہ چھ ماہ کے اندر اندر مکمل کروانا چاہتا تھا اور اسکا ارادہ تھا کہ اگلے ایک ماہ کے اندر اندر گاوں کے معاملات سلجھا کر وہ اپنی باقی کی ہاوس جاب مکمل کرے۔

اسے جاب سے سپیشل آفندی سر کے کہنے پر رعایت دی گئی تھی کیونکہ سادان کی اس گاوں میں ابھی زیادہ ضرورت تھی۔

دوسری طرف کومل نے فلذہ کا ایڈمیشن کروادیا تھا اور حالات کی نازکی کے باعث وہ یہ دونوں امتحانات پرائیویٹ دینے والی تھی جو سادان کا ہی مشورہ تھا۔

ویسے تو نویں اور دسویں الگ الگ تھیں مگر فلذہ بہت ذہین تھی اور ٹیچرز نے اسکا ٹیسٹ دیکھ کر ہی اندازہ لگالیا تھا کہ وہ چھ ماہ میں یہ دونوں کورس مکمل کرلے گی جس پر کومل تو فکر مند ہو گئی مگر فلذہ کا اعتماد دیکھ کر اسکے صدقے چلی گئی۔ وہ دونوں صبح گئیں اور پھر دونوں نے کل کے لیے تھوڑی شاپنگ کی۔ کومل نے اسے کل کے بارے میں بتایا تھا اور وہ بہت حیران ہوئی مگر حیرانگی سے زیادہ فلذہ کے چہرے پر خوشی تھی۔

نکاح کی ساری تیاری تو گلناز بیگم نے کرلی تھی جبکہ کومل کا جوڑا اور سب چیزیں بھی وہ خود ہی دیکھنے والی تھیں۔ جبکہ کومل نے فلذہ کو بہت پیارا سا سنپل وائٹ اینڈ سلور ڈریس دلوایا تھا کیونکہ نکاح کی تھیم وائٹ اور سلور تھی۔

انجیل بیگم آج کا سارا دن ہی اپنے شیطانی دماغ کو گماتی رہیں کہ آخر کار یہ ساداں نے فلذہ کو رکھا تو کہاں رکھا۔ سب ہی ساداں کی سوچ تک پہنچنے کی کوشش میں تھے مگر شہزادے کے ساتھ اسکا اللہ تھا اور اللہ سے بڑا محافظ اور مددگار کوئی نہیں ہے۔

درمان چوہدری کے آدمی آج بھی ہر جگہ فلذہ کو تلاشتے رہے مگر انکے ہاتھ خالی ہی رہے اور اب انجیل بیگم اور درمان کو اپنی مسلسل ملتی ناکامی بہت زہر لگ رہی تھی۔ یقیناً وہ دونوں اب کچھ بڑا سوچنے والے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کومل باجی، یہ گلناز امی آپکا جوڑا دے گئی ہیں۔ آپ واش روم میں تھیں ناں۔ دیکھیں کتنا پیارا ہے" کومل فریش ہو کر نکلی تو فلذہ پرجوش سی مسکان

سجائے بہت پیارا جالی دار سفید کے اوپر سلور کڑھائی والا جوڑا لہرائے بولی تو کومل تو اس حسین زیبائش زدہ لباس پر فدا ہی ہو گئی۔

فلذہ بھی آج تو نکھری ہوئی تھی اور کومل کا تو حال ہی بے حال تھا، محترمہ بنا لالی کے بھی آج گلابی تھیں۔ آخر کل وہ شاویز کے نکاح میں آنے والی تھی اور یہ اسکی محبت کی معراج تھی تو خوشی بلکے خوشی تو چھوٹا لفظ ہے، آج تو دیوانی دل تک مہک رہی تھی۔

جوڑا بہت ہی چنا ہوا اعلی تھا، قمیص شلوار سفید تھے اور جالی دار قمیص کے گلے پر سلور موتی سے کام تھا جبکہ دوپٹہ بھی جالی دار کڑھائی سے اٹا ہوا تھا اور اسکے کنارے سلور لیس دار جھالر تھے جنکے شروع میں ایک سفید شیشہ پیوست تھا۔

شاویز بھی کل سفید سوٹ پہننے والا تھا اور سادان کو بھی اس نے سفید کا ہی کہا تھا۔

کل تو یہ چاروں آفتیں سب ساکت اور مسحور کن کرنے والی تھیں۔

شرمگیں سی ہنسی ہونٹوں میں دباتی کومل آج تو یوں تھی جیسے آسمان سے اضافی نور اتر کر اسکے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا۔

خود فلذہ کا لباس بھی سفید تھا مگر اسکی گھیرے والی شلوار بھی وائٹ تھی جبکہ جالی دار سفید قمیص اور دوپٹے پر بس سلور کام اور سلور ہی لیس تھی جو حسین ترین تھی۔

بہت حسین، میں اس میں کسی لگوں گی" ھائے گھبراہٹ نے کومل کا" صدقہ ہی اتار ڈالا، خود فلذہ اب آنکھوں میں چمک لائے اپنا اسیر کر دینے والے انداز سے مسکرائی تھی۔

شہزادی لگیں گی، یہ بہت پیارا ہے۔ آپ بہت سارا خوش رہیں، میری" بہت سی دعائیں ہیں آپکے لیے" فلذہ کا یوں بے لوث دعاوں کے ساتھ کومل کو سراہنا اسے بھی پیارا لگا جس پر اب ایک بہنوں والی جھپی تو بنتی تھی اور آج تو دونوں ہی پیاری سی پریاں ہنس کر اور نکھری تھیں۔

تھینک یو میری جان، اور مجھے لگتا ہے یہ تمہاری دعا ہی لگی ہے۔ یقین مانو "فلذہ یہ تو بے حد ناممکن تھا۔ میں نے تو کبھی یہ بات اپنے سائے تک کو پتا نہ چلنے دی تھی کہ میں شاویز سے جنون کی حد تک محبت کرتی ہوں۔ وہ کل میرے ہو جائیں گے یہ میرے لیے دنیا میں جنت ملنے جیسا ہے" اب کومل اسے اپنے دل کی ہر شدت بتا رہی تھی جسے فلذہ دلفریبی سے سن کر رشک میں تھی۔

یہ باتیں اتفاق سے کمرے سے باہر سے گزرتے شاویز کی سماعت سے ٹکرائیں اور وہاں تو جیسے اک بے یقین سی سہانی دلفریبی تھی جس نے شاویز کے روم روم روشن کر دیا تھا، چلا کو مسٹر دبی دبی آتشی مسکان ہونٹوں میں دبائے فوری وہاں سے فرار بھی ہو گئے۔

یہ تو اللہ پاک کا اجر ہے، بابا جان کہتے ہیں کہ جو چیز اللہ سے مانگی جائے وہ" بلاشبہ ملتی ہے۔ میں بہت خوش ہوں کہ آپ کو آپکی رضا مل رہی ہے۔ آپ میرے لیے بہت خاص ہیں باجی، اللہ سے دعا کرتی رہوں گی کہ وہ آپکو

اور شاویز بھائی کو یونہی ساتھ رکھیں" فلذہ کا یوں معصومیت اور پیار سے کومل کو مان سونپنا خود کومل کی تسلی کا موجب تھا۔ اس وقت اسے جب ماں کی یا بہن کی ضرورت تھی تو اللہ نے فلذہ کو سونپ رکھا تھا اور بلاشبہ کومل کے لیے بھی فلذہ بے حد خاص تھی۔

میں قربان جاوں تم پر، تم بھی خوش رہو۔ کل سادان بھی آئیں گے،" میری شہزادی بھی خوش ہے نا؟" ھائے کومل تم نے یہ کیا نازک موضوع چھیڑ دیا ہے، سادان کا ذکر ہی فلذہ کے دل کو بہار کر دیتا تھا اور اب کل سادان سے ملنے کا سوچ کر فلذہ کے اندر زندگی نے جوش سا پکڑا اور کومل تو یہ محبت کی ابتدائی رمز سے بخوبی واقف تھی تبھی فلذہ کے چہرے کے اڑے رنگ فوری بھانپ کر ہنس دی تھی۔

وہ تو لگتا تھا سٹی گم کیے بدحواس ہو چکی ہے۔

انکے ذکر پر یوں سمٹا مت کرو فلذہ، تم کسی صورت کسی سے کم نہیں ہو۔" وہ جو تم سے اتنا انس رکھتے ہیں، یہ بلاوجہ نہیں ہے۔ وہ تمہارے ساتھ نکاح

میں جڑے ہیں، کیا تم نہیں چاہتی کہ وہ بھی تم سے ایک عام نارمل ہسبنڈ کی طرح ملیں۔ آو یہاں مجھے بتاو کہ تم کیا سوچتی ہو؟" کومل نے ناجانے کیوں محسوس کیا کہ وہ یک دم بوجھل ہو گئی ہے تبھی وہ اسے پیار سے اپنے ساتھ لگا کر بیڈ پر بیٹھے اسکا ہاتھ پکڑے پوچھتے بولی مگر فلذہ کا نکھرا روپ یوں لگا مرجھا سا گیا ہے۔

" وہ مجھ سے کہیں درجے افضل ہیں کومل باجی، وہ بہت بڑے ہیں اور میں نہ افضل ہوں نہ بڑی" فلذہ ابھی بھی خود کو حقیر جان رہی تھی، اگر اسے علم ہو جاتا کہ وہ بادشاہِ وقت کا عشق ہے تو یقیناً ہوا میں پرواز بھرنے لگتی۔

کومل اسے ایسے بجھے جواب پر اداسی سے اسکا جھکا چہرہ اوپر اٹھائے تھوڑی خفا سی ہوئی۔

" غلط بات، سب انسان ایک جیسے ہیں۔ ایسا مت سوچو۔ اگر کبھی تمہیں سادان سے محبت ہو گئی تو تم انھیں فوراً بتاو گی، وعدہ کرو" کومل کا یوں

صدمے میں غرق فلذہ سے وعدہ لینا حسین تھا اور وہ تو ہونق زدہ سی ساکن تھی۔

یہ کیا کہہ رہی تھی کومل، بھلا وہ اس قابل کہاں کہ سادان کے عکس تک کو چاہ سکے۔ شاید ابھی فلذہ جس سٹیج پر تھی اسکا ایسا سوچنا برحق تھا۔

باجی یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ "فلذہ نے خوفزدہ ہو کر خلق سے لگی آواز" کے سنگ کہا جس پر کومل ہنوز ہاتھ بڑھائے وعدہ چاہ رہی تھی۔

سادان سے محبت ہوئی تو انکو بتادینا، وہ اتنے پیارے ہیں کہ تمہاری محبت" کو مقدس ترین سمجھیں گے۔ اپنے کسی جذبے کو یہ سوچ کر مت دبانا کہ تم انکے قابل نہیں۔ ارے جب اللہ پاک نے یہ ناطہ جوڑ کر تم دونوں کو محرم بنایا ہے تو ہم انسان یہ فیصلہ کرنے والے کون ہیں کہ ہم اس قابل ہیں یا نہیں "کومل اس وقت فلذہ کو بہترین انداز سے سمجھا رہی تھی مگر فلذہ کے لیے تو سادان بس مسیحا تھا۔ اس سے آگے تو وہ سوچ کر بھی ڈرتی تھی کہ کہیں اس پیارے سائیں کی بے ادبی نہ کر جائے۔ شاید فلذہ کا یوں خود کو

حقیر جاننا اس لیے بھی تھا کیونکہ وہ تو حسینوں کا حسین تھا اور وہ سانولی سی۔ بھلے پیاری اور انوکھی تھی پر وہ ایک چھوٹے سے کسان کی بیٹی کہاں اور وہ سلطان جیسا سادان کہاں۔

وعدہ کرو فلذہ" کومل نے رسانیت اور ملائم پن سے اس نڈھال کو پھر سے" کہا جس پر وہ بے دلی سے ہی سہی پر سر اثبات میں ہلا گئی تھی۔

کومل کے چہرے پر تبسم تھا اور وہ اپنی ہتھیلی فلذہ کی گال پر رکھے پیارا سا مسکرائی جس پر وہ شش و پنج میں مبتلا فلذہ بھی موہوم سا مسکرا دی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح فجر تک سادان نے عاقل اور کرمان کو رازداری سے تمام امور کا پورا دن اچھے سے جائزہ لینے کا کہا تھا۔ سفید کف داری سوٹ پر سیاہ واسکٹ پہن کر تو شہزادے نے آج دولہے سے زیادہ اخیر تباہی مچانے کا ارادہ باندھ رکھا

تھا۔ھائے جب سادان اور فلذہ سفید میں ایک ساتھ کھڑے ہوں گے تو لمحے تو معطر ہو جائیں گے۔ کرمان نے سادان کو پوری تسلی دے کر روانہ کر دیا تھااور خود وہ آج سادان کی ڈیوٹی سنبھال کر سب امور کا جائزہ لینے والے تھے۔

سادان نے جاتے ہوئے فلذہ کے لیے ایک عدد موبائل اور دولہا دلہن کے لیے بہت پیارا سا تحفہ خریدا تھا۔

کومل کے لیے اس نے بہت پیارا گولڈ کا بریسلٹ خریدا تھا جبکہ شاویز کے لیے اس نے کافی سوچ بچار کے بعد بہت ہی ڈیسنٹ اور برینڈ ڈ گھڑی لی تھی۔

چونکہ سادان کی عادت تھی کہ وہ جب بھی جاتا تھا تو گلناز امی اور اسد بابا کے لیے بھی کوئی نہ کوئی تحفہ لازمی لیتا تھا۔ آج تو ویسے بھی انکا لکی ڈے تھا لھذا اسد بابا کے لیے اس نے انکا فیورٹ ملتانی حلوا لیا جبکہ امی گلناز کے لیے اسے

بہت پیاری سندھی چادر پسند آئی تو دل نے کہا ایک کومل اور فلذہ کے لیے بھی ہو لہذا شہزادہ تو شاپنگ میں ہی غرق ہو گیا تھا۔

بس وہ واقعی دل کا شہزادہ تھا تبھی تو اتنا پیارا تھا، یہ سب خرید کر بھی اسے نا جانے کیوں فلذہ کے لیے کچھ اور بھی خریدنا تھا۔

کافی دیر وہ سوچ بچار کرنے کے بعد دوبارہ سے جیولری شاپ پہنچا۔

وہ دکاندار اسے نت نئے ڈیزائن دیکھا رہا تھا مگر شہزادے تو کچھ منفرد چاہتے تھے۔

اور پھر اسکی نظر ریک سے الگ تھلگ ایک یونیک سے سکائے بلو ڈائمنڈ اور سلور گولڈ چین پینڈٹ پر گئی جو اس وقت اس شاپ کا نمایاں جیولری پیس تھا۔

وہ واقعی بہت یونیک تھا اور اس قدر نازک تھا کہ ایک پل کو لگا بس چھونے سے ٹوٹ جائے گا۔

سادان کے ہونٹوں پر اک دلفریب سی مسکان سجی اور اس نے وہ کافی مہنگا پینڈنٹ خرید کر بہت حفاظت سے اپنے والٹ میں رکھا اور پیمنٹ کیے باہر نکل آیا۔

یہاں سے وہ سیدھا اپنے وکیل کے دفتر گیا جہاں وہ دن گیارہ تک پہنچ گیا تھا۔ سادان کا سارا کام شام چار بجے تک چلتا رہا کیونکہ وہ پھر وکیل کے ساتھ کورٹ گیا اور اللہ کے فضل سے سارے معاملات تو طے ہو گئے مگر موسم اس قدر خراب ہو گیا کہ وہ بمشکل ہی شاویز کے گھر پہنچا تھا۔

بارش کا موسم تو اس ملن پر چار چاند لگا گیا مگر سادان کو اصل جھٹکا تو فلذہ کو دیکھ کر لگا جو پہلے سے یکسر الگ رنگ ڈھنگ اور روپ میں کوئی سلونی سی آپسرا لگ رہی تھی۔

جب تک سادان پہنچا تھا چھ بج چکے تھے اور سب بلکل ریڈی تھے۔ نکاح میں امام صاحب کے چند دوست احباب بھی شامل تھے جبکہ کرمان اور سلطانہ نے فون پر ان دونوں کو جی بھر کر دعائیں دی تھیں۔

فلذہ اس لباس میں آج تو شہزادے کو بھی بار بار اپنی سمت مائل کر رہی تھی۔ دوپٹہ بہت نفاست سے دہرا کر کے سر پر ٹکا کر آدھا آگے آدھا کندھے پر پھینک رکھا تھا۔ ماتھے کا تناو فرنیچ ڈیزائن سے خوب تر تھا۔ کھلے سٹیپ کٹنگ بال فلذہ کی کمر پر لہرا رہے تھے اور ہوش ربا حد تک آفت خیز تھے۔

کومل تو پریوں کے دیس کی کوئی خاص شہزادی لگ رہی تھی، سر پر لیا آنچل جو بہت نفاست سے سیٹ تھا۔ نکاح خود اسد صاحب نے پڑھوایا تھا اور سب سے زیادہ خوش بھی وہ اور انکی چمکتی دمکتی گلناز بیگم تھیں جنکے دل کی پیاری سی فرمائش پوری ہوئی۔

اور پھر محبت اور آمادگی کے سنگ بارش کے گرج دار موسم میں قول وقرار کی روح پرور رسم نبھادی گئی اور شاویز کی قسمت میں اسکی دیوانی پورے حق سے لکھ دی گئی۔

تمام خوبصورتیوں کی حدود کو پھلانگنے والی اے حسین لڑکی "

تمہیں پتہ ہے۔۔۔

جب تمہارے لب خامشی کا گلا گھونٹتے ہیں، تو سنہرے لفظوں کی دھیمی آہٹ، نسیم زیست کی منتظر آنکھوں کا دروازہ ہلاتی ہے، تمہارے لہجہِ بے باک سے نکلتا پری وش احساس قلب ناصبور کے سینہ چاک پر مرہم سلیمانی لگاتا ہے، تمہاری آواز کا سحر تان سین کی بانسری میں رانجھے کی دھنیں الاپتا ہے، پرندے بہک جانے کی سی کیفیت میں شوروغل سمیٹتے ہوئے حس ادراک سے فورا تمہیں پہچان لیتے ہیں۔

اور جب نیم مقتول سمے تمہاری یادوں کے پیچ و خم تلے سانس لینے کی جسارت کرتے ہیں تو گرد نواح میں گھومتی ہر اک گردش تھم جاتی ہے۔

قطار در قطار میثاق محبت سے بندھے جذبات دل دماغ پر مصرف وقت کے چہرے سے خواب نوچتے ہیں۔ اور جب تم نگاہیں ملا کر جھکا لیتے ہو تو چشم تغافل سے مزید پینے کا اشتیاق دلِ بے قرار کے حلق بریدہ میں تشنگی کی تشنہ لبی پر تڑپ اٹھتا ہے، سفید جھیل میں ڈوبے سیاہ چاند کے حلقے ہماری ناؤ کی

پتوار کو رستہ دیکھاتے ہیں کہ گویا انکا قطبی ستارہ آپ کی آنکھوں میں رہتا ہے

۔

سن رہی ہیں نا؟

سبز بھنورے بارہ رنگوں کے جاموں میں لپٹی تتلیوں کی اڑان پر رشک کرنے لگتے ہیں جب تمہارے رخسار معصومیت کی قلم سے مسکراہٹ کے نقوش بنا کر مدہوشی کا امرت کشید کرتے ہیں۔ کاکل نازنین کا ذکر مقتل جان سے مرہم جاں ہونے کی مسافت گھنٹوں میں طے کرتا ہے۔ نگار حُسن کی لذت سے آشکاری تمہارے نقوش کے قدموں کی خاکساری سے پنپتی ہے۔ تمہارے سامنے آنے پر روح بے چین کا اضطراب اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ دشت میں دوڑتے آہو کی برق رفتاری سے سبقت لے جاتا ہے۔ گویا کوئی شریر بچہ سانسوں کے دریا میں سنگ وصل پھینک کر فرار ہو جائے ۔ہزار کاوشیں کرنے باوجود بھی میں تمہارے سحر کو زندان قلم نہیں کر سکتا

. مگر حالت زار کی مسیحائی کا متن لکھ دیا ہے

یاد رکھنا۔۔ تم ہو

دشت جاں میں ابر باراں کا تصور،

خزاں پزیر مجسم میں طبلِ بہار،

نہیبِ ناامیدی سے نکلتی صبح کرن،

بھنور کی گود میں لہروں کی آبروِ بقا،

مریض کوڑ کی آنکھوں میں ہمت مرداں،

سیاہ پہاڑ کے دامن سے پھوٹتا چشمہ،

ادھیڑ عمر میں بچوں کا آسرا ہونا،

کسی غریب کے برتن میں آخری روٹی،

کسی فقیر کے کاسے میں ہوا منگ صدا۔۔

تمہیں پتہ ہے۔۔

"ہمارا ہونا تمہارے ہونے پہ منحصر ہے

دونوں شہزادوں کے من کی آوازیں اس موسم میں دل کے تار چھیڑتی ہوئی ہم آواز ہوئے، دھڑکنیں شوریدہ اور سانس کا بے ربط ہونا، جنون کی آمد کی خبر چپ چاپ اپنی شہزادہوں کے دل تک پہنچا رہا تھا۔

نکاح کے بعد سب نے ایک دوسرے کو مبارک پیش کی اور نئے نویلے جوڑے کو بھی تا عمر ساتھ رہنے کی دعائیں دی گئیں۔ سادان کو دیکھ کر خود فلذہ نڈھال تھی۔ واسکٹ تو ہلکی سی گیلی ہونے کے باعث اس نے آتے ہی اتار دی تھی اور اب بازو بھی فولڈ تھے جو الگ ہی اس پر جچ رہے تھے۔ دلہے کا ذکر کیسے چوک سکتا ہے، آج تو وہ بس اف ہی دیکھائی دے رہا تھا۔ اتنا پاکیزہ کہ ہاتھ لگائے میلا ہونے کا خدشہ ہو۔

دیوانی تو اب مستانی ہو گئی جب پہلو بھی دل جیسا شاویز بیٹھا یا گیا۔

گلناز نے سیلفی والا سیشن خود سر انجام دیا بھئی ماڈرن پن تھوڑا تو چلتا ہی ہے۔ اور پھر اک تصویر سادان اور فلذہ کی بھی بنائی گئی، حقیقت تو عاشقانہ تھی ہی پر وہ تصویر جس پر مصوری کا فن نکھر جائے۔

سب خوش تھے، کومل تو باولی ہو رہی تھی کہ اسکا دل لگا بس دھڑکتا ہوا باہر آگرے گا۔ یہ کتنا حسین احساس تھا کہ یہ بندہ اب اسکا ہے، مہمان آٹھ تک کھانا وغیرہ کھا کر چلے گئے تو پھر سادان نے سب کو انکے تحفے دے کر پیار سمیٹا جبکہ فلذہ کو اس نے چادر تو دے دی اور فون بھی مگر وہ پینڈٹ وہ اسے اکیلے میں دینا چاہتا تھا۔

یوں تو سادان کی رات واپسی تھی مگر عین وقت پر طوفانی بارش کے باعث یوں لگ رہا تھا کہ وہ نکل نہیں پائے گا۔

یا شاید آج کسی نے وہ گانا گایا ہو۔

اے ابرِ کرم آج اتنا برس، اتنا برس کے وہ جا نہ سکیں۔"

پہلے نہ برس کہ وہ آنہ سکیں، پھر اتنا برس کہ وہ جا نہ سکیں" ھائے یہ کبھی کبھی مجبوری بھی کتنی پیاری ہوتی ہے ناں۔ سادان کا دل خود کہاں چاہتا تھا کہ بنا فلذہ سے قریبی سا ملے لوٹ جائے۔

شاید اللہ پاک بھی یہی چاہتے تھے کہ دونوں کی ایک حسین ملاقات ہو۔

اور پھر ایسا ہی ہوا۔ فلذہ اور کومل والا کمرہ، گلناز بیگم نے سادان اور فلذہ کے لیے سیٹ کیا جبکہ کومل کو انہوں نے آج اپنے پاس سلانے کی آفر کی جسے وہ خوشی خوشی قبول کر چکی تھی۔

امام صاحب تو آج کسی درس کی وجہ سے مسجد ٹھہرنے والے تھے جبکہ شاویز صاحب میدان میں ابھی اکیلے تھے پر آج انکو تنہائی کی قطعی طور پر اجازت نہ تھی۔ کومل موقع ملتے ہی شاویز سے ملنے کا ارادہ کر کے بیٹھی تھی، جھلی شیدائی کہیں کی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چاچو یہاں تو بارش بہت طوفانی ہے، میں ان شاء اللہ فجر تک نکل جاوں گا۔ یہ بتائیں کسی کو میری غیر موجودگی کا شک تو نہیں ہوا" سادان کمرے میں آیا تو نظر چینج کر کے واش روم سے باہر نکلتی فلذہ پر گئی تو محترمہ

گھبراہٹ کے سنگ اپنا گلے میں ڈالا دوپٹہ فوری سر پر ڈالے سادان کی نظروں سے سمت سی گئیں مگر وہ تو شاید بھول ہی گیا کہ فون پر بات کر رہا ہے۔ آج آنکھیں فلذہ کو صرف دیکھنے پر راضی نہ تھیں، آج عملی اظہار محبت کی تمنا سادان کے دل میں اس من پسند فلذہ کے لیے جنون کا روپ دھار چکی تھی اور لمحے تک موہوم ہی سہی پر ملن کے منتظر تھے۔
فلذہ کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کا موقع آج اس طوفانی موسم نے دیا تھا اور سادان کا دل اس انعام پر بے حد خوش تھا۔

"نہیں ابھی تک تو نہیں ہوا، تم صبح ہونے سے پہلے پہنچ جانا احتیاط کے طور پر۔ اب تم آرام کرو" کرمان بھی شاید ایک نظر چپ چاپ سی حویلی کا راونڈ لگا کر سونے ہی جانے والے تھے۔

سادان بھی فون رکھے اب اپنی ساری توجہ مس روتو پر مرکوز کیے مسکرایا جو اب پہلے سے زیادہ پیاری لگ رہی تھی۔اوپر سے بھلا ہو کومل کا جسکی بدولت اب وہ وہی رنگ پہنتی تھی جو اسکے کمپلیکشن پر مزید آفت مچاتے تھے۔

سادان کو یاد کرنے والی سانولی اب اسکے سامنے ہونے پر تذبذب کا شکار تھی اور جناب شہزادے سینے پر ہاتھ باندھے تسلی سے فلذہ کے چہرے پر اڈتی حیا کو جانچتے ہوئے فاصلہ مٹائے فلذہ تک پہنچے جو اس وقت بے بیٔ پنک اور گرین سوٹ میں تھی۔

کچھ دیر سادان کی موہوم سی بہکی نگاہ نے فلذہ کا حق دار سا جائزہ لیا اور دل نے آج اس عشق کی مانند رگوں میں سرائیت کرتی فلذہ کو مزید قریب کرنے کی جستجو کی تھی مگر وہ تو فقط نظروں سے ہی گلاب ہو رہی تھی۔اور سادان جانتا تھا وہ ابھی اسکی ایسی نظر نہیں سہہ سکتی تبھی فوری چہرے پر محبت اور ناز کی اوڑھے جونہی اسکی سمت بڑھا تو وہ خود کو بے جان محسوس

کیے مڑ کر اپنے چہرے کے بے قرار رنگ چھپائے شاید بیڈ کا تکیہ اٹھانے مڑی۔

وہ آپ یہاں سو جائیں، میں ادھر سو جاوں گی" سادان تو اسے جی بھر کر دیکھتا ہوا اپنی آنکھوں میں سمو رہا تھا مگر فلذہ نے ان آنکھوں کے سائے سے بچ نکلنے کو اپنا تکیہ اٹھایا اور کہتی ہوئی مڑی مگر سادان نے اسے نرمی سے ہاتھ پکڑ کر روکا اور اس سے تکیہ لے کر بیڈ پر واپس رکھا۔

وہ تو ہونق زدہ پھٹی آنکھوں سے سادان کے ایسا کرنے پر سرخ ہو گئی تھی۔

کیوں کیا ہم ایک بیڈ شئیر نہیں کر سکتے؟ اتنا تو بھروسہ کر ہی سکتی ہو"" سادان نے بے ربط ہوتی دل کی دھڑکن کے سنگ فلذہ کو دیکھ کر کہا جس پر وہ بے یقینی سے چہرہ اٹھائے پریشان سی لگی۔

اچھا چھوڑو، بیٹھو یہاں" سادان نے اسکی اڑی رنگت بھانپ کر فوری اپنے بے قابو دل کو ڈپٹ رسید کرتے ہوئے فلذہ کو پکڑ کر بیڈ پر بٹھایا اور خود بھی رخ اسکی سمت پھیرے بیٹھتا ہوا مکمل سنجیدہ ہوا۔

فلذہ نے پھر سے اپنا جھکا چہرہ اٹھا کر سادان کو دیکھا جواب اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں اس ملائم پن سے جکڑ رہا تھا کہ فلذہ تو لگا بس شہزادے کے سحر میں ڈوب گئی ہے۔

فائنلی میں جیت گیا ہوں فلذہ، تمہارے بابا بے قصور ہیں اور میں بہت" جلد یہ سچائی پورے گاوں کو بتانے والا ہوں۔اور دیکھنا جن کھوکھلے پنچائتیوں نے یہ ونی جیسا فیصلہ لیا تھا اب ان سبکا کیسے کھیل ختم کروں گا۔ یاور اور اسکے دونوں دوستوں کو زہر دیا گیا ہے" سادان یہ بتاتے ہوئے فلذہ کا ہاتھ ہنوز آہستگی سے اپنے ہاتھ میں سہلائے اسکی بھیگی آنکھوں میں دیکھ کر بولا تھا جو یہ سن کر اور غمناک ہو گئی تھی۔

اسیٔ ونی نے تو اسے سادان سے جوڑا تھا، کیا اب سادان اسے چھوڑ دے گا۔ یہ خوف فلذہ کے وجود میں اک تکلیف کی لہر سرائیت کر گیا اور سادان بنا کہے بھی فلذہ کی خاموشی کا دکھ سمجھ گیا تھا، تبھی اب اسکا ہاتھ وہ زیادہ چاہت سے تھامے ہوئے اسے اپنے کچھ قریب کر چکا تھا۔

وہ رونا تو نہیں چاہتی تھی مگر شاید تکلیف چیز ہی ایسی ہے، پتھروں کو بھی نم کر دے۔ یہ تو پھر معصوم اور نازک سی فلذہ تھی۔

اس روز اگر بابا نہ آتے تو شاید آج میں بھی زندہ نہ ہوتی، مجھے وہ دن نہیں بھولتا" یہ کہتے ہوئے فلذہ کی آواز کانپ رہی تھی اور سادان بھی درد دیتے تاثر کے سنگ فلذہ کے چہرے اور رخساروں پر ڈھلکتی نمی ہٹانے کو اب بے حد پریشان سا اپنی ہتھیلی اسکے چہرے پر پھیر رہا تھا جس پر فلذہ نے سرخ بڑی بڑی آنکھوں سے اس مہربان کو دیکھا۔ واقعی وہ دن بھولنا فلذہ کے لیے ناممکن تھا جب ان گھٹیا آوارہ درندوں نے اسے نوچنا چاہا تھا، شاید تبھی وہ مردوں سے خوف کھاتی تھی پر اسکے باوجود سادان اسے عزیز ہو رہا تھا کیونکہ شہزادے نے اسے محبت کے باوجود پہلے عزت بخشی تھی اور جب کوئی مرد عزت دے تو عورت کسی بھی طبقے کی کیوں نہ ہو، پگھل جاتی ہے۔

یہ تو پھر نکاح جیسے مضبوط اور قریبی ترین اور اس دنیا کے سب سے آسودہ تعلق میں بندھے تھے۔

دونوں ہی اس وقت اپنی اپنی سوہان روح سی تکلیف میں تھے۔

بس بھول جاو، اسے براخواب سمجھ کر اپنے دماغ سے نکال دو۔ رویا مت "
کرو۔ اب تمہیں کمزور فلذہ نہیں رہنا، کل جب کومل بھی چلی جائے گی پھر
تمہارا اصل امتحان ہو گا" سادان جانتا تھا کہ وہ اسے اکیلا نہیں کرنا چاہتا پر
اس وقت وہ بہت مجبور تھا کہ فلذہ کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا تھا اور اب
جب وہ اسکے پاس تھی تو اسکی تکلیف بھی شہزادے کے دل پر گراں تھی۔

مجھے بابا کے پاس پہنچادیں بس، مزید آپکو کسی امتحان میں نہیں ڈالوں گی""
ابھی بھی وہ رو رہی تھی اور سادان اب بہت نرمی سے اسکے گرد بازو
پھیلائے اس نڈھال کو اپنے سینے میں سمو گیا تھا، اور یہ لمحہ خود فلذہ شدت
سے چاہتی تھی اور سادان کی قربت اسے کہیں اندر سے سکون دینے لگی
تھی۔

تم ایسا کیوں سوچتی ہو فلذہ، تم نے مجھے کسی امتحان میں نہیں ڈالا۔ رومت، "
دیکھو آج تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ ملاقات کا وعدہ پورا کر دیا، آج مجھے

تم مسکراتی ہوئی چاہیے ہو۔ برا وقت گزرنے کو ہے فلذہ، میں اپنے ہر وعدے کو پورا کروں گا بس تم تسلی رکھو" وہ جو اسے حوصلہ دینے کے چکر میں خود بھی کہیں اندر سے مسمار ہو رہا تھا، اسے بھی اپنی بقا کے لیے فلذہ درکار تھی۔ مگر وہ اس وعدہ پورے کرنے کی بات پر اپنا سانس بند ہوتا محسوس کر رہی تھی۔

وہ کہنا چاہتی تھی کہ سائیں مجھے کبھی مت چھوڑیں مگر دوسری سمت وہ سادان پر اب اپنی وجہ سے کوئی مصیبت نہیں چاہتی تھی۔ وہ اس قدر پیار سے اسے بچوں کی طرح خود میں سمیٹے گداز پن سے کہہ رہا تھا پر فلذہ کو بس تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔

مجھے تم نے زرا مس نہیں کیا نا؟ تبھی رو رہی ہو اور مجھے اداس کر رہی ہو۔" میں کتنا خوش ہوں کہ تم سے مل رہا ہوں اور تم۔۔۔۔۔۔ کیا بات ہے فلذہ، کچھ ایسا ہے کیا جو تمہاری تکلیف بن رہا ہے۔۔۔ مجھے بتاو میں تمہارا ہمدرد ہوں، بولو" وہ اب اسکا چہرہ بے حد بے قراری اور پریشانی سے ہاتھوں

میں بھرے اسکے چہرے کے قریب ہو کر بے حد تاسف سے استفسار کر رہا تھا مگر وہ تھی کہ بس روتی جا رہی تھی۔

نہیں کچھ بھی نہیں" ہتھیلی سے اپنی آنکھیں رگڑ کر وہ اپنے جتنے آنسو اندر اتار کر بولی تھی اتنے ہی اسکی آنکھوں میں آ رہے تھے اور اب سادان کی ہمت بھی جواب دے رہی تھی۔

فلذہ کا یہ رونا اسے شدید تکلیف دے رہا تھا۔

تم مجھے پریشان کر رہی ہو، بتاؤ مجھے۔۔۔۔میری کوئی بات بری لگی، یا میرا قریب آنا تمہیں تکلیف دے گیا؟" سادان کو اب واقعی سمجھ نہ آیا کہ وہ آخر اس قدر دلخراش کیوں رو رہی ہے اور اس بات پر فلذہ نے فوری بے قراری سے نفی میں سر ہلایا تو جیسے سادان کی سانس میں سانس آئی۔ بھلا سادان کے قریب آنے سے اسے تکلیف کیسے ہو سکتی تھی، وہ ابھی اپنی کیفیت نہیں سمجھتی تھی پر سادان کا اسکے پاس ہونا ابھی تک کا سب سے بڑا کرم تھا۔

تو پھر؟ یہ اتنا سمندر کس لیے۔ دیکھو لڑکی آگے ہی بارش نے سب تہس نہس کر رکھا ہے اوپر سے مس روتو نے آنسو بہانے کا ریکارڈ بریک کر دیا ہے" سادان اس سے پہلے کہ فلذہ کی تکلیف کے آگے ہار جاتا، ایک آخری کوشش کیے اسے ہنسانے کو بولا اور وہ اب واقعی رونا کم کیے بھیگی پلکیں لرزائے سادان کو دیکھ رہی تھی جو مسکرا کر اسکا بھی کام تمام کر رہا تھا۔
حقیقت میں ان بھیگی مسکرائی آنکھوں سے ہی سادان کو عشق ہوا تھا اور اب وہ آج یہاں سے فلذہ کی ہر تکلیف میں کمی کر کے ہی جانا ضروری سمجھ رہا تھا۔

"میں نے آپکو بہت یاد کیا، اور رو اس لیے رہی ہوں کہ اب آپکو نجانے دیکھ بھی پاؤں گی یا نہیں۔ اچھا ہے آپ مجھے کبھی نہ دیکھ سکیں، میں نے آپکو صرف پریشان ہی تو کیا ہے۔ مجھ جیسی پریشانی آپ سے دور ہی اچھی ہے، آپ پر میری وجہ سے مصیبتیں نازل ہو رہی ہیں" فلذہ کی آواز میں موجود دکھ اور سادان سے دوری کا لازوال درد سادان نے بھی محسوس کیا، وہ جس

انداز سے خود کو سادان سے کم تر کہہ رہی تھی اس پر شہزادے کی ڈھڑکنیں سراپا احتجاج ہو چکی تھیں۔

سادان چاہتا تھا آج وہ فلذہ سے تھوڑا ہی سہی پر قریب ہو مگر یہ تو سادان کا دل ہلا رہی تھی۔ تھوڑے کے بجائے وہ اسے مکمل اپنانے کی سمت مائل کر رہی تھی جو سادان ابھی ہر گز نہیں چاہتا تھا۔

اب کی بار سادان نے ایک خفا سی نگاہ فلذہ پر ڈالی اور اسکی بازو سے گھسیٹ کر اسے پھر سے اپنے قریب کیا جو کھسک کر سادان کے حصار سے دور ہونے میں لگی تھی۔

سادان کے یوں کرنے پر وہ اس سے ٹکڑاتے ٹکراتے بچی اور جب نگاہیں سادان کے خفا چہرے پر گئیں تو پھر سے فلذہ نے رونے کا کام پکڑا۔

اب تو سادان کا دل اسے صرف یہی کہہ رہا تھا کہ فلذہ کا تھوڑا درد کم کر دیا جائے۔

کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں تمہیں اتنا کمتر جانتا ہوں، بولو" سادان پہلی بار" اس سے جان بوجھ کر تھوڑے خفا انداز سے بولا اور وہ اسکے بہت قریب تھی۔ سادان کی بازو نے فلذہ کو جکڑ کر اپنے وجود کے بے حد روبرو کر رکھا تھا، اتنا کہ وہ بول رہا تھا تو اسکی سانس کی مہکار فلذہ تک باآسانی ہجرت کر رہی تھی۔

آپ سمجھیں نہ سمجھیں، میں کمتر ہوں" فلذہ تکلیف کے دہانے پر بھی" بول پڑی اور سادان نے بھی دکھ سے فلذہ کی آنکھوں میں دیکھا جو اس وقت بے رحم تھیں۔

اور اگر میں یہ کمتری مٹا دوں پھر؟" سادان نے سنجیدگی سے فلذہ کے" چہرے پر نگاہیں مرکوز کیے استفہامیہ نگاہیں فلذہ کی بے جان آنکھوں سے چار کرتے ہوئے بے باکی سے کہا جس پر فلذہ کے وجود سے گویا جان سرک گئی تھی۔ گویوں سادان کی سانسوں کے آتے جاتے جھونکوں کے بیچ فلذہ

سے بات کرنا محال تھا پر وہ اپنے دل میں کچھ نہیں رکھتی تھی اور سب کہہ دیتی تھی۔

"پھر یہ دنیا میرے نام کوئی اور تہمت لگادے گی، یہ سلسلہ وقتی رکے گا بس" پھر سے چند آنسو فلذہ کی پُر حدت گالوں پر ڈھلکے جس پر سادان نے اسے ویسی ہی تکلیف سے دیکھا۔

"تمہیں مجھ پر یقین نہیں ہے فلذہ، کیا تم سمجھتی ہو کہ میرے ہوتے ہوئے تم پر کسی کی جرت ہے تہمت لگانے کی۔ تم مجھے اور میرے لفظوں کو اتنا کمزور سمجھتی ہو" سادان کی آواز میں اب کی بار کھارے پن کی بھرمار تھی اور دونوں کے چہروں کے بیچ کا فاصلہ بھی آہستہ آہستہ مزید کم ہو رہا تھا۔

فلذہ خود کو کہیں گم کر لینا چاہتی تھی، وہ سادان کے آگے ہار نہیں سکتی تھی۔

"آپ نے مجھے چھوڑنے کا وعدہ کر رکھا ہے، پھر آپ کے ہوتے ہوئے والا سوال ہی نہیں ہے۔ مجھے اپنی کمتری کے ساتھ ہی جینا ہے، پل بھر کی چھاؤں مجھے زندگی بھر کی دھوپ سے نہیں بچا سکتی" فلذہ اب مزید قریب

نہیں جانا چاہتی تھی مگر اس بات پر سادان کو ضروری لگا کہ اب فلذہ کو خود سے دور نہ جانے دے۔

وعدہ چھوڑنے کا نہیں، تمہارے بابا کے پاس بھیجنے کا تھا" وہ شدید کرب زدہ ہو کر اسکی درستگی کرتا ہوا فلذہ کو بھی پتھرا گیا۔

کیا مطلب "فلذہ نے سخت بے چینی سے روئی آنکھوں کے سنگ سادان" کے چہرے کو دیکھا۔ نگاہیں چار ہوئیں اور پھر سادان نے دوستی کو ایک طرف رکھتے ہوئے فلذہ کو بحیثیت شوہر اپنے پہلے استحقاق زدہ لمس سے نوازا۔ وہ لمس جو کسی ڈوبتی نبض کو زندگی سے مزین سانسیں دے گیا، وہ لمس وہ احساس جو یہ بتا گیا کہ وہ اس سے افضل تو ہو سکتی ہے پر حقیر ہر گز نہیں۔ وہ جو خوشبو سے بھی نازک تھا، وہ جو گلاب سے بھی نرم تھا۔ وہ جو کسی بادل کی طرح سیراب تھا اور وہ جو کسی فرض کی طرح حق بن کر دونوں کو مزید اور مکمل ایک دوسرے میں جا گزین کر گیا۔

یہ اتنا اچانک اور غیر ارادی تھا کہ دونوں ہی اس لمحے میں قید ہو گئے۔ گو شدت اور خماری جیسا کوئی احساس نہ تھا مگر یہ بس فلذہ کو یہ بتانے کے لیے تھا کہ وہ کمتر تو ہر گز نہیں ہے۔

کچھ دیر خود سادان کو لفظ نہ مل پائے، اور یوں لگا سب تھم گیا ہے۔ یہ نشاط انگیز سے چند لمحے سادان کو بھی اک نئے سکون سے متعارف کروا گئے مگر وہ تو لگتا تھا بند آنکھوں کے ساتھ اب کسی اور ہی دنیا میں بیدار کر دی گئی ہے، وہ آنکھیں کھلی تو سادان اب مکمل سنجیدہ اسی کو دیکھ رہا تھا جس کے چہرے پر سکتہ درج تھا۔ وہ پھٹی آنکھوں سے سادان کو دیکھ رہی تھی۔

میں تمہیں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں تمہیں خود سے افضل جانتا ہوں، کئی درجے۔ آج یہ کرنا اہم اس لیے تھا کہ تم دوبارہ خود کو ایسا غلط کہنے کا مت سوچنا۔ یو آر مائی وائف، اور میں تمہیں پوری عزت کے ساتھ بیوی کا مقام دوں گا۔ اور میں اس رشتے کو دوسرے لوگوں کی طرح مزاق نہیں سمجھتا۔ نہ تمہیں یہ اجازت دوں گا کہ تم میرے سامنے خود کو ایسا حقیر

کہو" فلذہ تو اک لمحے میں مقدس ترین بنا دی گئی، وہ تو شاید اپنے حواس قائم نہ رکھ پائی تھی۔ کیسے رکھ پاتی، یہ لمحہ اس ادھوری سی فلذہ کو کامل کر گیا۔ یہ نیا سا اپنا پن اسے یہ بتا گیا کہ وہ شہزادے کو کس حد تک پیاری ہو چکی ہے۔

سادان نے اسے ایک پل میں اپنے وجود اور دل کی سب سے اونچی مسند پر لا بیٹھایا کہ وہ تو اس بلندی اور عروج پر لرز اٹھی، چکرا سی گئی تھی۔

سادان اسکے سفید پڑتے چہرے پر نظریں جمائے منتظر تھا کہ وہ کچھ بولے مگر وہ تو شاید وہاں تھی ہی نہیں۔

آپ دوبارہ ایسا مت کریے گا، آپ مجھ سے کسی صورت کم نہیں نہ میں" کسی صورت آپ سے افضل۔ ہمارا کوئی جوڑ نہیں ہے، اور یہ سب قیامت لائے گا" فلذہ تو ہوش میں آتے ہی پاگل پن سے رو کر وہی سب دہرائے اب سادان کو غصہ دلا رہی تھی۔

فلذہ تمہیں سمجھ نہیں آ رہا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، تم اب مجھ سے ڈانٹ" کھاؤ گی" فلذہ کا یہ منتشر اور تکلیف سے اٹا لہجہ سادان کو بھی تکلیف دے رہا

تھا۔ جس پر روتی ہوئی فلذہ نے آنسو بے دردی سے ہٹا کر دکھ سے ساداان کو دیکھا جواب پھر سے اسکا ہاتھ پکڑ کر بلا جھجھک ہونٹوں سے لگاتے ہوئے خود بھی غمگیں سا ہوا۔

فلذہ تو ان لمس زدہ عنایات سے بے جان تھی اور وہ اسے بے جان نہیں چھوڑنا چاہتا تھا تبھی پھر سے اسے پوری شدت سے خود میں سمو کر پر سکون ہوا۔

وہ بھی نازک سی نڈھال پری ان مضبوط اور حق دار بازوؤں کی گرفت میں سکون سا پا چکی تھی۔

آپکو سب بہت تکلیف دیں گے، میں ایسا نہیں چاہتی" سینے میں چھپی فلذہ" نے اپنے خدشے کو زبان دی تو ساداان نے اسے شانوں سے پکڑ کر روبرو کیا اور پیار سے بھری نظریں اس پیاری عزیزِ جان سانولی پر ڈالیں۔

دنیا میں سب تکلیف دینے کے لیے ہی ہوتے ہیں فلذہ، یہ ہم ہیں جو انکے" وار سے خود کو بچانے کی کوشش کریں۔ میں تمہیں کبھی اکیلا نہیں

چھوڑوں گا اور آج تم سمجھ گئی ہو گی کہ اب تم صرف میری دوست نہیں ہو بلکے۔۔۔"سادان نے پہلے سے اسے حوصلہ دے کر ریلکس کیا اور پھر سادان کی آخری کہی ادھوری بات کا مفہوم سمجھ کر وہ روئی سی فلذہ بھی سرخ ہو گئی جو شہزادے کو مزید دیوانہ کر گیا۔

"آپ کسی ایسی لڑکی کو ساتھ کیوں رکھیں گے جو نہ پیاری ہے نہ ہی دنیا جیسی چالاک، میں تو قدم قدم پر گر پڑوں گی اور آپ کو اپنے جیسی کوئی پیاری بھی مل جائے گی۔ میں تو۔۔۔"مزید وہ ایک بار پھر نہ کہہ پائی کیونکہ سادان کی ہتھیلی پوری اب اسکے نازک سے ہونٹوں پر آکر اسکے الفاظ کا تانہ منقطع کر گئی تھی۔ وہ پھر خفا سا تھا اور وہ تو غم سے چور تھی۔

"فلذہ کیا ہم یہ فضول باتیں ہمیشہ کے لیے چھوڑ نہیں سکتے؟ کیا اب بھی تمہیں لگتا ہے کہ تم پیاری نہیں ہو۔ اور چالاک مجھے چاہیے بھی نہیں، تم معصوم ہی پیاری ہو۔ اور مجھ پہاڑ کے ہوتے ہوئے تمہیں گرنے کی فکر نہیں ہونی چاہیے، ساتھ نہ چل پائی تو میں اپنی چاکلیٹی پرنسس کو اٹھالوں

گا"شروع تو خاصی بے قراری سے کیا مگر سادان آخر تک شریر سا ہو کر اسکی پتلی سی ناک سے ناک ملائے مسکرایا تو تھوڑا سا صدمہ شکر ہے مقابل بھی ہٹا تھا اور فلذہ کی روئی مسکان بھی شہزادے کا رزق تھی۔

کیا سچ میں ؟" ابھی بھی فلذہ حد کر رہی تھی، ایک تو وہ شہزادے کی" کمزوری تھی اور اوپر سے اب تو اور گروم ہو کر ہمارے کیوٹ سے نازک شہزادے پر ظلم ڈھا رہی تھی۔اس پر مزید ستم کے رو کے مزید جان گیر لگ رہی تھی۔

ابھی دیکھاوں اٹھا کے ؟" ھائے شہزادہ تو واقعی مست تھا، شدید شرارت" سے وہ بے تکلف ہوا جس پر وہ روئی سئ چاکلیٹی پرنسس بھی بھیگا سا شر مگیں مسکرائی اور شہزادے کا سارا دکھ اور تکلیف ہوا کر گئی۔

ویسے تو تم پھونک سے بھی اڑ جاو میری، نہیں نہیں آئی تھنک پھونکیں کر" لیتے۔اب اتنی بھی ہلکی نہیں ہو آئی نو" شہزادہ تو اب مستی موڈ میں تھا اور

مقصد اپنی اس متاعِ حیات جیسی، دل کے سکون کی وجہ کو ہنسانا تھا اور شہزادہ کامیاب ٹھہرا تھا۔

سادان نے خود نہ سوچا تھا کہ وہ آج ایسا کچھ نازک اور بے وقت کر جائے گا مگر فلذہ کی تکلیف دیکھ اور محسوس کر کے اسکے پاس اپنے جذبے کے موہوم اظہار کے سوا کوئی چوائز نہ تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیا آپ بنا ملے ہی چلی جائیں گی" کومل آج اتنی خوش تھی کہ اسکا دل چاہ" رہا تھا بس سجدہِ شکر میں ہی سمٹی رہے۔ آج پیاری سا سو مما کے ساتھ سونے کی اسے خوشی تو تھی پر دل میں کہیں شاویز سے دوری پر خلش سی بھی تھی۔ گلناز تو ڈھیر سی دعائیں دے کر میٹھی نیند سو چکی تھیں مگر کومل کو خوشی سے آج نیند ہی نہیں آرہی تھی۔ اور باقی کی کسر بے تاب سے

شہزادے کے میسج نے پوری کی جس کو اوپن کر کے پڑھتی کومل مخملی سا مسکرادی۔

آپ نے بھی کونسا ملنے کی جستجو ظاہر کی"ہونٹ کا کونہ دانت میں دبا کر بیڈ" پر لیٹی کومل ٹائپ کیے مسکرائی اور دوسری طرف شاویز نے میسج پڑھا تو اک تباہ کن کرتا تبسم اسکے ہونٹوں پر بھی جگمگا اٹھا۔

تو وہی کرنا چاہتا ہوں"شاویز کا اگلا میسج پڑھ کر کومل کے دل کی دھڑکن" نے گویا شور مچادیا۔

اف یہ لمحہ جب وہ شاویز کے سامنے جائے گی، سوچ کر ہی اسکے وجود کو لرزا رہا تھا۔

کیا؟"کومل نے جان بوجھ کر شریر ہو کر ٹائپ کیا اور وہاں شاویز اب زیر" لب مسکان جذب کیے ٹائپ کر رہا تھا۔

آپکو ابھی دیکھنے کی جستجو" کومل کا دل لگا سینے سے باہر آن ٹپکا تھا، تیز تیز" سانس لیتی وہ اپنی اس دیوانی حالت پر خود ہی منہ پر ہاتھ رکھے ہنستی ہوئی اس دنیا کی سب سے پیاری شرمیلی لگی تھی۔

لے جائیں پھر" کومل کا بھی موڈ بخشنے کا نہ تھا، نہ خود کو نہ شاویز کو۔"

آجائیں پلیز، لے جانے سے میری پٹائی کا خطرہ ہے" اب کی بار ساتھ" شرارتی آنکھ مارنے والا ایموجی تھا جس پر کومل حسین اور دلفریب سا مسکرا کر فون آف کیے وہیں سائیڈ پر رکھ کر اپنے دھڑکتے دل کو قابو کیے رخ پلٹ کر سوئی گلناز کو دیکھتی ہوئی احتیاط سے اٹھی اور پیروں میں چپل پہنے دوپٹہ کندھے پر ڈالے اپنی قمیص پر پڑی چونٹوں کو جھٹکتی ہوئی اپنے بے ربط سانس کو بحال کرتی باہر نکلی اور دروازہ ویسے ہی احتیاط سے بند کیا۔

جس پر گلناز نے مسکراتے ہوئے آنکھیں کھول کر کروٹ بدلی، ھائے ساس ہو تو ایسی۔

اللہ میرے تمام بچوں کو ہنستا مسکراتا رکھیں، صدقے جاوں ان دونوں کی" چوری چوری ملاقات پر۔ یہ کیا جانیں کہ میں تو اس دن کے لیے کتنی بے تاب تھی" ایک بار پھر وہ پیاری سی ماں پر سکون ہو کر ڈھیر دعائیں دیتیں پھر سے رخ واپس موڑے لحاف اچھے سے اوڑھے آنکھیں موندھ گئیں۔

کومل جو بنا آہٹ کرتی ہوئی شاویز کے روم تک تو چلی گئی تھی پر اب اندر جاتے ہوئے اسے غش پڑھ رہے تھے۔

اپنی نازک انگلیاں مڑورتی ہوئی وہ سخت تذبذب کا شکار تھی اور ایک سانس آرہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ اپنا گھبراہٹ سے کانپتا ہاتھ دروازے تک لے کر جاتی، دروازہ تو محترمہ کے استقبال کے لیے بڑی دلفریبی سے کھولا جا چکا تھا۔

دونوں کی بے قرار سی حسین آنکھیں چار ہوئیں اور شاویز نے آج اس لڑکی کو سرتا پا پورے حق سے دیکھا جو اس سے محبت کا چوری چوری دم بھرتی تھی۔

یہ بات شاویز جان چکا تھا مگر کومل تو ابھی بھی یہ سب خود تک رکھے ہوئے تھی جو ابھی بس عیاں ہونے کو تھا۔

شاویز نے بے حد ملائم پن سے کومل کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنے قریب کرتے ہوئے روم کے اندر کیا اور دروازہ بند کیے پورے کا پورا کومل کی سمت رخ کر گیا جو اتنے سے لمس پر بے جان ہو کر لرز اٹھی تھی۔

شاویز اس کو آج جن نگاہوں سے دیکھ رہا تھا وہ بہت پیاری اور دل کو ہلا دینے کی حد تک بے باک تھیں۔

وہ اسے دیکھ رہا تھا جو اسے بھی پیاری ہو رہی تھی، جسکی وجہ اب یہ بھی تھا کہ شاویز اسکا جنون تھا۔

آپ سو تو نہیں رہی تھیں، یقیناً تنگ کیا ہو گا نا چیز نے" اتنے قریب سے "
وہ اتنا پیارا بول رہا تھا کہ کومل اپنے حواس کھوئے بیٹھی تھی۔ اسے سمجھ نہ آیا
کہ کیا کہے۔ شاویز کو دیکھے یا اسکی بات سنے۔

نہ۔۔ نہیں تو۔ نیند نہیں آرہی تھی" کومل کا یوں ہونقوں کی طرح"
جواب دینا شاویز کی ہارٹ بیٹ مس کر رہا تھا اور وہ چاہتا تھا عملی اظہار میں
وہ پہل کرے پر کومل کا تو سانس تک رکا جا رہا تھا۔

نیند نہ آنے کی وجہ ہم تو نہیں؟" شاویز نے اپنی آنچ دیتی نگاہوں میں "
دلکشی ملائے سوال کیا تو کومل نے اب کی بار پورے اعتماد سے شاویز کا اسے
شانوں سے پکڑ کر قریب کرنا محسوس کیا۔

وہ اسے جس طرح چھو کر کندن کر رہا تھا یہی تو کومل کی دلی امنگ تھی، وہ
اسے اپنے روبرو کیے بڑی دلچسپی سے اسکے چہرے کے رنگ بدلتے حسن کو
دیکھ کر مسکرا دیا اور اس مسکراہٹ پر اب کومل کے دل میں اس شخص کو
مزید قریب سے محسوس کرنے کی خواہش جاگی تو اس نے ملائم پن سے اور

بنا جواب دیے بس چپ چاپ اپنا آپ شاویز کے حصار میں چھوڑا جس سے وہ جناب من کی مضبوط گرفت میں یک لخت قید ہو چکی تھی۔

دونوں کے لیے یہ ایسا تھا جیسے ڈوبتی سانس کو حرارت ملی ہو، یہ باہیں جن کی حسرت کومل کی مراد تھی آج پوری ہوئی اور جو شدت وہ چاہتی تھی یہ تو اس سے بھی زیادہ لذت آمیز اور آسودہ تھی۔

وہ اس سے قد میں زیادہ چھوٹی نہیں تھی، انیس بیس کا فرق تھا۔ شاویز کو اس احساس نے سکون دیا تھا کہ فائنلی اسکی زندگی میں اسکی ہمسفر ایسی لڑکی شامل ہوئی کہ جسکے دل کا سکندر وہ ہے۔ چاہنے سے زیادہ چاہے جانے کا احساس محترم ہے اور آج یہ خود کے وجود میں حائل ہوتی کومل یہ بتا گئی تھی کہ وہ شاویز کے لیے خاص ہے۔

آپ خوش ہیں ؟" کومل کو اپنے کانوں میں گلال سی سرگوشی اترتی" محسوس ہوئی جس نے کومل کے نازک وجود کو لپیٹ میں لے لیا کیونکہ جہاں شاویز کی بات نے کومل کا دل منجمد کیا وہیں اسکے ہونٹ کومل کے

کان کو چھو کر گدگدی کا تاثر بنا رہے تھے اور وہ تو سن سی ہو چکی تھی۔شاویز اب ہونٹوں سے کومل کی گالوں کو مس کرتے ہوئے جدا ہوا اور وہ جو سرخ روہلکان سی دیوانی تھی وہ اب اسکی باہوں میں نہایت روبرو چہرہ اٹھا کر اس ظالم سے نزدیکی کے حصار میں جواب دینے کی ہمت جمع کر رہی تھی۔

بہت،اور آپ؟"کومل شدید گلابی ہو رہی تھی،من پسند قربت تک" عورت کو ہلکان کر دیتی ہے۔یہ تو ابھی پہلا پہلا قربت کا حمار تھا۔

شاویز نے دل کو چھوتی ہوئی مسکراہٹ سے اپنے ہونٹوں کا لمس کومل کے ماتھے پر چھوڑا تو جیسے وہ پگلی بیہوش ہوتے ہوتے بچی۔

یہ ساحر تو اسے اپنے آپ میں حلول کر لینا چاہتا تھا۔اسے ابھی سے اپنے وجود میں قفل کر لینے کا تمنائی تھا۔

میں نے اپنی خوشی عملی طور پر دیکھا دی ہے،بہت پر سکون ہوں آپکو پا" کر۔ایسی آسودگی پہلی بار محسوس ہوئی جب آپکو اتنے قریب سے چھوا، محسوس کیا"شاویز بھی اپنا کہاں رہا تھا،کومل نے اس جذباتیت بھرے لہجے

کو اپنے اندر اترتا محسوس کیا۔ شاویز کا یہ انداز یقینا کومل کی محبت کا مان تھا،

پھر جب خود اس پگلے کو کومل سے محبت ہو گی تو یہ شدتیں تو سوچ سے کہیں

زیادہ ظالم ہونے والی تھیں جسے سوچ کر ہی کومل کو لگا اسکے جسم کا روم روم

مہک اٹھا ہے۔

وہ اب اسکے ریشمی کھلے بالوں میں انگلیاں پھیرے بے خودی میں مبتلا ہوتا

جا رہا تھا جب کومل نے پھر سے پوری شدت سے اس سے لپٹ جانا افضل

جانا۔

وہ بھی پوری رضا سے اپنے بازو پھر سے کومل کی پشت پر پھیرے جی اٹھا۔

یوں لگا دو بچھڑی روحیں مل رہی ہیں، ایسی شدت پہلی ملاقات میں تو

ارے زہے نصیب کے لائک تھی۔ شاویز سے آتی مسحور کن خوشبو کومل کو

اپنے آپ سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔

کئی لمحے دونوں نے یونہی قید رہنے کا فیصلہ لیا اور پھر وہ اسکے روبرو جی جان

سے آئی تھی۔

کچھ کہیں، تاکہ جدائی کے دن کاٹے جاسکیں" ہنوز شاویز کی بازو کومل کے گرد تھیں اور کومل کے دونوں ہاتھ اب شاویز کے سینے پر تھے اور تحیر سے کھلی آنکھیں شاویز کا دلنیشن روپ دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔

کیا کہوں" کومل کی غائب دماغی فطری تھی، وہ تھا ہی ایسا کہ وہ ہوش گنوا چکی تھی۔

سب کچھ" شاویز نے عین اسکے چہرے کے قریب آکر مدھر اور بے باک سی سرگوشی کی اور پھر بیچ کا فاصلہ بنائے دور ہٹا۔

وہ تو لگتا تھا سانس لینا تک بھول کر بس شاویز کو آنکھوں میں بھر رہی تھی۔

آپ میرا عشق ہیں، میں آپ سے بے حد پیار کرتی ہوں۔ خود سے زیادہ آپکی ہوں" شاید اب شاویز کے اتنے پیارے انداز کے بعد کومل سے بھی رہا نہ گیا اور وہ شاویز کا چہرہ ہاتھوں مئں بھرے سب سچ کہہ گئی جس پر شاویز کا دل اب ہر حد بھول جانا چاہتا تھا مگر ابھی انکے ملن کو انتظار کا جبر سہنا تھا۔ پر محبت کا اظہار تو دل کی زندگی بڑھا گیا۔

آج سے میں بھی کروں گا، آپ سے عشق۔اور خود سے زیادہ آپکا ہو"
جاوں گا" شاویز نے یہ کہہ کر کہانی کا رخ دلفریب کر دیا، لمس ضروری تھا۔
شدت کا انداز بتا رہا تھا کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے سانس جتنے اہم
ہیں۔

شاویز" لہجے میں تاسف اور دور ہونے کی ابھی سے رنجید گی نے شاویز کو"
بھی سنبھلنے پر اکسایا۔

بہت مس کروں گی، مجھے جلدی اپنے پاس لے آیئے گا۔اب تو رہی سہی"
ہمت بھی چھین رہے ہیں آپ، آئی لو یو سو مچ۔آپ کو پا کر جی اٹھی ہوں"
کومل کا ہاتھ اب شاویز کے چہرے سے اسکے ہونٹوں پر تھا اور شاویز نے وہ
ہاتھ بھی شدت سے چوم کر پوری شان سے مسکرا کر جدائی میں ہر ممکنہ کمی
کی یقین دہانی کروائی تھی۔

میرا تو جی چاہ رہا ہے جانے ہی نہ دوں، کون اپنی زندگی کو دور کرنے پر"
راضی ہوتا ہے۔لیکن اب آپ میری ہوگئی ہیں لہذا یہ آپکی خوشی اور سکون

کو بھی کافی ہو گا" شاویز کا دل بھی دیوانہ اور باولا ہو رہا تھا، وہ محبت کے وجود پر ایمان لا رہا تھا۔

اتنے پیارے کیوں ہیں آپ شاویز، یہ کیسی بے بسی ہے کہ مجھے آپ سے" دور رہنا ہے" کومل اسکے چہرے کو وارفتگی سے خود کی سمت دیکھتا پا کر اپنی آنکھوں سے چھو رہی تھی اور وہ تو بس کومل کی شدت اور محبت پر رشک میں تھا۔

یہ تو اللہ کی مصلحت ہے، آپ پریشان مت ہوں۔ جب آپکا دل چاہے گا" میں آوں گا" شاویز اسکا وہی ہاتھ ہٹا کر ہنوز کومل پر قربان ہوتے ہوئے بولا اور وہ پھر سے اس کے گلے لگی اپنی سانسیں بڑھا رہی تھی۔

وعدہ کریں" کومل کا بس چلتا تو اک لمحہ بھی شاویز سے دور نہ ہوتی۔ اس" بات پر وہ حسین سا مسکرایا۔

وعدہ" ھائے شاویز تم تو بہاروں کو بھی مات دے گئے، کس طرح بادل بن کر وہ کومل پر برس پڑا تھا کہ دیوانی سیراب ہو گئی۔

اب آپ جائیں، میں نہیں چاہتا مجھ سے کچھ بے وقت سرزد ہو جائے۔"

آپ میرے لیے اہم ہیں کومل، اور اب میری ساری زندگی آپکے نام ہے"

شاید یہ ملاقات اتنی دیرپا طلسم زدہ تھی کہ دونوں اب یہ جدائی باآسامی جھیل سکتے تھے۔

کومل نے نثار ہوتے انداز میں ایک آخری شدت کا تقاضا کیا جس پر وہ پھر سے محترم کی بے باک جسارت سے خود ہی گھبرا کر بچتی ہوئی اب کی بار شرارت سے شاویز سے جا لپٹی اور اب دونوں ہی کے چہرے پر جادوگر دسی ہنسی تھی۔

وہ اسکا ہاتھ پکڑے اب اسے رخصت کر رہا تھا مگر یہ وقتی ملن ممکن تھا جلد دائمی ملن سے بدل دیا جاتا۔

آئی مس یو ٹو" اپنی ہتھیلی ملائم پن سے کومل کی گال پر رکھے وہ اس کے " وجود کو خوشبو میں جا گزیں کیے مسکرایا اور اب کی بار اس مقدس ہاتھ پر کومل کے ہونٹوں کی دلفریب مہر اتری اور شاویز کو بھی مہکا گئی۔

دونوں وقتی جدائی کے لیے جدا ہو تو گئے مگر اس ملاقات نے دونوں کو ایک دوسرے کا مکمل کر دیا۔ جسمانی نہ سہی، ذہنی اور قلبی طور پر وہ یک جان ہو گئے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یوں تو انجیل بیگم کی سفا کی نے درمان چوہدری کا سینہ پتھر سے بھی سخت کر رکھا تھا مگر آج درمان کو سکون میسر نہیں تھا۔

جب سے عالیہ آئی تھی اس کٹھور باپ نے ایک لمحے کو بھی اسے تسلی نہ دی جسکا اب خود درمان کو قلق تھا۔

آج تو سلطانہ نے بھی بستر پر بے تابی سے کروٹیں لیتے درمان کو دیکھ کر رنج محسوس کیا۔

وہ بظاہر سوئی ہوئی تھیں مگر اس شخص کی ساری بے رحمی کے باوجود انکی حسرت تھی کہ کاش یہ شخص اپنی بیٹی کے سر پر محبت سے ہاتھ رکھے مگر ابھی تک تو اس فرعون کو اسکی ماں کی پڑھائی پٹی یاد تھی۔

چوہدری درمان حق نے ساری زندگی صرف ایک عورت کی عزت کی تھی جو اسکی ناگن ماں تھی۔اسکے علاوہ تو ہر عورت اسکے لیے پیر کی جوتی تھیٔ۔

وہ پیاری سی سلطانہ جس کی قسمت نے اسے اس حویلی کے دردناک جہنم میں لا پھینکا تھا، وہ تو آج بھی جل رہی تھیں۔

پہلے یہ شخص انھیں تکلیف اور بے رخی کے تیر چبھوتا رہا اور اب یہ نمانی اپنے بچوں کے دکھ سے آدھی ہو گئی تھی۔

ہم عورتیں بھی کتنی عجیب اور بے بس ہیں، بس سرپرست جو کہہ دے وہی پتھر پر لکیر۔ساری زندگی سلطانہ کی وفا اور فرمابرداری کا اتنا صلہ بھی نہ تھا کہ اب جب بوڑھاپے میں انھیں کسی کے دو میٹھے بول کی ضرورت تھی تو وہ شخص اب بھی جلانے اور تکلیف دینے کو ہی بات کرتا تھا۔

وہ تو ایسا بد بخت تھا کہ ساری زندگی اپنی بے فیض اور ظالم ماں کے کہنے پر چلا تھا۔

شروع دن سے ہی اسے انجیل بیگم نے باپ سے بدزن اور اپنا شیدائی کرنا شروع کیا اور آج تک وہ اپنی ماں کے اشاروں پر ہی ناچ دکھا رہا تھا۔

اس عورت کی سفاکی اس قدر تھی کہ درمان اپنی ماں سے پوچھ کر ہی سلطانہ سے بات کیا کرتا تھا، یعنی کب وہ سلطانہ کے قریب جائے اور کب اسے جوتی کی نوک پر رکھے یہ سب انجیل بیگم طے کرتی تھی۔اس سے بڑھ کر اس درمان کی بدبختی اور اس معصوم اور مظلوم سلطانہ کی بدقسمتی کیا ہوئی تھی۔

یہ تو اللہ بھلا کرے کہ سلطانہ رنگ وروپ کی شہزادی تھیں تو یہ شخص پھر بھی اسے ساری زندگی اسی بدولت برداشت کر گیا تھا، اللہ نے جب پہلی بیٹی دی تو اس روز شاید پہلی بار درمان کا دل دھڑکا تھا۔

وہ ننھی سی نازک اور چھوٹی سی عالیہ اسقدر خوبصورت اور پیاری تھی کہ درمان جیسے سنگدل نے بھی زندگی کا لطف لیا، سادان حسن میں عالیہ اور سلطانہ کو بھی مات دے گیا۔ وہ بلاشبہ اس پورے گاوں میں سب سے پیارا سا سرخ وسفید بچہ تھا۔ پھر یاور اور تیمور، کتنا کچھ دے کر بھی سلطانہ اس شخص کے دل میں اپنی جگہ نہ بنا پائیں۔ شاید بنا لیتیں مگر جسکی ماں انجیل ہو، وہ ایسی ڈائن تھی کہ اس نے خود اپنے ہاتھ سے اپنے چھوٹے بیٹے کرمان کی خوشی اجاڑی۔ درمان کو بھی پتھر بنا کر اس پر بھی ظلم کبیر کیا۔

کیسے بخشش ہو گی ایسی عورتوں کی جو خود کو اپنی اولاد کا حاکم اور آقا سمجھتی ہیں۔ اولاد کی ہر تکلیف پر ہنس دیتی ہے کہ چلو اچھا ہے تکلیف سہیں گے تو پتھر بنیں گے۔

مگر ایک وہ رب بھی ہے جو دلوں میں محبتیں اور عقیدتیں ڈالتا ہے۔

عالیہ جہاں سلطانہ کے لیے اپنا پرتو تھی وہیں وہ پہلی اولاد کے ناطے درمان کے دل سے بھی قدرتی جڑی تھی۔

مسلسل بے چینی کے مارے درمان اپنا سینہ مسلتا ہوا اٹھ بیٹھا اور اک اکتائی نظر ساتھ کروٹ پر لیٹی سلطانہ پر ڈالی اور سرعت سے اپنی چادر اٹھائے بیڈ سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

اسکے جاتے ہی اک نمی کا جہاں تھا جو سلطانہ کی آنکھوں میں تھا۔

وہ شخص بنا آہٹ کیے عالیہ کے کمرے کی سمت بڑھ رہا تھا، محبت جیسی بھی ہو۔ کشش تو رکھتی ہے۔ اور جب پہلی اولاد تکلیف سے گزر رہی ہو تو ظالم سے ظالم باپ بھی چیخ سا جاتا ہے۔

یہ جو عالیہ پر وقتی تکلیف تھی، یہ تو بس اللہ پاک کی ایک وارننگ تھی۔ کہ بیٹیاں سب کی ایک سی ہیں اور انکی تکلیف بھی ایک جیسی انکے بابا کے سینے میں سلگتی ہے۔

دروازہ وا کیے درمان نے تھکی آنکھوں کے سنگ نگاہیں اندر لے جا کر بیڈ پر سوئی عالیہ پر مرکوز کیں اور یوں لگا درمان اس وقت تکلیف میں ہے۔

چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر وہ آہستگی سے عالیہ کے پاس بیڈ پر جا بیٹھا اور اپنی سب سے عزیز اولاد کو کتنی ہی دیر دیکھتا رہا۔

"میری معصوم سی بچی، میرا ہر حکم بلا اعتراض ماننے والی۔ پر تبریز کے معاملے میں مجھ سے واقعی خطاء ہو گئی۔ اس کمینے کی تو میں وہ حالت کرواوں گا کہ صدیوں یاد رکھے گا" عالیہ جو سوئی جاگی کیفیت میں مبتلا تھی، کیسے نہ یہ لمس پہچانتی جواب دست شفا کی صورت اسکے سر پر تھا۔

دل تو اسکا بھی باباسائیں سے لپٹ کر رونے کا تھا مگر وہ جانتی تھی کہ اسکے بابا محبت جتانا پسند نہیں کرتے۔ وہ بھی سوئی بنی رہی کہ کہیں بابا کو عجیب محسوس نہ کروا جائے۔ وہ جو رات کے اندھیرے میں بیٹی کو دیکھنے چلا آیا تھا، یہ بیٹی آج بھی اس باپ کے غرور میں کمی نہ کر پائی۔

"ٹھیک ہو جا عالیہ، تیرے باباسائیں پریشان ہیں" وہ دکھ میں تھا اور عالیہ کرب میں مبتلا تھی۔

یہ تو مقافات عمل تھا درمان، ناجانے کتنی بیٹیوں کو اپنے بابا سے جدا کیا تھا تُو نے۔اب اپنی بیٹی کی تکلیف اس سنگدل پر گراں تھی۔

کچھ دیر وہ درد دیتی سوچوں میں مبتلا رہا اور آہستگی سے پھر سے عالیہ کا چہرا شفقت سے چھوئے اٹھ کر مڑ گیا۔

عالیہ نے اپنی متورم آنکھیں کھول کر بابا سائیں کو جاتے دیکھا تو دل چاہا آواز دے کر روک لے مگر اس وقت شاید کسی کی بھی تکلیف میں کمی کا وقت نہیں آیا تھا۔

یہ تو ان بد فعلوں کی قطرہ سزا تھی جو درمان حق سے سرزد ہوئے تھے، ابھی اصل سزائیں تو باقی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اک عطر ساز لمس نے تکمیل کی میری"

ورنہ کھلا ہوا بھی مہکتا نہیں تھا میں" تکیہ تھوڑا نیم دراز سا کیے وہ بہت وارفتگی سے فلذہ کو دیکھتے ہوئے شعر کہہ رہا تھا اور وہ تو اپنی ہتھیلی پر اپنا چہرہ رکھے تکیے پر لیٹی کروٹ سادان کی سمت پھیرے اداس سی سادان کو دیکھ رہی تھی۔

کتنا پیارا تھا وہ، پر فلذہ کی اداسی بھی شاید اپنی جگہ ٹھیک تھی۔ حویلی میں انسان نہیں درندے بستے تھے اور اگر ان سب کو یہ پتا چل جاتا کہ سادان نے فلذہ کو مستقبل میں اس حویلی کا حصہ بنانے کی ٹھان رکھی ہے تو اک کہرام تھا جو برپا ہونا تھا۔

وہ رنج میں مبتلا تھی، وہ بس اپنے سائیں کی خیر چاہتی تھی۔

بارش ابھی بھی کھڑکیوں پر پھوار کی صورت رقص جاری رکھے ہوئے تھی اور ویسی ہی محبت کی پھوار سادان کا دل بھی فلذہ پر برسانا چاہتا تھا۔ سادان کی کوشش تھی کہ فجر تک بارش رکتی ہے تو وہ لوگ واپسی کے لیے نکل جائیں۔

کیوں اداس ہو فلذہ" اپنا ایک ہاتھ اب وہ بہت پیار سے فلذہ کی گال پر "

سہلائے لاڈ سے بولا اور وہ ہاتھ اب اسکے ہونٹوں کو چھو کر اسے تب بھی ہلا

نہ پایا اور وہ ہنوز اسے دیکھتی رہی اور سادان اب اسکی اس کب سے اوڑھی

چپ پر خود بھی اداس تھا۔

اس کے زخم کو سہنا، رہنا اُس میں ہی محصور"

اُس کے ظلم پہ ہنس کر کہنا_____، تیری عمر دراز "شعر و شاعری میں بھی

جناب کا کوئی ثانی دوم نہ تھا اور اب کی باریوں لگا فلذہ پھر سے آنکھیں

بھرانے لگ گئی ہے۔

اللہ نہ کرے میں آپ پر کوئی ظلم کروں، آپ خود پر خود ظلم کرنے کا"

فیصلہ لے رہے ہیں" خاموشی تھی کہ پھر سے اسی بات پر ٹوٹی تھی اور

سادان کو سمجھ نہ آیا کہ اس جھلی کو آخر کیسے سمجھائے۔ کیسے اسے بتائے کہ

وہ اسکی چلتی سانسوں کی وجہ ہے، اسکی ہمت ہے اور اسکا سکون ہے۔

ابھی وہ اسے دوست ہی رکھنا چاہتا تھا ورنہ سادان کے لیے اسکے اور اپنے بیچ کا فاصلہ ختم کرنا کوئی ناممکن نہ تھا کیونکہ وہ اسکی تھی اور اسکے پاس تھی۔ وہ اسکی محبت اور رضا تھی جسے وہ معتبر ہی رکھنا چاہتا تھا۔

تم یہ سب مت سوچو، میں ہوں سب ہینڈل کرنے کے لیے۔ تم بس اپنی" پڑھائی پر دھیان دینا اور باقی کسی چیز کو سوچنا چھوڑ دو۔ تمہیں یہاں اس لیے رکھا ہے تاکہ تم گاؤں کے وحشت زدہ ماحول سے نکل کر خود کو بہتر کرو۔ یہاں بھی تم نے یہی سوچیں سوچنی ہیں تو فائدہ اس ہجرت کا" اب کی بار وہ بھی اپنا تکیہ نیچے کر کے ٹھیک سے لیٹا ہوا رخ مکمل فلذہ کی سمت پھیرے رسانیت اور شگفتگی کے سنگ اپنا ہاتھ فلذہ کی گال پر نرمی سے پھیرے قریب ترین کیے بولا تو وہ بس ہلکی سی گھبرائی اور جھینپی سی جنبیش ہی دے پائی۔

آپ کو اگر سب نے مجبور کر دیا مجھے چھوڑنے پر، تو پھر" ھائے یہ فلذہ تو" بس سائیں سے جدائی کے خدشوں سے آدھی اور نیم جان ہو رہی تھی۔

سادان نے اس بات پر سنجیدگی سے ایک سانس خارج کر کے دوبارہ رخ سیدھا کیا۔

سادان کے یوں ہاتھ ہٹا کر سیدھا ہونے پر فلذہ کا تو دل ہی رک سا گیا تھا۔

"میرے آخر، کیا کروں میں۔ بہت کیا جائے گا، فلذہ مجبور تو کیا جائے گا پاس کوئی بھی ایسی صورت نہیں جو میرے ذہنی دباو میں کمی کرے سوائے تمہارے۔ میں اپنی آخری سانس تک یہ جنگ لڑوں گا اور تب تک تمہیں خود کو مضبوط بنانا ہے۔ یہ جنگ ہم دونوں کی ہے، تم یہ سب مت سوچو۔ یہ سب سوچنے کو میں زندہ ہوں، تم بس نہ اداس ہونا اور نہ رونا" سادان تلخی اور دلخراشی سے اپنی بے بسی کہہ گیا مگر آخر تک وہ پورے کا پورا اب فلذہ کی سمت کروٹ بدلے اسکے کھلے لمبے بالوں میں انگلیاں پھیرے اسے دیکھ کر مان سے بولا اور وہ بھی اب موہوم ہی سہی مسکرائی تھی۔ سادان کا قریب تر ہونا اسکے ہر درد میں کمی کر رہا تھا اور وہ جس طرح اسے چاہت سے دیکھتا تھا یہ فلذہ کے روم روم میں چراغ جلا رہا تھا۔

اللہ آپکو میری زندگی بھی لگا دیں" فلذہ نے پھر سے اداس سے سادان کو"
دیکھ کر دعا دی جواب اپنی بازو سیدھی کیے فلذہ کو مزید اپنے قریں کر چکا تھا
مگر اسکی اس عجیب دعا کے اختتام پر وہ اسے خاصا مایوس انداز سے دیکھ رہا
تھا۔

زرا جو یہ جھلی کچھ مانگنے سے پہلے سوچ جائے، بھلا فلذہ کے بنا بھی سادان کی
کوئی زندگی ہے۔

تم اپنی زندگی اپنے پاس رکھو، یہ بانٹنے کی چیز نہیں" سادان اسے خفا سا"
بہت پیارا لگا تھا۔ وہ اسکے چہرے پر آئی بالوں کی لٹیں اب منہ پھلا کر نرمی
سے اسکے کان کے پیچھے کر رہا تھا، فلذہ تو یہ لمحے اپنی زندگی کو بڑھانے کے
لیے اپنے اندر اتار رہی تھی۔

پر میں نے بانٹی نہیں واری ہے" فلذہ نے معصومیت سے درستگی فرمائی تو"
سادان نے اسکی بڑی بڑی پیاری اور پر کشش آنکھیں دیکھیں جو سادان کو

ہمیشہ سے پیاری لگی تھیں۔ آج تو وہ تھیں بھی سادان کی آنکھوں سے چند انچ کے فاصلے پر، یوں تھا کہ سادان کوئی گہرا پر اسرار سمندر دیکھ رہا ہو۔

وارنا ہے تو اپنا ساتھ وارو، یہ یقین دو مجھے کہ تم میرے جانے کے بعد خود کو سنبھال لو گی" سادان کے لہجے میں شکوہ سا تھا جو خواہش بن گیا اور وہ جو اپنے دونوں ہاتھ اپنی گال کے نیچے دبائے ہوئے تھی اب اسکا ہاتھ سادان کے ہاتھ میں پوری دلفریبی سے جکڑا جا چکا تھا۔

ٹھیک ہے میں سنبھال لوں گی" فلذہ مزید سادان کو پریشان نہیں دیکھ سکتی تھی تبھی فرمابرداری سے مان گئی اور اب وہ بھی متاثر کن انداز میں مسکرا دیا تھا۔

تمہیں پتا ہے فلذہ ہے، حسین وہ نہیں ہوتا جو خوبصورت دیکھائی دیتا ہو۔" حسین وہ ہوتا ہے جو کسی کی چاہت ہو۔ تم کسی سے کم نہیں، تمہارا دل نازک ہے اور وجود پاکیزہ ہے۔ تم سانولی ہو مگر خدانخواستہ بدصورت تو نہیں ہو جو خود کو ایسا حقیر جانتی ہو۔ اور میں نے تو تمہارا دل دیکھا ہے، جو

کسی قیمتی ہیرے جیسا ہے" سادان اسے دیکھتا ہوا حیران کر رہا تھا اور وہ تو یہ سب سن کر یوں تھی جیسے کسی خواب میں ہو۔ پھر نا جانے کیا ہوا کہ فلذہ کے چہرے پر دوبارہ درد ابھرا۔

آپ ایسا سب نہ کہیں، میں تو کچھ بھی نہیں ہوں" وہ پھر سے تڑپ اٹھی تھی اور اب وہ سادان کی موجودگی خود پر بھاری محسوس کر رہی تھی۔ وہ اسکی سوچ کے ہر عروج سے زیادہ بڑھ کر پیارا تھا۔

فلذہ، مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔ اور یہ وہ سچائی ہے جو میں تمہیں ابھی" نہیں بتانا چاہتا تھا مگر تمہارا یوں خود کو کمتر جاننا میری جان پر بھاری ہے۔ ہاں وہ محبت جو مجھے اللہ نے سونپی، نکاح کے بعد ہوئی پہلی اور آخری جائز محبت۔ تم وہ واحد لڑکی ہو جسے سادان نے یوں قریب سے چھوا، محسوس کیا اور اپنا دل دھڑکتا محسوس کیا" شاید سادان کے پاس فلذہ کی تکلیف میں کمی کو یہی آخری حل بچا تھا اور آج شہزادہ اس سے اعتراف محبت کر بیٹھا اور شکر گزار تھا کہ اللہ نے اتنی جلدی اسے یہ کہنے کا موقع اور حوصلہ دیا۔

وہ بے حد محبت سے اپنا ہاتھ اسکی گال اور گردن پر دھرے، دوسرا ہاتھ جو فلذہ کے سر کے نیچے تھا اس سے وہ اسے مزید اپنے وجود میں جکڑ کر فلذہ کی حقیقی تکلیف ختم کر گیا۔ بابا کے بعد یہ پہلا مرد تھا جس کے چھونے سے اسے کوئی برا تاثر نہ ملا بلکے وہ تو خود کو کوئی مقدس شے سمجھ رہی تھی۔

کئی آنسو فلذہ کی آنکھوں سے اس خوش قسمتی پر بہے جنکو سادان نے بہت نرمی سے اپنی انگلیوں کی پوروں سے ہٹا کر اسکے ماتھے پر پیار دے کر بازو سے پکڑے رہی سہی دوری ختم کرتے ہوئے کسی آخری کل اثاثے کی مانند خود سے، اپنے سینے سے پوری شدت سے لگالیا اور وہ بھی سادان کے سینے سے لگی پتھرا سی گئی۔

وہ بس چاہتا تھا فلذہ کو کسی طرح خوشی کا لمحہ سونپے اور سانولی تو جی اٹھی تھی۔

سائیں "فلذہ کی روئی سی آواز میں اسکا سائیں کہنا سادان کو انتہا کا پیارا لگا" تبھی وہ سر جھکا کر تھوڑی گرفت ڈھیلی کیے اپنی سمت ٹک ٹکی باندھ کر دیکھتی فلذہ کو دیکھ کر مسکرایا۔

حکم "سادان نے تو دلفریبی کی ہر حد ختم کیے اس صدا پر دل سے جذبات کو نچھاور کر ڈالا۔

مجھے مت چھوڑیے گا کبھی "شاید یہی وقت تھا کہ وہ بھی اپنا خوف باآسانی سادان کو کہہ گئی اور وہ اسکے چہرے پر پھر سے آئے اب اسکے بال ہٹاتا پوری دلکشی سے اثبات میں سر ہلا کر مسکایا تو فلذہ کی بھی جیسے جان میں جان آئی تھی۔

کیوں چھوڑوں گا، تم اپنے سائیں کے لیے جان سے بڑھ کر ہو۔ دنیا کو " تمہاری کم مائیگی دیکھائی دیتی ہے پر مجھے تم پر صرف پیار آتا ہے۔ تمہیں دیکھنا مجھے سکون دیتا ہے، اور آج یہ ایک اور حقیقت مجھ پر کھلی ہے کہ تمہیں حق سے چھونا مجھے اس دنیا کی سب سے بڑی خوشی اور آسودگی دے

گیا ہے۔بس تم مجھ پر یقین رکھو، تمہارا ہر درد، ہر دکھ پورے حق اور ذمہ داری سے مٹاؤں گا" سادان کی خواہش پھر سے فلذہ پر خود کو وار دینے کی تھی مگر وہ یہ سب تب چاہتا تھا جب وہ مکمل اسکے پاس اور اسکے قریب آئے گی۔ مگر وہ سادان کے اندر بھی حقیقی آرام جاگزیں کرتی جارہی تھی،اور سکون کی بڑھتی خواہش نے کچھ پل سادان کو ڈگمگا دینا چاہا مگر وہ خود کو ابھی روک چکا تھا۔

ابھی وہ فلذہ کو مزید خود کے قریب اور خود پر یقین کے قابل بنانا چاہتا تھا اور آج جو وہ اسکے قریب آیا تھا یہ دونوں ہی کی تکلیف میں کمی کو ضروری تھا۔

ہم ساتھ رہیں گے" سادان کے جذبات کی شدت سے بے خبر وہ معصومیت سے پوچھ رہی تھی اور سادان اسے دیکھ کر اپنے ہونٹوں کی مسکان روک نہ پایا تھا۔

ان شاءاللہ، ویسے میں نے تمہارے لیے ایک گفٹ اور لیا ہے۔رکو میں لے کر آتا ہوں" سادان نے بہت پیار سے ملائم سی فلذہ کے گرد بنائی

جاندار گرفت ہٹا کر اٹھتے ہوئے کہا تو وہ بھی اب تجسس اور مسکان سجائے اٹھ بیٹھی اور اسکے کھلے لمبے بال بھی لہرا گئے۔ اسکا دوپٹہ بیڈ کے کنارے تھا اور بال اب کھل کر اسکی کمر پر اور چند لٹیں سامنے لہرا کر محترمہ کو مزید ہوش ربا بنا رہے تھے۔

سادان نے صوفے پر رکھی اپنی واسکٹ سے اپنا والٹ نکالا اور اس میں رکھی چین احتیاط سے نکال کر دلفریب نظروں کا سایہ فلذہ پر کیے اس تک پہنچا اور بیڈ کے کنارے فلذہ کے پاس بیٹھ کر نظر اسکی خالی گردن پر ڈالی۔

یہ میری چاکلیٹی پرنسس کے لیے، کیا میں اسے خود پہنا دوں" فلذہ نے تحیر سے کھلی آنکھوں کے سنگ سادان کا پیار دیکھا تو جیسے آج تک کی ہر خلش مٹ سی گئی۔

وہ اسے آنسو نکالنے سے صاف منع کرتا ہوا اب فلذہ کے ہاں بولتے ہی اسکے پیارے ملائم بال اسکے سامنے سے ہٹا کر اسکی کمر پر کیے پورے حق

دار طریقے سے اسے وہ پینڈنٹ پہنا کر جیسے خود بھی جی اٹھا اور وہ تو بس سادان کو اسکے مسکرانے کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ میرے پیار کا ایک چھوٹا سا تحفہ، دیکھو یہ کتنا حسین لگ رہا ہے۔ اب تو اچھے والا مسکرادو مس روتو، باہر بارش اور اندر برسات۔۔۔۔۔۔ تھوڑی سی مسکان چاہتا ہوں، جو اس چہرے پر میری وجہ سے آئے" فلذہ کی سرخ آنکھیں دیکھتا ہوا سادان بے ربط سی سانسوں کے سنگ اک مسکراہٹ کا طلب گار تھا اور وہ اب واقعی دل سے مسکرائی، گو آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے پر وہ خوشی کی فراوانی کی بدولت تھے۔

"سائیں آپ ایسے کیوں ہیں، باقی دنیا جیسے تو زرا نہیں ہیں" یہ شاید تھک ہار کر کی گئی شکایت تھی جس پر سادان ہنس دیا۔ اور اسکے دونوں نازک ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے اسے قریب کرنے کے بجائے خود ہوا۔

"چھوڑو دنیا کو، وہ تو ہوتی ہی ظالم۔ تمہارے لیے یہ بندہ مہربان ہے بس۔ یونہی میرے جانے کے بعد بھی مسکرانا، اب تو میڈم کے پاس اپنا فون

ہے۔ نمبر میں نے اپنا سیو کر دیا، ہم خود آپکو کال کھڑکائیں گے بس آپ نے ایک ٹچ سے ہمیں یہ عنایت دینی ہے "کتنا خوبصورت ہو کر بھی وہ بہت عاجز تھا، فلذہ کو محبت کا احساس بھی دے دیا اور اسے بچوں کے جیسے ٹریٹ بھی کر رہا تھا۔

اب فلذہ خود ہی ننھی منھی گرفت میں پہاڑ جیسے سائیں کو سموئے ہار سی گئی اور وہ تو چاہتا تھا کہ اپنے وجود کے سنگ فلذہ کی خوشبو پرو لے۔ اسے اپنے پاس حفاظت سے سنبھال لے۔

ابھی میں تم پر کوئی ازواجی ذمہ داری نہیں عائد کروں گا، جب تک تم اپنی" تعلیم مکمل نہیں کرتی میں تمہیں بس آج یہ بتانا چاہتا تھا کہ تم میرے لیے کتنی انمول ہو۔ آگے بھی میں تمہارے اور اپنے بیچ کا حصار قائم رکھوں گا، جب تک تم یہاں مجھ سے دور ہو تو میں ابھی دوست رہوں گا اور جب وقت آئے گا اور تم میرے پاس آجاو گی تو تمہیں تمہارا مقام، تمہاری اصل جگہ اور ہر حق پوری شدت سے دوں گا۔ آج کی جذباتیت کے لیے یقیناً تم

اپنے سائیں کو معاف کردو گی۔اب تھوڑی دیر سوتے ہیں،ورنہ مجھے کل ڈرائیوانگ کے دوران نشہ چڑھ جانا نیند کا" سادان نے چاہت اور محبت سے اٹ کر بہت پیار سے فلذہ کے دونوں ہاتھ ہتھیلوں کے سنگ چوم کر فلذہ کے دل کو مٹھی میں جکڑے اپنے دل کی بات کہی اور وہ تواب جیسا اسکے سائیں کہتے وہی حرف آخر سمجھنا چاہتی تھی۔گو یہ جو سادان کہہ چکا تھا یہ فلذہ کا نازک دل لرزا گیا تھا مگر وہ تو آج ہواوں میں تھی۔

فجر کو ویسے بھی تین چار گھنٹے ہی باقی تھے اور سادان کو بھی اب نیند آرہی تھی لہذا وہ خود تو سویا ساتھ فلذہ نے بھی سائیں کے پہلو میں اپنی زندگی کی سب سے پیاری اور میٹھی نیند لی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ناشتے کی میز پر آج سادان کے سوا سب موجود تھے۔ آج تو تیمور اور عالیہ بھی بے دلی سے ہی سہی مگر ناشتہ کر رہے تھے۔ سلطانہ اور کرمان کے چہرے پر آج الگ سا سکون تھا جبکہ اسکے برعکس درمان چوہدری اور انجیل بیگم اپنی مسلسل ہار سے تھوڑے بجھے تھے۔

"یہ سادان کہاں ہے، کل سارا دن دیکھائی نہیں دیا" درمان چوہدری کو آخر سادان کی غیر موجودگی کھٹک ہی گئی جبکہ انجیل بیگم کی شیطانی سوچ تو اسی میں لگی تھی کہ سادان کہیں منظر سے ہٹ کر اسکے خلاف سازش نہ تیار کر رہا ہو۔

اس بات پر سلطانہ تھوڑا گھبراہٹ میں مبتلا ہوئیں مگر کرمان نے خود ہی بات سنبھالنے کا اشارہ دے کر اپنی توجہ اس فرعون صفت ماں اور بھائی کی سمت مبذول کی۔

"دراصل کل شاویز کے والد کی طبعیت کچھ ناساز تھی تو وہ وہیں گیا ہے، اور دوسرا کل کومل کی دوست کی بارات ہو گئی ہے تو میں نے سادان کو کہا تھا

اسے بھی آتے وقت ساتھ لے آئے۔ آتے ہی ہوں گے "شکر ہے سادان کی غیر موجودگی کی اصل حقیقت ابھی سامنے نہیں آئی تھی اور کرمان نے بھی موقع اور محل دیکھ کر بہت مصالحت سے بہانہ تراش کران دو کو مطمئین کیا۔

تیمور توپراٹھے پر بھر بھر مکھن لگا کر اس طرح کھا رہا تھا جیسے دل سے ساری مار کا دکھ نکل گیا ہو، شاید سادان کا اسکے ساتھ کیا وعدہ ہی اس میں تہذیب انسٹال کر رہا تھا۔

جبکہ عالیہ ہلکے سے بے بی پنک جوڑے میں خاموشی سے ناشتہ کر رہی تھی اور وہ زیادہ پہلے بھی نہیں بولتی تھی اب تو اسکا دل ویسے بھی کٹا ہوا تھا۔

کرمان کی بات دونوں ماں بیٹے کو ایسی خاص ہضم نہ ہوئی تھی تبھی بچارے کرمان دونوں کی مشکوک نگاہ میں مرکوز تھے۔

اب کومل کی بارات کا بھی سوچ، پنچائیت کے دوسرے معزز طفیل بھٹی "کا بیٹا، مجھے وہ اپنی کومل کے لیے ٹھیک لگتا ہے" درمان خود تو اپنی اولاد کا حاکم تھا ہی اب یہ بات کر کے وہاں بیٹھے ہر فرد کی بھوک مار گیا۔

بلکل، ٹھیک کہہ رہا ہے درمان۔ بہت پڑھائیاں اور سیکھ ہو گئ، اس بوجھ کو" جتنی جلدی سر سے اتار وا تنا اچھا ہوتا ہے" خدا کا قہر ٹوٹے تم پر انجیل بیگم، خود بھی تو تم کسی کی بیٹی ہو پھر اس طرح بیٹی کو بوجھ کہتے ہوئے آس کا دل زرا نہ کانپا تھا۔

مگر کرمان اب دل سے پر سکون تھے، اسی دن کی وجہ سے انہوں نے سادان سے درخواست کی اور کومل کا نکاح کروایا کیونکہ ان دونوں ماں بیٹے کا کومل کو بھی کسی جانور وڈیرے سے باندھنے کا ارادہ تھا۔

کرمان کا ایسا پر سکون چہرہ تو اب صاف صاف انجیل بیگم کو ہضم نہ ہوا تھا، انھیں کرمان سے تلخ کلامی کی امید تھی جو اس نے نہ کر کے اماں خضور کو جھٹکا دے دیا تھا۔

آج تو سلطانہ بھی اچھی سلجھی اور سجے انداز میں پر سکون تھیں اور انجیل بیگم اور درمان سے کسی کا سکون ہضم ہو جائے یہ تو ناممکن تھا۔

بیٹیاں رحمت ہیں، بوجھ نہیں۔ جب کومل چاہے گی تب ہی اسکی شادی ہو گی۔ معذرت چاہتا ہوں مجھے بھوک نہیں رہی" آج پہلی بار کرمان نے سخت ناپسندیگی کا اظہار کرتے ہوئے جواب دینے کی ہمت کی تھی جس پر انجیل اور درمان دونوں کو ایک سے پتنگے لگے اور اس سے پہلے کہ وہ خونخوار پھنکار بھر کر غراتے، کرمان اپنی نشت چھوڑ کر اٹھ کر چلے گئے۔

اب درمان نے ایک نظر اماں کے شیطانی خباثت سے بھرے چہرے پر ڈالی جہاں صاف الجھن اور گھبراہٹ درج تھی اور آج سلطانہ کو یہ تھوڑا سا ہی سہی پر بہترین بدلاو دیکھ کر دل سے ٹھنڈ پڑھ گئی تھی۔

اسکے بعد کوئی نہ بولا اور خاموشی کا راج رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ڈریسنگ کے سامنے کھڑا اپنی واسکٹ پہنے اب آئینے سے ہی ڈریسنگ کے ساتھ لگ کر اداس سی کھڑی فلذہ کو دیکھ رہا تھا جو سادان کے جانے پر پھر سے مرجھائی لگ رہی تھی۔

مجھے تو لگتا ہے میری ساری عمر مس روتو کی اداسی دور کرنے میں گزر جائے گی، ایسے رخصت کرو گی پھولے منہ کے ساتھ "لاڈ کے سنگ وہ پہلے اسے ہنسانے کو بولا مگر وہاں تو دوری کا صدمہ گہرا تھا۔ آخری بات پر سادان نے فلذہ کا نازک سا ہاتھ پکڑ کر اپنے روبرو کیا تو وہ جو ڈھیلی سے ہیر بینڈ میں بال باندھے کندھوں پر پھیلائے دوپٹے پر بازو سینے پر باندھے کھڑی تھی اب اپنے سائیں کے قریب نظریں اٹھا کر سادان کی آنکھوں میں گاڑے چپ چاپ اداسی سے دیکھ رہی تھی۔

آپ مجھے مت چھوڑیں ناں "فلذہ کا دل نجانے کیوں خوفزدہ تھا، یوں" جیسے وہ اب سادان کو کبھی دیکھ نہ پائے گی۔

کون چھوڑ رہا ہے تمہیں، رات کے اتنے سنجیدہ اور نازک اظہار کے بعد" بھی تمہیں لگتا ہے میں تمہیں چھوڑ پاؤں گا۔ نہیں فلذہ، ابھی ہمیں بس وقتی دور رہنا ہو گا۔ میں تم پر کوئی آنچ نہیں سہہ سکتا۔ تم خود کو بہادر بناو، اور ہم بات کرتے رہیں گے" ساداں نے بے حد نثار آنکھوں میں جذباتیت بھرے فلذہ کا چہرہ ہاتھوں میں بھرے سچائی سے لبریز ہو کر کہا تو فلذہ نے بھی جاتے جاتے اپنی پیاری مسکان سائیں پر وار دی تھی۔

آپ مجھے بھول مت جایئے گا" ھائے کیا نزاکت خیزی اور معصومیت" تھی جب فلذہ نے ان کہے خوف کو زبان دے کر شہزادے کو بھی مسکرانے پر مجبور کیا۔

حسین تو اور بھی ہیں لیکن کوئی کہاں تجھ سا"

جو دل بھی جلائے بہت پھر بھی دلربا ہی لگے۔۔۔۔ ایسے کہہ کر تم مجھے دکھ دے رہی ہو فلذہ، بھلا ایسا ممکن ہے۔ بس کر دو یہ خوف، یہ بے یقینی خود سے اتار پھینکو، ٹھیک ہے" ایک تو خود محترم اتنے حسین اوپر سے چن چن

کر لفظ لاتے کہ بزم محبت میں جنون خیزی کے شعلے بھڑکنے لگتے اور وہ نازک سی سانولی توپل میں نڈھال ہو گئی۔

ٹھیک ہے" وہ بھی اب سائیں کی آسانی بننا چاہتی تھی اور اس بات پر" سادان کو اس اپنی اور بے حد قریبی فلذہ پر پیار آیا اور وہ اسکے نازک چہرے کو پھر سے چھونے کو بے قرار ہوا مگر پھر خود ہی ارادہ ترک کیے اسے خود میں حلول کر گیا۔

وہ تھی تو نازک مگر قد کی اچھی بانکی تھی اور سادان کے کندھوں سے اوپر تک پہنچ جاتی تھی۔

تم اپنے نام کی طرح نہایت ہی خوبصورت اور منفرد ہو فلذہ، اور مجھے" تمہارے کے لیے گرنا منظور ہے مگر تمہارا ہاتھ میرے سہارے کو موجود ہونا چاہیے۔ تمہارے نام کی نسبت اور کشش شاید اتنی پرزور تھی کہ میرا دل تمہارے لیے دھڑکنے لگا" وہ اسے سینے کی حدت میں شدت سے چھپائے پھر سے اپنے دل کی ملکہ کا رتبہ سونپ رہا تھا اور وہ بھی اب اس

گرفت سے رہائی نہیں چاہتی تھی مگر ایک بار پھر جدائی کا وقت تھا اور ممکن تھا اگلی ملاقات کوئی نیا موڑ لے آتی۔

وہ اس بے جان سی فلذہ کو روبرو کیے اب محبت سے اسکی پیشانی چومے اسکی اداسی میں لازوال کمی کر گیا تھا، پھر اسکے بعد وہ خود کو تھوڑی اور محبت سے روک نہ پایا اور اپنی ہتھیلی فلذہ کی ایک گال پر رکھے دوسرے پر اپنے ہونٹ تادیر رکھے جدائی کی خاصی تلافی کر گیا اور وہ تو سادان کے یوں پیار سے قربان ہونے پر حیا سے سرخ ہو گئی۔

لو رخِ یار سے گفت و شنید کر لی ہے"

گویا پھول سے خوشبو کشید کر لی ہے۔

تم کو پتا ہے کل رات میری زندگی کی سب سے خوبصورت رات تھی جب میں نے تم سے وہ سب کہا جو کل تک کہنا میرے لیے ایک کٹھن امر تھا، اسی طرح اک دن وہ آئے گا جب تمہارے سائیں مکمل تمہیں اپنا بنالیں گے۔ ڈر نا مت، میں ہمیشہ ہر پل تمہارے پاس ہوں۔ گھبرانا بھی مت،

مجھے بس دل سے پکارنا اور تمہیں لگے گا میں تمہارے قریب ہوں" شاید ساداں جیسی محبت کرنا کسی دوسرے کے بس کا روگ ہی نہ تھا، وہ تو فلذہ کو اپنی سانسوں میں بسائے لوٹ رہا تھا اور ممکن تھا اب کی بار یہ جدائی دونوں کو پہلے سے زیادہ نڈھال کرتی۔

وہ خوش بھی تھی اور دکھی بھی، پر سکون بھی تھی مگر اب ساداں کے جانے پر بے سکونی بھی حائل تھی۔

ٹھیک ہے" وہ اتنی پیاری تھی کہ سب مان جاتی تھی۔ ساداں بھی اب بے" حد آسودہ انداز سے مسکرایا تھا۔

اب چلتے ہیں، کومل بھی ریڈی ہو چکی ہے۔ نکلنا تو فجر کے وقت تھا مگر" بارش نے کام بگھاڑ دیا۔ آؤ اور اپنا خیال رکھنا ورنہ ڈانٹ پڑے گی" ساداں نے ڈریسنگ سے اپنا والٹ، فون اور گاڑی کی چابی جیب میں ڈالی تو فلذہ بھی مسکرا کر کندھوں پر پھیلا یا دوپٹہ اب سر پر اوڑھتی ہوئی ساداں کے ساتھ ہی باہر نکلی۔

دوسری طرف کومل بھی اپنے شاویز سے جدا ہونے والی تھی مگر دونوں نے جانے سے پہلے جو ملاقات کی تھی وہ انکو حوصلہ دینے کو کافی تھی۔

خود اسد صاحب اور گلناز نے چاروں کو ڈھیر سی دعائیں دیں اور سادان کو فلذہ کی پوری حفاظت کا اطمینان بھی دلوایا تھا۔

کومل اور سادان ناشتے کے بعد نکل گئے تھے جبکہ آج شاویز کا ارادہ بھی جاب پر واپسی پر تھا کیونکہ انکی ہاوس جاب میں تھوڑا ہی وقت تھا اسکے بعد تو ویسے بھی وہ پرفیشنل ڈاکٹرز بننے والے تھے۔

فلذہ کے ایڈمشن کے ساتھ ہی کومل نے اسے کورس کی ساری کتابیں بھی لے دی تھیں۔ لہذا اب اسے پڑھانے کا کام بھی کومل خود ان لائن کرنے والی تھی جس پر فلذہ بھی مطمئین تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جیل کی ان بے رحم سلاخوں کے بیچ قفل ہوا تبریز، نہیں یہ تبریز تھوڑی تھا۔ یہ تو اسکا وہ غرور تھا جو شکستہ ہو کر مسمار تھا۔

پولیس والوں نے اس پر انتہا کا تشدد کیا تھا اور اسکے سرخی مائیل چہرے پر جابجا سرخ اور جامنی نشان اس پر اتری بے رحمی کی داستان سنا رہے تھے۔

قفس کی تیلیاں رنگین کیوں ہیں۔"

یہاں پے سر کو پھوڑا ہے کسی نے "آج وہ بے بس اور ان ظالم پولیس والوں کے رحم و کرم پر تھا تو اسے خود کو حاصل چھوٹی سے چھوٹی چیز نعمت لگ رہی تھی۔

وہ سرخ شعلہ آنکھیں لیے رو تو نہیں رہا تھا پر خود پر ماتم منانے کی تیاری ضرور کیے ہوئے تھا۔

دیوار سے اپنا ہتھوڑے سے مسلا ہوا سر لگائے وہ زمین پر ایک ٹانگ اٹھائے اور دوسرے سیدھی کیے بیٹھا تھا۔ ایک ہاتھ زمین پر اور دوسرا کھڑے گھٹنے پر تھا۔

اسکا ہاف وائٹ سوٹ جا بجا خون کے اور مٹی دھول کے دھبوں سے اٹا تھا۔

شاید میرے لیے آسانی اور سکون بس تیرے ہونے تک تھا عالیہ، "

تیرے جاتے ہی مصیبتوں نے مجھے اپنا نوالہ سمجھ کر نوچ لیا ہے۔ اچھا ہے

اب تجھے میری شکل دیکھنے کو نہیں ملے گی، بہت اچھا ہے" وہ یاس اور

قنوطیت سے بھرا ہوا ہمت ہار بیٹھا تھا، یہ جانے بنا کہ وہ کملی تو محض اسکی

تکلیف کا سن کر ہی تڑپ اٹھی تھی۔

جتنا ظلم اس نے عالیہ پر ڈھایا تھا، یہ دو دن کی مار تو اس کے مقابلے میں قطرہ

بھی نہ تھی۔

آج تبریز اپنے خالی بد بخت ہاتھوں کو کاٹ دینا چاہتا تھا جس نے عالیہ پر ستم

ڈھائے۔ اسکا وجود زخم زخم کیا، اسکی روح کو اولاد کی موت جیسا لازوال غم

لگا یا۔

شادی کے اول دنوں سے ہی وہ اسے بس اپنی عیاشی کا سامان سمجھتا تھا، ایک ایسی حسین عورت جو پر کشش تھی۔ جیسے ایک اوچھے کو کچھ اچھا تھما دیا جائے اور وہ اسے بے آبرو کیے رولتا جائے۔

وہ معصوم جو بابا سائیں کے فیصلے پر اس خود سے بڑے اور دیو ہیکل شخص سے جڑھ گئی تھی، پہلے ہی دن سے خوشی کا ایک پل نصیب نہ ہوا۔

وہ شکل وصورت کا بلاشبہ پیارا تھا پر جنگلی اور پتھر جیسا، جسکے لیے بیوی بس ایک ضرورت کا سامان تھی۔ پر وہ کملی تو گھر سے یہ سیکھ کر آئی تھی کہ وہی اب تمہارے سر کا سائیں ہے۔

وہ جو کہے مان لینا، وہ جو چاہے کر دینا۔ وہ جو مانگے دے دینا مگر ایسی تربیت ہم لوگ صرف بیٹیوں کی ہی کیوں کرتے ہیں۔ کاش ہم اپنے ایسے جنگلی بیٹوں کو بھی یہ سمجھا کر بیاہیں کہ وہ تمہارا سکون تو ہو گئ، پر تمہاری محبت اور نرمی کی اکلوتی حق دار بھی ہو گی۔ جو چاہے وہ کرنا، جیسا اور جب چاہے تب کرنا۔

جو خواہش کرے مان جانا۔ افسوس کہ ہم لوگ خود اپنے معاشرے کو بگاڑ کر پھر اس پر سوگ منا رہے ہیں۔

آج یہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے بیٹھا وہ منہ زور جذبات نازل کرتا جنگلی ہی تھا پر آج وہ عالیہ کو ضرورت نہیں بلکہ محبت محسوس کر رہا تھا۔ وہ محبت جو اسکی کمی کے احساس نے تبریز کے سینے میں سلگا دی تھی۔

اب وہ خوفزدہ بھی تھا کہ ناجانے عالیہ اسے قبول بھی کرے گی یا نہیں، پر وہ تو اپنا سب تبریز پر لٹا چکی تھیٔ۔

کہاں جاتی وہ تبریز کو چھوڑ کر، کسی اور درندے نے تاک لگائی ہو گی۔

جب بیوی شوہر کے حصار سے نکل جائے تو جیسی بھی ہو رل جاتیٔ ہے۔ وہ حصار جتنا بھی ظالم کیوں نہ ہو اس عورت کا سایہ ہوتا ہے۔

آج یہ پچھتا رہا تھا اور اسکا حال میدان جنگ میں دشمن کے سپاہی سے ٹھڈے اور لاتیں کھانے والے جیسا تھا۔

اک گھن زدہ دیوار، جو مسماری کی جانب گامزن تھی۔

ممکن تھا اللہ ان دونوں کی مشکل بھی مختصر کر دیتے کیونکہ تبریز کے معاملے میں وہ محاورہ کہنا درست تھا کہ دیر آئے درست آئے۔

کس نے دیکھا تھا ٹُوٹنا اپنا
ھم جو ٹوٹے تو رائیگاں ٹُوٹے
جیسے پلکوں سے ٹوٹتا آنسو
جیسے سینے میں اِک گُماں ٹُوٹے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بھئی حساب اور انگلش ہم اپنی بٹیا کو پڑھا دیں گے، خیر سے بی اے کر رکھا" رات کے کھانے پر اسد صاحب کے حسین سے شفیق انکشاف پر

جہاں گلناز منہ پر ہاتھ دھرے ہنس دیں وہیں فلذہ بھی بہت پیارا مسکرائی تھی۔

لو بھئی فلذہ کے ٹیوشن کا تو یہیں بندوبست ہو گیا تھا، کتنا خیال تھا امام صاحب کو اپنی بہو کا کہ پڑھانے کی ذمہ داری بھی قبول کر رہے تھے۔

اور باقی کے مضامین میں پڑھا دوں گی، تم بھی کیا یاد کرو گی فلذہ کے کتنے پڑھے لکھے اماں ابا ہیں۔ بس تم فکر مت کرو، چھ ماہ تو بہت ہیں۔ جیسی تم لائق اور ذہین ہو مجھے تو لگتا تین ماہ میں ہی میٹرک کو کر کے پرے مارنا میری بچی نے" کھانے کے بعد آج فلذہ نے بہت پیار سے اپنے اور گلناز امی اور اسد بابا کے لیے چائے بنائی اور اب تو فلذہ ان آفرز پر بہت خوش تھی۔

ٹھیک ہے گلناز امی، یہ تو بہت اچھا ہو گا۔ کومل آپی کو بھی تنگ نہیں کروں گی۔ ویسے نویں کی کتابیں تو آدھے سے زیادہ مجھے آتی ہیں، جب بابا نے سکول سے اٹھوایا تھا تو تب نویں کے امتحانات قریب تھے" آج کا سارا دن ہی فلذہ نے اپنی کتابوں کو دیا تھا اور اسے اس طرح لگن سے پڑھتا دیکھ کر ہی

گلناز بیگم نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ نا صرف پڑھائی کا شوق رکھتی ہے بلکے جس طرح وہ پڑھ رہی تھی یہ ثابت کر رہا تھا کہ بہت جلد سلیبس کوور کرے گی۔

بس پھر ہم اپنے بچے کو پورا اسپورٹ کریں گے، تم بس اپنی پڑھائی پر توجہ " دو۔ باقی ہم جیسے شاویز، ساداں اور کومل کے امی ابو ہیں ویسے ہی تمہارے ہیں۔ یہ گھر اپنا سمجھنا اور خوب دل لگا کر اپنی رکی تعلیم کو جاری کرو۔ میں بھلے دینی تعلیم کی طرف جھکاو رکھتا ہوں لیکن دنیاوی تعلیم کی اہمیت سے بھی واقف ہوں تبھی خود بھی اسے حاصل کیا اور شاویز کو بھی ہمیشہ مزید سیکھنے کی نصیحت کرتا ہوں" جہاں گلناز پیاری سی ہنس مکھ اور شفیق تھیں وہیں اسد لاشاری ان سے زیادہ مہربان، اور شفیق تھے۔

ان دونوں کی حوصلہ افزائی تو فلذہ کو مزید ہمت دے گئ اور کچھ سائیں سے ہونے والی حسین ملاقات کا اثر تھا کہ وہ ترو تازہ گلاب کی مانند سفید اور گلابی لباس میں سر پر دوپٹہ اوڑھے بھی شہزادی لگ رہی تھی۔

گلنازاوراسد صاحب نے سچ میں ثابت کیا تھا کہ رشتے صرف خون کے نہیں بلکے احساس کے بھی مضبوط ہوتے ہیں۔

چائے وغیرہ کے بعد گلناز نے اسے فون کے تھوڑے بہت فنکشن سمجھائے جوانکو شاویز نے سیکھائے ہوئے تھے اور کومل، ساداں اور اپنے گھر کا نمبر ملانے کا طریقہ بھی بتایا تھا اور وہ یوں گلناز امی کا سمجھانا دیکھ کر مزید پیارا مسکراتی رہی۔

کمرے میں آئی تو چہرے پر سانولے پن کے باوجود بہار تھی، بیڈ پر اسکی کتابیں پڑی تھیں جنھیں وہ اب سمیٹ کر ٹیبل پر رکھ رہی تھی۔

کل کی رات کا ہر لمحہ فلذہ کی زندگی بڑھا گیا تھا، جس طرح اسکے سائیں نے اسے حقیر سے امیر بنادیا تھا وہ فلذہ کے لیے بھی اپنی زندگی کا پہلا سکھ تھا۔

ابھی وہ سونے کے لیے بیڈ پر لیٹی ہی تھی کہ اسکا سائڈ ٹیبل پر پڑا فون بجا جس پر لکھا ساداں دیکھ کر اسکی چاکلیٹی پرنس کے حسن نے کئی آفرین رنگ

بدلے اور وہ بہت محتاط سے انداز کے سنگ ہلکا سا ٹچ کیے فون کو گر جانے کے خوف سے بچانے کو دونوں ہاتھ سے پکڑے کان سے لگا گئی۔

دوسری طرف شہزادے فریش ہونے کا ارادہ باندھنے گلے میں ٹاول لٹکائے ڈریسنگ کے سامنے اپنے منہ پر تھوڑی بڑھی شیو کو سہلا رہے تھے۔

السلام وعلیکم" جاذبیت تو اس لڑکی پر ختم تھی، سادان کا دل تو اس آواز کا" بھی دیوانہ ہو رہا تھا۔

وعلیکم السلام، کیسی ہے میری چاکلیٹی پرنس۔ دن کیسا رہا میڈم "وہ جو" فلذہ کے سحر میں ابھی تک مبتلا تھا، اور وہ پگلی تو 'میری' پر ہی دم سادھ گئی۔ کئی دلفریب سکھ تھے جو اتنے سے حق پر دونوں کا دل روشن کر گئے تھے۔

بہت اچھا رہا دن، اور میں بھی ٹھیک ہوں۔ آپکو پتا ہے اسد بابا مجھے میتھ " اور انگلش پڑھائیں گے اور باقی کے مضامین گلناز امی، ایسے کتنا اچھا ہو گا ناں، کومل آپی کو بھی زحمت نہیں ہو گی۔ اور گلناز امی نے مجھے آج فون بھی

چلانا سیکھایا، ہم نے مل کر کھانا بھی بنایا، لگایا بھی پھر چائے بھی بنائی میں نے۔ سائیں یہ بہت اچھے ہیں، آپ سے جڑا ہر انسان ہی اچھا ہے" مختصر بولنے والی ڈری سہمی سی فلذہ آج اپنے لہجے میں کھنک لیے اپنی خوشی اس دلکشی سے کہہ رہی تھی کہ سادان کا دل چاہا جا کر اسکا صدقہ اتار لے کہ کہیں اسی کی نظر نہ لگ جائے۔

قربان جاوں تم پر، تم اتنا بولتی بھی ہو۔ بہت خوشی ہو رہی ہے فلذہ، یونہی" مجھ سے ڈھیر سی باتیں کیا کرو۔ اور پڑھانے والی تو موج مل گئی تمہیں، واہ جی واہ۔ ایسی آسانیاں ہر کسی کو تھوڑا ملتیں ہیں۔ اور رہی بات اچھا ہونے کی، بے شک وہ دونوں ٹھنڈی چھاوں ہیں تبھی تمہیں وہاں بھیج کر دل سے مطمئین ہوں۔ تم خوش رہو گی اور یونہی جینا سیکھ جاو گی یہی میری تمنا ہے" کتنی سچائی، کتنا انس، کتنا مان تھا سادان کے لہجے اور الفاظ میں۔ اور وہ تو سراپا فلذہ پر بہت پہلے قربان تھا۔

فلذہ بھی سچا مسکرانا سیکھ رہی تھی اور سادان کا دل دعا گو تھا کہ وہ تا عمر یونہی مسکرائے۔

لیکن میں نے آپکو بھی یاد کیا، بہت سارا" ھائے شہزادے کا دل اس بات" پر دھڑک نہ اٹھتا تو کیا کرتا۔

وہ بھی کیا بتاتا کہ اک لمحہ بھی اس سے غافل نہیں ہوا پر اب سادان سکون میں ضرور آچکا تھا۔

میں نے بھی کیا، تم سے زیادہ" سادان بھی سنجیدگی میں چاہت انڈیل کر" بے حد کھرے انداز سے اعتراف کر رہا تھا۔

میں آپکے لیے دعا کروں گی کہ میری یاد آپکو زیادہ تنگ نہ کرے""

معصوم سی فلذہ اپنے پیارے سے دل میں سادان کی فکر محسوس کرتی بولی تو خود ساختہ سا زبان پر اظہار لے آئی جس نے سادان کے ہونٹوں کو تبسم کا لمس دے دیا۔

یہ دعا مت کرنا لڑکی، مجھے اچھا لگتا ہے تمہاری یاد کا مجھے تنگ کرنا۔ یہی تو" میری آسانی ہے، تم سے دور تمہاری یاد ہی کا سہارا ہے" سادان کے ان الفاظ نے یہ ترجمانی بہت خوب کی کہ وہ واقعی ابھی سے فلذہ کو مس کر رہا تھا۔

فلذہ تو اپنی خوش قسمتی پر بس رشک میں تھی۔

ایسا تو نہ کہیں، پھر مجھے بھی زیادہ یاد آئے گی" روتو سا شکوہ سن کر سادان" بھی ہنس دیا۔

ھاھا پگلو کہیں کی، تو یاد کر لینا ناں۔ زیادہ۔ مجھے اچھا لگے گا۔ چلو اب میں" فریش ہونے جا رہا ہوں، تم اب سو جاو۔ اور ہاں ڈر نا مت، میں تمہارے ہمیشہ ساتھ ہوں" سادان نے آخر کار مسکرا کر اک تسلی کسی غائبانہ لمس کی مانند فلذہ تک پہنچائی اور فون بند کیے اسے ڈریسنگ پر رکھتا فریش ہونے چلا گیا اور وہ بھی آسودہ سی مسکان کے سنگ فون سائیڈ پر رکھے تکیہ درست کرتی لیٹ گئی اور ہاتھ بڑھا کر لیمپ بجھا دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ سر کو بیڈ کے کنارے پیچھے ٹکا کر خود بیڈ کے ساتھ آنکھیں موندھے بیٹھا تھا۔ایک ٹانگ فرش پر اور دوسرا گھٹنا اٹھائے جس پر اسکا بنا حرکت کرتا ہاتھ تھا۔

تمام بے سکونی نے شہزادے کو الوداع کہہ دیا تھا، فقط اس احساس نے کہ فلذہ کی مسکراہٹ میں حائل ہو آیا تھا۔

یہ کیسا فرحت بخش احساس تھا جو اب سادان کی بند آنکھوں کے باوجود اسکے ہونٹوں پر تبسم کا پراسرار گیت دھر گیا تھا۔

وہ لمحہ تم میرے کتنے قریب تھی فلذہ، یقین کرو میری رگوں میں خون کی" گردش بہت تیز ہو گئی تھی۔ طرب آمیز تھا تمہارا میرے قریب ہونا۔ میں

یہ نشاط آہنگ سکون بہت یاد کروں گا، اللہ کا شکر گزار ہوں جس نے میرے نصیب میں تم جیسی پاکیزہ شریک حیات لکھی۔ بلاشبہ یہ مجھ کو لاحق تمہارے قرب کے باعث شادمانی بلا وجہ نہیں۔ یہ تمہاری پاکیزگی ہی ہے جو میرے سکون کی وجہ بنی ہے" شہزادہ تو جی اٹھا تھا، خوش تھا کہ اللہ نے اسکی مشکل میں سوچ سے بڑی آسانی دے دی تھی۔

وہ اسے اب تا عمر ہی اپنے قریب چاہتا تھا جسکے لیے شہزادے کی کل سے ایک نئی جنگ شروع ہونے کو تھی۔ کل منظور حسین اور فلذہ کے بے گناہ ہونے کی سچائی بھری پنچائیت میں وہ بتا کر پورے گاوں کو عقل کے ناخن لینے کی ترغیب دینے والا تھا۔

یہ پنچائتی لوگ جو اپنی جھوٹی شان پر اکڑے تھے کل جب انکے کھوکھلے غلط فیصلے کا علم گاوں کو ہو گا پھر انکی عزت دو ٹکے کی رہ جائے گی۔

اس سے پہلے کل سادان تبریز کی رہائی کروانے جانے والا تھا مگر ابھی تبریز کی قسمت میں تھوڑی اور سزا تھی کیونکہ آج ہی اسکے خلاف ایف آئی آر

کٹ چکی تھی اور چھ ماہ سے پہلے اب اسکی ضمانت کا کوئی چانس نہ تھا۔ یہ بات ابھی سادان کے علم میں نہ تھی۔ کیونکہ منگو سلطان کے پاس تبریز کے اسلحہ سمگل کرنے کے کاغذی ثبوت تھے جسکی بنا پر تھانیدار کے پاس ایف آئی آر کے سوا کوئی چوائز نہ تھی ورنہ منگو نے اسے دھمکی دی تھی کہ وہ اسکے محکمے کے اوپر تک جائے گا۔

چوہدری درمان کو علم تھا اور اسے بھی یہ ٹھیک لگا کیونکہ تبریز کے گناہ اتنی کم سزا پر دھندلے نہیں ہو سکتے تھے۔

سادان کی تکالیف کا سلسلہ بھلے ابھی ختم ہوتا نہیں دیکھائی دے رہا تھا مگر فلذہ سے مل کر آنے کے بعد وہ خود کو بہت ہلکا اور پر سکون محسوس کر رہا تھا۔

اللہ بھی شہزادے پر مہربان تھا تبھی فلذہ کے دل میں بھی شہزادے کا ویسا ہی انس ڈال کر دونوں کو ایک دوسرے کا آرام بنا دیا تھا۔

جہاں فلذہ آج سارا دن اپنی پڑھائی میں گم رہی وہیں سادان تو واپس لوٹ کر بھی فلذہ کا ہی تھا۔

آج اس نے اپنا وقت اپنے ہسپتال کے تعمیراتی کام کو دیا تھا کیونکہ ایک خواب یہ بھی تھا جو شہزادے کی جیت کا استعارہ تھا۔

جب وہ ہنوز آنکھیں بند کیے مسکرا رہا تھا تبھی کرمان آہستگی سے اسکا دروازہ وا کیے اپنے لاڈلے کے چہرے کا سکون دیکھتے ہوئے اندر آئے جس پر سادان انکے پاس آکر بیٹھنے پر آنکھیں کھولے متوجہ ہوا مگر چاچو کے چہرے کا تبسم بھانپ کر زرا سرخ رو سا ہو گیا کیونکہ وہ نہایت دلفریب مسکرا رہے تھے۔

کتنی دعا کی تھی اس مسکان کے لیے، اللہ تمہیں ایسی کئی مسکراہٹیں دیں۔" اتنے ٹنشن زدہ ماحول میں بھی اگر ہمارے بچے کے چہرے پر سکون ہے تو یقیناً اسکی وجہ پیاری سی سانولی ہے" سادان کے دل کی کیفیت کرمان یوں اچانک سمجھ جائیں گے یہ تو سادان کو بھی تھوڑا کنفوز کر گیا اور پیارے

شہزادے نے چاچو کے خوشی ہمکتے انداز پر خجالت سے سر کھجایا تو منظر تک شہزادے کی معصومیت پر لٹ گئے۔

چاچو آپ بھی نا" ھائے شہزادہ شرماتا بھی تھا، بلکے یہ تو حیا کا وہ رنگ تھا جو" سادان کی شخصیت کو نکھرا دیتا تھا۔

اب وہ اپنا سر کرمان کی گود میں رکھے آنکھیں موندھ گیا اور وہ بھی بہت پیار سے اسکے بالوں مئں ہاتھ پھیرتے مسکرا دیے۔

بچپن سے لے کر اب تک اگر سادان کو کسی نے ہمت اور حوصلہ دیا تھا تو وہ یہ اندر سے ٹوٹا پھوٹا کرمان تھا۔ وہ خود تو بہت دکھ میں تھے مگر سادان کی اپنے جیسی تربیت کر کے اسے پر اعتماد اور قابل شکست بنا گئے تھے۔

کیا آپکو محبت ہوئی کبھی؟" سادان کا یہ سوال بیٹھے بیٹھے کرمان کے کئ" پرانے زخم چھیڑ گیا اور سادان جواب انکے چہرے کی سنجید گی سے پریشان ہو کر سر اٹھا چکا تھا۔ اگلے ہی لمحے کرمان بھی بیڈ سے اٹھ کر سادان کے

ساتھ ہی زمین پر آکر بیٹھے اور اب انکی نظر کسی غیر مرئی نقطے پر رنج سے پتھرائی تھی۔

ہاں، ہوئی تھی "آج یہ بات وہ پہلی بار اپنے علاوہ کسی کو بتا رہے تھے۔" حالانکہ یہ توکومل بھی نہیں جانتی تھی۔ سادان نے گردن موڑ کر اب تجسس نے چاچو کے کھوئے سے تاثرات دیکھے اور مزید جاننے کے لیے متجسس ہوا۔

پر کرمان کے چہرے پر اک ان کہا سا درد تھا جو سادان نے بھی محسوس کیا۔

وہ اس گاوں کی سب سے پیاری لڑکی تھی، زینیہ۔ میں ان دنوں شہر کالج" جایا کرتا تھا اور چونکہ امیر کبیر تھے تو مالو بھائی مجھے روز کے روز شہر سے واپس لے آیا کرتے تھے۔ وہ ہر روز مجھے راستے میں کھیت کے بیچ اپنی سہیلوں کے ساتھ ہنستی دیکھائی دیا کرتی تھی اور میں روز اسے دیکھ کر بس مسکرا دیتا تھا" سادان کو زرا علم نہ تھا کہ اسکے چاچو کی بھی کوئی کہانی ہے۔

اب تو وہ تحیر سے کھلی آنکھیں لیے مدھم سا مسکرا کر اپنا تھوڑا رخ کرمان کی

سمت پھیر گیا جو خود مدت بعد اس پری پیکر کے ذکر پر زندگی خود میں اترتی محسوس کر رہے تھے۔

"تو پھر آپ نے کبھی اس سے بات کی کوشش نہیں کی،اور شادی کیوں پھر نور چچی سے ہوئی" کئی سوال تھے جو سادان کے دماغ میں اب الجھن بنے اور اس بات پر کرمان نے اک آہ بھری۔ھائے وہ آہ، جو نبض سے زندگی اچک لے۔

دونوں کے بیچ کچھ دیر اس سوال پر وقفہ چھایا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"بس ابھی ہی پہنچا ہوں، دو گھنٹے بعد ڈیوٹی آن" خیر سے شاویز بھی ہجرت کرتے ہوئے اپنے ٹھکانے پہنچ گئے تھے۔چونکہ سادان کو اس کیس کے حل تک جاب سے ریلیف مل چکا تھا مگر شاویز اب اپنی ہاوس جاب مکمل

کرنے واپس آچکا تھا تاکہ پھر پروفیشنلی ڈاکٹر کا عہدہ سنبھال کر وہ اپنے خواب کو تکمیل پہنچا سکے۔

اب تو اس آواز پر بھی کومل کا دل دھڑکنے لگا تھا جو ابھی ہی روم میں آئی تھی اور اب بیڈ پر بیٹھتی ہوئی تکیہ گود میں رکھے مسکرا دی۔

بہت اچھا کیا، آپکی اب کچھ ضرورت آپکے پیشنٹس کو ہے۔ لیکن ایک" مریض یہ بھی ہے، اسے مت بھول جائیے گا" ابھی تو ملن کی ہلکی پھلکی ملاقات کا نشہ بھی نہ اترا تھا کہ کومل کا دل پھر سے شاویز کی نزدیکیوں کا طلب گار تھا جسے وہ بمشکل سمجھائے بیٹھی تھی۔

مقابل جناب اب کچن میں کافی تیار فرما رہے تھے، جب اس بات پر دل نے دھڑکنے میں خاطر خواہ تیزی شامل کی۔

لائٹ بے بی پنک شرٹ اور وائٹ پینٹ پہنے آج تو حافظ صاحب اجلے اور ڈیشنگ قسم کے حسین لگ رہے تھے۔

آپ پیشنٹ نہیں ہیں، وہ تو ہم غریب ہو چکے ہیں" دانستہ شرارت سے" کہہ کر کافی مگ اٹھائے اب وہ چھوٹے سے منی لاونچ میں آکر براجمان ہوئے بولا تو دوسری طرف کومل بھی ہنس دی۔

اب آپکے پاس میں ہوں، غریب کدھر "آئے ھائے، یہ تو اب اترا کر" کہنا بنتا تھا۔ آخر کومل بھی سب کے نصیب میں تھوڑی ہوتی ہے، ایسی بے تاب دیوانی جو صرف شاویز کی قسمت میں لکھی تھی۔

پاس ہی تو نہیں ہیں، جب پاس آئیں گی تو تب اس درجے کو بدلنے کا" سوچوں گا۔ ابھی تو جدائی کا لطف لیا جا رہا ہے، ویسے کل میں نے آپکی تعریف تو کی ہے نہیں۔ دیکھ لیں کیسا نکما شوہر ملا آپکو" کل ایک دوسرے سے فرصت ہی کب تھی کہ تعریف میں کوئی قصیدہ کہنے کو زبان عقل کرتی۔

اس بات پر کومل ان پیارے لمحوں کا سوچ کر شرمگیں سا مسکرائی جب شاویز نے اسے اپنے محسوس کن لمس عطا کیے۔

تعریف کی مجھے حسرت بچی ہی نہیں تھی، بہت کچھ اور ایسا عطا ہوا جو مجھے "
بتا گیا کہ میں کتنی پیاری ہوں" کومل نے جھجکتے ہوئے اتھل پتھل ہوتے
دل کے سنگ جو بات کہی اس میں چھپا مفہوم سمجھ کر شاویز بھی حسین سا
مسکرایا۔

آپ اس سے زیادہ کی مستحق تھیں پر شاید ابھی کہ لیے اتنا ہی بہت تھا، "
کچھ کہنا چاہتا ہوں آپ سے" شاویز کا طلسمی سا دل کو انبساط دیتا انداز کومل
کے روم روم کو مہکا گیا مگر آخری بات پر وہ شدید تجسس زدہ ہوئی۔

کہیں ناں" کومل تو شیدائی تھی۔"

نکاح سے پہلے کی رات جب آپ فلذہ کو اپنے جذبات بتا رہی تھیں تو"
اتفاق سے میں باہر سے گزر رہا تھا اور میری سماعت نے آپکی وہ بات سن لی
تھی" اف کتنا پیارا تھا ناں پگلا، یہ بات تو وہ چھپا بھی سکتا تھا مگر نجانے اسے
لگا جیسے کومل کو بتا دینی چاہیے جس پر وہ منہ پر ہاتھ رکھے کتنی ہی دیر ہنستی
رہی۔

یا اللہ، یہ بھی کوئی کرم ہی ہوا۔ میرے بنا بتائے آپ کو علم ہوا اور یہ یقینا" اللہ نے کروایا" کومل کا دل تو مزید پر سکون ہوتا گیا جس پر شاویز بھی اب دل کو ہلکا محسوس کر رہا تھا۔

مجھے اس سے پہلے بھی علم ہو چکا تھا، میں جو آنکھیں پڑھنے میں ماہر نہ" تھا۔ تب تک ماہر ہو چکا ہوں۔ اور میری دلچسپی صرف آپکی آنکھیں تھیں اور یہی رہیں گی" شاویز کا لفظ لفظ مہکتا ہوا گلدستہ تھا جو کومل کا دل زندگی سے بھر رہا تھا۔

اور کومل کیا بتاتی کہ وہ تو سرتاپا اسکی چاہت اور محبت ہے، اسکا انعام جو اسکی زندگی میں چھاؤں کا باعث ہے۔

دونوں کے دل دور ہو کر بھی ایک دوسرے کو چاہتے تھے، جب ایک بار سچا محرم اور محبت کا ذائقہ چکھ لیا جائے تو پھر کب دوری قرار دیتی ہے۔

اور ان میں آپکو صرف اپنا آپ ملے گا، پتا ہے آپکا مجھے آپ کہہ کر مخاطب" کرنا مجھے بہت پسند ہے۔ کیوں ہیں اتنے منفرد اور پیارے، اتنا پیارا بھی نہ ہو

کوئی کہ ایک پل کی دوری گوارہ نہ کی جاسکے" ھائے کومل کی یہ دلفریب بے بسی، شاویز تو دل سے جی اٹھا تھا۔ کیا بتاتا کہ وہ اسے افضل ترین سمجھتا ہے اور کہیں دل میں وہ بھی اسکو پانے کا خواہش مند تھا۔

"آپ میری زندگی میں میرے سکون، میری خوشی اور میرے آئندہ کے سکھوں کی وجہ اور دکھوں کی ساتھی بن کر شامل ہوئی ہیں کومل اور میرا فرض ہے آپکو وہ رتبہ دوں جسکی آپ مستحق ہیں۔ یہ عزت لفظوں کے ساتھ ساتھ میرے دل میں بھی ایسی ہی عمدگی کے ساتھ درج ہے۔ رہی بات اس وقتی جدائی کی تو یہ وقت بھی گزر جائے گا، اب آپکو مجھ سے کوئی جدا نہیں کر سکتا اس لیے خوش رہیے" شاویز کا ساحرانہ رشک زدہ اور تسلی دے کر دور سے ہی کومل کے دل کو پر سکون کرنا لاجواب تھا۔

وہ بھی اب پوری شان سے مسکرائی تھی، اپنی قسمت پر اور اپنے اس شہزادے پر جو اس پر اس سے زیادہ فدا تھا۔

بہت سارا پیار آپکے لیے، اور میں بہت بہت خوش ہوں" کومل نے

توشاویز کا بھی لمحہ لمحہ یہ کہہ کر مہکا دیا تھا۔اور وہ بھی بے انتہا خوش تھا۔

جی محترمہ ہمیں آپکے پیار کی اور آپکی خوشی دونوں کی ضرورت ہے "کیا"

عاجزانہ مگر پھر بھی رئیسانہ انداز تکلم تھا کہ اب تو کومل کا دل واقعی چاہا

شاویز اسکے پاس آجائے۔

پر یہ دوری یہاں بھی بہت حسین سارنگ لانے کو تھی کیونکہ ایک

دوسرے کے تو وہ دل و جان سے ہو چکے تھے اور اب یہ دوری بھی بے حد

دل آفرین ہونے کو تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"محبت جن سے ہوتی ہے، انھیں کھونے کا ڈر ہمیشہ دامن گیر رہتا ہے۔

مجھے اس سے محبت ہو تو گئی پر میرے ڈر کے باعث وہ میری محبت پا نہ سکی،

کیونکہ میں اک ایسے گھر کا بیٹا تھا جہاں حوس پوری کرنے کی اجازت تو مل جاتی پر عزت سے اپنی محبت پانے کی اجازت کبھی نہ ملتی تھی۔ وہ دن جب میں نے اپنی خواہش کا اظہار اماں سائیں سے کیا تو وہ مجھ پر کتنی ہی دیر ہنسیں "شاید یہ تکلیف ہی اتنی کربناک تھی کہ جبر کے مارے کرمان حق کے پیارے چہرے پر دکھ کا سمندر اور آنکھوں میں نمی کا جہاں آباد ہوا۔

اب تو کرمان کا دکھ سادان بھی محسوس کر رہا تھا۔

وہ اس گاوں کے ایک کمہار کی بیٹی تھی اور اماں سائیں یہ بات سن کر مجھے " کہنے لگیں کے اٹھوا کے لے آ، پر اس کم ذات سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ پوری کر لے محبت اور پھر اسے کسی کھائی میں جھونک آنا" اف انجیل بیگم تم کتنی ظالم ہو، کرمان جیسے پیارے بیٹے کو بھی ڈس کر بیٹھی ہو۔

اس بات پر تو سادان کو حقیقی صدمہ پہنچا، وہ دادی جو اسے زہر لگنا شروع تھیں اب تو ذہنی معذور لگیں۔

سادان تم جانتے ہو وہ پہلا دن تھا جب میں بہت رویا تھا، آتنا کہ میں نے اپنی ساری محبت آنکھوں سے بہادی۔ جس سے محبت ہوتی ہے اسے رسوا کرنے کا خیال تک موت ہے۔ تم یہ سمجھو کہ اس روز چوہدری کرمان حق اپنی بے بسی اور تکلیف سے مر گیا تھا، میں نے اسکے بعد اسے دیکھنا بھی چھوڑ دیا۔ مگر محبت کرنا چھوڑ نہ پایا، اور اک روز جب میں واپس گاوں آرہا تھا تو خبر ملی کے زینیہ کا آج جنازہ ہے" اب تو چند آنسو کرمان کے چہرے پر دل کے ناسور کی کثافت کی طرح بہے اور سادان کے اعصاب بھی یہ بات سن کر تکلیف سے تن گئے۔

کیا، وہ مر گئیں۔ پر کیسے چاچو، وہ کیسے مر گئیں" سادان کا تو دل ہی بند ہوا جارہا تھا اور کرمان کا تو اس دل میں دبی تکلیف کے ہونٹوں تک آنے سے سانس بند ہو چکا تھا۔

اس رات جنازے کے بعد اسکی ایک سہیلی نے ایک چٹھی مجھ تک پہنچائی" تھی۔ وہ آج بھی میرے والٹ میں ہے۔ دیکھتا ہوں" یہ راز تو کچھ اور ہی

کہانی لیے ہوئے تھا۔ زینیہ کی موت کا یہ عجیب حادثہ سادان کو ہلا گیا تھا۔ پور پور زخمی کر گیا تھا۔

کرمان اب اپنے والٹ کو کھول کر ایک اندرونی خفیہ سے حصے سے ایک فولڈ ہوا بوسیدہ کاغذ نکال کر سادان کو دے رہے تھے جسے سادان نے فوری تھام کر بے چین سے دکھ کے سنگ کھولا۔

دونوں کے دل اس وقت ایک سی تکلیف محسوس کر رہے تھے۔

کہتے ہیں نظریں بھی کبھی کبھار امام ضامن ہوتی ہیں، پر مجھ پر سے بڑی" اجلت میں اٹھالی گئی ہیں۔ میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اپنی زندگی آپ کی ان پھیری جاچکی نظروں پر وار دی ہے جو ممکن تھا آپکی اور میری دشمن ثابت ہوتیں۔ دعا ہے آپ میرے حصے کا بھی جیئیں اور لاتعداد سکھ پائیں۔ میری اس دنیا میں شاید کوئی ضرورت نہیں، نہ میں آپکو کسی مشکل میں غرق دیکھ سکوں گی، کوشش ہے کہ خود سے اس دنیا کو اور دنیا کو خود سے نجات دینے کی ہمت جمع کر سکوں۔ مجھے جتنی دعائیں آتی ہیں سائیں وہ سب

آپکے نام کرتی ہوں "اس چھوٹے سے کاغذ پر لکھی وقت کے ستم کے آگے مدھم ہوئی وہ چند سطریں اب سادان کا دل غمناک کر گئیں۔اک ان کہی ازیت اور اک سوہان روح قیامت تھی جو اس وقت سادان اور کرمان کے دل پر نازل تھی۔

ناچاہتے ہوئے بھی سادان اپنے دل میں درد کو اٹھنے سے نہ روک پایا اور وہ چھٹی فولڈ کر کے اسے واپس کرمان کو تھمائے انکا ہاتھ بہت پیار سے تھامے دیکھنے لگا۔ نظروں میں تاسف جی بھر کر امڈا مگر ابھی یہاں کہانی ختم نہیں ہوئی تھی۔

وہ مجھے دعا کے ساتھ زندگی دے گئی پر سادان مجھے تو نہ اسکی دعا لگی نہ " واری زندگی، بظاہر اسکی موت اک حادثہ تھی۔ مگر اس نے خودکشی کی تھی، یہ بات اگلے چند روز تک پورے گاوں میں پھیل گئی اور مجھ سے میرا سب چھن گیا۔میں نے ہمت کی اور اک روز زینیہ کے گھر چلا گیا" سادان کے

تسلی زدہ لمس کے باوجود اک درد دیتا سیل رواں تھا جو کرمان کے اب دل سے بہہ رہا تھا۔

"وہ بوڑھا کمہار مجھے دیکھ کر خوفزدہ ہوا، کپکپانے لگا۔ میں نے اسے بہت تسلی اور پیار سے اسکا یہ ڈر ہٹانے کو بات کرنی شروع کی تو وہ مجھے بنا میرے کسی سوال کا جواب دیے بس گھورتا گیا۔ اور پھر بہت دردناک رونے لگا اور میرے آگے ہاتھ باندھے مجھے جانے کے لیے کہتا رہا" کرمان یہ سب بتاتے ہوئے بہت تکلیف میں تھے اور وہی تکلیف سادان کے چہرے پر تھی جواب دکھ سے چاچو کا ہاتھ زوردار طریقے سے پکڑے یہ درد سے اٹی کہانی سن رہا تھا۔

"میں بھی جانے کے لیے نہیں آیا تھا، اس کے باندھے ہاتھ پکڑ کر التجاء کر بیٹھا کہ مجھے بتادیں زینیہ کے ساتھ کیا ہوا۔ کیا تم یقین کروگے سادان کے اس روز جو حقیقت مجھے پتا چلی اس نے میری روح کھینچ لی" کرمان کی

آنکھیں درد سے لبریز ہو چکی تھیں اور سادان سے اب انکی تکلیف دیکھی نہیں جا رہی تھی۔

چاچو، آپ اتنی تکلیف دبائے بیٹھے تھے۔ دل پھٹ رہا ہے" سادان کا تو ابھی بنا سنے ہی دل پھٹ رہا تھا اور شخص جس پر بیتی تھی وہ تو زندہ در گور ہو گیا تھا۔

دل تو اس روز میرا پھٹ گیا جب اپنی ماں کا خوفناک روپ دیکھا، اسکی" موت سے دو دن پہلے اماں سائیں انکے گھر گئی تھیں اور اس کو مجھ پر ڈورے ڈالنے کے الزام میں بہت مار کے آئی تھیں۔ یہ جو فیضاں ہے، اس عورت نے زینیہ کے کمر تک آتے سیاہ بال کاٹ دیے۔ اور جاتے ہوئے وہ زینیہ اور اسکے باپ کو دھمکی دے کر آئیں کہ اگر اب ایسا کچھ ہوا تو وہ زینیہ کی عزت خراب کروا دیں گی۔ وہ اپنے بالوں سے بہت پیار کرتی تھی، اور دو دن اسی غم میں روتی رہی۔ تیسرے دن دو آدمی انکے گھر آئے، اور اس کمہار کو ایک کمرے میں باندھ دیا اور زینیہ کے ساتھ۔۔۔۔۔۔" آگے تو

شاید انکی ہمت ٹوٹ گئی تھی اور وہ بہت دردناک رو دیے جس پر سادان نے بھی اب انکو خود میں درد کے اخیر سوز سے بھینچ ڈالا۔

یااللہ یہ عورت کیسی بلا اور درندہ صفت تھی جس نے خود اپنے بیٹے کا دل اجاڑ دیا تھا۔

یااللہ یہ کیا کہہ رہے ہیں، او میرے خدا یہ کتنے درندے لوگ ہیں۔ مجھے معاف کر دیں چاچو میں نے آپکے زخم ہرے کر دیے" سادان کو تو سکتہ طاری تھا اور آج اسے انجیل بیگم سے حقیقی حقارت محسوس ہوئی تھی۔

کرمان تو یہ غم سہتے آئے تھے لہذا الگ ہو کر اپنا زرد بھیگا چہرہ پونچھ کر کچھ بہتر ہوئے۔

اسکے بعد اس نے گھر کے فاصلے پر بنے کنویں میں چھلانگ لگا کر اپنی جان" دے دی، یہ چٹھی بھی اس نے اس روز لکھی تھی جس دن اماں وہاں گئیں۔

وہ آدمی اماں سائیں نے بھیجے تو زینیہ کو مروانے کو تھے پر ان کتوں نے زینیہ کو مارنے کے بجائے اسے داغ دار کرنا بہتر جانا کیونکہ اس سے بھی وہ مر ہی

گئی۔ یہ لوگ تمہاری سوچ کے ہر لیول سے اونچے درجے کے ظالم اور برے ہیں، میری تکلیف کا سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا۔ کچھ اور بھی ہے جو تمہیں پھر سناوں گا، ابھی شاید سنا نہ پاوں۔ چلو آرام کرو چلتا ہوں" اف کیا کرب تھا جواب کرمان کے لہجے میں تھا، سادان نے انکو لڑکھڑا کر اٹھتے دیکھا تو خود بھی تکلیف میں مبتلا ہو کر اٹھا اور ایک بار پھر وہ کرمان سے لپٹ گیا جس پر وہ دلخراش سا مسکرا کر اسکے کندھے پر تھپک لگائے کسی اندھیرے کے مسافر کی طرح اس ملگجی روشنی سے فرار حاصل کیے باہر نکلے اور سادان وہیں اپنے بال جکڑے پھر سے زمین پر جا بیٹھا۔

اک تکلیف کا لامتناہی سلسلہ تھا جو سادان کی روح جسم سے نکال رہا تھا۔ اسکا دل سخت اور بری طرح لرز رہا تھا۔ ابھی کوئی اور ظلم بھی تھا جسکا سوچ کر ہی سادان کی حالت غیر اور شدید رنجیدہ ہو چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ فون ہے، سائیں نے بھیجا ہے چچا۔اس میں یہ جو نمبر ہے یہ آپکی فلذہ کا"
ہے۔اب آپ اپنی بیٹی سے جب چاہیں بات کریں" منظور حسین کو بہت
پیار اور شفیق سے انداز میں عاقل نے فون دیا تواس کملے کی تو خوشی سے
آنکھیں بھر آئی تھیں، آنکھوں میں تشکر سموئے وہ شکر گزاری سے وہ
چھوٹا سا فون پکڑے مسکرا رہا تھا۔

لخت جگر کی سمت سے پیارے بابا کو سکون تھا اور اب یہ جو بات کرنے کی
سہولت تھی اس پر تو منظور حسین جی اٹھا تھا۔

آج تو بشیر بھی پیارے انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"اللہ سادان سائیں کو بہت نوازیں، اللہ انھیں کسی امتحان میں نہ ڈالیں
جنہوں نے مجھ مسکین کو اتنی عزت دی اور میری فلذہ کو تحفظ دیا" منظور
حسین آجکل تھا تو تندرست مگر اسکی خفاظت کے لیے گاوں میں اسکی سخت

طبعیت ناسازی کی بات پھیلائی گئی تھی جسکا مقصد اسکی انجیل بیگم اور درمان سے حفاظت تھیٔ اور سادان کا یہ پلین کام بھی کر رہا تھا۔

بشیر اپنے اور ان دونوں نے لیے چائے خود ہی بنا کر لایا تھا اور عاقل تو اس باپ کی اتنی سی خوشی پر جی اٹھا تھا۔

صرف حفاظت نہیں منظور چچا، سائیں تو فلذہ کو تا عمر اپنا نام بھی دینا چاہتے" ہیں۔ سب کے سامنے وہ کئی بار فلذہ کو اپنی بیوی کہہ کر سب کو آگ لگا چکے ہیں تبھی تو وہ سانڈ سے آدمیوں کی فوج جگہ جگہ اسے تلاشتی پھر رہی ہے مگر آپ فکر مت کریں۔ جب تک وہ سائیں کی حفاظت میں ہے اس تک کوئی نہیں پہنچ سکتا وہاں دو پولیس کے لوگ بھی شاویز بھائی کے گھر مسلسل پہرہ داری کر رہے ہیں" عاقل کی یہ باتیں تو منظور کی ٹوٹی پھوٹی ہمت کو پھر سے بندھا گئیں اور اس مسکین کو جتنی دعائیں آتی تھیں اب وہ سب سادان اور فلذہ کو ہی دیتے تھے۔

آنکھوں میں خوشی سے نمی تھی، لخت جگر آسودہ تھی اور سب سے بڑی بات کہ سادان جیسا جی دار مرد اسکے سر کا سائیں تھا۔

وہ ساری تکلیفیں جو منظور حسین اور فلذہ نے سہی تھیں، یوں لگا اسکا ثمر مل گیا ہو۔

عاقل تو تھا ہی پیارا اور وہ یونہی سب کو بھی پیار ہی دیتا تھا، دوسرا وہ سادان کے ساتھ زرا سا عرصہ رہ کر ہی اس جیسا مہربان ہو گیا تھا۔

بشیر کو بھی کچھ اطمئینان تھا کہ فلذہ کو اس نے بہن کہا ہی نہیں بلکے سمجھا بھی تھا اور چوہدریوں کے خاندان کے کوئلے میں سے سادان سا ہیرا جو نکلا تھا وہ سبھی کے لیے مبارک تھا۔

زندگی گو بہتری کی سمت گامزن تھی مگر ابھی بھی آسانیاں بہت دور تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیا مطلب ہے آپکا ایس ایچ او صاحب، کل تک تو ایف آئی آر نہیں کٹی" تھی اور آج آپ کہہ رہے ہیں چھ ماہ سے پہلے ضمانت نہیں ہو سکتی۔ مجھے سمجھ نہیں آئی آپکی بات" صبح صبح پہلی فرصت سے سادان، تبریز کی رہائی کو تھانے آیا تھا مگر یہاں آکر اسے جو خبر ملی اس نے اسکی پیشانی شکن آلود کر ڈالی۔

سادان کی شاکی نظروں سے بے نیاز وہ ایس ایچ او اپنی گھنی مونچھ مڑورے اب اپنی کرسی سے ٹیک چھوڑے سیدھا ہوا۔

مطلب صاف اور سیدھا ہے سادان صاحب، ہم پر بہت پریشر تھا جسکی" وجہ سے ہمیں رپورٹ کاٹنی پڑی۔ آپ جانتے ہوں گے کہ منگو سلطان ڈی ایس پی کا سالا ہے اور اسکی شکایت پر اگر ہم عمل نہ کرتے تو ہماری نوکری جا سکتی تھی۔ چھ ماہ تک تو میں آپکی کوئی مدد نہیں کر سکتا، ہاں اسکے بعد آپ اسے ضمانت پر لے جا سکتے ہیں" اوہ تو یہ منگو تمام تر کرپٹ اعمال کے اس لیے بچا ہوا تھا کیونکہ وہ قانون کو جیب میں لیے گھومتا تھا اور یہ بات سن کر

سادان کو ان بے ضمیر لوگوں پر سخت افسوس ہوا جنھوں نے قانون کے محکمے کو اپنا سسرال سمجھ رکھا تھا۔

اس گاؤں کا تو ہر شعبہ سدھار کی ضرورت رکھتا تھا، سادان نے محسوس کن سخت انداز سے اس ایس ایچ او کو دیکھا اور بے بسی سے اپنی پیشانی مسلی۔

اسے اس وقت عالیہ کی فکر تھی جو اس خبر سے نجانے کتنا متاثر ہونے کو تھی، سادان کو بھی اب صورت حال اتنی آسان دیکھائی نہیں دی تھی۔

بہتر، مجھے اجازت دیں" سادان نے ناراضگی اور برہمی کے پیش نظر" اجازت طلب کی اور وہ بے حد الجھا سا باہر نکل گیا۔

ابھی سادان کا دماغ کام نہیں کر رہا تھا، کچھ دیر گاڑی ڈرائیو کرنے کے بعد اس نے یونہی کچی سڑک پر گاڑی روکی اور باہر نکل آیا۔

ابھی صبح کے دس بجے تھے اور ہلکی ہلکی بادلوں کی اوٹ میں چھپتے سورج کی کرنیں چار سو پھیلی تھیں۔ سادان یونہی گاڑی سے ٹیک لگائے اپنی منتشر سوچوں میں مبتلا تھا تو اچانک اسکے دماغ میں گہرا سناٹا پھٹ کر پھیلا۔

میں نے تیمور سے بھی وعدہ کر رکھا تھا، یا میرے اللہ یہ میں کیا کر بیٹھا" ہوں میں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تیمور کو وہ لڑکی پسند آگئی ہو، تبھی اس نے پہلے شادی کی بات کی پھر جب کسی نے اسکی نہ سنی تو وہ بدکرداری تک پہنچ گیا اور اب اسکی نکاح کی خواہش۔۔۔۔۔۔اور اگر یہ بات میں نے حویلی میں کھول دی تو وہ درندے اس بچاری کے ساتھ بھی وہی کریں گے جو زینیہ کے ساتھ ہوا۔ نہیں یہ معاملہ بھی مجھے خفیہ رکھنا ہوگا" گاڑی سے ٹیک لگائے سادان سخت الجھن زدہ ہو کر تمام ہاتھ سے پھسلتے معاملات پر نظرثانی کر رہا تھا۔

اف کس سے مشورہ لوں، امام صاحب سے۔۔۔۔ہاں وہی ہیں جو اب" میری رہنمائی کریں گے۔ مگر نکاح تو تب ہو گا جب وہ رمشہ مانے گی، اور جو تیمور نے اسکے ساتھ کرنے کا سوچا تھا اسکے بعد تو وہ مر جائے گی پر نکاح پر نہیں مانے گی" ایک خدشہ سر نیچا کرتا تو دوسرا اٹھا لیتا، سادان کا دماغ ان سب مسائل نے شل کر دیا تھا۔

فلذہ سے مشورہ لیتا ہوں کہ رمشہ کو کیسے منایا جائے، ہاں تھوڑا دماغ اب" فلذہ کا لگواتا ہوں" اگلے ہی لمحے سادان نے اپنی شہزادی کا سوچتے ہی فورا جیب سے فون نکالا اور کچھ دور سڑک کے کنارے لگے پتھر پر بیٹھتا ہوا فون کان سے لگا گیا۔

وہ جو پورے انہماک سے بیڈ پر کتابیں پھیلا کر پڑھنے میں گم تھی، فون کی بیل پر فوری مڑ کر فون اٹھائے واپس سیدھی ہوئی تو سادان کا نام دیکھ کر فلذہ کے سانولے بے داغ اور پر کشش چہرے پر مزید دلفریبی چھا چکی تھی۔

اسلام و علیکم میڈم۔ کیسی ہیں، کیا ہو رہا ہے" سادان کا بے تکلفانہ چاہت" اور محبت سے بھرا لہجہ کھنکا تو فلذہ بھی کتاب بند کیے گھٹنے جوڑ کر ایک ہاتھ سے باندھ کر اس پر ٹھوڑی ٹکائے بھینا بھینا مسکادی۔

وعلیکم اسلام، میں ٹھیک اور پڑھ رہی تھی "بے حد پر اعتماد ہو کر جواب آیا" جو سادان کو خاصا متاثر کر گیا۔ وہ بھی اب سامنے کھیتوں میں کھیلتے بچوں کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

آہاں، بہت خوب۔ بھئی مجھے تم سے کچھ کام ہے یہ بتاو کہ اگر کسی لڑکی کو" کسی ناپسند فیصلے کے لیے منانا ہو تو کیا ایسا طریقہ ہے جو فوری کام کرے"

سادان کے اس سوال پر فلذہ کا منہ پہلے تو حیرت سے کھلا پھر وہ اپنے دماغ کے گھوڑے دوڑانے کے کچھ سیکنڈ بعد گھبرائی سی مسکرا دی۔

وہ یہ تو مجھے پتا ہی نہیں ہے "اس قدر معصومیت سے فلذہ نے جواب دیا" کہ سادان جو اس وقت اچھا خاصا سنجیدہ تھا، وہ بھی ہنس دیا۔

تم کو پتا بھی ہے کچھ یا نہیں" سادان بھی اب منصوعی سا منہ پھلائے بولا" جس پر جناب کی چاکلیٹی پرنسس نے شرمیلا سا مسکرا کر کچھ کہنے کی تیاری پکڑی۔

جی مجھے صرف یہ پتا ہے کہ میرے سائیں بہت پیارے ہیں" اوئے ہوئے ظالم لڑکی نے تو سیدھا دل پر وار کر دیا جس پر سادان بھی کچھ لمحے ہر ٹنشن بھول کر فلذہ کی آواز کا رشک محسوس کر رہا تھا۔ آج اس نے بھی پورے حق سے 'میرے' کا لفظ استعمال کیا تھا۔

"ایسی باتیں فون پر اتنی دور ہو کر نہیں کرتے فلذہ، مجھ معصوم پر یہ تو سراسر ظلم ہے نا" فلذہ کا بس چلتا تو اپنی جان تک شہزادے پر فدا کر دیتی، وہ حکم کرتا تو ہر جنبش کو رد کر کے بس حکم بجالاتی۔

سادان کی آواز میں چھپی جدائی کی خلش فلذہ نے بھی محسوس کی مگر وہ چپ سی ہو گئی تھی، شاید وہ اپنے کسی لفظ کو سادان کے شایان شان ابھی بھی نہیں سمجھتی تھی۔

"آپ مجھے دوبارہ ملنے کب آئیں گے" فلذہ صاحبہ تو لگتا تھا گوڈے گوڈے شہزادے کے عشق میں ڈوب رہی تھیں اور اس بات پر سادان نے آفت خیز سی تبسم کی کرن اپنے ہونٹوں پر بکھیری۔

ابھی تو مشکل ہے پرنسس، دراصل جس لڑکی سے تیمور نے بدسلوکی کی "کوشش کی تھی اب وہ اسی سے نکاح چاہتا ہے۔ میں تو پریشان ہو کر رہ گیا ہوں کہ یہ سب کیسے ہینڈل کروں۔ رمشہ نام ہے اسکا، اب تم مجھے بتاو کہ میں اس بچی کو کیسے مناوں۔ تیمور کی درندگی ختم کرنے کے لیے یہی آخری حل ہے" سادان کتنی مشکلات میں گرا تھا یہ جان کر اب فلذہ کا چہرہ بھی اتر گیا تھا، وہ بھی تو ابھی آٹھارہ کی ہی تھی۔ حالات کو جس طرح سادان دیکھ رہا تھا وہ ویسے نہیں دیکھ سکتی تھی کیونکہ ابھی وہ ان سب سے دور تھی۔

آااااوہ کیسے مانے گی، مجھے نہیں لگتا کہ مانے گی۔ آپ یہ سب اب کیسے "کریں گے، اتنی ساری مشکل میں آپ پھنسے ہیں اور میں یہاں آرام سے بیٹھی ہوئی ہوں" بات تو فلذہ نے شدید حیرت سے شروع کی تھی مگر آخر تک وہ خود سخت اداس ہو گئی جس پر سادان پھر سے مسکرا دیا۔

تم وہاں آرام سے ہو یہ میرے سکون کی ایک وجہ ہے فلذہ، تمہیں ان "سب پریشانیوں اور ٹنشن سے دور رکھنا چاہتا ہوں۔ اور میں نے منظور

حسین تک فون پہنچا دیا ہے، اب تم اپنے بابا سے بھی بات کر لیا کرنا" ایک کے بعد ایک احسان اور مہربانی اتار کر وہ فلذہ کو اپنا اسیر کر رہا تھا اور وہ تو اس بات پر کتنی ہی دیر بھرائی سی آنکھیں لیے اس اللہ نے انعام پر سراپا شکر اور تشکر بن گئی اور سادان اسکی خاموشی پر بے چین ہو گیا تھا۔

"میں کیسے بتاوں کہ آپ مجھ پر کس حد تک مہربان ہیں، اس سب کے لیے آپ کا شکریہ بھی ادا نہیں کر سکتی کیونکہ آپ نے جو میرے اور بابا کے لیے کیا وہ ان رسمی لفظوں سے بیان نہیں ہو سکتا" فلذہ کی آواز بھرائی ہوئی تھی مگر لہجے میں صرف چاہت اور محبت تھی جسکی سادان کو ضرورت تھی۔

"بس بس، یہ سب کہنے کی تمہیں ضرورت نہیں۔ تم میرے لیے کیا ہو یہ تم اچھے سے جانتی ہو فلذہ، اور یہ مہربانی نہیں میرا تمہارے لیے خلوص اور انس ہے۔ اور مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ تم روئی ہو" سادان اسے ان تکلفات سے مکمل نکال دینا چاہتا تھا اور اب تو دونوں کے دل ساتھ

دھڑکتے تھے تو آنکھوں اور لفظوں کی ہر کیفیت بھی باآسانی ایک سے دوسری سمت ہجرت کرتی تھی۔

"ہاں روئی ہوں، کیوں کہ مجھے آپکی یاد آرہی ہے۔مجھے خود بگھاڑ دیا اب تنگ تو کروں گی ناں" ھائے شہزادہ اس ادا پر قربان ہی ہو گیا، کس مان سے روتو سی شکایت نے سادان کے دل کو بھی سرخوشی کے عالم میں مست کر دیا تھا۔

"ھاھا او مائی گارڈ، فلذہ یہ واقعی تم ہو۔ویسے مجھے شدت سے حسرت تھی کہ تم مجھے یوں تنگ کرو، کرتا ہوں جلد کوئی انتظام اگلی ملاقات کا" سادان نے بھی پر لطف چھیڑ خانی کیے ساتھ ساتھ فلذہ کے چہرے کی رونق بھی بحال کی تھی۔

"سچ میں" ھائے فلذہ دیوانی کہیں کی، سادان اسکی بے تابی پر اپنا دل بھی بے قرار محسوس کر رہا تھا۔

ہاں، پر کچھ دن تک تو مجھے گاؤں میں حقیقت بتانے کے بعد تماشا دیکھنے " میں لگیں گے۔ پر میں جلد ہی موقع ڈھونڈ کر تم سے مل جاؤں گا۔اب عادت خراب کی ہے تو بگتنا تو ہو گا ناں مجھ معصوم کو" سادان کے لیے فلذہ کی خواہش ہی خود اسکی مراد تھی اور اس بات پر فلذہ کی ساری اداسی ہی اڑ گئی اور وہ بہت سارا خوش ہو چکی تھی۔

سادان کا اب ارادہ حویلی جانے سے پہلے امام صاحب سے ملاقات کا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیا مطلب ہے بابا سائیں، چھ ماہ" بات تو اس نے ٹوٹے کانچ جیسے انداز " سے کی مگر اس انکشاف پر عالیہ کی آنکھوں میں سیلن زدہ نمی تھی جس پر درمان بھی کچھ دھیما ہو کر اب اٹھ کر سامنے کھڑی عالیہ تک گیا جو بے یقینی سے بابا سائیں کو دیکھ رہی تھی۔

یہ بھی اس بد بخت کے لیے کم ہیں، میرا بس چلتا تو اسے عمر قید دلواتا مگر وہ" بخت کی اکلوتی اولاد ہے اس لیے ترس کھایا ہے ورنہ یہ پورا گاوں بخوبی جانتا ہے کہ چوہدری درمان حق کسی پر ترس نہیں کھاتا" درمان کے لہجے میں ابھی بھی تبریز کے لیے محسوس کن حد تک حقارت تھی اور عالیہ تو ایک پل بھی تبریز کی تکلیف پر راضی نہ تھی۔

بابا سائیں ایسا نہ کریں" عالیہ مجبوراً التجاء کرتی ہوئی رودی ٔ جس پر درمان" نے سخت خشونت بھری نگاہوں سے عالیہ کو دیکھا جو یوں رو رہی تھی جیسے اس پر نا جانے کونسا ظلم سرزد ہو گیا تھا۔

دم بخود سا یہ درمان حقیقت میں بیٹی کے رنج سے متاثر تھا مگر انا کا خول چڑھانا اسکی فطرت تھی۔

اس نے جو کیا ہے اسکے لیے اب اسکی یہی سزا ہے، میں تجھے اس بے" غیرت کے لیے روتا نہ دیکھوں عالیہ۔ چھ ماہ بعد اگر اسکے اندر انسانیت سرائیت کر چکی ہوئی تو تبھی تجھے اسکے ساتھ جانے کی اجازت ملے گی ورنہ

اس حویلی میں جگہ کی کمی نہیں ہے" درمان اپنی بیٹی کے آنکھوں کی نمی اور اسکے سخت تکلیف میں ہونے سے بے نیاز سختی سے اسے جھاڑ رہا تھا جواب شاکی نگاہ سے چہرہ اٹھائے اپنے روبرو کھڑے سخت اور پتھر دل انسان کو دیکھ رہی تھی۔

جس انسان کے اندر خود انسانیت نہیں تھی وہ دوسروں میں ڈنڈے کے زور پر انسانیت بھرتا ہوا کتنا مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔

میں نے انکو معاف کر دیا ہے، خدا کے لیے انھیں اس سزا سے بچالیں بابا" سائیں میں آپکی منت کرتی ہوں۔ میرا گھر برباد ہو جائے گا، میں مر جاوں گی" اپنے سامنے کھڑی رو کر اپنے سہاگ کی سلامتی مانگتی یہ بے جان عالیہ ایک ہی لمحے میں درمان چوہدری کو زمین میں گاڑھ سی گئی۔

ایک پر صدمے کا پہاڑ ٹوٹا تو دوسرے پر اپنی کی زیادتی کے افسوس کا مگر درمان جیسے لوگوں کے لیے شرمندہ ہونے کا لفظ نہیں بنا تھا بس ایسے لوگ غرق ہوا کرتے ہیں۔

عالیہ میری بات تجھے سمجھ نہیں آرہی، یہ معاملہ قانونی ہے اور اس میں "
کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ چھ ماہ تک وہ قید میں رہے گا اور اسکے بعد ہی اسکی
ضمانت ممکن ہے۔ وہ کمینہ نجانے کیا کیا غیر قانونی کام کرتا رہا ہے، اب سزا
بھگتتا پھرے " درمان نے روتی ہوئی عالیہ کی ہر فریاد پر پانی پھیر کر اسکی
التجاوں کو چنداں اہمیت نہ دیتے ہوئے اپنی بات اٹل انداز سے مکمل کی تو
عالیہ بنا کچھ کہے ہتھیلی سے اپنی آنکھیں رگڑتی ہوئی مڑ گئی۔

آپ کے کیے ظلم، آپکی اولاد سہہ رہی ہے باباسائیں۔ کاش آپ نے فلذہ "
کو بھی کسی کی بیٹی سمجھا ہوتا، ابھی بھی وقت ہے اس معصوم کو چھوڑ دیں "
شاید وقت اور حالات نے جہاں عالیہ کو تکلیفوں کا سمندر عطا کیا وہیں اب
وہ خود کو مزید کمزور نہیں رہنے دینا چاہتی تھی تبھی آج پوری ہمت سے وہ
دوبارہ رخ پھیرے باباسائیں کی آنکھوں میں جھانکتی ہوئی سخت غمناک اور
برہم ہو کر بولی جس پر درمان نے بمشکل اپنا غصہ جذب کیا مگر اسکی سرخ
شعلہ آنکھیں ضبط کی ترجمانی کر گئی تھیں۔

اسے چھوڑ دوں تاکہ وہ تمہارا بیوقوف بھائی سادان اسے پکڑ کر اس خاندان میں لے آئے، اس حویلی کا وارث اس خرافہ کی بدولت آئے یہ ہونے سے پہلے ہی میں ان دونوں کا خاتمہ کر سکنے کی قدرت رکھتا ہوں۔ اس لڑکی کو ہر صورت مرنا ہو گا، ہاں اگر وہ سادان کی زندگی سے نکل جائے تو اسے چھوڑنے کا سوچوں گا۔ یہ بات اس بددماغ سادان کو بھی بتا دینا عالیہ کہ خوامخواہ اپنی جان کا دشمن نہ بنے کیونکہ آج نہیں تو کل وہ بدذات ہمارے شکنجے میں آہی جائے گی۔ باقی بات رہی تکلیف کی، اگر میں تکلیف دینے پر مہارت رکھتا ہوں تو ہٹانے کی سعی بھی کر رہا ہوں۔ تبھی اس منحوس تبریز کی سزا پر بہت خوش ہوں" تنفر، حقارت، برہمی، عتاب کے ملے جلے رنگ سے درمان چوہدری اپنا آخری فیصلہ سنا کر عالیہ کو بھی مزید درد میں مبتلا کر گیا اور وہ ان پتھروں سے سر ٹکرانے کی کوئی مزید ہمت نہ رکھتی تھی تبھی دلبرداشتہ سی کمرے سے باہر نکل گئی اور یہ قدرتی تھا کہ

عالیہ کی کہی بات اب درمان کے دماغ میں ہتھوڑے کی طرح لگ رہی تھی۔

"ماشاءاللہ چہرے پر پچھلی بار کی نسبت اک سکون ہے،اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس سکون میں کمی نہ فرمائیں" سادان کی زندگی کا ایک بڑا حصہ امام صاحب کے گرد گھومتا تھا جنہوں نے اب تک سادان کی ہر مشکل کا تسلی بخش حل فراہم کیا تھا اور آج بھی جب سادان الجھا تھا تو اسے مشورے کے لیے امام معروف سلطانی ہی بہترین الجھن کے حل کا ذریعہ لگے تھے۔ وہ دونوں آج مسجد کی بیرونی اطراف ٹہل رہے تھے۔ابھی ظہر کی نماز کو کافی وقت تھا اور اوپر سے اب ہلکی ہلکی دھوپ دوبارہ نکل چکی تھی۔

امام صاحب کی بات پر سادان پیارا سا مسکرایا تو امام صاحب نے بھی اس صورت و سیرت کے حسین بچے کا صدقہ اتارا۔

الحمد اللہ امام صاحب، دل تو پر سکون ہے مگر ابھی بہت سے معاملات ہیں" جو میرے توجہ چاہتے ہیں۔ آج میں ایک بار پھر آپ سے اپنی الجھن کا ذکر کرنے اور مشورہ لینے آیا ہوں"سادان جواب امام صاحب کے برامدے میں لگے قالین پر بیٹھنے کے بعد خود بھی وہیں براجمان ہو کر بولا تو امام صاحب تو ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اسے شرف سمجھ رہے تھے کہ وہ ایک بار پھر سادان کے لیے قابل اہم ہوئے ہیں تبھی وہ ان سے اب اپنی الجھن بلا جھجک کہنے آیا تھا۔

جب تک انسان کے اندر روح ہے تب تک الجھن تو جاری رہتی ہے" میرے بچے، کہو تم کیا الجھن ہے اس بار"بے حد دلفریب سی شفقت کے سنگ امام صاحب نے سادان کے متغیر سے چہرے پر نگاہ ڈالے دریافت کرنا چاہا جس پر سادان نے انکو تیمور والا سارا مسئلہ الف سے یے تک بیان

کر دیا جس کو سننے کے بعد امام صاحب کچھ دیر فکر مندی چہرے پر سجائے کسی سوچ میں مبتلا ہو گئے۔

مسئلہ تو واقعی گھمبیر ہے بچے، اور اس صورت حال میں نکاح بہترین حل" ہے مگر بچی کی مرضی کے بنا ایسا ناممکن ہے۔ اسلام میں دونوں کی رضا مندی ہونا ضروری ہے، اگر اس بچی کو منا لیا جائے تو ہم یہیں مسجد میں دونوں کا سادگی سے نکاح کروا دیں گے" نکاح کا بندوبست تو ہو گیا تھا جو سادان کو تھوڑا ریلیف دے گیا اور اب اصل مسئلہ ہی رمشہ کو منانے کا تھا جس پر اب سادان اور امام صاحب دونوں ہی گہری سوچ میں غرق تھے۔

یعنی اسے منانا ہی اصل ٹاسک ہے، پتا نہیں وہ مانے گی یا نہیں۔ آپ دعا" کیجئے کہ میں اپنا یہ وعدہ بھی نبھا سکوں، بہت فکر مند ہوں" سادان نے ماتھے پر آئی سلوٹیں معدوم کیے سخت پریشان حال ہو کر اضطراب کو الفاظ دیے تو امام صاحب کی شفیق سی تسلی نے سادان کا بے حد حوصلہ بڑھایا تھا۔

ان شاءاللہ، اللہ پاک خیر کریں گے۔ تو بس جیسے ہی منالو، دونوں بچوں کو" لے کر یہاں پہنچ جانا بچے۔ میں خود یہ نیک کام سرانجام دوں گا اور دونوں کو چھپے ڈھکے الفاظ میں کچھ موتی فراہم بھی کر دوں گا۔ بے شک جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں، اور جب بچہ اس طرح کی ضد کرے تو والدین کو اسے اسکی ضد نہیں بلکے ضرورت سمجھنی چاہیے۔ باقی اللہ ہم سب کو نیک ہدایت دے "امام صاحب سے بات کر کے سادان بہت بہتر ہو گیا اور انہوں نے شہزادے کو ایک بار پھر بہترین تجویز دی جس پر سادان جلد ہی عمل کرنے کا سوچ چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سادان نے واپس آکر ہنگامی بنیاد پر پنچائیت بلوائی تھی جہاں تمام پنچائیتی بلا شبہ تھر تھر کانپتے دیکھائی دے رہے تھے۔ خود درمان چوہدری جب تک زمینوں پر پہنچا تب تک تمام لوگ ایک کھلے کھیت میں جمع ہو چکے تھے۔
آج سادان کی آنکھوں میں بے خوفی ان سب کھوکھلے وڈیروں پر بھاری تھی، مالو، عاقل، کرمان کے علاوہ منظور حسین اور بشیر کو بھی اس جرگے میں شمولیت کا حکم دیا گیا تھا۔
اس وقت شام کے چار بج رہے تھے اور پورے گاوں میں سادان کی بلوائی پنچائیت نے خوف اور ڈر بٹھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔
تیمور والا معاملہ سادان ایک ہفتے تک ڈیلے کر چکا تھا کیونکہ سب سے اہم معاملہ اس وقت فلذہ اور منظور حسین کی بے گناہی ثابت کرنا تھا اور سادان بنا اپنی جان کی پرواہ کیے آج اس ونی جیسے ظلم پر اپنی دلی بھڑاس نکالنے والا تھا۔

ہلکا آسمانی کلف لگا سوٹ پہنے ہاتھ میں ایک دستاویزی فائل لیے وہ اب اٹھ کر تمام بیٹھے افراد کے روبرو آ کر تن چکا تھا۔

گاوں کے تقریبا تمام مرد خضرات جمع تھے اور ڈاکٹر کبیر کو بھی سادان نے خصوصی طور پر بلوایا تھا تاکہ وہ ان رپورٹس کے سچے ہونے کی گواہی دے سکیں۔

چونکہ آج قبر کی کھدائی والا معاملہ بھی سامنے آنے والا تھا لہذا سادان کو اس انکشاف کے بعد ہونے والے تماشے کا بخوبی علم تھا لہذا وہ خود کو ذہنی طور پر ہر قسم کے دنگے فساد کو سہنے کے لیے تیار کر چکا تھا۔

جرگے کے پورے مجمعے میں سادان کے اٹھنے پر کئی طرح کی چہ مگویاں ہوئیں اور کچھ اونچے شملے سجا کر بیٹھے کھوکھلے انصاف کے علمبردار اب سادان کو عتاب کا نشانہ بنائے کاٹ کھانے کو گھور رہے تھے اور یہی حال درمان کا تھا جسے کئی خدشوں نے جکڑ رکھا تھا۔

"کیوں برخوردار، اپنی طرح ہمیں بھی ویلا نکما سمجھ رکھا ہے جو یہ بے وقت پنچائیت بلا کر اب منہ میں چنے ڈال لیے ہیں۔ مدعا بیان کرو کہ کیا ماجرا ہے" یہ تنفر زدہ ساوڈیرا لگتا تھا زیادہ جلدی میں ہے، دبنگ ناپسندیدہ انداز سادان نے محسوس کیا اور اک دل جلی مسکان سے اس سامنے والے کو خوب اچھا جواب دیا۔

"مدعا بھی بیان ہو جائے گا جناب، آپکے تو ماتھے پر ابھی سے پسینہ اور لہجے میں ابھی سے ڈر دیکھائی دے رہا ہے" سادان کا کرارہ جواب اس کو خاصا بدمزہ کر گیا جس پر خاص لطف عاقل محسوس کرتا دیکھائی دیا اور آج تو اس شیر جوان نے گن کندھے پر ہی ڈال رکھی تھی۔

ادھر کوئی سادان کو کچھ کہے اور ادھر عاقل اسکا سینہ چھلنی کر دے۔

وہ آدمی زلیل ہو کر اب حقارت سے نظریں چرا گیا جس پر سادان نے بھی ان پانچ چھ پنچائتی لوگوں کو ایک سی خون آشام نگاہ سے گھورا۔

جو کہنا ہے صاف صاف کہہ سادان، کیا تماشا لگا رکھا ہے تُو نے "اب کی بار درمان نے لہجے میں درشتی ملا کر استفسار کیا مگر سادان بنا ان استفہامیہ نگاہوں سے دبے اب وہ فائل سب کے سامنے لہرا رہا تھا کیونکہ یہ فائل ہی ان سب کے گلے کا طوق تھا۔

"یہ رہا وہ ثبوت جس کی رو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چوہدری یاور کی موت ڈنڈے سے نہیں بلکہ زہر سے ہوئی ہے، اور ٹھیک وہی زہر اس کے دو دوستوں خذیفہ اور شان کو دیا گیا ہے۔ یاور کی قبر کچھ روز پہلے پورے فتوی کے ساتھ میں نے کھدوائی تھی، اور چونکہ اس قتل کی سچائی اور آپ سب کے جھوٹے فیصلے کا پول کھولنا بہت اہم تھا لہذا مجھے یہ ہر صورت کرنا پڑا۔۔۔ آپ سب کے کیے انصاف کو اکیس توپوں کی سلامی کے ساتھ جیل کی ہوا تو ملنی ہی چاہیے "ہر کوئی جیسے سفید پڑھ گیا، سادان نے جتا جتا کر یہ حقیقت کے تماچے ان سب فرعونوں کے منہ پر دے مارے اور یکے بعد دیگرے گاوں کے لوگ منہ پر ہاتھ رکھے افسوس اور حیرت میں سرگوشیاں

کرنے لگے مگر ان پانچ معززین کو تو گویا پتنگے لگ چکے تھے اور پھر وہی ہوا جسکا ڈر تھا۔

اگلے ہی لمحے درمان چوہدری غضبناک ہو کر سادان پر چڑھ دوڑا اور اسے گریبان سے پکڑ کر اتنا ہولناک دھاڑا کہ ایک لمحے کو کانوں کے پردے سن ہو گئے۔

ہر کوئی اپنی جگہ پتھرا گیا اور وہ باقی چار بھی اب اپنے پاوں کی مٹی چھوڑے اٹھ کر زخمی شیروں کی ترجمانی کر رہے تھے۔

"تیری یہ جرت کہ تُو نے مجھ سے پوچھے بنا یاور کی قبر کھدوائی، آج تیری موت میرے ہاتھوں ہو گی۔ اپنے باپ کی عزت سر بازار نیلام کرتے تجھے زرا غیرت نہ آئی" آپے سے باہر آتا درمان آج سادان کو تماچہ مار ہی دیتا اگر بروقت منظور حسین بیچ میں نہ آتا اور آج تو اس بظاہر مریل سے بڈھے کی یہ جرت دیکھ کر ہر سمت سکتہ پھیل گیا مگر اگلے ہی لمحے درمان نے پھنکارتے ہوئے منظور کو دھکا دیا جس سے وہ زمین پر جا گرا اور بد قسمتی سے

زمین پر پڑی اینٹ منظور کے سر پر جا لگی۔ عاقل اور ڈاکٹر کبیر فوری طور پر زمین پر گر کر فوری بے سدھ ہوتے منظور کی سمت گھبرا کر لپکے اور سادان کا گریبان پھر سے درمان کے ہاتھوں مئں تھا۔

بس بابا سائیں بہت ہو گیا، آپ کا اور آپکے ان بے ضمیر انصاف پرست " ساتھوں کے عیش کا وقت ختم۔ اب اس گاوں میں یہ ونی جیسی بدبخت روایت میں جڑ سے اکھاڑ کر رہوں گا۔ چھوڑیں مجھے " سادان نے آج اس شخص کی کوئی پرواہ نہ کی کیونکہ وہ اب اپنی کسی ہار پر راضی نہ تھا۔

منظور حسین کی حالت دیکھ کر لگ رہا تھا وہ بہت بری طرح گرا ہے جس پر سادان نے عاقل اور باقیوں کو اشارہ کیا اور وہ بھری پنچائیت میں منظور حسین کو وہاں سے لے کر روانہ ہو گئے۔ سادان کو ان سب کے بیچ اکیلا چھوڑنا بھی محفوظ نہ تھا لہذا درمان وہیں رکے تھے۔

تُو بہت بڑی غلطی کر رہا سادان، گاوں والوں کو اپنے ان جھوٹے کاغذات " سے بیوقوف بنانا بند کر۔ یہ نہ ہو ہمیں تیری ہی موت کا فتوی جاری کرنا

پڑے "ایک اور وڈیرا جس میں اب برداشت کی ہمت نہ تھی، تڑختے ہوئے انداز سے سادان کی غصے سے سرخ ہوتی آنکھوں میں دیکھ کر دھاڑا مگر آج سادان کا دل چاہا ان سب کو عبرتناک سزا دے ڈالے۔

درمان تو لگتا تھا صدمے میں غرق ہو گیا ہے۔

جھوٹ کون بول رہا ہے یہ اب پورا گاوں جان چکا ہے، آپ سب کا کھیل" ختم ہوا چاہتا ہے۔ کون ہیں آپ کسی کی زندگی کا فیصلہ کرنے والے؟ بولیں ۔کوئی مرتا ہے یا کوئی جیتا ہے، کم از کم انصاف آپ جیسے بے ضمیروں کے ہاتھ میں نہیں ہو گا اب۔اب اس گاوں میں وہی ہو گا جو حق بجانب ہے، سن لو سب گاوں والے۔۔۔آج کے بعد کوئی پنچائیت نہیں ہو گی۔کوئی جرگہ نہیں ہو گا، اور اگر میرے علم میں ایسا سب آیا تو سب کا دردناک احتساب ہو گا" سادان کے اندر لگتا تھا آج کسی خونخوار بادشاہ کی روح گھس آئی ہے اور وہ سارے مجسمے بنے ہوئے سادان کا یہ حاکمانہ روپ دیکھ رہے تھے۔

یہ بات کہنے کی دیر تھی کہ ہر طرف شور مچ گیا۔

چوہدری سادان حق، زندہ آباد"

چھوٹے شہزادے چوہدری۔۔۔۔پائندہ آباد۔۔۔۔۔ونی رسم، مردہ آباد"

گاوں کے لوگوں کا یہ جوش ہی ان کھوکھلے وڈیروں کی موت تھی، وہ سب یوں تھے جیسے اب انھیں سانپ سونگھ گیا تھا۔

یہ سب سادان نے کر تو دیا تھا مگر اس چکر میں اس نے اپنے کئی دشمن بنا لیے تھے، بس اب اللہ شہزادے کی حفاظت کرے۔

دیکھ لوں گا تجھے، ایسا تو میرے جیتے جی نہیں ہو گا" ایک اور جل بھن کر" کہتا وڈیرا تلملاتے ہوئے اپنی انگشت شہادت سے سادان کو دھمکی دیتا ہوا پیر پٹخ کر پنچائیت چھوڑ گیا جسکے پیچھے دو نے ویسی ہی حقارت دیکھا کر پیروی کی۔

درمان تو لگتا تھا زمین میں ہی گڑھ گیا ہے، اب طفیل بھٹی نامی نفرت سے بھرا وڈیرا سادان کی آنکھوں میں طیش سے گھور رہا تھا اور سادان کو ابھی بھی منظور حسین کی فکر تھی۔

"بہت برا کیا تو نے بچے، بہت برا۔ اوئے درمان، اب تجھے اسے مارنے کی زخمت نہیں دوں گا۔ اسکی یہ اکڑ بھا گئی ہے، چل دیکھتا ہوں میں بھی کہ تُو کس طرح ہمارے اصولوں کے بیچ آتا ہے۔ یہاں ہماری حکومت تھی، ہے اور رہے گی۔ ہم کسی اناڑی اور بیوقوف کی وجہ سے اپنی برسوں کی بنائی عزت، شان اور ساکھ پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔ تجھے جو حفاظت کا جنون ہے، اب زرا اپنی خیر منا" وہ طفیل اب صاف صاف سادان کو دھمکی دے رہا تھا جس پر اب کرمان بھی سخت پریشان تھے اور درمان بھی اس بات پر ہونق زدہ تھا مگر سادان کے چہرے پر نہ کوئی خوف تھا نہ ڈر۔

"جب تک میری آخری سانس ہے میں اب اپنے اس مقصد سے نہیں ہٹوں گا، اور اس جنگ کے بیچ آپ سب سادان چوہدری کا بھیانک روپ

دیکھیں گے۔ میں بھی دیکھتا ہوں کہ اب یہاں آپ سکی حکومت کیسے چلتی ہے" سادان نے اچٹتی نگاہیں اس طفیل نامی جلال سے آٹے شخص پر ڈالی جس پر وہ بلبلا کر ایک حقارت آمیز نظر سادان اور دوسری درمان پر ڈالتا ہوا وہاں سے فرار ہوا اور اب سادان کی نظریں پتھر کی طرح درمان پر تھیں جو اسے چیڑ پھاڑ کر رکھ دینا چاہتا تھا۔

اب یہ تیرے ساتھ جو بھی کریں مجھے منظور ہے، تجھے میں اپنی ذلت " نہیں کرنے دوں گا سادان۔ اب دیکھنا تُو کیسے اس دو ٹکے کی لڑکی کو تیرے سامنے، ہاں تیرے سامنے ماروں گا اور میں چوہدری درمان حق آج قسم کھاتا ہوں کہ اب تجھے کوئی رعایت نہیں دوں گا" سادان کی اس وقت بڑی کمزوری فلذہ تھی اور اب وہ واقعی اس دھمکی پر دل سے ہل گیا تھا۔

بھائی خدا کے لیے بس کر دیں" کرمان کا اپنا صبر کا پیمانہ لبریز ہوا مگر درمان " ہنوز وحشت ناک ہو کر دونوں کو دھکا دیتا مڑا اور مالو نے فوری اس خونخوار بلا کی پیروی کو قدم بڑھائے۔

ان کے جاتے ہی ایک بار پھر پورے گاوں کے لوگ سادان کے لیے نعرے بلند کرنے لگے، سب کی آنکھوں میں آج سادان کے لیے تشکر اور دعا تھی مگر سادان اب حقیقی پریشان تھا۔

سادان یہ کر دیا ہے بچے، ان خوفناک بھیانک بلاوں کو تم نے اپنے پیچھے لگا لیا۔ یااللہ اب کیا ہو گا" نعروں کے بیچ ہی کرمان نے اپنے کانپتے دل کو سہلاتے ہوئے دکھ سے کہا مگر سادان اس وقت کچھ سوچنے کی کنڈیشن میں نہ تھا۔ وہاں سے وہ لوگ سیدھا کبیر کے کلینک گئے اور اگلا دھچکا وہاں جا کر لگا۔

اینٹ سر میں اس قدر زور سے لگی تھی کہ بمشکل منظور حسین کی جان بچائی جا سکی مگر وہ بد قسمتی سے کومہ میں چلے گئے جو شہزادے کو مزید پھر سے تکلیف میں دھکیل گیا۔

بادشاہت کا آغاز ہو چکا تھا اور یہ مشکلات ہی سادان کو کندن بنانے کو تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پوری حویلی میں گویا خوفناک دھاڑ نے فلک بوس کی دیواریں لرزا دی تھیں۔ حویلی کے تمام مکین آج اس خونخوار بلا بنے درمان چوہدری کا یہ روپ دیکھ کر اپنی روحیں فنا کیے ہوئے تھے۔

انجیل بیگم الگ منہ پر وحشت اور خباثت لیے اپنی لاٹھی تھامے کسی غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔

سادان اپنی موت کو خود آواز لگا رہا ہے، آج اس نے مجھے پورے گاؤں" کے سامنے نیچا دیکھایا ہے۔ میں اسے اس گستاخی کے لیے اب عبرتناک سزا دوں گا۔ اس حویلی میں میری مرضی کے بنا پتا بھی ہل نہیں سکتا اور وہ کل کا چھورا میری بادشاہت کے بیچ آئے گا" درمان کے مزاج کا حقارت آمیز

رنگ از سر نو جاگ چکا تھا اور سلطانہ اور عالیہ تو سمجھ نہ پائیں کہ آخر ہوا کیا ہے۔

"یہ سب اس منحوس عورت کی تربیت کا اثر ہے، اسی نے اسکو ہمارا دشمن بنایا ہے" انجیل بیگم نے اپنی نفرت کے تیر کا رخ سلطانہ کی طرف کیا اور اسی لمحے سادان اور کرمان تنے کھچے چہروں کے ساتھ حویلی میں داخل ہوئے مگر سادان کے اندر آنے سے پہلے ہی درمان کسی زخمی شیر کی طرح سادان کی سمت لپکا اور ایک بار پھر اسکا گریبان باباسائیں کے ہاتھ میں تھا۔

جہاں سلطانہ، کومل، عالیہ، تیمور اور کرمان خوفزدہ سے ہوئے وہیں انجیل بیگم اب سادان کا خون پی جانے والی دیکھائی دے رہی تھی۔

"ابھی بھی کہہ رہا ہوں اس سب سے پیچھے ہٹ جا سادان، مجھ سے بچ بھی گیا تو باقی پنچائیت والوں کے ہاتھوں تیری موت یقینی ہے۔اس فلذہ نامی بدذات کو چھوڑ دے اور خوامخواہ سب کو اپنا دشمن مت بنا" کہیں اندر سے

درمان کو یہ خدشہ بھی تھا کہ اب وہ لوگ سادان پر کوئی وار لازمی کریں گے مگر سادان کے لیے اب بات فلزہ کی نہیں بلکے گاوں کی اُن درندہ روایت کے خاتمے کی تھی اور اب وہ کسی قیمت پر پیچھے نہیں ہٹ سکتا تھا۔

سادان نے جبڑے بھینچ کر شکن آلود پیشانی اور دل پر آرے کی مانند درد اتارتی نظر اس سفاک باپ پر ڈالی اور اپنے گریبان سے ایک بار پھر درمان کے ہاتھ ہٹائے۔

آج سے میرے سب سے بڑے دشمن تو آپ اور دادی ہیں، بہت "
کوشش کی کہ اپنی تربیت پر آنچ نہ آنے دوں مگر آج مجھے بہت تکلیف ہے، باپ تو بیٹوں کا فخر ہوتے ہیں پر میرے لیے ایسا کوئی سکھ نہیں۔ میں مر بھی جاوں تب بھی آپکو اور دادی کو معاف نہیں کروں گا۔ دوسری بات، اب میرا فیصلہ اٹل ہے۔ میں آپکے سامنے آپکی بادشاہت ریزہ ریزہ کردوں گا، فلزہ کو اپنی زندگی میں وہ مقام دوں گا جسکی وہ مستحق ہے۔ جو اکھاڑنا ہے اکھاڑ لیں، ماردیں سادان حق کو پر یہ یاد رکھیے گا کہ سادان ایک وجود نہیں،

ایک دیو ہیکل سایہ ہے جو اس گاوں کی سیاہی پر آپ سکی سوچ سے زیادہ حاوی ہے" سادان انکے اس غضب اور دھمکی کو چنداں اہمیت نہ دیتے ہوئے ایک ایک لفظ درد میں جا گزیں ہوئے کہتا گیا اور جہاں سادان کا دل غم سے پھٹ رہا تھا وہیں آج پہلی بار اس پتھر دل باپ نے دل پر درد محسوس کیا۔

جیسے ہی انجیل بیگم کو معاملہ دبتا دیکھائی دیا ویسے ہی وہ فوری لہرا کر سادان کے روبرو ہوئیں اور سادان نے اس عورت پر آج تو اکتا کر نظر ڈالی جس پر اسے سب سے زیادہ غصہ تھا۔

تجھے نہیں ماریں گے، پر تیرے سوا سب پل پل مریں گے۔اب دیکھتا جا" تیری یہ اکڑ کیسے توڑتی ہوں، قسم کھاتی ہوں تجھے چین نہیں آنے دوں گی" یہ ایک دادی تو نہیں ہو سکتی، جسکے الفاظ زہر کی طرح سادان کو اندر سے مار گئے مگر اب اسے ان دو وجودوں سے اپنے آپ کو بے نیاز کرنا تھا کہ وہ اپنے مقصد میں ناکام نہ ہو سکے۔

میں بھی قسم کھاتا ہوں، مر تو سکتا ہوں پر اب پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ آج آپکو " دادی سائیں کہنا تو دور سوچ کر ہی میرا دل جل کر خاک ہو رہا ہے۔ نہیں بچیں گی آپ، آپکا حساب میں خود لوں گا۔ دیکھتی جائیں آپ کیسے آپکے سامنے آپکو ہار سے روشناس کرواوں گا۔ کیونکہ میرے ساتھ میرا اللہ ہے اور جب تک وہ نہ چاہے کسی کی کوئی چال کامیاب نہ ہو گی۔ الٹی گنتی گننا شروع کر دیں" سادان جو آج اندر سے شدید مسمار تھا پھر بھی ہمت و ضبط جوڑ کر خونخواری سے کہتا ہوا اپنے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا جبکہ کرمان نے اشارے سے عاقل کو سادان کے پیچھے بھیجا اور خود سلطانہ بھابھی، تیمور، عالیہ اور کومل کو لیے ایک خون آشام نگاہ اس ماں بیٹے پر ڈالے اندر بڑھ گئے۔

انجیل بیگم کے جسم میں اس کرارے جواب پر چیونٹیاں لوٹ کھسوٹ کر رہی تھیں مگر اس عورت نے ہارنا نہیں سیکھا تھا۔

ایک نظر دلبرداشتہ ہو کر بال نوچتے درمان کو دیکھ کر اس بڑھی نے اپنے شاطر دماغ کے گھوڑے دوڑا دیے تھے۔ شاید اسکی ایک اور سفاکی منظر عام پر آنے کو تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"بابا سادان ٹھیک نہیں لگ رہے تھے، آپ آج انکے پاس رہیں۔ بے شک وہ خود کو سب کے سامنے ڈٹ کر کھڑا کر چکے ہیں لیکن آپ جانتے ہیں وہ اندر سے کتنے نازک ہیں" سادان کے پاس عاقل تھا مگر دوسرے روم میں کومل، کرمان، عالیہ اور سلطانہ سخت پریشان حال تھے۔ تیمور تو ابھی بھی معاملات میں بس تھوڑی بہت دلچسپی لیتا تھا اور اب وہ جا کر سو چکا تھا۔ کومل خود اس سارے فساد سے سخت متاثر تھی مگر اسے ابھی خبر نہ تھی کہ اسکی ناگن دادی اب اگلا ستم کومل پر ڈھانے والی تھی۔

ہاں جانتا ہوں، وہ ٹھیک نہیں ہے۔ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہی کہ کریں تو کیا کریں۔ ان لوگوں کی درندگی حد تجاوز کر رہی ہے اور اگر اب بھی سادان یہ سٹیپ نہ لیتا تو پھر سے کسی معصوم کو ونی جیسے عذاب کو سہنا پڑتا اور یہ فرسودہ روایات کبھی دم نہ توڑ پاتیں۔ ایک طرف پورا گاؤں سادان کے ساتھ تو ہے مگر وہ چند زہریلے دشمن ان پر بھاری ہیں" کرمان کے لہجے میں کھارا پن تھا اور اضطراب سے وہ اپنا ماتھا سہلا رہے تھے۔

"اللہ میرے بچے کی حفاظت کرے، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ یہ لوگ بہت ظالم ہیں، میرے بچے پر اور کتنے بوجھ ڈلنے باقی ہیں۔ وہ کیا کیا سنبھالے گا، یا اللہ ہماری مدد کریں" سلطانہ کی متوحش حالت سے انکا دل چھوڑ دینا عیاں تھا جنھیں اب عالیہ خود سے لگائے ٹوٹا پھوٹا، حوصلہ دے رہی تھی پر سب کے چہروں پر ایک سی تکلیف درج تھی۔

"بھابھی حوصلہ کریں، ہم سب کو اس وقت سادان کی ہمت بننا ہے۔ اسکا عزم بہت اونچا اور نیت کھری ہے۔ بس آپ سب ایک دوسرے کا خاص

خیال رکھیں، اس حویلی میں اب پل پل درندگی ظہور پذیر ہو گی۔ بھائی اور اماں اس اتنے بڑے جھٹکے پر چپ نہیں بیٹھیں گے، ہم سب مضبوط رہیں گے تو سادان تمام معاملات کو اچھے سے دیکھ سکے گا" کرمان بھی اپنے تمام دکھ بھول کر اس وقت صرف سادان کے لیے فکر مند تھے اور بات ٹھیک بھی تھی۔

سلطانہ نے اپنی زرد آنکھیں رگڑ کر تاسف سے سر ہلایا مگر اس وقت کسی کے دل کو سکون نہ تھا۔

سادان کی تکلیف واقعی بہت تھی جسے عاقل نے بنا سادان کے بتائے ہی اسکی خاموشی سے جان لیا اور چلتا ہوا سادان تک گیا جو بیڈ پر بیٹھا سر گرائے بے بس اور کہیں کہیں شدید شکستہ تھا۔

سائیں آپ فکر مت کریں، اللہ آپکو ناکامی سے ہمکنار نہیں ہونے دے " گا۔ آپ ہمت ہار گئے تو ہم سب تو جیتے جی مر جائیں گے۔ آپ ہماری طاقت ہیں، اور میں اپنی آخری سانس تک آپ پر وار دوں گا۔ سائیں یوں

چپ نہ بیٹھیں، دل ہلکا کر لیں" عاقل بھی آج سادان کی اجڑی حالت پر اپنے آنسو روک نہ پایا جس پر سادان نے بے حد مشکل سے اپنا جھکا سر اٹھا کر اثبات میں ہلایا اور اٹھ کر چلتا ہوا کھڑکی میں جا کھڑا ہوا جہاں رات کی خنکی زدہ ہوا کے آنے کے باوجود وہ اپنا سانس بند ہوتا محسوس کر رہا تھا۔

عاقل، اگر مجھے کچھ ہو گیا تو تم میرا ایک کام لازم کرنا۔ منظور حسین اور" فلذہ کو اس گاؤں سے نکال کر کہیں ایسی جگہ چھوڑ آنا جہاں ان درندوں کا سایہ تک نہ پہنچ سکے۔ میں مرنے سے نہیں ڈرتا عاقل، پر اب فلذہ سے بچھڑنے پر ڈر گیا ہوں" سادان کی اس بات پر عاقل نے بھیگی سے مسکان کے سنگ اپنی آنکھیں رگڑ کر سائیں کو دیکھا جو محبت کے اونچے پیر بنے اور حسین لگ رہے تھے۔

وہ سادان کے فلذہ کے لیے ایسے جذبات سن کر بہت خوش تھا اور پل پل سادان کی جیت کے لیے دعا گو تھا۔

آپ کا یہ ادنی غلام آپکے ہر حکم پر بنا اشارے عمل کرے گا سائیں پر خدا نہ کرے آپکی زندگی کو کچھ ہو، اللہ آپکو میری حیاتی بھی لگا دے سائیں۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو گا، وہ رب اپنے نیک بندوں پر سکت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ بس آپ حوصلہ مت ہاریں" عاقل کی یہ دی تسلی سادان کو اس عذاب جیسی زندگی میں اک ٹھنڈی پھوار سی لگی جس پر سادان نے رخ پھیر کر اپنے اس سچے وفادار کی سمت اپنائیت سے دیکھا اور اسکا چہرہ تھپکایا۔ تم میرے غلام نہیں ہو، بھائی سے بڑھ کر ہو۔ بس میرے لیے دعا کرو" عاقل، ایسے لگتا ہے اندر ٹوٹ پھوٹ ہو رہی ہے جو مجھے مسمار کر دے گی۔ خیر اب تم جاو میں کچھ دیر سونا چاہتا ہوں" سادان کے لہجے میں آج بس تاریکی تھی اور وہ اسے بے حد مان سے خود میں سموئے آج واقعی اسے اپنا بھائی بنا گیا، اسکی گال تھپکائے وہ اب سونا چاہتا تھا اور وہ واقعی اب بھی نہ سوتا تو اسکے دماغ کی کوئی نس لازمی پھٹ جاتی۔

عاقل بھی فوری فرمابرداری سے اس مان اور محبت ملنے پر بے حد رسانیت سے سادان کو آرام کا کہہ کر باہر نکل گیا مگر نیند نے تو شہزادے کی آنکھوں سے گر کر خودکشی کرلی تھی۔وہ بہت پریشان تھا،بلکے بے حال ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

انجیل بیگم کو درمان کے سوگ اور ماتم کناں انداز پر کئی خوف گھیر چکے تھے۔اسے ڈر تھا کہیں درمان جذبات کی لہر میں بہہ کر سادان کے آگے گھٹنے نہ ٹیک دے۔

وہ مسلسل اپنے کمرے میں اپنے سازشی دماغ کو کام پے لگائے کسی نئے منصوبے کی تلاش میں تھی اور اسکی دم چھلی فیضاں بڑی جانچتی نگاہوں سے بی بی سائیں کا یہ بھیانک اضطراب دیکھ کر ویسے ہی آنکھیں اور گردن ہلائے جارہی تھی۔

فیضاں، تجھے یاد ہے زینیہ "انجیل بیگم کے یک دم سوال پر فیضاں ایک لمحے کو گھبرائی مگر پھر خباثت سے منہ پر ہنسی لائے ہاتھ جوڑتی جی حضوری کیے انجیل بیگم کے سامنے آئی۔

اسے کیسے بھول سکتی ہوں بی بی سائیں، کیا مار دی تھی میں نے اس منحوس کو۔ ویسی مار مارنے کی حسرت ہی رہ گئی میری "فیضاں نے للچاتے اور لجائے پن سے اپنی غلیظ حرکت کو فخریہ یاد کرتے آہ بھری جس پر انجیل نے اس فیضاں نامی کچرے کو اکتائے پن سے دیکھا۔

ویسی مار تجھے پڑے گی اگر تو نے میرا اگلا کام اچھے سے نہ کیا "انجیل نجانے اب اس فسادن سے کیا کام کروانے والی تھی مگر فیضاں کا ضرور یہ سن کر خون خشک ہوا۔

زبان سے سوکھے ہونٹ گیلے کرتی، تھوک نگل کر وہ زرا سہم سی گئی تھی۔

حکم کریں بی بی سائیں، آگے کبھی مایوس کیا ہے جواب کروں گی۔ جانتی تو ہیں آپ کے سارے راز کتنے عرصے سے سینے میں رکھتی آئی ہوں "یہ

بات فیضاں نے اپنی دو ٹکے کی اہمیت بتانے کو کہی تھی مگر انجیل بیگم نے اسے ناپسندیدگی سے دیکھا جیسے اسکی یہ بات اسے خاصی ناگوار گزری ہو۔

بس یہ آخری کام، پھر تیرا بھی کام تمام کروں گی گھٹیا عورت۔ میرے "راز کا کہہ کر چھپے الفاظ میں مجھے دھمکی دینے کی کوشش کر رہی ہے، اس سے پہلے کہ تو اپنی غلاظت باہر نکالے تجھے جہنم رسید کر دوں گی" دل میں وہ اس فیضاں نامی خطرے سے بھی اب چھٹکارے کا سوچ رہی تھی اور وہ جو آج تک انجیل بیگم کے ہر غلط کام میں اسکے ساتھ تھی، جلد بے موت ماری جانے والی تھی۔

کومل پر نظر رکھ، پل پل۔ وہ جب سے آئی ہے مجھے مشکوک لگ رہی " ہے۔ وہ کس سے بات کرتی ہے، کیا کرتی ہے سب بتا مجھے "کومل کو لے کر انجیل بیگم شیطانیت کے اعلی درجے پر فائز ہو کر ایک گھٹیا بات سوچ رہی تھی۔ فیضاں تو اتنے آسان کام پر یوں مسکرائی جیسے یہ تو اسکے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔

جی بی بی سائیں جو حکم "فیضاں کے کہنے کی دیر تھی کہ انجیل نے اسے "
کمرے سے باہر جانے کا اشارہ کیا اور خود اپنے فون کی جانب آئی جسے اٹھا کر
اب وہ کوئی نمبر ڈائل کر رہی تھی۔

ملگجی پر سکون سے کمرے کی خاموش فضا میں چنکارتی بیل پر بستر پر موجود وہ
وجود کسمساتے ہوئے لحاف سے اپنا ہاتھ نکالے فون اٹھا کر اس پر انجیل بیگم
کا نام دیکھ کر سائیڈ کا لیمپ جلا چکا تھا۔

طفیل بھٹی، وہی پنچائیت کا دوسرا بڑا اسفاک شخص مگر حیرت کی بات تھی کہ
انجیل اسے کیوں فون کر رہی تھی۔

طفیل نے منہ پر اکتاہت لا کر فون کان سے لگایا جس پر مقابل ناگوار سی
چپ تھی۔

میں انجیل بیگم بات کر رہی ہوں، تمہاری مانگ پر سوچ بچار کر رہی "
ہوں" فون لگتے ہی انجیل کی اس بات پر وہ جو اکتایا ہوا تھا اب حیرت سے
خبیث سی خوشی میں مبتلا ہوا۔

کیا سچ میں، کومل مجھے مل جائے گی" پچھلے کئی ماہ سے وہ شخص اپنے بیٹے کی آ ر میں خود اپنے لیے گاوں کی اس پیاری استانی کو حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس زلیل شخص نے جہاں درمان سے یہ بات اپنے بیٹے کے لیے کی وہیں انجیل کی سفاک اور شیطانی خصلت پر اس سے اپنی سیدھی کھری مانگ رکھی جس پر وہ بڑھی تھوڑی دلبرداشتہ تھی کیونکہ ابھی بھی اس میں تھوڑی انسانیت باقی تھی مگر آج کے اس تماشے کے بعد اب وہ طفیل سے کومل کے بدلے ایک سودا کرنے والی تھی۔

ہاں، اسے تم تک پہنچانا میری ذمہ داری ہے پھر تم جانو اور وہ۔۔۔ لیکن" تمہیں میرے کئی کام کرنے ہیں جن میں پہلا سادان پر نظر رکھنے کا ہے اسے بنا نقصان دیے۔۔۔اس نے اس خرافہ کو جہاں بھی رکھا ہے وہ اس سے ملنے لازمی جائے گا، تم مجھے اسکی ہر نقل و حمل کی اطلاع دو گے اور جب یہ سارا فساد تھم جائے گا تو بدلے میں کومل تمہاری" واہ انجیل بیگم، ڈائن بھی سات گھر چھوڑ کر وار کرتی ہے پر تم جیسی ناگن اور چڑیل نے اپنے ہی

خون کا سودا ایک قبر میں ٹانگیں لٹکائے آدمی سے کر دیا تم تو موت سے بھی بڑی سزا کے لائق ہو۔

سادان کو نقصان نہ دینے والی بات طفیل سے ہضم تو نہ ہوئی مگر بدلے میں کومل جیسی پری ملنا تو اسکی رال ٹپک پڑی تھی اور ابھی سے وہ کمینہ آنکھیں بند کیے یوں لگا جیسے کومل کو محسوس کر رہا ہو۔

بہتر، کام ہو جائے گا۔ پر ایک بار کومل میرے پاس آئی تو اسکا حاکم طفیل" بھٹی ہو گا" نخوت پن سا لہجے میں عود آیا اور انجیل بیگم مطمئین سی ہو کر اور اسے ہاں کہہ کر فون بند کر گئی۔

اللہ نے شہزادے کو سرخرو تو کرنا تھا مگر ابھی اس عورت کا اصلی چہرہ بے نقاب ہونا تھا جس کے لیے ابھی کچھ مشکلات مزید باقی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے تین چار دن ساداں نے تمام حالات اور گاوں میں ہوتی ہر نقل و حمل پر نظر رکھی اور وہ منظور حسین کو خود پر سنلی دیکھ رہا تھا۔ جہاں انجیل بیگم اپنے اپنے مہرے کام پر لگائے مطمئین رہی وہیں درمان چوہدری اک ان کہی آگ میں مبتلا رہا جو شاید اسکے ضمیر کی موت پر اسکے اندر کا ماتم تھا۔

فلزہ سے ساداں نے اسکے باباوالی بات چھپا تو لی مگر یہاں ایک بار پھر شہزادے کی مشکل تب بڑھی جب فلزہ نے گلناز کو کومل سے بات کرتے سنا جب وہ اسکے بابا کے کومہ پر افسوس کر رہی تھیں۔

فلزہ پر تو گویا ایک بار پھر صدمے کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور ذہنی ٹینشن اور رونے کے باعث وہ بیہوش ہو گئی۔

شاویز کا ہی خیال تھا کہ فلزہ کی طبعیت کا ساداں کو نہ بتایا جائے ورنہ وہ سب چھوڑ کر پہنچ جائے گا مگر وہاں وہ بنا کسی کے بتائے بے چین تھا اور پھر دو دن فلزہ کی حالت چھپائی جانے کے بعد اسکی طبعیت اسقدر بگھڑ گئی کہ اسد

صاحب نے خود سادان کو ساری صورتحال سے آگاہ کیا جو شہزادے پر ایک اور ستم بن کر ٹوٹ پڑا۔

اس وقت سادان کئی خطروں اور فساد کی زد میں تھا مگر فلذہ کے لیے وہ یوں دور سے مطمئین نہ ہوا اور اسی رات خفیہ طور سے کچھ گھنٹوں کے لیے فلذہ کو دیکھنے چلا گیا یہ جانے بنا کہ دشمن کی فوج اسکی تاک میں تھی۔

طفیل بھٹی نے پچھلے کئی دن سے اسکے پیچھے اپنے لوگ لگا رکھے تھے اور اب سادان کے یوں خفیہ جانے کے باوجود وہ لوگ اسکے پیچھے تھے۔

شہزادے کا ایک اور امتحان آنے کا تھا خدا خیر کرے۔

کیسئ ہے وہ اب، کیا کہا ڈاکٹر نے "سادان رات بارہ تک پہنچ تو گیا تھا مگر" اسکی کوشش تھی کہ فجر سے پہلے تک وہ واپس روانہ ہو جائے۔ خود اسد صاحب اور گلناز بھی فلذہ کی بگھڑتی طبعیت پر سخت پریشان تھے۔

بس بخار نہیں اتر رہا، ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ شدید ذہنی دباو لے گئی ہے۔ پچھلے" دو دن سے تو زرا بھی بہتری نہیں آئی، شاید بابا کی وجہ سے اور اوپر سے تم

بھی دور تھے" گلناز نے بھی بچپن سے سادان کی سخت بے قرار صورت دیکھ کر کہا تو سادان اک تھکن زدہ سانس خارج کیے بے بس سا لگا۔

حالات ایک بار پھر اسکے ہاتھ سے نکل رہے تھے اور اب فلذہ کی طبعیت نے سادان کو مزید ہلکان کر دیا تھا۔

اسے یہ سب پتا نہیں چلنا چاہیے تھا امی، اب مجھے یہاں کی ٹینشن رہے گی" اور وہاں میرے لیے پہلے ہی میدان جنگ بنا ہے" سادان نے بے قراری اور سخت اضطراب میں ڈوب کر اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرے اپنی الجھن کہی تو گلناز نے پیار سے سادان کا چہرہ تھپکایا۔

میں کب پتا لگنے دیتی، وہ تو اس نے مجھے بات کرتے سن لیا اور تب سے وہ" بس رو رہی ہے، تمہیں اس لیے نہیں بتایا تھا کہ تم پریشان ہو پہلے ہی، مگر آج تو وہ آنکھیں تک نہیں کھول پا رہی تھی۔ ہو سکتا ہے تم سے مل کر بہتر ہو جائے، جاؤ اسکے پاس میں تمہارے لیے کچھ کھانے کو لاتی ہوں" گلناز

نے فکر مندی اور مان کے سنگ ٹوٹے پھوٹے حوصلے کے باوجود سلامت کھڑے سادان کو دیکھا جواب کافی پریشان تھا۔

"کچھ نہیں کھاؤں گا امی، بس اس سے مل لیتا ہوں۔ ویسے بھی فجر سے پہلے مجھے واپس پہنچنا ہے۔ آپ آرام کریں میں دیکھتا ہوں اسے" سادان اپنی گاڑی کی چابی وہیں میز پر رکھے خود گلناز کو کہتا ہوا کمرے کی طرف بڑھا جو بس سراپا انجل بن کر دعا گو ہو چکی تھیں۔

سادان نے آہستگی سے کمرے کا دروازہ کھولا تو فلذہ کو یوں بے جان سا دیکھ کر پہلا ہی تاثر دکھ اور تکلیف کا تھا۔

وہ فلذہ کی تکلیف سے مزید نڈھال تھا، کمرے میں درمیانی روشنی تھی اور وہ بیڈ پر سیدھی لیٹی تھی، سادان بنا آہٹ کیے بیڈ تک گیا اور اسکے ساتھ ہی جا بیٹھا، نظریں بس فلذہ پر تھیں جو ابھی ہوش سے بیگانی تھی۔

سادان نے اسکا سینے پر رکھا ہاتھ اٹھا کر اپنے دونوں ہاتھوں میں جکڑا جو ابھی بھی تپش میں اٹا تھا اور جھک کر فلذہ کی پیشانی پر ہونٹ دھرے جس پر وہ یوں لگا نقاہت اور نیند کے باوجود سادان کا اپنے پاس ہونا جان گئی تھی۔

وہ تو پہلے ہی فلذہ کو لے کر ڈرا ہوا تھا اور اب اسے یوں دیکھ کر مزید خوفزدہ ہو چکا تھا۔

فلذہ، کیا ہو گیا ہے میری جان۔ جب تمہیں ہمت کرنے کی اشد ضرورت" ہے تو تم یوں کمزور پڑھ رہی ہو۔ کاش میں تمہاری ہر تکلیف مٹا سکتا مگر میں کیا کروں ابھی تمہارے سائیں کے ہاتھ میں کوئی بہتری کا سرا نہیں آ رہا" وہ اب اسکے بے جان ہاتھ کو چومتا ہوا شدید تاسف اور دکھ میں تھا جب یوں لگا جیسے فلذہ کے ہاتھ میں جنبش ہوئی ہے۔

سادان جانتا تھا کہ وہ جاگ گئی تو بس روئے گی اور اسکا رونا سادان کی ہمت مزید توڑ دیتا۔

تم حق بجانب ہو، اپنے پیاروں کی تکلیف سہنا مشکل ہے پر میری بھی تو تم ہمت ہو، مجھے کمزور مت کرو کہ میں وقت سے پہلے ہار جاوں" سادان نے اسکی دہکتی پیشانی پر ہاتھ پھیرے دکھ سے کہا اور فلذہ جو سخت بخار میں سلگ رہی تھی، آہستہ آہستہ اس لمس پر اپنی آنکھیں کھول چکی تھی اور ان متورم آنکھوں کے سامنے اسکے سائیں تھے یہ اسے اپنا کوئی خواب ہی لگا۔

کئی آنسو فلذہ کی آنکھوں سے رواں تھے اور وہ اپنا ہاتھ سادان کی سمت بڑھا رہی تھی جسے سادان نے تھام کر اسے بہت نرمی اور آہستگی سے بیٹھا کر اپنے سینے میں قفل کر لیا مگر اس کے باوجود سادان اسکو اور اسکے وجود کو اک تکلیف میں مبتلا محسوس کر سکتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سمجھ نہیں آرہا یہ سب حالات اب کس سمت جائیں گے، حویلی میں ہر" طرف سوگواری ہے مجھے تو شدید خوف آرہا ہے" کھڑکی کے پاس رات کے اس وقت انتہائی وحشت میں ڈوبی حویلی کو دیکھ کر کومل کو ہول اٹھ رہے تھے۔دوسری سمت شاویز بھی ان تمام حالات سے خاصا اپ سیٹ تھا۔

گاوں میں بغاوت شروع ہو چکی تھی اور اسے اس وقت صرف سادان کی فکر تھی جس نے تمام وڈیروں اور پنچائتیوں کو اپنا دشمن بنالیا تھا۔

آپ پریشان مت ہوں، ان شاءاللہ بہتری قریب ہے۔ مگر مجھے یہ سمجھ" نہیں آرہا سادان اتنے خطرناک حالات میں لاہور کیوں گیا ہے۔

خدانخواستہ کوئی اور مشکل کھڑی ہو گئی تو کیا کریں گے "شاویز کا اپنا ٹنشن اور ذہنی دباوسے براحال تھا اور وہ صبح واپس ایک چکر گھر لگا کر صورت حال دیکھنے کا ارادہ کر چکا تھا اور اس بات پر کومل بھی بہت سخت رنجیدہ ہوئی۔

عین اسی وقت کومل کے کمرے کے باہر فیضاں نے اپنے کان لگائے جسے انجیل بیگم نے کومل پر نظر رکھنے کا ٹاسک دے رکھا تھا، دوسری طرف طفیل کے لوگ سادان کا پیچھا کر رہے تھے اور انھیں یہ خبر اب انجیل کو دینی تھی جس نے طفیل سے اس سب کے بدلے کومل دینے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ خبیث شخص اپنے بیٹے کے بجائے اپنے لیے کومل چاہتا تھا اور ایسی دادی کو انسان آگ لگا دے جس نے محض اپنے مطلب کے لیے اس گھٹیا شخص سے گٹھ جوڑ کیا تبھی وہ کومل پر نظر رکھوائے ہوئے تھیں۔

فلذہ کی طبعیت ٹھیک نہیں تھی شاویز، امی بتا رہی تھیں کہ وہ بہت زیادہ" بخار میں ہے۔ جب سے اس نے منظور انکل کا غلطی سے سنا تب سے وہ مسلسل آج تک روئے جا رہی تھی" کومل کی اس بات پر باہر کان لگا کر سنتی فیضاں کی آنکھیں یوں لگا باہر کو گر پڑی ہیں۔ آخر کار فلذہ کا ذکر سننے کی دیر تھی کہ وہ پھر سے کان دروازے سے لگائے مزید جاسوسی کرنے لگ چکی تھی۔

کومل کی روہانسی ہو کر بتائی اس بات پے شاویز نے اضطرابی انداز سے پیشانی مسلی۔

"پھر بھی کومل، مجھے کچھ اچھا فیل نہیں ہو رہا۔ وہ لوگ پل پل سادان کی نگرانی پر ہیں اور اگر غلطی سے کسی کو فلذہ کا علم ہوا تو وہ لوگ اسے مار دیں گے۔ بس آپ دعا کریں کے یہ معاملہ مخفی ہی رہے"

اب تو شاویز کے ساتھ کومل بھی سخت غمناک اور پریشان تھی اور دونوں ہی پل پل سادان کی سلامتی کی دعا مانگ رہے تھے۔

"ایسا مت کہیں شاویز، میرا دل آگے ہی کانپ رہا ہے" کومل کا ڈر اور خوف شاویز نے بھی دل پر بھاری محسوس کیا تو اپنے آپ کو کچھ بہتر کیا۔

"مت ڈریں، میں ہوں آپکے ساتھ۔ بس مجھے بہت ٹنشن ہو رہی ہے اور میں سوچ رہا ہوں صبح فجر کے وقت ہی گھر چلا جاوں ایک دو دن کی لیو پر، ویسے بھی آفندی سر نے مجھے اور سادان کو خاص رعایت دی ہے" شاویز بھی اپنی طرف سے بہترین سوچ رہا تھا اور کومل کا تو دل بھرا ہوا تھا۔

جی ٹھیک ہے، فلذہ کی حفاظت اہم ہے۔اور میں آپکو بہت یاد کر رہی ہوں، بس یہ سب ٹھیک ہو تو میں آپکے پاس آجاوں گی۔ مجھے آپ سے دور نہیں رہنا، بیوی کی جگہ شوہر کے قریب ہوتی ہے" باہر کھڑی فیضاں پر تو لگتا تھا بجلی کا بڑا جھٹکا اترا تھا، وہ یک دم کان ہٹا کر منہ پر ہاتھ رکھے ان دو رازوں کو جان کر اب اس حویلی کی رہی سہی بنیاد لرزانے والی تھی۔

دونوں راز کھلنے کا مطلب تو صرف تباہی تھی، خدا خیر کرے۔ فیضاں نے اپنے قدم انجیل بیگم کے کمرے کی طرف بڑھائے۔

کومل کی خوف ویاس اور شدت سے کہی اس بات پر شاویز نے بھی کومل کی بات پر دل کو ویسا ہی دھڑکتے پایا۔

بلکل، میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ لیکن ابھی ہمیں سادان اور فلذہ کی زندگی کی مشکلات میں کمی کرنی ہے۔ آپ ہمت سے کام لیں اور حویلی کے تمام ملازمین سے بچ کر رہیں، آپکی دادای سائیں سے کچھ بھی امید کی جاسکتی" ھائے اف بہت دیر ہو گئی تھی، اب تو بس قیامت آنے کی دیر تھی۔

کومل بھی اس بات پر زرا محتاط ہوئی مگر اب محتاط ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہئں پڑتا تھا۔ وہ فیضاں نامی ڈائن اپنا کام سر انجام دینے انجیل بیگم کے کمرے پر دستک دے چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

" ارے واہ واہ، یہ خبر سنا کر تو تم نے میرا دل لوٹ لیا ہے بچے، بہت شکریہ۔ ایک اور درخواست تھی تم سے" فیضاں نے مودب ہو کر اندر آنے کی اجازت چاہی تو انجیل بیگم پھنکار زدہ اشارہ کیے فیضاں کو اشارے سے اندر بلائے خود فون پر طفیل بھٹی رات کے اس وقت اپنے کمرے میں شب خوابی کا لباس زیب تن کیے درخواست پر اب زرا اٹھٹک چکا تھا۔

جی کہیے انجیل خالا، کیا حکم ہے "یہ طفیل بھٹی ایک نمبر کا اوباش اور بد بخت تھا جس نے آخر کار سادان کا پیچھا کروا کر انجیل کو اطلاع پہنچادی تھی مگر انجیل کسی خدشے کے پیش نظر کچھ اور بھی کہنا چاہتی تھی۔

درمان کو تو خبر ہی نہ تھی کہ اسکی ماں اسی کے دشمن سے مل کر گٹھ جوڑ میں لگی ہے۔ فیضاں کے پیٹ میں ان دورازوں سے درد اور مڑور اٹھ رہے تھے۔

سادان کو غلطی سے بھی مارنے کی کوشش نہیں کرنی نہ ایسا تم نے ہونے دینا ہے۔ میں یہ معاملہ خود دیکھوں گی اور تم سب کی گاوں پر موجود حکومت کو آنچ نہیں آئے گی۔ سادان جیسا بھی ہے اس حویلی کا وارث ہے تو مجھے اسکی زندگی اپنی نسل بڑھانے کو درکار ہے۔ امید ہے تم سمجھ گئے ہو" واہ انجیل بیگم اگر تو مر جائے تو سب ہی ٹھیک ہو جائے مگر یہ ایسے لوگ دنیا میں عبرتناک انجام سہہ کر ہی مرتے ہیں۔

دوسری سمت تو گویا ہلکے سے پتنگے لگے تھے اور وہ لوگ تو سادان کی جان کے پیچھے پڑھے تھے مگر اب سوال طفیل کی عیاشی پر پانی پھرنے کا تھا تو اس بڈھی کی بات فی الحال ماننے کے سوا اسکے پاس بھی کوئی چانس نہ تھا۔

ویسے معاف کیجئے گا خالہ، ایسا وارث تو وبال جان ہی ہے۔ سادان نے ہم سب کو بہت زلیل کیا ہے مگر چلیں آپ اس قدر پیار سے درخواست کر رہی ہیں تو میں سب کو سنبھال لوں گا پر آپ اپنا وعدہ مت بھولیے گا۔ کومل میری ہے، بس آپ بھی میرا خیال رکھیں تو نا امید نہیں ہوں گی" قبر میں ٹانگیں لٹکا کر بیٹھا یہ منحوس کومل کے خواب دیکھ رہا تھا، بچارا بے موت مرنے کی جستجو میں تھا اور ابھی جب فیضاں ناگن زہر اگلے گی پھر انجیل کو اصل مرچ لگے گی۔

ہاں ہاں تم بے فکر رہو، اسکا بھی جلد بندوبست کرتی ہوں۔ ٹھیک ہے" رکھتی ہوں اب" انجیل بیگم نے اپنی سفاکی اور درندگی کا افسانہ منقطع کیا اور اب انکی نظر ہانپ کر کچھ بمشکل پیٹ میں جذب کر کے کھڑی منحوس ماری

فیضاں کی سمت تھی جواب خباثت سے کھسیانی ہنسی ہنستی انجیل بیگم کے قدموں میں آکر بیٹھ گئی تھی۔

کیا دانت دیکھا رہی ہے، کچھ پتا چلا یا بس روٹیاں توڑنی آتی ہیں تجھے """

انجیل کا برہمی سے اٹا ہتک آمیز رویہ اس بے شرم کو ہضم تھا اور اب وہ انجیل کو سخت مشکوک لگ رہی تھی۔

ایسی خبریں لائی ہوں کہ آپ مجھے شاباش دیں گی، دو ایسے راز جو آپکو ہلا دیں گے " وہ بھدی شکل والی فیضاں منہ کھولے رازداری سے بولی جس پر انجیل کا تجسس بڑھا۔

پھوٹ پھر " انجیل سخت اکتائی ہوئی بولی مگر فیضاں کو بے عزتی بہت راس تھی تبھی اپنے اندر کا گند انڈیلنے کو تیار ہوئی۔

اس پنچ فلذہ کا پتا چل گیا ہے، وہ سادان سائیں کے دوست نہیں ہیں " شاویز، انکے گھر ہے۔۔۔۔ یہی نہیں کومل بی بی اور شاویز کا نکاح ہو چکا

ہے چھپ چھپتے" فیضاں کے منہ سے یہ سننے کی دیر تھی کہ انجیل بیگم اس قدموں میں بیٹھی فیضاں کو لاٹ مارے اٹھ کر غرائی۔

چہرے پر جسم کا سارا فون سمٹ آیا، اور وہ جو شاباش لینے آئی تھی ٹانگ کھا کر بہت سکون پا گئی۔

انجیل بیگم کے تو رنگ ڈھنگ دیکھنے والے تھے، ایک خبر تو اچھی تھی پر یہ نکاح والی نے اسکو دہکا دیا تھا۔

زیر لب جتنی گالیاں اس وہشی درندہ صفت کو آتی تھیں وہ سب نکال کر وہ شاویز اور اسکے ماں باپ کو بہت غلیظ انداز سے القابات دے رہی تھی کہ خود فیضاں کان کو ہاتھ لگائے کانپ اٹھی۔

سادان تُو واقعی موت کے لائق ہے، ہم سے کھیل کر ہمیں نیچا دیکھائے گا۔ ھاھاھا بچے بچے، ابھی تُو انجیل بیگم کو جانتا ہی کب ہے۔ واہ واہ، کیا سچویشن ہے۔ اب آئے گا اصل مزہ، کومل اور شاویز کا یہ دو ٹکے کا نکاح کل میری وہاں آمد سے خود ہی ٹوٹ جائے" انجیل بیگم نے یک لخت

ساری حقارت جذب کی اور چہرے پر شیطانیت لائے قہقہہ لگانے لگی جس پر فیضاں کو اس بڈھی کی عقل منہدم لگی۔

"بی بی سائیں اب آپ کیا کریں گی" فیضاں جو لات کھانے کے باوجود اٹھ کر ہاتھ باندھے ڈرتے ڈرتے منمنائی لگتا ہے اب مکا کھانے والی تھی مگر اس کے برعکس انجیل کے چہرے پر بلا کا سکون اُمڈ چکا تھا۔

"کل ہوگا مہا تماشا، یہاں اس شاویز اور اسکے اماں آبا کو انکی دو ٹکے کی اوقات یاد دلاوں گی اور وہیں اس بدذات کو گھسیٹ کر حویلی لاوں گی۔

ایک تیر سے دو شکار، چل شاباش لینی تھی ناں تو نے۔۔۔۔۔لے" اور پھر انجیل بیگم کے چہرے پر سفاکی اُمڈی اور فیضاں کی گردن اب انجیل کے ہاتھ میں تھی۔

"مجھے اب تیری ضرورت نہیں فیضاں، بہت وفاداری کر دی تُو نے اب زرا جہنم کی فضا سے لطف لے" وہ جو انجیل بیگم کے ساتھ اسکے گناہوں میں

شریک سفر تھی آج انجیل بیگم نے اسکا خاتمہ سوچ رکھا تھا کیونکہ انجیل بیگم اب اپنا اصل روپ دیکھانے والی تھی۔

وہ تڑپتی رہی، پر انجیل بیگم کو اس کے سسکنے اور سانس کی عدم دستیابی سے بنا پانی کی مچھلی کی طرح پھڑکنے کے باوجود ترس نہ آیا اور پھر فیضاں کا جسم حرکت کرنا بند ہوا اور انجیل نے اسے ایک ہی جھٹکے سے زمین پر پٹخا اور اپنے دروازے کے باہر کھڑے دو آدمیوں کو اندر بلایا۔

اسے نہر میں پھینک آو، کسی کو خبر نہ ہو اسکی موت کی۔ لاش کے ساتھ " چار پانچ اینٹیں باندھ دینا تاکہ وہیں گل سڑ جائے۔ اٹھاو اس گند کو" فیضاں نے جتنے ظلم کیے تھے یہ اسکے لیے اسکی سزا کم تھی مگر آخر کار وہ اپنے عبرتناک انجام کو پہنچ گئی تھی۔

وہ دو آدمی سبک روی کے سنگ اس منٹوں میں لاش بنتی فیضاں کو اٹھا کر کمرے سے باہر نکلے اور اسے بوری میں اچھے سے بند کرنے کے بعد خفیہ

پچھلے دروازے سے اسے گاوں کی بڑی نہر میں بوری کے ساتھ سات آٹھ اینٹیں باندھ کر پھینک آئے۔

انجیل بیگم فرعونیت سے لبریز اپنے چند آخری ظلم کرنے کے لیے پر تول چکی تھی اور اب اس عورت کے لیے کوئی سگا نہ تھا، اب اسے اگر کسی چیز کی فکر تھی تو وہ اسکی بادشاہت تھی۔

ظالم کے ظلم بڑھتے جا رہے تھے مگر گناہوں کا گڑھا بھی پر ہوتا جا رہا تھا، قہر برپا ہونے کو تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"آپ کہاں تھے، میں نے کتنا بلایا آپکو۔ میرے بابا کیسے ہیں، کس نے کیا انکے ساتھ یہ" وہ جو لہجے میں کھارے پانی سا ذائقہ لیے سادان کے سینے میں جکڑی ہوئی تھی اب روبرو ہوئے سادان کی تھکی آنکھوں میں جھانکے

سوال کر رہی تھی اور وہ اسکا چہرہ دونوں ہاتھوں میں بھرے کسی بچے کی طرح اسے سمیٹنے کی کوشش میں تھا مگر وہ بس روتی ہوئی سادان کو مزید دکھی کر رہی تھی۔

" بس روئی ناں تم تو اچھا نہیں ہو گا۔ آگے کم طبعیت خراب ہے، اتنا روتے نہیں ہیں۔ کسی نے کچھ نہیں کہا وہ بس حادثہ تھا فلذہ۔ اب تمہارے بابا بہتر ہیں مگر سر پر چوٹ کے باعث کچھ دن بیہوشی میں رہیں گے۔ کیوں مجھے تکلیف دے رہی ہو، خود کو سنبھالو" سادان کا یہ بتانا تو فلذہ کو اور تکلیف دے گیا اور وہ اب رو کر کانپتی ہوئی پھر سے سادان کے سینے سے لگ گئی تھی جو اس حالت میں فلذہ کو چھوڑنے پر بالکل رضامند نہ تھا مگر کیا کرتا کہ ابھی بہت مجبوری تھی۔

" آپ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، ایسا لگتا ہے کچھ بہت برا ہونے والا ہے۔ مجھے چھوڑ کے مت جائیں" وہ سادان کو پوری شدت سے جکڑ کر شدید تکلیف میں روئی سی بولی جس پر سادان نے اسے زبردستی خود سے الگ کر

کے سامنے کیا اور سخت خفا ہو کر اب اسکے چہرے کا سمندر اپنے ہاتھوں سے صاف کیا اور سنجیدہ ہوا۔ وہ بھی سادان کو پریشان کر کے شرمندہ تھی پر کیا کرتی کہ یہ سب اسکے بس میں نہیں تھا۔

فلذہ کیوں روتی ہو تم اتنا، تم یہ بھی تو دیکھو کہ میں کس قدر کرب میں" ہوں۔ مجھ پر بھروسہ رکھو سب ٹھیک ہو گا، لیکن مشکلات آئیں گی ان سے یوں ڈرنا نہیں ہے۔ ابھی بھی تمہاری طبعیت کا سن کر مجھ سے رہا نہیں گیا حالانکہ میرا یہاں آنا اس وقت میرے اور تمہارے لیے سنگین خطرہ ہے۔ مجھے سمجھو پلیز ورنہ میں بھی ہمت ہار جاوں گا" سادان بھی اب کی بار شدید دکھ سے اسے اپنی پوزیشن کلیئر کر رہا تھا جس پر فلذہ نے ہتھیلی کی پشت سے اپنے چہرے کے تمام آنسو ہٹا کر سادان کو دیکھا جو واقعی تکلیف کی اونچی سرحد پر فائز تھا۔

فلذہ نے اپنا ہاتھ سادان کے چہرے پر رکھا تو سادان نے چاہت اور محبت سے اسکے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھے فلذہ کو دیکھا جو اب رو نہیں رہی تھی مگر

تکلیف اور نقاہت کے باعث اسکا ملائم سانولا پر کشش روپ دکھ اور شدید تپش میں دبا ہوا دیکھائی دیا۔ بخار کے باعث آنکھوں پر سوز اور گلابی پن بیٹھ چکا تھا۔ سادان کا بس چلتا تو فلذہ کی آنکھوں سے سارے آنسو چرا لیتا، اسے صرف ہنسنے اور مسکرانے کا پابند کر دیتا۔ وہ تپش جو فلذہ کو جھلسا رہی تھی، یوں لگا سادان کو بھی اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے۔

مجھے کوئی نہ رونے والا انجکشن لگا دیں پھر، کیا کروں مجھ سے یہ آنسو نہیں" روکے جاتے۔ مجھے آپ اپنے پاس چاہیں سائیں، مجھے آپ سے دور نہیں رہنا" حالات نے فلذہ کو پھر سے خوفزدہ کر دیا تھا، پہلی بات گویا فلذہ نے بھرائی سی معصوم آواز میں کہی مگر سادان اس پر تکلیف زائل کیے اس مس روتو پر نثار ہوا جو واقعی رونے کو روکنے پر قدرت نہیں رکھتی تھی۔ وہ سادان کی طرح اتنی سمجھدار اور میچور نہیں تھی کہ ضبط اور ہمت سے کام لیتی، اسکا نازک دل فوری نڈھال ہو جاتا تھا۔

یہ جنگ اسی لیے لڑ رہا ہوں کے تمہیں اپنے پاس، اپنے قریب رکھ سکوں۔ دیکھو فلذہ مجھے سمجھو پلیز، میرا ساتھ دو میں تھک چکا ہوں۔ تم مجھے بہت پیاری ہو، اللہ نے تمہیں میرے لیے بنایا ہے۔ میرا آئندہ کا سکھ تم سے جڑا ہے۔ تم نے اپنے سائیں کے پاس ہی تو آنا ہے لیکن مجھے یہ سب معاملات بہتر کرنے دو۔ تمہارے بابا کو میں خود دیکھ رہا ہوں، انکا علاج میں خود کر رہا ہوں اور سر کی چوٹ ایسی ہی نازک ہوتی ہے۔ حوصلہ پیدا کرو، میں کچھ ٹائم تم سے دور رہنے پر مجبور ہوں مگر یہ سب حالات سدھر جائیں تو اپنے پاس سے کبھی اوجھل نہیں ہونے دوں گا۔ بس اب دوبارہ مجھے تمہارے آنسو نہیں دیکھنے" سادان ہر بار اسے حوصلہ دیتا تھا اور وہ پگلی ہر بار ضبط ہار جاتی تھی، سادان کے آجانے سے ہی فلذہ کے اندر یوں لگا ڈوبتی زندگی بحال ہو گئی ہے۔

ایک ایک لفظ نے یوں لگا فلذہ کا ہر دکھ، ہر فکر خود میں جذب کر لی ہے۔ اس دنیا میں اسے بابا اور سائیں ہی عزیز تھے اور ان دو کے لیے وہ اب بہت

ڈرنے لگی تھی، خاص کر سادان کا اس سے دور رہنا اب اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے، کوشش کروں گی۔ میرے بابا کو جلدی ٹھیک کر دیں پھر تنگ نہیں کروں گی۔ ہر بار کہتی ہوں آپکو پریشان نہ کروں پر خود ہی سب خراب ہو جاتا ہے" سادان کی ننھی سی جان تو سخت الجھن اور افسوس میں تھی اور شہزادہ تو حسین سی مسکان سجائے رشک میں تھا کہ فلذہ اسے بھی اسی شدت سے چاہنے لگی ہے جیسا وہ چاہتا ہے۔ ابھی شاید فلذہ کی عمر ہی ایسی تھی کہ وہ خود پر اختیار نہیں رکھ پاتی تھی اور جو محسوس کرتی تھی بلا جھجھک کہہ دیتی تھی۔ خود سادان خود سے دس سال چھوٹی فلذہ کی یہ ساری تکلیف اسکے لیول پر جا کر سمجھتا ہوا حق بجانب جانتا تھا پر وہ بھی اسے سمجھانا جاری رکھے ہوئے تھا۔ فلذہ کے یوں لاڈ اور ہلکان ہو کر بے بسی سے کیے اعتراف پر سادان کو اس پر شدید پیار محسوس ہوا، وہ بہت الگ تھی۔

چھوٹی سی ہو کر بھی سادان کے دل پر بہت بھاری، معصوم سی ہو کر بھی بہکا دینے کی ماہر۔اور اسکی جو یہ بنا سوچے سب کہہ دینے کی عادت تھی، یہ سادان کو عنقریب مشکل میں ڈالتی دیکھائی دے رہی تھی۔

بس یہ رویا مت کرو، آج تو میرا دل چاہتا ہے تمہیں واقعی اٹھا کر پیک کر کے دل میں رکھ لوں۔ مس نزاکت آپکا کیا بنے گا، میں تو فکر مند ہی ہو گیا ہوں فیوچر کے لیے" سادان نے جان بوجھ کر فلذہ کے دکھ کے طوفان میں کمی کو یہ نازک بات کی جس پر فلذہ نے یوں حیرت سے آنکھیں بڑی کیے سادان کی آنکھوں میں سرخ گوشے میں نہائی آکھیوں سے دیکھا جیسے ایک پل کو سمجھی نہ ہو مگر پھر تھوڑی سمجھ آنے پر محترمہ کے چہرے کی ہوائیاں محسوس کن حد تک اڑی تھیں۔

اچھا یہ سب چھوڑو، یہ بتاؤ کچھ کھایا بھی ہے یا رونے کا ہی شغل سرانجام دیا ہے" خود ہی سادان اسکی گھبراہٹ بھانپے بات بدل کر اب اسکا چہرہ اور

گالوں کو سہلائے پوچھ رہا تھا جس پر وہ بس منہ پر بارہ بجائے سادان کو دیکھ رہی تھی جواب اسے بہت پاس چاہیے تھا۔

گلناز امی نے تھوڑا سا سوپ پلایا تھا، مجھے بھوک نہیں ہے۔ مجھے بس آپ" چاہیں، میں نے آپکو بہت یاد کیا۔ مجھے آپکے علاوہ کچھ اچھا نہیں لگ رہا"اس سے پہلے کے میڈم رو تو پھر سے رونا اسٹارٹ کر تیں، سادان نے اسے پکڑ کر واپس بیڈ پر لٹایا تو وہ روئی سی صورت سے اب سادان کو اٹھ کر دوسری طرف سے بیڈ پر بیٹھتے اور پھر عین اسی کے تکیے پر سر رکھ کر لیٹ کر پاس ہوتے دیکھ کر بے حد پر سکون ہو گئی تھی۔

مجھے کچھ دیر میں واپس جانا ہے، تب تک یہاں آ و میرے پاس اور ایسے " ہی ہر وقت یاد رکھنا نے تمہارے سائیں تمہارے پاس ہیں۔ رو رو کے اپنا حشر بگاڑ لیتی ہو" کوئی سادان جیسا بھی اس روح زمین پر نہ تھا جو فلذہ کو اب اپنی بازو کا تکیہ فراہم کیے اپنے سینے سے لگائے ساتھ ساتھ دادی اماں کی

طرح ڈانٹ بھی رہا تھا اور وہ اب بھینا بھینا روئی ہونے کے باوجود مسکرا رہی تھی۔

"آپکی طرح میرا خیال اور کون رکھے گا، اتنے پیارے ہیں آپ۔ رونے بھی نہیں دیتے ہیں" فلذہ اسکے وجود کا حصہ بنی ہوئی اب اسکے چہرے پر اپنی ہتھیلی رکھے رواں دار ہلکی ہلکی شیو والی گال پر رکھے اداس سی بولی تو ساداں کو یہی لگ رہا تھا کہ کسی تندور میں موجود ہے۔ وہ ابھی بھی سخت تپ رہی تھی اور لگ رہا تھا بخار ابھی بھی بے حد ہے۔

ساداں اب مسکرا کر اسکی چھوٹی سی ناک دبائے اسے بھی مسکراہٹ دے چکا تھا۔

"میری طرح کا دوسرا کوئی نہیں ہے پرنسس، تم پوری کی پوری میری ہو تو اپنی اس کائنات کو کیوں رونے دوں۔۔۔ ویسے یہ پینڈنٹ تم پر کمال جچا ہے، مجھ سمیت میری دی ہر چیز اس سانولی شہزادی پر سوٹ کرتی ہے"

محبت تو بنا ظاہر کیے بھی لہجوں سے جھانکتی تھی اور وہ اب اسکی گردن پر سجے

پینڈٹ کو چھو کر سراہنے کے ساتھ ساتھ مسکراہٹ کا دلفریب جھونکا فلذہ کے لبوں پر اترتا دیکھ کر مکمل سکون میں تھا۔

مجھے آپ بہت اچھے لگتے ہیں، بہت بہت اور سب سے زیادہ "پگلی ابھی اظہار میں بھی بڑی کچی تھی جس پر سادان نے مسکرا کر اسکی ناک پھر سے دبائی تو ان روئی آنکھوں کا ہر دکھ مٹ گیا۔

اسے بھی اب کوئی پر سکون کر سکتا تھا تو صرف سادان اور وہ تو بس ہر وقت سادان کو اپنے سامنے چاہتی تھی۔

اچھا لگنے سے کام نہیں چلے گا، تھوڑی اور فیلنگ لاؤ "سادان کا دل بھی اتنی حسین قربت پر تھوڑا مچل رہا تھا اور اوپر سے ماہرانی بلکل سادان کے روبرو چہرہ لیے بے خوفی سے اسے دیکھ کر بات کر رہی تھیں۔

وہ کیسے لاؤں، مجھے نہیں آتا "اوھو، یوں لگا محترمہ پر شدید بھاری ذمہ داری عائد ہوئی ہے اور یہ مسئلہ بڑا سنگین تھا اور اسے سوچ میں گم دیکھ کر سادان نے اجلت میں اسکی گال پر جذباتی سا بوسہ دیا جس سے میڈم کا تمام

ترنڈر پن لمحے کو جھاگ بنااور پہلو میں سرخ ہوتی پرنس کے چہرے پر حیا سمٹی ہوئی سادان کو مزید پاگل کر رہی تھی اور فلذہ کا اپنا ہاتھ بلکل اسکی گال پر ویسے ہی تھا جیسے کوئی بچہ بوسہ ملنے پر گال سہلاتا ہے۔

سادان کا بے ساختہ قہقہہ دیکھ کر فلذہ مزید لجائی سی سمٹ کر رہ گئی۔

ھاھا تم اب اپنی گال صاف کرنے کی کوشش تو نہیں کر رہی" سادان کو" ہنستا دیکھ کر وہ پھر سے اب شرمگیں سا مسکرا کر سادان کو دیکھ کر نا میں سر ہلا رہی تھی جو شہزادے کا دل لوٹ گیا تھا۔

مجھے بہت اچھا لگا" وہ اب بھی بے حد پیاری لگ رہی تھی اور سادان دل" سے خود بھی اس ملاقات سے بہت بہتر اور پر سکون تھا۔اسکا رونا مکمل دب کر اب سادان کے پاس ہونے کا سکون چہرے پر پھیلا اور دل تک یہ قربت جا گزیں ہوتی چلی گئی۔

مجھے زیادہ اچھا لگا، ہو ہی اتنی کیوٹ کے مجھ سا بے ذوق بھی ایسا کرنے پر" خوشی محسوس کر رہا ہے۔میری ساری محبت صرف تمہارے لیے ہی ہے،

جب تم پورے حق سے میرے پاس آو گی تو بتاوں گا کہ میری زندگی میں اس مس رو تو کی کیا جگہ ہے" سادان اب اسکی گال پر نرمی سے اپنی انگلیاں پھیرے فلذہ کی سوجھی متورم اور خود پر محبت سے تنی پلکوں کے رقص میں ڈوبی آنکھیں دیکھے بولا تو وہ پھر سے پورے دل سے مسکرائی تھی۔

تب آپ مجھے پھر خود سے دور مت جانے دینا، ٹھیک ہے نا" فلذہ نے لاڈ لاڈ میں ہی شہزادے کا کام تمام کر دینا تھا مگر وہ بھی بس ابھی فلذہ کی باتوں کو مسکان میں جذب کرتا جا رہا تھا۔

ٹھیک ہے جو تم کہو، اب سو جاو تا کہ میں بھی واپس جاوں" اس بات پر پھر سے فلذہ کا گلاب چہرہ مرجھا گیا جس پر سادان نے فلذہ کے نچلے ہونٹ پر نہایت ہی مدھم سے تل کو آج پہلی بار غور کے بعد نوٹ کیا جو بہت باریک تھا پر فلذہ پر بہت سوٹ کر رہا تھا۔

نفیس ہاتھوں کی انگلیوں پر میں اپنے ہاتھوں کا لمس رکھتا ہوں، وہ فاتحانہ سا" مسکرا کر میری اور دیکھتی ہے۔

میں اسکے کانوں کے گوشوں کو چھیڑتا ہوں تو میری اس شرارت پر جھینپتی

ہے۔

خفیف لہجے میں بولتی ہے، قریب آئیں۔

میں اسکے ہونٹوں کے اس نئے دریافت کردہ تل کو، نظروں ہی نظروں

میں کئی سمتوں سے چومتا ہوں۔

پھر اسکی آنکھوں میں جھانکتا ہوں۔

بہت سا اسکو قریب کر کے، دھیمے لہجے میں بولتا ہوں۔

گلاب زادی، میری شاہ زادی!

کیا سچ میں اور قریب آوں؟۔

وہ ایک بھرپور قہقہہ سا اُچھالتی ہے،

تو شام کے ملگجی اندھیرے میں جیسے خوشبو سی پھیلتی ہے

وہ شوخ سا اِک حسین لمحہ مرے لبوں پر اُتارتی ہے،

وہ میرے بالوں کو مہکی مہکی سی اُنگلیوں سے سنوارتی ہے۔

خمار آلود بھیگے لہجے میں، مجھے پکارتی ہے۔

ہاں، بہت زیادہ، حد سے زیادہ" سادان اسکی آنکھوں میں جذباتیت سے جھانکے اپنے دل کے جذبات بنا رکے کہہ گیا اور وہ ایک لمحے کو حیران رہ گئی اور سادان نے اسکے چہرے کے رنگ بدلتے حسن کو آج بہت اپنائیت اور حق سے دیکھا تھا۔

آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں نے ایسا سوچا" فلذہ سکتے کی سی حالت میں جو کہہ" گئی وہ شہزادے کا دل دبوچ چکا تھا، گویا سانس تک کا ربط متاثر ہوا۔

کتنی ہی دیر سادان اپنے سکون کے اس جہاں کو نثار ہوتی نگاہوں سے دیکھتا ہی رہ گیا اور وہ تو بس الجھن سے آدھی ہو رہی تھی۔

تمہاری ان آنکھوں نے بتایا، اب سو جاؤ۔اس پر عمل در آمد ادھار رہا""" سادان چاہتا تھا کہ وہ اب سو جائے تا کہ طبعیت کچھ بہتر ہو اور وہ بھی واپس جائے مگر فلذہ نے سادان کو یوں جکڑ رکھا تھا جیسے وہ اسے جانے نہیں دینا چاہتی۔

ادھار نہیں، ابھی" سادان نے شدید صدمے اور پھٹے تاثرات سے فلذہ کی سمت کرنٹ کھائے دیکھا جو ضد سی لیے اسے بے باکی سے دیکھ رہی تھی جسے خود بھی علم نہ تھا کہ وہ شہزادے سے کیا مانگ رہی تھی۔

کیا ابھی، یعنی کچھ بھی، تمہاری طبعیت واقعی لگتا ہے خراب ہو رہی ہے۔" فوراآنکھیں بند کرو شاباش" بچارا خود بھی شدید گھبرا گیا مگر فلذہ صاحبہ شدید خطرناک ہو کر اب اس انکار پر اداسی میں جا گزین ہوئیں۔

ابھی کیا ہے تو" جھٹکے پر جھٹکا دیتی فلذہ اب سادان کو بھی بھاگنے پر مجبور کر رہی تھی جو اسکی معصومیت اب خطرے کی گھنٹی کی صورت لے رہا تھا اور زیر لب ہنسی بھی روکے ہوئے تھا۔

یا اللہ اسے اب میں کیسے سمجھاوں، عجیب آکورڈ سچویشن ہے۔ یہ پتا نہیں" کیا سمجھ رہی ہے اور میں کیا سمجھ رہا ہوں" سادان شدید بچاری سی شکل سے دل میں سوچے دعا کر رہا تھا اور نظریں خود کی سمت وار فتگی سے دیکھتی فلذہ پر تھیں۔

بعد میں بتاؤں گا یہ بھی، چلو سو جاؤ۔ مجھے دیر ہو رہی ہے فلذہ۔ اور خبر دار "اب میرے بعد تم روئی یا طبعیت خراب کی، اپنا خیال رکھنا" سادان اسے ہر ممکنہ حد تک بہلانے میں کامیاب تھا اور وہ بھی اب سب بھول کر سر ہلائے اپنی آنکھیں موندھ گئی جس سے سادان نے بھی شکر کا سانس لیا مگر فلذہ کی آنکھیں بند ہوتے ہی اک دلفریب اور دلکش مسکراہٹ تھی جس نے سادان پر بہار اتارنے لگی اور وہ اسکے سونے کے کافی وقت بعد تک اسے بس مسکرا کر دیکھتا رہا اور اسے اپنے پاس محسوس کرنا بھی حسین تھا۔ وہ اسے بھی اپنے قریب چاہنے لگی تھی، سادان کے لیے یہ نیا سا احساس ان حالات میں اک ٹھنڈی بارش سا تھا۔ وہ بارش جو بنا برسے ہی سادان کا روم روم سیراب کر گئی تھی۔ چاہے جانے کا لطف واقعی لذت آمیز ہے اور پھر من پسند چاہت کا خمار تو ویسے بھی انسان کی بجھتی زندگی بڑھانے پر قدرت رکھتا ہے۔ سادان کے لیے وہ بہت مقدس تھی، جسے وہ دیکھ کر خود میں اک

آسودگی اترتی محسوس کر رہا تھا۔ بخار کے باعث وہ بجھ گئی تھی پر سادان کے آنے کی بدولت وہ کھل گئی اور یہ دیکھ کر سادان بے حد خوش تھا۔

جان لے جاتی ہو فلذہ، کتنی پیاری اور نازک ہو تم۔ مجھے تو خود سے بھی کئی" درجے خوبصورت لگتی ہو کیونکہ میں تمہیں دل سے دیکھتا ہوں۔ اللہ سے پل پل یہی دعا مانگتا ہوں کے میں اسکے ہر امتحان پر راضی ہوں مگر وہ تمہیں مجھ سے کبھی جدا نہ ہونے دیں۔ تمہارے سائیں تمہارے بنا شاید جی نہیں سکتے، ناجانے اتنی محبت کیسے کرلی میں نے، ساری زندگی بھی تم پر لٹاتا رہوں تو کم نہ ہو" وہ اسکی بند آنکھوں پر باری باری محبت دھرے دل میں اسکے مرتبے پر سوچ کر مسکرایا اور اسکا نازک حدت زدہ ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے اپنے چہرے پر رکھے پھر سے بھینی بھینی چاہت کی پھوار زدہ آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا جو بہت سکون سے نیند کی آغوش میں ڈوبی ہوئی تھی۔

البتہ اسکی سانس ابھی بھی تپش زدہ تھی پر اب دل پر سکون تھا جو جلد اس تپش کو زائل کر دینے والا تھا۔

تین بجے تک سادان اسے بہت احتیاط سے خود سے الگ کیے اٹھا جس پر وہ کسمسا سی گئی اور پھر سو گئی اور وہ پھر مڑ کر اٹھا اور چلتا ہوا فلذہ تک آیا جو اب گہری نیند میں دوبارہ ڈوب گئی تھی۔

اک حسین سی مسکان سجائے وہ فلذہ پر جھکا اور ہلکی پھلکی حق دار گستاخی کے سنگ اسکے بجھے چہرے پر چند پیاری سی من پسند مہرِ چاہت عطا کیے اسے کچھ دیر نثار ہوتی نگاہوں سے دیکھنے کے بعد کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ اپنے ساتھ بلقیس کو لے کر تھانے پہنچ گئی تھی اور آتے وقت اس نے صرف اماں سائیں کو بتایا تھا۔ وہ تبریز سے جتنی بھی ناراض ہو لیتی مگر اس نے اب مزید صبر کرنا سہل نہ تھا۔

ایک ایسا انسان جو دنیا کے ساتھ اس کے لیے بھی برا ثابت ہوا تھا مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ وہ اس کے بنا ادھوری ہے۔ یہ چند ماہ گزارنے کے لیے وہ تبریز سے ملنا چاہتی تھی اور تھانیدار نے پہلے تو خوب آو بگت کی مگر ملاقات والی بات پر وہ خجالت سے کان کھجانے لگا جس پر عالیہ نے مایوسی سے اپنا چہرہ بجھا لیا۔

بھائی تھوڑی دیر ہی اجازت دے دیں، آخر کو آپ ملنے کیوں نہیں دے" رہے " ابھی صبح کے آٹھ بھی نہیں بجے تھے اور وہ تھانیدار پہلے ہی نیند میں خلل پڑنے پر منہ بسورے ہوئے تھا اور بلقیس کی گزارش پر اس نے ایک نظر اسے اور ایک سیاہ چادر میں مکمل لپٹی عالیہ پر ڈالی اور پھر کچھ سوچنے کے بعد اپنے جونئیر کو اشارہ کیا۔

وہ کوئی عام مجرم نہیں ہے جس سے ملاقاتیں کروائی جائیں، سمگلر ہے۔" خیر بس دس منٹ کی اجازت ہے وہ بھی اس لیے کہ مجھے چوہدری درمان مائی باپ کی مانند عزیز ہیں۔ جا و مل لو اس سے۔۔۔ شاکر۔۔۔ او

شاکر۔۔یہ بی بی کو تبریز سے ملوادے" وہ بھدی شکل والا مغرور سا تھانیدار اجازت کے ساتھ ہی اپنے آدمی کو ہانک لگائے بولا جس پر عالیہ خود کو بہتر کرتی ہوئی مشکورانداز سے تھانیدار کو دیکھتی اس شاکر نامی حوالدار کے سنگ اندر بڑھ گئی جس پر بلقیس بھی شکر گزار سی دوپٹہ مزید منہ پر پھیلائے اٹھ کر باہر لگے بینچ تک آگئی اور وہ جو اندر حوالات کی سمت بڑھ رہی تھی، دل کے ساتھ اسکے قدم بھی بھاری ہو رہے تھے۔

وہ اس پر جتنا بھی ظلم کیوں نہ ڈھالیتا، عالیہ اس پر اترے اس قہر سے ٹوٹ پھوٹ گئی تھی۔

وہاں وہ جو اپنی زندگی کے کرب ناک دن کاٹ رہا تھا، کسی آہٹ پر اپنا گرایا سر اٹھا کر اپنی دھندلی آنکھوں سے اس کوشش میں تھا کہ دیکھ سکے سامنے کون ہے۔

سامنے تو اسکے درد کی شفاء تھی، وہ شفاء جسکی اب اسے واقعی ضرورت تھی۔ تبریز کا خوبصورت چہرہ جابجا زخم کے مدھم ہوتے نشان سے وافع تھا۔ گو

اب اس پر تشدد نہیں کیا جا رہا تھا مگر یہ پہلے دن کے نیل تھے جو ابھی بھی چہرے پر تھے۔ وہ داڑھی مونچھ جو وہ بہت سلجھا کر رکھتا تھا اب بکھری اور الجھی ہوئی اور وہ آنکھیں جن میں غرور کی فراوانی تھی آج بس پچھتاوے کے لاوے سے آٹی تھیں۔

تبریز تیری ملاقات آئی ہے، دس منٹ ہیں بس" وہ حوالدار تبریز کو کہہ کر سنجیدگی سے واپس باہر نکل گیا جبکہ تبریز پر عالیہ کی بھیگی نگاہوں نے پتھر سا پکڑا او کیا تھا اور وہ بھی اپنے تھکے، ٹوٹے شکستہ وجود کے سنگ اٹھ کر عالیہ تک آیا جو بنا کچھ کہے سنے بس تبریز کو دیکھ کر رو رہی تھی۔ دونوں کے بیچ آج لوہے کی سلاخوں کی بندش تھی مگر وہ پھر بھی جالی پر رکھے تبریز کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھے چہرہ اٹھا کر درد میں مبتلا ہوئی تبریز کو دیکھ رہی تھی جو سمجھ رہا تھا شاید وہ اسے اب کبھی نہیں دیکھ پائے گا۔

مجھے لگا تھا میں تجھے کبھی نہیں دیکھ پاؤں گا، مجھے اپنی صورت دیکھا کر" احسان کیا ہے۔ کیسی ہے؟" بہت دن بعد دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر

غمناک تھے اور عالیہ اب اپنا ہاتھ تبریز کے چہرے تک لے جاتی اسکی آنکھ کے نیچے بنے جامنی نیل کو چھو کر رو رہی تھی مگر زبان نے کسی لفظ کو ادا کرنے سے معذرت کرلی تھی۔

یہ سب جس نے کیا اللہ کرے اسکے ہاتھ ٹوٹ جائیں" وہ تبریز کو تکلیف" میں نہیں دیکھ پائی اور اسکی آواز میں رونے کے باعث بے حد نمی تھی جس پر تبریز نے اس دل کی مسند پر فائز ہوئی عالیہ کو دیکھا جو اس کے ظلم کے باوجود اسکے لیے تڑپ رہی تھی۔

میں ٹھیک ہوں، رومت" تبریز کے لہجے میں بھی پوشیدہ سا دکھ تھا اور" اس شخص نے بہت دیر کردی عالیہ کے آنسو پونچھنے میں مگر اسکا یہ کرنا عالیہ کے دردناک دکھ میں موہوم ہی سہی کمی کر گیا تھا۔

بہت کوشش کی کہ آپ کو اس مصیبت سے نکال لوں مگر وہ تھانیدار کہتا" ہے چھ ماہ سے پہلے رہائی کی کوئی صورت نہیں۔ آپکو معاف کرنا یا نہ کرنا میرا معاملہ تھا تو یہ دنیا بیچ میں کیوں آئی ہے۔ میں آپ سے دور نہیں رہ سکتی،

تمام تر ناراضگی کے مجھے آپکی ضرورت ہے" سرخ پڑتی غم کے پہاڑ کے تلے دبی یہ عالیہ اس وقت بھی تبریز کو چاہتی تھی حالانکہ ان چند دن کی تنہائی میں ڈوبے دنوں میں وہ یہ جان چکا تھا کہ وہ کہیں سے بھی عالیہ کے قابل نہ تھا۔

روتے روتے اسکی آواز میں ہجر کا سایہ لہرایا، اور تبریز کی سرخ شعلہ آنکھیں اسکے ضبط کی ترجمانی کر رہی تھیں۔

یہ میری سزا ہے اور مجھے اپنی سزا سہنی ہے، پہلے یہ دنیا کی قید پھر تیری" ناراضگی، مجھے ابھی معاف مت کرنا عالیہ بلکے یہ وقت اپنی ناراضگی کو اور بڑھا، جس قابل میں ہوں۔ اپنے ہر کیے برے فعل کی تلافی کروں گا، لیکن میں اس سزا پر راضی ہوں، مجھ سے سب چھن جائے، میرا سکون، میری آزادی، میرا غرور پر تجھے کھو کر رہا سہا بھی نہیں جی پاوں گا" وہ اپنے ہاتھ میں دھرا عالیہ کا ہاتھ بنا کسی شدت کے بس کسی مجرم کی طرح شرمسار ہو کر چوم رہا تھا۔

اور وہ درد دیتے تاثر کے سنگ یہ سوچ رہی تھی کہ اسے بتائے کہ وہ اسے معاف کر گئی ہے، مگر تبریز کی تکلیف کے سامنے وہ یہ نہ کہہ پائی۔

آپ کو بہت یاد کرتی ہوں" کچھ دیر وہ تبریز کی زرد آنکھوں میں دیکھتی" رہی اور پھر اپنی بے بس سی تکلیف چھپا نہ پائی جس پر تبریز مزید زمین بوس ہوا۔ کیا وہ اس قابل تھا کہ عالیہ اسے دوبارہ دیکھتی بھی، مگر خوش قسمت تھا جسکو عالیہ جیسی صابر اور وفا شعار بیوی ملی۔

میں بھی "اعتراف کی گو جگہ مناسب نہ تھی مگر کہیں نہ کہیں عالیہ کا" سکون بھی اسی شخص کی ذات سے وابستہ تھا۔ وہ اسے تاسف سے دیکھ رہا تھا اور وہ اسے چاہت اور دکھ سے آنکھوں میں بسا رہی تھی۔

وہ تھانیدار آپ سے ملنے بھی نہیں دے رہا تھا، مگر میں کیا کرتی مجھ سے" سانس تک لینے نہیں ہو رہا تھا۔ شاید وہ دوبارہ ملنے کی اجازت نہ دے، میں کیا کروں گی پھر؟" دکھ اور بے بسی کا اونچا درجہ تھا جس نے عالیہ کو بے حد دردناک کر دیا اور تبریز خود بھی یہی چاہتا تھا وہ دوبارہ نہ آئے۔

میں بھی یہی چاہتا ہوں، یہاں مت آنا دوبارہ۔ میں اپنی سزا کے بیچ تجھ" سے ملنے کا حوصلہ بار بار جمع نہیں کر سکتا۔ میں اپنی سزا پوری کر کے تیرے در پر اپنی اگلی سزا لینے پہنچ جاوں گا" تبریز بھی منتشر اور بکھرا ہوا عالیہ کی جان لے رہا تھا۔ دونوں تکلیف میں تھے مگر جب گناہ کیے ہوں تو انکی سزائیں تو جھیلنی پڑتی ہیں۔

تبریز کی اس بات پر کئی موتی عالیہ کی رخساروں پر گرتے چلے گئے جس پر تبریز نے پھر سے اسکے رونے کو فوریً روکا۔

میں آپکا انتظار کروں گی، میں سزا دوں گی مگر چھوڑ نہیں سکتی۔ آپ کو" اتنے درد میں دیکھنے کی خواہش کبھی نہ کی تھی ہاں اتنا ضرور چاہا تھا کہ میری تڑپ کا اندازہ آپکو ہو۔ بلاشبہ بہت تڑپایا ہے آپ نے، پر میں دعا کرتی ہوں آپکو اب اس تڑپ کا سایہ تک چھو نہ سکے۔ تمام تر دل کے رستے دکھ کے باوجود مجھے آپ سے وہ محبت ہے جو میرے مارنے سے بھی مر نہیں سکتی۔ اس دنیا میں میرے لیے آج بھی سب سے افضل آپ کا رتبہ ہے، سزا دوں

گی بہت دوں گی مگر آپکو خود سے بچھڑنے نہیں دوں گی" لمحے ساکت تھے بلکل ویسے جیسے وہ شخص اس وقت یہ الفاظ سن کے تھا جب اسے زندہ رہنے کے لیے ان کی اشد ضرورت تھی۔

نمی سی آج تبریز کی آنکھوں سے بھی رواں ہوئی اور وہ لاجواب ہو کر رہ گیا۔

ملاقات کا وقت بنا کسی دل کی بہار جیسے لمس کے ختم ہوا وہ اسکے سینے نہیں لگ سکتی تھی، اور وہ اسکی سانیں نہئں بڑھا سکتا تھا مگر شاید ان دونوں کے سچے رشتے کا آغاز ہی اس سزا کے بعد ہونے والا تھا۔

اس کے بعد دونوں میں بس تشنہ آنکھوں سے گفتگو ہوئی اور وہ اسکے چہرے پر اپنی ہتھیلی رکھے ہار اساوہ کھن کھا یا زینہ تھا جس نے ابھی چر مرا کر مسمار ہو جانا تھا۔

اپنا خیال رکھنا، رونامت" جاتے ہوئے وہ اسے یہی کہہ پایا اور دونوں کی" نگاہوں نے ایک دوسرے کے چہرے اس جدائی کے لیے آنکھوں سے ہی

چوم کر دل میں اتار لیے تھے۔اس ملاقات سے عالیہ کو صبر آ ہی جانے والا تھااور شاید اس عادی مجرم کو بھی۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ سب۔۔۔۔اف یہ لڑکا میرے ہاتھوں مر کر ہی دم لے گا" انجیل بیگم " نے حسب عادت ساری کارستانی جلے سلگتے اور تہس نہس شخص کے گوش گزار کی اور اپنا اگلا لائحہ عمل بھی بتایا جس کے باوجود چوہدری درمان حق کے تن بدن میں آگ تھی۔اس عورت نے گویا سب بتادیا تھا مگر کومل کو طفیل کے آگے بیچنے والی بات بڑی سفاکی سے چھپالی، ظاہر ہے بیٹے کے آگے مہان بھی تو بننا تھا۔

ٹھنڈا ہو جا درمان، اب جو کروں گی میں، وہ ہو گا اصل فساد۔ان دو ٹکے " کے لوگوں کو انکی اوقات یاد دلا کے آوں گی دوسرا ابھی فلذہ پر ہاتھ نہیں

ڈالنا کیونکہ طفیل بتا رہا تھا شاویز کے گھر کے باہر پولیس تعینات ہے۔ آج میں اپنا آدھا کام کر کے آوں گی اور ان کم ظرف لوگوں کی وہ مٹی برباد کروں گی کہ دوبارہ اپنی اوقات سے زیادہ پر ہاتھ مارنے سے پہلے سو بار سوچیں گے" اب ناجانے یہ قاتلہ اور درندہ صفت عورت وہاں جا کر کونسا وبال کھڑا کرنے کو تھی مگر اسکے ارادے بتا رہے تھے کہ بہت برا ہونے کو تھا۔

دوسری سمت شاویز بھی آج گھر پہنچ آیا تھا اور اس بڈھی نے اب کومل کی زندگی برباد کرنے کی ٹھان لی تھی، درمان تو کئی دن سے گوشہ نشینی میں تھا، زمین کو لے کر منگوفی الحال خاموش تھا مگر جلد وہ بھی اپنی گھٹیا اوقات دیکھانے کا ارادہ باندھ چکا تھا۔

جو کریے گا اختیاط سے، مجھے پہلے پتا ہوتا کہ سادان نے میری ناک تلے یہ " سب کرنا ہے تو اسے اس روز شہر سے ہی نہ بلواتا۔ نہ یہ نکاح ہوتا نہ ہمارے سر مٹی ڈلتی، تباہ کر دیا ہے اس اولاد نے مجھے۔ کہیں ایک سمت سے بھی سکھ

نہیں، اور میرا دماغ یہ سوچ سوچ کر پھٹ رہا ہے" درمان کی تو لگتا تھا ہمت اور سارا غرور ہی جھاگ کی مانند بیٹھ گیا مگر اب انجیل بیگم اپنی جیت کے اس قدر قریب آ کر نہ خود ہارنا چاہتی تھی اور نہ درمان کو کسی جذباتیت میں بہنے کی اجازت دے سکتی تھی۔

تجھے ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں، اب تو بس اپنی زمین کے معاملات دیکھ۔ اس خرافہ کو کس طرح دبوچنا ہے یہ بھی میں سوچوں گی فی الحال اس دو ٹکے کے شاویز کو اسکی اصل جگہ بتا کر آتی ہوں۔ کومل کی شادی وہیں ہو گی جہاں طے تھئ۔ تو آرام کر، میں مالو کو ساتھ لے جا رہی ہوں" وہ جو لشکی ہوئی تیاری کے سنگ نخوت زدہ چوٹی پر فائز تھی، اپنے اس ایک اور وار کے لیے پر تول چکی تھی اور درمان نے بھی اکتائے انداز سے اماں سائیں کے جاتے ہی خود کو صوفے پر لڑھکا لیا۔

درمان چوہدری، وقت کا فرعون۔ تو یہ بھول گیا تھا کہ تو جتنا بھی طاقت ور کیوں نہ ہو جائے، وہ اللہ اس دنیا کی تمام کھوکھلی طاقتوں پر قادر ہے۔ کیا ملا

تجھے ظلم کی یہ رمانی داستان لکھ کر، لال خون اور لہو میں لپٹی سسکیاں اور آہیں پاکر۔ دیکھ اپنی سمت، بے سکون ہے۔ تیرے سب بچے تیرے کیے کا پھل کاٹ رہے ہیں۔ وہ بیٹی جسکی آنکھوں سے اب آنسو کے بجائے لہو نکلتا ہے، کیسا باپ ہے تجھے ترس نہ آیا کہ اب بھی اس معصوم فلذہ کے پیچھے پڑا ہے۔ یاور، جو موت کے بعد بھی زلیل ہوا۔ تیمور، وہ بھی اسی راستے کا مسافر۔۔۔ اور ساداں جوان کوششوں میں کسی دن مسلا جائے گا۔ اللہ کی لاٹھی بڑی بے آواز ہے غافل، سنبھل جا" اپنے کچھ فاصلے پر کھڑا اپنا ہم شکل، ضمیر جو اسے آئینہ دیکھا رہا تھا اور چوہدری صاحب خوف سے اس سے پہلے کپکپا اٹھتے اہک اور سایہ نمودار ہوا۔

"نا چوہدری، تو بلکل ٹھیک ہے۔ تو نے جو کیا ایک دم درست ہے، اسکی مت مان۔ ظلم کر، اس فلذہ کو دفن کر دے، ساداں اس سب کا مستحق ہے۔ یاور اور تیمور کی فکر چھوڑ دے، بس یہ یاد رکھ کے بادشاہی گئی تو ناک

کٹ جائے گی" یہ تو شیطان تھا جو حقیقت میں درمان چوہدری کا سیاہ ضمیر تھا۔

وہ ہونق زدہ بنا ان دونوں ہم شکل ہیولوں کی بحث سے بچنے کو اپنے کان بند کر گیا اور کان ہٹائے تو قہقہوں کی آواز پر درمان کی روح کانپ گئی۔
یہ اشارہ تھا اس بدبخت کے لیے مگر بدی اور نیکی کے بیچ تمیز ہم انسان خود کرتے ہیں اور اس آخری وارننگ پر بھی اس بدقسمت نے بدی چنی اور فلذہ کی موت کا قصد از سر نو باندھا۔ انکے دل سیاہ تھے جو صرف جہنم کا ایندھن تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سادان کے لیے کل کی رات سکون کی ایک دلفریب شب تھی مگر کہیں نہ کہیں وہ دل سے ابھی بھی فلذہ کے لیے فکر مند تھا۔

وہ فجر کے بعد ہی کلینک گیا تھا اور وہاں جا کر ملنے والی خبر نے اسکے تنے اعصاب بحال کر دیے تھے کیونکہ منظور حسین بیہوشی سے باہر آ گئے تھے اور اس کا سارا کریڈٹ ہی ڈاکٹر کبیر کی دیکھ بھال اور سادان کے علاج کا تھا۔ ابھی بھی سر کے زخم کی باعث وہ مکمل ہوش میں نہیں تھے اور کچھ انکو دی گئی نیند کی دوا کا اثر تھا تا کہ انکے دماغ کو ریسٹ دیا جا سکے۔

سادان کا ارادہ آج رمشہ اور اسکے بابا کی طرف جانے کا تھا مگر سب سے پہلے وہ یہ بات فلذہ کو بتانا چاہتا تھا اور تبھی ڈاکٹر کبیر کے آفس میں آ کر وہ کرسی پر نیم دراز ہوئے کال ملا چکا تھا۔ رمشہ کو منانے کے لیے اس نے ایک بار پھر امام صاحب کو زحمت دینے کا سوچا تھا کیونکہ اسے یہ ڈر تھا کہ وہ رمشہ کو منا نہیں پائے گا۔

فلذہ کا بخار ہنوز قائم تھا مگر گلناز نے اسے صبح ایسا تگڑا ناشتہ کروایا تھا کہ اسکے چہرے کی ساری تاریکی کچھ جھٹ سے اڑ چکی تھی اور وجود بھی تھوڑی تپش زائل کیے ہوئے تھا۔

گلناز اسے بلکل اپنی بیٹی کی طرح دیکھ رہی تھیں، شاویز بھی وہاں سے گھر کے لیے نکل چکا تھا کیونکہ اسے لگا تھا ایک دو دن گھر رہنا ضروری ہے۔

حالانکہ گھر کے باہر دو گارڈز کا ہر وقت موجود ہونا حفاظت کا حصار تھا پر شاویز ساداں کے کل رات آنے جانے سے تھوڑا پریشان تھا اور اسکا خدشہ غلط نہ تھا۔

فلزہ جو ابھی بھی تکیے پر کروٹ کے بل سر رکھے لیٹی ہوئی تھی، فون کی آواز پر بمشکل مڑی اور فون اٹھا کر ساداں کا نام دیکھتی ہوئی فکر مند ہو کے فون کان سے لگا گئی۔

سائیں، میرے بابا کیسے ہیں؟" فلزہ کی کچھ بہتر آواز سن کر ساداں کو تھوڑا" حوصلہ ہوا مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ فلزہ پر سیاہ سایہ منڈلا رہا ہے۔ وہ جسکی حفاظت اسکی زندگی اور موت کا مسئلہ تھی وہ حفاظت سے نکل کر پھر سے درندگی کا شکار ہونے کو تھی۔

میری جان وہی بتانے کو فون کیا ہے، تمہارے بابا ہوش میں آچکے ہیں اور" مزید تین چار دن انھیں رکھیں گے پھر وہ ان شاءاللہ اپنے قدموں پر گھر جائیں گے۔ابھی سر کی چوٹ کے باعث انکو نیند کے دوا میں رکھا گیا ہے تاکہ آرام سے زخم مندمل ہو جائے"سادان کا رسانیت اور مائم پن سے یہ کہنا فلذہ کو شکر گزاری میں مبتلا کر گیا اور وہ تھوڑی ہمت کیے اٹھ کر ٹیک لگائے نیم دراز ہو کر بیٹھی۔

شکر ہے اللہ کا، آپ انکا خیال رکھیے گا"فلذہ کی آواز میں نمی تھی اور" سادان تو اب یہ نمی وغیرہ بلکل سہنے والا نہ تھا۔

بے فکر رہو،اب پلیز تم بھی ٹھیک ہو جاو۔دوبارہ ایسے بستر مت پکڑنا،" میری ضرورت ہو تو بنا بیمار پڑے بلا لینا مگر یوں جان مت نکالنا"اب کی بار فلذہ کو خودرات کے حسین پل یاد آئے تو اسکے پھیلے نازک ہونٹوں پر مسکان سجی۔

آپ مجھ سے مل کر نہیں گئے سائیں" بنا سادان کی بات کا جواب دیے وہ "
مان اور دکھ سے بولی تو سادان اسکی اس ادا پر قربان ہوا۔
مل کر گیا ہوں، تم نے محسوس نہیں کیا" سادان کے پر اسرار سے الفاظ "
میں چھپا مفہوم فلذہ کو رات کے بر عکس اب سرخ کر گیا اور وہ اپنی ننھی منی
عقل میں نا جانے کیا کیا سوچ بیٹھی۔
کیسے ملے" زبان سے لفظ پھسلے جو سادان کی ہارٹ بیٹ مس کر گئے، یہ "
لڑکی آہستہ آہستہ بہت خطرناک ہو رہی تھی اور سادان کے لیے خود کو
سنبھالنا اب تھوڑا کٹھن تھا۔
اگلی بار جب آوں گا تو سارا طریقہ گوش گزار کروں گا، فون پر تھوڑی "
بتاتے ہیں یہ سب۔ ٹو مچ پرسنل" سادان نے شرارت کے سنگ جو کہہ ڈالا
وہ اب فلذہ کے کان سے دھواں نکالنے کو کافی تھا، وہ بلاشبہ دوسری لڑکیوں
کی طرح اتنی سمجھدار اور یہ ازدواجی معاملات سے اتنی واقفیت نہیں رکھتی

تھی پر جب سے سادان اسکے قریب آنا شروع ہوا تھا وہ بھی چاہتی تھی وہ اسے ایسے ہی اہمیت دے۔

فلذہ کی گلابی پن سے اوڑھی خاموشی سادان کو دلفریب لگی۔

ٹھیک ہے" فلذہ نے بھولے پن سے فوری ہاں کہی اور شہزادہ بس مسکرا" دیا۔

اب بہتر ہو جاو، رات بہت تیز بخار تھا۔اپنا دھیان رکھو اور یہاں کی ٹنشن" مت لو۔ تمہیں دوبارہ ایسے ڈاون نہیں دیکھنا چاہتا" سادان اب سنجید گی سے اسے سمجھا رہا تھا اور وہ سادان کی ہر بات اب پکا عہد کر چکی تھی کہ مانے گی۔

مجھے آپکو کچھ کہنا ہے" فلذہ نے مزید تکیہ اوپر کیے پر اسرار سا ہو کر بیٹھتے" ہوئے کچھ لاج اور جھجھک ملائے کہا جس پر سادان بھی تھوڑا تجسس مئں آکر متوجہ ہوا۔

کہو فلذہ" مٹھاس اور فکر سے مزین انداز مگر فلذہ کا دل ہوں تھا جیسے آنے" والے خطرے کا اسے علم ہو گیا تھا۔

آپ نے کہا تھا آپکو مجھ سے محبت ہے، مجھے بھی ہے۔ بہت ساری، شاید" اس پوری دنیا جتنی" اظہار میں محترمہ ابھی بھی کچی تھیں پر سادان کا دل بہار ہو گیا اور وہ فلذہ کو غائبانہ ہی اس پر اپنا مند پسند لمس دینے کی ٹھان چکا تھا اور وہ تو شاید کب سے سادان سے محبت کر رہی تھی اور اسے لگا جیسے اب وہ بھی یہ کہہ دے۔

اگلی ملاقات پے تمہیں اس کا جواب دوں گا، بس اپنا بہت سا خیال رکھو"" سادان اس طلسم کو توڑنا نہیں چاہتا تھا تبھی عہد باندھے سنجیدہ ہوا اور وہ سچا مسکرائی تھی۔

اسے یہ خوشی تھی کہ سادان پھر سے اس کے قریب آئے گا اور سادان کا اپنے قریئب آنا شدت سے یاد کر رہی تھی جسکا اندازہ سادان کو رات بھی ہوا تھا اور ابھئ بھی۔

آپ بھی، اللہ حافظ "فلذہ نے خود ہی نرمی اور پیار سے کہا اور فون واپس" رکھے بھینا بھینا مسکراتی پھر سے آنکھیں بند کر گئی مگر ساداں کے چہرے پر اس وقت حالات کی سنگینی کا ستم درج تھا۔ محبت، اور ملن اسکا منتظر تھا مگر وہ خود ابھی اس سب سے کنارہ کرنا اہم سمجھ رہا تھا۔ کم از کم تب تک جب تک یہ محاز جنگ ختم نہ ہو جاتا۔ تھک ہار کر اس نے سر کرسی کی پشت سے ٹیک دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شاویز کے گھر آنے پر گلناز اور اسد صاحب کافی خوش ہوئے تھے اور پھر صبح کا ناشتہ بھی آج سب نے لیٹ کیا۔ فلذہ کی طبعیت ابھی مکمل ٹھیک

نہیں تھی لہذا گلناز نے اسے روم میں ہی ناشتہ دے دیا تھا اور اصل جھٹکا تو ان تینوں کو تب لگا جب دروازے کی دستک پر شاویز باہر گیا اور وہاں کوئی اور نہیں، انجیل بیگم اپنے چار مسٹنڈوں کے ساتھ کھڑی شدید ناپسندید گی سے گھورتی پائی گئی۔

ایک لمحے کو شاویز کا دل بند ہوا کہ کہیں انھیں فلذہ کا علم تو نہیں ہوا مگر پھر اس چالاک مکار عورت نے منہ پر ایسی پیاری مسکان سجا کر اندر آنے کی اجازت طلب کی کہ شاویز انکار نہ کر پایا اور گھر کے اندر جانے تک وہ دعا کر رہا تھا کہ فلذہ کہیں باہر نہ آگئی ہو مگر گلناز اسے ناشتہ بہت پہلے دے کر آئی تھیں اور اب وہ دوبارہ سو چکی تھی۔

انجیل بیگم کی آمد پر ان تینوں کے چہرے فق تھے جو انجیل بیگم دیکھ کر دل ہی دل میں محظوظ ہو رہی تھی۔

شاویز کو اس عورت کی آمد خطرے کی گھنٹی لگ رہی تھی، گلناز نے چائے کا پوچھا تو انجیل بیگم نے نخوت زدہ انداز میں تکلف سے روکا اور وہ بیٹھی تک نہ

تھی، ہاں اب اپنی لاٹھی پکڑے اپنے سامنے بظاہر پر اعتماد کھڑے شاویز کو اچٹتی نگاہوں میں مرکوز کر چکی تھی۔

"بھئی ماننا پڑے گا تم جیسے شاطر لوگوں کو، واہ واہ میں تو حیران ہوں کہ کوئی اتنا گھٹیا کیسے ہو سکتا ہے" انجیل بیگم کے یہ الفاظ ان تینوں پر بجلی بن کر گرے تھے اور انجیل آج یہاں انکی عزت دو کوڑی کرنے آئی تھی۔ وہ جو سو چکی تھی اس دھاڑ پر سہم کر اٹھتی ہوئی آہستگی سے دروازے تک آئی تو اس آواز پر لرز اٹھی۔ اسے لگا وہ عورت اسے لینے پہنچ چکی ہے۔

اک خوف اور کپکپاہٹ تھی جس نے فلذہ کا کم ہوتا بخار پھر سے دہکا دیا تھا۔

شاویز نے اس بات پر بمشکل اپنی مٹھیاں بھینچ کر سخت برہمی سے ان کی سمت دیکھا، جو یہ زہر خندہ لہجہ اپنا کر زہر اگلتی ہوئیں ظالم لگیں۔

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں بہن، ایسے نازیبا الفاظ کس لیے" گلناز جو دل تھامے غمناک اور حیرت زدہ تھیں، خود کو بولنے سے نہ روک پائیں اور

اس پر انجیل نے اپنے قدم بڑھا کر عین شاویز کی آنکھوں میں حقارت سے دیکھا جو نا جانے کس ضبط سے کھڑا یہ ہتک آمیز رویہ سہہ رہا تھا۔

"ہنہ، نازیبا۔۔۔ ارے تم جیسے گھٹیا لوگ تو اس سے زیادہ غلاظت سے آٹے الفاظ کے لائق ہو۔ پہلے تم نے سادان سے دوستی کر کے گاوں میں قدم جمائے اور ہماری ناک کے نیچے ہماری لڑکی پر بری نظر ڈالی اور کس چالاکی سے نکاح کیا" انجیل بیگم کے الفاظ کسی بم کی مانند شاویز، اسد صاحب اور گلناز کے ساتھ ساتھ کمرے میں دیوار سے لگ کر کانپتی فلذہ کے دل پر برسے اور شاویز تو حواس شل ہوتے محسوس کر رہا تھا۔

اسکے سچے خلوص کو یہ عورت کس قدر ناپاک کہہ رہی تھی کہ غصے اور تکلیف سے اسکا سانس متاثر ہوا۔

"آپ اپنی حد سے تجاوز کر رہی ہیں، ایسا نہ ہو میں کوئی بے ادبی کر جاوں۔ آپ یہاں سے چلی جائیں ورنہ۔۔۔" شاویز کا خون کھول رہا تھا اور انجیل

بیگم یہی تو چاہتی تھی کہ ان لوگوں کو یہ سب کہہ کر کومل کی طلاق کا بندوبست کرے۔

اسد صاحب الگ صدمے میں غرق اس عورت پر دھبے جیسی انجیل کے الفاظ سے ہل چکے تھے۔

ورنہ کیا، اچھے سے جانتی ہوں تم جیسے نیچ لوگوں کی کم فہم سوچ کو۔ گھٹیا" پن کی حد ہے، کومل کے نام لگی جائیداد کسی خوش فہمی میں مت رہنا کہ تم کو ملے گی، اور اس کو طلاق دے دو ورنہ انجام بہت برا ہوگا" انجیل کا غرور آسمان کی سر حدیں پار کر چکا تھا مگر شاویز کا سینہ آگ سے دہک رہا تھا اور وہ اب انجیل کی جان لے لینا چاہتا تھا۔

ضبط کے مارے آنکھوں میں سرخی اتر چکی تھی جس پر انجیل نے مزید آگ کالاوا اتار نے کو اپنی انگلی ہوا میں اٹھا کر اسد اور گلناز کی سمت غضبناک ہو کر رخ کیا۔

اگر اپنی مزید زلت سے بچنا ہے تو دوبارہ ہم سے پنگاہ مت لینا، کیا سمجھتے ہو "تم لوگ کہ کوئی چیز ہم سے چھپ سکتی ہے۔ شرم سے ڈوب مرو، اپنے اس بیٹے کا استعمال ویسے کمال کیا ہے۔ لیکن اب میں بتاوں گی کہ اصل جگہ تم سب کی ہے کیا۔۔۔ "اس سے پہلے کہ انجیل بیگم اپنے اندر کا درندہ مزید ظاہر کر کے غلاظت پھیلاتیں، ایک فلک بوس کی دیواروں سے ٹکراتی ہیجانی دھاڑ نے نہ صرف انجیل کی بولتی بند کی بلکہ اسد صاحب اور گلناز بھی سہم گئے کیونکہ شاویز اب یوں تھا جیسے واقعی اس گھٹیا عورت کا خون پی جائے گا۔

بس۔۔۔ بس بہت ہوا۔ نکلیں ہمارے گھر سے، چلی جائیں۔ آپ کے "بڑے ہونے کا لحاظ کر رہا ہوں ورنہ آپکو بھی آپکی اوقات یاد اچھے سے کرواتا۔ آپکو کس نے حق دیا ہے کسی کی عزت نفس مجروع کرنے کا، آپ کی سوچ اور آپ خود بھی قابل رحم حد تک مضحکہ خیز ہیں" شاویز کی تربیت

اسے ہر ممکن حد تک روکے ہوئے تھی مگر اس کرارے جواب پر انجیل خاصی تلملا کر اسے چیڑ پھاڑنے کے انداز سے گھوری تھی۔

بھاڑ میں جاو تم اور تمہاری عزت، کومل کو تم سے الگ کر کے رہوں گی۔" جیسے بھی سہی، تم سب کو حساب دینا ہو گا۔ دو ٹکے کی اوقات نہیں اور چلے ہیں چوہدریوں سے رشتہ داری کرنے۔۔۔۔ ہنہ "انجیل بیگم اپنی ہر درندگی کی حد عبور کیے یہ آخری ظالم وار شاویز کے دل پر کرتیں اپنا پلو لہرائے اپنا آدھا کام سرانجام دیے جس طرح آئیں ویسے ہی وہ بیرونی سمت روانہ ہوئی اور اسکے ان مسٹنڈے آدمیوں نے بھی اسکی پیروی کی جن میں وہ حیرت کا مجسمہ بنا مالو بھی شامل تھا۔

اسد صاحب تو اپنا دل تھامے صوفے پر لڑھک گئے مگر گلناز روتی ہوئیں اس آتش فشاں کی مانند پھٹ پڑنے کے دہانے پر کھڑے شاویز تک آئیں جو اب مڑ کر امی بابا کی سمت باری باری دیکھے سخت دکھ سے اپنی آنکھیں سرخ کر گیا۔

یہ عورت، کیڑے پڑیں اسے۔ ناشاویز میری جان غصہ نہیں۔"
در گزر۔۔۔۔وہ عورت اپنے دماغ کی گندگی انڈیل کر گئی ہے یوں خود کو
تکلیف مت دے" گلناز نے لرزتی آواز نے سنگ شاویز کا چہرہ تھامے اسکی
پیشانی چومی مگر وہ پتھر سا تاثر دیے ایک دل چیرتی شرمندہ نظر پیارے بابا
پر ڈالتا ہوا سبک روی سے اپنے کمرے کی سمت گیا اور دروازہ اس قدر زور
سے بند ہوا کہ وہ دونوں میاں بیوی دل تک دہل گئے تھے۔

"یا اللہ میرے بچے کو حوصلہ دیں، گلناز اسے دیکھو جا کر۔ اللہ ایسے بدبخت
لوگوں کو ہدایت دے" اسد صاحب خود ان الفاظ کی تپش سے کانپ اٹھے
اور گلناز تو اب واقعی سخت روئی سی غمناک ہو کر کمرے کی سمت بڑھیں مگر
کافی بار دستک کے باوجود شاویز نے دروازہ نہ کھولا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کچے صحن میں بیٹھے تین خاموش افراد جن میں ایک سادان، دوسرے امام مسجد اور تیسرا محمود نامی گاوں کا نائی تھا جو چہرے پر کپکپی طاری کرتا خوف لیے اب اپنے ہاتھ باندھ کر عاجز سے غم میں تھا۔ شہتوت کے درخت کی ٹھنڈی چھاوں دونوں چارپائیوں پر سایہ کیے ہوئے تھی اور کچھ فاصلے پر دروازے کی اوٹ پر کھڑی بلقیس اور رمشہ جس کے چہرے پر سخت حقارت تھی اور وہ باہر جانے کی کوشش میں تھی جسے بلقیس نے لگام ڈال رکھی تھی۔

سادان نے ساری صورت حال سچ سچ نائی محمود کو بتا کر اپنا مدعا بیان کیا تھا۔ سائیں چھوٹا منہ بڑی بات، ہم تو کمی کمین ہیں۔ یہ رشتہ صرف تباہی ہے، " بڑے سائیں کو اگر پتا چلا تو وہ میری اور میری معصوم پتری کی قبریں کھود ڈالیں گے۔ ہم پر رحم کریں" وہ مسکین تو اس بات پر اپنے ہاتھ جوڑ کر سسک پڑا اور دوسری سمت سر پر اچھے سے دوپٹہ اوڑھتی رمشہ بلقیس سے اپنا ہاتھ چھڑوا کر سخت مشتعل ہو کر ان سب کے سامنے آچکی تھی اور

سادان جانتا تھا وہ سخت برہم ہے اور اسکا باپ اگر مان بھی جائے تو وہ اتنی آسانی سے نہیں مانے گی۔

ہم آپکی بہت عزت کرتے ہیں سادان سائیں، لیکن آپکا وہ بھائی ایک نمبر کا" لفنگا اور بے غیرت ہے۔ میں مر جاوں گی پر اس سے نکاح نہیں کروں گی۔ بابا میر اگلاد باد و پر اللہ کا واسطہ مجھے اس درندے سے بچالو" رمشہ جو نڈر اور تیکھے حسن سے مالامال سی اک نازک لڑکی تھی، وہ اس ستم پر چپ نہ رہ سکی اور اسکی ناپسندیدگی اور تکلیف سادان اور امام صاحب دونوں نے محسوس کی جواب رو دی تھی۔

میرے بچے تمہیں اس درندگی سے بچانے کے لیے ہی نکاح کیا جارہا ہے، " جلد بازی سے مت سوچو۔ وہ واقعی سچے دل سے تم سے نکاح چاہتا ہے اور اپنے بھٹکنے پر شرمندہ بھی ہے" امام صاحب خود ہی معاملے کی نازکی بھانپ کر اٹھے اور اس زرا زرا کپکپاتی ہوئی تکلیف میں ڈوب کر بابا کے ساتھ لگی رمشہ کے سر پر ہاتھ رکھا مگر وہ کسی صورت تیمور کے لیے راضی نہ تھی۔

بلقیس بھی اب پریشان حال اس معاملے سے الجھی ہوئی تھی۔

"رمشہ بچے، ایک بار مجھ پر بھروسہ کر کے دیکھ لو۔ تم جانتی ہو اسے بہکنے کی پوری سزا دی ہے میں نے، وہ اب سلجھ چکا ہے اور اس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ کچھ سال تک، وقت سے پہلے کوئی بد تہذیبی نہیں کرے گا۔ تمہاری وجہ سے اس لاپرواہ نے اپنی رکی تعلیم شروع کر لی ہے، میرے بچے ایک بار تسلی سے سمجھو بات کو" سادان اب خود ہی بے حد ملائم اور شفقت سے مزین انداز کے سنگ رمشہ کی سمت دیکھ رہا تھا جو بہت زیادہ تکلیف سے اٹی ہوئی تھی۔ وہ دن اسے کبھی نہیں بھول سکتا تھا جب وہ رسوا کرنے کا ارادہ باندھ کر اسے بے آبرو کرنے والا تھا۔

"ماں جا رمشہ پتر، سائیں تیری حفاظت کا قصد باندھ رہے ہیں" بلقیس جو خود اس صورت حال میں سادان کی رازدار تھی، اب رمشہ کے سر پر ہاتھ رکھے تاسف اور گزارش سے بولی جس پر وہ اپنی آنکھیں بے دردی سے

رگڑ کر بابا کو غمناک سرخ آنکھوں سے دیکھنے لگی جو اسے سائیں کی بات ماننے کا کہہ رہے تھے۔

مجھے اس سے نفرت ہے، امام بابا آپ بتائیں کہ کیا نفرت ہو تو نکاح کر لینا" چاہیے۔ وہ درندہ مجھ سے میری عصمت چھیننے والا تھا اور اب بھی وہی کرے گا بس اب اسے لائسنس مل جائے گا۔ آپ سب ہم غریبوں پر رحم کریں" رمشہ کی بات ایک لمحے میں ان چاروں کو لاجواب کر گئی تھی اور رمشہ سادھی اور سیدھی لڑکی نہ تھی کہ کوئی گائے بکری کی طرح جس سمت ہانکتا اس سمت چل پڑتی۔

نفرت کی بات الگ ہے بچے لیکن جب عزت کی حفاظت کا کوئی وعدہ" دے تو انکار کرنا بھی اچھا نہیں۔ اس بچے پر بری صحبت کا اثر تھا جواب ہٹ رہا ہے جسکی ایک وجہ تم سے نکاح ہے کیونکہ وہ تمہیں پسند کرتا ہے۔ اس نے گھر میں پہلے بھی نکاح کی بات کی جسے بے دردی سے رد کیا گیا اور معاملہ بگھڑ گیا۔ وہ تم سے کوئی بدسلوکی نہیں کرے گا" سادان سارا کچھ

پہلے ہی امام صاحب کو بتا چکا تھا اور ایک وہی تھے جو رمشہ کو قائل کر سکتے تھے اور اس بات پر رمشہ کو بھی حقیقی دھچکا لگا تھا۔ پسند والی بات اسے کسی صورت ہضم نہ ہوئی تھی، اور گھر بات کا ذکر واقعی رمشہ کو صدمے میں غرق کر گیا۔

وہ سامنے ہوتا تو یقینا رمشہ اسکا سر توڑ دیتی یا منہ نوچ لیتی مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ انکار پر کل کی بربادی وہ اسکی آج کرے گا اور اپنے بابا کی آنکھوں میں وہ اپنے لیے دکھ کا سوچ کر ہی لرز اٹھی تھی لہذا کچھ دیر کی دردناک سوچ بچار کے بعد اس نے سخت تکلیف میں اور تیمور کے لیے اپنی نفرت کئی گنا مزید بڑھا کر ہاں کہہ دی مگر وہ کہہ کر کمرے میں بھاگ گئی کیونکہ اسے اپنی بے بسی پر ماتم کرنا تھا۔

جمعے کو بعد نماز عصر سرحد کی مسجد میں ہم دونوں کا رازداری سے نکاح" کروا دیں گے، آپ فکر مت کریں محمود بھائی۔ یہ سادان کی کہی بات ہے اور اس بچے کو اللہ مدد دیتا ہے اس لیے ناامید مت ہوں" امام صاحب نے

آخر کار معاملہ طے کروا کے ساتھ ساتھ اس سہمے باپ کو تسلی دی جسکے بعد سادان بھی انھیں گلے لگانے آگے بڑھا جو اس بوڑھے کو واقعی حوصلہ دے گیا۔

آپکی بیٹی کو وقت آنے پر حویلی میں اسکا پورا مقام دلواوں گا، اس لیے آپ" مجھ پر بھروسہ رکھیں۔ مجھے ان جنگوں کو لڑنے کے لیے آپ جیسے گاوں والوں کا ساتھ درکار ہے اور آج آپ نے اور رمشہ نے میری بات مان کر میرا مان بڑھایا ہے بہت شکر گزار ہوں "سادان کی باتیں واقعی ایسی تھیں کہ آگلا یقین کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا اور یہی ہوا۔ سادان، بلقیس اور امام صاحب جس نیک مقصد کے لیے گئے وہ خوش اسلوبی سے طے پا گیا اور کچھ دن بعد نکاح رکھ دیا گیا تھا اور اس خبر سے تیمور کو واقعی نئ زندگی ملی۔ پہلے تو اسے سادان کی بات پر یقین نہ آیا مگر پھر اک الگ سی لذت آمیز خوشی نے تیمور پر پہلی بار اپنا بسیرا کیا۔ شاید کچی عمر کا پکا عشق ہی تھا یہ، جس نے تیمور کو الجھا کر حصول کے لیے غلط طرف مائل کیا تھا۔ ممکن تھا وقت

گزرنے کے ساتھ ساتھ تیمور کے یہ جذباتی احساسات نکھر کر سامنے آتے کے کئی امتحان باقی تھے کیونکہ اسے رمشہ کا سائیں بننے سے مگر ابھی اس پہلے اسکی بے حد نفرت سہنی تھی جس کے وہ لائق بھی تھا۔ ہر گناہ اور غلطی کی تلافی ہو جاتی ہو گی پر بدکاری کی نیت تک کی سزا طے ہے جواب اسے رمشہ محمود دینے والی تھی جو قسمت کے ستم میں پس کر جلد رمشہ تیمور چوہدری بننے والی تھی۔

ایک بار پھر اس نکاح کو خفیہ رکھا جانا تھا اور یہی اس وقت کی ضرورت تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس روز پھر سارا دن شاویز نے خود کو بند رکھا اور اس عورت کے کہے زہریلے لفظ شاویز کے اندر اتر کر زہر پھیلاتے رہے۔ وہ تو اپنا آدھا کام

سرانجام دے کر سینہ ٹھار کر لطف لے رہی تھی، آدھا کام مکمل ہوتے ہی اب اسکی ساری منصوبہ بندی اپنے بقیہ آدھے کام کی تکمیل کی طرف تھی جسے وہ بہت جلد سرانجام دینے کا عہد لے چکی تھی۔

گلناز تو بیٹے کے ساتھ ساتھ سہمی سی فلذہ کو بھی حوصلہ دیتیں رہیں مگر شاویز کا یہ خود پر ہر شے بند کرنے کا سلسلہ اگلے دن بھی جاری رہا۔

سادان نے فلذہ کو کال کی مگر گلناز نے اسے گھر ہونے والی روداد کا ذکر نہ کرنے کا کہا مگر یہ بات زیادہ دیر چھپی نہ رہ سکی کیونکہ شاویز نے اگلے دن بھی نہ کمرے سے باہر نکلنے کی زحمت کی نہ ہی کومل اور سادان کی کوئی کال لی اور پھر مزید اگلے دن وہ چپ چاپ بنا کسی کو بتائے واپس جاب پر چلا گیا۔

وہ انجیل کے کہے لفظوں سے بہت دکھی تھا، اسکے باعث کوئی اسکے ماں باپ کی عزت یوں اچھال گیا اور وہ تمیز کا دامن پکڑے منہ دیکھتا رہا۔ وہ گلناز اور اسد سے نا چاہتے ہوئے بھی شرمندہ تھا، اسکے نازک دل پر وہ گھٹیا عورت بجلی گرا کر جلا گئی تھی۔ سادان اور کومل سے بات کرنے کی نہ اس میں

ہمت تھی نہ تاب، کیونکہ وہ خود کو اس عورت کی زبان سے ایسا گھٹیا سن کر دلبرداشتہ تھا۔

وہاں سادان اور کومل دونوں ہی شاویز کے ایسے خاموش رویے پر حیران تھے اور کومل تو سخت رنجیدہ تھی کیونکہ شاویز اسکی کال کاٹ دیتا تھا اور اس نے کومل کے کیے میسجیز کا بھی کوئی جواب نہ دیا۔

سادان، یہ شاویز اتنے دن سے کوئی جواب نہیں دے رہے۔ پلیز آپ پتا" کیجئے ناں مجھے بہت پریشانی ہو رہی ہے" آخر جب اس نازک پری کی برداشت دم توڑ گئی تو کومل نے سادان کو یہ سب بتایا تو وہ بھی جس چیز کو ہلکا لے رہا تھا پھر تشویش ناکی سے پرکھنے لگا اور شاویز کے بجائے اس نے گھر کال کی۔ پہلے تو گلناز ٹالتی رہیں مگر پھر وہ سادان کے اصرار پر اس کو سب بتا کر صدمے میں غرق کر گئیں۔

سادان نے یہ بات سن کر اپنا غصہ جس طرح برداشت کیا یہ وہ جانتا تھا یا اسکا اللہ۔ اس سب درندگی کے بعد اسے کومل بھی حویلی میں غیر محفوظ لگی

اور سادان نے کومل کو شاویز کے گھر مستقل چھوڑ کر آنے کا فیصلہ لیا جس پر کرمان اور سلطانہ نے فوری رضامندی دی۔ انجیل سے بات کرنا سادان نے بعد پر چھوڑا اور اسی روز پہلی فرصت میں ایک بار پھر لاہور روانگی پکڑی۔ سادان کومل کو لے کر پہنچا تو پتا چلا کہ شاویز کچھ دن سے جاب پر ہے تو وہ کومل کو وہیں دروازے سے ہی چھوڑ کر سیدھا اپنے اور شاویز کے فلیٹ گیا اور دروازہ شاویز نے کھولا اور اپنے سامنے سادان کو دیکھ کر وہ وہیں جم گیا۔ دونوں کی آنکھوں میں لاتعداد سے ان کہے شکوے اور رنج تھے۔ شاویز اتنے دن بعد بھی خود کو نارمل نہ کر پایا، اور سادان کو برہم دیکھ کر وہ مزید بجھتا ہوا گھر کے اندر بڑھ گیا۔

"وہ بڑے افسوس کی بات ہے، تُو میرے ساتھ ایسا سلوک کرے گا اب" جو دروازہ کھولے اندر بڑھا تو سادان نے اس بے حسی پر اسے بازو سے پکڑ کر گھمائے اپنے سامنے لائے استفسار کیا جسکی آنکھیں سرخ انگارہ تھیں۔

مجھے کچھ ٹائم اکیلا رہنا ہے، جب تک وہ تکلیف ہضم نہ کرلوں" شاویز"

سخت تکلیف میں تھا اور سادان نے نہ آو دیکھا نہ تاو، پکڑ کر اس روٹھی محبوبہ کو سینے سے لگا لیا۔

تجھے اکیلا کردوں تو اسی روز جان نہ نکل جائے میری، بڑا ہی بے فیض " ہے۔ دادی کی خصلت جانتا تو ہے، لے ہاتھ جوڑ رہا ہوں۔ اس تکلیف کا ازالہ ناممکن ہے پھر بھی معاف کردے۔ میری تو چھوڑ، اس معصوم کو کس بات کی سزا دے رہا ہے جو تیرے اس رویے سے آدھی ہو گئی ہے"

سادان کسی بھی طرح شاویز کے سامنے آج بڑا نہ تھا، وہ دادی کے کہے غلیظ لفظوں کی خود معافی مانگ رہا تھا کیونکہ دادی کے کہے لفظ سادان کے لیے بھی ناقابل برداشت تھے۔

کومل کے ذکر پر ایک بار پھر شاویز کا سینہ پھٹ گیا تھا اور اسکا درد صاف صاف اسکی آنکھوں میں درج تھا۔

سادان میرا دل کٹ گیا ہے یار، میرے ماں باپ کی اتنی زلت وہ بھی" میرے باعث۔۔۔۔۔ نہیں ہے مجھ میں اتنا حوصلہ کہ ان لفظوں کو سینے کے پار کر سکوں "آج شاویز تکلیف کے دہانے پر کھڑا تھا تو سادان اسکا ہر دکھ بہت اچھے سے سمجھ رہا تھا۔

جانتا ہوں۔ پر اس وقت تجھے میری طاقت بننا ہے۔ دادی کو اس نکاح کا" علم کیسے ہوا میں نہیں جانتا مگر انکے اندر اس سے زیادہ زہر اور گند ہے جہاں تیری سوچ بھی نہیں جاسکتی ہے، میں جانتا ہوں اس عورت کی سچائی جسے دادی کہتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔ تجھے میرے سامنے یا کومل کے سامنے کم از کم ان کے کہے ان نازیبا اور گندے الفاظ پر یوں بے حال نہیں ہونا چاہیئے، کومل تیرا دل تو میں تیری جان۔ بھلا ہم سے کیسئ دوری اور کیسا فرار۔ میں تجھ سے، بابا اور امی سے ہاتھ جوڑ کر اس ذلت کی معافی مانگوں گا پر گھر چل "سادان کا دل اپنا کٹ کر دردناک ہو چکا تھا مگر اس وقت اسکے

لیے شاویز کی تکلیف دیکھی نہ گئی اور وہ مسلسل کربناک ہو کر بے حال ہو چکا تھا اور سادان اسکا چہرہ تھامے التجاء کر رہا تھا۔

مجھے نہیں جانا" شاویز مسلسل فرار کیے انکاری تھا۔"

ایویں نہیں جانا، کومل کو لے آیا ہوں رخصتی کروا کے، اب وہ تیرے" ساتھ رہے گی۔ کیونکہ اب وہ حویلی اس کے لیے بھی خطرہ ہے۔ میرے یار دوبارہ ایسامت کرنا، بس کر یہ خود کو اذیت دینا۔ چل فورا میرے ساتھ سب تیرے منتظر ہیں خاص کر تیری جند جان سی زوجہ جسے تو نے مفت میں ٹارچر کیا ہے، یقین کر اتنی سی ہو گئی ہے پریشان ہو ہو کر" سادان کی تاسف سے کہی بات شاویز کو ہلا گئی۔، وہ ہر ممکن کوشش کیے شاویز کو اس سچویشن سے نکالنے کے لیے ہر طرح کا انداز اپنائے رسانیت اور لاڈ سے کہہ کر اسے پر سکون کر رہا تھا۔ کومل سے تو وہ بات تک نہ کر پا رہا تھا اور یہ سادان رخصتی کروا لایا تھا جس پر شاویز کا رہا سہا حوصلہ بھی چیخ گیا۔ وہ اس وقت کسی کا سامنا نہیں چاہتا تھا مگر شاویز کا کوئی انکار پھر سادان کے سامنے

نہ چلا اور وہ اسے لیے اسی لمحے گھر روانہ ہو گیا۔ انجیل بیگم کی گھٹیا چال ناصرف بے نقاب ہوئی بلکے ناکام ہو کر شاویز اور کومل کو مزید قریب کر گئی۔ اور فلذہ نے تو بس ابھی سادان کے آنے کا سنا ہی تھا کہ چہرے پر بہاروں کو مات دیتے رنگ سجا چکی تھی اور جب اسے پتا چلا کہ کومل اب یہیں رہے گی تو محترمہ کی خوشی دیدنی تھی۔ پر فی الحال کومل بہت پریشان تھی، لہذا سادان اور شاویز کا انتظار کرتے وہ سب چہرے ابھی بجھے ہوئے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"میں آپ سب سے دلی شرمندہ ہوں امی، ابو۔۔۔ پردادی آجکل ایسی ہی سفاک اور بدلحاظ ہو چکی ہیں اور انکے لیے فی الحال جاتی بادشاہت اہم ہے۔ میں جانتا ہوں انکے کہے زہر سے سنے الفاظ کا مداوا ناممکن ہے مگر پھر

بھی آپ میری خاطر در گزر کر دیں" سادان اس سب پر حقیقتاً شرمندہ تھا مگر شاویز کے حواس ابھی بھی شل تھے اور کومل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ یہیں شاویز سے لپٹ جائے جو اسے بنا کسی جرم کے سزا دے رہا تھا۔

سادان کی معذرت پر وہ دونوں دل بڑا کیے وہ زہر فراموش کر گئے مگر شاویز ابھی بھی سخت خفا سا اٹھ کھڑا ہوا۔

میں وہ سب بھول نہیں پا رہا یار، میرے سامنے میرے والدین کی ذلت ہوئی۔۔۔ مجھے کچھ وقت چاہیے" شاویز اپنی جگہ درست تھا اور کومل بھی روئی سی شاویز کا اسکو یکسر نظر انداز کرنا سہہ نہ پائی اور سادان اب اٹھ کر شاویز تک آیا اور پیار سے اسکا سرخ چہرہ تھاما جو دہک رہا تھا۔

"تیری ہر بات بجا مگر یہ، اسکا کیا قصور۔ میں جانتا ہو تو بہت کم غصہ ہوتا ہے اور اس بار حق پر ہے لیکن کومل سے یوں بے نیازی مت کر۔ یہ اب یہیں رہے گی اور جب دکھ سکھ کا ساتھی بن ہی گئے ہو تو اس کو ثابت کرو" اب سادان بھی تھوڑا خفا تھا، شاویز کا کومل سے ایسا رویہ خود اسد صاحب اور

گلناز کو بھی برا لگا اور وہ دونوں سادان کے اس فیصلے پر راضی تھے کیونکہ اب جب نکاح کی حقیقت کھل چکی تھی تو اصولاً آج بس رسمی سی رخصتی کیے سادان کومل کو یہاں چھوڑنے آیا تھا اور اس بات پر شاویز نے بے بس سی اداسی کے سنگ اس نازک سی نڈھال پری کو اور اپنے جگری یار کو دیکھا جو اسکے لیے بہت پریشان تھا اور بنا کسی کو کچھ کہے کمرے میں چلا گیا۔

سادان نے شفیق سی مسکان سے کومل کی سمت دیکھا جو بس رو دینے کو تھی۔

"جاو، آپس میں یہ جو ہلکی دوری ہے اسے ختم کرو۔ اب تم یہیں رہو اور خوش رہو" سادان نے بے حد رسانیت سے کومل کے سر پر شفیق سا دستِ انس رکھے کہا جو بمشکل تھکی سی مسکان دیے شاویز کے پیچھے ہی کمرے کی طرف چلی گئی جبکہ خود شہزادہ اب امی ابو کے پاس اور اپنی شہزادی کی نظروں کے حصار میں تھا جو اسے رشک سے دیکھ رہی تھی۔ سادان

مطمئین تھا کہ امی ابو نے دل بڑا کر کے اسے معاف کیا مگر شاویز واقعی

بہت ہرٹ تھا۔

کمرے میں جا کر سخت بے اعتنائی ظاہر کرتا وہ پتھر بن کر مڑ کر کھڑا تھا جب دروازے کی دستک پر کومل بے حد رنجیدہ سی اندر آئی اور دروازہ بند کیے چپ چاپ شاویز تک پہنچ کر اپنی بازو اسکی پشت سے سینے تک باندھے ساتھ جا لگی اور وہ خود کومل کے یوں قریب آنے پر دلخراش ہوا۔

مجھے خود سے دور کریں گے تو مر جاوں گی شاویز، اس سب کا مجھے بے حد" رنج ہے پر میں اس سزا کی مستحق نہیں۔ آپ سے دور چلی گئی تو قسم سے سانس آنا بند ہو جائے گا" وہ اپنے ہونٹوں کی چھاپ شاویز کی پشت پر لگائے شدید کرب سے بولی اور وہ بھی اب تکلیف کے دہانے پر کھڑا غمناک ہو کر اپنے سینے پر بندھے وہ نازک ہاتھ ہٹا رہا تھا جسے وہ کملی مزید جکڑ رہی تھی اور رو رہی تھی۔

مجھے اس وقت کسی سے بات نہیں کرنی، میں بہت برے غصے اور دکھ میں "
ہوں۔ میں ان لفظوں کی جلن نہیں سہہ پا رہا، مجھے تکلیف ہو رہی ہے اور
میں نے آپ سے بات نہیں کی کیونکہ غصے میں آپکو کچھ ایسا ویسا نہیں کہنا
چاہتا تھا" کومل اسکے وجود سے لگی اسکے الفاظ کی سچائی سن کر اور درناک
ہوئی جو اسکی بازو پھر سے ہٹانے پر لگا تھا۔

کہہ لیں، کیونکہ آپکی خاموشی مجھے مار رہی ہے۔ میں کوئی غیر تو نہیں "
شاویز، آپکا حصہ ہوں۔ مجھے اتنا پرایا دوبارہ مت کریے گا، پھر آپ مجھے
ڈھونڈتے رہ جائیں گے" کومل خود اتنے سے شاویز کے دور ہونے پر درد
سے اٹ گئی اور اس آخری بات پر شاویز پوری قوت سے اسکے بندے ہاتھ
کھولے ایک ہی جھٹکے سے اسے اپنے سامنے لایا اور وہ شاویز کی غصے سے
سرخ ہوتی آنکھیں دیکھ کر سہم گئی اور اسکے ہاتھ پیر پھول گئے۔

میں آپکو چھوڑ دوں تو خود بھی مر جاوں گا، اور وہ کہہ کر گئی ہیں کہ آپکو مجھ "
سے چھین لیں گی۔ آپ بھی یہی کہہ کر میرا اور درد بڑھا رہی ہیں" شاویز

اسکی بھیگی آنکھوں میں شاکی نگاہیں گاڑے سختی سے بولا جس پر کومل نے اسکے چہرے کو چھونا چاہا مگر وہ فرار کیے ہٹ کر رخ پھیر گیا مگر کومل اسکی بازو پکڑے اپنے مقابل لائی جو اسے کھونے سے خوفزدہ تھا۔

دیکھیں آپکے پاس تبھی آگئی ہوں، لیکن ہرٹ میں بھی ہوں۔ کون ہوں" میں شاویز؟ بولیے" کومل بھی اب برہم تھی پر وہ اب رنج سے نڈھال اسکا چہرہ تھامے اسکی سرخ آنکھیں دیکھنے کے بعد اپنی پیشانی کومل کی پیشانی سے ٹکا گیا۔

آپ میری زندگی ہیں، میں آپکے بنا نہیں رہ سکتا کومل" پیشانی ہٹائے اب وہ اسکے چہرے پر بے قراری سے ہاتھ پھیرتا اپنے ڈر سے ہمکلام ہوا تو کومل یک لخت اس شخص کے گلے سے جا لگی اور وہ بھی جیسے اپنے اس مختصر تلخ دلخراش فرار سے تھک چکا تھا تبھی کومل کے آگے ہار گیا۔

میں آپکو اپنے بنا رہنے کا کہوں گی ہی نہئں، میں آپکے ساتھ رہوں گی۔" مجھ سے خفا مت ہوں بس، اور دوبارہ مجھ سے ایسی بے رخی مت کریے گا

شاویز آئی ریکویسٹ" کتنی ہی دیر وہ اسے اپنی بے قرار بازووں کے حصار میں قید کیے رہا اور پھر وہ حصار ٹوٹا تو دو چہرے دلفریبی سے ایک دوسرے سے ہمکلام ہوئے۔ دونوں کے چہرے بوجھل تھے پر ایک دوسرے کا ساتھ مل جانا دونوں کو پر سکون کر گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مجھے اب جانا ہے پرنسس، ورنہ میری غیر موجودگی سے وہ لوگ فائدہ اٹھا کے نا جانے کونسا نیا محاذ کھول دیں" وہ کمرے سے اپنی گلاسز، اور گاڑی کی چابی لینے آیا تو فلذہ جو ساداں کے یوں اچانک آنے پر کھل اٹھی تھی اب تھوڑی اداس سی بظاہر سر ہلا رہی تھی پر ساداں کے چہرے پر مسرت کی تیز لہر حسین ترین ابھری جب وہ اسے شانوں سے پکڑے اپنے بلکل سامنے کھڑا کیا مسکرایا۔

...سات رنگوں کی قسم، تو میرا رنگ ہشتم"

میں تیرے رنگ میں رنگتے ہی سنور جاتی ہوں" فلذہ ان پیاری آنکھوں میں دیکھتی ہوئی سوچ رہی تھی، وہ تھا ہی پیارا پر آج جیسے اس نازک سانولی کو دنیا کا سب سے بڑا حسین دیکھائی دیا اور اس پر یہ خوش قسمتی کہ وہ حسین صرف اسکا تھا۔

وائیٹ فراک اور اس پر پیرٹ بہت پیارا دوپٹہ اور بال آج بھی ڈھیلی سی پونی میں قید اسکی کمر تک لہرا رہے تھے اور محترمہ نے دوپٹہ اپنے شانوں پر پھیلا کر سینے پر باندھے ہاتھ اب سادان کے سینے پر رکھے پٹ سے اپنی بڑی بڑی جھکی آنکھیں سادان کی نگاہوں میں گاڑ دیں جو اسے بہت پیار سے دیکھ رہا تھا۔

کیا ہو گیا، اداس ہو گئی میری چاکلیٹی پرنسس" ساداان اب اپنی دونوں" بازو اس نازک سی پتلو کے گرد باندھے لاڈ سے بولا جس پر وہ یک ٹک ساداان کو تحیر سے کھلی آنکھوں کے سنگ دیکھ رہی تھی وہ اسے اس دنیا کا سب سے پیارا انسان لگتا تھا۔ کتنا پیارا تھا وہ، سرخ و سفید سا۔ اسکے چہرے پر اک نور تھا، وہ نور جواب فلذہ پر بھی اتر رہا تھا

آپ نے کہا تھا آپ ملنے کا طریقہ گوش گزار کریں گے اور ملاقات پر" آپ نے جواب بھی تو دینا تھا" اتنی ساری ٹینشنز میں ساداان کو تو بھول ہی گیا پر کمال آفرین بندی تھی جو ساداان کا کہا حرف حرف یاد رکھے ہوئے تھی اور اس بات پر ساداان واقعی اس نازک سی سانولی پر اپنا سب وار دینے کی چاہت کر رہا تھا۔

لڑکی تم تو بڑی خطرناک ہو، مجھے لگا تم شرمیلی سی ہو" ساداان کا اپنا چہرہ" شرم و حیا اور حسین سی دلفریبی سے رنگ پکڑ چکا تھا تبھی وہ شرارت سے

فلذہ کو دیکھتے بولا جو بس مدھم سا مسکرائی مگر اسکی آنکھیں تو سادان سے کچھ اور ہی تقاضا کر رہی تھیں۔

"مجھے آپ سے شرم نہیں آ رہی ابھی" سادان کو اس کی سچ سچ سب کہہ دینے کی عادت بہت پیاری لگتی تھی اور وہ چاہتا تھا وہ اس سے یونہی سب کہہ دیا کرے۔

"او مائی گارڈ، پر مجھے تو آ رہی ہے" سادان ابھی بھی احتیاط برت رہا تھا پر وہ بس سادان کی قربت چاہتی تھی اور سادان اسکے ہر انداز سے بخوبی سمجھ رہا تھا۔ سادان کی منصوعی معصومیت پر فلذہ پیارا سا مسکرائی تھی۔

"مجھے آپ کا میرے قریب آنا خوشی دیتا ہے" سر جھکا کر وہ بلاشبہ گھبرائی ہوئی بولی تھی مگر سادان کا تو کام تمام کر رہی تھی۔ وہ بھی جھک کر اپنی بازووں کا حصار تھوڑا بڑھائے دلکش سا ہنسا۔

"مجھے بھی دیتا ہے، پر وہ کیا ہے کہ اتنی مختصر ملاقات کی قربت ہم دونوں کو تنگ کرے گی۔ ایک بار مکمل میرے پاس آ جاو پھر تمہاری ہر خواہش

پوری کروں گا، بن کہے" سادان کی اس سرگوشی نے فلذہ کے انگ انگ میں اجالا بھر دیا اور سادان سمجھ چکا تھا کہ وہ کیا چاہتی ہے جس پر اب وہ شدید حسین مسکرائی تھی۔

کیا آپکو میں ہمیشہ ایسی ہی اچھی لگوں گی، اگر کسی نے آپکو کہا کہ آپکی بیوی" آپ جتنی پیاری نہیں اور آپکے ساتھ اچھی نہیں لگتی تو آپ مجھے چھوڑ تو نہیں دیں گے" فلذہ کا نازک سا دل کیا کیا سوچتا تھا یہ سادان جان کر بس مسکرا دیا اور بہت نازک سا ہونٹوں کا لمس اسکی گال پر اتارا جو اس معصومیت پر اسکا حق تھا۔ وہ تو اس پر بھی گلابی ہو گئی مگر یہ اسکی اولین خوشی تھی اور وہ تذبذب کا شکار ہو کر سادان کو دیکھ رہی تھی۔

تم بہت پیاری ہو لہذا ایسا سوال ہی پیدا نہیں ہو گا، سانولی سلونی سی فلذہ۔" تمہاری یہ بڑی بڑی آنکھیں اس قدر پرکشش ہیں کہ تمہیں خود اندازا نہیں کہ اللہ نے تمہیں کتنا حسن دیا اور یہ نازک سے ہونٹ جن پر جب میڈم پنک لپ سٹک لگاتی ہیں تو واللہ آفت لگتی ہیں۔ ویسے آج تم نے لگائی نہیں،

تبھی کہوں یہ آج میری پرنس کے چہرے پر کچھ مسنگ ہے۔۔۔۔۔" سادان تو اسے اس دنیا کی کوئی شہزادی ہی سمجھتا تھا، حالانکہ اب وہ پہلے سے زیادہ چارم فل لگتی تھی۔ گو رنگت سانولی مگر بلا کی شفاف اور معصومیت تو ختم تھی اس میڈم پر۔

فلذہ تو اپنی یہ تعریف سن کر ہواوں میں تھی، سادان اب اسکا ہاتھ پکڑے ڈریسنگ تک لے کر گیا تو وہ حیرت سے تب ہنسی جب سادان نے پنک لپ سٹک اٹھا کر ایک بازو سے فلذہ کو پکڑ کر سامنے کیا۔

میں نے لگائی تھی پر کھا دی شاید" فلذہ کی اس بات پر سادان نے قہقہہ لگا کر اسکی ناک دبائی۔

کھانا تو تم سے کھایا نہیں جاتا، چڑیا جتنا تو پیٹ تمہارا اور لپ سٹک کھا جاتی" ہو۔۔۔ چلو میں یہ فریضہ آج پہلی بار نبھانے لگا ہوں" سادان کو یوں لپ سٹک پکڑ کر قریب ہوتے دیکھ کر وہ بھی منہ پر ہاتھ رکھ کر کھکھلا اٹھی جس پر سادان نے اس ہنسی کی تا عمر سلامتی کی دعا کی۔

آپ کو لگانی آتی ہے سائیں" فلذہ کی بتیسی باہر تھی اور سادان فرضی کالر جھاڑے خود بھی ہنس رہا تھا۔

نہیں جان لگانی تو مجھے زرا نہیں آتی پر پہلا تجربہ ہی سہی، چلو منہ کو زرا کھولو پر دھیان سے زیادہ بھی نہیں کھولنا ورنہ مکھی چلی جائے گی" سادان نے گدگدی دیتے تاثر کے سنگ اس نڈھال پری کی رہی سہی طبعیت بھی ہنسا ہنسا کر بحال کر دی جوان چند دنوں میں ہلکی ہلکی تپش کے زیر اثر تھی اور پہلی بار جناب نے بہت ہی نفاست سے اسکے پیارے سے ہونٹوں پر وہ مدھم سے گلابی رنگ کی لپ سٹک لگائی تو فلذہ کا دل چاہا اس بندے کو واقعی خود میں کہیں چھپا لے اور دور نہ ہونے دے۔ تپتے صحرا میں سادان اسکے لیے ہوا کا نرم جھونکا یا ساون کی گھٹا تھا۔

اب وہ ہونٹ کے نچلے طرف زرا سی باہر نکلی لپ سٹک اپنے ہاتھ سے ہٹا کر اپنی پاکٹ سے اپنا فون نکال چکا تھا جس پر فلذہ اور زیادہ دلفریب مسکرائی اور یوں ایک کلک سے دونوں کی مسکراتی تصویر کیمرے کی زینت بنی۔

تم اسے میرے سامنے لگایا کرو بہت پیاری لگتی ہے،اب یہ بتاو طبعیت" کیسی ہے۔ ویسے بخار تو ابھی بھی تھوڑا ہے۔اپنا دھیان رکھنا،اور یہ جو ہوا تھا اس روز اس کی ٹنشن نہیں لینی۔ میں سب ہینڈل کر رہا ہوں،اور اب کومل چونکہ یہیں رہے گی تو تمہاری اداسی بھی کم ہونے والی ہے"سادان ایک ہی ساتھ نرمی اور محبت سے اب اسکی گال پر ہتھیلی لگائے پوچھ اور بتا رہا تھا اور وہ فرمابرداری سے سر ہلائے بس سادان کو دیکھ رہی تھی۔

مجھے بھی کومل باجی کی طرح اپنے سائیں کے پاس رہنا ہے"فلذہ نے بلا" جھجک فرمائشِ خاص سامنے دھری اور اب ایک پیارا سا حصار میں لپٹا پیار کا جھونکا تو بنتا تھا اور اگلے ہی پل وہ سادان کی حدت اور مہکار سے مزین بازووں میں اسکے سینے کا حصہ بنا دی گئی۔

قربان جاوں تمہاری اس خواہش پر،بہت جلد" وہ تو خود یہی چاہتا تھا مگر" حالات تھے کہ مستقل دونوں کے ساتھ کو سازگار نہ تھے۔

مجھے بہت انتظار ہے "فلذہ کی یہ باتیں سادان کے حقیقی سکون کا باعث

تھیں اور اللہ پاک بھی دونوں کے سکون میں کمی ہونے نہ دیتے تھے اور اگلی

ملاقات کی سبیل کر دیتے تھے۔

اتنی کیوٹ بھی مت بنو فلذہ، تمہارے سائیں نے یہیں بہک جانا" سادان

جان بوجھ کر نازک سچویشن میں شرارت اوڑھ کر بچت کی راہ اختیار کرتا اور

اب فلذہ کی ننھی منھی گرفت سادان کے گرد اس قدر ٹائٹ تھی کہ خود

سادان اس لڑکی کی اس والہانہ عقیدت پر نثار سا ہوا۔

آپ کا قصور ہے، آپ ہیں ہی اتنے پیارے "فلذہ کے منہ سے سچ تو فوری

پھسلتے تھے اور اب وہ اسکے روبرو ہو کر اسے واقعی بہکا رہی تھی۔

دونوں کی آنکھیں ایک سی چاہت میں چور تھیں۔

اہمم اہمم لگتا ہے میڈم نے مجھ معصوم کو اس بار ڈبل یاد آنا ہے، چلو اب "

جانے دو مجھے "سادان اب اسکا چہرہ ہاتھوں میں پکڑ کر گالوں سے دبائے

پہلے سنجیدہ اور پھر اجازت طلب ہوا تو فلذہ نے بھی مسکرا کر فرمابرداری دیکھائی۔

خیر سے جائیں اور جلدی آئیں "آنکھوں میں سچا قرب سجائے وہ سادان کو" خوشبو میں لپیٹے بولی تو سادان نے اسے ایک ہی بازو سے پکڑ کر قریب کیا اور اسکی دونوں آنکھوں پر بھاری بھاری محبت سے بوسہ دیا جس پر وہ ایک پل کو گھبرا سی گئی مگر پھر اتنے پیارے اظہار پر انگ انگ سے مہک اٹھی۔

بہت محبت کرتا ہوں تم نے، خاص کر ان آنکھوں سے جو مجھے بھی میری" من پسند چاہت سے دیکھتی ہیں۔ اپنا خیال رکھنا، اللہ حافظ "سادان کا لفظ لفظ چاہت کے شیرے میں ڈوبا ہوا تھا اور وہ بے حد مان سے اظہار محبت کرتا ہوا اسکی گال تھپکائے اپنی گاڑی کی چابی اور گلاسز اٹھائے کمرے سے باہر نکل گیا اور وہ پگلی جہاں کھڑی تھی وہیں سے مڑ کر آئینے میں خود کو سادان کی نظر سے دیکھ کر حسین ترین مسکرا دی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"آپ ٹھیک ہیں" آج وہ پورے حق سے شاویز کے کمرے میں اسکے ساتھ ایک بستر پر اسکے بے حد قریب تھی جب وہ اسکے سینے پر سر رکھے اس پر بازو لپیٹے آنکھیں بند کیے ہوئے تھا اور وہ جو نیم دراز ہوئے اپنی بازو شاویز کے گرد حائل کیے دوسرے سے اسکے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی جھک کر بولی جس پر شاویز نے اسکی کمر کے گرد ڈالی بازو مزید جکڑ لی تو وہ گھبرائی سی مسکرادی۔

وہ بلکل چھوٹا سا روٹھا بچہ لگ رہا تھا اور کومل اسکے ہر انداز پر فدا تھی۔

"آپ پاس ہیں تو میں بلکل ٹھیک ہوں" محبت میں لاڈ بھی کوئی کوئی اٹھاتا ہے، اور وہ تو چاہتی ہی یہی تھی کہ شاویز کو یونہی افضل مقام دے۔ اسکی ہر تکلیف اسکے بالوں میں انگلیاں پھیر کر جذب کرلے اور وہ بھی ان زہریلے الفاظ کو بھولنے کی ہر ممکن کوشش میں تھا۔

دادی نے آپ نے کیا کہا شاویز، مجھے بتائیں" کومل ان ہتک آمیز الفاظ کو" جاننا چاہتی تھی جس نے شاویز جیسے ہنس مکھ اور زندہ دل کو بجھا سا دیا تھا۔ شاویز نے ایک تھکن زدہ سانس لی اور اپنا سر اٹھا کر سیدھا ہو کر بیٹھا تو کومل جو نیم دراز تھی، اٹھ کر اپنا رخ بے تابی سے شاویز کے بوجھل چہرے کی سمت کر گئی تھی جو ابھی بھی شکن آلود پیشانی کے سنگ اندر سے سلگ رہا تھا۔

میں وہ الفاظ بھولنا چاہتا ہوں، مجھ سے بتایا نہیں جائے گا" یوں لگا وہ بہت" زیادہ پریشان تھا اور کومل اسکی یہ حالت خواب میں بھی برداشت نہ کر سکتی تھی تبھی اپنا ہاتھ شاویز کے ہاتھ میں ڈالے اسکے کندھے سے خود کو ٹکا کر سر ہلا گئی جس پر شاویز نے اب اپنی بازو اسکے گرد حائل کی تو دونوں کی نظریں چار ہوئیں۔

سب بھول جائیں، یہ دنیا بہت ظالم ہوتی ہے۔ آپ یوں اداس مت" ہوں، دادی بہت بے رحم ہیں اور انہوں نے جو کچھ کہا میری خاطر بھول

جائیں۔آپ میری زندگی کی سب سے بڑی آسانی ہیں، مجھے آپکا مسکرانا عزیز ہے۔اور کبھی آپ سے دور نہیں جاوں گی، بس آپ اس بار در گزر کر دیں'' کومل اب بہت پیار سے شاویز کے چہرے پر اپنی ہتھیلی رکھے ملائم پن سے بولی تو وہ اب پوری سچائی سے یہ کڑوا گھونٹ نگلنے پر راضی تھا۔

ٹھیک ہے کوشش کروں گا'' اپنے چہرے پر کومل کا ہاتھ پکڑ کر ہونٹوں'' سے چھوئے وہ اپنی اخیر کوشش کرنے کا قصد کر رہا تھا اور اب کومل سچا مسکرا کر شاویز کو دیکھ رہی تھی جو اسے اداس ہو کر بھی اپنی سمت مائل کر رہا تھا۔

شاویز ان نظروں کا مفہوم سمجھ کر خود ہی اپنی ساری تلخی معدوم کیے کومل کو بیڈ پر لٹائے خود بھی اس کی سمت کروٹ کیے لیٹا مگر نظروں کے تقاضے ہنوز بہت کچھ چاہ رہے تھے۔

میں بہت خوش ہوں کہ اب آفیشلی آپ کے ساتھ رہوں گی، اتنی خوشی'' ہے کہ بتا بھی نہیں سکتی'' کومل کو شدید پیار اگا جب وہ کومل کی بازو کھول

کر اپنا تکیہ بنائے اس پر سر رکھے مسکرایا اور اس وقت دونوں کی مسکراہٹ بے انتہا پاکیزہ اور سچی تھی۔

کومل اسے اس انوکھے انداز پر اب کچھ اٹھ کر شاویز پر جھک کر اسکی پیشانی پر اپنے مقدس لمس کا جھونکا اتارا اور وہ تو اس تاثیر پر اپنی آنکھیں بند کیے مخملی سا مسکرایا۔

مجھے بھی خوشی ہے، اب آپ سے دور رہنے کا جبر نہیں ہے "شاویز اسکی" نازک بازو پر زیادہ بوجھ ڈالنا مناسب نہیں سمجھ رہا تھا لہذا ایک ہی ہوا کے معطر جھٹکے سے وہ محترم کے وجود کا حقیقی حصہ بنا دی گئی۔

تو پھر دور کیوں ہیں، قریب کر لیں "کومل نے لجائے پن سے حیا میں" لپٹ کر شاویز کے سینے پر رکھا اپنا چہرہ اٹھا کر فرمائشِ خاص کی تو شاویز نے کچھ دیر کومل کے رنگ بدلتے حسن اور وجود کی شادمانی کے سکھ کو محسوس کیا اور پھر پورے حق کے ساتھ اپنی سانسوں میں بسا لیا۔

دل تو دونوں کے اس اچانک افتاد اور برستی برسات کی مانند ہرا کرتی قربت سے بے ہنگم تھے مگر دوری کا اب کوئی جواز نہ تھا۔

وہ اس کی دیوانی تھی تو وہ اسکا محرم، اور جب بیچ میں نکاح اور محبت دونوں ہو، رضا شامل ہو پھر کیسی دوری۔

کومل کا بے ربط سانس کچھ لمحے کو پاگل ہوا اور وہ پھر بھی پوری بے باکی سے شاویز کو دیکھ رہی تھی جواب اپنی محبت مزید مخملی سے رنگوں میں ملا کر برسانے کو تھا۔

"آپ بہت حسین ہیں کومل، اور پر لطف بھی۔ میری زندگی پہلے بھی پیارے سے رنگوں سے مزین تھی پر آپ کا رتبہ بہت زیادہ افضل ہے، جس سے یہ رنگ مزید دلفریب ہوئے ہیں۔ آپ نے جتنی میری تمنا کی ہے، جتنا مجھے چاہا ہے، سب کا صلہ دوں گا" وہ جو قربت خاص کا سوچ کر ہی لرز اٹھی تھی، لمس کے سلسلے کو منقطع کرتا شاویز یہ کہہ کر اسے بھی پاگل کر چکا تھا۔

صلہ نہیں، بس آپ چاہیں۔ ہمیشہ بے حد قریب" گو اس سچویشن میں" لفظ خودکشی کر رہے تھے مگر وہ جانتی تھی شاویز کو وہ سب کہہ سکتی ہے۔

اسے پتا ہے میں دنیا نہیں محبت ہوں۔"

وہ میرے سامنے کچھ بھی نہیں چھپاتی ہے" یہ کہہ کر شاویز نے اسکے چہرے سے پوری خوشی کے سنگ ہمکلامی کرتے ہوئے کومل کی خواہش کا پورے دل سے احترام کیا۔ وہ بھی خوش تھی کہ شاویز کی تکلیف میں کمی کا موہوم ہی سہی پر وہ باعث بن چکی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مسلسل تالی کی طنزیہ آواز پر انجیل بیگم اور درمان کا افشار ہوتا خون پھر سے کھول چکا تھا جب رات کو سادان چہرے پر حقارت اور نفرت اوڑھے دادی کے کمرے میں آیا جہاں وہ درندہ صفت انجیل بھی موجود تھی۔

واہ واہ، ماننا پڑے گا آپ دونوں کی درندگی کو، کوئی ایسا فرد چھوڑا ہے جس" کو آپ نے لفظوں کے گھاؤ یا جسمانی ناسور نہ دیے ہوں۔ آج مجھے شرم آرہی ہے یہ سوچ کر کے میرا آپ دونوں سے کوئی رشتہ ہے۔ بابا سائیں آج آپ کا سادان حقیقت میں مر گیا ہے لہذا فاتحہ پڑھ لیں اور ایک عدد فاتحہ اپنی اس ماں کے ضمیر کے مردہ ہونے پر بھی پڑھیے گا" آج سادان ان دو کا کوئی لحاظ نہیں کرنے والا تھا، جس طرح شاویز تکلیف میں تھا یہ بات سادان ساری زندگی بھول نہیں سکتا تھا۔ سادان کا دل درد میں جا گزیں تھا مگر زرا جوان دو کے چہروں پر شرمندگی کی رمق آئی ہو الٹا درمان اس بد تمیزی پر ہتھے سے اکھڑ کر ایک ہی جھٹکے میں سادان تک پہنچا اور انجیل تو اس وقت دل ہی دل میں اپنے اگلے مشن کی تیاری کا سوچ کر پر سکون تھی۔

اسکا تیر ٹھیک نشانے پر لگا تھا اور انجیل بیگم اپنے آپ کو نیچا دیکھانے والے کو بخشتی نہیں تھی بھلے وہ اسکی پھر اولاد ہی کیوں نہ ہو۔

اپنی بکواس بند کر سادان، تیری یہ بڑھتی بے غیرتی مزید نہیں برداشت کروں گا۔اپنی زبان کو لگام دے اور دفع ہو جا یہاں سے" درمان جو کہیں اندر سے چیخ رہا تھا، ابھی بھی رسی جل کر بل باقی رہ جانے والے معاملات تھے۔

وہ سادان کو آگ کو مات دیتے لہجے میں تضحیک پن کی حد کر رہا تھا مگر سادان کو اب ان دونوں کی شکلیں تک زہر لگ رہی تھیں۔

دفع تو اب میں مرنے سے پہلے نہیں ہونے والا، ابھی بھی وقت ہے اپنے یہ کالے فعل بند کر دیں۔خدا کے قہر کو آواز نہ دیں۔دادی نے شاویز کے گھر جو زہر اگلا ہے میری بددعا ہے وہ زہر آپ دونوں تک پہنچے۔میں بددعا کبھی نہ دیتا پر اس بار میرے دل پر وار کر کے اچھا نہیں کیا آپ نے۔اسکا بھی حساب لوں گا، اب کسی کو سادان نہیں چھوڑے گا" سادان کا جلالی دبنگ انداز درمان کے تو ہوش اڑا گیا البتہ وہ ناگن دادی اب سادان کے حقیقی دل پر وار کرنے والی تھی۔

"ابھی تجھے انجیل بیگم سے ملوایا ہی کب ہے بچے، بس کچھ دن مئیں تجھے ایک اور کمر توڑ بلکے ہستی توڑ دھچکا لگے گا۔ تیری پیاری فلذہ کی موت کا، اب تیرے سامنے اسے میں موت دوں گی اور تو اسکی زندگی کی بھیک مانگے گا پر تیری اتنی اوقات بھی نہیں کہ انجیل تجھے بھیک بھی دے۔ کومل کو بھی وہاں چھوڑ آنے سے یہ بیوقوف سمجھ رہا کہ وہ بچ جائے گی، چچ چچ" وہ یہ زہر اندر ہی اندر اپنے جسم میں اتار رہی تھئ اور سادان کو دادی کا ایسا پر سکون انداز دیکھ کر کہیں اندر سے خوف بھی محسوس ہو رہا تھا کہ کہیں دادی کو فلذہ کے وہاں ہونے کا شک نہ ہو گیا ہو مگر پھر سادان نے اپنے اس خیال کو جھٹک دیا۔

"تو ہمیں قہر سے مت ڈرا، اپنی شکل گم کر۔ پہلے ہی تجھ پر مجھے بہت تپ چڑھی ہے اس لیے بھلائی اسی میں ہے کہ چلا جا ورنہ بے موت مارا جائے گا۔ پیدا ہوتے ہی تیرا گلا دبا دیتا تو اچھا تھا، آج یوں تجھ میں اپنے باپ کو ٹکے کا کرنے کی ہمت نہ ہوتی" درمان آج اپنی نہیں بلکے انجیل کی زبان بول رہا

تھااور سادان سے اب اس کمرے میں سانس لینا محال تھااور وہ مزید کوئی بات کیے دونوں کو آزار دہی اور محسوس کن حد کی نفرت سے دیکھتا باہر نکلا اور اسکے باہر جاتے ہی دونوں ماں بیٹے کی نظریں چار ہوئیں اور دونوں شیطانوں کے چہرے پر کھسیانی خباثت پھیل گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"شاویز، اٹھ جائیں اب۔ آپکو تین بار جگا چکی ہوں اور ایسا لگ رہا کہ میں آپکو صدیوں سے ایسے ہی جگاتی آئی ہوں۔ ناشتہ بھی ریڈی ہے بس آپ کا انتظار ہے، اٹھ جائیں ورنہ میں نے آپکی ناک دبانی شروع کر دینی ہے" پیور بہو بنے ابھی ایک دن بیتا تھااور کومل نے پوری خوش دلی کے سنگ گلنازامی کے ساتھ مل کر صبح کا ناشتہ بنایا اور فلذہ نے چائے بنا کر حصہ ڈالا۔ خود اسد صاحب گھر کی ان دورونقوں پر قربان تھے اور گلناز کی تو پوچھیں مت، ہر

غم اور دکھ بھول کر وہ بس اپنی دلفریب مسکان کے سنگ سب پر اپنا شفق سایہ کیے ہوئے تھیں۔

کومل بھی اب اپنے میاں جان کو جگانے واپس روم میں آئی جو فجر کے بعد پھر سو گیا تھا اور کومل کو اسکا پیارا چہرہ دیکھ کر شرارت سوجھی تو وہ مسکراتی ہوئی کروٹ کے نیچے تکیہ دے کر سوئے شاویز تک آئی اور گدگدی خیز تبسم کے سنگ شاویز کے ساتھ لگ کر بیٹھتے ہی اسکے چہرے پر انگلی رکھے بولی مگر جناب تو آج مزے دار نیند میں اتنی پیاری سی کومل کو بھی بھولے بیٹھے تھے۔

شاویز، بہت سوتے ہیں آپ۔ ناٹ فیئر" کومل اب اپنی بازو شاویز کی بازو" پر ٹکائے اداسی سے اسکا واقعی ناک دباتے بولی جس پر سوتے ہوئے ہی شاویز کے ہونٹوں پر مسکان سجی۔ دراصل رات جناب اتنا سکون تھا کہ نازک سی قربت کے تھوڑے وقت بعد ہی ایک دم ہی گدھے گھوڑے بیچ کر سو گئے اور تبھی کومل اس نیند کے عاشق شوہر صاحب سے لاڈ میں

شکایت کر رہی تھی جواب ہلکی سی کروٹ سیدھی کیے ایک ہی جھٹکے سے کومل کو خود پر گرا چکا تھا۔

دونوں کی نظریں ملیں، وہاں تو ابھی بھی نیند کی خماری تھی پر محبت لٹانے کی پوری تیاری تھی۔ کومل اسکے انداز پر سرخ رو ہو کر بمشکل شاویز کو دیکھ پا رہی تھی جو اپنی زندگی کی پہلی خوشگوار صبح کا لطف پا چکا تھا۔

معاف کر دیں میری پیاری سی زوجہ صاحبہ، دراصل کیا کروں کئی دن" سے سو نہیں پایا تھا تو رات آپکے ہونے کے باعث نیند کا حساب چکتا کر لیا۔ مگر آپکو اداس ہونے کی ضرورت نہیں، آج کی رات مکمل آپکی" شاویز نے تو خمار اور دلفریبی کو اس حسین انداز سے ملائے کومل کا شکوہ دور کیا کہ وہ خود کو روک نہ پائی اور اپنے ہونٹ شاویز کی گال پر رکھے اس سے لپٹ گئی۔

وہ بھی محبت کے نئے سرورافزاء ذائقے پر سرمستی میں مسکرایا اور کومل کے کھلے بال جو ابھی بھی کہیں کہیں سے گیلے تھے، شاویز کے چہرے پر پھیلے جسے محترمہ نے پھر خود ہی تھوڑا اوپر اٹھ کر پرے کیا۔

مجھے خوشی ہوئی کہ میرا ہونا آپکی تکلیف میں کمی کرتا ہے، کبھی آپ پر کسی تپش کا سایہ نہ آئے۔ بہت سے بھی بہت پیارے ہیں آپ مجھے، میرا بس چلے تو اب سے ایسے ہی لپٹی رہوں۔ پر پھر سوچتی ہوں کتنی جھلی ہوں ناں"

کومل کا تو سارا سکھ ہی شاویز تھا اور وہ اس سے پوری کی پوری راضی تھی۔

آخری بات پر تو شاویز بھی اپنی بازو کومل کی کمر کے گرد بے خودی سے حائل کیے اسے پھر سے خود کے قریب کیے سنجیدہ ہوا اور وہ جو شاویز کے چہرے پر لکھی فرمائش بن کہے سمجھ چکی تھی، اپنی کمر پر شاویز کا ہاتھ چلنے کی گدگدی کے ساتھ اب اس حق پر سرخ گلاب ہو گئی مگر وہاں تو شاید یہ جینے کی وجہ جیسی خواہش تھی۔

پھر آپ نے سونا نہیں، پہلے پرامس کریں "اس قدر قریب کہ وہ شاویز کی حدت زدہ سانسیں گن سکتی تھی، ایسی نازک سچویشن میں بھی سگھڑ بی وی کو شوہر کے اٹھنے کی فکر تھی اور وہ اس پر شدید پیارا ہنسا تھا۔

ہوش وحواس اڑ جائیں گے، سونا پھر کہاں ممکن ہو گا" شاویز کی خطرناک سنجیدہ بات نے کومل کے چہرے پر حیا کا رنگ مزید گہرا کیا اور کچھ دیر دونوں ہی دل کو پگلاتی سوچ میں گم رہے مگر پھر طرب آمیز سے حق دار لمس کا یہ فریضہ کومل نے ادا کیا اور بنا اس سے نظریں ملائے اپنی ہنسی دباتی ہوئی شاویز کے حصار سے نکل کر یوں بھاگی جیسے پھر تو محترمہ نے سامنے آنا نہیں۔

وہ بھی صبح کی اس بشاشت ناک عنایت پر اٹھ کر فریش ہوا اور پھر سب نے ایک ساتھ ناشتہ کیا۔

شاویز کا ارادہ آج گھر رکنے کا تھا اور اپنے پیارے ساداں سے بھی معافی مانگنا چاہتا تھا کیونکہ اس بار نا چاہتے ہوئے بھی شاویز اس سے بھی بہت روڈ ہو گیا تھا مگر ساداں جانتا تھا کہ شاویز کی سچویشن ایک دم درست ہے کیونکہ اسے خود دادی کے کہے لفظوں کی شدید جلن محسوس ہو رہی تھی اور کل اس نے

واپس جاب پر جانے کا پلین کیا تھا۔ فلذہ بھی اب پہلے سے زیادہ کھلی کھلی تھی اور اس پر بھی یہ اسکے سائیں کا رنگ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"عاقل، تم پورے دھیان سے محمود اور رمشہ کو مسجد لے کر پہنچو، میں بس ریڈی ہو رہا ہوں۔ کرمان چاچو یہیں گھر رہیں گے" سادان نے ڈریسنگ کے سامنے کھڑے ہو کر محتاط انداز سے فون پر حویلی سے باہر کھڑے عاقل کو کہا اور فون بند کر کے سامنے رکھتا ہوا اپنے گیلے بال ٹاول سے خشک کرتا کرتا یونہی ٹیرس کی سمت بڑھا تو نظر حویلی کے دالان میں بیٹھے بابا سائیں پر گئی جو کرسی پر نیم دراز انداز میں آنکھیں بند کیے ہوئے تھے۔

"کتنا مان تھا مجھے آپ پر بابا سائیں، کاش آپ نے میرا مان یوں ریزہ ریزہ نہ کیا ہوتا۔ جانتا ہوں آپکی اس درندگی کے پیچھے دادی کا ہاتھ ہے مگر اللہ نے

انسان کو عقل و فہم اسی لیے دیے ہیں کہ وہ بدی اور نیکی میں فرق کر سکے۔

اللہ سے ابھی بھی آپکی ہدایت مانگتا ہوں" کل فلذہ سے مل لینے کے باوجود رات کے تکلیف داٹا کرے کے باعث سادان کی آنکھیں سرخ تھیں اور وہ اپنی تکلیف اپنی ان رنگ بدلتی آنکھوں میں آنے سے روک نہیں پاتا تھا۔

سادان زیادہ دیر انکو اس بے چینی میں نہ دیکھ پایا اور مڑ کر واپس کمرے میں آیا اور ٹاول اپنی جگہ رکھے بالوں کو برش سے سلجھا کر خود پر بہت مدھم خوشبو لگائی اور بیڈ پر رکھا کوٹ پہنا۔

گرے سوٹ پر سیاہ کوٹ پہن کر شہزادہ آج واقعی بادشاہت کی مسند پر فائز تھا۔

آج اس نے رمشہ اور تیمور کا نکاح کروانا تھا اور تیمور کو وہ اپنے ساتھ ہی لے جانے والا تھا۔

سادان نے ڈرسنگ سے گاڑی کی چابی اور فون اٹھا کر ان نظر آئینے پر ڈالی تو اسکا فون بجا جس پر فلذہ کا نام دیکھ کر وہ تمام تر تلخی اور تکلیف کے مسکرا دیا۔

اسلام و علیکم سائیں، وہ مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا۔ رات کسی نے آپکو کچھ کہا تو" نہیں ناں کومل باجی کی غیر موجودگی پر" فون لگتے ہی فلذہ نے بے حد فکر سے پوچھا جو ابھی کومل کے پاس پڑھنے کے بعد فارغ ہوئے پہلے سادان سے بات کر رہی تھی اور وہ کیا بتاتا کہ حالات اس پر کس قدر تنگ ہونے والے ہیں۔

یہ سب سوچنے کی تمہیں ضرورت نہیں جان، میں سب ہینڈل کروں گا،" کوئی جو مرضی کہے اب تمہارے سائیں کسی کے آگے دبنے والے نہیں ہیں۔ بس تم اپنا خیال رکھو" سادان کا لہجہ ناجانے کیوں فلذہ کو تھکا سا لگا اور وہ بھی اب اتنا تو اسے سمجھتی تھی کہ اسکی آواز سے سادان کی کیفیت جان لیتی۔

آپ پریشان ہیں، نہ ہوں ناں۔ ورنہ میں پھر رو دوں گی" فلذہ کی آنکھوں میں کہنے سے پہلے ہی حسب عادت نمی جھلملائی جس پر سادان نے مسکرا کر بیڈ پر بیٹھتے ہی کشن گود میں رکھا اور نیم دراز ہو گیا۔

تم واقعی مجھ سے محبت کرنے لگی ہو، میری کیفیت تک پہچان گئی ہو۔ ہاں" فلذہ میں پریشان ہوں، بلکے خوفزدہ ہوں۔ تمہارے لیے، صرف اور صرف تمہارے لیے۔ مجھ سے یہ لوگ عنقریب میریؑ کمزوری پر آزمائیں گے اور میں یہ نہیں سہہ سکتا کیونکہ اس وقت میری کمزوری تم ہو۔ کاش کوئی ایسی جگہ ہو جہاں میں تمہیں محفوظ کر دوں، جہاں ان لوگوں کا سایہ تک تمہیں چھو نہ پائے "آج پہلی بار وہ سادان کو اتنا بوجھل اور مایوس محسوس کیے خود بھی غمناک ہوئی اور آنسو تو فلذہ کی رخسار پر فوری اترے جسے اس نے بے دردی سے پونجھ ڈالا، وہ تکلیف میں تھی کہ اسکے سائیں اسکی وجہ سے کوئی سکھ نہیں پاتے اور اب دکھ میں ہیں۔

آپ میری فکر مت کریں، مجھے کچھ ہو بھی جائے تو یہیؑ سمجھوں گی آپ پر" وار دی گئی۔ مجھے مرنے سے ڈر نہیں لگتا پر اب آپکی اس تکلیف سے لگ رہا ہے "سادان نے اسکے لہجے میں نمی محسوس کیے ایک سرد سی سانس خارج کی کیونکہ وہ واقعی اس وقت تکلیف میں تھا۔

تمہیں کچھ ہو گیا تو میرا کیا ہو گا فلذہ، ابھی تو میں نے تمہارے ساتھ بہت" ساجینا ہے۔ کئی دن، کئی سال۔۔۔۔ تمام عمر" سادان کی آنکھوں میں سرخی اتری تھی اور لہجے میں کھارا پن، مگر فلذہ بجھ سی گئی تھی۔

میں آپکی تکلیف میں کمی پر قادر نہیں سائیں، مجھے اس بات کا دکھ ہے""" فلذہ درد میں اخیر رمبتلا تھی اور سادان اب مزید فلذہ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

قادر ہو، دکھ مت کرو۔ تمہارا میری زندگی میں ہونا میری تکلیف میں کمی" ہے۔ آج رمشہ اور تیمور کا نکاح ہے، دعا کرنا یہ معاملہ بھی ٹھیک سے طے پا جائے" سادان اس تکلیف دہ عمل کو بڑھانے کے بجائے بات بدل کر ماحول بھی بدلنے کی کوشش کر گیا تھا مگر فلذہ بہت سخت اداس ہو چکی تھی۔

ان شاءاللہ بلکل ٹھیک سے سب نمٹ جائے گا، پریشان نہ ہوں" کل تک" جسکی فکر میں سادان ڈوبا تھا اور اسے فکر مند نہ ہونے کی نصیحت کرتا تھا آج وہی سادان کی ہمت بڑھا رہی تھی۔ سادان تو جی ہی اٹھا تھا۔

نہیں ہوتا، بس تم پر کوئی آنچ نہ آئے ورنہ تمہارے سائیں برداشت نہیں کر پائیں گے۔ بہت جلد یہ سب درندگی ختم کر کے میں تمہیں اپنے پاس لے آوں گا، تب تک تم وہاں اچھے سے اپنی زندگی کے مزے لوٹو" سادان اب خود بھی تھوڑا بہتر ہو چکا تھا مگر فلذہ کا دل تو پل پل سادان کی سلامتی چاہتا تھا۔

"ٹھیک ہے، آپ کے پاس تو میں بھی آنا چاہتی ہوں۔ آج میں نے بابا سے بھی بات کی، وہ تھوڑا بہت بول رہے تھے۔ اور سائیں مجھے خود سے دور کبھی مت ہونے دیجئے گا" فلذہ کی آواز کا لرزاں خیز اتار چڑھاو ظالم تھا مگر اسکی باتیں سادان کی زندگی بڑھا گئیں جس پر وہ مدھم سا مسکرا دیا۔

"بس ایسے ہی خوش رہو اور بھروسہ رکھو کہ میرے لیے اس وقت اپنے آپ سے بھی قیمتی تم ہو۔ اب مجھے جانا ہے، رات کو کرتا ہوں کال۔ اللہ حافظ" سادان اسے خود سے باندھ کر پیار اور ملائم پن سے کہتا فون بند

کرتے ہی اٹھ گیا اسے اب نکلنا تھا جبکہ فلذہ بھی اداس سی فون رکھے کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نہر کے پاس لوگوں کا ایک بڑا ہجوم تھا اور پورا گاؤں حیرت اور خوف میں مبتلا تھا کیونکہ ہزار کوشش کے باوجود وہ بوری بند لاش نہر کے کنارے لگ چکی تھی۔ دن کے وقت دو کسانوں کی نظر پڑتے ہی وہ لوگ اس بوری کے بارے میں گاؤں کے چند ذمہ دار افراد کو بتا چکے تھے جنہوں نے ڈاکٹر کبیر اور بشیر کو وہیں بلوا لیا تھا۔

فیضاں نے اپنے منہ کے ذائقے اور اپنی مالک کی خوشنودی کے لیے آج تک جتنے برے اعمال سر انجام دیے تھے یہ اسکی عبرتناک سزا تھی کہ اسے یوں دریا میں مار کر پھینکا گیا تھا۔

انجیل بہت چالاک تھی کیونکہ لاش اب اس حالت میں تھی کہ اسے چھونا تو دور، خود ڈاکٹر کبیر اسے دیکھ کر ہراساں ہوئے تھے۔

پورے گاؤں نے اس عجیب و غریب لاش کو دیکھ کر اپنے کانوں کو خوف سے ہاتھ لگایا۔ پانی میں رہنے کی وجہ سے وہ لاش اس قدر لچکیلی اور گندی ہو چکی تھی کہ لوگوں پر خوف وہراس سے کپکپی طاری ہوئی۔

چہرہ بلکل مسحوق ہو کر شناخت سے نکل گیا تھا اور سادان بھی عین موقع پر نہر پہنچا مگر وہ اس لاش کو خود بھی دیکھ نہ پایا تھا۔

امام مسجد سے مشورہ لیا تو انہوں نے پہلی فرصت میں اسکے دفن کا کہا کیونکہ لاش اس قدر پھول چکی تھی کہ مزید دیری پر وہ پھٹ سکتی تھی۔

اسے غسل بھی سرسری دیا گیا کیونکہ زیادہ ہلانے سے بھی اس لاش کے پھٹنے کا خطرہ تھا۔

وہ کون تھی یہ تو علم رپورٹ کے بعد ہی آنا تھا مگر ڈاکٹر کبیر نے سادان کو اتنا ضرور بتا دیا تھا کہ مردے کے گلے پر اک کالا نشان تھا جو گلا دبانے کی

نشاندہی کر رہا تھا اور یہ بھی کہ لاش کافی دن سے پانی کے اندر اینٹوں کے بوجھ سے دبی تھی جو رات بارش کی وجہ سے کسی طرح ان اینٹوں کے بوجھ سے آزاد ہو کر سطح تک آ گئی تھی۔

سادان اب کی بار یاور والی غلطی نہیں کر سکتا تھا لہذا اس عورت کے سارے ضروری ٹیسٹ کروا لیے گئے اور ایک گھنٹے کے اندر اندر اسے دفن کر کے غائبانہ جنازہ بھی پڑھوا دیا گیا۔

پورا گاؤں اس منہدم ہوئے چہرے والی عورت پر افسوس اور ماتم کناں تھا جو نا جانے کس کی درندگی کا شکار ہوئی تھی۔انجیل بیگم تک بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی مگر وہ مطمئین تھی کیونکہ وہ اس سے پہلے بھی کئی ظلم کر چکی تھی لہذا اس کے لیے یہ بھی معمولی تھا۔

سادان تو ان عجیب و غریب واقعات سے اپنا دماغ بیکار محسوس کر رہا تھا جو سلجھنے کے بجائے آئے دن الجھ رہے تھے۔

نکاح جو دن کو طے پانا تھا وہ پھر عشاء کے بعد طے پایا۔ نکاح مسجد میں امام صاحب نے پڑھوایا تھا اور سادان اپنے ساتھ تیمور کو لے آیا تھا جو آج سادان کے وعدے کی تکمیل پر اسے دل سے بھائی مان چکا تھا مگر رمشہ کی طرف سے اسے خاصی مایوسی ہوئی کیونکہ وہ اسے نکاح کے بعد بھی وحشیوں کی طرح گھور رہی تھی۔

سادان نے یہ کام بھی خوش اسلوبی سے سرانجام ہونے پر اللہ کا شکر ادا کیا اور سب نے ہی دونوں کو بہت سی دعائیں دیں۔

خود امام صاحب نے دونوں کو نکاح کی پاکیزگی اور نرمی کی چند ڈھکی چھپی باتیں بلکل بچوں کی طرح سمجھائیں۔

"یہ نکاح ایک بہت پاک رشتہ ہے میرے بچو، تیمور بچے تم یہ قصد لو کہ اس کو محض اپنی ضرورت نہیں بلکے خوشی اور ذمہ داری سمجھو گے۔ اور رمشہ بچے تم بھی وعدہ کرو کے اس رشتے کی نازکی کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے دل سے تیمور کی نفرت نکال دو گی" وہ دونوں آمنے سامنے

ایک دوسرے کو مختلف انداز سے دیکھ رہے تھے، جہاں رمشہ سخت دلبرداشتہ تھی وہیں تیمور پر سکون تھا۔

جی "رمشہ نے بے دلی سے مختصر کہہ کر اپنا چادر میں چھپا چہرہ مزید جھکا لیا" جس پر محمود نے اپنی بیٹی کو سینے سے لگایا اور سادان نے بھی نرمی سے اسکے سر پر ہاتھ رکھا جبکہ اب امام صاحب تیکھے سے سنجیدہ پن میں بیٹھے سفید کف داری سوٹ میں ملبوس تیمور سے مخاطب تھے جواب خود بھی بڑا شریف بنے سر اثبات میں ہلا رہا تھا۔

جی ٹھیک "جواب سے تو تیمور کے تیور کچھ تنے لگے مگر اس سے زیادہ امام" صاحب اور کوئی نازک بات نہیں کہہ پائے تھے۔ سادان نے عاقل کو ہی رمشہ اور محمود کو گھر بھیجنے کا کہا اور خود وہ تیمور کو لیے حویلی نکل گیا۔ تیمور نے بھی بنا کسی چوں چاں سادان کی بات مان کر چپ چاپ گھر کی راہ لی اور رمشہ تو دو سال تک اس شخص کا نام بھی نہیں سننا چاہتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"بہت بار انسان خود کو درست سمجھتا ہے پر غلطی پر ہوتا ہے بچے، تمہارا گناہ لاکھ مصلحت کی پرتوں میں لپیٹ لیا جائے تب بھی گناہ ہے۔ میری مانو تو اس بچے کی مشکل حل کر دو، میں جانتا ہوں تمہارے لیے اب آخری نجات موت ہے مگر اپنی موت کے بیچ تم اس گاوں کی فرسودگی اور درندگی کو پیوست کر کے اس دنیا سے پردہ کر بھی جاو تو کل کوئی اور اسکی جگہ اور کوئی اور بدنصیب اس قبر میں دفن ہو گی۔ سادان کو ساری سچائی بتادو کیونکہ وہ اسکا مستحق ہے" یہ ایک مکمل اندھیرے میں ڈوبا حجرے کی مانند کمرہ تھا جہاں دو ہیولے سے آمنے سامنے تھے۔ یہ آواز بلاشبہ امام صاحب کی تھی مگر انکے سامنے چادر میں مکمل لپٹا وہ وجود یوں لگا پتھر ہے۔

"مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا امام صاحب، میں نے مہک کے مجرموں کو سزا دے دی ہے۔ مجھے یہ قصہ باہر نہیں لانا، مجھے مرنے یا سزا پانے کا خوف

نہیں ہے میں بس اپنی بچی کی مرنے کے بعد کوئی بے حرمتی نہیں چاہتا" اوہ تو یہ وہی بوڑھا تھا اور آخر کار اس سے پردہ اٹھ چکا تھا کہ وہ قبر اسکی بیٹی مہک کی تھی۔

لہجے میں چھپا درد بتا رہا تھا کہ وہ سوگ زدہ باپ ضبط کے آخری دہانے پر کھڑا ہے۔

ساداں ایسا نہیں ہونے دے گا بلکے وہ تمہیں بھی انصاف دے گا، مہک" کی قبر کو بے آبرو نہیں ہونے دے گا۔اس سے پہلے کہ ساداں کو حقیقت وہ رب سوہنا خواب کی صورت ایک بار پھر بتادے، تم اس سے مل لو بچے۔سچ پوچھو تو میں ساداں کی مزید الجھن اور تکلیف نہیں دیکھ پا رہا۔اس نے خود کو بادشاہت کے لائق بنادیا ہے،اسے مزید نہیں آزمانا چاہیے۔وہ پہلے ہی بہت کٹھن مشکلات میں ہے، کم از کم اس سب کے بعد وہ گاوں کی ان گھٹیا روایات کا خاتمہ بہتر طور سے کر سکے گا۔میری بات پر غور کرنا" امام صاحب یہ بات ساداں کو اس لیے نہیں بتا سکتے تھے کہ یہ جو آدمی تھا وہ انکا

شاگرد رہ چکا تھا اور اس نے جنازے کے روز ان سے رو کر درخواست کی تھی وہ یہ بات کسی سے نہ کہیں گے مگر اب حالات اس طرف چل نکلے تھے کہ امام صاحب نے خود رحمان احمد سے بات کی ٹھانی مگر وہ تو مردہ وجود تھا۔

امام صاحب، میری تکلیف کسی کو سنانے یا بتانے سے کم نہیں ہو گی۔ میں " تو خود مرنے کی دعائیں مانگتا ہوں۔ اللہ ان کو جہنم میں بھی پل پل موت اور اذیت دے جنہوں نے میری مہک کو۔۔۔۔۔۔ تھی ہی کتنی سی، سترہ سال۔ ان ظالموں نے اسے نہیں بخشا۔ وہ سسک سسک کر وہیں مر گئی، نوچ کھایا ان کتوں نے اسے، آخری بار بابا کے سینے سے لگ کر رو بھی نہ پائی۔ میرا دل ابھی بھی ناسور کی طرح درد کرتا ہے، میں یہ سب کسی کو نہیں بتا سکتا مجھے سمجھنے کی کوشش کریں۔ مجھے میری زندگی کے دن کاٹنے دیں، جس روز ناسور نے جسم میں زہر پھیلا دیا اس روز میں بھی اپنے جرم کی سزا پا لوں گا۔ اسے میرا اور میرے اللہ کا معاملہ رہنے دیں" وہ آدمی اب

بلک اٹھا اور امام صاحب نے بھی بے حد دکھ سے اسکے کندھے کو تھپکا کر تسلی کا اک ادنی نظرانہ پیش کیا مگر وہ آدمی بے دردی سے اپنے آنسو پونچھتا ہوا وہاں سے چلا گیا اور امام صاحب چلتے ہوئے ہلکی سی روشنی کی سمت بڑھے اور انکے چہرے پر بھی اب تکلیف درج تھی۔

"اے پاک پروردگار، میرے بچے سادان کو ان سارے حالات سے سرخرو کر کے نکال دیجئے۔ اسکی ہمت میں کمی نہ ہونے دیجئے گا۔ اب اسے اس گاوں کی بادشاہت عطا کر دیجئے، وہ چہرے سے بھی اب درد میں جا گزیں دیکھائی دیتا ہے۔ اسکے پاکیزہ دل، پاکیزہ وجود اور پاکیزہ نیت کے انعام کا وقت ہو چکا ہے، میرے مالک تو بہتر جانتا ہے کسے کتنی اور کب کب تکلیف دینی ہے پر یہ میری تجھ غفور ورحیم سے دعا ہے کہ سادان کو اس امتحان سے نکال دیجئے۔ ایسا نہ ہو وہ ٹوٹ جائے، بے شک تو ہر شے پر قادر ہے" امام معروف سلطانی کے دل میں اب جتنی دعائیں تھیں وہ بس بادشاہ وقت کے نام تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شام کو شاویز اور کومل، فلذہ کو لے کر پاس کے کیفے گئے تھے اور چونکہ فلذہ کی حفاظت ضروری تھی لہذا دونوں گارڈز نے بھی وہاں تک پہرا دیا تھا۔ شاویز نے دنکو ہی سادان سے اپنے رویے کے لیے معذرت کی جس پر سادان کا دل تو واری چلا گیا، حالانکہ وہ اسکے سارے رویے کو حق جان چکا تھا مگر پھر بھی شاویز کی بہتر ہوئی آواز اور وہی حسین انداز واپس لوٹنے پر سادان کو بہت سکون ملا تھا اور شاویز کو بھی۔ چونکہ وہ آوٹنگ کے لیے پیدل ہی گئے تھے لہذا گارڈز کو بھی آسانی رہی تھی۔ گھر رہ کر یقیناً فلذہ بور ہو گئی تھی اور یہ آئیڈیا بھی تبھی کومل نے دیا اور وہ شام کو اسی لیے نکلے تھے۔ کھانا تینوں نے ڈھابے پر ہی کھایا تھا اور یہ چھوٹی سی آوٹنگ فلذہ کو بھلے تھوڑا سا مسکرانے پر مجبور کر گئی تھی مگر اسکا دھیان بس سادان پر تھا

لہذا گھر پہنچ کر اس نے پھر سے سادان کو کال ملائی تھی جو عجیب سی تھکن زیر اثر آنکھیں بند کیے لیٹا ہوا تھا۔ کے

شاید فون سائلنٹ ہونے کی وجہ سے اسے پتا نہ چلا تو وہ فون اٹھا نہ سکا اور پھر فلذہ نے بھی دوبارہ کال نہ کی اور خود بھی سونے کو لیٹ گئی۔ دوسری طرف سادان کو سویا دیکھ کر کرمان نے کمرے میں ایک نظر جھانکا تو دل میں سادان کی مشکلات میں کمی کی دعا کیے جانے لگے تو سادان کی آواز پر وہ پلٹ گئے۔

آئیں ناں چاچو "سادان کی تھکن سے چور آنکھیں وافع جبر کی ترجمانی کر" رہی تھیں اور کرمان مدھم سی مسکان کے سنگ چلتے ہوئے اسکی سمت آئے جواب بیڈ سے ٹیک لگائے خود کو بہتر دیکھانے کی کوشش میں تھا۔

میں تمہیں دیکھنے آیا تھا، مجھے لگا سو گئے ہو" بہت شفقت سے وہ سادان" کے سر پر ہاتھ پھیرے بلکل بچوں کی طرح بیڈ کے قریب اسکے پاس کھڑے اسکا چہرہ تھامے خود بھی رنجیدہ سے بولے تو سادان نے بلا جھجک

انکے ساتھ لگے بازو گرد باندھ لیں اور وہ تو سادان کے اس پیارے لاڈ پر جی اٹھے اور جھک کر اسکے سر پر آسودگی سے بوسہ دیا۔

"نیند نہیں آرہی چاچو، میرا دل بہت بے چین ہے۔ سچ پوچھیں تو سانس نہیں آرہا" انکے ساتھ لگے سادان کا یوں مایوس ہو کر کہنا خود کرمان کا دل دہلا گیا تبھی وہ فوری اسے الگ کیے اسکے سامنے ہی براجمان ہوئے جہاں وہ اب بے حد تکلیف میں ڈوبا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

"نا میرے بچے، ہمت نہیں ہارنی۔ تمہیں یہ سب جنگ جیتنی ہے میرے شیر۔ کیا ڈر ہے میرے بچے کو، فلذہ؟" وہ تو بن کہے سادان کی ہر تکلیف سے باخبر تھے اور اس شکستہ سے سوال نے سادان کی رہی سہی ہمت بھی توڑ دی اور وہ خوف سے جھرجھری لیتا بیڈ سے اٹھ گیا۔ آج واقعی وہ نہایت بے قرار تھا اور کرمان کا دل بھی اسکی منتشر حالت پر بند ہو رہا تھا۔

چاچو میری ہمت یہیں تک تھی، مجھ سے اب مزید نہیں برداشت ہو گا۔" میں اس دنیا سے کہیں روپوش ہو جانا چاہتا ہوں، یہ رشتے یہ مجبوریاں میرا سانس گھوٹ رہی ہیں۔ میں تھک گیا ہوں بہت زیادہ تھک گیا ہوں" رخ پھیر کر کرب سے اپنے بالوں میں انگلیاں جکڑے سادان بہت مخدوش سی حالت مئں تھا اور کرمان اب پریشانی سے اٹھ کر سادان تک پہنچے اور اسے اپنے سینے میں بے قراری سے پیوست کر گئے۔ کتنی ہی دیر وہ سادان کو مضبوط رہنے کا حوصلہ دیتے رہے اور پھر اسکا چہرہ پکڑے خود بھی غمناک ہوئے۔

اب تو انعام کا وقت قریب ہے میرے شہزادے، بس تھوڑی سی ہمت۔" نہیں تم ایسے ہار و مت بچے، تم ہار گئے تو ہم سب ہار جائیں گے۔ فلذہ کی حفاظت اللہ کرے گا، مت پریشان ہو۔ آ و بیٹھو۔۔۔ آجاو" کسی طرح وہ سادان کی تکلیف میں کمی چاہتے تھے تبھی تاسف سے گزارش کیے اب

اسے پکڑ کر بیڈ پر بٹھا کر خود بھی اسکے ساتھ اسکی سمت رخ کیے بیٹھے مگر وہ سرخ آنکھوں کے سنگ شدید کربناک اور اجڑی حالت میں تھا۔

تم کو اپنی تکلیف کی بقیہ کہانی سناتا ہوں۔ پھر تم بتانا کہ تکلیف کا وجود کس حد تک سوہان روح ہے، ہاں سادان۔۔۔۔اس روز کی نامکمل کہانی میں تمہیں آج سناؤں گا اور شاید اسکے بعد تمہیں حوصلہ کرنے میں ہمت ملے اور ان درندوں کے لیے پیدا ہوتا احساس دم توڑ جائے" کرمان کی اب اپنی آنکھیں سیلن زدہ تھیں اور وہ چاہتے تھے کہ سادان کی ہمت بڑھائیں اور اس وقت انکے پاس یہی حل تھا۔سادان کی تحیر سے کھلی آنکھیں اور بے ربط سانس پھر بھی منتشر تھا مگر وہ خود کو سنبھال کر اب چاچو کی سمت دیکھ رہا تھا جو اسے اپنے بقیہ غم سے ملوانے والے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گہری رات اور کوئی دبے پاؤں جنگل کے راستے سے نکل کر اب گاؤں کی طرف قدم بڑھا رہا تھا۔ ہر طرف رات کی سنسناہٹ نے الگ ہی سنسنی اور خوف پھیلا رکھا تھا۔

وہ جو بھی تھا، بہت سبک روی کے سنگ تیز تیز گاؤں کی کچی سڑک پر رات کے اس سناٹے میں چلا جا رہا تھا۔

مینڈک کے ٹرٹرانے کی آواز، کالی ٹڈی کی دل کو خوف میں مبتلا کرتی آواز اور وحشت ناک خاموشی سے بے نیاز اب وہ سایہ کسی کچے گھر کی طرف روانہ تھا اور پھر یوں لگا منظر صاف ہو رہے ہیں۔

وہ کچا سا مٹی گارے سے بنا گھر جسکی اب وہ سایہ سا بڑی آسانی سے دیوار پھلانگ کر کودا مگر چونکہ دیواریں اتنی بڑی نہ تھیں لہذا کودنے سے آواز پیدا نہ ہوئی اور اس سایے کے آسانی سے پاؤں زمین پر لگے۔

اس گھر کے صحن میں اک ادھ مرا بلب تھا اور ساتھ برآمدے میں چارپائی پر کوئی سویا ہوا تھا۔

وہ سایہ سا اب عین صحن میں پہنچا اور اپنے منہ سے اپنی چادر ہٹائی تو یوں لگا منظر پتھر ہوئے ہیں۔ وہ کوئی اور نہیں بلکے تیمور تھا اور یہ گھر محمود کا تھا۔

رات کے تقریبا بارہ کے بعد کا وقت تھا اور یہ تیمور نا جانے اب اس وقت چوروں کی طرح گھس کر کونسا کارنامہ کرنے آیا تھا مگر جو بھی تھا اس وقت بہت سنسنی خیز تھا۔

تیمور اب اپنے قدموں کو بنا آہٹ کرائے صحن سے ہوتا ہوا سامنے بنے کمرے کی سمت بڑھا جس کے نیچے سے اندر کمرے میں موجود بہت ملگجی روشنی کا کچھ سویرا باہر آرہا تھا جس سے ثابت تھا کہ رمشہ وہیں ہے۔

اللہ خیر کرے یہ لڑکا تو بہت خطرناک تھا، منجھے ہوئے ڈاکوؤں کو مات دیتا ہوا وہ سوئے ہوئے محمود سے بچ بچا کر کمرے تک پہنچا اور اس لڑکی کے لاغر دروازے پر ہاتھ رکھا مگر وہ شاید بند تھا۔

تیمور جو اس وقت مکمل سیاہ میں گرد چادر اوڑھے ہوئے تھا اب پورے دھیان سے دروازے کا معائنہ کر رہا تھا جس پر لگ رہا تھا اندر سے کنڈی لگائی گئی ہے۔

مگر پھر کچھ دیر کی غور و فکر کے بعد اس نے دروازے کو ہلکا سا جھٹکا دیا مگر مڑ کر ڈر کے مارے محمود کو بھی دیکھا کہ کہیں وہ جاگ نہ جائیں۔

وہ جو اندر منہ بسور کر آدھی رات کو بھی بلب جلائے تکیے پر دونوں ہاتھ باندھے ٹھوڑی رکھے رونے میں مگن تھی، عجیب سی ہلچل اور آہٹ پر یک لخت اٹھ بیٹھی۔

کمرے میں روشنی تھی اور جب وہ مڑی تو دروازے کو ہلتا پا کر رمشہ کو عجیب ساخوب محسوس ہوا کہ کہیں بابا کو کچھ ہو نہ گیا ہو اور وہ بلا رہے ہوں۔

اور کوئی خیال تو اسے آنا سکا اور شاید تیمور کی آج قسمت اچھی تھی کہ دروازے کے نیچے کسی سائے کو دیکھ کر وہ پوری ہوشیاری سے دیوار کے ساتھ دم سادھے لگ گیا اور رمشہ جو اٹھ کر دروازہ کھولنے آئی تھی، بہت

احتیاط سے دروازہ کھول کر ہلکا سا سر نکال کر کچھ دور صحن میں لیٹے بابا کو دیکھ کر مطمئین ہوئی۔

لگتا ہے بلی تھی "رمشہ کی یہ بات سن کر تیمور کو اس حالت میں بھی ہنسی" سی آئی مگر اس سے پہلے کے رمشہ دوبارہ دروازہ بند کر کے اندر جاتی، ایک ہی جھٹکے سے تیمور اندر ہوا اور اپنا ہاتھ رمشہ کے منہ پر جکڑے اسے دیوار سے لگا کر اسکی خلق سے نکلتی چینخ خلق تک دوبارہ انڈیل کر دوسرے سے دروازہ بند کیے اب رمشہ کو منہ پر انگلی رکھے خاموشی کا اشارہ دیا مگر وہ تو اس کی ایسی حرکت پر اب اسے کاٹ کے رکھ دینا چاہتی تھی۔ تیمور کے چہرے پر مسکراہٹ تھی، ہر خباثت اور گندگی سے پاک تیمور بھی رمشہ کو زہر لگا اور اوپر سے یوں بنا کسی کو بتا لگے وہ اسکے کمرے میں گھس آیا تھا یہ سوچ کر رمشہ کا خون سوکھ چکا تھا اور تیمور اسکے منہ پر ہنوز ہاتھ رکھے اسے ہاتھ ہٹنے کے بعد منہ سے آواز نہ نکالنے کا اشارہ کرتے ہوئے اب اپنا ہاتھ ہٹا کر اسے اسے دیکھ رہا تھا جو چینخ تو نہ مار سکی مگر اسکی گرفت سے نجات کے لیے

بری طرح خود سے پرے ضرور دھکیلنا شروع تھی جو اس کے وجود پر بری طرح جھکا ہوا اسے تکلیف دے رہا تھا مگر تیمور میں پھر بھی اس سے کہیں درجے زیادہ طاقت تھی اور خود کو ناکام پا کر وہ اسے حقارت سے گھور رہی تھی اور تیمور نے محسوس کیا کہ وہ رو بھی رہی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تیمور اور رمشہ کا نکاح ہو گیا ہے آج" وہ ابھی کچن سمیٹ کر روم میں آئی تو" شاویز کی بات سن کر حیرت اور پریشانی میں ڈوبی ہوئی فون ڈریسنگ پر رکھتے شاویز تک آئی جو کچھ پریشان سا لگ رہا تھا۔

ہمم، وہ تیمور پتا نہیں اب کیا کرے گا۔ پر شکر ہے سادان نے اپنا وعدہ پورا" کر دیا۔ بس اللہ کرے وہ سدھر جائے" کومل تو تیمور کی وہ مار ابھی تک نہیں بھولی تھی اوپر سے اب وہ حق پا چکا تھا لہذا دونوں ہی فکر مند تھے۔

سادان کا میسج شاید شاویز نے ابھی پڑھا تھا، صبح شاویز کی واپسی بھی تھی مگر اب اسے سادان کی زیادہ فکر ہو رہی تھی۔

"امید تو پوری ہے ان شاءاللہ کے وہ سدھر جائے، آج شام کے بعد سے سادان نے کال پک نہیں کی مجھے اسکی فکر ہو رہی ہے۔ کرمان انکل نے میسج کر کے بتایا کہ وہ سادان کے ساتھ ہیں وہ تھوڑا 'ڈاون ہے" شاویز جو فون ڈریسنگ پر رکھ کر اب کومل کی سمت مڑا تھا، لہجے میں بے انتہا پریشانی جا گزیں تھی اور کومل بھی اداس سی اپنا سر شاویز کے سینے پر ٹکائے لپٹ گئی۔

"کاش فلذہ ان کے پاس ہوتی، آپکو پتا ہے شاویز۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، جس طرح میرے ہونے سے آپکی تکلیف کم ہو گئی تھی تو بلکل ویسے ہی فلذہ کی موجودگی بھی سادان کی تکلیف میں کمی کر دیتی۔ بس جلدی سے یہ ساری پریشانیاں اور بندیشیں ختم ہو جائیں تا کہ وہ دونوں بھی ایک خوبصورت زندگی گزار سکیں" بہت ہی ملائم پن سے وہ

شاویز کی بازوؤں میں قید ہوئے اپنے نازک دل کے ساتھ تاسف سے بولی جس پر شاویز کے دل نے صدق کی انتہا لیے آمین کہا اور کومل کا چہرہ ہاتھوں میں بھرے روبرو کیے مسکرا دیا۔

ان شاءاللہ وہ بہت جلد ایک عام آسان زندگی گزاریں گے، بس آپ دعا" کریں۔ کل مجھے بھی واپس جانا ہے مگر میری کوشش ہوگی دو تین دن بعد آجایا کروں گا۔ آپ فلذہ کا پورا دھیان رکھیے گا، بس خیر و عافیت سے ہم سادان کی امانت اس تک پہنچادیں تو سب ٹھیک ہو جائے گا" اس وقت شاویز اور کومل دونوں کے لیے سادان اور فلذہ ہی اہم تھے اور کومل تو اپنے اس کل جہاں پر قربان ہوگئی تھی جو خود سے زیادہ سادان کا سوچ رہا تھا۔

بلکل میں پورا دھیان رکھوں گی اسکا" کومل کا دل تو یہ محترم سنجیدگی میں" زیادہ خود کی سمت مائل کرتے تھے اور ویسے بھی دو تین دن کی دوری کے سارے حساب پورے کیے بنا وہ مسٹر ہسبنڈ کو کہیں نہیں جانے دینے والی تھی۔

شاویز اسکی نظروں کے مفہوم کو بنا کہے سمجھ کر اک عاشقانہ سا لمس عطا کیے مسکرایا اور وہ تو سوچ کو حقیقت کا حسن لگنے پر جھینپ کر گلابی ہوئی اور اب وہ شاویز کی شدید قریبی گرفت میں تھی۔

اپنا دھیان بھی رکھنا ہے آپ نے، کیونکہ آپ پر بھی کوئی آنچ نہیں سہہ " سکتا" شاویز کی دل کھول کر کی جاتی عنایات نے کومل کا دل لرزا ڈالا مگر وہ پھر بھی تمام گھبراہٹ کے ایسی ہی شدت کی طلب گار تھی۔ دونوں کی آنکھوں میں بس ایک دوسرے کا عکس تھا۔

رکھوں گی، بہت رکھوں گی۔ آپکے سکون کا بھی اور آپکی کومل نامی دنیا کا " بھی" اب کی بار خماری کومل کے لہجے میں اتری اور وہ اسکے چہرے پر ہاتھ رکھے ساتھ ہی محترم کی گال کھینچے ہنس دی جس پر جناب محترمہ کی شرارت پر مسکرانے کے بجائے خطرناک ہو کر محبت کی رمزیں تہہ در تہہ کھولتے چلے گئے۔ دل تو بے ہنگم تھے اور نظریں کچھ قریبی احساس کی طالب تھیں۔

تھوڑا ابھی رکھ کے دیکھائیں، کیونکہ دوری کا جواز نہیں بنتا اب۔ تھوڑی" اور میری ہو جائیں" ھائے اس فرمائش پر تو کومل کا دل چاہا اپنا سب کچھ شاویز پر وار دے اور پھر یہی ہوا تھا۔

وہ اسے اپنی بازوؤں میں یک لخت اٹھائے بے حد نثار ہوتی نگاہیں اس دل کی آسودگی جیسئ کومل پر ڈالے بیڈ پر لٹائے خود بھی اس پر کسی بادل کی طرح سایہ فگن ہوئے کومل کے دل کی دھڑکن روک چکا تھا۔

کومل کی تو جیسے مراد بھر آئی تھی، شاویز اسے خود سے مکمل متعارف کروانے کی مزید سیڑھیاں عبور کرتا ہوا اس پر کھل رہا تھا۔

پیشانی پر منجمد کرتا لمس یوں لگا کومل کے دل تک کو برف میں محبوس کر گیا۔ پھر یہ جذباتی سے اقرار میں لپٹے لمس کومل نے اپنے چہرے کے ہر نقش پر محسوس کیے اور آپنی آنکھیں سختی سے بند کیے گھبرائی سی شرمگیں مسکرادی۔

آپ اتنی پیاری کیوں ہیں کہ مجھ سے دور رہا نہیں جاتا، آپ بھی کیا کہیں "
گی کیسا بے صبرا شوہر ملا ہے" مسلسل جذباتیت لٹانے کے بعد وہ سرخ
ہوتی کومل کے کندھے پر سر ٹکائے بڑی جلدی معصوم بنا جس پر وہ آنکھیں
میچ کر شدت سہتی کومل بھی اسے دیکھتی مسکرا دی جواب بڑا کیوٹ منہ
بنائے کومل کو گھیرے ہوئے تھے۔

میں آپ سے زیادہ بے صبری ہوں، دور نہیں رہ سکتی۔ بھلے صدمے سے "
بیہوش ہی کیوں نہ ہو جاوں" ایسی نزاکت خیزی کے موقعے پر ایسی جذباتی
بات کہہ کر تو خود محترمہ نے سارے حصار توڑ دینے کی فرمائش کر دی تھی
اور دونوں ہی اب شریر سی ہنسی دبائے بے حد پیارے لگ رہے تھے۔

بیہوش تو ہونے نہیں دوں گا، آپ سے تھوڑا تھوڑا عشق تو مجھے بھی ہو رہا"
ہے اور عشق کا تقاضا ہے کہ مزید آپسی نازک رمزیں کھولنے کو کسی اور
موقعے پر رکھ چھوڑا جائے۔ کیا خیال ہے ؟" شاویز کو واقعی ڈر سا لگا کہ کہیں
یہ نازک سی پری اسکے مزید قریب آنے سے واقعی بیہوش نہ ہو جائے اور

اس پر کومل نے بے حد پیار سے شاویز کی گال پر ہونٹوں کی چھاپ دھری جو رضا اور خوشی کا ملا جلا معاملہ تھا۔

نیک خیال ہے "کومل کی پلکیں چہرے پر گریں اور ادھر شاویز نے محبت لٹانے کی حق دار سی گستاخیاں پھر سے جاری کیں جو دونوں کو ہی ایک دوسرے کی خوشبو میں جا گزیں کر گئیں۔ رات نے کٹنا تھا، ہر سمت دلکشی اب اپنے عروج پر جانے کو تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گھٹیا انسان، تمہاری ہمت کیسے ہوئی ہمارے گھر آنے کی۔ اگر تمہیں اپنی ذرا بھی عزت راس ہے تو نکل جاو شرافت سے ورنہ چیخ چیخ کر پورا گاوں اکھٹا کر لوں گی" ہونٹوں سے ہاتھ ہٹنے کی دیر تھی کہ نفرت اور حقارت سے محدود سرگوشی کرتی رمشہ تو تیمور کا منہ نوچنے کو تیار تھی اور یہ سب

سن کر آج تیمور کو کوئی غصہ نہ آیا بلکے وہ آگے سے بڑا نوابی سا مسکرا کر اب اسکے دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے خمار آلود انداز میں دیوار سے لگا کر عین رمشہ کی خونخوار آنکھوں میں جھانکا جو اسکی اس حرکت سے یوں لگا سفید پڑھ گئی ہے۔ وہ اسے دیوار سے بہت شدت سے لگائے اب اسکی حقارت سے بھری آنکھوں کے بے نیاز اسکے چہرے کو پورے استحقاق سے دیکھ رہا تھا۔

چلو چینخو، جتنا چینخنا ہے شوق پورا کرو۔ میں تو پھر بھی یہاں سے نہیں" ہلوں گا" تیمور کے تیور بھانپتی ہوئی وہ رمشہ جسکا سرخی مائیل چہرہ اب مکمل تنا ہوا اور خوف میں ڈوبا تھا اور وہ مسلسل تیمور سے اپنا آپ چھڑوانے کی سعی میں بے حال تھی مگر تیمور تو آج اسے کسی اور ہی نظر سے دیکھ رہا تھا۔

بلاشبہ وہ بہت حسین تھی اور کم تیمور بھی نہ تھا، مگر ایک طرف نفرت تھی اور دوسری طرف شاید جنون کے غلاف میں چھپی محبت جو اب نکاح میں ڈھل چکی تھی۔

نفرت ہے مجھے تم سے، گھٹیا ہو تم۔اور یہ مت سمجھنا اب یہ نکاح کا" لائسنس ملتے ہی تم مجھ پر اپنی درندگی اتارنے کا حق رکھتے ہو۔مجھے تم ہمیشہ زہر ہی لگو گے، چلے جاو ورنہ بہت برا ہو گا" وہ دونوں سر گوشیوں کی حد تک مدھم آواز میں بول رہے تھے اور اب کی بار رمشہ کی آنکھوں میں تیمور نے واقعی شدید حقارت دیکھی تھی مگر اسے پرواہ نہیں تھی، یہ لڑکی جو اسے چاہیے تھی اب اسکی دسترس میں تھی اور اسکے علاوہ اسے کوئی بات یاد نہیں تھی۔

جانے کے لیے تھوڑی آیا ہوں میری جان، اپنی زبان کو لگام دو ورنہ وہ جو" باہر تمہارا باپ سو رہا ہے اسے بھنک بھی پڑی تو بچارے کو اوپر پہنچا دوں گا" تیمور، واہ بھئی۔کیا دھمکی تھی اس انڈے سے نکلے چوزے کی اور رمشہ کے تو خوف سے رونگٹے کھڑے تھے اور وہ بے شک اس پر نفرت انڈیل رہی تھی پر اندر سے اس خبیث سے سہمی ہوئی تھی۔

جو بنا کسی کو پتا لگے اس کے کمرے تک آ گیا تھا، اس تک آتے کو نسی دیر لگاتا۔

خبر دار جو میرے بابا کے لیے ایسا کچھ کہا، ہو کیا تم جو یہ بڑھ بڑھ کر دھمکی" دے رہے ہو۔ یہ مت سوچنا کہ میں تم سے ڈر جاوں گی، تم اس روز میرے ساتھ جو کرنے والے تھے اسکی سزا تم ساری زندگی بھگتو گے۔ میں نے بھلے سادان سائیں کے لیے ہاں کہی پر کبھی بھی تم میری نفرت کے حصار سے باہر نہیں نکلو گے" رمشہ بھلے نازک سی تھی مگر حالات کے تپتے اور سوہان روح جھونکوں سے اس ظالم زمانے میں رہ کر اپنی عمر سے زیادہ سمجھدار اور بہادر تھی مگر تھی تو اک مجبور سی لڑکی جس پر یہ ناپسند شخص حاکم بنا دیا گیا تھا۔

رمشہ اسے معاف نہیں کر سکتی تھی اور وہ اس پر جھکا ہوا اس کو خود کے بوجھ سے بے جان کیے اسکے چہرے پر لکھی خود کے لیے حقارت دیکھ کر اب سنجیدہ تھا۔

اس روز میں تمہارے ساتھ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا، بھلے میری نیت وہی" تھی جو تم سمجھی۔ خیر مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا کہ تم کیا سوچ رہی ہو، میں تو اس روز کا ادھورا کام مکمل کرنے آیا ہوں اور تمہارے بقول اب تو میرے پاس لائسنس بھی ہے" پہلی بات کہتے ہوئے تیمور کے لہجے میں اک خلش سی تھی مگر آخری بات تک ذو معنی سا کھیسانا ہو کر وہ رمشہ کی جان ہی وجود سے نکال چکا تھا۔

رمشہ پھٹی آنکھوں سے اس شکل کے پیارے پر دل کے بھیانک تیمور کو دیکھ رہی تھی جسکی نظریں اور گرفت دونوں میں ہی خماری اور من مانی شامل ہو رہی تھی اور رمشہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ گلا پھاڑ کر چلاتی۔

میرے قریب آئے تو منہ نوچ لوں گی تمہارا" رمشہ نے آواز میں لرزش" لیے سخت تکلیف اور عتاب سے کہا جس پر وہ میسنا سا ہنسا۔

ہاتھ تمہارے قید ہیں، کیسے نوچو گی منہ۔ زرا تمیز سے پیش آو تمہارا شوہر" ہوں" چیونٹی کے پر کیسے نکلتے ہیں یہ کوئی جناب تیمور سے پوچھتا اور اب

رمشہ کا دل یہی کیا اسکے منہ پر اور جن ہاتھوں سے اس نے رمشہ کو دیوار میں گھسا رکھا تھا دونوں کو کاٹ ڈالے۔

"ایسے شوہر کو آگ نہ لگادوں، اور تم سے تمیز کی ساتھ پیش آتی ہے میری جوتی۔ سنا نہیں تم نے مجھے تم جیسے بد کردار سے نفرت ہے۔ جو اتنی سی عمر میں اگر کسی کو داغ دار کرنے کا سوچ لے وہ تو زانی بن کر دیکھانے میں بھی کسر نہیں چھوڑے گا" رمشہ مسلسل اسکی تضحیک کر رہی تھی اور کہیں نا کہیں رمشہ درست بھی تھی مگر اسے ابھی علم نہیں تھا کہ تیمور کے جذبات ایک طرف پر اسکے دل میں کوئی ایک جذبہ بھی تھا جسے کل کو محبت کا نام دیا جا سکتا تھا۔

"اچھا بد کردار اور زانی ہوں میں، ٹھیک ہے پھر تو مجھے عملی نمونہ پیش کرنا پڑے گا۔ میں تو بد کردار ہوں اور مجھے اب کوئی شرم اور لحاظ نہیں ہے اس لیے تیار ہو جاو اپنی اس بکواس کی سزا کے لیے" یک لخت ہی تیمور کی آنکھوں میں انتہا کا غضب اور جنون لہرایا اور رمشہ کا دل تھا کہ سمٹ کر بند

ہونے لگا اور اس سے پہلے کہ تیمور اسکے چہرے پر جھک کر حد پار کرتا، رمشہ کی آنکھوں سے بہتے آنسو دیکھ کر رکا جو اسے اب مزید ہولنا کی اور ناپسندیدگی سے دیکھ رہی تھی گویا وہ نظر تیمور کے دل کے پار ہوئی۔

"مجھے رسوامت کرو تیمور، ابھی اس نکاح کا کسی کو علم نہیں۔ خدا کے لیے اپنی اس درندگی کو روک لو، میں اور میرے بابا کسی کو منہ دیکھانے کے لائق نہیں رہیں گے۔ تمام تر نفرت کے میں اپنا آپ تمہیں وقت آنے پر خود سونپ دوں گی تب تک دور رہو۔ ایسا نہ ہو میں تمہیں بددعا دینے پر مجبور ہو جاوں" اب کی بار وہ شدید تکلیف میں روئی سی بولی تھی اور کئی پر حدت آنسو اسکی سرخ ہوتی آنکھوں سے گالوں پر لڑھکتے آئے جس پر تیمور نے کچھ دیر پتھر بنے اسکے درد کو ملاخظہ کیا۔

"تم میرے نکاح میں ہو اور بہت جلد تمہیں حویلی آنا ہے۔ اس روز اللہ کے بعد ساداں بھائی کی وجہ سے میں اس گناہ سے بچ گیا تھا مگر اب وہی سب میرا حق ہے لہذا تم منع نہیں کر سکتی" تیمور کا باغی اور ڈھیٹ پن اب رمشہ

کی واقعی جان لے رہا تھا اور وہ یہیں مر جانا اس خبیث کے حق وصول کرنے سے زیادہ بہتر سمجھ رہی تھی۔

"جب حویلی لے جانا کر لینا یہ سب درندگی، ابھی میرے قریب آئے تو میں اپنی جان دے دوں گی" شاید اس وقت رمشہ جیسی نڈر بھی پور پور اذیت میں التجا کر رہی تھی کیونکہ نکاح کے باوجود اسے تیمور سے گھن آ رہی تھی۔ اس روز کا سوچ سوچ کر اسے اب خود تک پر افسوس تھا۔

"بڑی بڑی باتیں کر رہی تھی اب کیا ہوا، اتنا بھی برا نہیں ہوں جتنا سمجھ بیٹھی ہو۔ ٹھیک ہے زیادہ قریب نہ آنے کی شرط تھوڑا قریب آنا ہے، منظور ہے تو ٹھیک ورنہ تمہاری مرنے کی خواہش میں بڑی آسانی سے پوری کر دوں گا۔ بقول تمہارے پھر تو میری ہوس بھی مٹ جائے گی اور تمہیں اس زندگی سے چھٹکارہ بھی" تیمور کی مسلسل گاہے بگاہے اپنے منہ زور جذبات کی پھوار سے رمشہ کے سانس کو روکنے کی کوشش جاری تھی اور وہ اب تیمور کے منہ زور جذبات سے کانپتی ہوئی لرز اٹھی۔

تیمور اسکے چہرے پر جھک کر اسکے آنسوؤں کے کہیں اندر سے متاثر ہوئے

بس کچھ دیر ہی اپنی منہ زور حق دار نازک لرزاں خیز من مانی کر پایا مگر پھر

خود ہی اس پر ڈالا اپنے وجود کا وزن ہٹائے وہ ساتھ ہی اسکے ہاتھ بھی آزاد کر

گیا جواب سر جھکائے اپنا چہرہ یہ زبردستی کی ناپسند لمس زدہ نشانات مٹانے کو

بری طرح مسل کر رو رہی تھی اور تیمور نے اب اسکا ہاتھ پکڑنا چاہا مگر وہ

تکلیف سے اٹے انداز میں اسے بری طرح جھٹک چکی تھی۔

"ایک بات یاد رکھنا رمشہ، آج سے تم میری ہوس یا ضرورت نہیں ہو۔

اب دو سال سے پہلے تمہیں اپنی شکل نہیں دیکھاؤں گا بلکے تب تک جب

تک تم مجھے معاف نہیں کرتی، بھلے پانچ سال لو یا دس یہ اب تم پر ہے۔

ایک اور بات، میں زانی نہیں ہوں۔ ہوتا تو تم آج مجھ سے بچ نہ پاتی۔ میں

بہت برا ہوں اور بھٹکا ہوا بھی، بہت ہی گمراہ اور خبیث۔۔۔ جانور اور

گھٹیا۔۔۔ لیکن اب نہ تم اس گھٹیا سے دور جانے پر قادر ہو نہ میں ایسا

ہونے دوں گا۔ اب تمہیں یہ جانور اسی دن نظر آئے گا جب تمہیں پورے

حق سے حویلی لے جانے کا اہل ہو گا۔ اللہ حافظ " نا جانے تیمور کو یک دم کیا ہوا کے وہ سخت سنجیدگی میں لپٹ کا یہ سب کہہ گیا جو اس جیسے لاپرواہ کے لیے کہنا ناممکن تھا۔ یقیناً یہ ہوس جیسا کچھ نہ تھا، ممکن تھا کچھ عمر کا دریا چڑھنے کے بعد اس بے عقل کو سمجھ آجاتی کہ وہ رمشہ سے محبت کرتا ہے اور اسکی محبت کا ادراک رمشہ کو بھی اب سہی وقت پر ہونا تھا۔

وہ تو حیرت کا مجسمہ بنی ہونق پن کی حد کیے تیمور کے کہے الفاظ اور اس کا یوں الگ سا سنجیدہ پن دیکھ کر صدمے میں تھی اور تیمور پھر بنا اسے چھوئے ہی دروازے کی سمت بڑھا اور بہت آہستگی سے دروازہ کھولے باہر نکل گیا اور وہ جو سخت صدمے میں غرق تھی یک لخت گھبرا کر دروازے تک گئی اور بند کرتی ہوئی تیز تیز سانس لیتی وہیں کواڑ سے لگ کر گھٹنے سمیٹے بیٹھ گئی۔

کئی آنسو رمشہ کی آنکھوں سے اب پوری شدت سے بہنے لگے اور وہ بمشکل منہ پر ہاتھ رکھے اپنی ہچکیاں روک پائی۔ اسے تیمور نے تکلیف دی تھی، وہ اس پر جھکا رہا تھا جسکی باعث وہ نازک سی لڑکی درد سے بے جان ہو رہی

تھی۔ ہاتھوں میں بھی دیوار سے لگنے کے باعث درد اٹھ رہا تھا اور دل تھا کہ اس ناپسند لمس پر جل کر راکھ ہو چکا تھا، کتنی ہی دیر وہ اپنے چہرے اور ہونٹوں، گالوں کو رگڑ رگڑ کر روتی رہی مگر اسکے دل کی تکلیف تھی کہ اس ملاقات نے بڑھا دی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"میرے لیے زینیہ کی موت گویا میری خود کی موت تھی، ہر چیز سے دل اچاٹ ہو گیا۔ تم ایسا سمجھو جیسے میں بھی زینیہ کی قبر میں دفن ہو گیا۔ وہ قدرتی موت مرتی تو ہو سکتا ہے یہ سوہان روح اذیت کم ہو جاتی پر وہ جو سہہ کر مرنے پر مجبور ہوئی مجھے وہ نہیں بھول پایا۔ ایک وقت وہ بھی آیا کہ مجھے خود اپنے مرد ہونے سے نفرت محسوس ہوئی۔ چار سال گزر گئے، میرا ہنسنا، رونا، میرا سکون اور آرام سب چلا گیا مگر پھر میری قسمت کو ایک سولا سالا

لڑکی سے جوڑ دیا گیا" سادان جو تاسف اور غمناکی سے یہ سب تکلیف سن رہا تھا، اس بات پر پتھرا کر رہ گیا۔ خود کرمان جو اسکے روبرو اسکا ہاتھ پکڑے بیٹھے تھے، یک لخت ویران ہو گئے۔

نور، اماں سائیں کی سوتیلی بہن کی بیٹی تھی۔ سوتیلی بہن سے بدلا لینے کو مجھ" سا بکھرا ٹوٹا شخص انکو مہرہ لگا۔ میں اس وقت ستائس سال کا تھا۔ مجھے تو پتا ہی نہیں تھا نکاح تک کہ میری شادی ایک سولا سالا معصوم لڑکی سے کر دی گئ ہے۔ اصل دھچکا مجھے شادی کی رات لگا۔ بلاشبہ وہ بہت پیاری اور حسین تھی پر اسے دیکھ کر میرے دل کا رہا سہا وجود بھی مر گیا۔ ایک سال تک میں نے اس معصوم سے اپنا دامن ہر صورت بچا کر رکھا جسکی ایک وجہ میرے دل کا مردہ پن اور نور کی کم عمری کی جھجک تھی اور اس دوران اماں سائیں نے اپنے پلین کے تحت گاوں میں مشہور کروا دیا کہ انکی چھوٹی بہو بانجھ ہے۔ انکی سوتیلی بہن کا تو علم نہیں کہ اس پر کیا گزری پر یہ خبر نور کے لیے اور میرے لیے ایک ہلا دینے والا دھچکا تھا۔ حالانکہ وہ یہ اچھے سے جانتی

تھیں کہ میں ابھی تک اس سے رشتہ بنا نہیں پایا اور یہی وہ چاہتی تھیں۔
ایسی سفاک ماں شاید کسی کی نہ ہو گی جیسی ہماری تھی" کرمان کی کہانی کا درد اب سادان کو بھی تکلیف میں مبتلا کر رہا تھا اور وہ ماتھے پر بنی تناو کی لکیریں وافع کیے ان سفاک لوگوں پر سراپا ماتم تھا۔
یااللہ یہ دادی کیا کیا کرتی رہی ہیں، اف" سادان کا تو سانس بے ربط تھا اور" دل تو اسکا اس عورت کو بد عائیں دینے کو چاہتا تھا۔
دراصل اماں سائیں کا مقصد اسے بانجھ ثابت کر کے طلاق دلوانی تھی اور" چونکہ انکو یقین تھا کہ میں اتنی جلدی اس چھوٹی سی نور کی طرف راغب نہیں ہو سکتا تبھی انہوں نے یہ چال چلی۔ نور کی ماں دل کی مریض تھی اور پھر خود نور میرے پاس آ کر روئی کہ سائیں مجھے اس ظلم سے بچا لیں ورنہ اسکی ماں یہ طلاق کا صدمہ نہیں سہہ پائے گی۔ تب تک میں بھی اپنے سوگ سے نکل کر اماں سائیں کے گھناونے روپ کو سمجھ گیا تھا اور اس کے بعد میں نے مجبوراہی سہی پر اس چھوٹی سی نور کے ساتھ اپنا رشتہ شروع

کیا۔اور پھر کچھ ماہ بعد اسکے امید سے ہونے کی خبر نے بظاہر نہ سہی پر اندر تک اماں سائیں کو آگ لگا دی تھی۔ کہاں وہ اپنی سوتیلی بہن کو سزا دینے کے چکر میں تھیں اور کہاں نور امید سے ہو گئی۔بظاہر یہ سارا عرصہ اماں سائیں کسی طوفان سے پہلے آنے والی خاموشی میں غرق رہیں اور پھر آخری مہینوں میں نور کی طبعیت ناساز رہنے لگی۔وجہ وہی تھی کہ وہ کمزور تھی اور ڈاکٹرز نے بہت پہلے ہی کہا تھا کہ آپریشن ہو گا۔میں اس پر ایسا ظلم کبھی نہ کرتا مگر وہ بھی مجبور تھی،اپنا گھر بچانے کے لیے اس نے عرضی کی اور میں نے پوری کی" سادان جیسے جیسے کرمان کی کہانی سن رہا تھا اسکے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔خود کرمان کی آنکھوں میں سخت تکلیف اور کرب نا کی تھی،یہ دل کا پیارا کس قدر اذیت سے گزرا تھا یہ تو صرف کرمان جانتے تھے یا انکا رب۔

بہت تکلیف سہی آخری دو ماہ میں،وہ درد سے کراہتی رہتی تھی اور میں چاہ" کر بھی اسکی تکلیف میں کمی نہ کر سکتا تھا۔گو وہ مجھے عزیز ہو چکی تھی،وہ مجھے

حوصلہ دیتی تھی کہ وہ ٹھیک ہے پر اندر ہی اندر وہ درد سے ختم ہو کر میرا بچہ پالتی رہی۔ مجھے لگا کہ چلو اب جب بچہ آ جائے گا تو نور پر اماں کوئی ظلم نہ ڈھائیں گی پر انہوں نے تو اس کی مہلت ہی نہ دی۔ میں نے اسلامہ آباد کے بہت اچھے ہوسپٹل میں ٹائم لے رکھا تھا مگر عین وقت پر اماں سائیں نے کہا کہ ہسپتال سے آپریشن نہیں کروانا۔ بچہ ہو گا تو نارمل ورنہ بھلے دونوں مر جائیں۔ تم سوچ سکتے ہو سادان کہ وہ وقت میرے لیے کس قدر کربناک تھا۔ میں ہر بار کی طرح خاموشی اور بزدلی سے کام لینے کا ارادہ ملتوی کر کے انکے حکم کی دھجیاں اڑا کر نور کو لے کر ہوسپٹل روانہ ہوا مگر اس سب فساد کرمان کی میں ہمیں وہاں پہنچنے میں کچھ دیر ہو گئی" اب کی بار سادان نے سرخ ہوتی آنکھوں کو دیکھ کر خود بھی کرب سے چاچو کا ہاتھ جکڑا پر تسلی جیسا تو کچھ نہ تھا اور سادان اس صبر و ہمت کے پیکر پر سخت غمگیں تھا۔

نور نے بہت تکلیف سے گزر کر مجھے کومل جیسی پری دی، پر وہ اسکے بعد بس چند پل ہی جی پائی۔ اسکی باڈی کی انر بلیڈ نگ حد سے زیادہ ہو کر اسکے

جسم میں پھیل گئی تھی اور میں تمام تر اختیارات کے نور کو بچا نہ پایا۔ اس نے اپنی بیٹی کا چہرہ دیکھ کر اسکے ساتھ ساتھ مجھ سے بھی ناطہ توڑ لیا۔ مجھے سمجھ نہ آیا کہ یہ وقت رونے کا ہے یا بیٹی جیسی نعمت ملنے پر مسکرانے کا۔ اماں سائیں نے نہ صرف مجھ سے زینیہ چھینی بلکے مجھے میری زندگی کا سب سے بڑا سکھ دینے والی نور بھی چھین لی۔ وہ بہت پیاری تھی، پر مجھ سے بچھڑ گئی۔ اپنا پرتو میری جھولی میں ڈال کر اپنا آپ مجھ پر وار گئی، میں تب واقعی مر جانا چاہتا تھا مگر اس ننھی پری نے مجھے زندگی دی۔ تبھی تو اسے لے کر ہمیشہ ٹچی رہا، اسکی تربیت، تعلیم، اسکی آزادی سب اپنے ہاتھ میں رکھی۔ ان کرمان کی درندوں پر ہوتا تو یہ کومل کو بھی مجھ سے جدا کر دیتے" کئی آنسو لرزتی آواز کے سنگ پلکوں سے گرے اور ساداں کا دماغ معاوف ہو کر یوں ہوا جیسے کوئی ہتھوڑے برسا رہا ہو۔

خدا برباد کرے تمہیں انجیل بیگم، تم اب کسی عزت کے لائق نہیں""

سادان کا سانس متاثر ہوا تھا اور کرمان تو شاید آدھے زینیہ کے ساتھ مر گئے اور آدھے نور کے ساتھ۔

"پر کیا کرتا، ماں تھی۔ میں پتھر نہ بن سکا کیونکہ بد قسمتی سے بابا پر چلا گیا۔ اب بتاؤ سادان، کیا تم میری تکلیف کو محسوس کر سکتے ہو۔ میں بھی تو زندہ ہوں، ٹوٹی ہمت جوڑے ہوئے سلامت ہوں۔ یہ دکھ تو آتی جاتی ؤبا ہیں، دیکھو میری پری کتنی خوش ہے اور اب کومل کی خوشی مجھے سکون دے گئی ہے۔ اسی طرح تمہاری خوشی بھی تمہارے چاچو کا سکون بنے گی، وہ میری پری اور تم میرے شہزادے" کرمان کا سینہ پھٹا تھا اور اب سادان نے انکو اپنے سینے میں بھینچ کر اپنا سینہ بھی پھٹا محسوس کیا، دل میں پیدا ہوتی پر نرمی مر کر ہمت بنی تھی۔ سادان کی آنکھوں میں اس وقت وہشت ناک سرخی اور غضب تھا۔

مجھے آپ پر فخر ہے میرے دوست، واقعی آپ میرے آئیڈیل بلکل پرفیکٹ ہیں۔ مجھے رشک ہے آپ کے میرے ساتھ ہونے پر۔ میں جب روتا تھا تو مجھے بابا سائیں نہیں، یہ پیارے چاچو خود میں سمیٹتے تھے۔ میری ہر کامیابی پر مجھے ملنے والی پہلی تھپکی اور شاباش میرے اس ہیرو کی طرف سے ہوتی تھی۔ ایک بات کہوں، اگر آپ نہ ہوتے تو سادان بھی نہ ہوتا۔

تھینک یو سوچ چاچو، اس وقت جب میں منتشر ہو کر ٹوٹ گیا تھا تو آپ نے مجھے پور پور جوڑ دیا۔ آئی لو وو یو سوچ، اور آگے بھی آپکے اس بیٹے کو آپکی ہمت اور حوصلے کی ضرورت ہے" یقینا یہ سچ تھا، سادان کو باہمت بنانے والا کرمان تھا، خود اندھیرا سہہ کر وہ اپنی رہی سہی ساری روشنی سادان میں منتقل کر گئے اور آج جس طرح سادان نے انھیں عزت دی وہ انکے دل کا ہر درد مٹا گئی تھی۔

دونوں نے ایک بار پھر دل گیر سی یاروں جیسی جھپی ڈالی اور اب ایک بار پھر کرمان اٹھ کر اسکا ماتھا چومتے ہوئے کمر پر ایک زوردار تھپک رسید کیے جی اٹھے اور شاید وہ بھی جینے کی کوشش کا عہد باندھ چکا تھا۔
اگلے دو دن بہت ٹھہراو کے ساتھ گزرے، اک ہوک زدہ خاموشی۔ جس کے پیچھے اک طوفان چھپا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"ہاں، ایک بات غور سے سنو۔ دو پولیس کے لوگ گھر کے باہر ہمہ وقت چوکس ہیں۔ اگر وہ بیچ میں مداخلت کریں تو دونوں کو نانی یاد دلا دینا۔ فلذہ کو سیدھا گاوں کے خفیہ اڈے پر لا کر بند کر دینا۔ میں موقع ملتے ہی آوں گی۔ اور خبردار کسی نے بھی اسے چھوا، اسے صرف ایک سزا ملے گی وہ ہے موت کی۔ کام ہوتے ہی مجھے اطلاع کرو" تو گویا نجیل بیگم کی درندگی کا عروج

دیکھنے کا وقت ہو چکا تھا۔ فون پر ناراضگی کے پیش نظر فیصلہ کن دھمکی دیتی وہ شیطان کی ماسٹر اب سادان کی سانولی پر ہاتھ ڈالنے والی تھی۔ سادان کی وجہ سے اس نے اپنی ہار سہی اور وہ اب اسکی سزا سادان سے جڑے ہر فرد کو دینے والی تھی۔

کچھ فاصلے پر کھڑا ادرمان بھی چہرے پر سختی اور آنکھوں میں ماں کے اس بد فعل پر چمک لیے کھڑا تھا جب انجیل فون بند کیے اپنی چادر کا پلو لہرا کر مڑی۔ دونوں شیطانوں کی نظر ملنے کی دیر تھی کہ پورے کمرے میں خبیث سے قہقہوں نے فضائیں جل تھل کر دیں۔

"واہ اماں سائیں واہ، آپکی منصوبہ بندی کو داد دینی چاہیے، یعنی بنا سادان کو مارے اسے ماردی جائے گی۔ بلاشبہ اس وقت اس کی جان اس فلذہ نامی چڑیا میں ہے، افف بتا نہیں سکتا کہ اس دن کا کس قدر بے صبری سے انتظار تھا۔ وہ مرے گی تو سادان تو بالکل کرمان جیسا ہو جائے گا، ھاھاھا پھر اسکے لیے بھی کوئی راہ چلتی نور نہ سہی حور لے آئیں گے" گھٹیا اور

گھناؤنے پن کی حد تھی اور درمان کا متبسم چہرہ شیطانی گدگدی کی ترجمانی کر رہا تھا۔

واقعی انجیل بیگم نے درمان کے اندر رہی سہی انسانیت بھی ختم کر ڈالی تھی، کچھ دن سے اس سفاک شخص میں آتا احساس اس وار پر موقع پے نیست و نابود ہو گیا اور یہی وہ انجیل چاہتی تھی۔

نانا درمان بچے، سادان کو اتنا کمزور بھی مت سمجھ۔ یہ تو بس اک زخم ہو گا، " اس نے ہمیں مجبور کیا کہ ہم اسے زخم در زخم اذیت دیں۔ دو دن بعد ایک اور ونی کا فیصلہ اب کرے گی انجیل بیگم، آٹھ سال کی لڑکی کو تیئیس سال کے لڑکے سے بیاہ دیا جائے گا۔ سادان دیکھتا رہ جائے گا اور اس کی ہم سے بادشاہت چھیننے کا خواب دھرے کا دھرا رہ جائے گا" دو دن پہلے ہی گاؤں میں ایک خاندان کی ذاتی دشمنی کے باعث قتل ہو چکا تھا اور قتل کا فیصلہ انجیل بیگم نے دو دن بعد پنچائیت میں خود سنانے کا حکم دیا تھا۔ جس پر سے سادان کی توجہ ہٹانے کو فلذہ پر عین موقعے پے ہاتھ ڈالا جا رہا تھا۔

گو آدھا گاؤں جہاں ونی کے خلاف تھا تو وہیں آدھے گاؤں میں بیوقوف اور چوہدریوں کے اشاروں کے غلام لوگ بھی موجود تھے اور وہ اس ونی کے فیصلے کے حامی تھے۔ یہ بات سادان کے علم میں آچکی تھی اور تبھی وہ مسلسل گاؤں کے لوگ اکھٹے کر کے انھیں بار بار سمجھانے میں مصروف تھا اور جب سادان حد سے تجاویز کرتا دیکھائی دیا اور انجیل کو خوف محسوس ہوا کہ کہیں انکے حمایتی بھی سادان کی باتوں میں نہ آجائیں تو اس نے فلذہ والا کام کرنے کا فیصلہ لیا تاکہ سادان کی توجہ ہٹا کر وہ ونی کا ایک اور درندہ صفت فیصلہ لیتی۔

انجیل کوئی عام عورت نہ تھی، وہ سانس بھی مطلب اور فائدے کے لیے لیتی تھی۔

درمان تو اپنی ماں کی چالبازی پر فریفتہ تھا اور اس شخص کی بدقسمتی تھی کہ اس نے اللہ کی طرف سے ملا توبہ کا موقع گنوا کر زلت کی موت مرنے کا فیصلہ لیا تھا۔

یقیناساداں کے لیے ایک بار پھر براوقت شروع ہونے کو تھااور اس بار وار اسکی سب سے بڑی کمزوری پر ہونے کو تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"آپ کو سمجھ میں نہیں آرہا، یہاں میں اپنی جان مشکل میں ڈال کر ونی جیسی فرسودگی ختم کرنے میں لگا ہوں اور آپ انجیل بیگم کی حمایت کر رہے ہیں۔ کچھ عقل ہے آپ سب میں یاسب اپنے آقاوں کے قدموں میں وار آئے ہو" یہ ایک کھلا کھیت کھلیان تھا جہاں ایک طرف لوگوں کا وہ فرقہ تھا جو ساداں کے ساتھ تھے جبکہ دوسری طرف وہ فریق تھا جنکے بارے میں ونی کا فیصلہ آنے والا تھا۔

ساداں شروع میں تونہایت تحمل سے پیش آیا مگر اختتام تک وہ سخت محسوس کن حد تک غضبناک ہوا۔

عاقل سادان کے ساتھ ہی گن لیے کھڑا تھا جبکہ سادان سفید سوٹ میں آج زرا بڑھی شیو سے الگ الگ رعب دار لگ رہا تھا اور اوپر سے چہرے پر تناو اور خفگی تھی کہ حد درجہ تھی۔

ہم بس اتنا جانتے ہیں کہ جو چوہدر ائین صاحبہ کا حکم ہے وہی ہو گا، وہ لڑکی "ونی ہو کر آئے گی کیونکہ اسکے باپ نے میرے بیٹے کو مارا ہے۔اور آپ کے لیے اچھا ہو گا کہ اس کے بیچ مت بولیں" وہ آدمی جو ٹھاٹ باٹ کا نوابی سا تھا، سخت تنفر اور فیصلہ کن دھمکی کے انداز میں سادان کا ماتھا تپا گیا تھا اور سادان کا یہی دل چاہا اسکا منہ توڑ دے۔

ٹھیک ہے اسکے باپ کو جو سزا دینی ہے دو، اس بار ونی نہیں۔۔۔۔اور "مجھے اپنی بات دہرانے کی عادت نہیں۔اگر ایک بار پھر ونی کا فیصلہ ہوا تو ان تمہارے آقاوں کا تو بندوبست ہو گا ہی ساتھ تم جیسے کیڑے بھی پیس دوں گا" سادان سخت مشتعل ہو کر اس ڈھیٹ بنے آدمی کو انگلی دیکھائے غرایا جس پر وہ تو جلا ہی پر اسکا تئیس سالا وہ جاہل گوار اور لالیں لپکا تا بیٹا بھی

سادان کی سمت کاٹ کھانے کے انداز میں دیکھ رہا تھا جو اس وقت اسے اس لیے زہر لگ رہا تھا کیونکہ سادان اسکی ہوس کے بیچ آرہا تھا۔

"ونی کا فیصلہ تو ہو کر رہے گا، آپ جتنا زور لگا لیں اس گاوں کے رواج یہی رہیں گے اور ہم انکا بھرم نبھاتے رہیں گے۔ چلو" وہ آدمی پچھلے دو دن سے سادان کا دماغ گرما رہا تھا اور مسلسل انجیل کی حمایت میں ونی کے حق میں تھا اور آج تو سادان کی برداشت بھی بمشکل اسکے قبضے میں رہ پائی تھی۔

وہ نخوت زدہ پن سے چھپے الفاظ میں سادان سے نفرت کا اظہار کرتا اپنے آدمیوں اور بیٹے کو اشارہ کیے وہاں سے چلا گیا اور اب سادان اپنی کنپٹی سہلاتے ہوئے سخت عتاب زدہ تھا۔

"یہ اس آدمی کا جو لڑکا ہے، اس پر نظر رکھوا و عاقل۔ یہ کمینہ اس بچی پر بری نظر رکھے ہوئے ہے اور قتل تو اک بہانہ ہے ان کم ظرف انسانیت سے درجے سے گرے لوگوں کی کمزوری تو وہ ہوس ہے جو انکو لعنت کے لائق

بنا رہی ہے" عاقل خود اس صورت حال سے سخت دلبر داشتہ تھا اور وہ پچھلے دو دن سے سادان کی ناکام ہوتی کوششوں کو دیکھ کر کرب میں تھا۔

سائیں اسکی آنکھوں سے ہی غلاظت ٹپک رہی تھی، سہی کہہ رہے ہیں" آپ" عاقل بھی ہاتھ باندھے سادان کی بات میں بات ملائے بولا جس پر سادان اب مڑا تو سامنے سے آتے بشیر کو دیکھ کر ٹھٹکا۔

اسلام و علیکم سائیں، دراصل وہ اس عورت کی رپورٹ آ گئی ہے۔ تو ڈاکٹر" صاحب آپکو کلینک یاد کر رہے ہیں" بشیر نے ایک اور سنسنی خیز اطلاع دے کر سادان کو متحرک کیا جس پر وہ باقی سب لوگوں سے اجازت لیے عاقل اور بشیر کے ساتھ ہی کلینک روانہ ہوا۔

وہ لوگ جب پہنچے تو کبیر انہی کا انتظار کرتا پائے گئے اور سادان کے آتے ہی وہ ایک وائٹ پیر تھامے اسکی سمت لپکے۔

وہ ساٹھ سالا عورت کی لاش تھی جسے گلا دبا کے مارا گیا ہے، لاش ہفتے سے" زیادہ پرانی تھی اور ایک بات اسکی دائیں ہاتھ کی انگلی سے یہ انگوٹھی ملی

تھی۔اور گردن پر دو مختلف لوگوں کی انگلیوں کے نشان ہیں۔ایک نشان کسی اور کا ہے اور دو اسکے اپنے ہیں باقی پانی میں رہنے اور گلنے کے باعث مٹ چکے ہیں "ڈاکٹر کبیر نے اپنے پیشہ ورانہ انداز میں سادان کو ساری تفصیل سے آگاہ کیا جس پر سادان تفشیش زدہ حد تک سنجیدہ تھا مگر جب وہ انگوٹھی وہ سادان کی سمت بڑھا رہے تھے تو سادان کے ذہن میں اس انگوٹھی کو دیکھ کر جھماکہ ہوا۔

یہ انگوٹھی اس نے کہیں تو دیکھی تھی مگر حالات کے گرم سرد بوجھ کا ایسا گہرا اثر تھا کہ اس وقت سادان کو یاد نہ آیا کہ وہ انگوٹھی آخر اس نے کہاں دیکھی ہے۔

وہاں سے سادان سیدھا حویلی آیا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ اپنے دماغ پر زور ڈال کر اس انگوٹھی کو یاد کرے مگر کافی سوچ بچار کے بعد ابھی تک اسے کچھ یاد نہ آیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج پھر موسم ابر آلود ہو رہا، ارے بچیو نکل آو کچن سے۔ایک تو یہ دونوں "کاموں سے نہ تھکتیں ہیں نہ باز آتی ہیں" دن کے تین بجے تھے اور موسم کی اثر آفرینی ظالم تھی کیونکہ پورا آسمان سیاہ بادلوں کی لپیٹ میں تھا۔ گلناز بیگم کے چہرے پر اپنی دونوں بیٹیوں جیسی بہووں کے لیے بس انس اور چاہت ہی موجزن تھی اور وہ دونوں ہنستی مسکراتی ہوئی شام کی چائے کے ساتھ پکوڑے اور سموسے بنا کر ساتھ ساتھ گپیں ہانک رہی تھیں۔

ماشاءاللہ سے دونوں نے پورا گھر مکمل سنبھال لیا تھا اور خیر سے گلناز کو نہ فلذہ کام کرنے دے رہی تھی نہ لاڈلی کومل۔

اب تو صحن میں بیٹھ کر ریڈیو سنتے اسد صاحب بھی بیگم کی خوشگوار سی جنجھلاہٹ پر مسکرا دیے اور وہ تو اب واقعی لاڈلی ساس بن کر بہووں کے دیے مکمل آرام سے بور ہو گئی تھیں۔

ارے بیگم کرنے دوناں، مجھے دراصل سموسوں کی خوشبو آرہی ہے۔" بہت دن ہو گئے، آج تو میں نے خوب بدپرہیزی کرنی ہے" واہ جی واہ، اسد صاحب تو کھانے پینے کے دلدادہ معلوم ہو رہے تھے اور انکی اس شوخ حسین بات پر جہاں گلناز حیرت سے ہنس پڑیں وہاں کچن سے برآمد ہوتی وہ دونوں شہزادیاں بھی اپنی اپنی اچھوتی مسکان کے سنگ چائے اور سموسے پکوڑوں کے ساتھ حاضر ہو چکی تھیں۔

لائیٹ پیرٹ، وائٹ پر ریڈ کڑھائی دار شارک فراک پہنے جہاں فلذہ حسین ترین لگ رہی تھی وہیں محترمہ کومل نے پنک اینڈ ییلو بہت نفیس لباس زیب تن کیا تھا۔ دونوں ہی سر پر اپنے اپنے آنچل اوڑھے ہوئے واقعی اس گھر پر اتری نعمتیں لگ رہی تھیں۔

"ھاھا جناب یہ ارمان دل میں ہی دبا لیجئے اور بدپرہیزی نہ کریے گا، پتا ہے ناں اپنے طبیب صاحبزادوں کا۔ پھر آپ نے کہنا ہے مجھے دوائیاں دے کر ظلم نہ ڈھاو" جہاں فلذہ سب کو چائے سرو کیے گلناز امی کے ساتھ بیٹھی ہنس

دی وہیں کومل بھی امی اور ابو کی ان میٹھی میٹھی باتوں پر محظوظ ہوئے اب سر ہلائے متفقہ انداز سے مسکرائی اور خود اسد صاحب بھی معصوم سا منہ بنا کر تین چار سموسوں کی حسرت میں بس ایک ہی کھانے پر مجبور دیکھائی دیے جس کو دیکھ کر اب وہ تینوں خواتین دانت نکالتی ہوئی دلفریب منظر پیش کر رہی تھیں۔ابھی مسکراہٹ جاری ہی تھی کہ دروازے پر ہونے والی دستک پر وہ چاروں ہی متوجہ ہوئے۔

کچھ پل پہلے کی مسکراہٹ تو تب غائب ہوئی جب کواڑ پر اگلی دستک خاصی وحشیانہ طرز کی ہوئی جو چاروں کے چہرے پر پریشانی پھیلا گئی تھی۔

"یہ کون بے فیض ہے اس بے رحمی سے دروازہ بجا رہا ہے،اور یہ گارڈز کہاں ہیں۔میں فون کرتا ہوں" اسد صاحب جواب مسلسل ہوتی بے ڈھنگی اور تیز دستک پر بوکھلا کر اٹھے اور اپنی جیب سے اپنا فون نکالے گارڈ کا نمبر ملایا مگر انکے چہرے پر تب خوف پھیلا جب گارڈ کا نمبر بند ملا اور دوسری

طرف دروازے پر ہونے والی دستک اب خونخوار ہو چکی تھی اور دستک دینے والا اب دروازے کو دھکے دے کر کھولنے کی سعی کر رہا تھا۔

گلناز، فلذہ اور کومل کو اسد صاحب نے فوری کمرے میں جا کر فلذہ کو چھپانے کا اشارہ کیا اور خود کانپتی ٹانگوں سے گیڈ تک گئے۔

اندر جاتے ہی سہمی سی گلناز اور کومل نے جلدی میں فلذہ کو الماری میں بند کیا اور کومل اندر رکی اور گلناز چہرے پر آئے خوف کو ہٹاتی ہوئیں دوبارہ باہر لپکیں جہاں دستک اسقدر بھیانک تھی کہ یوں لگا بس دروازہ ٹوٹ کر گر پڑے گا۔

گلناز کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں تھیں اور اسد صاحب خود خوف کے تخت دروازے تک پہنچے۔

کون ہے" اسد صاحب نے اپنی آواز کا اتار چڑھاو حد درجہ سنبھال کر" پوچھا اور اس پوچھنے کی دیر تھی کہ تڑاخ سے بند ہوا دروازہ کھلا اور یکے بعد دیگرے چھ کے قریب کالے قمیص شلواروں میں ملبوس کاندھوں پر گنز

ڈالے آدمی اندر داخل ہوئے اور دو نے اندر بڑھتے ہی اسد صاحب اور گلناز کی کن پٹی پر بندوقیں تان لیں۔

ک۔۔۔کون ہو تم لوگ، ایسے کیسے گھسے چلے آرہے ہو" اسد صاحب" نے سخت برہمی اور پریشانی سے دھاڑ کر آگے بڑھنا چاہا مگر اسی گن تانے غنڈے نے ایک ہی جھانپر رسید کیا اور بچارے اسد صاحب اپنا توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے زمین پر جا گرے۔

گلناز کی فلک شگاف چینخ پر کمرے میں موجود کومل بھی سفید پڑھ گئی اور دروازے کی اوٹ سے باہر دیکھا تو اسکا گویا چلتا سانس رک گیا۔

دو کالے مسٹنڈے اسی کمرے کی سمت آرہے تھے۔

پورا گھر چھان مارو، وہ لڑکی یہیں ہے۔چپ چاپ ہمیں اسے یہاں سے" لے جانے دو ورنہ خوامخواہ تم سب میں سے کسی کی جان چلی جائے گی۔اس بڈھے کو اٹھا کے بٹھاو۔۔۔اور تم اندر جاو، وہ سانولی سئ لڑکی فلذہ، جہاں چھپی ہے باہر نکالو اسے" وہ ان غنڈوں کا سردار اپنے آدمیوں کو حکم دینے

کے ساتھ ساتھ حقارت اور ٹرختے انداز میں بولا جس پر گلناز سہم کر اسد صاحب کے ماتھے سے نکلتا خون دیکھے رو پڑیں۔

وہ دونوں تو خوف کے مارے ان دو آدمیوں کو کمرے کی سمت بڑھتا دیکھ رہے تھے، جیسے جیسے وہ لوگ کمرے کی سمت گئے ویسے ویسے کومل کے جسم سے جان نکلتی گئی اور وہ مڑ کر بیڈ تک آئی اور سائیڈ پر رکھی شاویز کی گن کانپتے ہاتھوں سے اٹھا کر دروازے کے ساتھ کپکپاتی ہوئی جا لگی۔

باہر گلناز اور اسد صاحب کے ماتھے پر ہنوز ایک آدمی گن لیے کھڑا تھا اور دونوں اس آفت پر غمناک تھے۔

دروازہ کسی نے پاؤں مار کر کھولا اور وہ آدمی جس نے دروازے کے سوراخ سے اوٹ میں کسی کو چھپا دیکھا، اگلے ہی لمحے اپنی بڑی گن کومل پر تانے اسکے سامنے آیا جس پر کومل کے ہاتھ سے گن چھوٹ کر گری اور آنکھیں تب پھٹیں جب وہ آدمی اب غلیظ نظروں سے اپنی مونچھ کو تاؤ دے کر کومل

کو سر تا پا گندگی بھری نظر سے گھور رہا تھا اور کومل میں سانس تک کی ہمت نہ تھی۔

یہ تو اچھا ہوا کے دوسرا آدمی آکر اپنے پاوں کی کک سے وہ گن بیڈ کے نیچے گر گیا اور اگلے ہی لمحے کومل نے ساتھ پڑا واس ہی الماری کی سمت بڑھتے دوسرے بعد میں اندر آتے آدمی کے سر پر دے مارا جس پر وہ کراہتا ہوا سیدھا الماری سے ٹکرا کر زمین پر گرا۔ اور اس سب میں فلذہ کے منہ سے چینخ نکلی اور وہ جو پہلا ہوس زدہ آدمی فرش پر گرے کو دیکھ رہا تھا، یک لخت الماری کھولتے ہی فلذہ کو گھسیٹ کر باہر لے آیا۔

اس دوران وہ گرا آدمی بھی اپنے سر کے پچھلے حصے سے نکلتے خون پر ہاتھ رکھے کومل کی سمت بڑھا مگر دوسرے راجو کے اشارے پر وہ اسے فلذہ کو باہر لے کر بڑھا اور خود اب وہ دوسرا کومل کی گردن پوری قوت سے کئی لمحے لگاتار دبا کر اسے زوردار طریقے سے بیڈ پر پٹختا ہوا اس دوسرے زخمی آدمی کے پیچھے باہر نکل گیا اور بیڈ پر گری کومل اب تو واقعی اپنا سانس بند

ہوتا محسوس کر رہی تھی، اسکا چہرہ زرد پڑھ چکا تھا پھر بھی وہ سخت تکلیف کے باعث جب تک باہر نکلی تو گویا کومل کے پیروں تلے سے زمین سرک گئی۔

باہر کا منظر کچھ یوں تھا کہ صحن کے پلنگ پر سر کے خون پر ہاتھ رکھ کر کربناک سے اسد صاحب روئے سے فون ملا رہے تھے اور گلناز اپنے بالوں کو جکڑے وہیں فرش پر بے سدھ روئے جا رہی تھیں۔

یعنی وہ لوگ فلذہ کو لے گئے، اسی لمحے کومل کو لگا اسکی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا ہے اور وہ وہیں بیہوش ہو کر گری جس پر روتی ہوئی گلناز اب بجلی کی رفتار سے اندر کومل تک آئیں۔ اسکے گلے پر دبانے کا نشان بن چکا تھا اور بیڈ پر گرتے وقت اسکی بازو بیڈ کی پشت سے ٹکرائی تھی جہاں سے جلد چھل کر خون سے تر تھی۔ قیامت برپا ہو گئی تھی، امانت میں خیانت ہو گئی تھی۔ شہزادے کی سانولی موت نے اچک لی تھی۔

وہ لوگ آنے سے پہلے ہی دونوں گارڈز کو سر پر گنز مار کر بیہوش کر چکے تھے اور چونکہ انکا گھر الگ گلی میں تھا لہذا اس ہنگامے کی آوازیں کسی ہمسائے

تک نہ جاسکیں، ہاں فلذہ کو وہ لوگ کہاں سے واپس لے کر کدھر کو غائب ہوئے یہ بھی کسی کو علم نہ ہو سکا کیونکہ گھر سے باہر ہی انکی گاڑی تھی اور گاڑی میں بٹھاتے ہی اس چینختی فلذہ کو کچھ سونگھا کر بے سدھ کر دیا گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کب سے سادان اپنے ہاتھ میں وہ انگوٹھی پکڑے بیڈ کے ساتھ بیٹھا اسے یاد کرنے کی کوشش میں تھا مگر دماغ کسی جالے کی سی کیفیت میں مبتلا ہو کر کوئی رستہ فراہم نہیں کر رہا تھا۔

بلیک شرٹ اور بلیک ہی ٹائیٹ ٹراوزر میں ملبوس چہرے پر بے تابی کی لکیریں امڈی تھیں اور وہ اپنی پیشانی سہلائے یاد کرنے کی کوشش مئں تھا کہ اسی لمحے دروازے پر دستک پر سادان اپنی منتشر سوچوں سے باہر آیا تو

سامنے تیمور سنجیدہ سی صورت لیے اندر آیا جسے دیکھ کر سادان بھی اپنی توجہ انگوٹھی سے ہٹائے تیمور کے چہرے کی الجھن کی سمت مبذول کر چکا تھا۔

لالہ مجھے آپ سے بات کرنی تھی" دو دن سے تیمور بھی بہت چپ تھا، " اسکی ساری شیطانیت اور خباثت کہیں روپوش تھی۔ یاد تھا تو بس رمشہ کے چہرے کا درد جس نے تیمور کو ہلا کے رکھ دیا تھا۔

تیمور کی آواز میں بجھا پن دیکھتے ہوئے سادان نے اپنا ہاتھ بڑھایا جسے تیمور نے پکڑا اور سادان اسے اپنے ساتھ ہی زمین پر بٹھائے اب توجہ سے تیمور کے چہرے پر لکھی داستان پڑھنے کی کوشش میں تھا۔

ہاں کہو، کیا بات ہے۔ دو دن سے دیکھ رہا ہوں چپ چپ ہو۔ نکاح تم" چاہتے تھے وہ تو ہو گیا ہے۔ اب کیا چاہتے ہو" سادان کو کہیں خدشہ سا ہوا کہ کہیں یہ رخصتی کا کیڑا نہ اب اس جذباتی کے سر میں گھس گیا ہو اور سادان کے لیے ایک نئی پریشانی کھڑی کردے تبھی وہ تھوڑا سخت انداز لیے استفسار کر رہا تھا۔

میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں، آپ مجھے لاہور بھیج دیں۔ میں اپنی پڑھائی" وہیں مکمل کروں گا اور وہیں رہوں گا" تیمور کی بات پر سادان لمحے بھر کو ساکن ہوا تھا کیونکہ جس تیمور کو وہ جانتا تھا، یہ تو وہ ہرگز نہ تھا۔

یہ بیٹھے بٹھائے تمہیں یہاں سے جانے کا خیال کیسے آیا، سب خیر ہے۔" کہیں کچھ الٹا تو نہیں کر بیٹھے جسکی وجہ سے اب بھاگ رہے ہو" اک الگ ہی سنسنی اور تفتیش تھی جس میں سادان نے غرق ہو کر تیمور پر اچٹتی اور کڑی نگاہیں مرکوز کیے پوچھا جس پر وہ سخت اکتائے انداز میں سادان کو ناراضگی سے دیکھ رہا تھا۔

میرے خیال سے آپکی مارنے اُس جانور کو اسی دن مار دیا تھا، پر آپ سب" ٹھیک ہیں اپنی جگہ کیونکہ ابھی میں شاید واقعی یقین کے قابل نہیں ہوں۔

بس اسی وجہ سے میں یہاں سے دور جانا چاہتا ہوں، تب تک جب تک اپنے پیروں پر نہ کھڑا ہو جاؤں" یہ سب تیمور کے منہ سے سننا واقعی حیرت انگیز

تھا پر کہیں نہ کہیں سادان کو اس ساتھ بیٹھے جنگلی تیمور میں بہت سا سدھار دیکھائی دیا جو اسے مسکرانے پر مجبور کر گیا۔

"بہت اچھی بات ہے پھر، ٹھیک ہے تمہیں بھیجنے کا جلد انتظام کرتا ہوں۔ اور مجھے تم پر اب خود سے زیادہ یقین ہے لہذا اس یقین کو قائم رکھنا۔ یہ گاوں کے تھوڑے معاملات حل کر لوں تو خود جا کر تمہارا ایڈمیشن کروا دوں گا تب تک تم سپلی کی تیاری مکمل رکھو۔ میٹرک کلئیر ہو گا تو ہی آگے داخلہ ہو گا" سادان بھی اب رسانیت سے تیمور کے بکھرے بالوں میں ہاتھ پھیرے بولا جس پر وہ سادان کے گلے لگنا چاہتا تھا پر نا جانے کیا ہوا کہ وہ بس لی دی سی مطمئین جنبش دیتا سادان کے پہلو سے اٹھ کر جس طرح آیا ویسے ہی باہر نکل گیا اور سادان جو بہت سوچ بچار کے سنگ اس سمت نظریں جمائے ہوئے تھا یک دم اک سناٹا پھٹ کر پھیلنے پر وہ انگوٹھی غور سے دیکھنے لگا۔

سارے منظر فلم کی طرح سادان کے دماغ میں چلے اور اس روز جس دن فلذہ کی بازو داغی جائی تھی، وہ منظر سادان کے سامنے آیا اور اگلے ہی پل اس پر حقیقت آشکار کر گیا۔ بے یقینی اور تہس نہس سے تاثرات لیے وہ دنگ تھا، وہ جان چکا تھا کہ یہ انگوٹھی کسی اور کی نہیں بلکے دادی کی خاص چہچی فیضاں کی تھی جو اتفاق سے اسے کئی دن سے حویلی ٔمیں نظر بھی نہ آئی۔

سادان نے فرش سے اٹھ کر ابھی باہر کی راہ لی ہی تھی کہ بیڈ پر پڑا سادان کا فون بجنے پر اسکے رواں قدم تھم گئے اور وہ سبک روی کے سنگ بیڈ کی سمت لپکا جہاں شاویز کی کال دیکھ کر وہ تھوڑا فکر مند سا ہوئے فون کان سے لگا چکا تھا۔

دوسری طرف برپا ہوئی قیامت خیزی تو سادان کے وجود کو شل کر دینے والی تھی۔

شاویز گھر پہنچ چکا تھا اور بابا اور کومل کی غیر ہوتی حالت سے زیادہ اسے فلذہ کے غائب ہونے کا رنج تھا جس نے اسکی شفیق آنکھیں سرخ کر رکھی تھیں۔

سادان، میرے بھائی غضب ہو گیا ہے۔ وہ لوگ فلذہ کو لے گئے، بابا اور کومل بھی سخت زخمی ہیں۔ دونوں گارڈز آئی سی یو پہنچ گئے۔ وہ لے گئے فلذہ کو" شاویز کی درد میں لپٹی کانپتی اس آواز نے سادان کی سماعت پر بجلی اور تکلیف دہ ازیت کی اک وافر مقدار گرائی تھی اور وہ بے یقینی اور کرب سے اپنی جگہ پتھرا گیا تھا۔ یوں لگا اسکے دماغ کی کوئی نس اس قدر زور سے پھڑ پھڑائی ہے کہ بس ابھی اسکے سر سے لہو چھوٹ پڑے گا۔

فون اسکے ہاتھ سے چھوٹ کر بیڈ پر گرا اور وہ خونخوار، زخمی شیر کی مانند آنکھوں میں آئی اُس تکلیف کے لاوے کو بے دردی سے رگڑے انجیل بیگم کا مانو قتل کرنے کی حد تک غضبناک ہو کر کمرے سے نکلا۔ شاویز بولتا رہا اور سادان تو کیا وہاں اسکا سایہ بھی نہ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"جی سر پلیز جو کرنا ہے جلدی کیجیئے، وہ لوگ چھ تھے اور محلے کہ ایک لڑکے نے گاڑی کا نمبر بھی نوٹ کیا ہے۔ بس خدا کے لیے فلذہ کو ڈھونڈ دیں" وہ علاقے کے انسپکٹر سپیشل شاویز کے کہنے پر مجرموں کے پیچھے لگ چکے تھے۔ اتفاق سے گلی کے ایک چودہ سالا لڑکے نے اس کالی بڑی گاڑی کو جاتے دیکھا تھا اور چالاکی سے نمبر نوٹ کر کے شاویز کو اطلاع دے دی تھی جسکی وجہ سے شہر کے تمام ناکوں اور گاوں جانے والے رستے کے ساتھ ساتھ گاوں کے اسی انسپکٹر کو بھی سخت ہدایات جاری کی گئی تھیں کہ اس گاڑی کا جلد از جلد سراغ لگایا جائے۔

"ٹھیک ہے مسٹر شاویز آپ تسلی رکھیے ہم نے ہر طرف سیکورٹی الرٹ کر دی ہے اور اس کیس پر سختی کا آرڈر کورٹ نے بھی جاری کر دیا ہے لہذا ہم

جلد ان غنڈوں تک پہنچ جائیں گے" دوسری طرف بھاری مردانہ گھمبیر آواز نے بظاہر فون پر بات کرتے شاویز کو تسلی تو دی پر وہ اس وقت جس کرب میں تھا اسکو بیان کرنا مشکل تھا۔

اسد صاحب کے سر پر گر کر فرش سے پٹخنے پر خاصا بڑا زخم آیا تھا جس کو شاویز نے ٹریٹ کر دیا تھا مگر کومل تو ڈر اور صدمے سے اب تیز بخار میں مبتلا تھی۔ایک تو دو سیکنڈ اگر وہ آدمی مزید کومل کا گلا دبائے رکھتا تو وہ مر سکتی تھی اور دوسرا اسکی بازو سخت زخمی تھی۔گلناز تو اس وقت کی رو رو کر آدھی ہو کر کومل کے پاس بیٹھی تھیں اور بظاہر اسد صاحب کو شاویز نے آرام کا کہا تھا پر وہ مسلسل صحن میں اس ناساز طبعیت کے باوجود جائے نماز لیے بیٹھے دعا میں مشغول تھے۔

فون بند کر کے جیب میں رکھتا شاویز من وزنی قدم اٹھاتا کمرے میں گیا تو کومل کی نیم جان حالت دیکھ کر سینہ پھر سے پھٹ گیا اور اب تو اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ خود کو حوصلہ دے یا امی کو۔

امی روئیں مت، بس دعا کریں۔ بابا کو کچھ کھانے کے لیے بنا دیں انکی" طبعیت نہیں ٹھیک اور کومل کو بھی ابھی میڈیسن دینی ہے۔ آپ حوصلہ کریں گی تبھی حالات سنبھال پاوں گا، ان شاءاللہ ہم فلذہ کو جلد ڈھونڈ لیں گے اور ان بدبختوں کو عبرتناک سزا ملے گی" شاویز جو خود زرد چہرے کے سنگ اپنے اندر کی مسماری کی ترجمانی کیے بھیگی آواز سے گلناز کے روبرو بیٹھے انکے آنسو پونچھے بولا تو وہ مزید دردناک رو دیں۔

ٹھیک ہے، اسکے پاس بیٹھو۔ میں جاتی ہوں" گلناز جو روئی سی سر اثبات" میں ہلائے اٹھ کر اک غمناک نگاہ بے سدھ سی کومل پر ڈالے باہر چلی گئیں اور اب شاویز نے بے حد رنجیدگی سے کومل کا بے جان ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چوما جس پر وہ کراہتی ہوئی بمشکل سانس لے کر ہانپ رہی تھی۔

کومل، کومل میری جان آپ ٹھیک ہیں نا۔ یااللہ رحم کریں ہم سب پر۔ یہ" کیا ہو گیا ہے، نجانے سادان کس حالت میں ہو گا۔ کومل کو یوں چھوڑ کر جا

بھی نہیں سکتا" وہ اس قدر درد میں تھی جیسے ابھی بھی اسکا سانس بمشکل نکل رہا ہو اور شاویز سے یہ سب مزید دیکھنا کٹھن تھا۔

ف۔۔۔فلذہ۔۔۔شاویز وہ فلذہ کو لے گئے" وہ جو ابھی بھی درد میں تھی، اسے یاد تھا تو صرف فلذہ کو ان غنڈوں کا لے جانا جس پر شاویز نے دکھتی آنکھیں رگڑ کر کومل کو سہارا دیا جو شاید اٹھنا چاہتی تھی۔

فکر مت کریں، ہم ان شاءاللہ فلذہ کو ڈھونڈ لیں گے۔آپ ایسے مت" کریں آپکی طبعیت پہلے ہی ن۔۔۔نازک ہے" خود شاویز اسے تھوڑا نیم دراز کیے اسکا چہرہ بے قراری سے تھامے لرزاں خیز انداز سے بولا تو وہ سسکتی ہوئی شاویز کے سینے سے جا لگی۔

گو گردن پر بہت برا درد تھا جسکے باعث وہ اگلے ہی پل تکلیف سے اپنی گردن کو چھوئے شاویز سے الگ ہوئی۔

شاویز پلیز فلذہ کو جلدی ڈھونڈیں، دادی اسے مار دیں گی۔نہیں اسے مرنا" نہیں ہے، سادان۔۔۔سادان ٹھیک ہیں ناں۔یہ کیا ہو گیا ہے، میرے

سامنے وہ فلذہ کو لے گئے اور میں۔۔۔۔۔شاویز کچھ کریں" شاویز پہلے ہی شدید کرب میں تھا اور اب کومل کا رو کر رنج سے التجاء کرنا شاویز کی مزید ہمت توڑ رہا تھا۔

بس ناں کومل، خدا کے لیے مت روئیں آپ ٹھیک نہیں ہیں۔ بھروسہ" رکھیں، بس پلیز ان ظالموں نے آپکو یہ جو تکلیف دی ہے کاش انکو قبر میں گاڑ پاتا۔ کیا حال کر دیا ہے" شاویز تو اسکی گردن پر بنے نشان کو دیکھ کر ناجانے کس طرح ضبط کیے ہوئے تھا پر کومل کو تو اس وقت صرف فلذہ کی فکر تھی۔

وہ لوگ میرے ساتھ ایسا کر سکتے ہیں تو فلذہ کے ساتھ۔۔۔۔۔میں" کیسے صبر رکھوں شاویز، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے" وہ سرخ پڑتی زرا زرا خوف سے کپکپاتی کومل تو شاویز کو بھی ہلا رہی تھی اور وہ اس وقت ہمت ہارنا افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔

مت ڈریں، اللہ فلذہ کی حفاظت کریں گے۔ پولیس نکل چکی ہے، بہت" جلد وہ درندے قانون کی گرفت میں ہوں گے۔ آپ رونا بند کریں، آگے ہی آپکو سانس نہیں آرہا" شاویز کسی طرح کومل کو تسلی دے کر چپ کروانا چاہتا تھا کیونکہ ابھی بھی گلا دبنے کے اندرونی اثرارت تھے جو اسے متاثر کر رہے تھے دوسرا وہ آگ کی طرح تپ رہی تھی۔

مجھے بہت درد ہو رہا ہے شاویز" پھر سے وہ اکھڑے سانس لے کر شاویز کا" دل روک رہی تھی جس پر شاویز نے بہت آہستگی سے اسے واپس لٹا کر تکیہ نیم دراز کیے پانی کا گلاس اسکے ہونٹوں سے لگایا مگر وہ بمشکل ایک گھونٹ ہی بھر پائی تھی اور تکلیف کا ایسا گہرا اثر تھا کہ سانس لیتے وقت وہ پوری کانپ رہی تھی۔

روئیں مت، ٹھیک ہو جائے گا۔ گلا انفیکٹ ہوا ہے اسکی وجہ سے درد اور" سانس لینے میں دشواری ہے۔ ابھی کچھ تھوڑا لیکوڈ کھا کر میڈیسن لیں گی تو درد میں کمی آجائے گی" شاویز سے حقیقت میں کومل کی ایسی نازک حالت

سہنی مشکل تھی مگر وہ خود کو مضبوط کیے اسکا ہاتھ دوبارہ پکڑے دوسرے سے اسکی دہکتی پیشانی چھو کر خود بھی کسی ان کہے سوز میں لپٹا تھا اور وہ کبھی آنکھیں کھول رہی تھی اور پھر بند کر لیتی۔

شاویز مجھ سے سانس نہیں لیا جا رہا، پلیز مجھے بیٹھنا ہے "کومل کی حالت" واقعی بہت دلخراش تھی اور شاویز اسے دوبارہ سے بیٹھائے اسکے بلکل قریب جا کر اسکا چہرہ تھام کر اسے دیکھ رہا تھا جو زرد ہو کر رہ گئی تھی۔

اب کیسا محسوس کر رہی ہیں "شاویز اسے بے چینی سے اپنے ساتھ لگائے" بولا جس پر وہ ہنوز تکلیف میں نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ کچھ دیر تک گلناز سوپ لے آئی تھیں پر کومل سے بس تھوڑا ہی بمشکل پیا جا سکا تھا اور میڈیسن بھی لیکوڈ تھی کیونکہ ابھی گلا کچھ بھی سولڈ نگلنے کی پوزیشن میں نہ تھا۔

دوا میں نیند کا بھی اثر تھا جسکی وجہ سے کومل تھوڑی سکون میں آچکی تھی اور شاویزاسکے بعد پھر سے انسپیکٹر سے رابطہ بحال کیے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دروازہ پوری شدت سے کھلا اور اگلے ہی لمحے سادان بجلی کی رفتار اور کسی آتش فشاں کے لاوے کی مانند دہکتا ہوا عین انجیل بیگم کے روبرو انکی سفاک آنکھوں میں یوں جھانکا جیسے ابھی اس عورت کا گلا دبا کر یہیں دفن کردے گا مگر وہ تو جیسے سادان کا یہی روپ امید کررہی تھی لہذا بڑے ہی تنفر اور آرام دہ انداز میں اپنی لاٹھی کے سنگ اپنی چادر کا پلو لہرا کر عین سادان کے سامنے آکر اکڑ گئی۔

اسے سادان کی آنکھوں سے لہو ٹپکتا محسوس ہوا جیسے وہ آج اسکی جان لے کر رہے گا۔

"آپ تو میری سوچ سے بھی گرے درجے تک جا پہنچی ہیں، کہاں ہے فلذہ۔ میں پوچھ رہا ہوں آپ کے ان درندوں نے کہاں رکھا ہے اسے، مجھے مجبور مت کریں کے میں اپنی حد پار کروں" لہجے میں درد کے باوجود وہ نفرت کی انتہا لیے مستفسرانہ اور دل کو مسلتی نگاہوں سے گھور کر استفسار کرتا دھاڑا مگر انجیل بیگم کے چہرے پر لطف، شیطانیت اور اطمئینان کی خوب فراوانی اس گھٹیا عورت کے سکون کی ترجمانی کر رہے تھے۔

"حد تو پار ہو گئی بچے، تم ہم سے ہماری بادشاہت چھینو، ہم سے چھپ کر حویلی کے فیصلے لو اور اس خرافہ کو اس حویلی کا حصہ بنانے کے خواب دیکھو اور ہم سے امید رکھو کہ ہم چپ رہیں، واہ واہ۔۔۔۔ تجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اس بدذات تو تیرے سامنے ماروں گی لہذا صبر کر جا، میرے وہ درندے پہلے اپنی ہوس۔۔۔۔۔۔۔۔۔"مزید انجیل بیگم کہنے کے قابل نہ

رہی کیونکہ اسکی آواز سادان کی دبنگ اور لرزاں خیز دھاڑ کے بیچ دب گئی تھی۔ سادان کا تو سارا لہو ہی اسکے چہرے پر سمٹ آیا، آنکھوں کی ہولناکی اس ستم پر ضبط سے بدحال تھی مگر سادان کو اس وقت اگر کوئی حسرت تھی تو وہ انجیل بیگم کی جان لینا جو درندگی کی ہر حد پار کر چکی تھی۔

اسقدر بھیانک دھاڑ پر تو فلک بوس کی دیواریں لرز اٹھی تھیں مگر مجال ہو جو انجیل بیگم کی خباثت میں کمی آئی ہو۔

فلذہ کو اگر کسی نے چھونے کی کوشش بھی کی تو بہت برا انجام کروں گا، " آپ کو فیضاں کے قتل پر پہلے پھانسی دلواوں گا۔ زینیہ، نور اور نا جانے کس کس کی قاتل ہیں آپ، ایک اور لڑکی کی زندگی برباد نہیں ہونے دوں گا "

اب کی بار کرنٹ اور بڑے وولٹیج کا لرزاں خیز جھٹکا انجیل بیگم کو لگا کیونکہ وہ تو خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ سادان ایسا سب جانتا ہو گا، اسکا سفید پڑتا رنگ سادان بھی دیکھ چکا تھا۔

انجیل بیگم اس وقت جب وہ اپنے عروج پر تھی، ایسے بدمزہ بات سن کر مزید مشتعل ہو کر غرائی اور سادان کی توریگیں تن چکی تھیں اور خون کے تپنے سے چہرے پر سرخی چھلکنے لگی تھی۔انجیل جانتی تھی کہ وہ اپنے جرم کا کوئی ثبوت نہیں چھوڑتی تھی تبھی اسے سادان کی اس دھمکی پر بہت ہنسی آرہی تھی، بدبخت عورت ابھی جانتی نہیں تھی کہ کس سے پنگاہ لے بیٹھی ہے۔

ھاھاھاھا،او۔۔۔۔۔۔بچے بچے "یک لخت کمرے میں انجیل بیگم کا" خباثت سے اٹا قہقہہ گونجا جو سادان کو مزید اس عورت پر غضبناک کر گیا۔ اسے اب کوئی پرواہ نہیں تھی، عزیز تھی تو بس اپنی بادشاہت۔

بند کریں اپنی یہ گھٹیا ہنسی، اس سے پہلے کہ میں آپکو سارے جہان کے " لیے عبرت بنادوں مجھے بتادیں فلذہ کہاں ہے۔چاہتی کیا ہیں آپ آخر، کیوں ہم سب کی زندگی عذاب کررکھی ہے آپ نے " تمام تر اخلاقیات بھول کر سادان اس پر ہر ممکنہ نفرت انڈیل دینا چاہتا تھا اور اب وہ مطلب

کی بات پر خاصی پر شوق ہو کر ساداں کے عین روبرو ہو کر اسکی آنکھوں میں نفرت سے جھانکی۔

"میری بادشاہت کے بیچ سے ہٹ جا، اس فلذہ کو طلاق دے کر اپنی زندگی سے نکال کر یہاں سے دفع ہو جا، یہی چاہتی ہوں۔ فلذہ کی جان بخش دوں گی، پر اگر وہ تیرے ساتھ رہی تو ایک بار نہ بھی مر سکی تو پل پل مرے گی۔ تجھے ابھی میری طاقت کا علم نہیں، میرے ایک اشارے پر تیری وہ معصوم فلذہ، پاکیزہ سے ناپاک ہو جائے گی۔ لہذا اگر اسکی زندگی اور عزت چاہتا ہے تو اسے خود سے دور کر دے۔ ورنہ کل کا دن فلذہ کے لیے آخری ہو گا، تیرے سامنے ماروں گی اور تو اسے بچا نہیں پائے گا اس لیے سوچ اچھے سے "لب و لہجے میں غلاظت ملائے، وہ پھنکارتی ہوئی انجیل ساداں پر تو آسمان گرا گئی تھی۔ یعنی کرمان اور زینیہ کی کہانی دہرائی جانے والی تھی۔

ساداں کو لگا جیسے اسکے اندر کوئی شے سلامت نہیں رہی، دل و دماغ شل ہو کر کام کرنا بند کر گئے ہیں۔ یعنی فلذہ کی عزت اور زندگی کی شرط ساداں سے

اسکی موت لی جانے والی تھی۔ آج تو اس ظلم پر آسمان کو پھٹ جانا چاہیے تھا، زمین کو کانپ جانا چاہیے تھا پر ایسا تو کچھ نہ ہوا بس قیامت سادان پر ٹوٹ پڑی اور وہ بظاہر لڑکھڑا کر سفید پڑتے چہرے کے سنگ دو قدم دور ہٹ گیا مگر یوں لگا وہ آج واقعی مر سا گیا ہے۔ فلذہ کو خود سے دور کرنا شہزادے کو اپنی موت کی مانند محسوس ہوا، کیا چال چلی تھی اس مکار اور شاطر عورت نے۔ کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی سلامت رہے۔ میں اسے نہیں چھوڑ سکتا، لیکن آپکو آج ہی اس دنیا سے روانہ کر سکتا" ہوں۔ بتا دیں کہاں ہے وہ، ورنہ آپکے ساتھ بھی وہی کروں گا جو آپ نے فیضاں کے ساتھ کیا۔ بتا دیں کہاں ہے وہ، مجھے قاتل بننے پر مجبور مت کریں۔ آپ سے کہیں زیادہ زہریلا اب سادان ہے، میں نے کہا بولیں" کچھ دیر وہ اس عورت کی سزا تجویز کرتا رہا اور پھر اپنے ہٹائے قدم انجیل کی سمت پتھرائے انداز سے بڑھائے جو سادان کے خوفناک تیور بھانپ کر تھوڑی گڑبڑا گئی کیونکہ سادان نے ایک ہی جھٹکے سے ٹیبل پر پڑی بڑی

چھری اٹھا کر انجیل کی گردن پر رکھی جس سے وہ پھٹی آنکھوں سے سادان کی ہمت سے متاثر اور ڈری سی لگی۔

سادان جتنی قوت سے دھاڑ سکتا تھا اتنی سے دھاڑا تھا اور اب انجیل کے شیطانی دماغ نے دوڑنا شروع کر کے پلین بی پر عمل کا سوچا۔

جنگل میں ہوس کے ماروں کے بیچ ہے تیری فلذہ، یہ مت بھول کہ اس کو" نوچنے کی حسرت رکھتے کتے بہت بھوکے ہیں۔ یہاں تو مجھے مار وہاں اپنی فلذہ کی لاش پر ماتم منائے گا، ہوش سے کام لے۔ تیرا زہر جتنا بھی بڑھ جائے، انجیل بیگم سے کم ہی رہے گا۔ جاؤ ڈھونڈ لے اسے، مل گئی تو تیری نہ ملی تو ان کتوں کی۔۔۔۔۔۔۔" انجیل بیگم اسے پھر سے فلذہ کے باعث درد دیتی گئی اور سادان نے وہ چھری زوردار طریقے سے زمین پر ماری اور اسکے چہرے کا افشار ہوتا خون بحال ہوا اور وہ مرے قدم اٹھاتا مڑ گیا مگر پھر انجیل بیگم کی آواز پر رکا۔

چل اسکی عزت خراب نہیں کرواتی، تو میرا پوتا ہے لہذا تجھے یہ دکھ دینے" کا پلین کینسل۔۔۔۔پر اگر تیری فلذہ کو نہ چھوڑنے کی رٹ جاری رہی تو تجھے اسکی موت بڑے شاہانہ انداز سے دیکھاوں گی۔بس آج کا بقیہ دن اور رات ہے تیرے پاس، اپنی اور فلذہ کی زندگی تیرے ہاتھ میں ہے" جاتے جاتے بھی انجیل بیگم نے اس بکھرے وجود پر اک آخری وار کیا اور بے حد محظوظ انداز میں سادان کو جاتا دیکھ کر ہنسی مگر سادان باہر تو آگیا تھا مگر اب اسکے قدم اسکا ساتھ چھوڑ رہے تھے۔دیوار کا سہارا لیے وہ کمرے سے باہر کھڑا اپنے بالوں کو جکڑے ہوئے اپنی بے بسی پر ابھی سے ماتم مناتا محسوس ہوا پر ابھی اسکے پاس رونے کا وقت نہ تھا۔وہ فلذہ کی تلاش کی غرض سے اب یہ پورا گاوں کھود ڈالنے والا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ ایک سنسان سا جنگل کا راستہ اور اسکے ساتھ بنا ایک ٹوٹا سا اڈا تھا جہاں بمشکل دو تین کیبن کمرے کی شکل میں تھے اور جا بجا مکڑی کے جالے لگے تھے۔ وہ آدمی جو سانڈ جیسی صورت کا تھا، اپنے کندھے پر ڈالی فلذہ کو اب اس نیم روشنی والے اندھیرے کمرے میں کندھے سے اتار کر زمین پر لٹا چکا تھا جس پر چھوٹی سی چٹائی تھی۔ فلذہ ہوش سے ابھی تھوڑی بیگانی تھی اور اسکا اب دوپٹہ بھی غائب تھا۔ بال جو فرینچ ڈیزائن سے جڑھ کر بندھے تھے اب کھل کر اسکے ارد گرد بکھرے تھے۔ جس چٹائی پر اسے لٹایا گیا تھا وہ بھی گرد سے اٹی تھی، فلذہ کے پاوں میں جوتے بھی نہیں تھے کیونکہ وہ شاید وہیں گھر رہ گئے تھے۔

وہ آدمی فلذہ کو لٹا کر اب اس پر سر سے پاوں تک گندی نظر ڈالتا ہوا اپنی مونچھ کو تاو دے کر اپنے گھٹنوں کے بل بالکل لیٹی فلذہ کے قریب بیٹھا۔

ان سبکو سختی سے ہدایت تھی کہ کوئی فلذہ کو چھوئے گا بھی نہیں اور انجیل نے اس بار زینیہ والی لاپرواہی نہیں کی تھی تبھی ایک اپنا زیادہ وفادار آدمی بھی اس چھ رکنی ٹیم پر باقیوں پر نظر رکھنے کو موجود تھا۔

اس گھٹیا آدمی کا ہاتھ اب فلذہ کے بے جان چہرے پر بالوں کی چند کمر سے آئی لٹیں ہٹا کر وہ ہاتھ اب وہاں سے اسکی گال پر سے ہونٹ تک رکا اور وہاں سے گردن تک جیسے جیسے لے جا رہا تھا ویسے ویسے اس کا نشہ بڑھ رہا تھا اور فلذہ جو ہوش سے بیگانی تھی یوں لگا اب یہ ناپسند لمس محسوس کرتی ہوئی ہوش میں آتی ہوئی اس کیفیت میں بھی تکلیف میں تھی۔ گردن سے اس گھٹیا شخص کا ہاتھ اس سے پہلے اسکے گلے کی سمت بڑھ کر اسکی شرٹ پھاڑتا، زوردار جھٹکے سے دوسرے اندر داخل ہوتے آدمی نے اسے بازو سے پکڑ کر گھسیٹ کر اٹھایا جس پر وہ تلملاتا ہوا خونخوار ہوا۔

کیا کر رہا ہے، چوہدرائین کا سختی سے حکم ہے اس کو کوئی نہ چھوئے، اپنی یہ " خباثت سنبھال لے راجو ورنہ اپنے ساتھ ساتھ ہمیں بھی بے موت مارے

گا۔ جانتا نہیں ہے یہ سادان سائیں کی بیوی ہے، دفع ہو یہاں سے اور اب اگر ادھر آیا تو تجھ سے چوہدرائین ہی نمٹیں گی" یہ وہی تھوڑا مہذب سا آدمی تھا جسے انجیل نے نگرانی پر فائز کیا تھا مگر اسکی اس بات نے راجو نامی خبیث پر سکتہ طاری کیا اور اسے اپنی ہوس کے پیچ آتے اس شخص پر شدید غصہ تھا۔

مرنا تو ہے ہی اسے، تو کیوں ناں بھرپور مزہ لے لیا جائے۔ اس کو" چھوڑنے کا دل نہیں میرا، کچھ تو ہے اس میں جو وہ سادان اسے چھوڑتا نہیں۔ تو مجھے تپ مت چڑھا، بلکے تو بھی آجا" راجو کے تیور تو بہت غلیظ تھے جس پر اب وہ دوسرا آدمی اسے زبردستی بازو سے گھسیٹ کر باہر لایا جس پر وہ اسکی اس حرکت پر باہر جا کر اسی سے دست و گریباں ہوا۔ فلذہ جو اسکے چھونے پر خود کو کرب میں محسوس کر رہی تھی ان آوازوں سے کانپتی ہوئی آنکھیں کھول گئی۔

دیکھ میں تجھے آخری بار سمجھا رہا ہوں کے اسے چھونا نہیں ہے، مجھے مجبور" مت کر" وہ شاید زلفی نامی آدمی تھا۔ دونوں کی گرما گرم بحث کے بیچ باقی چاروں بھی اب انکی سمت آئے جن میں ایک کے سر پر پٹی تھی اور وہ وہیں باہر ٹوٹی کرسی پر لڑھکا ہوا تھا۔

دیکھتا ہوں مجھے کون روکتا ہے، اب بعد کے بجائے ابھی کروں گا جو کرنا" ہے" باہر ہوتے ہولناک شور پر فلذہ جو بیہوشی کے اثر سے اب مکمل نکل رہی تھی، اپنے سر میں ٹھیسیں ہوتی محسوس کرتی اپنا سر جکڑے دوبارہ بند ہوئی آنکھیں کھول رہی تھی مگر آنکھیں کھلتے ہی ایک بوسیدہ لکڑی کے تختوں سے بنا چھت اور مٹی کی تیز سی مشک اور لکڑی کے ساتھ عجیب سی گھٹن کا احساس ہوتے ہی فلذہ سر کے درد کے باعث کانپتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔

باہر کسی کے لڑنے کی آواز نے فلذہ کا وجود برف کی مانند کیا اور جب اس نے خود کو دوپٹے کے بنا دیکھا تو اسکے وجود سے رہی سہی جان بھی سرک گئی۔

خوف اور ڈر کے مارے وہ چٹائی کے کونے میں جا سمٹی اور خود پر جو قرآنی

آیات اور دعائیں آتی تھیں وہ پڑھ کر پھونکنے لگی، اور جہاں جہاں اس گندے شخص نے اپنا ہاتھ لگایا وہ روتی ہوئی اپنا چہرہ اور گردن مسل رہی کر وہ بلکل دیوار سے لگی کپکپاہٹ سے تھی۔ دونوں ٹانگیں سینے سے جوڑ سامنے دیکھ رہی تھی جہاں سے اب آوازیں قریب آتی محسوس ہوئیں اور پھر راجو پھنکارتا ہوا اندر آیا اور فلذہ کو جاگا دیکھ کر اسکی خباثت سے رال بہی اور جس طرح وہ فلذہ سے زیادہ اسکے وجود کو دیکھ رہا تھا یہ فلذہ کو بس دوبارہ ہوش سے بیگانہ کرنے کو کافی تھا۔

اس سے پہلے کے راجو اپنی قیمص کے بٹن کھول کر قمیص اتارتا، اڑتی ہوئی گولی عین اسکی پشت پر لگی جسکے باعث خون کے چھینٹے فلذہ کے چہرے پر بھی گئے اور یہ منظر جب وہ راجو نامی آدمی پل بھر میں موت کے منہ میں گیا، فلذہ پر سکتہ طاری کر گیا۔

ہر طرف ایک چپ تھی اور وہ زلفی نامی آدمی جو گن پکڑے کھڑا تھا اب اسکو کاٹ کھانے کے لیے دوڑتے باقی آدمیوں کی طرف رخ پھیرے دھاڑا۔

"سن لو سب، جو اس لڑکی کی طرف آیا اسکا انجام بھی یہی ہو گا۔ یہ لڑکی چوہدائن کی امانت ہے اور ہماری وفاداری میں ہمیں زیب نہیں دیتا کہ خیانت کریں یا کسی کو کرنے دیں۔ نکل جاو تم سب اور باہر کی پہرہ داری کرو۔ جاو" فلذہ کو تو آوازیں سنائی دینا بند ہو گئیں، اسے بس وہ زمین پر مرا پڑا آدمی دیکھائی دیا جسکی کھلی آنکھیں فلذہ کی جان لے رہی تھیں اور ڈر اسقدر تھا کہ وہ رو بھی نہ پائی بس وہ دیوار سے جڑی بمشکل سانس لے پا رہی تھی۔

وہ چاروں آدمی تنفر سے زلفی کا چار و ناچار حکم مانتے ہوئے زمین پر پڑی راجو کی لاش اٹھاتے ہوئے باہر نکلے اور اب زلفی اپنا پسینے سے بھیگا چہرہ

صاف کیے فلذہ کو دیکھ رہا تھا جو لگتا تھا سخت بری طرح خوف میں تھر تھر کانپ رہی تھی۔

زلفی نے ساتھ پڑے گھڑے سے پیالے میں پانی ڈال کر فلذہ کی سمت بڑھایا جس پر وہ مزید ڈر کر رو دی جیسے وہ اسے چیر پھاڑ دے گا مگر وہ زلفی نیت کا برا نہ تھا کیونکہ وہ کچھ عرصہ کرمان کے ساتھ بھی جڑا رہا تھا اور اچھے لوگوں کی صحبت اثر رکھتی ہے۔ وہ جوان اور خوبرو تھا مگر کہتے ہیں ناں کہ جسے اللہ چاہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے رسوا کرتا ہے۔ وہ فلذہ کے خوف کو مد نظر رکھتا ہوا وہ پیالا وہیں کچھ دور جھک کر چٹائی پر رکھے خود باہر نکلا تو فلذہ جو کسی ٹرانس کی کیفیت میں تھی اب خود کو بے یار و مددگار پا کر سخت رو دی۔ اپنے آپ کو وہ ڈھکی ہونے کے باعث چھپانے پر لگی تھی، اسے اس کمرے سے اور اب وہاں فرش پر گرے خون سے بہت ڈر لگ رہا تھا۔

اسکے رونگٹے کھڑے تھے، چہرہ مکمل بھیگ کر مٹی اور خون کے چھینٹوں سے خوفناک لگ رہا تھا۔اس وقت وہ اللہ کے بعد بس سائیں کو یاد کر رہی تھی۔

دوسری طرف زلفی نے باہر جاتے ہی ساری صورت حال انجیل کو بتائی تو اس نے راجو کے انجام پر اسے شاباش دی اور اسے فلذہ کی ہر وقت کڑی نگرانی کا حکم دیا جسکے بعد زلفی نے کمرے سے باہر ہی ڈھیرا جمالیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سادان کی حالت تو ناقابل بیان حد تک مخدوش تھی، کرمان نے عاقل کو اسکے پل پل ساتھ رہنے کا کہا تھا اور خود وہ مسلسل ایس ایچ او کے ساتھ پورے گاؤں کا چپہ چپہ چھان رہے تھے۔لاہور کی پولیس بھی اس مطلوبہ نمبر کی گاڑی کی کھوج میں تھے اور ممکن تھا رات تک یا صبح تک کوئی خبر آجاتی مگر جیسے جیسے رات گہری ہو رہی تھی سادان کی دھڑکنیں اپنی رفتار

محدود کر رہی تھیں۔ شاویز خود وہاں الگ اذیت میں تھا، اگر کومل کی طبعیت بہتر ہوتی تو وہ سادان کے پاس چلا جاتا۔ سادان کو اس نے دو بار فون کیا اور دونوں بار وہ عاقل کے ساتھ تھا اور اس نے فی الحال کسی سے بات کرنے سے انکار کر دیا جس پر شاویز نے بھی عاقل کو سادان کے ساتھ رہنے کی ہدایت کی۔

سادان کی ہمت گہرے ہوتے اندھیرے اور گزرتے وقت سے ٹوٹ رہی تھی اور وہ اپنے علم میں موجود ہر اڈا چھان چکا تھا مگر نا جانے انجیل بیگم نے فلذہ کو کہاں رکھا تھا۔ دوسری سمت وہ ساری رات اس ٹوٹے پھوٹے مٹی سے اٹے کمرے میں کپکپا کر اکھڑے سانس لیتی رہی اور سائیں کو پکارتی رہی مگر یہ رات سب پر ایک سی اذیت کے ساتھ اتری تھی لہذا کسی کہ تکلیف میں کمی نہ ہو سکی۔ صبح چار بجے کا وقت تھا جب لاہور کے ایس ایچ او نے فون پر گاڑی کی لوکیشن اور گاڑی کس کے نام ہے یہ سب کرمان کو بتایا اور پورے گاوں میں ہر کوئی خوف سے کانپ رہا تھا کہ جو دادی اپنے پوتے

کو نہیں بخش رہی وہ گاوں والوں کو کیسے بخشے گی۔ وہ تمام لوگ جو ساداں کے ساتھ تھے اس واقعے کے بعد انکی تعداد میں اضافہ ہوا مگر پھر بھی کل صبح دس بجے ونی کا فیصلہ ہونے کے بعد انجیل نے فلذہ کو ساداں کے سامنے تھا۔ شرط نہ ماننے پر مارنے کا فیصلہ کر لیا

سائیں ہمت مت ہاریں، گاڑی کا پتا چل گیا ہے دیکھیے گا ہم فلذہ باجی تک بھی پہنچ جائیں گے " وہ لوگ گاوں کی آبادی سے دور جنگل کے رستے پر کچھ دیر رکے تھے۔ فجر کی اذانیں سنائی دے رہی تھیں پر ساداں کو دیکھ کر عاقل کا دل پھٹ رہا تھا جو شکست خوردہ تاثر لیے گاڑی کے ساتھ کھڑا سامنے جنگل کی طرف پتھرائی نظریں لیے کوئی ربورٹ لگ رہا تھا۔ رات گزر گئی تھی اور بلکل رات کے گزرنے کی طرح ساداں کے جسم سے روح بھی نکل گئی تھی۔ اسکی آنکھوں کو دیکھ کر خوف آ رہا تھا، اسکے چہرے پر ہولناک سی تباہی تھی۔

مجھے کوئی تسلی مت دو عاقل، جب تک وہ عورت نہیں چاہتی مجھے فلذہ" نہیں ملے گی۔ کیا مجھے اسے چھوڑ دینا چاہیے؟ بتاو عاقل۔ میرا اسے چھوڑنا اسکی زندگی بچالے گا، مجھے تسلی مت دو مجھے مشورہ دو" سادان کی آواز میں کھارا پن تھا اور وہ اس بے بسی پر پوری دنیا کو آگ لگا کر نیست و نابود کر دینا چاہتا تھا، عاقل جو اسکے ساتھ ہی سر گرائے رو یا سا کھڑا تھا اب اپنی زرد آنکھیں رگڑتا چہرہ اٹھا کر سادان کو کرب سے دیکھنے لگا جہاں بس اذیت تھی، جلن تھی اور اک آگ تھی۔

سائیں اگر آپ نے فلذہ باجی کو چھوڑ دیا تب بھی کوئی گرانٹی کب ہے، یہ" ظالم لوگ تب بھی اسے نہیں بخشیں گے۔ اللہ پر بھروسہ رکھیں میرے پیارے سائیں، فلذہ باجی کو کچھ نہیں ہو گا۔ دیکھیے گا ہم آج ہی انھیں ڈھونڈ لیں گے" عاقل ہر ممکنہ کوشش کیے سادان کی تکلیف میں کمی کی کوشش میں تھا مگر سادان کی تہس نہس ہستی اور بے ربط سانس اسکے بکھر کر بے آس ہونے کی نمائندگی کر رہی تھی۔

اور اگر وہ نہ ملی، اور میں اسے بچا نہ پایا تو کیا کروں گا عاقل۔ یہ سب میری" برداشت سے باہر ہے، میں مزید کچھ نہیں سہہ سکتا" نمی نے ان دہکتی سرخ انگارہ آنکھوں سے بہہ کر اس تاریک سحر میں آسمان کو ہلا دیا تھا اور وہ آسمان کا مالک بیشک آج سے سادان کی تکلیف میں کمی کرنے والا تھا۔ سحر اور صبح کے ملاپ کا یہ وقت قبولیت کا تھا اور آج سادان حق کا آخری آمتحان تھا جسکے بعد وہ بادشاہِ وقت کے منسب کے لیے اسکی مسند پر بیٹھا دیا جانے والا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"میں تو مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہا ساداں، یار مجھے معاف کر دے۔ میں تیری فلذہ کی حفاظت نہیں کر پایا پر یوں مجھے تکلیف میں اکیلا مت چھوڑ"

بہت منتوں کے بعد صبح بمشکل کرمان کے دوبارہ کہنے پر ساداں نے فون پر بات کرنے کی ہامی بھری پر وہ اب صبح کی روشنی کے باوجود اک اندھیرا لگ رہا تھا، دوسری طرف شاویز کی آواز میں ٹوٹے کانچ سی کھنک تھی جس پر ساداں نے بمشکل سینے پر دباؤ ڈالتا سانس خارج کیا۔

"نہیں شاویز یہ بات نہیں ہے، مجھ سے بات ہو ہی نہیں رہی۔ بس دعا کر یار، چاہے جتنی مرضی اسکی رکھوالی کر لیتا دادی نے یہی کرنا تھا۔ کومل اور بابا کیسے ہیں؟" ساداں کی تکلیف شاویز کو محسوس کن حد تک درد میں مبتلا کر گئی اور وہ بھی اپنی آنکھیں تر ہونے سے نہ روک پایا۔

"انکی فکر مت کر، دونوں بہتر ہیں۔ ہمت مت ہارنا میرے شیر، ڈی آئی جی صاحب نے مجھے فون کیا تھا ابھی کہ وہ ان لوگوں کی لوکیشن ٹریس کروا رہے ہیں۔ انجیل بیگم کا فون مسلسل ٹریس ہو رہا ہے اور رات انہوں نے

اپنے کسی زلفی نامی آدمی سے بات کی ہے۔بس تھوڑی دیر اور برداشت کر لے، کاش میں وہاں آ پاتا پر وہ کہہ رہے تھے میرا گھر رہنا ضروری ہے" شاویز نے جیسے سادان کی ڈوبتی سانس کو کچھ سہارا دیا اور سادان کو پھر بھی تسلی نہ ملی تھی۔

تجھے وہیں رہنا ہے شاویز، میری فکر مت کر۔ میں ٹھیک ہوں" یہ تو وہ دونوں جانتے تھے کہ ٹھیک تو کوئی نہیں ہے، سادان مزید بات نہ کر پایا کیونکہ کرمان تیز تیز سانس لیتے اس طرف آئے تھے اور ان لوگوں نے اس زلفی نامی غنڈے کی لوکیشن ٹریس کر لی تھی جس پر وہ سب اب اس جگہ جانے والے تھے۔ سادان نے شاویز کو جانے کا کہا اور فون بند کر دیا۔ اسد صاحب کی طبعیت تو بہت بہتر تھی مگر کومل ابھی بھی بخار میں تھی۔ شاویز فون بند کر کے دل میں سادان کی تکلیف کی کمی کی دعا کرتا بیڈ کی طرف بڑھا جہاں اسکی کومل بھی تکلیف میں ہونے کے باوجود بس فلذہ کی سلامتی کی خبر کی منتظر تھی۔

شاویز، کیا ہوا۔ کچھ پتا چلا فلذہ کا" اسی لمحے گلناز بے حد سلگے سینے کے سنگ" اندر آتے بولیں جس پر شاویز نے تھکے انداز میں کومل کا ہاتھ پکڑے بیٹھتے ہوئے مڑ کر امی کو دیکھا۔

ان لوگوں نے فلذہ کو جہاں رکھا تھا اس جگہ کا پتا چل گیا ہے، بس دعا" کریں کہ وہ سادان کو مل جائے۔ امی آپ ایسا کریں ٹھنڈا پانی اور پٹی لا دیں، کومل کا بخار کم ہونے کا نام نہیں لے رہا" پہلی بات سن کر تو گلناز نے روئی آنکھوں کے سنگ آمین کہا اور آخری پر دونوں ہی درد دیتے تاثر کے سنگ نڈھال سی کومل کو دیکھ رہے تھے جو ابھی بھی مکمل ٹھیک نہیں تھی۔

ہاں ٹھیک ہے میں لاتی ہوں، ناشتہ بھی بنا دیا ہے اسے جگاؤ تا کہ کچھ کھا" لے۔ اور تم بھی کچھ کھا لو کل سے یونہی تڑپ رہے ہو، وہاں نجانے میرے دوسرے بچے کا کیا حال ہو گا۔ یا اللہ ہم سب پر رحم کریں، تم نے سادان سے کی بات، کیسا ہے وہ۔ اسکی تکلیفیں تو بڑھتی جا رہی ہیں" گلناز جواب جھک کر کومل کے آگ کی طرح تپے ماتھے پر بوسہ دے کر غم سے چور

انداز میں بولی تھیں اب مڑ کر شاویز کو دیکھتے تاسف اور رنج سے بولیں جس پر شاویز کا تاثر دردناک تھا۔

"مجھ وہ بہت بری حالت مئں ہے، امی یہ سب تو اسے ریزہ ریزہ کر گیا ہے۔ سے یہ سب برداشت نہیں ہے، چوٹ ان دونوں کو پہنچی ہے پر دل میرا بند ہو رہا ہے" آخر شاویز بھی کب تک حوصلہ کرتا، آخر غم کے آگے ہار گیا تو گلناز بھی اس تکلیف سے تہس نہس ہوتے شاویز کو خود میں سموئے خود بھی صبر و ہمت کے بندھ توڑ گئیں۔

"میرا بچہ حوصلہ کرو، نا میرا شہزادہ۔ تجھے ان سب کو سنبھالنا ہے، تجھے ہمت نہیں ہارنی۔ چل بس اسے جگا میں نے اسکے لیے دلیہ بنایا ہے باریک سا، تاکہ گلے میں نگلنے سے درد نہ ہو۔ اٹھا اسے میں پٹیاں اور برف بھی لاتی ہوں۔ تیرے بابا کو بھی دوں ناشتہ، بس میرا بچہ ہمت رکھ" گلناز نے بہت رسانیت سے شاویز کا چہرہ تھامے درد کے گرم سیال مادے کو ہاتھ سے ہٹا کر تسلی دی اور اسکی بھی پیشانی چومتی ہوئی باہر نکل گئیں اور وہ جو سخت

تکلیف میں تھا اب کومل کی سمت ٹوٹے شکستہ انداز میں دیکھ رہا تھا جو نا جانے کس کرب میں جل رہی تھی کہ شاویز کی موجودگی کے باوجود اسکا وجود دہک کر درد کی ترجمانی کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لوکیشن کے ٹریس ہونے کی خبر کا صرف پولیس کو پتا تھا مگر نا جانے زلفی کو کیسے علم ہوا جس پر اس نے فوری حکم پر باقی آدمیوں کو فلذہ کی جگہ بدلنے کا حکم دیا اور وہ لوگ پولیس اور سادان کے پہنچنے سے پہلے وہاں سے نکل گئے تھے۔

انجیل بیگم نے اگلی بار زلفی سے رابطہ دوسرے فون سے کیا تھا اور پہلا نمبر توڑ کر ثبوت ہی مٹا دیا اور اسے فلذہ کو ٹھیک بارہ بجے نہر پر لانے کا حکم کیا تھا۔

پولیس کے سات اہل کاروں کے سوا عاقل، سادان اور سادان کے دو گارڈز تھے جو اس ٹوٹی جھونپڑی کو ہر سمت سے گھیر چکے تھے۔

سادان کے چہرے پر اس وقت کسی تباہ کن کھنڈر کا نقشہ درج تھا اور وہ بس کسی طرح فلذہ کے یہیں ہونے کی دعا کرتا نڈھال تھا مگر وہ لوگ ابھی باہر ہی تھے اور چار سو سناٹا یہ بتا رہا تھا جیسے وہاں کوئی ذی روح موجود نہیں ہے۔

سر مجھے لگتا ہے وہ کتے بھاگ گئے ہیں، ورنہ اتنی خاموشی نہ ہوتی "یہ" وردی میں ملبوس کانسٹیبل تھا جو گن کو اس کاٹیج کی طرف تانے اپنی رائے دیے بولا جس پر سادان نے اپنا دل بند ہوتا محسوس کیا اور وہ پولیس کے روکنے کے باوجود بے قراری سے اندر لپکا اور عاقل بھی پیچھے بھاگا۔ پولیس کی ٹیم بھی یکے بعد دیگرے انکی پیروی کرتی اندر پہنچ کر چاروطرف پھیلی مگر اس کمرے میں جہاں فلذہ کو رکھا گیا تھا، جاتے ہوئے سادان کے قدم تو کیا اسکی ہمت نے بھی ساتھ چھوڑا کیونکہ وہاں فرش پر جا بجا بکھرا خشک

خون اسقدر وافر مقدار میں تھا کہ سادان کے ساتھ ساتھ عاقل بھی خوف سے کانپ اٹھا۔

کھجور کے پتوں کی چٹائی پر پڑی چٹلّا بنا رہی تھی کہ وہاں کوئی بیٹھا رہا ہے، چٹائی پر پڑا خالی پانی کا پیالا مگر کچھ اور بھی تھا جس پر سادان کو لگا اسکی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا ہے۔

سادان نے کانپتے ہاتھوں کے سنگ اپنے من وزنی قدم آگے بڑھا کر جھکتے ہوئے چٹائی کی ناٹ میں پھنسے اس پینڈنٹ کو اٹھایا تو شعلے جیسی آنکھوں میں نمی جھلملائی۔

وہ فلذہ کا پینڈنٹ تھا جو نا جانے کب اسکی گردن سے گر گیا، سادان نے اپنے بالوں میں خونخوار ہو کر انگلیاں پھنسائیں تو عاقل جو پچھتاثر دے رہا تھا، سادان کے پاس آیا کیونکہ اسے ڈر تھا سادان کہیں گر کر یہیں فنا نہ ہو جائے۔

پولیس کے آدمی اب اس کمرے میں موجود خون کو دیکھ کر حیرت زدہ تھے اور سادان لڑکھڑاتا ہوا وہاں سے نکلا اور تیز تیز سانس لیے پوری شدت سے چینخا۔ آواز میں ایسی ہولناکی اور کرب تھا کہ صبح کا اجالا اور ہلکی پھلکی چلتی ہوا بھی ساکن ہوئی۔

سائیں، سائیں ہمت۔۔۔"عاقل کی بات سن کر سادان نے اسے سخت" عتاب سے دیکھ کر تسلی دینے سے منع کیا اور وہ تو سادان کی ایسی خوفناک حالت پر لرز گیا تھا۔

ہمت کا وقت گیا، اب بتاوں گا اس عورت کو کہ دل پر وار کرنے کی کیا سزا" ہے۔ میں حویلی جا رہا ہوں انجیل کو مارنے" سادان نے ہوا میں اپنا ہاتھ لہرا کر عاقل کی طرف اچٹتی تنبیہ نظر سے دیکھا اور وہ پینڈٹ سختی سے اپنی مٹھی میں جکڑتا تقریباً بھاگنے کے انداز میں اپنی گاڑی تک پہنچا جس پر عاقل نے بھی سبک روی سے اندر کھڑے کانسٹیبل کو اشارہ کرتے ہی گاڑی کی سمت دوڑ لگائی اور فوری سیٹ سنبھالی۔ اسے اب خود سادان کے پھٹ

پڑنے سے خوف آرہا تھا، ناجانے اب کونسی قیامت آنے کو تھی خدا خیر کرے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"آج جیسا کے تم سبھی گاوں والوں کو ایک اور انصاف زدہ فیصلے کے لیے جمع کیا گیا ہے، ہمارے گھر میں حویلی کے اندر جو بھی معاملات چل رہے ہیں اس سے تم سبھی کا کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہیے۔ تم سب بس اتنا یاد رکھو کہ جو ہماری بادشاہت سے انحراف کرے گا اسکا انجام بھی بہت عبرتناک ہو گا" ایک بار پھر گاوں میں بہت بڑی پنچائیت کا اہتمام ہو چکا تھا۔ جہاں ایک طرف وہ جرگے کے پانچ معززین اور اندر سے گھٹیا ترین لوگ اونچے شملے سجائے بیٹھے تھے تو دوسری طرف ونی ہونے اور ونی کرنے والے خاندان کے لوگ کھڑے تھے۔ باقی پوری جگہ تقریباً آدھا

گاؤں سہمی اور ہولناک شکلیں لیے پھنکار کر لاٹھی کے سہارے پر کھڑی انجیل بیگم کی سمت متوجہ تھا جو سب پر اپنے لفظوں کا رعب اور جلال ڈالتی ہوئی دھمکی خیز اور زہریلے انداز میں مخاطب تھی۔

چوہدائن جی زندہ آباد، ونی پائیندہ آباد" یہ انجیل کے حمائتی بدبخت جیالے" تھے جو ایسے ناقابل قبول نعرے لگاتے ہوئے خاصے نجس معلوم ہو رہے تھے۔

درمان حق بھی پنچائیت میں موجود تھا اور طفیل بھٹی بھی جس کے اندر اب پلید سی منصوبہ بندی گردش کر رہی تھی۔ اسکا نشانہ کومل تھی اور وہ اب کسی صورت کومل سے دستبردار ہونے پر راضی نہ تھا۔

جیسا کے دلدار کا بیٹا خیر دین کے ہاتھوں مرا ہے تو اب خیر دین اپنی آٹھ" سالا عائشہ کو دلدار کے گھر ونی کرے گا، ابھی اور اسی وقت ہم تئیس سالا علی اور اس آٹھ سالا عائشہ کے نکاح کا حکم دیتے ہیں "اس بار یہ موذی فیصلہ انجیل نے سنایا اور جابجا پورے مجمعے میں دردناک سرگوشیاں ابھریں اور

خیر دین کی لہو روتی آنکھیں اور بے قرار گرفت اس آٹھ سالا سہمی بلبلاتی، تڑپتی اور آہیں بھرتی ننھی سی عائشہ کو دبوچے ہوئے موت کی مانند سوگ پھیلائے ہوئے تھی۔

کئی آنکھیں اس ظالم فیصلے پر اشک بار رہیں، وہ عائشہ سسکتی بلکتی رہی مگر اس علی شیر نامی غلیظ ہوس سے آٹے شخص نے نکاح کو اپنی جیت کی طرح لیا اور اسکی اور اسکے باپ کی آنکھوں میں ویسا ہی تاثر تھا جیسے میدان جنگ میں دشمن کی فوج کو لاتیں رسید کرنے والوں کے چہروں پر موجود ہوتا تھا۔

عائشہ کو بچانے والا ایک سادان تھا جو خود فضا میں منتشر ہو چکا تھا اور یوں انجیل نے بہت چالاکی کے ساتھ ونی کا ایک اور درندہ صفت فیصلہ کر کے اس بچی کو اس جانور کے حوالے کر دیا جو اسے مجمعے کے بیچ ہی کاٹ کھانے کے انداز میں دیکھ رہا تھا تو اکیلے میں تو اسے چیر پھاڑ دیتا۔

آسمان آج سرخ ہو رہا تھا، کیونکہ آج ظلم کی انتہا ہو گئی تھی۔ انجیل بیگم کی نجس منصوبہ بندی فی الحال کامیاب تھی اور اب اسکے حکم کے مطابق اسکے آدمی فلذہ کو نہر پر لانے والے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جدائی کا خوف جدائی سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے، ہر پل، ہر لمحہ یہ دھڑکا کہ شاید جس سے وہ ڈرتا تھا وہ موڑ آگیا، یہاں سے اسکے اور اسکی سانولی کے راستے عمر بھر کے لیے جُدا ہو جائیں گے۔

یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے پاؤں میں ایک کانٹا چبھ جائے اور اُسے دھیرے دھیرے نکالا جا رہا ہو کانٹے کی ذرا سی بھی حرکت روح کھینچ رہی ہو۔

ایسے ہی جیسے بتادیا جائے کہ اس تاریخ کو عزرائیل نے روح قبض کرنے آنا ہے۔ پھر ہر پل کو کوئی آنکھوں میں تصویر کرنا چاہے، ہر سانس کو یاد بنانا چاہے اور حافظے میں خوف کنڈلی مار کے بیٹھا ہو۔

.جدائی کا خوف جدا ہونے سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے

آج یہی جدائی کا خوف چوہدری سادان حق کی رگوں سے خون چوس رہا تھا، حویلی پہنچنے سے پہلے ہی سادان کے فون پر اس ناگن دادی کا میسج پہنچا جسکو پڑھنے کے بعد سادان نے اپنی گاڑی کا رخ نہر کی جانب موڑ لیا تھا۔

سرپرائز تیار ہے بچے، آج فیصلہ ہو گا۔ اگر تُو نے میری بات مان لی تو فلذہ" کو پوری عزت کے ساتھ اسکے گھر روانہ کروں گی اور تیرے انکار پر آج یہ گاوں کی خونخوار نہر تیری فلذہ کی قبر بنے گی" یہ چند لفظ نہیں تھے، یہ زہر سے اٹا وہ سرطانی خوف تھا جو آج سادان پر بے حد گراں تھا۔

یہ کیسا موڑ تھا کہ جہاں دونوں طرف موت تھی، یہ تو ناانصافی تھی۔اور ایسی فلک شگاف ناانصافی سانس لینے پر بھاری تھی۔وجود ریزہ ریزہ اور دل و دماغ کی ہر نس پھڑک رہی تھی۔

کیا آج شہزادے اور سانولی کی قسمت میں موت سے بدتر جدائی لکھ دی گئی تھی، وہ فلذہ کو چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا مگر اسے مرتا ہوا بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

عاقل کے ہزار کہنے کے باوجود سادان نے خود ڈرائیو کی ذمہ داری لی اور وہ پورا سفر پھٹی آنکھوں سے مٹی اور دھول کے غبار میں سبک روی سے گاڑی کو ہوا کے دوش پر چلا رہا تھا اور عاقل کو الگ صدمہ تھا کہیں وہ کوئی حادثہ نہ کر بیٹھے۔

نہر کے قریب تو گویا ایسا سماں تھا جیسے یہاں کوئی تماشا لگا ہے۔یکے بعد دیگرے آکر رکتیں دو گاڑیاں اور پھر انجیل بیگم کے غنڈے موالیوں کے

مجمعے کے خوف زدہ منظر اور نظارے بھی اس قیامت خیز منظر کو دیکھنے جمع تھے۔

دو آدمی اب گاڑی سے فلذہ کو گھسیٹ کر نکال رہے تھے جسکی آنکھوں پر سیاہ پٹی اور اسکے دونوں ہاتھ پیچھے کر کے باندھے گئے تھے۔ایک رات میں ہی سادان کی شہزادی یوں لگا اجڑے حال کو پہنچ چکی تھی۔

چہرے پر لگے مٹی دھول اور لہو کے داغ، شارٹ فراک جواب مٹی سے اٹی تھی۔ سفید ٹراوزر بھی میلا ہو چکا تھا۔اسکے نازک پاوں جوتوں سے بے نیاز جن کی ایک طرف بہت سا خون تھا جو شاید کچھ چبھنے پر بہہ کر اسکے ایک پورے پاوں کو لال کر گیا اور خوف،درد، تکلیف کے باعث وہ نڈھال اور بے جان ہونے کے باوجود کانپ رہی تھی۔

ہر کوئی اس فرعونیت پر چپ سادھے کھڑا تھا، یہاں تک کہ یہاں کی پولیس بھی ان لوگوں کے سامنے بھیگی بلی تھی اور چونکہ باہر کے شہر کی پولیس کو صرف فلذہ کا سرچ وارنٹ ہی ملا تھا لہذا اس کے علاوہ وہ کوئی ایکشن لینے

کے اہل نہ تھے۔ یہاں کے وڈیروں کے صدیوں سے چلے آتے قانون توڑنے کی اہل یہ کھوکھلی پولیس بھی نہیں تھی۔ اور پھر اک گہرا سناٹا پھٹ کر پھیلا اور ہر طرف خوف وہراس پھیل گیا۔

کیا سمجھی تھی تُو، سادان کے پیچھے چھپ کر ہمارے عتاب سے بچ جائے گی۔ دیکھ آج تُو میرے قبضے میں ہے، یہ نہر تیری کچھ دیر میں قبر بنے گی" انجیل بیگم جو آج سیاہ اور میرون دیدہ زیب لباس اوڑھے سجی سنوری تھی، پھر بھی نہایت غلیظ لگی جب اس نے بے دردی اور جارحانہ انداز سے فلذہ کی آنکھوں پر بندھی پٹی ہٹا کر دھاڑتے ہوئے ہتک آمیزی سے کہا۔ پٹی ہٹنے پر فلذہ کی سوجھی متورم آنکھیں چندھیا چکی تھی۔ کل سے ان سے نہ کچھ کھایا اور نہ پیا تھا اور اوپر سے سوہان روح زخم اتنے لگے کہ وہ بمشکل اپنا توازن برقرار رکھے اپنی مسماری کی ترجمانی کر رہی تھی۔

آنسو تو ختم تھے، ہر کوئی فلذہ کے چہرے پر لکھی کرب کی کہانی باآسانی پڑھ سکتا تھا۔

آج تیری موت اور زندگی تیرے سائیں کے ہاتھ، تم دونوں ایک ساتھ "
رہے تو مروگے۔ تجھے بھی میرا یہی مشورہ ہے کہ سادان کی زندگی سے نکل
کر اپنی زندگی بچالے، ورنہ تیری وجہ سے مجھے اپنے پوتے کو مارنا پڑے گا"
انجیل بیگم فیصلہ کن حقارت لیے اب فلذہ کا جبڑا بھینچے غرائی جس پر چند بچے
کچے آنسو فلذہ کے گردسے اٹے چہرے پر لکیر بناتے ہوئے بہہ نکلے اور اس
نے انجیل بیگم کو یوں دیکھا جیسے اس پر دل ہی دل میں لعنت بھیج رہی ہو۔
مجھے ماردیں، انکو اس فیصلے کے امتحان میں مت ڈالیں۔ کہہ دیجئے گا فلذہ "
نے خود چھلانگ لگادی، انھیں کچھ مت کہیے گا" فلذہ کی آواز اسکے خلق سے
لگی نکلی اور وہ اب پھر سے روتی ہوئی اس زندگی سے نجات مانگ رہی تھی
اور انجیل بیگم کو آج اس لڑکی پر ایک لمحے کو ترس آیا جسکی آنکھوں میں پہلے
کی طرح اب نہ ڈر تھا نہ خوف۔ بلکے وہ پوری بے خوفی سے انجیل کی
آنکھوں میں آنکھیں گاڑے لفظ چبا چبا کر بولی تھی۔

واہ واہ مہان فلذہ، تیرے لیے تو تالیاں ہونی چاہیں۔ چلو بھئی تالیاں بجاو" میری بدذات بہو کے لیے "کسی مجبور کی بے بسی پر خوشی اور لطف اٹھانا اس سفاک عورت سے بہتر کسی کو نہ آتا تھا اور پھر انجیل بیگم کے سارے آدمیوں نے خبیث سے قہقہوں کے ساتھ تالیاں بجائیں سوائے زلفی کے جو پتھر بن کر یہ سب سفا کی دیکھتا چپ کھڑا تھا۔

ختم کر دیں یہ قصہ، انکے آنے سے پہلے مجھے پھینک دیں۔ آخری خواہش" سمجھ لیں، پر سائیں کو کچھ مت کہیے گا۔ بخش دیجئے ان کی جان، آپ کو بھی جلد عبرتناک موت سہنی پڑے گی۔ جس طرح آپ مجھ پر ہنس رہی ہیں اس طرح کل آپ پر ہنسا جائے گا۔ اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے انجیل بیگم" فلذہ کی آواز درخت کی اوٹ کی سمت بھاگ کر آتے سادان کی سماعت سے ٹکرائی تو وہ اور عاقل جو دوڑ کر نہر کی سمت جا رہے تھے۔ سامنے کا منظر دیکھ کر دونوں کی ہستی فنا ہوئی کیونکہ فلذہ کی اس بات کو وہ ناگن سہہ نہ سکی اور

ایک مشتعل ہو کر اسی لمحے تلملاتی ہوئی زوردار دھکے سے اس نے فلذہ کو نہر میں پھینک دیا۔

فلذذذذذذہ" سادان کی فلک شگاف آواز نے گویا انجیل بیگم سمیت" اسکے ساتھیوں کو بھی لرزا دیا اور وہ جو نہر میں پھینک دی گئی، بنا غوطے کھائے سطح کے اندر جا بسی۔ عاقل اور سادان دوڑ کر نہر تک پہنچے اور سادان نے بنا کسی کی پراوہ کیے ایک خونخوار نظر انجیل کی روح فنا کرنے کو ڈالی اور تہس نہس اور ہراساں سا اپنی جان کی پرواہ کیے بنا اس بھیانک خونی نہر میں چھلانگ لگا گیا اور جس جگہ فلذہ گری وہ بھی وہیں غرقاب ہوا۔

انجیل بیگم کی ٹانگیں خوف سے کپکپا اٹھیں اور وہ جلدی سے اپنے لوگوں کو اشارہ کرتی پلٹی جس اور دیکھتے ہی دیکھتے دونوں گاڑیاں وہاں سے فرار ہوئیں ۔اب تو عاقل کو لگا وہ وہیں گر پڑے گا۔

سائیں۔۔۔۔۔۔سائیں کہاں ہیں آپ۔۔۔۔۔اوہ میرے اللہ" کچھ پل جب نہر میں کوئی حرکت نہ ہوئی تو عاقل نے ہیجانی طور سے چلانا شروع کر دیا۔

اسی لمحے نہر کی سطح پھٹ کر پھیلی اور سادان نے اپنا روکا سانس باہر نکلے خارج کیا اور اپنی بازوؤں میں اٹھائی بھیگی، اور بالکل بے جان سفید پڑی فلذہ کو کانپتے دل کے سنگ کنارے تک لایا۔اسے دیکھ کر یہی لگا تھا کہ اسکے وجود میں زندگی کی کوئی رمق نہ رہی، نہر کا پانی اسکے منہ اور ناک میں بہت شدت سے گھسا کیونکہ ہاتھ بندھے ہونے کے باعث وہ کوئی مزاحمت نہ کر پائی، اس تکلیف پر خود سادان کی آنکھیں کسی لرزاں خیز خدشے نے سرخ کر دیں مگر وہ فلذہ کو اتنی آسانی سے خود سے بچھڑنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔

عاقل انکے آتے ہی فوری طور پر گاڑی یہاں لانے کو جنگل کی طرف راستے کی جانب بھاگا اور سادان نے فوری طور پر فلذہ کے بندھے ہاتھ کھول کر

اسکے زرد چہرے کو دیکھا تو خود بھی پل بھر ویسا ہی سفید ہوا۔ کانپتے دل اور ہاتھوں سے وہ اسکے چہرے اور جسم کو حرکت دے کر اسکے وجود سے سرکتی جان بچانے کی سعی میں ٹوٹ پھوٹ رہا تھا، یہ کیسا امتحان تھا۔

وہ سانس نہیں لے پا رہی تھی، ہاتھ بندھے ہونے کے باعث وہ کوئی مزاحمت نہ کر پائی تھی۔ مکمل بھیگی ہوئی فلذہ یوں لگا مر گئی ہے۔ سادان نے اسکی گردن کی رگ کو چھو کر دونوں ہاتھ اسکے دل پر رکھے دو تین بار دباو ڈالا مگر فلذہ کے بے جان وجود میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔

"یا اللہ نہیں، اسے کچھ نہیں ہو سکتا۔ میرے اللہ مجھے اس سے جدا مت کریں۔۔ یہ سانس نہیں لے رہی۔ سانس لو فلذہ، سانس لو۔ تمہیں جینا ہو گا فلذہ، اپنے سائیں کے ساتھ یہ ظلم مت کرو" کئی آنسو سادان کے بھیگے چہرے پر نمی میں اضافہ کر رہے تھے اور وہ مسلسل اس پر جھکا ہوا فلذہ کی ٹوٹی سانس کو واپس جوڑنے میں لگا تھا۔

سادان اس وقت کمزور نہیں پڑنا چاہتا تھا، اس وقت فلذہ کی جان بچانا اہم تھا۔ دل پر پڑتے بوجھ اور منصوعی تنفس کی بارہا فراہمی کے باعث فلذہ کے منہ سے بہت سا پانی باہر نکلا اور وہ بہت برا اکھڑے سانس سے کھانسی اور اسکی رکی سانس یک لخت بہت تیز تیز چلنے لگی۔

سادان نے اسکی چلتی سانس محسوس کی تو جیسے لگا اسکے جسم سے نکل جاتی روح واپس اسکے جسم میں آن بسی ہو۔ وہ بند آنکھیں کیے بھی کرب کی حد عبور کر رہی تھی اور وہ روتا ہوا اسے اپنے سینے میں سموئے شکر میں سر تا پا جا گزین تھا۔

اسکے چہرے پر جا بجا بے قراری اور بے یقینی سے چومتا وہ اسے بار بار اپنے سینے سے بدحواسی سے یوں لگا رہا تھا جیسے کسی کے ہاتھ کوئی خزانہ لگ گیا تھا۔ عاقل گاڑی لیے وہیں آیا تو سادان کو فلذہ کے لیے یوں روتا ہوا کرب میں میں دیکھے سائیں کے کندھے پر روتا ہوا ہاتھ رکھے جھکا جس پر سادان

نے زمین پر لیٹی آدھی اپنی گود میں لیٹی فلذہ کو اب بازوؤں میں اٹھا کر گاڑی کی طرف رخ کیا۔

عاقل نے بھی فلذہ کی سلامتی کی خبر کرمان کے ساتھ شاویز کو دی اور پھر ایک بار سانولی سلونی اپنے شہزادے کے ساتھ حویلی جانے والی تھی۔ رہا سہا ہر ڈر اب ختم ہو چکا تھا، سادان کے اندر کی بھڑکتی آگ اس ستم عظیم پر اور تپ چکی تھی اور اب واقعی جس طرح انجیل بیگم دم دبا کر بھاگی تھی اب وہ اسی طرح دنیا سے فرار کرنے پر سادان کے باعث مجبور کر دی جانے والی تھی۔

سارا رستہ سادان اسے خود میں سموئے فلذہ کی چلتی ہر سانس پر ایک سانس خارج کر رہا تھا۔ اب وہ فلذہ کو رتی برابر خود سے دور نہیں کر سکتا تھا اور اسے سمجھ آ گئی تھی کہ اب وہ اسکی کمزوری نہیں بلکے طاقت بن چکی ہے۔ گرنے سے پہلے آخری بات میں موجود پر اعتمادی سادان کو رہ رہ کر یاد آ رہی تھی اور وہ مسلسل فلذہ کو ہوش میں لانے کی سعی کرتا رہا پر ابھی وہ اس

حالت میں نہ تھی کہ آنکھیں بھی کھول پاتی لہذا وہ اسے اب حویلی لے جا کر ہی اسکی ہر تکلیف میں کمی کا فیصلہ لے چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یا اللہ شکر ہے، ٹھیک ہے پر آپ سادان کے ساتھ رہیے گا۔ابھی بھی" خطرہ ٹلا نہیں ہے" کرمان نے شاویز کو بھی فلذہ اور سادان کی سلامتی کی اطلاع دے دی تھی جس پر وہ جیسے ایک مسلسل کرب سے باہر نکلتے ہوئے سراپا شکر گزار ہوا تھا دوسری طرف کرمان حویلی کے گیڈ پر کھڑے ان سب کے منتظر تھے کیونکہ عاقل نے انھیں اطلاع دے دی تھی۔

ہاں تم فکر مت کرو۔اب اسد بھائی کیسے ہیں اور میری پری بہتر ہوئی یا" نہیں" کرمان بھی کل سے اک مسلسل عذاب میں مبتلا تھے،انکے سارے

ہی بچے اذیت میں تھے مگر اس وقت وہ بھی ہمت ہار چکے تھے اور شاید گر ہی پڑتے اگر یہ موہوم سی اچھی خبر نہ ملتی۔

شاویز نے صبح ناشتہ کومل کو خود کروایا تھا اور پٹیاں بھی کی تھیں جس سے اسکی طبعیت کچھ سنبھل چکی تھی اور ابھی وہ باہر بابا کے ساتھ بیٹھا تھا اور گلناز اندر کومل کے پاس تھیں۔

بابا بہت بہتر ہیں اور کومل بھی اللہ کا کرم ہے بہتر ہے اور اس خبر کے بعد" مجھے امید ہے مزید بہتری آئے گی۔ آپ پریشان مت ہوں میں ہوں اس کے ساتھ "شاید اس حادثے میں ہر کسی نے اپنی ساری ہمت لگادی تھی۔

جتنا سادان اور فلذہ نے درد سہا ویسا کرب شاویز اور کومل پر بیتا جس سے ایسا گماں ہوا جیسے یہ چاروں ایک دوسرے کے ساتھ پورے دل سے جڑھ چکے ہیں۔ ایک کی تکلیف کا اثر دوسرے تک خود بخود پھیل رہا تھا۔

شاویز نے بھرپور ہمت بندھا کر کرمان کو تسلی دی جس پر وہ اجازت لیتے فون بند کر چکے تھے کیونکہ سادان کی گاڑی حویلی میں انٹر ہو چکی تھی۔

دوسری طرف شاویز اور اسد صاحب نے بھی گلے لگ کر اس بہت بڑی آسانی پر شکر گزاری کا مظاہرہ کیا اور شاویز بے قراری سے یہ خبر اپنی بوجھل پری کو سنانے اندر بڑھا جہاں وہ سر تکیے سے ٹیکے گلناز کے کاندھے پر سر رکھے آنکھیں موندے ہوئے تھی اور پیاری گلناز اس پر دعائیں پڑھ کر پھونک رہی تھیں جب شاویز کو مسکراکر اندر آتے دیکھ کر وہ دونوں ہی بے قراری سے منتظر دیکھائی دیں۔

سادان نے ڈھونڈ لیا ہے فلذہ کو، وہ خیریت سے سادان کے پاس پہنچ گئی" ہے۔الحمداللہ "اس تکلیف کی گھڑی میں ایسی بات تو گویا ڈوبتی سانسوں کی روانی بن گئی اور اس خوشی کا نعم البدل نہیں تھا جو اس وقت گلناز اور کومل کے چہرے پر تھی۔ایسے لگا جیسے کسی مرتے ہوئے انسان کو زندگی دوبارہ تھمادی گئی تھی۔گلناز جو خوشی سے رو پڑی تھیں باری باری اپنے ان دونوں بچوں سے لپٹ کر پوری سبک روی سے شکرانے کے نفل ادا کرنے باہر

نکلیں اور وہ دونوں بھی ایک دوسرے کو بھیگے سے خوشی کی انتہائی اعلی درجے پر فائز ہو کر دیکھ رہے تھے۔

شاویز نے اب گلناز کی جگہ سنبھالتے ہوئے رخ پھیر کر کومل کی گال پر ہاتھ رکھے دیکھا جس پر وہ روتی ہوئی اسکے سینے میں سمٹ گئی۔

کبھی کبھی آنسو خوشی کے اظہار کا بھی پہلا اور آخری حل ہوتے ہیں۔فلذہ ٹھیک تھی اور سادان کے پاس تھی یہ بات کومل کی بے قرار روح کو چین دے گئی اور کل سے جو کومل آگ میں دہک رہی تھی یوں لگا یک دم پر سکون ہو گئی ہے پر جب شاویز کی نظر اسکی گردن پر بنی لکیر پر گئی تو اسکی آنکھوں میں حقیقی خون اترا۔حالانکہ جس نے کومل کے ساتھ یہ درندگی کی تھی وہ زلفی کی گولی کا شکار ہو کر دنیا فانی سے کوچ کر کے جہنم واصل ہو گیا تھا۔ایسے خبیث کی یہی سزا تھی۔

ان لوگوں نے فلذہ کو کوئی نقصان تو نہیں دیا، وہ بلکل ٹھیک ہے نا" ابھی بھی کومل کو صرف فلذہ کی فکر تھی جس پر شاویز نے درد دیتے تاثر کے سنگ

کومل کی پیشانی چومے ہاں میں سر ہلایا کیونکہ نہر والی بات وہ ابھی کومل کو نہیں بتا پایا تھا کیونکہ کومل کو بھی اب سکون کی ضرورت تھی۔فیور کم تو ہو گیا تھا مگر ابھی بھی تھا۔

جی ٹھیک ہے وہ،اب آپ بھی ٹھیک ہو جائیں۔بہت ڈرا دیا تھا آپ نے،"

کہاں میں آپ پر اک خراش تک نہیں سہہ سکتا اور کہاں اس درندے نے آپکو اتنے زخم دے دیے اور میں کچھ کر بھی نہیں پایا" یہ شاید بے بسی اور اس درندے پر موجود غضب بولا تھا اور کومل تو شاویز کی سرخ ہوتی آنکھیں دیکھ کر ساکن ہو گئی جو اسکے لیے درد سے اٹی تھیں۔

میں ٹھیک ہوں اب، یہاں دیکھیں" کومل نے جان بوجھ کر بجھے متورم" چہرے کے سنگ شاویز کو کہا جس پر وہ نظریں چرا گیا مگر کومل نے دونوں ہاتھوں سے چاہت میں اٹ کر اسکا چہرہ اپنے روبرو کیا اور پوری سچائی سے مسکرائی تھی۔اور یہی مسکراہٹ دیکھنے کو وہ بے چین تھا جو اب شاویز کی رہی سہی تکلیف بھی مٹا گئی۔

کہاں ٹھیک ہیں، اتنی سی ہو گئی ہیں ایک دن میں۔ اور یہ نشان، جب جب دیکھوں گا مجھے خود پر افسوس ہو گا۔ آپکی بازو پر لگا یہ زخم بھی مجھے میری بے بسی سے ملوا رہا ہے" شاویز جانتا تھا وہ بس اسے تسلی دینے کو کہہ رہی ہے تبھی وہ بجھا سا اسکی گردن پر بنے نشان پر بہت آہستگی سے ہاتھ پھیرے رنجیدہ ہوا جس پر کومل نے ان آنکھوں میں اپنے عکس کو دیکھ کر اپنی سانس بڑھائی۔

اب کیسا لگا" وہ تو جیسے ہر تکلیف بھول کر شاویز کو بھی مجبوراً ہی سہی پر مسکرانے پر مجبور کر گئی جس پر وہ اسکی نازک سی گالوں کو دبائے اسے سینے سے دوبارہ لگائے تھوڑا پر سکون سا ہوا۔

یوں لگا زندگی بڑھ گئی ہے، یہ بتائیں اب کیا کھائیں گی میری ملکہ۔۔۔ بس" اب آپکو بستر پر نہیں دیکھنا مجھے، ٹھیک ہو جائیں تاکہ ہم سادان اور فلذہ سے ملنے جا سکیں" شاویز نے لہجے میں دنیا و جہاں کا انس اور نرمی ملائے مان سے اپنی ملکہ سے پوچھا اور آخری بات پر تو وہ مرجھائی ہوئی بھی کھل اٹھی تھی۔

کیا سچی۔ ہم جائیں گے ناں" شاویز یہ تھوڑے حالات بہتر ہوتے ہی"
جانے کا ارادہ کر چکا تھا۔ کومل کے بچوں کی طرح خوش ہو کر پوچھنے پر وہ
اسکی چھوٹی سے ناک دبائے مسکرانے کے ساتھ جی بھی اٹھا۔

مچی، پر پہلے آپکو یہ گندے سے نشان ہٹانے ہوں گے جو مجھے تکلیف دے"
رہے ہیں۔ بہتر ہو جائیں، پہلے کی طرح"اب وہ وارفتگی اور محبت سے اسکی
بازو پر ہونٹ رکھے پھر سے محبت پاش نگاہیں کومل پر ڈالے سنجیدگی اور
اداسی سے بولا تو اب کی بار کومل پورے متفقہ انداز میں سر اثبات میں ہلاتی
اپنی بازو شاویز کے گلے میں ڈالے ساتھ لپٹ گئی اور وہ بھی ایک لمبی تکلیف
سہنے کے بعد اس سکھ پر دل تک ہلکا ہوئے اپنی گرفت کومل کے گرد مخملی
سے مضبوط کر گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

انجیل بیگم جو پہلے ہی کسی ان کہے خوف میں غرق تھی، اسکے اعصاب پر مزید بم تو تب گرے جب سادان ایک بار پھر فلذہ کو حویلی میں لے آیا اور جہاں سلطانہ، عالیہ اور کرمان کے چہروں پر سادان کی جیت کا رشک تھا وہیں اپنے کمرے سے جھانکتی انجیل بیگم کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ فلذہ تھوڑا بہت ہوش میں تھی جسکی وجہ سے سادان اس وقت اسے سیدھا کمرے کی طرف لے گیا تھا اور بلقیس کو جاتے ہوئے اسکے لیے کھانا لانے کا کہہ گیا تھا۔ خود سلطانہ نے بھی سادان کو اس وقت کسی اور چیز پر توجہ نہ دینے کی ہدایت کی تھی کیونکہ اس وقت فلذہ کو سادان کی ضرورت تھی، ورنہ وہ جس طرح دہکا ہوا تھا یقیناً انجیل کا قتل کر دیتا۔ فلذہ موت کے منہ سے باہر نکل تو آئی تھی مگر ایک دم بے جان سی ہلکان ہوئی اور اسکا اندازہ سادان کو بخوبی تھا۔

بیڈ پر اسے آہستگی کے لٹائے وہ اب اسکے کپڑوں کی سمت دیکھتا ہوا ڈریسنگ روم کی جانب بڑھا جہاں ریک میں فلذہ کے کچھ جوڑے ہینگ

تھے۔انہی میں نے ایک وائیٹ اینڈ پرپل شارٹ قمیص اور کھلے گھیرے والا ٹراوزر ڈریس نکالے وہ اسے بیڈ پر رکھے فلذہ کے پاس آکر بیٹھا اور نرمی سے اسکی گال پر ہاتھ رکھا جس پر وہ اکھڑا سا سانس لے کر کسمساتی ہوئی پھر سے آنکھیں موندھ گئی۔اسے اس وقت علم نہ تھا کہ وہ اپنے سائیں کے پاس آچکی ہے،اسی لمحے عالیہ اپنے ساتھ بلقیس کو لائے اندر آئی تو سادان کو فلذہ کے پاس بیٹھے دیکھ کر رشک سے مسکراتی ہوئی سادان تک آئی اور بلقیس کو کھانا رکھنے کا اشارہ کرتی سادان کی گال پر ہاتھ دھرے ساتھ فلذہ کو دیکھنے لگی جو بھیگی تو تھی ہی پر اسکے کپڑے بھی دھول مٹی سے عجیب تھے۔اسکے لمبے سیاہ بال بھی عجیب ہو رہے تھے اور وہ سمجھ چکی تھی کہ سادان کیا سوچ رہا ہے۔

"میں اسے چینج کروادیتی ہوں۔تب تک جاو تم بھی فریش ہو جاو دیکھو پورے بھیگے ہو۔ایسے تو بیمار پڑ جاو گے" عالیہ کا یوں بن کہے سادان کو سمجھ جانا خود سادان کے چہرے پر تسلی لے آیا تھا پر نا جانے کیوں اسے یہ

مناسب نہ لگا تھا۔ وہ فلذہ کو ابھی تک جتنا جان چکا تھا وہ تو بہت حیا والی تھی اور عورت کا عورت سے پردہ بھی لازمی ہوتا ہے اور اب ایک بار پھر عالیہ نے سادان کے چہرے پر تذبذب سے تاثرات دیکھ کر فلذہ کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ وہ ایک دم برف ہو رہی تھی اور اب سادان بھی تھوڑا فکر مند تھا۔ میں اسے جگانے کی کوشش کرتا ہوں آپی، کھانا بھی تو کھلانا ہے اسے۔" دراصل۔۔۔۔" سادان یہ کہتے ہوئے اسقدر پیارا لگا کہ عالیہ کا دل چاہا اپنے اس حقیقی دل کے بادشاہ بھائی کا صدقہ اتار لے۔ دراصل وہ خود بھی نہئں چاہتا تھا کہ فلذہ کو کوئی اور چینج کروائے، وہ یہ خود کرتی تبھی سادان مطمئین تھا۔

ٹھیک ہے، تم اسے جگاو اور کھانا کھلا کر چینج کا بولو تب تک میں اور بلقیس" اس کے لیے کچھ اور اچھا، ہیلتھی سا بناتے ہیں۔ آجاو بلقیس" عالیہ بھی ایک پیاری سی نظر دونوں بھیگے سے حیادار راج دلاروں پر ڈالے بلقیس کو کہے

باہر نکلی جس پر سادان نے یک لخت بیقراری سے اٹھ کر انکی پیروی کی اور دروازہ بند کیے پھر سے فلذہ تک آیا۔

فلذہ، آنکھیں کھولو پرنسس۔ دیکھو تو تم کہاں ہو، میری شہزادی اپنے سائیں کے پاس آگئی ہے۔ اٹھو شاباش چینج کر لو اور کچھ کھالو پھر مزے سے سوتی رہنا" سادان کو خود یہ سچویشن زندگی کی مشکل صورت حال لگ رہی تھی پر وہ اپنے ہوتے ہوئے فلذہ کی کوئی بھی ذمہ داری کسی اور پر ڈالنے پر بالکل راضی نہ تھا۔ اس کے لیے ہر طرح جائز تھا کہ فلذہ کے لیے سب کرے جسکی اسے ضرورت ہے مگر ابھی بھی وہ فلذہ کو لے کر اسکے حوالے سے تھوڑا محتاط تھا۔

وہ جو نیند کی سی کیفیت میں تھی، سادان کے آرام سے پکڑ کر بیٹھا کر اپنے ساتھ لگانے پر بھیگے پن کا احساس اور ٹھنڈک جیسا احساس پائے اپنی آنکھیں کھول کر کچھ دیر سادان کو یوں دیکھتی رہی جیسے وہ اسے پہچان نہ پا رہی ہو مگر یہ شخص تو بے ہوشی اور خواب میں بھی اسکے سکون کی وجہ بنا تھا

اور پھر وہ خود کو آنکھیں بند کرنے سے روک نہیں پا رہی تھی جس پر ساداں کو لگا اب اسے پانی کے نیچے کھڑا کرے جس پر وہ اسے اب بیڈ سے دونوں بازوں سے پکڑ کر اتار کر بازووں میں اٹھائے واش روم کی طرف بڑھ رہا تھا اور وہ بھی آدھی سوئی آدھی جاگی کیفیت میں ساداں کی موجودگی میں ہر تکلیف سے نکل رہی تھی۔

اب موسم سرد ہو رہا تھا لہذا ساداں نے تھوڑا پانی کا ٹمپریچر بڑھا لیا یعنی نہ اتنا ٹھنڈا نہ گرم۔

فلذہ پانی کا بتانا مجھے، یہ نہ ہو میں نکما کوئی اور ہی سیاپا ڈال دوں۔ دیکھو اتنا ٹھیک ہے ناں" وہ جواب تھوڑی جاگی سی تھی، ساداں نے اسے بازووں سے اتار کر ایک بازو گرد حائل کر کے تھامے دوسرے سے شاور آن کیا، ذرا سا پانی ڈلنے پر ہی پوری آنکھیں ایک لمحے کو کھولے وہ ساداں کے سینے سے جا لپٹی اور وہ گھبرا گیا کہ کہیں پانی اسکے لیے گرم نہ ہو۔ حالانکہ وہ خود بھی اس کمال کوشش میں مکمل بھیگ چکا تھا اور اب وہ فلذہ کے یوں بے حد

قریب ہونے پر ہر تلخی بھلائے مسکرا کر اسکے گرد بھی ویسی ہی مخملی گرفت بنا چکا تھا۔ شاور سے گرتی پانی کی بوندیں دونوں کے چہروں پر ایک سی سبک روی سے گرتی ہوئی پل بھر کو ٹھہر کر نیچے گر جاتیں اور فلذہ کو بھی شاید ابھی بس یہی لمس درکار تھا۔

بہت ڈر گیا تھا، تمہیں کھونے سے۔یوں سمجھو جیسے میں مر کر دوبارہ جیا" ہوں، کسی قیمت پر تمہیں خود سے دور نہیں جانے دوں گا، تمہیں اپنی سانسوں میں پرویا ہے، اور تمہارا بچھڑنا تمہارے سائیں کی زندگی بھی ساتھ لے جائے گا" بے قراری سے گرفت میں مزید جانداری ملائے وہ فلذہ کے بھیگے وجود کو اپنے آپ میں سموئے اپنا خوف کہہ رہا تھا جواب آنکھیں کھولے نا جانے رو رہی تھی یا شاید یہ منصوعی برستی بوندوں کی کاراستانی تھی۔

سائیں "ترس گیا تھا وہ فلذہ کی آواز سننے کو تبھی اس مدھم سی پکار پر وہ" اسے اپنے سینے سے الگ کیے شاور کو آف کرتا اپنی توجہ فلذہ کی سمت

مبذول کر گیا جواب متورم سی سرخ کنارے اور گلابی ہوتے چہرے اور جامنی پڑتے ہونٹوں کے سنگ سادان کو پورے ہوش میں دیکھ رہی تھی جو اسکا چہرہ ہاتھوں میں بھرے اسکو سننے کے لیے بے تاب تھا۔

شکر ہے تم بولی تو، میری جان۔ بس رومت، تم میرے پاس ہو اور تمہیں اب کوئی تکلیف دینے کا سوچے کا بھی نہیں" سائیں کہنے کے بعد جیسے فلذہ کے لفظ دم توڑ گئے اور وہ بے بسی سے رودی۔ کل کی رات، اس گندے شخص کا ہاتھ سے چھونا، وہ فساد، وہ قتل اور آنکھیں کھلی لاش، اور وہاں کا سناٹا پھر نہر میں دھکا، یہ ساری چیزیں فلذہ کی آنکھوں میں سیلن زدہ درد بھرتی چلی گئیں۔ پر وہ سادان کے پاس پہنچ گئی تھی اسکا بھی اسے یقین ہی نہ تھا۔

اپنی تکلیف۔۔۔۔سے نہیں ڈرتی ہوں۔ میرے آپکے قریب ہونے سے آپ پر زندگی تنگ ہو رہی ہے۔ مجھ جیسی نحوست کو اپنے پاس کیوں لائے ہیں آپ، مجھے وہیں مرنے دیتے" وہ جو انجیل کی آخری کہی باتیں یاد کر رہی تھی، سادان کے حد بندی توڑنے سے پہلے ہی سسک کر دور ہٹی

جس پر سادان نے دکھ سے فلذہ کی سمت دیکھا اور ایک سیکنڈ میں اسکی بازو کھینچے واپس اپنے قریب لایا اور اسکے بھیگے جامنی پڑتے ہونٹوں پر اپنی انگلی رکھ کر سخت ترین برہم ہو کر گھورا جس پر وہ جو تڑپ رہی تھی، مزید دردناک رو دی۔

دوبارہ ایسا کہنے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ تمہارے یہ لفظ میرے لیے موت" کی تکلیف سے کہیں زیادہ دردناک ہیں، اب تم کچھ نہیں بولو گی۔ فریش ہو جاو اور چینج کر کے باہر آو" سادان اسے اب سختی سے حکم دے رہا تھا اور وہ روتی ہوئی نفی میں سر ہلائے سادان کی گرفت سے نکلنے کو مچل رہی تھی۔

مجھے نہیں ہونا فریش نہ چینج کرنا ہے، میں یہیں بیٹھے بیٹھے مر جاوں گی۔" چھوڑیں مجھے" لگتا تھا نہر میں گرنے کے باعث کسی پاگل مخلوق نے محترمہ کو کاٹ لیا تبھی ایسی بونگی اور بدحواسی حرکت کیے وہ سادان کی بازوں جھٹکتی ہوئی وہیں دیوار کے ساتھ جا کر پانی سے تر فرش پر بیٹھ کر رو دی جس پر

سادان نے اپنا سر پکڑ کر فلذہ کے اس پاگل پن کو پریشانی سے دیکھا جواب ٹھنڈ سے باقاعدہ کانپ بھی رہی تھی۔

سادان بھی اسکے ساتھ ہی جا کر کندھے سے کندھا ملائے گیلے فرش پر بیٹھے منہ پھلا گیا جس پر فلذہ نے روتے روتے بے دردی سے اپنی آنکھیں اور ناک رگڑا جس پر سادان ناچاہتے ہوئے بھی مسکرادیا پر وہ تو روئے جا رہی تھی۔ نظر فلذہ کے پاوں کے نیچے لگے کٹ پر گئی تو ہنسی بھولے اب وہ وہیں سے اٹھ کر فلذہ کے سامنے بیٹھ کر اسکا پاوں اپنی گود میں رکھے زخم دیکھ رہا تھا جہاں اب وہ کٹ کے کنارے گلے سے لگ رہے تھے۔ یہاں سادان کی جان جا رہی تھی اور فلذہ کو رونے سے فرصت نہ تھی۔

"اٹھو فورا، اٹھ رہی ہو یا اٹھاوں تمہیں۔ فریش ہو جاو اور یہ گیلے کپڑے بدلو۔ اٹھو شاباش" سادان کو اب یہ فکر تھی کہیں یہ رو رو کے ہی خود کو ہلاک نہ کر لے جس پر وہ اسے اب زبردستی ہی سہی اور اسکی ناں کے باوجود فرش سے اٹھا چکا تھا اور مسلسل کہیں بھاگ جانا چاہتی تھی۔

مجھے یہی پہننے ہیں، نہیں بدلوں گی" فلذہ تو چڑ چڑی ہو رہی تھی اور اب ساداں بھی مزید پریشان ہو کر فلذہ کو دونوں بازوں میں جکڑ کر اسکے روتے چہرے سے چہرہ ملائے اسے بھی ایک لمحے کو پرسکون کر گیا۔ پر وہ واقعی تکلیف میں تھی۔

" مجھے فریش بھی کروانا آتا ہے اور چینج بھی۔ فریش والا ٹیلنٹ سمجھ لو اور چینج والا حق اس لیے مجھے مجبور مت کرو فلذہ کہ یہ دونوں خوبیاں آج دیکھا دوں، شرافت سے نہا کر کپڑے بدل کر باہر آو میں تمہارا ویٹ کر رہا ہوں۔ باقی باتیں ہم کھانے کے بعد کریں گے جو بھی ہے" ساداں اسکی بے ربط سانسوں سے ہلکی سی چھیر خانی کیے اسے خاصا ڈرا گیا جس پر وہ موٹے موٹے آنسوؤں سے بھری آنکھیں ساداں کی آنکھوں میں گاڑے سخت خفا لگی مگر چھیڑ خانی اگلی دفعہ دبنگ قسم کی تھی اور فلذہ تو تڑپ کر رہ گئی۔ کئی لمحے وہ ہچکیاں بھرتی ہوئی ساداں کو دیکھ کر تکلیف میں اٹی رہی پر پھر ساداں نے اسکے چہرے پر پھیلے سبھی آنسو بہت پیار سے ہٹائے اور

رونے سے روکا۔ خود بھی وہ اس گیلے پن سے نجات چاہتی تھی تبھی سادان کو بے دلی سے ہاں کہتی اسکی گرفت سے آزاد ہوئی جس پر سادان نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا اسکا ڈریس اسے تھما کر باہر آنے کا کہا اور خود بھی باہر نکل کر اپنے لیے مکمل بلیک ہی دوسرا اٹراوزر شرٹ نکال کر بازو پے رکھتا کمرے سے باہر نکل کر بلقیس کو یہیں کمرے کے باہر کھڑا کروائے خود بھی دوسرے کمرے کے واش روم میں ہلکا سا شاور لے کر فریش ہونے چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سادان زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ میں فریش ہو کر باہر نکلا اور اس سے پہلے کہ وہ اپنے کمرے کی سمت جاتا۔ نظر اسی طرف آتی انجیل بیگم پر پڑی جس کو دیکھ کر سادان کے اندر شرارے سے پھوٹے پر کہیں نہ کہیں آج انجیل

بیگم اس محبت کی طاقت سے خوف کھائے بیٹھی تھی پر ابھی بھی اسکا نخوت پن ہنوز برقرار تھا۔

سادان نے حقارت میں تھوڑا لطف ملا کر سینے پر ہاتھ باندھے تسلی سے اس فرعون صفت عورت کو جانچا اور مضحکہ خیزی سے اس پر ہنسا۔

"بہت بے ایمان اور گھٹیا ہیں آپ، میرا فیصلہ جانے بنا آپ نے فلذہ کو دھکا دے دیا۔ سوچ رہا ہوں اگر آپکا اعتبار کر لیتا تو مجھ سے بڑا بدبخت بھی کوئی نہ ہوتا۔ یو نو واٹ، اب آپ مر جائیں پلیز ہماری جان چھوڑ کر اب جہنم پر بوجھ بنیں" سادان ساری اخلاقیات کو ایک طرف کیے اپنی ساری نفرت انڈیل کر انجیل کو بھی ہلا گیا پر اتنی جلدی تو وہ نہ مرنے والوں میں سے تھی نہ ہار ماننے والوں سے تبھی خباثت سے قہقہہ لگانے لگی۔ قہقہہ اتنا برا اور چھچھورا تھا کہ وہ بے دم ہو گئی پر نا جانے کونسی خوشی تھی جو کم نہ ہوئی۔

سادان تو اکتائے پن سے اس بڑھی کو دیکھ رہا تھا۔

ھاھاھا میرے بھولے بچے، ایک بار اس خرافہ کو بچا کیا لیا تُو تو ہوا میں اڑنے لگ گیا ہے۔ آج بچ گئی ہے تو کیا کل بھی بچا پائے گا اسے؟ ھاھا بیوقوف کہیں کا۔۔۔۔۔اسکی جان صرف اسی صورت بچے گی جب وہ تیری زندگی سے ہٹے گی، ورنہ اب کی بار قیامت جو آتے آتے رہ گئی وہ دگنی شدت سے آئے گی" سادان کو حیرت تھی کہ ابھی بھی یہ عورت باز نہیں آئی اور اب اسے ہول اٹھ رہے تھے کیونکہ وہ اسے بات کے لائق بھی نہیں سمجھ رہا تھا۔

آپ نے جو کرنا ہے کرلیں، اب آپکا عبرتناک انجام بس چند دن دور ہے۔ گن گن کر بدلا لوں گا، آپکو اماں سائیں، کرمان چاچو، کومل، شاویز، اور فلذہ پر آئی ہر تکلیف کا بدلا چکانا ہو گا اور ابھی تو آپکی جو انگلیوں کے نشان فیضاں کی گردن پر ملے ہیں وہی میرے لیے کافی ہیں" سادان اس عورت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بے رحمی سے اس پر بجلی گرا گیا اور انجیل بیگم یہ سن کر صدمے میں غرق ہوئی حالانکہ فیضاں کی لاش پر ابھی جو

دوسرا فنگر پرنٹ ملا تھا اسکی جانچ انجیل بیگم کے فنگر پرنٹ سے میچ کرنے کا کام جاری تھا اور ابھی رپورٹ نہیں آئی تھی۔ سادان کو پورا یقین تھا کہ وہ پرنٹ اسی گھناونی عورت کا ہے تبھی سادان نے مصالحت سے خود بات بنائی جو کام کرتی دیکھائی دی تھی۔

ہٹ جا میرے راستے سے خبیث، ورنہ تجھے بھی اس دنیا سے چلتا کر دوں گی۔ بہت بڑی غلطی کی ہے تُو نے مجھ سے پنگاہ لے کر اب دیکھتا جا میں کیا کرتی ہوں۔ کس کس کو بچائے گا، تیرے ان سارے پیاروں کو اب ایک ساتھ آگ میں جھونکوں گی" غرور، بادشاہت اور دل کی سیاہی اس قدر بدبخت تھی کہ انجیل بیگم ہتھے سے اکھڑ کر وہ سب کہہ گئی جو شاید ایک عام عورت تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ سادان اب کسی دھمکی کی پرواہ نہیں کرنے والا تھا اور دادی کا ہوں تلملا کر پیر پٹختے ہوئے دھاڑ کر کہنا اور فرار ہونا اسکے زوال کا ایک اشارہ تھا۔

سادان انھیں جاتا دیکھتا رہا اور پھر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا اور بلقیس کو اس نے دروازے سے ہٹا دیا اور خود اندر آیا تو ابھی تک میڈم واشروم کے اندر ہی بند تھیں۔ آج کا سارا وقت وہ بس فلذہ کو دینے والا تھا، کیونکہ ابھی نہ صرف فلذہ کو سائیں کی ضرورت تھی بلکے خود سادان کو بھی اپنی سانولی شہزادی کی قربت چاہیے تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سادان بیڈ پر رکھی ٹرے کسکا کر آگے کیے بیٹھا اور اسی لمحے واش روم کا دروازہ کھلا جس پر سادان یک لخت پہلے بے قراری سے دیکھ کر پھر خود اٹھ کر اس تک پہنچا جو نہا کر کپڑے بدل کر لڑکھڑاتی ہوئی بے حد نڈھال انداز سے باہر آرہی تھی مگر روکر اس نے اپنی رہی سہی انرجی بھی ختم کی جس پر وہ گرتے گرتے بچی جب سادان نے فوراً سے بیشتر جھٹ سے اپنی

چاکلیٹی پرنس کو اپنی بازووں میں اٹھا کر مسکرایا جس پر وہ منہ پر پھر سے غم سجاتی ہوئی سادان کے ساتھ لاڈ میں اسکی گردن میں بازو ڈالے چمٹ گئی جس پر شہزادہ حسین آسودہ سا مسکراتا ہوا اب اسے بیڈ پر لیٹا رہا تھا اور اب وہ یہاں بھی ضد پکڑ کر سادان سے الگ ہو ہی نہیں رہی تھی وہ اس پگلی کے ایسے لاڈوں پر اسے ہلکی سی گدگدی کیے ہنسا جس پر وہ فوری بازو ہٹائے بیڈ پر رکھے تکیے کے ساتھ لگائے ٹھیک نیم دراز کروادی گئی اور خود سادان سائیڈ پر پڑی ٹرے اٹھا کر اپنی گود میں رکھے اب اسے اسکو لیٹانے کے بعد کھانا خود کھلانے والا تھا تاکہ اس کے اندر کچھ جان بحال ہو۔

بہت تنگ کروں گی آپکو تاکہ آپ مجھے تنگ آکر چھینک آئیں "تو گویا یہ سارا کچھ اس لیے تھا، ھائے فلذہ کی بیٹھتے ہوئے ننھی منھی سی پلاننگ بتانا جس پر سادان اب ہنسی دبا کر نوالہ بنائے اسکی بچگانہ منصوبہ بندی سے بے نیاز ہونٹوں تک لے کر گیا جس پر فلذہ نے رونی صورت بنائے ہونٹ سختی سے جوڑ کر دبا لیے اور پاوں بھی اپنی سمت سمیٹ کر سکیڑ گئی۔ سادان اسکے

ہر انداز کو نہ صرف دیکھ رہا تھا بلکے سمجھ بھی رہا تھا، وہ اس وقت بہت بے حال اور ڈری ہوئی تھی۔

مجھے تمہارا منہ لگتا ہے اپنے ظالم طریقے سے خود کھولنا ہو گا" سادان بھی" آج اسکی طبعیت سے متاثر تھا اور اسے کوئی رعایت نہیں دینے والا تھا لھذا پھر سے اسکی سمت سختی سے جھکا جس پر فلذہ نے اپنے دونوں ہاتھ زور سے اپنے منہ پر رکھ لیے اور اب سادان ٹرے واپس رکھے وہ نوالہ بڑے مزے سے اپنے منہ میں ڈالتا ہوا اٹھ کر بالکل فلذہ کے روبرو ہوا اور بڑے آرام سے اسکے چہرے پر رکھے ہاتھ ہٹا کر اسے برہمی سے دیکھنے لگا جو خود بھوک سے بے حال تھی پر نا جانے کیوں ضد پر اڑی تھی۔ اوپر سے پانی کے ناک اور منہ میں جانے کے باعث فلذہ کا گلہ بھی بہت خشک ہو کر درد کر رہا تھا اور ناک میں بھی کچھا و تھا اس کے باوجود وہ ضد کر رہی تھی کیونکہ وہ سادان پر اپنی وجہ سے آنچ بھی نہیں سہہ سکتی تھی۔

تم تو مجھ سے ایسے خفا ہو جیسے میں نے تمہیں اٹھوایا تھا اور نہر میں بھی میں" نے پھینکا، ناٹ فیئر۔ اتنے پیارے ہسبنڈ کو ایسے تنگ کرو گی جان تو وہ بھی نرمی چھوڑ کر تھوڑا بے رحم بن جائے گا پھر تمہاری خیر نہیں ہو گی" سادان کسی طرح فلذہ کے کرب میں کمی چاہتا تھا تبھی وہ اب تھوڑی اداسی اور تاسف سے اسکے چہرے کے من پسند نقش چومتا لاڈ سے بولا جس پر فلذہ کی آنکھیں مزید سرخ ہوئیں اور وہ سادان کی تکلیف سے آدھی ہو رہی تھی۔

مجھے بابا کے پاس چھوڑ آئیں، سائیں وہ آپکو مار دیں گی آپ کیوں نہیں سمجھ " رہے۔ آپ کو کچھ ہوا تو میں بھی مر جاوں گی، اس طرح آپ سے دور ہو کر یہ تو سکون ہو گا کہ میرے پاس نہ سہی آپ اس دنیا میں تو ہیں۔ مجھے سمجھ جائیں" سادان کی ایسی والہانہ محبت پر وہ بھی جیسے ضبط قائم نہ رکھ پائی اور لرزتی آواز کے سنگ دل کے خدشے کو زبان دیے بولتے ہوئے کانپ اٹھی

۔ سادان نے ایک خفا نظر فلذہ پر ڈالی اور دوبارہ سے ٹرے سے نوالہ بنائے فلذہ کے ہونٹوں کی طرف لے کر گیا اور وہ سائیں کی ناراضگی سے ڈر کر وہ

نوالہ منہ میں لے گئی پر وہ حسرت اور تاسف سے سادان کی خاموشی سے اذیت کا شکار ہو گئی۔

اس سے کھانا بھی ٹھیک سے نہیں کھایا جا رہا تھا اور سادان اسے بہت احتیاط سے چھوٹے چھوٹے نوالے بنا کر کھلا رہا تھا اور وہ ہر بائیٹ کے ساتھ پانی پی رہی تھی گویا نہر کا اتنا پانی پینے کے باوجود بھی محترمہ کے پیٹ کی ٹینکی فل نہ ہوئی، وجہ یہ تھی کہ گلا بار بار خشک ہو رہا تھا۔

سادان نے اسی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر اسے سارا کھانا کھلا دیا اور ساتھ ساتھ وہ خود بھی کھا رہا تھا تو فلذہ نے دوبارہ پھر انکار کرنے کی کوشش نہ کی۔ سادان کے ہاتھ سے کھانا کھا کر وہ سیر ہوئی پر اسکی خاموشی سے ڈری لگی۔ سادان نے خالی برتن اٹھا کر اٹھتے ہوئے ٹیبل پر رکھے اور اب وہ اسکے پاؤں کے زخم کے لیے میڈیسن لگانے اور کھانے والی نکال کر پانی کا گلاس بھرے بلکل اسکے پہلو میں جا کر بیٹھا اور مڑ کر سنجیدگی سے فلذہ کے چہرے پر لکھی رنجیدگی دیکھنے لگا جو پھر سے روئی سی لگ رہی تھی۔

یہ گلے اور باڈی کے درد میں کمی کرے گی اور یہ تھکن میں، باقی میں پاوں" کا بینڈ تج کر دیتا ہوں" سادان نے اسے دونوں ٹیبلٹس کے بارے میں آگاہ کیا اور اسکے منہ میں خود باری باری ٹیبلٹ ڈال کر پانی پلائے دوا کھلا کر گلاس دوبارہ ٹیبل پر واپس رکھا اور اب وہ میڈیکل کٹ لیے وہاں سے اٹھ کر فلذہ کی ٹانگوں کی طرف مڑا اور لاکھ اسکے سمیٹنے کے باوجود اسکی ٹانگ پکڑ کر سیدھی کی اور پاوں کو بہت احتیاط سے جانچا۔اس سارے وقت فلذہ بھیگی آنکھوں سے سادان کو دیکھ رہی تھی جو واقعی پہلی بار اس سے خفا ترین لگ رہا تھا۔آج اسے سمجھ آرہی تھی کہ وہ خود بھی سادان سے بے حد محبت کرنے لگی ہے،اس پر سب وار دینا چاہتی ہے مگر حالات اس معصوم کو رلا رہے تھے۔انجیل بیگم کی سفاکی وہ سہہ چکی تھی تبھی اپنے پیارے سائیں کے لیے بہت سہمی ہوئی تھی۔

فلذہ باز آجاو"فلذہ کیسے سہتی کہ اسکے سائیں اسکے پاوں کو چھوئیں تبھی وہ" اپنا پاوں بے بسی سے کھینچنے لگی جس پر سادان نے اسے سختی سے گھورتے

ہوئے منع کیا اور پھر فلذہ نے بھی سادان کی سمت اداسی سے دیکھتے ہوئے چپ چاپ بینڈ تج کروایا۔

سادان نے میڈیکل کٹ واپس اپنی جگہ رکھی اور دوبارہ سے فلذہ کے پہلو میں جا بیٹھا اور اسکے ہاتھ کو آسودگی سے چومنے لگا جواب خود بھی سادان سے لپٹ جانا چاہتی تھی۔ مڑ کر وہ فلذہ کے بالکل قریب چہرہ لے جا کر اپنی ہتھیلی اسکی گال پر سہلائے خود بھی بجھ گیا، آج اگر زرا سی دیر ہو جاتی تو اسکی یہ کائنات اس سے دور چلی جاتی۔ کیسے جی پاتا وہ فلذہ کے بنا، اب تو وہ اس کے لیے بہت اونچے مرتبے پر تھی۔ دل کے سکون کے ساتھ وہ اسکے وجود کا سکون بھی بننے لگی تھی اور پہلی بار تو سادان اس سکھ سے متعارف ہوا جب وہ اسکے وجود میں سمٹی ہوئی اسے اک نیا احساس دے گئی۔ دونوں کی خوشبو نے ایک دوسرے پر ڈیرا جمانا شروع کر دیا تھا۔ وہ اسے بے حد دیوانگی سے دیکھ رہا تھا مگر وہ تو ابھی بھی بہت بے چین تھی۔

میں اگر یہ کہوں کہ اب مجھے سانس بھی تمہیں دیکھ اور محسوس کر کے "
آئے گا تو کیا تب بھی تم مجھے چھوڑ جاو گی۔ بولو فلذہ، چھوڑ سکتی ہو مجھے۔ ہمارا
ایک دوسرے کے ساتھ کوئی ایک رشتہ تو نہیں کہ کوئی کہے اور ہم جدا ہو
جائیں۔ روح کا رشتہ ہے، جسم کا رشتہ ہے۔ دوستی کا، اعتبار کا۔ ہم ایک
دوسرے کے سکون کا باعث ہیں، عشق ہے مجھے تم سے۔ محبت کا ہر جذبہ
سادان کے دل میں صرف فلذہ کے لیے ہے۔ کون کون سا تعلق توڑو گی،
رہ پاوگی اپنے سائیں کے بنا۔ بولو" سادان کی تکلیف کی ترجمانی اسکا فلذہ کے
گرد جھکاوزدہ حصار اور اسکی آنکھوں کی سرخی کر رہی تھی جسے آج فلذہ کا
دل چاہا ہونٹوں سے جذب کر لے۔ وہ چپ سی ہو گئی تھی جیسے اس کے
پاس کوئی جواب نہیں بچا تھا اور وہ اسکی خاموشی کو بالکل قبول نہیں کرنے
والا تھا۔

جب بولنا ہوتا ہے تب تم چپ اوڑھ لیتی ہو اور جہاں نہیں بولنا وہاں "
فضول بول کر مجھے دکھ دیتی ہو، سیدھی بات یہ ہے کہ تمہارے سائیں تم

سے دور نہیں رہ سکتے۔ مجھے چھوڑنے کی بات مت کرو فلذہ، مجھے بھی سمجھو" سادان بھی حق پر تھا مگر فلذہ بھی بالکل حق بجانب تھی مگر دونوں کے لیے ہی ایک دوسرے کی جدائی موت سی تھی۔

تو پھر وہ مجھے تکلیف دے کر آپکو اور آپکو تکلیف دے کر مجھے آزماتی رہیں" گی، ممکن ہے آپکے سب پیاروں کو زخم دیں۔ مجھ میں یہ سب سہنے کی ہمت نہیں ہے سائیں، آپکے دکھ سے ڈرتی ہوں ورنہ جہاں سے آپ مجھے بچا کے لائے ہیں وہیں جا کر اپنی جان دے سکتی ہوں" فلذہ کی بات سادان کے دل تک اتری تھی کیونکہ بھلے فلذہ درد میں تھی پر وہ جو بھی کہہ رہی تھی وہ ایک دم سچ تھا۔ مرنے کی بات پر وہ تڑپ اٹھا تھا۔

تھک گیا ہوں فلذہ، اب میری مزید برداشت دم توڑ گئی ہے۔ بس جو بھی" ہے مجھے خود سے الگ مت کرو میری جان" اس قدر دلگیر چاہ پر بھی اسکے پاس کوئی جواب نہ تھا تبھی وہ فلذہ کے سینے پر سر رکھے تکلیف سے اسے جکڑے آنکھیں موندھ گیا اور وہ سائیں کی ایسی شکستہ حالت پر سہم کر اپنا

ہاتھ سادان کی گال پر سہلانے لگی جسے سادان نے اپنے ہاتھ میں لے کر ہونٹوں سے جوڑے بے ربط سانسیں لیں، گویا سادان کی سانسیں، فلذہ کی دھڑکن کے قریب تھیں اور پھر قریب تر ہوئے وہ دھڑکنوں کی جا لمس دھر کر خود فلذہ کو بھی سرخ رو کیے روبرو ہوا جو شرم اور جھجک کے ساتھ دکھی سی بھی لگی اور اسکے گھبرائے سے انداز پر سادان کا دل بہکنے کی سمت مائل ہوا پر ابھی بھی سادان کسی جلد بازی کا قائل نہ تھا تبھی اب اسے بس دیکھ رہا تھا جسکی سانولی سی رنگت اب حسین لگنے لگی تھی، جس کی آنکھیں سرخ ہو کر بھی سادان کو دلفریب لگ رہی تھیں اور وہ ہونٹ جو پانی سے لمبی گفتگو کے باعث ہلکے سے جامنی پڑھ گئے تھے اب دوبارہ اپنے اصل رنگ اور نرمی کی سمٹ لوٹ رہے تھے۔

سادان کو اپنی طرف الگ انداز سے دیکھتا پا کر وہ کانپ رہی تھی اور سادان اسکا ہر رنگ دل میں اتار رہا تھا۔

کتنا شوق ہے تمہیں مرنے کا اور مجھے اکیلا کرنے کا، میرا دل چاہتا ہے آج "ظالم بن کر اس پر تمہیں اچھی سزا دوں، پر پھر سوچتا ہوں معاف کر دینا بہتر ہے۔ پر آج تم نے مجھے بہکانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، یہ تو میں ہوں جو دل قابو کیے بیٹھا ہوں" سادان خود کو ایسی نازک بات کہنے سے روک نہ پایا اور وہ جس انداز سے فلذہ کو خود میں جکڑ کر اسکی سانسوں کے راستے میں آ رہا تھا یہ فلذہ کے جسم سے جان ہوا کر رہا تھا۔ سادان نے یہ منظر دل کو سکون دیتا محسوس کیا جب فلذہ نے اس بات پر اپنی پلکیں گرا کر شہزادے کا کام تمام کر دیا۔ خود فلذہ بھی کہیں نہ کہیں سادان کی قربت میں سکون پا رہی تھی، دل کی اولین خواہش کبھی کبھار بڑے غلط وقت پر پوری ہوتی ہے۔ اب وہ اپنے سائیں کے قریب تھی پر دل خدشوں اور خوف کی آماجگاہ بنا سادان کے قریب آنے کو بھی خطرہ جان رہا تھا۔

"یہ پلکیں گرا کر یوں ظالم مت بنو، پہلے ہی دل کی حالت بمشکل سنبھلی ہے۔ اور دوبارہ مجھ سے الگ ہونے کی بات مت کرنا، چلو اب لیٹو فورا۔

تمہیں آرام کی ضرورت ہے" سادان آج بہت کوشش کے بعد بھی خود کو بے لگام ہونے سے روک نہیں پا رہا تھا اور تبھی وہ اپنے جذبات کو قابو کیے اسے خود سے آزاد کیے رسانیت اور پیار سے کہہ کر مصلحت کے طور پر بہت نرمی سے تکیے پر لیٹا گیا جس پر فلذہ کا بے اختیار ہی ہاتھ سادان کی شرٹ کے گریبان پر بہت شدت سے جکڑ گیا جس سے اسکی شرٹ کے دو بٹن ایک ساتھ کھلے تو نظریں بھٹک کر سادان کے سینے پر گئیں جس سے وہ گھبرا کر ہاتھ اور نظریں فوری ہٹا گئی اور کئی رنگ فلذہ کے چہرے پر ناچے جن کو شہزادے کے جھک کر پورے حق سے اچک کر چرا لیا اور دھرم کرتا خود بھی محترمہ کے پہلو سے آ لگتے لیٹا اور اپنی شرٹ کے بٹن بند کیے۔ فلذہ سرخ گلاب ہوتی ہوئی مہکی اور موم کی طرح اس شخص کی عاشقانہ رمز کی آنچ سے پگھلنے لگی۔

وہ میرا ہاتھ غلطی۔۔۔۔" فلذہ نے اپنی گھبراہٹ چھپاتے کہا جس پر" سادان نے مسکرا کر بیچ میں ہی بات اچک کر چبالی۔

اٹس فائن، تمہارا شوہر ہی ہوں لہذا ایسے خوشگوار اتفاقات غلطی نہیں" ہیں۔ کچھ دیر سو لو مجھے بھی کچھ دیر باہر جانا ہے" سادان کا اسے بازو کھول کر خود کے پاس کر لینا فلذہ کو پر سکون سا سکھ دے گیا پر وہ تو سادان کو بہت کچھ بتانا چاہتی تھی۔

پر مجھے تو آپکو بہت کچھ بتانا تھا" فلذہ نے بھرائی سی آواز کے سنگ کہا نگاہیں" اٹھا کر کہا جس پر سادان نے رخ پھیر کر پیار سے اپنی رگ جان کو دیکھا۔

سب سنوں گا، لیکن اس سے پہلے تم تھوڑا سو لو۔ ساری رات تمہاری" ہے، کچھ تم مجھے سنا کچھ میں سنوں گا" ابھی سادان کو اس ونی والے معاملے کو دیکھنے کے ساتھ شاویز سے بات بھی کرنی تھی لہذا وہ ساتھ یہ بھی چاہ رہا تھا کہ فلذہ رات تک کچھ دیر سو لے۔

مجھے اکیلا تو مت چھوڑیں" پھر سے روئی گزارش اور اب سادان اس تضاد" بیان والی کی چھوٹی سی ناک دانت میں ہلکی سی دبائے اور پھر پیار دیے شریر ہوا۔

"کبھی کہتی ہو چھوڑ دیں کبھی کہتی ہو مت چھوڑیں، تمہیں واقعی مسز ساداں کا اصل مقام دینا ہی پڑے گا تاکہ تم صرف ایک میرے من پسند بیان پر ٹک سکو" ساداں کو اندازہ نہ تھا کہ اسکی یہ بات فلذہ کی روح فنا کر دے گی، وہ تو سفید پڑھ گئی اور اسکی اس ہونقی پر ساداں سے واقعی ہنسی روکی نہ گئی اور وہ مکمل مڑ کر تقریباً فلذہ کے اوپر جھک آیا جو فلذہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ بیدار کر گیا۔

"وہ۔۔۔ نہیں میرا مطلب تھا کہ چھوڑنا ہے تو بابا کے پاس چھوڑیں، یہاں اکیلا۔۔۔۔" ساداں کی پاگل کرتی نظریں فلذہ کا آج دم نکال رہی تھیں تبھی خود کی سمت محبت اور شدت کی انتہا سے دیکھتا ساداں اسکے باقی لفظ اسکے خلق میں ہی غرق کر گیا تھا۔

"اب تم اکیلی ہو کے ڈرنے والی فلذہ نہیں رہی، کرمان چاچو، بلقیس، اماں سائیں، عالیہ آپی اب سب تمہارے محافظ ہیں۔ میں تمہارے جاگنے سے پہلے یہیں تمہارے پہلو میں ملوں گا۔ چلو اب آنکھیں بند ورنہ گڑ بڑ ہو

جائے گی" سادان کی چاہت نے فلذہ کا ہر ڈر وقتی طور پر نکال دیا تھا پر یہ خود سادان بھی نہیں جانتا تھا کہ اسکی دادی اب کیا سازش کرنے والی ہے۔

آخری بات پر پھر سے فلذہ مفہوم سمجھ کر گلال ہوئی اور اب کی بار سادان کی بات ماننے کے سوا اسے واقعی کوئی حل نہ دیکھائی دیا جس پر سادان بھی اسے دیکھتا ہوا مسکا دیا اور سیدھا ہوئے لیٹ کر رخ پھیرے فلذہ کو اپنے سینے میں سمو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حالات ہمارے ہاتھ سے نکلتے جا رہے ہیں اماں سائیں، وہ بد ذات پھر بچ" گئی اور سادان کے قریب آگئی ہے اب ان دونوں کو قریب آنے سے کیسے روکیں گے۔ میں بتا رہا ہوں اگر وہ لڑکی ماں بن گئی تو سارے شریکوں نے تھو تھو کرنی ہے کہ چوہدری درمان حق کا وارث ایک کمی کمین عورت جننے

والی ہے۔ میرا تو سر آگ کی طرح دہک رہا ہے" یہ لوگ بہت ہی گھٹیا سوچ کے مالک تھے ،یعنی انکے دماغوں میں صرف کچرا بھرا تھا۔ بادشاہت کے نشے میں ان دونوں فرعون صفت درندوں کو بس اپنی پڑی تھی ،اپنی ناک کی اونچائی کو برقرار رکھنے کی لگن تھی۔ایک بار بھی دونوں نے یہ نہ سوچا کہ وہ سادان کی محبت ہے ،پر ناجی انکے لیے تو وہ گلے کا ایسا کانٹا تھی جسے وہ نہ نگل سکتے تھے اور اب حالات کی چکی میں پس کر اگل بھی نہیں پا رہے تھے۔

درمان چوہدری نے تہس نہس ہوتے انداز میں اپنے دل دہلاتے خدشے کو زبان دے کر سامنے کسی غیر مرئی نقطے پر حقارت سے نظریں پتھرا کر سامنے کھڑی اماں کو دیکھ کر کہا جس پر انجیل بیگم نے زہر خندہ انداز میں سادان کی باتوں کو سوچا جو اسے بلا جھجک اور بے خوفی سے ہراتا جا رہا تھا۔ "مجھے اب سادان کو جسمانی اور ذہنی تکلیف دینی ہو گی اور اب وہ لڑکی بنے گی میرا ہتھیار۔ وہ جتنی بھی نڈر کیوں نہ ہو جائے ،اسکی واحد کمزوری بھی

اسکا باپ اور سادان ہے۔ باپ تو ویسے بھی مریل ہوا ہے لہذا اس پر آنچ تو وہ سہہ نہیں پائے گی۔ دوسرا سادان پر اسکی وجہ سے جب تکلیف آئے گی تو وہ بنا ہماری کوشش کے ہی سادان سے دور ہو جائے گی۔ ہاں اب اسے دھمکانا ہوگا کہ اگر وہ اپنے باپ اور سائیں کو زندہ دیکھنا چاہتی ہے تو دفع ہو جائے "انجیل بیگم کا شیطانی دماغ اپنی سمت سے اعلی پائے کی منصوبہ بندی کیے کڑی نظر درمان پر ڈالے تنفر سے بولی پر درمان کا اجڑا انداز اور غش کھاتا انداز بتا رہا تھا کہ وہ اس سے مطمئین نہیں۔

اور اگر وہ پھر بھی نہ مانی۔۔۔ "درمان بھی اب اٹھ کر جلاد اماں کے روبرو آ کر تاسف سے بولا جس پر انجیل بیگم نے چہرے پر تناو لایا۔

پھر سادان کو تھوڑا جسمانی درد دینا ضروری ہے، مجھے امید ہے کہ وہ" ڈرپوک سی لڑکی اسکی نوبت نہیں آنے دے گی اور عقل کر جائے گی۔ اس کو سادان سے الگ کرنے کی دیر ہے کہ ہماری ڈوبتی بادشاہت بحال ہو جائے گی۔ وہ بدذات سادان کی طاقت ہے اور اب اسکے بجائے اسکی طاقت

پروار کرنا ہوگا" انجیل بیگم کا فسادی دماغ جو سوچ رہا تھا وہ اسے بھرپور جانچ کے بعد زبان پر لاتی تھی اور یہی شاطر پن اسکی طاقت تھا۔ لیکن وہ تو سنا ہی ہوگا کہ ہر طاقت کو زوال ہے۔

جسمانی درد والی بات اس فرعون باپ کے دل میں نا چاہتے ہوئے بھی کچھ اوڈال گئی، جو بھی تھا وہ اسکا خون تھا اور آج پہلی بار درمان کو انجیل بیگم کی بات سے دکھ سا لگا پر وہ ظاہر نہ کر پایا۔ شاید آج بھی اس مردہ ضمیر درمان کے لیے اسکی ماں ہی پیر تھی اور وہی مرشد، آنکھیں تو تب کھلیں گی جب یہی بد فعل سرانجام دیتی انجیل اپنے کیئے گناہوں کی دلدل میں دھنس کر ساتھ درمان کو بھی لے ڈوبے گی۔

انجیل جو سوچ رہی تھی اسکے حوالے سے فلذہ اب آزمائی جانے والی تھی، کسی طرف قرار نہ تھا اور یہ مشکل صورت حال اس نازک بے جان سی فلذہ پر بہت گراں ہونے والی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"یا میرے اللہ، ان درندوں نے تو لوٹ مچا رکھی ہے۔ وہ بچی اب نہیں بچے گی عاقل۔ تم نے دیکھا تھا اس علی نامی خبیث کی آنکھوں کی ہوس۔۔۔۔۔ مجھے بہت دکھ ہے کہ میں عائشہ کو بچا نہیں پایا۔ انجیل نے ایک وقت میں دو تیر پھینک کر بھلے وقتی طور پر بازی مار لی ہے پر وہ نہیں جانتی کہ یہ رسی کھینچنے سے پہلے والی آخری چھوٹ تھی۔ کل صبح سارے گاوں والوں کو جمع ہونے کا حکم دو، یہ جو عورت کو بے زبان جانور سمجھ رکھا ہے مجھے انکو انکی اوقات یاد دلانی ہو گی" سادان سیدھا ڈیرے پر آیا تھا جہاں اسے عاقل کچھ گاوں کے لوگوں کے ساتھ بحث و مباحثہ کرتا ملا تھا۔

وہ کرمان چاچو کو سپیشل اپنے کمرے کی طرف دھیان رکھوانے کا کہہ کر گیا تھا کیونکہ اسکا گھر کے اندر کے ساتھ باہر کے معاملات دیکھنا بھی اہم تھا۔

سادان کو بہت رنج تھا، وہ عائشہ ونی ہوگئی تھی آور نا جانے اس کے ساتھ اب وہ درندہ علی کیا کرنے والا تھا یہ سوچ کر ہی سادان کا ایک سانس آرہا تھا اور ایک جارہا تھا۔

سائیں آدھے سے زیادہ گاوں تو مخالف سمت تھا، ہم کتنا روک سکتے تھے۔" گاوں کے کئی گھرانے تو چاہتے ہی نہیں کہ ونی ختم ہو اور انکی ہوس کا قصہ اختتام تک پہنچے۔ یہاں بھائی کوئی جرم کرے تو بہن ونی، باپ کرے تو بیٹی۔ آپ کو کوئی مستحکم فیصلہ لینا ہوگا" یہ گاوں کے اچھے طبقے کی نمائندگی کرتا ہوا گاوں کا مقامی کسان تھا جو خود ونی کے فیصلے سے کٹا پڑا تھا۔

سادان اور عاقل دونوں کی پیشانی شکن آلود اور چہرے تھکے ہوئے تھے۔

ہاں اب مجھے واقعی ہر حد بھولنی ہے، عاقل تم میرا یہ کام کل تک کرو۔" فیضاں کی موت کے تمام ثبوت ایک دستاویزی فائل میں جمع کر کے وہ فائل مجھ تک پہنچاو۔ انجیل کا فنگر پرنٹ، فیضاں کی گردن پر ملے پرنٹ سے میچ ہوا یہ چیز ہمارے پاس ایک اہم ثبوت ہے۔ زینیہ والے معاملے میں

کرمان چاچو گواہ بنیں گے۔اور دوسرا مجھے جلد تم اس ہوٹل والے مشکوک آدمی کے پاس لے کر چلو، نجانے کیوں اب مجھے ہر فرد پر شک ہو رہا ہے۔ تمہیں یاد ہے میں نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ مجھے بہت عجیب طرح گھور رہا تھا۔اس خواب میں تین قبریں یاور، شان اور خذیفہ کی ہی تھیں اور وہ لڑکی یقیناوہی تھی جواس کیس کا اصل ثبوت ہے۔ کہیں وہ لڑکی ہی ان تینوں کی قاتل نہ ہو، یہ بھی ممکن ہے وہ ان تینوں کی درندگی کا شکار ہوئی ہو اور اسکے کسی قریبی نے بدلا لیا ہو۔بہت وقت بعد میرا دماغ آج اس خواب سے جا چکا ہے" سادان کچھ دور اٹھ کر عاقل کو اشارہ کیے کھیت کی سمت لپکا اور سادان نے دیر سے ہی سہی پر اپنے دماغ کو اب معاملہ فہمی سے استعمال میں لا کر بہت پتے کی بات کی تھی۔ فنگر پرنٹ کی رپورٹ اور اڈے کے پاس سے ایک خبیث کی لاش ملنے کی خبر اور یہ سارا معاملہ بھی سادان کے علم میں آچکا تھا کہ وہ کیوں مارا گیا۔

شہزادے کو وہ خواب شاید اسی لیے آیا تھا کہ اس پر حقیقت کھل جاتی۔ تب سادان حالات کو اس باریکی سے نہیں دیکھ پایا جس سے وہ اب دیکھ رہا تھا۔

عاقل تو سائیں کی ساری بات پر دم سادھے حیرت اور رشک میں تھا۔ یہ باتیں تو عاقل کبھی سوچ ہی نہیں سکتا تھا۔

"سائیں بات تو آپکی دم دار لگ رہی ہے، میں آپکو ایک دو دن تک لے چلتا ہوں۔ پر وہ بڑا انخریلا شخص ہے، ملتا بھی اپنی مرضی سے ہے" عاقل چونکہ کئی بار وہاں جا چکا تھا لہذا اس آدمی کی شخصیت کا نخوت پن جانتا تھا۔ سادان کا دماغ عجیب ہی تھا، کئی معاملات پر الجھا ہوا پھر بھی کام دیکھا گیا تھا۔

"اسکے نخرے برداشت کرلوں گا عاقل، اسکے علاوہ اب میں انسانی حقوق کی ایک بہت بڑی تنظیم کی مدد لینے والا ہوں۔ وہ معاملہ شاویز دیکھے گا، پولیس کے بس کا روگ نہیں کہ وہ ان وحشیوں پر ہاتھ ڈالیں لہذا اب وہ تنظیم ہی کورٹ کے ذریعے میری مدد کرے گی اور اس ونی جیسی نحوست کو ہم ان شاءاللہ جڑ سے اکھاڑ دیں گے" سادان کے حوصلے آسمانی تھے اور آج

بہت دن بعد عاقل نے اپنے پیارے سائیں کا غضبناک اعتماد دیکھ کر خود بھی سکون محسوس کیا، یقیناً فلذہ سادان کی سچ میں طاقت بن چکی تھی۔

ان شاءاللہ، اللہ آپکا مددگار ہو۔ پر سائیں فلذہ باجی کی حفاظت کے لیے بھی کچھ سوچیے۔ اور وہ بابا والی بات" عاقل کا جوش بھی دعا بنا پر آخری دونوں باتوں پر سادان اپنا رخ پھیر کر شفیق انداز کے سنگ عاقل کا چہرہ تھپکا کر مدھم سا مسکرایا۔

مالو چچا سے میری ملاقات ہو تو بات کروں، وہ بھی گمراہ ہیں۔ باقی فلذہ اب صرف میرے ساتھ محفوظ ہے۔ تم ایسا کرو منظور کو بھی جا کر تسلی دے آنا کہ فلذہ بہتر ہے اور اس کام پر لگ جاو۔ ہمیں جلد از جلد یہ ثبوت اکھٹے کرنے ہیں۔ میں بھی شاویز سے معاملہ ڈسکس کر کے پھر حویلی جاوں گا۔ اور ہاں۔۔۔ عائشہ کی کوئی بھی خبر آئے تو مجھے اطلاع کرو، اسے ونی سے تو بچا نہیں پایا پر اس بچی کو تنہا اور لاوارث نہیں چھوڑوں گا" سادان ایک دل میں کتنوں کو بسائے ہوئے تھا، یہی تھی اسکی بادشاہت کی نشانی۔ بادشاہِ

وقت کے سینے میں اللہ نے ہر ایک کا درد اتارنے کے لیے ہی ان مشکلات سے گزارا تھا تا کہ وہ اپنے سامنے کھڑے کسی بھی مظلوم کے دکھ کو اپنا محسوس کرے۔امام صاحب کے سادان کو حقیقت نہ بتانے کے پیچھے بھی یہی مصلحت تھی کیونکہ دکھوں کے باعث اب وہ جو کندن بنا تھا اسے اب کوئی زوال نہ تھا۔

وہ بادشاہت کے مرتبے پر بس پورا اترنے کو تھا اور جلد اس گاوں کی تقدیر بدلنے والی تھی۔

عاقل بھی سادان کی ہدایت پر فوراً سے پیشتر عمل درآمد کرتا وہاں سے چلا گیا اور اب سادان نے مڑ کر ان گاوں والوں سے بھی اجازت طلب کی اور ساتھ ساتھ گاوں کے تمام حالات پر نظر رکھنے کی تاکید کیے واپسی کے لیے پلٹ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"اللہ نے کرم کیا ہے کومل، جس خبیث نے تم کو تکلیف دی تھی وہ اپنے ہی آدمی کے ہاتھوں مارا جا چکا ہے۔ تم اپنا دھیان رکھو اور یہاں کی ٹینشن مت لو، فلذہ بہت بہتر ہے اور اب میں اسکی حفاظت خود کروں گا۔ چاچو، اماں سائیں اور آپی کے ساتھ ساتھ فلذہ بھی تمہارے لیے فکر مند ہے، میری بہت سی دعائیں ہیں کہ تم ان وقتی زخموں سے جلد نکل آو" سادان اب تھوڑا بہتر تھا تو اس نے شاویز سے پہلے کومل سے بات کی تھی، وہ آدمی مر گیا تھا یہ سن کر تو کومل کو دلی سکون ملا اور دوسرا وہ جو سادان کے لیے پریشان تھی اب بہتر ہو گئی تھی۔

"اللہ ان بدبختوں کو جہنم کا ایندھن بنائے، شکر ہے وہ مر گیا ورنہ میرے شاویز تو اسکا خون پینے کا پلین کر کے بیٹھے تھے" پہلی بات جہاں کومل نے پوری خوشی کے ساتھ بدعائیں ملائے کہی وہیں دوسری پر شریر سی ہو کر

اپنے ساتھ بیٹھے شاویز کو دیکھ کر بولی اور تینوں ہی اس کے باعث مسکرا رہے تھے۔ سادان بھی بس واپس ہی لوٹ رہا تھا۔

"آمین، ہاں جانتا ہوں کوئی جب ہمارے پیاروں کو تکلیف دے تو اسکے بارے میں یہی دل چاہتا ہے۔ خیر زرا اپنے جذباتی شیر کو فون دو اور تم مکمل ریسٹ کرو کچھ دن" سادان کی محبت میں گندھی فکر پر اب وہ مسکرا کر اپنے ساتھ بیڈ پر نیم دراز شاویز کو فون دیے خود اسکے کندھے سے لگ کر آنکھیں موندھ گئی اور اب شاویز صاحب اپنا سینہ واقعی ٹھنڈا محسوس کر رہے تھے۔

"جانتا ہوں میری تکلیف نے تجھے بھی اتنی غمنا کی دی ہے، پر میرے ساتھ جڑے میرے پیاروں کی دعائیں ہیں کہ ٹوٹ ٹوٹ کر بھی میں سالم ہوں۔ سچ کہہ رہا ہوں شاویز، تُو میری حقیقی طاقت ہے۔ مجھے معاف کر دے تھوڑی بد تہذیبی کا مظاہرہ کر گیا تھا، پر تو مجھے بہت اچھے سے سمجھتا ہے"

واقعی سادان کو جہاں زہریلے دشمن میسر تھے تو شاویز، کومل، کرمان، اماں سائیں، اور فلذہ جیسے جذبات اور احساسات کو جوڑنے والے اپنے بھی میسر

تھے۔ جو اسے ٹوٹنے کے باوجود سمیٹ گئے اور شاویز خود سادان کی آواز کے جوش اور جذبے کے واپس آنے پر پر سکون ہو گیا تھا۔

"میں تیرے سکون، تیری سلامتی اور تیری خوشی کے لیے ہمیشہ دعا گو ہوں میرے شہزادے، بس اب اپنی ہمت یونہی قائم رکھ۔ باقی این جی او سے میری کل ملاقات ڈن ہو چکی ہے ان شاءاللہ اب برے دن ختم ہونے کو ہیں۔ ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں، فلذہ کو کچھ دن خود سے منصوعی سا الگ رکھ مطلب اب تجھے بھی اپنی سفاک دادی کے معیار تک سفاک ہونا ہو گا۔ یوں ظاہر کر کے تو نے اسے چھوڑ دیا ہے، مطلب ڈرامہ" شاویز کی اس بے یقین سی بات نے جہاں سادان کو صدمے مئں غرق کیا وہیں کومل بھی پھٹے تاثرات سے شاویز کو دیکھ کر اداس ہوئی۔

"پر وہ تو سچ میں مجھ سے دور جانا چاہتی ہے شاویز، پر میں اسے حقیقی یا منصوعی دونوں صورتوں میں اب دور نہیں کر سکتا۔ کچھ اور سوچتا ہوں"

ویسے شاویز کا مشورہ بہت بہترین تھا مگر ابھی کومل اور سادان دونوں کے

تاثرات ایک سے تھے جس پر شاویز نے بھی پھر مزید بات نہ بڑھائی تھی۔
سادان اسکے بعد حویلی کی طرف چل دیا جبکہ شاویز فون بند کیے خود کی سمت دیکھتی کومل کے تاثرارت پر اب مسکرا دیا۔
شاویز، وہ دونوں اب دور نہیں ہونے چاہیں۔ مزاق میں بھی نہیں" کومل اسقدر روہانسی ہوگئ کہ شاویز تو واقعی پریشانی سے اب اس پگلی کو اپنے حصار میں لیے ہنس دیا۔
"ارے آپ جذباتی مت ہوں، میرا کہنے کا مطلب تھا کہ پلین ہو گا یہ۔ آپ جانتی تو ہیں اپنی دادی صاحبہ کو، خدا کی پناہ۔ اچھا چھوڑیں یہ سب، سادان کہہ رہا ہے وہ کچھ اور سوچے گا" شاویز نے فوری معاملہ سنبھال کر کومل کی پریشانی اڑا کر اسے مطمئین کیا جس پر وہ بھی اب تھوڑی پرسکون ہو کر شاویز کے ساتھ لپٹ گئی۔
"میری کچھ نہیں لگتیں وہ ظالم عورت، دادی مت کہیں" کومل کو بھی اب انجیل سے صرف نفرت تھی، اور ابھی تو اسکا چھوڑا سانپ کومل پر ایک

آخری وار کی تیاری میں لگا ہوا تھا۔ یہاں وہ گاوں آئے اور وہ طفیل اسے دبوچ لے پر یقیناً اس میں بھی اس بڑھیا اور اس منحوس طفیل کی ساری چالیں الٹی پڑنے والی تھیں۔ وہ یہاں بھی اپنے لوگوں کو چوکس کیے ہوئے تھا کہ کب چڑیا جال میں پھنسے اور وہ اسے دبوچ لے۔

کومل کی آواز بھرائی سی لگی اور شاویزاب خود سنجیدگی سے کومل کو گلاب چہرہ ہاتھوں میں بھرے اسکے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے سر اثبات میں ہلا گیا۔

شاویز مجھے ابھی بھی ڈر لگ رہا ہے، نا جانے کیوں "آنے والی ایک اور" قیامت تھی جس نے ابھی سے کومل کے نازک شفاف دل پر دستک دے دی اور کومل کی یوں خوف سے اٹی بات پر شاویز اسے بے انتہا فکر اور چاہت سے اپنے اندر سموئے اب نیم دراز ہوا۔

وہ اس کے سینے پر شاویز کی بازووں میں بندھی جیسے ہر خوف سے آزاد ہوئی اور دونوں کی آنکھیں ظالم سی نازکی سے ملیں۔

اب بھی لگ رہا ہے "خماری کم پر انس اور عشق کی رمق زیادہ تھی۔ وہ" شاویز کی سانسیں باآسانی محسوس کیے سرخ رو ہوئے مسکرائی۔

تھوڑا اور قریب کریں پھر نہیں لگے گا" کومل کے کھلے بال شاویز کے" چہرے پر سایہ کیے ہوئے تھے اور کومل کی دلگیر فرمائش نے شاویز کے پورے وجود پر سایہ کیا تھا۔

بہت جلد کرلوں گا، پہلے ٹھیک ہو کر دیکھائیں۔ بس یہی شرط ہے ہماری"" شریر سی من مانی میں لپٹ کر وہ اسکی ناک پر ہونٹ رکھے چھیڑ خانی کے موڈ میں بے حد پیارا لگا۔ کومل بھی مخملی سا مسکرا کر اب شاویز کے گال پر پیار دیے شرط پر دل و جان سے راضی ہوتے دلفریب نغمگی سے ہنسی۔

آئی لو ویو میرے کل جہان" وہ لاڈ سے کہتی ہوئی اب اسکے سینے پر لپٹی" آنکھیں موندھ گئی کیونکہ دوا بھی نیند کا اثر تھا جو کومل کے لیے ضروری تھا۔

اسکا جواب آپکو تو پتا ہے ناں، چلیں سو جائیں۔ کل دوں گا جذباتی سا" جواب" وہ زرا سا اٹھ کر اب خود پر اور اپنے سینے پر سوئی کومل پر بلیکنٹ کیے اسے مزید جکڑ کر گلال سی مدہوش سرگوشی کیے بولا تو وہ بند آنکھوں سے مسکرا دی۔ شاویز نے ہاتھ بڑھا کر جلتی روشنی بجھادی اور خود بھی آنکھیں موندھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ کب سے واپس آئے فلذہ کو نیند میں تکلیف کی انتہا تک مبتلا محسوس کر رہا تھا، وہ جیسے کوئی خوفناک اور بھیانک خواب جی رہی تھی جس پر سادان اسے مسلسل فکر اور پریشانی سے دیکھ رہا تھا جواب یوں لگا ہڑبڑا کر کانپ سی گئی اور یک دم اسکی آنکھیں کھلیں تو وہ سرخ پڑھ کر زرا زرا کپکپاتی ہوئی سادان کے سینے سے مزید جا لگی۔

بس بس، کیا ہو گیا ہے جان۔ تم اب میرے پاس ہو اس لیے مت ڈرو""

سادان کے لیے اس وقت صرف فلذہ اہم تھی تبھی وہ کچھ مزید سوچنا نہیں چاہتا تھا تبھی اسے بازو سے جکڑے دوسرے سے بہت ملائم پن سے اسکے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگا جو سر اٹھائے اب سادان کو دیکھ رہی تھی جو اسے سینے سے لگا کر بھی اسکے لیے بے قرار تھا۔

خود کی سمت بے ربط سانس لیتی فلذہ کی نظریں دیکھ کر وہ نرمی اور چاہت سے اسکی ناک پر ہونٹ دھرے مسکرایا مگر وہ مسکرانہ پائی جس پر سادان اب اسکی گال سہلائے اسکی اس اداسی اور کل کی کٹھن رات کی ساری داستان اسکی زبانی سننا چاہتا تھا۔

سائیں مجھے اس گندے آدمی نے چھونے کی کوشش کی تھی اور اسی نے " کومل آپی کو بھی بہت تکلیف دی، اور اس دوسرے نے اسے میرے سامنے گولی ماردی اور کہا کے خبردار جو کسی نے اسے چھوا یہ سادان سائیں کے

نکاح میں ہے اور ہمارے پاس امانت ہے "فلذہ کی تر لہجے میں کہی اس ساری بات پر سادان کی آنکھوں میں خون اترا جو فلذہ نے بھی محسوس کیا۔

کہا۔۔۔ کہاں چھوا؟" سادان کی اپنی آواز کرب سے دب سی گئی جس پر "

فلذہ نے اپنی گال، ہونٹ اور گردن پر انگلی رکھ کر سادان کو غصہ ضبط کرتے دیکھا اور اگر وہ مرا نہ ہوتا تو یقیناً سادان کے ہاتھوں جہنم واصل ہوا۔

سادان نے اپنا ہاتھ اسکی گال، ہونٹ اور گردن پر بالکل یوں سہلایا جیسے وہ اس خبیث کے ہاتھ کا لمس مٹا رہا ہو، ویسے بھی سادان کا اس پر ٹھنڈا سا یہ تھا جس نے فلذہ کو ہر تکلیف دیتے لمس سے نجات دی تھی۔ وہ سادان کے چہرے کے بعد گردن کے قریب آنے پر سٹپٹا کر رہ گئی جس پر سادان نے اپنی حد کو دوبارہ قائم کیا۔

سائیں آپکا دیا پینڈٹ بھی کھو گیا، وہ بہت گندی جگہ تھی۔ دھول مٹی اور " بدبودار "فلذہ اسے سخت ڈر کر بتا رہی تھی اور وہ اس جگہ جا چکا تھا لہذا وہ سارا منظر اور وہ خون یاد آنے پر سادان کی پیشانی اور گردن کی رگیں غصے اور

ضبط سے تن گئیں۔ وہ فلذہ پر اب واقعی کوئی سایہ تک برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

"اس گھٹیا کو سزا مل گئی ہے، تم وہ سب بھول جاو صرف میرے چھونے کو یاد رکھو، خود کو اس بات کے لیے مزید سوچ سوچ کر تکلیف مت دینا اور پینڈٹ مل گیا تھا، ہم وہاں گئے تھے۔ میرے پاس ہی ہے کل دے دوں گا، اور بتاو پھر کیا ہوا" سادان چاہتا تھا وہ اس سے بات کر کے اپنے دل کا ہر خوف نکالے، فلذہ نے اپنی آنکھیں رگڑ کر سادان کو دیکھا جو اسکی گال پر ہاتھ پھیرے دوبارہ گردن تک لایا اور پھر فلذہ کی آنکھوں میں بے قراری سے جھانکا جہاں اک ان کہی تکلیف تھی۔

"ساری رات میں روتی رہی، دعا کرتی رہی کہ مر جاوں پر بے آبرو ہونے سے بچ جاوں۔ میرا دوپٹہ بھی مجھ سے دور تھا اور مجھے بہت سارا رونا آرہا تھا۔ وہ آدمی اچھا تھا جس نے اس غنڈے کو گولی ماری، اللہ اسکا بھلا کرے۔ صبح تک یونہی روتے روتے وقت گزرا پھر مجھے وہاں سے کہیں اور لے

جایا گیا اس دوران میری آنکھیں مکمل بند تھیں اور جب کھلیں تو نہر کا کنارہ پیچھے اور سامنے وہ تھیں۔۔۔"فلذہ کی ساری باتیں سادان ان کہے کرب سے سن کر اب اسکی سمت دیکھ رہا تھا جسے اس کے باعث اتنا سب سہنا پڑا، وہ جب سے سادان کے نکاح میں آئی تھی بس درد ہی تو سہہ رہی تھی۔

تمہارے ایک ایک آنسو کا بدلا لوں گا فلذہ، مجھے معاف کر دو میری وجہ" سے تمہیں اتنا سب سہنا پڑا۔ میری جان، میری شہزادی" وہ اسکے چہرے سے چہرہ ملائے اخیر تکلیف میں تھا اور فلذہ خود کے لیے سادان کی ایسی دیوانگی دیکھ کر ساکت تھی۔

وہ فلذہ کا اپنے سینے پر رکھا ہاتھ، اپنے ہاتھ سے جوڑے اسکی انگلیوں میں انگلیاں ڈالے اب کی بار نڈھال سی فلذہ کو رشک سے دیکھ رہا تھا جو صرف اس پر خوش تھی کہ وہ بے آبرو ہونے سے بچ گئی ہے۔

سائیں" اتنی محبت پر وہ روہانسی ہوئی اور خوف ان آنکھوں اور اپنے گرد

سادان کی بڑھتی بے باک گرفت کے باعث تھا مگر سادان نے ہلکے سے

لمسِ عاشقی پر ہی اکتفا کیا اور مسکرا دیا۔

"میری فلذہ اتنا سب سہہ گئی اور تمہاری ہمت دیکھ کر مجھے لگتا ہے میری

تمہیں مضبوط کرنے کی کوشش رنگ لا رہی ہے۔ اب تم میری کمزوری

نہیں طاقت ہو" سادان بات کرتے ہوئے اس پر نثار ہوتے انداز سے اب

اسکی پیشانی چومے مسکرایا پر ایک بار پھر وہ مسکرا نہ پائی۔

"میں مرنے سے نہیں ڈرتی، پر اب بابا کے ساتھ آپکی تکلیف سے مر سکتی

ہوں۔۔۔ بابا۔۔۔ سائیں میرے بابا کیسے ہیں" وہ جو بے دھیانی میں دل کی

سچائی سے روانی میں کہہ گئی، بابا کے ذکر پر تو بے تاب ہو گئی۔

"بالکل ٹھیک ہیں، تم کچھ بہتر ہو لو تو میں تمہیں ملوا لاؤں گا" سادان کی اس

بات پر فلذہ نے جھجکتے ہوئے سادان کی گال پر ہاتھ رکھا اور تھوڑی دوری

ختم کیے بلکل قریب ہوئے دکھی ہو کر سادان کو دیکھنے لگی جو فلذہ کے اس

انداز پر اسے خود میں اتار لینے کی آرزو کر رہا تھا۔ اسکی شہزادی اسکے اتنے قریب آکر ضرور دوری کی اک آخری گزارش کرنے والی تھی۔

"سائیں آپ مجھے وہیں چھوڑ دیجیۓ گا" اس لڑکی کی رٹ پھر سے وہی تھی اور اب سادان نے اسے واقعیٔ شدید برہمی سے دیکھا تو فلذہ مزید غمناک ہوئی اور آنکھوں میں نمی لہرائی۔

"سائیں مجھے سمجھنے کی کوشش کریں، میرا ہونا آپکے لیے ٹھیک نہیں۔ ٹھنڈے دل سے سوچیں، مان جائیں" فلذہ کا یوں تکلیف سے سادان کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لیے قائل کرنا نہایت بیکار تھا اور اسکا تو فلذہ کو بھی اندازہ نہ تھا کہ وہ ناراض ہوکر اسکے پہلو سے، اسکے وجود سے یک لخت جدا ہوکر اٹھ جائے گا۔ گویا فلذہ کی تو دھڑکن ہی رک گئی اور وہ اٹھ کر جاتے سادان کی بازو پکڑے روک گئی پر وہ دوبارہ بیٹھ تو گیا پر اپنا رخ اب مخالف کیے فلذہ کی طرف کمر کیے ہوئے آنکھیں سرخ کر گیا۔

آپ ضد مت کریں، یہ معاملہ زندگی اور موت کا ہے "فلذہ اپنا نازک ہاتھ سادان کی کمر پر سہلائے آگے لے جاتی اسکے سینے پر جکڑے بولی جس پر وہ تلملاتا ہوا اپنے سینے پر فلذہ کے ہاتھ ہٹائے مڑا اور فلذہ کو بازو سے سخت برہمی اور ناراضگی سے جکڑے بلکل چہرے کے ایک انچ کے فاصلے پر لے آیا۔

"میں نے ہمیشہ کوشش کی ہے کہ تمہاری تکلیف کم کروں مگر تم اپنی باری پر میری بڑھانے پر لگی ہو اور بڑھاتی جا رہی ہو۔ فلذہ مجھے کتنی بار اور بتانا پڑے گا کہ تم میری زندگی کی وجہ ہو۔ بس کر دو پلیز میں بھی چند لمحے سکون کا حق دار ہوں" سادان یوں تکلیف میں مبتلا ہو جائے گا یہ تو فلذہ نے سوچا بھی نہ تھا مگر وہ حق پر تھی اور وہ حالات کی نزاکت سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اسکی سانس کی مہکار تپش زدہ اور چہرہ تکلیف سے اٹا تھا۔

"ٹھیک ہے میں کچھ نہیں بولوں گی، آپ یہی چاہتے ہیں کہ گھٹ گھٹ کر مر جاوں۔ ایسے تو میں واقعی مر جاوں گی سائیں، میں بھی کتنی بار بتاوں کہ

مجھ میں مزید برداشت نہیں ہے۔ وہ بہت ظالم ہیں، وہ آپکو مجھ سے چھین لیں گی۔ وہ ہم دونوں پر قہر ڈھائیں گی" فلذہ تو اب دیوانی ہو کر کانپتی ہوئی رو دی تھی اور سادان نے چپ چاپ بنا کوئی جواب دیے اسکی گود میں سر رکھے ٹانگیں پھیلا دیں اور فلذہ کا ہاتھ اپنے سینے پر قفل کیا جس پر وہ بھی تکلیف سے سادان کو دیکھتی رہ گئی۔

فلذہ بس کردو پلیز، میری بھی برداشت ختم ہو گئی ہے۔ کچھ اچھا نہیں کہہ سکتی تو مجھے بس اپنا آپ محسوس کرنے دو، میرے بالوں مئں انگلیاں پھیر کر سلا دو مجھے۔ میری نیند ختم ہو گئی ہے، میں سونا چاہتا ہوں پر دماغ میں اٹھتی ٹھیس مجھے نیند سے باہر پٹخ دیتی ہے۔ مجھے ایسے سخت فیصلے سے زخمی مت کرو، میرا سکون تم سے ہے مجھے بے سکون مت کرو۔ سب لٹا کر بھی سادان جی لے گا پر نہیں فلذہ، تم نہیں۔ تمہارے بعد سادان جی نہیں پائے گا" سادان اسکی گود میں سمٹ کر اسکا دوسرا ہاتھ اب چومتا ہوا دلخراشی اور

سوز سے کہتا گیا اور فلذہ کا تو ایسی تاسف زدہ گزارشات پر دل جل اٹھا۔ دہک اٹھا۔

"اللہ جی میں کیا کروں" وہ دل میں اس آزمائش پر سخت غمزدہ تھی مگر اگلے ہی پل سادان آنکھیں کھول چکا تھا کیونکہ فلذہ کی گالوں پر سے بہتا گرم سیال سادان کے چہرے پر پہنچا تھا اور وہ مزید غمناک ہوتے ہوئے فلذہ کا چہرہ تھام کر اسکی نظریں خود پر جھکوا گیا۔ دونوں ہی غم میں غرق تھے۔

"جانتی ہو فلذہ محبت طویل قربت کا نتیجہ نہیں ہوتی بلکہ یہ الہام کی طرح خاموشی سے ہمارے دلوں میں اتُر جانے کا فن جانتی ہے، مجھے تم سے ایسی ہی پاک اور حقدار محبت ہوئی ہے۔ میری یہ محبت کسی پاک حصار کی طرح تمہارے گرد ہے تو تمہیں زمانے کا کوئی شر کیسے چھو سکتا ہے۔ رہی بات میری، میں اپنی حفاظت اللہ کے سپرد کر چکا ہوں اور یہ زندگی اسکی امانت ہے لہذا مجھے مرنے کے فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں۔ ہر کوئی مر جائے گا،

اس لیے میری معصوم، پاکیزہ سی سانولی سلونی شہزادی، ڈرو مت۔ بس اپنے سائیں کو خود سے دوری کا غم مت دو۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے فلذہ، آج یوں لگتا ہے مجھے نیند آرہی ہے۔ صرف تمہارے میرے ہونے کے باعث ورنہ کئی دن سے میں سو نہیں پاتا" ایک ایک لفظ گویا فلذہ کے دل کو تھپکی دے کر ہر خوف سے آزاد کر گیا اور وہ اب فلذہ کی گود میں ہی سونے کی خواہش کر رہا تھا جس پر فلذہ نے نثار ہوتی نگاہوں کے سنگ سادان کے ماتھے پر اپنے نازک اور نرم ہونٹوں کی عنایت دھری اور یہ تاثیر سادان کی شاید مزید زندگی بڑھا گئی تھی۔

مجھے ایسی عنایات چاہیں جو میرا درد کم کریں، اپنے ہونٹوں کو میری پیشانی" سے جدامت کرو یہ مجھے سکون دے رہا ہے" پہلی بار تو اسکے سائیں نے اس سے کچھ مانگا تھا اور وہ بالکل بھی منع نہ کر پائی اور پھر سے اپنے ہونٹوں کی چھاپ تادیر سادان کے ماتھے پر لگائے اسکے چہرے کے ہر نقش کو دیکھ کر مسکرادی۔

پھر سے جان "اب تو وہ باقاعدہ ہنسی تھی پر وہ واقعی اس وقت کوئی چھوٹا سا لاڈلہ بچہ بنے اپنے ناز اٹھوا رہا تھا، اب تو وہ ہر حق رکھتا تھا۔

میں آپکے ماتھے پر ہی نا بستر لگا لوں "یک دم ہی وہ پھر سے سادان کے کھنے پر بوسہ دیے ساتھ شرارت سے مشورہ دیے بولی اور وہ بھی اپنی آنکھیں کھولے فلذہ کے ڈر کا زائل ہونا محسوس کیے پر سکون ہو چکا تھا۔

" تمہارے لیے پورے کا پورا سادان حاضر ہے، صرف ماتھا ہی کیوں۔ جہاں دل چاہے بسیرا کرو" وہ ہلکی سی نیند کی خماری میں مبتلا فلذہ کا ہاتھ پکڑے اسکی ہتھیلی چومتا نگاہیں چار کیے بولا تو وہ اس گد گدی دیتے لمس پر کھکھلا اٹھی، نگاہ فلذہ کی کلائی پر بنے اس ہلکے سے جلے کے نشان پر گیا تو اب کی بار سادان اسکی بازو پر ہونٹ رکھے ساتھ فلذہ کے چار سو پھیلے بالوں کو ہاتھوں میں لیے ہنوز اسے دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر رہا تھا۔

آپ میرے ہی رہیں گے ناں سائیں، کچھ ہو گا تو نہیں "فلذہ اس شخص " سے خواب میں بھی جدائی برداشت نہیں کر سکتی تھی اور وہ اسکے اس سوال

پر سادان نے رخ بدل کر اپنا چہرہ فلذہ کی گود میں چھپا لیا اور وہ ابھی بھی فلذہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا۔

میں تمہارا ہی رہوں گا فلذہ، معلوم نہیں ابھی تمہارے سائیں نے کیا کیا" سہنا ہے۔ پر میری ہر تکلیف، ہر درد تمہارے قریب آتے ہی اپنی شدت کھونے لگی ہے، بس اس طبیب کی بھی طبیب ہو تم" وہ اس کی سمت پھر سے وارفتگی سے دیکھ کر بولا اور وہ اس طبیب والی بات پر خود بھی ہر پریشانی سے نکل آئی تھی۔

سو جائیں آپ، تھک گئے ہیں" وہ بار بار نیند کے باعث اپنی آنکھیں" موندھ رہا تھا مگر پھر بھی وہ یہ لمحے گنوانا بھی نہیں چاہتا تھا۔

تمہارے بنا نہیں جی سکتا، دور مت جانا فلذہ" وہ اب واقعیٔ ایک پر سکون" نیند میں جا گزیں ہو رہا تھا اور فلذہ اس اہمیت پر چاہتی تھی کہ سادان کے ہر نقش کو فتح کر لے پر وہ بس ایسا سوچ ہی سکتی تھی۔ وہ اسے دیکھتا دیکھتا کب نیند میں چلا گیا اسے خبر نہ ہوئی اور فلذہ بھی اپنے دونوں ہاتھوں سے سادان

کا چہرہ اور بال سہلاتی ہوئی بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا گئی۔ سادان اس پر سکون نیند کا واقعی مستحق تھا اور فلذہ بس ساری رات اپنے سائیں کو یونہی محبت سے دیکھتے رہنا چاہتی تھی۔

"یا اللہ میرے سائیں کا مزید کوئی امتحان مت لیں، یہ نہ صرف جسمانی طور پر تھک گئے ہیں بلکے انکا دل اور دماغ بھی ان حالات میں دب گیا ہے" وہ اداسی کے سنگ سادان کی پیشانی پر بکھری چند لٹوں سے انگلیاں لے کر پورے بالوں میں پھیر رہی تھی، وہ ایک پر سکون نیند میں اپنی آنکھیں موندھے فلذہ کے ایک ہاتھ کو دبوچے ہوئے سو چکا تھا۔ فلذہ نے پھر سے جھک کر سادان کے ماتھے پر پیار دیا اور وہیں سے اسکی نگاہیں سادان کے باقی چہرے کے ظالم نقوش کی سمت بھٹکیں تو وہ بھینی بھینی ہنسی دبائے فورا سے نگاہیں چرائے نیم دراز انداز میں بیڈ سے جا لگی اور اسکے تھوڑا نیم دراز ہوتے ہی سادان نے بھی محترمہ پر تھوڑا اوپر اٹھ کر حق دار سا قبضہ جما کر اپنے مزید آرام کا انتظام فرمایا۔ وہ سوتے میں جاگنے سے زیادہ پر کشش اور

خوبصورت لگ رہا تھا، اسکے ساتھ ساتھ اسکا یہ بچوں کی طرح کا سونے کا انداز فلذہ کو تمام بوجھ اور گھبراہٹ کے اک فرحت دے گیا اور وہ ہنوز سادان نے بالوں کو سہلاتی اس سکون میں خود بھی اپنی آنکھیں موندھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیا ہوا ہے پتری، دھیان کدھر ہے تیرا۔ آج کیا بابا کو جلا پراٹھا کھلائے گی" کچے صحن کے بیچ بنا مٹی اور اینٹوں کی چھوٹی سی چار دیواری والا باورچی خانہ اور اس کے بیچ لکڑیوں پر آگ جلا کر توے پر ڈالے پراٹھے سے بے نیاز رمشہ نا جانے کہاں غرق تھی جب بابا کی میٹھی سی آواز پر چونکی اور ہڑ بڑا کر توے سے جلدی میں ڈالا ہوا پراٹھا پلٹا مگر وہ جلنے سے بال بال بچ گیا۔
محمود جانتے تھے کہ انکی نازوں سے پلی سمجھدار رمشہ اس نکاح کے بعد سے بہت بجھی اور اداس رہنے لگی ہے پر آج تو وہ اسکی غائب دماغی پر خود بھی فکر

مند سے اب اسکے ساتھ ہی موڑا گھسیٹ کر بیٹھ گئے اور اپنی ساری توجہ رمشہ کی سمت مبذول کی جو انھیں اب چنگیر میں پراٹھا رکھے ساتھ کپ میں گاڑھی پکی چائے ڈال کر دے رہی تھی۔ محمود صبح فجر کے وقت ناشتہ کرنے کے عادی تھے اور یہی عادت رمشہ کی بھی تھی۔ ابھی بھی ہر طرف اندھیری سحر تھی۔

"میں جانتا ہوں پتری، تجھے اپنے بابا سے بہت شکایت ہے کہ میں تجھے تیمور چوہدری سے بچا نہیں پایا۔ پر میرا بچہ اس نے اب نکاح کیا ہے، سچ پوچھ تو میرا دل مطمئین ہو گیا ہے۔ جس طرح سادان سائیں اپنا مقدمہ لڑ رہے ہیں، دیکھنا تو تیری بھی اس حویلی میں ایک شاندار جگہ بنائیں گے۔ اور تیمور جیسا بھی ہے اب تیرا سائیں ہے بچے، اس واسطے پریشان مت ہو۔ میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے رمشہ، بس چاہتا ہوں میرے بعد تو محفوظ رہے۔ نکاح ایک لڑکی کی بہت وڈی حفاظت ہوتی ہے" محمود اپنے بھولے انداز کے سنگ اپنی طرف سے رمشہ کو بہت اچھا سمجھا گئے پر اسے ابھی بھی

تیمور سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔اسے عطا کیے لمس کی جلن آج بھی وہ اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔

"بابا مجھے اس زلیل انسان سے نفرت ہے،اس نے میری عزت لوٹنی چاہیٔ تھی اور یہ کوئی مزاق نہیں کہ نکاح کا لالی پاپ ملتے ہی میں وہ زلت بھول کر بہل جاوں۔اتنی ہی تکلیف اسے بھی دوں گی پھر قبول کروں گی کہ وہ میرا سائیں ہے" رمشہ اپنی نفرت میں کہیں نہ کہیں اب تیمور سے زیادتی کر رہی تھی پر اب جب اسے تیمور کے جانے کے بعد علم ہو گا کہ وہ چلا گیا تو یہ دھچکا ضرور رمشہ کو ہلا دینے کا کام کرے گا۔

رمشہ کی تکلیف اسکے ہر انداز سے ٹپک رہی تھی جس پر محمود نے اداسی سے رمشہ کے سر پر ہاتھ رکھا پر وہ سخت عتاب میں تھی۔

"اپنے شوہروں کو تکلیف دینا اچھی بیویوں کو زیب نہیں دیتا،میری یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا رمشہ کہ اب جتنی محفوظ تو تیمور کے ساتھ ہے اتنی کہیں نہیں ہے۔اللہ سب خیر کریں،میں زرا کمرے میں جا کر ناشتہ کروں گا" محمود

اپنی طرف سے ایک اچھی ہدایت دیتے ہوئے چنگیر اور کپ اٹھا کر کمرے کی سمت بڑھے اور رمشہ کے چہرے پر دلخراشی اور تکلیف کا سایہ لہرایا۔

ناجانے کیا بات تھی کہ جہاں اسے تیمور پر نفرت تھی وہیں اس ملاقات نے رمشہ کا دل بھی جکڑ لیا تھا تبھی کبھی نہ رونے والی رمشہ اس روز تیمور کی آخری بات یاد کر کے رونے لگتی تھی۔

"اور شوہر کیا لائسنس لے کر آتے ہیں بیوی کو تکلیف دینے کا، جو بھی ہے۔ تم سے پورا حساب لوں گی تب تک تمہیں اپنا آپ تو کیا اپنا سایہ بھی اپنی رضا سے نہ دوں گی۔ تم نے مجھے تکلیف کی دلدل میں دھنسا دیا ہے، قرار تو تمہیں بھی نہیں آئے گا تیمور چوہدری۔۔۔۔" قرار تو واقعی لٹ چکا تھا، رمشہ کا بھی اور تیمور کا بھی۔ ایک بار پھر وہ دن اور تیمور کے لمس خود پر محسوس ہوتے پا کر وہ ہلکان ہوتی ہوئی دوسرا پراٹھا دوسری چنگیر میں رکھ کر لپیٹنے کے بعد اپنی بس چائے لیے اکتائی ہوئی اس سوچوں سے فرار کیے

اٹھ کر کمرے مئں چلی گئی۔ ممکن تھا تیمور کا دوری بنانے اور کچھ سال لاتعلقی کی مصلحت ہی اسے رمشہ سے معافی دلوادیتی۔

دوسری طرف تیمور بھی سب سے کٹ کر چپ ہو گیا تھا۔ وہ بھی اب فجر کے وقت جاگ جاتا تھا۔ نماز تو اسے ایسی آتی نہ تھی مگر شاید وہ سیکھنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ وہ بس گاوں سے جانے کے لیے اپنے دن کاٹ رہا تھا، ایک دھچکے نے اس سولا ساڑھے سولا سال کے تیمور کو سیدھا پچاس کا کر دیا۔ وہ چیخ گیا تھا، رمشہ کی نفرت حق تھی، اور وہ اب رمشہ کی نفرت کے ختم ہونے تک خود کو ایک ناقابل شکست انسان بنانے کا فیصلہ لے چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آپ کی طبعیت تو ٹھیک ہے، ساری رات شاید سوئے نہیں آپ "فجر کے " بعد سلطانہ ناشتے کے لیے بلانے آئیں تو درمان کو اندھیرے میں سر جھکا کر

بیٹھے دیکھ کر تمام تر خفگی کے وہ پوچھ بیٹھیں جس پر اس وحشی کے تاثرات بگھڑتے دیکھائی دیے۔

"تیری اولاد نے بلکل تیری طرح میرا سکون برباد کر دیا ہے، یقیناً دل میں تو تم سب مجھے اور اماں کو بددعائیں دیتے ہو پر کان کھول کر سن لے سلطانہ، اب تیرے ایک اور بیٹے کی قبر بننے کو ہے، ماتم کے لیے تیار ہو جا" نا جانے کیوں آج درمان کے لہجے میں حقارت سے زیادہ درد تھا، کہیں نہ کہیں یہ شخص دل سے متاثر ہو رہا تھا اور اس بات کا اندازہ سلطانہ کو تھا۔ وہ کئی دن سے رات سو نہیں پاتا تھا اور کروٹیں بدل بدل کر رات گزارتا تھا۔

"اللہ نہ کرے میں اپنے کسی اور بچے پر آنچ بھی دیکھوں، سائیں بس کر دیں۔ مجھ پر نہ سہی خود پر رحم کھائیں۔ کیا ہو جائے گا اگر فلذہ اس گھر کا وارث پیدا کر لے گی، وہ کوئی بدذات نہیں ہے۔ باکردار اور پاکیزہ بچی ہے۔ دوسرا وہ سادان کی محبت ہے، خدا کے لیے مزید کوئی ظلم مت ڈھائیں۔ کیونکہ یہ تکلیف کہیں نہ کہیں آپکو بھی دہکا رہی ہے، اماں کو بھی سمجھائیں

خدا کے لیے "سلطانہ کو لگا جیسے یہ سامنے اجاڑ حال کو آیا شخص پگھل گیا ہے تبھی وہ اپنے درد کو اور پھٹے سینے کے کرب کو کہتی چلی گئیں اور درمان کا دل لرز اٹھا تھا۔

چٹخنا اور زلیل ہونا قبول تھا پر وہ پتھر پگھلتا نہ تھا، اور یقیناً سلطانہ اس پتھر پر بیکار سر پھوڑ رہی تھیں۔

وہ جتنی بھی پاک کیوں نہ ہو جائے، رہے گی تو دو کوڑی کی۔ جسکی وجہ سے "ہم اس حال کو آئے ہیں کہ وہ سادان میرے اور اماں کے سامنے کھڑا ہمیں زلیل اور خوار کر رہا ہے۔ اور اماں سائیں کو کیوں سمجھاوں، وہ غلط نہیں ہیں سنا تو نے "شروع میں مدھم سا لہجہ یک دم تیر کی طرح زہریلہ ہو کر سلطانہ کا دل چیر گیا اور وہ اب ان دونوں ماں بیٹے کے انجام سے کانپ اٹھی تھیں جو یقیناً دردناک ہونے کو تھا۔

اور اپنے اس بیٹے کی پشت پناہی کرنے کے بجائے اسے سمجھا کے یہ سب "چھوڑ دے، ایسا نہ ہو اسکے کیے کی سزا تجھے بھی دینی پڑے۔ اس عمر میں

طلاق لے کر تجھے یقیناً بہت شرم آئے گی، میں چپ ہوں اسکا یہ مطلب نہیں کہ ہار گیا ہوں۔ میں بس اپنے بولنے سے آنے والی قیامت سے دامن چھڑوائے بیٹھا ہوں۔ خوامخواہ سادان خود تو مرے گا ہی ساتھ اس بدذات کی موت کے علاوہ تیرا بھی نقصان کرے گا" باقی باتیں تو سلطانہ کے معاوف دماغ سے ہو کر گزر گئیں، یاد تھا تو بس وہ ناپاک اور برالفظ طلاق جس نے اس عورت پر بجلی گرائی تھی۔ کئی آنسو اس بے رحم رفاقت پر بہاتی ہوئیں وہ وہاں سے فرار حاصل کر گئیں مگر اس ظالم شخص کو اس عمر میں یہ کہتے زرا ترس نہ آیا۔ یقیناً یہ بھی اس ڈائن انجیل کی سیکھائی سیکھ تھی۔ آج پہلی بار ہی سہی مگر خود درمان دل سے سخت تکلیف میں مبتلا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ارے میری جان تم کیوں آ گئی کچن میں، چلو شاباش آرام کرو جا کے۔" میں سب کر لوں گی میرا بچہ تم پہلے ٹھیک ہو جاو" کومل جو آج بہتر ہوتے

ہی کچن میں گلناز امی کے ساتھ ناشتہ بنانے آئی تھی، اس محبت، انس اور پیار پر تو فوراً گلناز کے سینے سے لگ گئی جس پر وہ بھی اپنی اس بہو کم بیٹی زیادہ پر نثار ہوئیں اور اسکا چہرہ ہاتھوں میں بھرے آسودگی سے پیشانی چومی۔

وائیٹ اینڈ گرے ڈریس میں وہ آج مہکی مہکی تر و تازہ لگ رہی تھی، گلے کا نشان جسے اس نے میک اپ سے مدھم کیا تھا پر بازو پر بندھی پٹی دیکھ کر پھر بھی گلناز اداس ہو گئیں تھیں۔

میں ٹھیک ہوں امی جان، ویسے بھی جس کے پاس شاویز جیسے ہسبنڈ، " آپ اور بابا جیسے اتنے پیارے ہوں اسے کوئی بھی تکلیف زیادہ دیر ہلکان نہیں کر سکتی۔ اب تو سچ پوچھیں میں آرام کر کے تھک گئی ہوں" جس طرح گلناز پیار اور مان لٹاتی تھیں، کومل ہمیشہ دگنی چاہت سے محفل لوٹ لیتی تھی اور گلناز کو اپنی قسمت پر فخر تھا جس میں ایسی بے مثال بہو لکھی گئی تھی۔ پہلی بات میں جی بھر کر امنگ اور چاشنی تھی اور آخری پر تو دونوں ہی ایک سا مسکا دی تھیں۔

ہمیشہ خوش رہو، صدا سہاگن رہو۔ اللہ میرے سب بچوں پر اپنا کرم" کریں۔ چلو ٹھیک ہے پر تم صرف چائے بنالو، میرا بچہ "ان ساس بہو کا لاڈ تو واقعی مثالی تھا۔ کومل کی بھی گویا ساری اداسی اور تکلیف مٹ چکی تھی اور پھر دونوں سگھڑ ساس بہو نے مل کر مزیدار ناشتہ بنایا اور سرو بھی کیا۔ چاروں نے مسکراتے ہوئے شکر گزاری کے ماحول میں ناشتہ کیا تھا۔ آج شاویز کو بھی دوبارہ این جیو جانا تھا لہذا ناشتے کے بعد وہ ریڈی ہو چکا تھا۔

سکائے بلو شرٹ اور وائیٹ پینٹ پہنے محترم ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑے اپنے بالوں کو جمائے کن اکھیوں سے آئینے سے لگ کر کھڑی حسین دوشیزہ کو دیکھ کر بھینے بھینے مسکرا رہے تھے اور وہ بھی شاویز کو اس قدر پیارے رنگ میں پوری دلگیری سے دیکھ کر مہک رہی تھی۔ شاویز نے کل ہی ضرورت کے تحت گاڑی لے لی تھی، پہلے بھی وہ گاڑی لینے کی ہمت رکھتا تھا مگر اعتدال پسندی کے باعث محترم بائیک کو ہی عزیز جان سمجھ لیتے تھے پر اب اسکے ساتھ کومل تھی لہذا جناب نے لے ہی لی۔

میں دوپہر تک آجاوں گا، جب تک آپ مکمل بہتر نہیں ہوجاتیں جاب پر" واپسی نہیں کروں گا۔اب آپ کیسی ہیں بائے داوے"خود پر کلون لگائے اپنی تیاری آفت خیز کیے وہ اب کومل کا نازک سا ہاتھ پکڑ کر اپنے شانے پر رکھے اپنی نگاہیں کومل کے کھلے چہرے پر جمائے رسانیت سے بولا جس پر کومل نے پہلے کچھ دیر شاویز کو دیکھنا ہی محبوب جانا۔

کیسی لگ رہی ہوں" محترمہ بس شاویز کی نگاہ میں آتے ہی بدحواس" ہونے لگتی تھیں اور یہ ظالم ادائیں نازک دل کے حسین سے شاویز پر بھاری تھیں۔

ہلکی سی دلنشین مسکان شاویز کے لبوں پر سمٹی جو پھر یک لخت معدوم ہوئی۔

بہت خطرناک" شاویز نے ہنستی آنکھوں میں شرارت لیے ہنسی کا اک لمحہ" کومل کو بھی سونپا اور مہکتی سی یہ قربت، ذو معنی سی خاموشی میں لپٹی ہوئی دل کو دبوچے ہوئے تھی۔

شاویز مجھے ابھی بھی ڈر لگ رہا ہے، مجھے بھی لے جائیں ساتھ۔ ناجانے" کیوں عجیب سا خوف ہے جو دل کو دہلا رہا ہے" ماحول کو نازک کرنے کے بجائے وہ اداس کر گئی اور شاویز اسکے خوف کے باعث اسے بے تابی سے حصار میں لے چکا تھا۔

ٹھیک ہے لے چلتا ہوں، پر آپ گاڑی میں ہی بیٹھیے گا مجھے بس دس منٹ کا" کام ہے۔ کچھ پیپر ورک سائن کرنا ہے تاکہ اجازت نامے کے بعد وہ لوگ انجیل بیگم پر کیس کر سکیں۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے میری جان۔۔۔اب کچھ برا نہیں ہونے دوں گا" شاویز اسے ہنوز نرمی سے اپنے روبرو کیے اسکی پیشانی پر مہر انس رکھے بولا تو وہ شاویز کی ہر بات مان جانے کی عادت پر دل سے مسکرائی۔

آئی لو یو شاویز، بس ڈرتی ہوں مزید کچھ ایسا نہ ہو جو مجھے آپ سے دور کر" دے۔ بہت سے بہت ضروری ہیں آپ، آپ کے بنا تو جینے کا تصور بھی نہیں کیا جاتا" ناجانے کیا بات تھی کہ اب کومل کا یہ اداس سا انداز شاویز کو

بھی کچھ ہلا گیا تھا، یہ جو کومل کو ڈر لاحق تھا یہ بالکل یونہی نہ تھا کیونکہ طفیل اب اپنی درندگی دیکھانے کا پلین کر چکا تھا۔

وہ اپنی شرط پوری کر چکا تھا لہذا اب اسے کومل پر ہاتھ ڈالنے کے لیے انجیل کی اجازت بھی درکار نہ تھی۔ وہ یہ بھی جان چکا تھا کہ وہ شاویز نامی اسکا شوہر ہے اس کے باوجود اسے بس کومل سے مطلب تھا۔

کومل کے دل کو لرزاتے انداز پر شاویز اسے نہ ڈرنے کا کہہ کر اسکی اس خوف مئں لپٹی لہر کو بہت خوبصورتی سے خود میں جذب کیے جی اٹھا تھا۔

دونوں کے چہرے ایک سی آب وتاب اور رشک سے چمک اٹھے تھے۔

مت ڈریں کومل، میں ہوں آپکے ساتھ۔ چلیں نکلتے ہیں ورنہ دیر ہو جائے گی" شاویز باقی باتیں چھوڑے اسے لیے کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سائیں میں کوئی چھوٹی بچی ہوں، دیں میں خود کھاتی ہوں" سادان اسے
بالکل چھوٹے بچوں کی طرح ابھی بھی خود ناشتہ کروا رہا تھا اور وہ اب خود کو
نکمی سمجھ کر دلبرداشتہ ہوئی جا رہی تھی۔ جونہی وہ منہ کھولنے کو کچھ بولنے
لگتی، سادان اگلی بائیٹ اسکے منہ میں ڈالے شرارتی سا مسکرا دیتا اور اب وہ
بولنے میں اس لیے کامیاب ہوئی کیونکہ وہ سادان کا ہاتھ پکڑ چکی تھی۔
نہیں، بچی تو نہیں ہو۔ یہ مجھے کل اچھے سے پتا چل گیا ہے" شہزادی کی
قربت کا حسن تھا کہ خود شہزادہ روم روم مہکا ہوا نازک سی شرارتیں کر رہا
تھا جس پر اب فلذہ سرخ ہو گئی۔ اس بات کی اُسے سادان سے توقع نہ تھی پر
وہ اسے یونہی تنگ کرنے والا تھا۔
ک۔۔۔ کیا مطلب آپکا، ہیں یہ باتیں مجھے سمجھ نہیں آتیں" ہکلانے سے
تو لگ رہا تھا محترمہ سب سمجھ چکی ہیں اور سرخ تو یوں ہو گئی تھیں جیسے
سادان نے کوئی گستاخی کر دی ہو پر وہ تو پورا مست موڈ میں بھینا بھینا مسکرا
کر پھر سے اسکے منہ میں سلائس اور انڈے کا بڑا سا نوالہ ڈالے اب بقیہ

ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر مڑا اور سلونی سانولی کے چہرے پر لکھے لاتعداد رنگ دیکھے پر وہ تو شدید گھبراہٹ میں مبتلا ہو چکی تھی۔

اہمم آہمم سمجھ نہیں آتیں، واہ۔۔ چلا کو کہیں کی، سمجھ نہیں آتیں تو یہ" حال ہے کہ محترمہ لال پیلی ہو گئیں۔۔۔۔ ھاھا یار سوری رونا مت شروع کر دینا اب "شاید یہ رات اپنے محبوب کی گود میں سر رکھ کر پر سکون نیند لینے کا نتیجہ تھا کہ شہزادے کی تمام تر شرارتی رگیں ایکٹیویٹ ہو کر مکمل چارج ہو گئی تھیں۔

سادان کی شرارت فلذہ کی اڑی رنگت دیکھ کر غائب ہوئی جس پر وہ مسکراتا ہوا اپنا ظالم موڈ بدل کر اب فلذہ کے بکھیرے بال اور رنگ بدلتے حسن کو بڑا ظالمانہ پرکھ رہا تھا۔ دوپٹہ تو آس پاس نہیں تھا، ویسے بھی محترمہ کے بال ہی اسے کور کیے ہوئے تھے جنھیں اب سادان بہت محبت سے پکڑے کندھے کے ایک طرف ڈالے اسکے دونوں ہاتھ جکڑ کر اپنی مہکی نگاہوں سے فلذہ کے رنگ بدلتے پر کشش چہرے کو دیکھتا روبرو ہوا۔

آپ مجھے ایسے تنگ نہ کریں، وہ میرا دل پتا نہیں کیا ہونے لگتا" ھائے"
فلذہ تمہاری یہ معصومیت ہی تو قاتل تھی جو ہمارے شہزادے کو ہوش سے
بیگانہ کر دیتی تھی۔ وہ جو کانپتی آواز کے سنگ پلکوں کا جھالر چہرے پر
لرزائے سادان کی نظروں سے دہک رہی تھی، ترکی بہ ترکی بول پڑی۔
کیا ہونے لگتا ہے" سادان جان بوجھ کر اسے چھیڑنے کے بہانے تلاشنا"
چاہتا تھا کیونکہ کل کے بعد سے وہ سادان کے مزید قریب ہو گئی تھی اور
قدرتی طور پر وصل کی خواہش نے سادان کے دل پر ہلکی ہلکی دستک دینی
شروع کر دی تھی۔

سادان کے سوال پر فلذہ کی زبان اور دل لگتا تھا دونوں بند ہوئے ہیں اور
اب وہ اپنی اس اکلوتی کائنات کو آزاد کیے سائیڈ پر رکھا اسکا پینڈٹ اٹھائے
پھر سے روبرو ہوا۔

اچھا نہیں کرتا تنگ، یہ رہا تمہارا پینڈٹ ۔۔۔۔ یہ چلا گیا اپنی جگہ"
پر۔۔۔۔اب کیا کریں" سادان اب پیار سے اسے وہ پینڈٹ پہنا کر پھر

سے بہکے سے انداز میں فلذہ کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا جو واقعی گلابی ہو کر بے جان ہو رہی تھی۔

معاملہ مزین نازک ہونے سے پہلے ہی دروازے کی دستک پر سادان اس طلسم سے نکل کر اٹھا اور دروازے تک آیا تو سلطانہ اور عالیہ کو دیکھ کر خوش دلی سے مسکرایا اور انکے اندر آتے ہی وہ بھی خوشی ہمکتے انداز سے انکے پیچھے آیا۔ سلطانہ جو صبح درمان کی طلاق کی دھمکی سے بجھ گئی تھیں، فی الحال اپنا ہر دکھ اپنے اندر اتارے بس اپنے بچوں کو عافیت کی دعا سونپنا چاہتی تھیں۔

آج سلطانہ کو وہ بہت پیاری اور عزیز لگی تبھی وہ بے حد نثار ہوتے انداز میں اس تک پہنچ کر آسودگی سے اسکی پیشانی چوم کر منظر حسین کر گئیں۔ عالیہ جواب سادان کے ساتھ لگی تھی یہ منظر بلکل حقیقی جی گئی، خود سادان نے فلذہ کی گھبراہت اور حیرت انجوائے کی۔

کیسی ہے میری لاڈلی بیٹی، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میرے شہزادے کی" اس دنیا کو زندگی دی۔ اب تم اس حویلی کی بہو ہو فلذہ، میرے سادان کی

حقیقی خوشی۔ سب برا بھول جاؤ میرا بچہ، میں صدقے" فلذہ کو تو صدمے

میں غرق دیکھ کر وہ تینوں ہی مسکرا دیے جبکہ سلطانہ کا چاہت سے فلذہ کو

اپنے سینے سے لگانا واقعی دلفریب منظر تھا جس پر فلذہ بھی بہت مدھم سا

مسکرائی مگر اس کی بھری آنکھیں صرف سادان محسوس کر پایا تھا۔

بالکل، ان شاءاللہ بہت جلد سارا ابر سایہ مٹ جائے گا۔ ہم سب پر آئی ہر"

مشکل ہٹ جائے گی۔ میری بھی دعا ہے اللہ میرے بھائی کو اور اسکی اس

خوشی کو اب ہمیشہ محفوظ رکھے" عالیہ بھی ہر طرح ہی فلذہ پر اب جان نثار

تھی، کل جس طرح سادان اسکو لے کر ٹچی ہو رہا تھا یہ عالیہ کا دل مہکا گیا۔

ایک شوہر کو اپنی بیوی کے لیے ایسا ہی ہونا چاہیے اور اسے سادان کے ہر

انداز کی طرح کل اس حیادار سے رنگ پر بھی جی جان سے پیار آیا تھا۔

ابھی بھی وہ اور سلطانہ خاص فلذہ کو دیکھنے آئی تھیں جو واقعی سادان کے

حسن کے سائے میں جا گزیں ہو کر اب پہلے جیسی سانولی تو رہی ہی نہ تھی۔

شاید یہ منصوعی حسن سے زیادہ شہزادے کی محبت تھی جو فلذہ کو دلکش اور

دلنشین بنا چکی تھی۔ اسکا کندن رنگ وصل کی تمازت سے آتشی نمکین ہو گیا تھا، وہ سادان کے ساتھ بہت جچتی تھی۔ بھلے وہ شہزادوں کا شہزادہ تھا مگر اسکی زندگی کا سارا اسکون بس فلذہ بن چکی تھی۔

آمین ثم آمین، بس اماں سائیں اب آپ نے اپنی بہو کا میری غیر موجودگی" میں خیال رکھنا ہے۔ دراصل مجھے آج اہم کام ہے، دادی اور بابا سے اسکی حفاظت ضروری ہے" سادان نے فکر مندی سے اپنے خدشے کو زبان دی جس پر سلطانہ نے بھی خوب دلیری کے سنگ حفاظت کا ذمہ لیا، اور ویسے بھی انجیل تو اب جذبات پر وار کرنے کا ارادہ کر کے بیٹھی تھی جو ایک بار پھر سادان کو ہلانے والا تھا۔

کچھ دیر بیٹھنے کے بعد سلطانہ کے بعد عالیہ نے بھی اسے پیار اور دعائیں دیں اور وہ دونوں ہی باہر چلی گئیں جسکے بعد سادان دروازہ آگے کر کے بند کرتا واپس اس دل سے دکھی سی فلذہ تک آیا اور سادان کے بیٹھتے ہی وہ اسکے سینے سے روتی ہوئی لپٹ گئی۔

اتنی محبت پر روتا کون ہے، بس کرو دو رو کر مجھے بہادو گی کیا۔ ایک دن وہ" بھی آئے گا جب میری چاکلیٹی پرنسس پوری شان سے یہاں کی ماہرانی بنے گی، بس یہ انجیل نامی کانٹے کا بندوبست کرلوں زرا" خود میں حلول ہوئی رو کر سرخ ہوتی فلذہ کو پکڑ کر مقابل لائے وہ اسکی گال پر لڑھکتے موٹے موٹے آنسو دونوں ہاتھوں سے ہٹائے اسے مسکراہٹ دے گیا اور فلذہ کی مسکراہٹ سادان کے سکون کا باعث تھی۔

آپ کیوں ہیں ایسے، پاگل سے "آئے ھائے محترمہ نے روئی سرخ" آنکھوں سے پیارے سے سادان کو سیدھا پاگل ہی کہہ ڈالا اور وہ کتنی ہی دیر اس بات پر اسکی گالوں کو کھینچ کر ہنستا چلا گیا۔ کتنی پیاری تھی اسکی ہنسی، فلذہ تو جیسے اس چہرے کے حسن میں ہی اُلجھن گئی۔

اور تم کیوں ہو ایسی، معصوم سی۔ تم جیسا معصوم اس دنیا میں اور نہئں ہو گا" فلذہ، اور تمہاری یہ معصومیت مجھے تمہاری طرف کھینچتی ہے۔ میگنٹ فٹ" ہے تم میں، کہاں فٹ ہے زرا دیکھوں تو" ابھی بھی وہ رو رہی تھی اور پھر

سادان نے اسے وہ گدگدی کی کہ فلذہ کی بے قابو بھیگی ہنسی پورے کمرے میں کھنک کر منظر تک دیوانے کر گئی اور وہ چپ چاپ پھر سے سادان کی گرفت میں قید ہو کر اپنا آپ اس کے حصار میں چھوڑ گئی کیونکہ اسے یقین تھا اسکے سائیں اسے سنبھال لیتے ہیں۔

ہنستی رہا کرو، تمہاری ہنسی اس دنیا کی سب سے پیاری مسکراہٹ میں شمار کی جاسکتی ہے۔اور رات مجھ کے ٹوکے پہاڑ کو برداشت کرنے کے لیے تھینک یو، اور تمہیں پتا ہے، بہت اچھی نیند آئی مجھے" فلذہ کی روئی آنکھیں اب رشک سے منور تھیں، وہ اسے کتنا خاص مقام دیتا تھا، تمام تر شدت کے بھی فلذہ روہانسی سی ہو کر پلکیں جھکا گئی جس پر سادان نے اسکا چہرہ اوپر اٹھا کر اسے جی بھر کر دیکھا اور وہ مسکرانے کی کوشش بہت کامیابی سے نبھاہ کر سادان کا دل بھی مطمئین کر گئی تھی۔

آپ ہمیشہ پر سکون رہیں، میری یہی دعا ہے" فلذہ کے کہنے کی دیر تھی کہ " سادان نے بے حد شدت اور من مانی ملائے اسکی مسکراہٹ کو چرا لیا اور یہ

سلسلہ طویل تر ہونے کی سمت گامزن تھا مگر خود ہی سادان نے اسے بے حد بے قراری سے بخشتے ہوئے اپنی مضبوط بازووں میں جکڑ لیا۔ فلذہ تو سادان کی یک لخت لٹائی شدتوں پر بوکھلا کر لرزا ٹھتی تھی۔

"یہ تم پر ہے فلذہ، میرے بس میں تو میری نیند تک نہیں۔ تم میرے پاس رہو گی تو میں سکون میں رہوں گا۔ رہو گی ناں" وہ کسی خوف کے پیش نظر اب کی بار قصد لیتے ڈراسا لگا جس پر فلذہ نے مسکرا کر اثبات میں سر کو خاصی بچوں سی جنبش دی جس پر سادان نے اپنی دلفریب مسکان سجائے اسے اپنی بازووں میں ہنوز قید کیے اسکی گال پے ہونٹوں کا لمس دھرا تو وہ جھینپی سی لجائی سی مسکا دی۔

"اب تم کمرے میں ہی رہنا، آج کا دن تمہارے سائیں نے گاوں میں تھوڑا دھماکہ کرنا ہے۔ کچھ بھی چاہیے ہو تم مجھے اس لینڈ لائن سے کال کر دینا میرا نمبر اس ڈائری پر لکھا ہے۔ باقی تمہارے فون اور تمہاری کتابوں کو منگوانے کا بندوبست کچھ دن تک ہو جائے گا۔ بھلے سو لینا کچھ دیر اور پھر

تھوڑا مجھے بھی مس کر لینا" سادان نے بہت چاہت سے فلذہ کو الگ کیے اپنی غیر موجودگی میں کرنے والے کاموں کی لسٹ دی جس پر وہ فوری سر ہلا گئی اور اس دلگیر فرمابرداری پر وہ اسکے ماتھے پر پیار دیے اسکے دونوں ہاتھ بھی چومنے لگا جس پر پھر سے فلذہ سمٹنے لگی۔ وہ جب جب اسے چھوتا تھا تو اک الگ ہی فرحت اور گدگدی سی فلذہ کو محسوس ہونا شروع ہو گئی تھی۔

ٹھیک ہے "فلذہ نے گھبرائی سی آواز کے سنگ کہا جس پر سادان مسکرا کر " اسے دیکھتا اٹھا اور فلذہ کو شانوں سے پکڑے بیڈ پر لٹائے بلینک دینے کے بعد کچھ دیر چاہت سے اسے دیکھتا رہا اور دلفریبی سے اسکی آنکھوں پر باری باری بوسہ دیے انھیں بند کرنے کا کہہ کر اب خود بھی ڈریسنگ سے اپنا فون اور چابی لیے کمرے سے نکل گیا۔ گرے سوٹ پر سیاہ واسکٹ اور آنکھوں پر سیاہ چشمہ، پاوں میں عمدہ کھیڑی اور اسکے وجود سے اٹھتی کلون کی خوشبو ۔۔۔۔ وہ بلاشبہ حسین ترین تھا۔ جاتے ہوئے وہ بلقیس کو بھی فلذہ کے دھیان کا کہہ کر گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"بہت اچھی گاڑی ہے، ویسے آپکو اسکی ضرورت نہیں تھی۔ میں تو بائیک پر بھی بیٹھ جاتی مسٹر ہسبنڈ" وہ لوگ اب سیدھا این جیو کے آفس جا رہے تھے اور کومل سیٹ بیلڈ باندھنے کے باوجود بیک سیٹ پر بازو ٹکائے شاویز کو دیکھتے ہوئے مسکرائی جو خود کے بعد اب اعتدال پسند سی زوجہ پا کر شرارت سے پر نور ہو گئے۔ جب سے پولیس کے دو اہلکاروں پر حملہ ہوا تھا تب سے ڈی ایس پی نے اب شاویز کے گھر پر خفیہ بندوں سے نظر رکھوائی تھی کیونکہ یہ شاویز کو کچھ دن تک ضروری لگا تھا اور شاویز کی گن بھی اب اسکے ہمہ وقت پاس ہوتی تھی۔

طفیل بھٹی کے آدمیوں کو یہ حکم تھا کہ کومل کو اغوا کر کے سیدھا گاوں میں اسکے خفیہ اڈے لانا ہے اور ٹھیک شاویز کی گاڑی سے کچھ دور ایک کالی بڑی گاڑی انکا پیچھا شروع کر چکی تھی۔

آپ تو بیٹھ جائیں گی محترمہ پر کل کو جب اہمم اہمم، فیملی بڑھے گی تو یقینا" اسکی ضرورت بھی پڑے گی" بات کرتے کرتے جہاں شاویز شریر ہوا وہیں کومل اس دل کو چھیرتی بات پر شرمگیں سی ہنسی دبائے اب آنکھیں چرا کر کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی اور یہ حسین منظر شاویز نے پورے حسن کے سنگ دل میں اتارا پر یک لخت شاویز کے چہرے پر تناو سا آیا کیونکہ وہ مرر سے اپنے پیچھے مسلسل آتی گاڑی دیکھ کر تھوڑا فکر مند ہوا تھا۔

بہت تیز ہیں آپ" بھینی بھینی حیا کے سنگ کومل ہنوز باہر دیکھتے ہوئے" مسکرائی مگر شاویز کا دھیان اب اس گاڑی پر مزید ٹھہرا۔

کیا ہو گیا شاویز" شاویز کے گاڑی کی سپیڈ بڑھانے پر کومل نے دل پر ہاتھ رکھ کر لرزی آواز سے چونکتے کہا اور شاویز کے چہرے پر پریشانی دیکھ کر وہ بھی گھبرا گئی۔

گاڑی کی سپیڈ بڑھتے ہی وہ پچھلی گاڑی بھی مزید تیز رفتاری سے پیچھے آ رہی تھی۔

کومل، لگتا ہے یہ گاڑی ہمارا پیچھا کر رہی ہے۔مجھے ڈی ایس پی صاحب کو بتانا ہو گا" شاویز نے ایک ہاتھ سے سٹیرنگ سنبھالے دوسرے سے اپنا فون پاکٹ سے نکال کر نمبر ملایا اور کومل کی آنکھوں میں بھی خوف کی لہر پوری قوت سے بیدار ہوئی۔

سر، جی سر۔اوہ بہت شکریہ "اس سے پہلے کہ شاویز کچھ کہتا، وہ یوں فون پر بات کر رہا تھا جیسے انکو پہلے ہی سب علم ہو۔کومل کا تو دل سخت بری طرح کانپ رہا تھا۔

پولیس کی گاڑی پیچھے ہی ہے، یہ جو بھی ہیں نہیں بچیں گے۔ سر نے کہا"
ہے میں گاڑی مت روکوں پر یہ لوگ مجھ سے کافی سپیڈ پر چلا رہے ہیں۔
آپ گھبرائیں مت کومل" شاویز جو سب کچھ بولتا گیا، آخر پر رخ زرا سا
پھیرے کومل کی ہوائیاں اڑی دیکھ کر اسے تسلی دینے کے ساتھ مزید
گاڑی تیز کر گیا۔

یااللہ اب یہ کون ہیں، اف میرا تو دل بند ہو رہا ہے۔ یہ تو قریب آ رہے"
ہیں شاویز۔" پولیس کی گاڑی تھوڑے فاصلے پر تھی مگر اب وہ کالی گاڑی
عین شاویز کی گاڑی کے ساتھ ساتھ آنے کی کوشش میں تھی اور اب
شاویز خود خوفزدہ تھا۔

کومل کی رہی سہی جان تو تب نکلی جب شاویز نے تر پیشانی مسل کر فوری
سامنے کیبن سے اپنی گن نکالی جسے کومل نے ہراساں نظروں سے دیکھ کر
خود کو بے جان محسوس کیا۔ شاویز کا سارا دھیان اس گاڑی پر تھا اور پھر مین
روڈ سے نکلتے ہی سنسان ایریا پر وہ گاڑی عین شاویز کی گاڑی کے سامنے رکی

اور یکے بعد دیگرے تین گن مینز باہر کود کر شاویز اور کومل کی طرف لپکے۔

یہ منظر کہ جب اک موت سر پر تھی۔ کومل کا فق چہرہ، اور شاویز کا اپنی گن لوڈ کرنا یہ سب ہولناک منظر تھا۔ وہ دوسرا آدمی جس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی گن سے گاڑی کا شیشہ توڑا جس پر کومل کی چینخ کے ساتھ ہی شاویز نے اپنی طرف کا ڈور کھول کر اس دوسرے کو دھکا دیا اور گولی عین اسکی ٹانگ پر ماری جس کی وجہ سے وہ وہیں سڑک پر گرا۔

شاویز جب تک پلٹ کر دوسری طرف آیا وہ بقیہ دو کومل کو زبردستی گھسیٹنے کی کوشش کر رہے تھے اور کومل کی چینخیں کان کے پردے پھاڑ رہی تھیں۔ گاڑی کے ڈور کا کانچ کومل کے ماتھے پر بہت بڑا زخم چھوڑ گیا تھا، شاویز نے اب خونخوار ہو کر گن اس خبیث پر تانی جو کومل کا بازو پکڑے گھسیٹ رہا تھا مگر دوسری جانب دو گنز اپنی سمت تنی دیکھ کر شاویز کی ایک لمحے کو ٹانگیں کانپیں۔ اس وقت اسکے لیے اپنی جان سے زیادہ کومل عزیز

تھی، دور سے پولیس کے سائرن کی آواز پر گاڑی میں بیٹھے آدمیوں نے ان دو کو بھاگنے کا کہا مگر کومل کو دیکھنے کی دیر تھی کہ ایک اڑتی گولی سیدھی شاویز کے آر پار ہوئی۔ وہ دو بد حواس ہو کر بوکھلا گئے اور ایک طرف پولیس اور یہ گولی، دونوں کے بھاگنے سے پہلے ہی وہ باقی لوگ گاڑی سٹارٹ کیے فرار ہوئے جس پر اب ایک ساتھ دو فائرز پھر سے چلے اور ان دو کو بھی بازووں پر لگ کر زمین بوس کر گئے۔

شاویز کو نا جانے گولی کہاں لگی پر اسکی آسمانی شرٹ خون سے تر تھی اور کومل کو لگا اسکی جان اسکے جسم سے نکل گئی ہے اور وہ روتی ہوئی شاویز کی سمت دوڑی جہاں وہ بمشکل سانس لیتا ہوا آنکھیں بند کرتا کرتا اپنا خون سے تر ہاتھ کومل کے کربناک چہرے پر رکھے اسی لمحے بے سدھ ہوا۔ پولیس کی گاڑی سے نکلتے اہل کاروں نے فوری طور پر ان تینوں کو حراست میں لینے کے ساتھ شاویز کو فوری ہسپتال پہنچایا۔ قیامت برپا تھی، گولی شاید شاویز کے کندھے پر دل سے زرا اپرے لگی تھی مگر کومل نے وہاں سے ہوسپٹل

آتے آتے فلک شگاف آنسووں سے رو رو کر اپنی ہستی فنا کر لی تھی۔ پولیس کے اہلکاروں نے یہ خبر ڈی ایس پی صاحب کو دی تھی جس پر وہ ان تینوں مجرموں کو خود ہینڈل کرنے کے ساتھ ساتھ یہ خبر کرمان کو دے چکے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جب تک سادان ڈیرے پر پہنچا وہاں کہرام مچا تھا، سادان تیزی میں سب کے بیچ پہنچا تو اسے جو بات پتا چلی وہ اسکی زندگی کا سب سے کربناک موڑ تھا۔ عائشہ کے ساتھ اس خبیث نے زبردستی کی تھی اور ایسی درندگی دیکھائی کہ وہ آٹھ سالا عائشہ موت اور زندگی کی کشمکش میں پہنچ گئی۔

سادان نے عاقل کو اس بدبخت علی اور اسکے باپ کو فوری حکم پر بلوایا تھا۔

عائشہ کی حالت بہت نازک تھی اور ڈاکٹر کبیر کی اپنی ہمت ٹوٹ گئی تھی۔

اس بچی پر ایسا ظلم توڑا گیا کہ انکا دل اس علی پر لعنت بھیجنے کو کیا تھا۔

سادان کو تو باقی کسی چیز کی ہوش نہ رہی بس اسے وہ علی اپنے سامنے چاہیئے تھا۔ کرمان کو خبر ملی تو وہ حویلی سے دوڑے ہوئے سادان تک پہنچے۔

انکا ہانپنا دور سے ہی تناو اور غضب میں مبتلا سادان کو پریشان کر گیا جس پر وہ کرمان چاچو کو دیکھتے ہی مجمعے سے کچھ دور آیا۔

شاویز۔۔۔۔ سادان اسے گولی لگ گئی ہے۔ کچھ لوگ کومل کو اغوا کرنا چاہتے تھے، اس اس مزاحمت میں۔۔۔۔" کرمان کا یہ بتاتے ہوئے اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا، خود سادان کے لیے یہ خبر مزید سوہان روح تھی۔ وہ تو پہلے ہی عائشہ کے لیے پریشان حال تھا جو آئی سی یو میں زندگی اور موت سے لڑ رہی تھی۔

یااللہ رحم، چاچو آپ ایسا کریں فوری لاہور چلے جائیں۔ وہاں آپکی" ضرورت ہے، میں آپ سے رابطے میں رہوں گا۔ یہاں ایک اور درندگی ہو گئی ہے، میں کیا کروں۔ آپ فوراً روانہ ہوں اور مجھے پل پل کی خبر دیں۔ اللہ اس پر کوئی آنچ نہ آنے دے، یااللہ یہ کیا ہو گیا ہے" اس وقت سادان کا

جانا تو ناممکن تھا لہذا اس نے فوری طور پر کرمان کو لاہور روانہ کیا۔ وہ بھی اسے بتانے ہی آئے تھے، سادان نے انکو عاقل کو ساتھ لے جانے کا کہا پر وہ سادان کو بھی اکیلا نہیں چھوڑ سکتے تھے لہذا اکیلے ہی روانہ ہو گئے تھے۔ سادان کے لیے ایک بار پھر یہ دکھ برداشت سے بڑھ گئے تھے اور باقی کا درد تو اسے اس وحشی درندے کو دیکھ کر ہوا جسے اسکے دو آدمی گھسیٹ کر سب کے بیچ لائے تھے۔

پورا گاوں ہی وہاں جمع تھا، سادان نے آو دیکھا نہ تا و دیکھا۔ زوردار جھانپڑ اس بدبخت کے منہ پے دے مارا جس سے وہ ہٹا کٹا علی بھی کئی فٹ دور مٹی میں جا گرا، سادان کا یہ خطرناک روپ دیکھ کر پورے مجمعے میں خوف و ہراس پھیلا۔

زلیل انسان، تجھے زرا غیرت نہیں آئی اس معصوم کو اپنی ہوس کا نشانہ " بناتے ہوئے، تجھے تو نکاح کے باوجود سنگسار کرنا چاہیے۔ لعنت ہو تم جیسوں پر" اگر عاقل بیچ میں نہ آتا تو آج علی کا خاتمہ طے تھا، پر تھپڑ کھانے

کے بعد بھی وہ اکڑ کر سادان کے جلال سے بے نیاز اسے کاٹ کھانے کو دیکھ رہا تھا اور پیچھے پیچھے اسکا باپ بھی وہیں پہنچ آیا۔

علی کے جبڑے سے نکلتا خون دیکھ کر اب وہ تنفر سے اپنی انگشت شہادت سادان پر تانے تلملایا۔

"بس سائیں بس، آپ کو کوئی حق نہیں اس پر ہاتھ اٹھانے کا۔ بیوی ہے وہ اب اسکی، اس میں اسکا کیا قصور ہے کہ وہ سہہ نہیں پائی" ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری کرتا اسکا باپ سادان کے ماتھے میں گویا آگ لگا گیا، اسکی بات جتنی ناقابل قبول تھی اتنا اسکا لہجہ بے باک تھا جس پر گاوں کے لوگ منہ پر ہاتھ اور کانوں کو ہاتھ لگا کر اس آدمی کی بیغیرتی ملاخطہ کر رہے تھے۔ جبکہ سادان کا تو اب اس کے باپ کو بھی ویسا ہی جھانپر رسید کرنے کا دل تھا۔

"خدا غرق کرے تم لوگوں کو، بیوی بننے کی اس میں سکت تھی جو تمہارے بیٹے نے یہ گل کھلایا ہے۔ آٹھ سال کی کومل پری ہے وہ گھٹیا' شخص جسے

تمہارے اس منحوس بیٹے نے موت کے منہ میں جھونک دیا ہے۔خدا کی قسم اگر مجھے ایک قتل معاف ہوتا تو میں اس درندے کا کرتا" ساداں اس وقت کسی لحاظ اور ادب کا کوئی خیال نہ کیے اپنی حقارت کے تماچے پورے گاؤں کے ساتھ ساتھ ان دو کے منہ پر مار رہا تھا۔

ان ہوس کے پجاریوں کے عورت کو بس ایک کھلونہ سمجھ رکھا تھا، اور سب کے سر شرمندگی سے جھکتے نظر آئے تھے۔اب وہ علی بھی سر جھکا کر زمین کو گھور رہا تھا اور اسکی پھنکارتے باپ میں بھی کسی جواب کی تاب نہ تھی۔

یہ ونی میں آج یہیں ختم کرتا ہوں، خبر دار جو اب اس بچی کے پاس بھی" بھٹکے۔خدا تم جیسے ناسوروں کو غرق کرے۔۔۔۔ کیا سمجھتے ہو تم لوگ، عورت جسم کے سوا کچھ نہیں۔ارے عقل کے اندھو اپنی سوئی عقلیں بیدار کرو۔بیٹا جرم کرے تو لڑکی ونی، باپ قتل کرے تو لڑکی ونی، کیوں۔۔۔۔۔ عورت اس قدر کم فہم ہے کیا، اللہ نے اسے تمہارا سکون بنایا ہے پر تم سب درندے ہو جنھیں صرف اپنے سکون سے مطلب ہے۔

دفع ہو جاو میری نظروں سے، اگر عائشہ کو کچھ ہوا تو علی تجھے تو میں خود مار کر گاوں کے چوراہے پر لٹکاوں گا" سادان کا دل اس وقت اس خبیث کا خون پینے کا کیا تھا، اسکی سرخ آنکھیں تکلیف پر ایک اور تکلیف کا استعارہ تھیں۔ وہ سخت ذہنی دباو میں تھا۔ایک طرف شاویز اور دوسری طرف اکھڑے سانس لیتی عائشہ جو کبیر کے بقول بہت نازک اور بری حالت میں پہنچ چکی تھی۔

سائیں مانا اس نے جلدی کر دی پر اب جو ہو گیا سو ہو گیا، آپ یہ باتیں" گاوں کے سامنے کر کے ہمیں بہت شرمسار کر چکے ہیں۔کچھ خدا کا خوف کریں" وہ آدمی جو گاوں کے درمیانے امیر طبقے سے تعلق رکھتا تھا، یوں گھر کی بات پورے گاوں میں اچھلنے پر ہتھے سے اکھڑے بولا اور اب سادان کی برداشت تھی کہ دم توڑ چکی تھی۔

جلدی، اٹھارہ سال سے پہلے اس بدبخت کو کیا ضرورت تھی اس پر خود کو" تھوپنے کی۔اور یہ تمہارے گھر کا معاملہ ہوتا تو آج وہ بچی موت کے منہ میں

نہ ہوتی۔ کچھ غیرت کھاو، پہلے میرے منع کرنے کے باوجود تم لوگ ونی کو قبول کر گئے اور پھر یہ سب جو کم از کم میری روح فنا کر گیا ہے۔ خدا کا کچھ خوف کرو، وہ تو لڑکی بھی نہیں بنی ابھی، بچی ہے چھوٹی سی۔۔۔۔ یا اللہ مجھے صبر دے۔ گم کرو اپنی شکلیں، اب تمہارے اس بیٹے کو جیل کی چکی پیسواوں گا۔ تا کہ آج کے بعد اس گاوں میں کوئی ایسی بے رحم سفا کی نہ کر سکے" سادان تو اب ان دونوں باپ بیٹے کے ساتھ پورے گاوں والوں کے اعصاب پر بجلی گرا رہا تھا اور سب کی ہی روحیں کانپ رہی تھیں۔ اب تو وہ بے باک علی بھی سہما چوہا لگا جس پر سادان کو آج انتہا کا عتاب چڑھا تھا۔ اسکا باپ تمام اکڑ بھول بھال کر معافی تلافی پر اتر آیا پر سادان نے انکو جس طرح گھسیٹ کر بلوایا تھا اسی طرح نکلوایا کیونکہ ایسے لوگوں کے لیے سادان بہت بے رحم تھا۔

عائشہ کے ماں باپ تو مرنے والے ہو چکے تھے اور اتنا سادان عائشہ کی خبر سے نہیں ٹوٹا تھا جتنی اسکی حالت ان دو کی کوکوں اور دھاڑوں سے بڑھی تھی۔

سادان اور عاقل اسکے بعد ہوسپٹل گئے تھے اور بہت کوشش کے بعد بھی سادان اپنے اندر عائشہ کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں جمع کر پا رہا تھا۔ وہ اسے بچا نہیں سکا تھا اور نا جانے وہ اس ستم پر کتنا روئی ہو گی۔ کتنا سسکی ہو گی یہ سوچ کر خود سادان کی آنکھیں نم تھیں جس پر ڈاکٹر کبیر نے اسکے کندھے پر ہاتھ رکھے اسے اندر جانے کا کہا۔

اسکی جان تو بچ گئی ہے پر خدا ایسے سفاک کو غرق کرے جس نے اسکے" جسم کو نوچ ڈالا ہے، سادان بچے آپکو اب یہ ظلم مکمل روکنا ہو گا۔ یہ لاشیں، یہ درندگی کا شکار ہوئی بچیاں دیکھنے کی اب مجھ میں بھی ہمت نہیں"

بشیر اور عاقل ایک ساتھ ہی بے جان چہرے لیے کھڑے تھے اور ایک

نرس جو گاوں کی ہی تھی وہ اب اندر عائشہ کے پاس تھی۔ڈاکٹر کبیر کی اپنی آواز بھرائی تھی جس پر سادان نے سینے پر منجمد سی اک سانس لی۔

"یہ آخری تھی بھائی، اسے بھی بچا لیتا اگر میں خود دھوکے میں نہ آتا۔ڈاکٹر ہو کر بھی میرے اندر عائشہ کو دیکھنے کی ہمت نہیں پر میں اس سے ضرور ملوں گا" سادان کے لہجے میں کھارا پن تھا اور اب وہ کبیر کو دیکھتا ہوا اپنے من وزنی قدم بڑھائے آئی سی یو کے کمرے کی سمت بڑھا تو پہلی ہی نظر میں سادان کا کلیجہ کٹ گیا۔

وہ واقعی بہت چھوٹی سی تھی، مشینوں کی زد میں نڈھال۔ سفید کلینک کا ہی ڈریس پہنے وہ بے جان اور بے سدھ اکھڑے سانس لے رہی تھی اور آج سادان کو مرد کی ایسی درندگی پر شرم محسوس ہوئی۔

وہ بہت آہستگی سے اسکے سر تک پہنچا اور اسکے ماتھے پر ہاتھ رکھے سر تک لے گیا جس پر وہ اکھڑے سانس کے باوجود اپنی آنکھیں کھول چکی تھی اور

اسکی آنکھوں سے ابھی بھی نکلتی نمی نے سادان کے وجود کو ہوا میں منتشر کیا۔

وہ سادان کو بس ایک نظر دیکھے پھر سے اپنی آنکھیں موندھ گئی۔ اسکی جو بازو اسکے پیٹ پر دھری تھی اس پر جا بجا جلد چھلی ہوئی تھی جس میں خون جما تھا۔ یہ منظر سادان کی زندگی کا سب سے دردناک منظر تھا۔

بھلے وہ نکاح میں تھی پھر بھی سادان کو اس میں اور زیادتی کی شکار ہوئی بچی میں فرق نہ لگا۔

"اللہ تمہیں زندگی دے عائشہ، مجھے معاف کر دو بچے میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر پایا۔ لیکن اگر تم جینے کا وعدہ کرو تو میں تمہاری ہر تکلیف کا بدلا لوں گا۔ تمہارا مجرم صرف وہ علی نہیں بلکے ونی کی حمایت میں گو شاں ہر فرد ہے۔ اب نہیں چھوڑوں گا، تمہارے ننھے وجود پر لگے ان زخموں کا پورا بدلا لوں گا" سادان جانتا تھا وہ بہت بری حالت میں ہے، اسکے جسم میں کچھ سلامت نہ بچا تھا۔ شاید یہ سانسیں جو وہ مشین پر لے رہی تھی یہ اسکی

آخری سانسیں تھیں۔ سادان کی آنکھوں سے آنسو خود بخود بہتے گئے اور وہ اک نظر آسمان پر ڈالے دلبرداشتہ سا باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہٹو پیچھے، میں نے کہا دور رہو" دروازے پر ہوتے شور نے فلذہ کی نیند" میں خلل ڈالا اور اگلے ہی لمحے انجیل بیگم نے کنپٹی کی رگیں پھڑکا کر سادان کے کمرے کا دروازہ کھول کر پٹخا جس پر فلذہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور سامنے سے آتی انجیل بیگم کو دیکھ کر اسکا تو رنگ سفید ہو گیا۔

سلطانہ اور عالیہ مسلسل گھبرائی ہوئی پیچھے ہی تھیں مگر انجیل بیگم ان دونوں کو دھکیلتی ہوئی اندر آچکی تھی۔

ابھی یہاں جو بھی ہو گا اگر تم دونوں میں سے کسی نے سادان کو بتایا تو میں" تم دونوں کو تو کچھ نہیں کہوں گی البتہ سادان کی سانس ضرور روک دوں

گی۔ نکلو دونوں، مجھے بات کرنی ہے اس سے" انجیل بیگم آج ایک بار پھر اپنی درندہ صفت سفاکی نازل کرنے پہنچ آئی تھی مگر فلذہ کی آنکھوں میں اپنے لیے تو نہیں پر اپنے سائیں کے لیے اب شدید ڈر تھا اور ویسا ہی ڈر سلطانہ اور عالیہ کی آنکھوں میں تھا مگر مجال ہو جو انجیل بیگم کو زرا بھی غیرت آئی ہو۔ سادان کو اتنی تکلیف دینے کے بعد بھی وہ اب اسے فلذہ سے دور کرنے کے درپر تھی۔ انجیل نے دروازے پر غرور سے ڈٹ کر سلطانہ اور عالئہ کو حقارت سے تنبیہہ کیے باہر کیا اور خود حقارت سے چلتی ہوئی فلذہ تک آئی جو بمشکل اپنی کپکپی روکے بیٹھی تھی۔ مسلسل ملتی ہار نے انجیل بیگم کی رگوں میں شرارے دوڑا دیے تھے، وہ اس فلذہ کو کسی طرح اس دنیا سے ہی فنا کر دینا چاہتی تھی پر مجبور تھی۔

سادان نے تیرے لیے کتنا کچھ کیا اور تُو اس کی زندگی پر گرہن کی طرح" چپک گئی ہے۔ دفع کیوں نہیں ہوتی بدبخت، آج اگر تُو دفع نہ ہوئی تو تیرے باپ سمیت تیرے سائیں کی قبر کھود دوں گی" فلذہ کا بمشکل تو سادان نے

یہ ڈر ہٹایا اور پھر سے یہ عورت اسے توڑنے آپہنچی تھی، جانتی جو تھی کہ اس معصوم فلذہ کی بھی یہی دو کمزوریاں ہیں۔

آپ ایسا مت کریں آپکو اللہ کا واسطہ، میرے بابا اور سائیں کی جان چھوڑ" دیں۔ میں نہیں جاسکتی، وہ مجھے نہیں جانے دیتے" کئی پر حدت آنسو فلذہ کی رخسار پر دہک اٹھے اور انجیل نے خشونت سے بھری اکتائی نظر فلذہ پر ڈالی اور جبڑے بھینچتی ہوئی اسے بے رحمی سے گھسیٹ کر کھڑا کیے غرائی۔

اسکی پکڑ اتنی بری تھی کہ فلذہ کو انجیل بیگم کی انگلیاں اپنی بازو میں پیوست محسوس ہوئیں۔

کتنی ڈھیٹ ہے تیری مٹی، سہی ہے اپنے باپ اور شوہر کی موت پر ماتم" کرنے کے لیے تیار رہ، سادان اس گھر کا وارث ہے جو تیری وجہ سے مرے گا۔ تو جتنا اسکے قریب جائے گی میں اتنا اسے اور تجھے آگ میں جلساوں گی۔ اور اگر غلطی سے بھی تم دونوں نے کوئی تعلق بنانے کی کوشش کی تو تیرا یہ جسم جلا دوں گی۔ آج یہاں سے دفع ہو جا تیرے باپ

اور سائیں کو بخش دوں گی۔ نکل جا سادان کی زندگی سے" ہتک آمیز رویہ اور لفظوں میں تضحیک ملائے وہ فلذہ کا جسم و روح دونوں زخمی کر رہی تھی اور فلذہ تو اس کا انجام پہلے ہی جانتی تھی۔ وہ سادان پر کیسے آنچ سہہ سکتی تھی، یہ عورت تو کہیں سے بھی انسان نہیں لگتی تھی۔

مجھے میرے سائیں سے جدا نہ کریں" وہ ابھی کمزور تھی تبھی روتی، سسکتی" اپنے ہاتھ جوڑے اپنے سائیں کا ساتھ مانگ رہی تھی، انجیل ساتھ دینے پر تو کیا اس لڑکی پر سادان کی نظر تک برداشت نہیں کر سکتی تھی تبھی اب وہ فلذہ کے بال جکڑے خونخوار ہوئی جس پر فلذہ کے منہ سے تکلیف کے باعث سسکی نکلی۔

بکواس بند کر اپنی، تیرا اس کے ساتھ رہنا اسکی موت ہے۔ خیر میں تجھے" آج بتاتی ہوں تیری اوقات اور اپنا مرتبہ، اگر یہ سب تُو نے سادان کو بتانے کی کوشش کی تو وہ دونوں تو مریں گے، تجھ پر ہوس سے بھرے درندے چھوڑ دوں گی۔ وہ جو اس روز مر گیا تھا اس جیسے کئی اور درندے

ہیں۔ چل نکل اس حویلی سے آج تجھے دھکے دے کر نکالوں گی جو تیری اوقات ہے، چل "انجیل بیگم کی موت بہت قریب تھی تبھی وہ اپنا ایک اور ظلم کیے فلذہ کی روح شگاف تکلیف سے بے نیاز اسے گھسیٹ کر باہر لائی تو عالیہ اور سلطانہ اس درندگی پر اس عورت کو روکتی رہیں پر کسی میں ہمت نہ تھی کہ وہ فلذہ کو بچا پاتا۔

تمام ملازمین تو ویسے بھی انجیل کے غلام تھے، البتہ بلقیس نے یہ ساری کارستانی سادان کو بتانے کا فیصلہ لے لیا تھا جو چھپ کر دیوار کی اوٹ سے لگی رو رہی تھی۔

خدا کے لیے مجھے مت نکالیں، وہ مجھ سے روٹھ جائیں گے۔ سلطانہ امی انکو" کہیں نا۔ عالیہ باجی" وہ بہت روئی، بہت تڑپی۔ مگر انجیل بیگم نے اسکی ایک نہ سنی اور اسے بازو سے گھسیٹ کر لانے کے بعد حویلی کے بیرونی دروازے کے قریب مٹی سے اٹی زمین پر پٹخا۔ سلطانہ اور عالیہ اس سے پہلے آگے بڑھتیں، انجیل کی فلک شگاف دھاڑ پر خوف سے ساکن ہوئیں۔

خبردار جو کسی نے اس کو لاڈ کرنے کی کوشش کی، ناگن ہے یہ بدذات۔" جادو گرنی کہیں کی۔مالوا سے اسکے گھر چھوڑ آ اور اسکے باپ کو اچھے سے سمجھا دینا کہ دوبارہ اس گند کو حویلی بھیجنے سے پہلے سوچ لے کہ اگلی بار یہ زندہ نہیں آئے گی۔اٹھا اسے ،اور تُو سادان سے بات کرنے یا ملنے کی کوشش کرنے سے پہلے اسکی موت کا سوچ لینا۔ تیرا اسکی طرف بڑھا ایک قدم اسے زندگی سے موت میں پہنچ دے گا۔اب میری طرف سے تو مر یا جہاں مرضی دفع ہو،اس حویلی اور سادان سے تیرا کوئی ناطہ نہیں" زمین پر گر کر ہچکیوں سے فریاد کر کے روتی فلذہ تو کرب میں جا گزیں تھی اور اس سے زیادہ مجبور تو روتی ہوئی سلطانہ تھیں جو اپنے بچے کی خوشی کو یوں رلتا دیکھ کر بھی کچھ نہیں کر پارہی تھیں۔

مالو جو کافی دن سے درمان کی طرح چپ چپ سا تھا،فلذہ کو بنا دوپٹے دیکھ کر اپنے کندھے کی چادر بے بسی سے اتار کر اسکے سر اور کندھوں پر پھیلا کر اسے اٹھاتا ہوا سر ہلا گیا۔

فلذہ میں تو سکت تک نہ تھی، اسے اس کے سائیں سے بہت بری طرح جدا کیا گیا تھا کہ سچ بتانے پر بھی سادان کی جان کو خطرہ تھا۔

فلذہ کی کوئی تکلیف اسکو روکنے میں کامیاب نہ کر سکی اور سادان کو بنا خبر ہوئے فلذہ حویلی سے چلی گئی۔

اسکے اوجھل ہوتے ہی اب انجیل بیگم سخت غضبناک ہو کر اپنی طرف حقارت سے دیکھتی ان ماں بیٹی کو دیکھ رہی تھی جو یقیناً اسے دل میں بددعائیں دے رہی تھیں۔

تم دونوں بھی کان صاف کر کے سن لو، سادان کو فلذہ کے جانے کی وجہ " میں خود بتاوں گی۔ اسے میں اپنی کہانی سناوں گی۔ جو ابھی یہاں ہوا اگر اسکی اطلاع سادان کو کسی نے دینے کی کوشش بھی کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں۔ اور سلطانہ بی بی، یہ گھور کسے رہی ہے۔ میں انجیل بیگم یہاں کی ملکہ، یہاں کی حکمران ہوں۔ اور اس خاندان کا وارث ایسی بدذات کوکھ سے نہیں آنے دوں گی، اس کے لیے مجھے درندگی کی ہر حد پار کرنی پڑی تو بھی کروں گی۔

فلذہ کی کوکھ سے اس حویلی کا وارث آنے سے بہتر ہے میں سادان ہی کا کام تمام کر دوں۔ لہذا اگر تجھے اپنے بیٹے کی زندگی عزیز ہے تو اپنی چونچ بند، اور عالیہ بیگم آپ، یہ نہ ہو تجھے بھی دھکے دے کر تیرے سسرال روانہ کرنا پڑ جائے۔ اگر تُو نے بھی سادان کے کان بھرے تو یاد رکھنا، پتا بھی نہیں چلے گا اور خبر آئے گی کہ تبریز کا جیل میں کسی نے قتل کر دیا۔ نحوست پھیلا تم جیسی منحوسوں نے "ایک کے بعد ایک بے رحمی دیکھاتی رکھی ہے انجیل اب اپنے غلیظ لفظوں سے عالیہ اور سلطانہ کی روحیں فنا کیے تنفر سے دونوں پر اچٹتی نگاہیں ڈالتی پیر پٹخ کر لہراتی ہوئی اندر بڑھی جبکہ سلطانہ تو صدمے سے گر ہی جاتیں اگر عالیہ اور دوڑ کر آتی بلقیس انھیں سنبھال نہ لیتیں۔

بھلے وہ سچ نہیں بتا سکتی تھیں مگر عالیہ نے بلقیس کو صرف فلذہ کے جانے کی اطلاع سادان کو دینے کا کہا کیونکہ اب سادان ہی تھا جو اس بے لگام چڑیل کو لگام ڈال سکتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کومل پر تو قیامت ٹوٹ پڑی تھی، وہی قیامت جس نے شاویز سے جڑے ہر فرد کو ہلا دیا تھا۔ کرمان سیدھا ہوسپٹل ہی پہنچے تھے اور گلناز اور اسد صاحب بھی خبر ملتے ہی پہنچ گئے تھے۔

شاویز آپریشن تھیٹر میں تھا اور ابھی تک اس سوہان روح انتظار کے ختم ہونے میں کئی اذیت ناک گھڑیاں حائل تھیں۔

کومل کے لباس پر لگا اسکے شاویز کا لہو، اسکی آنکھوں میں جلن، تپش، درد اور ہولناکی بسائے ہوئے تھا اور وہ رو رو کر بے جان ہو چکی تھی۔ خود اسکے ماتھے پر لگے کانچ نے بہت برا زخم کیا تھا مگر آپریشن تھیٹر میں موجود شاویز اسکی جان نکال رہا تھا۔ نا جانے وہ خود کو کیسے سنبھالے ہوئے تھی۔

خود کرمان سرخ آنکھیں کیے کبھی اسد صاحب کو خود میں سمو کر تسلی دیتے تو کبھی اپنی نازک زرا زرا کپکپاتی، سہمی اور خدشوں سے خوفزدہ کومل کو

سینے میں بھینچ کر اسکا درد کم کرنے کی کوشش کرتے پر وہ تو بس اپنے شاویز کی رکی سانس کا منظر یاد کر کے مرنے والی ہو چکی تھی۔

گلناز تو خود روتی ہوئیں مسلسل اپنے بچے کی عافیت اور سلامتی مانگ رہی تھیں۔

سادان کا مسلسل رابطہ تھا اور اس نے ڈی ایس پی صاحب کے بعد آئی جی تک سے اس کیس اور ان تین مجرموں کی کڑھی تفتیش کی درخواست کی تھی اور اب وہ منحوس طفیل بھٹی نہیں بچنے والا تھا۔

یہاں غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے اور بلقیس کا سادان کو فلذہ کے جانے کی خبر دینا تو شہزادے پر اک اور ستم ڈھا گیا اور وہ سیدھا حویلی نکل گیا۔

دوسری طرف ان روتے سسکتے چہروں کی تکلیف آخر کار کم ہوئی۔

گولی دل کے بہت قریب لگی تھی پر الحمداللہ بچت ہوئی، اللہ نے کرم کیا" ہے اب وہ خطرے سے باہر ہیں مگر زخم بہت خطرناک اور دردناک ہے لہذا ہم دو دن انکو یہیں رکھیں گے۔ صبح تک ہم انھیں ہوش میں آتے ہی

روم میں شفٹ کر دیں گے اور ابھی ملنے کی اجازت نہیں "ڈاکٹر نے اپنے پیشہ ورانہ انداز میں ڈوبتی نبضوں میں گویا زندگی بھری مگر اس کے باوجود کومل کا رونا شدت پکڑے سب کو ہی دردناک کر گیا۔

خود کرمان نے اسے بے حد پیار اور تسلی سے خود مئں سمویا پر شاید یہ اپنے شاویز کی زندگی کے بچنے کی خوشی تھی جو اس پگلی نے رو کر ظاہر کی۔

بس میرا بچہ، میری گڑیا رومت۔ شاویز ٹھیک ہے، جس نے بھی تم" دونوں کے ساتھ یہ کیا اب اسے عبرتناک سزا ملے گی۔ بس میری جان" کرمان کے لہجے میں اس درندے کے لیے یک لخت غائبانہ حقارت ابھری اور یہی تاثر باقی سب کا تھا۔

بابا میں بہت ڈر گئی تھی، شاویز پر میری وجہ سے یہ تکلیف اتری۔ میں تو" نہیں سہہ سکتی یہ سب، بابا وہ ٹھیک تو ہو جائیں گے ناں " مسلسل درد سے سسکتی کومل تو بہت زیادہ رو رہی تھی اور اب اسد اور گلناز نے بھی باری باری تسلی دی پر جب تک وہ شاویز کی آنکھیں کھلی نہ دیکھ لیتی اسکا دل یونہی

تڑپنے والا تھا۔ شاویز کی زندگی بچ گئی جس پر سب شکر گزار تھے اور کرمان نے پہلی فرصت میں یہ خبر سادان کو پہنچادی تھی تا کہ وہ بھی کچھ پر سکون ہو پر آج سادان کا سکون غارت ہو چکا تھا لہذا یہ ناممکن تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کیوں نکالا ہے آپ نے اسے، کس کی اجازت سے آپ میرے معاملات میں ٹانگ اڑا رہی ہیں" پوری حویلی سادان کی دھاڑ پر سن تھی پر انجیل بیگم کے منہ پر تو غضب کا سکون اور من مانی تھی۔

"خود گئی ہے وہ، میں نے نہیں نکالا۔ پوچھ لے سب سے، میں تو مارنے پر یقین رکھتی ہوں۔ یہ نکالنے والا کچا کام مجھے پسند نہیں۔ تجھ سے زیادہ سمجھدار تو وہ نکلی ہے جس نے اپنے باپ کی زندگی بچانے کے لیے حویلی اور تجھے چھوڑ دیا۔ یہ اوقات ہے تیری اس بدذات کے آگے، تو ہی ہے جو دیوانہ شیدائی ہو رہا ہے۔ چچ چچ۔۔۔۔ تو اس کے لیے ہر ایک سے لڑ مر رہا

ہے اور وہ تجھے ٹھینگا دیکھا کر چلی گئی، بڑا افسوس ہے" انجیل بیگم کی گھٹیا باتیں سادان کو اب اسکا گلا دبانے پر اکسا رہی تھیں۔ وہ کس ڈھٹائی سے جھوٹ بول رہی تھی اور سلطانہ، عالیہ کے پھٹے چہرے اس بات کا ثبوت دے رہے تھے کہ ان دونوں کو بھی انجیل نے فلذہ کی طرح دھمکایا تھا۔ جبکہ کرمان تو تب بھی گھر موجود نہ تھے اور اب بھی۔ تبھی کوئی بھی انجیل کے اس کبیرہ جھوٹ پر بول نہ سکا، سادان کا خون تھا کہ شرارے پھوٹنے لگے۔ دماغ پھٹنے کے قریب تھا۔ تمام ملازمین، بلقیس سمیت اس فرعون جیسی عورت کی دن والی درندگی اور ابھی والی مکاری پر اسے بھر بھر بددعائیں دے رہے تھے۔

ایک کام کریں، مر جائیں آپ۔ اب آپکی شکل سے بھی غلاظت ٹپک رہی ہے" سادان اسکے کسی جھوٹ پر یقین نہیں کرتا تھا کیونکہ وہ اس عورت کی رگ رگ اور گندی فطرت سے بخوبی واقف ہو چکا تھا۔ مگر آج وہ فلذہ پر بھی دکھی تھا جس نے اسے مجبوراً ہی سہی تنہا کیا تھا اور اسکے سمجھانے کے

باوجود وہ چلی گئی تھی۔جب سادان کو یہ پتا چلتا کہ وہ کس طرح سسک سسک اور تڑپ تڑپ کر نکالی گئی ہے تو یقیناً اس بڑھی کا وہ خلیہ بگاڑ دیتا۔پر یہ تو تب تھا جب کوئی سچ بتاتا۔سب کو انجیل نے سادان کی موت کی دھمکی دے کر چپ کروادیا تھا۔سادان حقارت سے کہہ کر انجیل پر اک غصیل نگاہ ڈالتا اپنے کمرے کی سمت لپکا۔

وہ مسلسل منظور حسین والے نمبر پر کال ملا رہا تھا اور اس وقت سادان کو لگا اسکے ماتھے کی کوئی رگ لازمی پھٹ جائے گی۔

منظور حسین اپنے فون پر سادان کے سیو نمبر سے آتی کال دیکھ کر چپ چاپ فون فلذہ کے پاس رکھ کر کمرے سے باہر نکلے جو گھٹنوں کے گرد ہاتھ باندھے رو رو کر آدھی ہو گئی تھی۔

اسے سادان کی ناراضگی سے خوف تھا مگر وہ جان بوجھ کر اسکی زندگی کا خطرہ نہیں بن سکتی تھی۔

آخر ہتھیلی سے اپنی بہتی آنکھیں رگڑے وہ ہمت کرتی ہوئی مسلسل آتی کال اٹھا کر کان سے لگا گئی اور سادان کا دل یہی کیا آج اس پر بھی چلائے۔

منع کیا تھا تمہیں, پھر بھی تم اس حویلی سے گئی فلذہ۔۔۔کیوں؟"وہ اسے آج سخت مشتعل لگا اور کیوں کہتے ہوئے وہ اس قدر زور سے دھاڑا کہ فلذہ کا دل بند ہوتے ہوتے رہا مگر وہ مجبور تھی۔وہ جس طرح وہاں سے نکالی گئی تھی یہ بھی وہ سادان کو بتا نہیں سکتی تھی۔

سائیں مجھ سے ناراض تو مت ہوں"سادان اسکی اس لرز کر کہی بات پر اپنی شکن آلود تنی پیشانی سہلائے پورے کمرے میں دلبرداشتہ انداز میں مبتلا چکر کاٹ رہا تھا۔

ہو گیا ہوں، بہت سخت بہت برا۔ چھوڑ گئی ہو تو تمہیں فرق نہیں پڑنا چاہیے میری ناراضگی سے،ان حالات میں تم نے مجھ سے میرا آخری سکھ بھی چھین لیا ہے۔بہت برا کیا تم نے میرے ساتھ،بہت برا"سادان کو واقعی ابھی معاملے کی نازکی کا علم نہ تھا تبھی وہ سخت تکلیف سے دوچار ہو کر

فلذہ کے اس عمل سے ٹوٹ پھوٹ گیا اور وہ تو کچھ کہہ بھی نہیں پا رہی تھی۔

سائیں "روتی سی آواز ابھری۔"

مت کہو سائیں، ابھی واپس آؤ فلذہ۔۔۔ ورنہ کبھی بات نہیں کروں گا، "مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ پلیز واپس آجاؤ" وہ تو فلذہ کی کمی پر نڈھال ہو کر دل چھوڑ گیا اور فلذہ بھی اس سے زیادہ برداشت نہ کر سکی مگر اسے رونا ظاہر نہیں کرنا تھا۔

مجھے آپ سے الگ ہونا پڑے گا، ورنہ سب ختم ہو جائے گا۔ خدا کے لیے "مجھے مت آزمائیں، میں نہیں سہہ سکتی" فلذہ کی یہ بے رحمی ساداں کو زخمی کر گئی تھی، کتنی آسانی سے وہ حکم سنا رہی تھی جو شہزادے کا دل بند کر سکتی تھی۔

الگ۔۔۔ یہ بات کرتے تمہارا دل نہیں کانپا ظالم، مارنا چاہتی ہو مجھے۔"

میں بھی کس پتھر سے سر پھوڑ رہا ہوں، آج میرے سکون نے بھی مجھے

تکلیف دینے کا آغاز کر دیا۔ مجھے کچھ ہو گیا تو پھر بھی مت آنا، کر لو اپنا شوق پورا'' ساداں سخت تکلیف میں کہہ کر فون بند کیے فون بیڈ پر اچھالتا ہوا بیڈ پر گرا اور کرب کے سنگ اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرے بے ربط سانس لے کر اپنی تکلیف کم کرنے کی کوشش میں وہیں بیڈ پر گرا اور تکیہ اٹھا کر اپنے چہرے پر رکھ لیا۔ شہزادہ نا سمجھی میں ہی سہی پر اپنی شہزادی سے آج روٹھ گیا تھا۔

وہ بھی فون بند ہونے پر منہ پر ہاتھ رکھے سخت رو پڑی، دروازے سے آتے بابا جان سے اپنی لخت جگر کا یہ جبر برداشت نہ ہوا تبھی وہ اس تک آئے اسے اپنے سینے میں سموئے خود بھی اپنی آنکھیں نم کر گئے۔

بس بابا کی جان، رو مت۔ اللہ ان ظالموں کا حساب جلد لے گا۔ کوئی تجھے '' تیرے سائیں سے جدا نہیں کرے گا، نا میرا بچہ '' منظور حسین سے فلذہ کا دردناک رونا برداشت نہ تھا حالانکہ وہ خود اس سے زیادہ غمناک تھے۔

فلزہ کو سادان کی تکلیف اب مار رہی تھی، کاش وہ اسے بتا پاتی کہ اسکا سادان کے ساتھ ہونا اسکی زندگی کا خاتمہ تھا۔ فی الحال کے لیے درد نے اپنی باہیں ہر سو پھیلا دی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح کے چار بجے پولیس کی بھاری نفری سے مزین گاڑی نے طفیل بھٹی کی پوری حویلی کو اپنی گرفت میں لیا اور پورے زلیل اور ہتک آمیز انداز میں اسکے اریسٹ وارنٹ کے ساتھ ہی اسے پکڑا گیا۔ اسکے تینوں آدمی زرا سی مار پر صاف صاف اسکا نام لے چکے تھے اور سادان کی کوشش رنگ لائی اور اللہ کی ایسی مدد فراہم ہوئی کہ بیٹھے بیٹھے سادان کا ایک اور دشمن قانون کی گرفت میں جکڑ گیا۔ طفیل بھٹی نے تو کومل کو حاصل کرنے کے کیا کیا خواب سجائے جو بچارے کے چھناکے کی آواز پر ٹوٹ گئے۔ گاوں کی وہ پولیس جو کل تک ان وڈیروں پر ہاتھ ڈالنے سے ڈرتی تھی، آج کورٹ کے

سخت آرڈرز پر عمل کرنے پر مجبور تھی۔اور کہیں نہ کہیں اس گاوں کی کرپٹ پولیس کا یہ اقدام بھی سادان کی جیت تھا، شہزادے کو دکھ اور سکھ ساتھ مل رہے تھے مگر ابھی فلذہ کی بدولت وہ سخت تکلیف میں تھا کیونکہ اسے سچائی کا علم نہ تھا۔دوسری طرف منگو نے چوہدری درمان کی سرحد والی زمین پر بنا اسے خبر کیے باڑ لگوادی جسکی خبر مالو نے فوری چوہدری کو دی۔

چوہدری درمان جو کافی دن سے خود ساختہ سی اذیت میں مبتلا تھا، اس جھٹکے پر تو جیسے اسکے اندر کا جلال از سر نو جاگ گیا اور آج وہ اس منگو سے دو دو ہاتھ کرنے کا ارادہ باندھ چکا تھا۔

سادان نے فجر کی نماز پڑھ کر تب سے اپنے دل کو سلگا رکھا تھا، وہ صبح کی روشنی کے باوجود کمرے میں اندھیرا کیے بیٹھا تھا جب دروازے پر ہونے والی دستک نے سادان کو واپس دنیا میں لایا۔

سامنے عالیہ تھی جواب احتیاط سے دروازہ بند کرتی سادان تک پہنچی جو اسے بھی سخت خفگی سے دیکھ کر پہلو بدل گیا۔

کسی نے اسکی فلذہ کو نہیں روکا تھا اور یہ تکلیف سادان کو کھا رہی تھی۔ عالیہ نے ساری رات بہت برداشت کیا مگر وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ سادان اور فلذہ کے بیچ بدگمانی پیدا ہو تبھی وہ تمام تر ڈر کے سادان کو سب بتانے آئی تھی۔

سادان ہمیں معاف کردو، لیکن دادی نے ہم سبکو دھمکی دی تھی۔ تم مجھ" سے وعدہ کرو ہماری یہ بات یہیں رہے گی۔ انکو اگر شک ہو گیا کہ میں نے تمہیں سب بتا دیا ہے تو وہ ہم سب کو مار دیں گی" عالیہ کا یوں روئی آواز میں تمہید باندھنا خود سادان کو ساکت کر گیا جس پر وہ پھٹی آنکھیں لیے اٹھ کر عالیہ کے سامنے آکر کھڑا ہوا اور عالیہ اسکی تکلیف سے کانپ اٹھی۔ لال آنکھیں رت جگے اور دردناکی کی غمازی کر رہی تھیں۔

آپ بتائیں مجھے، کیا بات ہے "ساداں کا لہجہ بے لچک اور کھردرا سا تھا جس" پر عالیہ نے ساداں کو فلذہ کے ساتھ ہوتے سلوک کی ساری داستان دلبرداشتہ ہو کر سنادی اور ساداں اس عورت کی بڑھتی فرعونیت سے اب اکتا چکا تھا۔

اسکا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس عورت کو کسی طرح زمین میں زندہ ہی گاڑ آتا، عالیہ اس کے لاوے کی طرح ابلتے جلال کو ہر ممکنہ حد سے روکے نڈھال تھی اور وہ سخت ہیجانی کیفیت میں سلگ کر اپنے بال مٹھیوں میں بھینچے بیڈ پر جا بیٹھا۔

بس بہت ہو گیا، اب اس عورت کا بھیانک انجام پورا گاؤں دیکھے گا۔ گھٹیا" ترین چالیں چلتی ہوئی سفاک عورت۔۔۔ آپی میں نے غصے میں فلذہ کو ناجانے کیا کیا کہہ دیا۔ یا اللہ یہ میں نے کیا کر دیا" ساداں کی مخدوش حالت واقعی قابل رحم تھی اور عالیہ بھی ویسی ہی اذیت میں مبتلا تھی۔

میری بات سنو سادان، میرے بھائی کچھ دن اسے وہیں رہنے دو۔ ابھی" دادی ضرور تم پر نظر رکھے ہوئے ہوں گی لہذا اس سے ابھی بات کرنے یا ملنے مت جانا۔ حالات بہتر ہوتے ہی اسے جا کر سب بتا دینا۔ پریشان مت ہو، اللہ پاک ضرور ان مشکلات کا حل نکالیں گے" عالیہ کی مصالحت سے کی نصیحت اسے بہترین لگی پر سادان کا دل کرب میں ڈوبا تھا۔ اسے اپنی فلذہ سے سخت اور درشت لہجے میں کی بات ستا رہی تھی اور وہ جلد فلذہ سے ملنے کا ارادہ بنا چکا تھا کیونکہ اب اس نے اس انجیل کا پکا انتظام سوچ لیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تجھے کہا تھا مجھ سے پنگاہ مت لے، کس سے پوچھ کر تو نے میری زمین پر" قدم رکھا۔ بول منگو ورنہ آج تیرا خاتمہ کر دوں گا" یہ ایک کھلا زرخیز میدانی علاقہ تھا جو دونوں ملحقہ گاوں کی سرحدوں کو جوڑتا تھا۔ اس زمین

کی مارکیٹ ویلیو بہت ہائی تھی اور یہ کئی کڑور کی مالیت والی زمین پر منگو سلطان نے قبضہ جما کر اپنی موت کو للکار لیا تھا۔ درمان چوہدری اپنی سرخ شعلہ ابلتی آنکھیں اس شخص کی آنکھوں میں گاڑے تلملاتے ہوئے اس کا گریبان پکڑ چکا تھا اور دونوں کے آدمیوں کی فوج ایک بار پھر آمنے سامنے تھی۔

"منگو کسی سے پوچھتا نہیں ہے، جناب کو آسان زبان سمجھ نہیں آئی تو مجھے بھی گھی کو ٹیڑھی انگلی سے نکالنا پڑا۔ اب یہ زمین میری ہے، تجھے تو اپنی ہوش نہیں ہے زمین کیا خاک سنبھالے گا" درمان چوہدری کے خون آشام نگاہ کے زاویے کی بدولت منگو تو آج بھی بڑا ٹھنڈا تھا۔ یہ بات درمان چوہدری کے سینے میں آگ سلگا گئی تھی۔

"ہاں مجھے اپنی ہوش نہیں پر تیری اس بے غیرتی پر اب تیری سزا کا بہت پتا ہے، مار ڈالوا سکے تمام کتوں کو" درمان کی اس دھمکی پر وہ منگو ایک پل کو تہس نہس سا ہوا اور پھر دونوں فریقین نے ایک دوسرے پر گولیاں

برسانی شروع کیں۔ خوف وہراس کی فضااور گولیوں کے فلک بوس کی دیواروں کو ہلاتے چھناکوں سے بے نیاز اب وہ دو درندے ایک دوسرے پر جھپٹ چکے تھے۔

"دیکھ درمان، مجھ سے پنگاہ مت لے۔ ورنہ تیرے آدمیوں کو یہاں سے تیری لاش اٹھا کر لے جانی پڑے گی" اب اصل کپکپی منگو پر طاری تھی کیونکہ اسکے سارے آدمی ہی مارے جا چکے تھے، درمان چوہدری اسکے چہرے پر اپنے لیے درج خوف دیکھ کر محظوظ ہوا اور اسے ہتک آمیزی کے سنگ پکڑ کر زمین پر دھکا دیا اور منگو کے گرتے ہی درمان کے کتوں کی طرح پھنکارتے آدمی اسکے ارد گرد بس سائیں کے اشارے کے منتظر تھے اور وہ زمین پر پڑا موت سے ہمکلام تھا۔

"تجھے بہت بار موقعے دیے پر تُو نے مجھ سے میرے معاملات سے اپنی یہ ٹانگ نہیں نکالی" درندہ صفتی سے کہہ کر درمان نے ساتھ والے آدمی

سے گن لے کر سید ھی اسکی ٹانگ پر بے دردی سے ٹھوکی جس سے ایک پل کو وہ منگو سلطان بھی کراہ اٹھا۔

آہہ۔۔۔مت کر۔۔۔۔مجھے۔۔۔۔مجھے مارنے کی غلطی مت کر درمان" میرا بدلا تجھ سے میرے آدمی لیں گے۔ چھوڑ دے مجھے "آج درمان کا دن تھا لہذا وہ زمین بوسی پر فائز سہا، درد سے اٹا منگو سلطان چھپے ڈھکے الفاظ میں اپنی زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا پر درمان چوہدری بھیک دینے والوں میں سے نہیں تھا۔

" تیرے آدمیوں پر تجھ سمیت لعنت، کتنے لوگوں کی زمین ہتھیار کھی مردود تو نے پھر بھی تیرے پیٹ کا دوزخ نہیں بھرا۔ چل دنیا سے تیرا وقت ختم،اب دوزخ جا کر اپنا یہ قبضہ معافیہ کا دھندا کر" درمان چوہدری نے منگو سلطان کے چہرے کا خوف دیکھ کر اسکے منہ سے نکلتی سسکی وہئں روکی اور ایک ساتھ پانچ گولیاں اسکے سینے میں ٹھوک دیں۔

گھر اسناٹا پھٹ کر پھیلا اور وہ زمین جس پر منگو نے قبضہ کرنا چاہا وہی اسکی قتل گاہ بن گئی۔ گولیوں کی آوازوں پر درختوں پر بیٹھے پرندے پھر سے اڑے، ہر طرف اک سائیں سائیں کرتی ہوک اٹھی اور درمان چوہدری کو لگا اسکے دل پر کچھ ہوا ہے۔ درد کی ٹھیس تھی، پر وہ گن واپس اپنے آدمی کو دیے وہاں سے نکلنے کا اشارہ کرتا اپنے سینے کی جگہ پکڑ کرتا گاڑی تک پہنچا جس پر اسکے آدمی نے اسکی خیریت دریافت کرنی چاہی پر اس کے ٹھیک ہے کہ اشارے پر وہ لوگ گاڑی اسٹارٹ کر چکے تھے۔

منگو سلطان بھی اپنے کالے کرتوتوں کی سزا پا گیا، وہ جس پر پولیس اب بھی ہاتھ ڈالنے سے ڈر رہی تھی اچھا ہوا اپنے ہی سبب جہنم واصل ہوا۔ برائی جتنی بھی پر زور کیوں نہ ہو، جب ختم ہونے پر آتی ہے تو اسکے بجھنے کو لمحہ ہی لگتا ہے۔

اپنے ہی علاقے میں اپنے آدمیوں کی فوج کے باوجود منگو سلطان اپنے عبرتناک انجام کو پہنچ گیا مگر قابل غور بات تھی درمان چوہدری کے ہاتھ

کی پہلی بار ابھرتی کپکپاہٹ اور دل کی ٹھیس۔۔۔۔۔فرعون اور گنہگار تو وہ پہلے بھی تھا، پر شاید یہ اسکا آخری گناہ تھا۔ مہلت کا وقت ختم ہوا چاہتا ہے، تبھی اسکے پتھر سیاہ دل پر لرزا طاری ہوا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شاویز کو ہوش آتے ہی اسے روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا، اللہ نے کرم کیا تھا کہ موت سے ہو کر واپس زندگی کی سمت لوٹ آیا۔ آنکھیں کھلتے ہی سامنے اسکی زندگی بڑھانے کو اسکی کومل تھی جسکے ماتھے پر لگا زخم شاویز کو اپنے سینے پر کھائے گھاو سے زیادہ تکلیف دے رہا تھا۔ کرمان، گلناز اور اسد صاحب تینوں کی آنکھیں شکر گزاری کی نمی سے لبریز تھیں مگر کومل کو یوں روتا دیکھ کر وہ نہ بولنے کی کنڈیشن میں بھی بولنے کی کوشش میں تھا جب

کومل نے روتے ہوئے شاویز کا ڈرپ میں جکڑا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے اسے بولنے سے منع کیا۔

"ابھی آرام کرو میرے بچے، اللہ کا شکر ہے نہ صرف اس نے تم بچوں کو زندگی دی بلکے اس طفیل بھٹی کا بھی عبرتناک انجام کیا۔ وہ آدمی اتنا گھٹیا نکلے گا یہ تو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا، وہ اپنے بیٹے کی آڑ میں خود یہ غلاظت سوچے بیٹھا تھا یہ جان کر مجھے بھائی اور اماں سے مزید نفرت محسوس ہوئی ہے۔ خدا غرق کرے ایسے کو، خدا کسی کو ایسا بھائی، اور ایسی ماں نہ دے۔ آپ سب سے میں پہلے بھی معافی مانگنا چاہتا تھا اور اب بھی۔ ان دونوں کے ظلم ان سے جڑے ہر فرد کی رگیں چاٹ گئے ہیں، اب تو مجھے رونا بھی نہیں آتا۔ ایسے درندے میرے آنسوؤں کے لائک نہیں ہیں۔ آپ سب بس دل سے معاف کردیں" کرمان کی سوززدہ آنکھیں بس شرمندگی کے لاوے سے زرد تھیں اور انکی دلخراشی سے کہی بات نے ماحول کو مزید سوگوار کردیا تھا۔

بھائی آپ کیوں معافی مانگ رہے ہیں، آپ نے تو ہمیں کومل جیسی بیٹی" دے کر قسمت کا دھنی کیا ہے۔ ہمیں آپ سے یا کومل سے کوئی شکوہ نہیں، بس آگے سے سارے بچے ان شر زدہ واروں سے محفوظ رہیں۔ آمین۔ آیئے آپ کچھ دیر گھر چل کر آرام کر لیں۔ شاویز کے ساتھ کومل ہے، ویسے بھی ڈاکٹرز نے سختی سے کہا ہے کہ صرف ایک کو رکنے کی اجازت ہے" اسد صاحب کا بڑا پن واقعی دلفریب تھا اور اب تو کرمان بھی بہت تھک سے گئے تھے پر انکا دل دونوں بچوں کو چھوڑنے پر راضی نہ تھا۔

سادان نے انکو گاؤں کی فکر نہ کرنے کی تسلی دے کر ایک دو دن اطمئینان سے رکنے کا کہا تھا۔ کرمان تو بالکل نہ جاتے پر پھر گلناز اور خود کومل کے کہنے پر وہ آمادہ ہو گئے تھے۔ شاویز پھر سے نیند میں جا گزیں ہو چکا تھا اور اسے ابھی دواوں کے زیر اثر رکھا گیا تھا۔

گلناز نے جاتے ہوئے کومل کو اپنا خیال رکھنے کی بھی تاکید کی اور وہ تینوں ہی ساتھ گھر چلے گئے۔

شاویز کم نڈھال تھا مگر کومل زیادہ رنج میں مبتلا تھی۔ اسکی شرٹ پر ابھی بھی خون لگا تھا جسے اس نے دوپٹہ گلے میں ڈالے کوور کر لیا تھا اور وہ فی الحال شاویز سے بالکل دوری نہیں چاہتی تھی۔

اسکا ہاتھ وہ شدت سے چومتی رہی، وہ زیادہ دیر نیند میں ہی رہا مگر کومل کی جسم سے نکلتی جان واپس آچکی تھی۔ کیونکہ اسکا شاویز اب خطرے سے باہر تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیسئ ہے یہ اب" سادان پھر سے عائشہ کو دیکھنے آیا تھا اور ابھی تک اسکی" حالت میں کوئی خاطر خواہ فرق نہیں تھا۔ دروازے کے قریب لگے بینچ پر بیٹھا اس کا بوڑھا باپ اب آنسو بہا رہا تھا، نجانے کتنے باپ اور کتنی بیٹیاں اس فیز سے گزر چکے تھے۔ مگر ستم تھا کہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا۔

سادان نے ایک دکھی سی نظر اس بوڑھے آدمی پر ڈالے ساتھ ڈاکٹر کبیر کے ساتھ اندر آفس جاتے پوچھا جس پر وہ بس اک تھکی سی نگاہ سادان پر ڈالتے ہوئے کرسی پر براجمان ہوئے۔ کنپٹی سے اپنی پیشانی مسلئ اور اک تھکی سانس لی۔

"ٹھیک نہیں ہے وہ، اسے سانس لینے میں مشکل ہے۔ آپ جانتے ہیں رات اسکی طبعیت اس قدر بگھڑ گئ تھی کہ مجھے لگا وہ ابھی دم توڑ دے گی۔ میں خود اس کربناک حالت سے ہل چکا ہوں، کیا ہو گا اس گاوں کا" ڈاکٹر کبیر کی اس بات پر سادان نے بھی ویسی ہی افسردگی سے اپنی شکن آلود پیشانی پر مزید لکیریں بڑھادیں۔

"فنگر پرنٹس کا کیا بنا، کیا ہمارے پاس ٹھوس ثبوت ہے۔ کیا اب کیس کیا جا سکتا ہے؟ کیا خیال ہے آپکا، آپ مجھ سے زیادہ اس گاوں کی فرعونیت سے واقف ہیں۔ شاویز تو وہ معاملہ طے نہیں کر پایا لہذا میں کل خود جاوں گا اور خود کیس فائیل کروں گا۔ انجیل بیگم کو مزید ڈھیل دینا ٹھیک نہیں ہے"

فیضاں کی گردن پر ملے فنگر پرنٹس اور عاقل کے حویلی سے ایک گلاس پر انجیل کے لائے فنگر پرنٹس کی رپورٹ لاہور سے کب کی آچکی تھی مگر اتنے بڑے کیسز میں یہ چھوٹے ثبوت کافی نہیں تھے اور یہ سادان خود بھی جانتا تھا۔اہم گواہ فیضاں تھی یا دوسرا مالو جسے ابھی ہدایت صرف چھو کر گزری تھی۔سادان کے تاسف سے پوچھنے پر کبیر کچھ لمحے کی خاموشی اوڑھنے کے بعد وہ تمام ثبوتوں کی فائیل تیار کیے سادان کو دے چکے تھے۔

"میرے خیال میں آپکو دیر نہیں کرنی چاہیے،اس سے پہلے کہ کوئی اور طوفان آئے آپکو یہ کڑوا گھونٹ بھرنا ہوگا"کبیر اسے بہترین مشورہ دے چکے تھے اور اسی لمحے ہڑبڑا کر اندر آتا بشیر ان دونوں کو چونکا چکا تھا۔

وہ۔۔۔وہ دوسرے گاوں کا منگو سلطان آج خفیہ طور سے قتل ہوگیا" ہے۔ابھی میرے دوست نے بتایا ہے،وہی جس نے باجی عالیہ کے شوہر پر کیس کیا تھا۔کمینہ زمین پر ناحق قبضے کرتا تھا اور ایک نمبر کا خبیث اور جواری تھا۔کہا جا رہا ہے کسی نے چھ کی چھ گولیوں سے بھون ڈالا اور ایک اور بات،

وہ سرحد والی چوہدری درمان کی زمین پر اپنے ساتھوں کے ساتھ مردہ ملا ہے لہذا میں نے پولیس کی گاڑی کو حویلی جاتے دیکھا ہے" بشیر کی دی ہولتے دل کے ساتھ یہ خبر جہاں کبیر کو ہلا گئی وہاں سادان کے چہرے پر ایک دم پر سکون تاثر تھا اور اسے ایسا پر سکون دیکھ کر کبیر اور بشیر دونوں حیران تھے۔

ان لوگوں کا برا وقت شروع، خیر میں نکلتا ہوں۔ دراصل مجھے ایک " ضروری کام ہے" سادان اسی لمحے منصوعی بے فکری سے کہتا ہوا باہر نکلا اور ایک پر سکون سی سانس خارج کیے آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔

جس سکون میں وہ کچھ دیر پہلے مبتلا تھا وہ سب پل بھر میں ختم ہوا اور سادان کی آنکھوں میں سرخی اتری۔ اسے باباسائیں کے ملزم ہونے سے زیادہ یہ بات سکون دے گئی کہ پولیس آج پہلی بار حویلی جا رہی تھی اور آج کی رات وہ حویلی کے پاس بھی نہیں بھٹکنا چاہتا تھا لہذا وہ سیدھا گاڑی وہیں کلینک کے باہر ہی روکے منظور حسین کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔

جب تک وہ پہنچا شام کے چھ بج چکے تھے اور منظور حسین نے سادان کو دروازے پر دیکھ کر کپکپاتے ہوئے فوری اسے اندر کر کے ادھر ادھر دیکھنے کے بعد دروازہ بند کیا تو باہر قدموں کی آہٹ پر وہ جو گھر کی پچھلی طرف اداس سی بیٹھی مرغیوں کو دانا ڈال رہی تھی فوری بھاگتی ہوئی صحن کی دیوار تک آئی اور سادان کو دیکھ کر فلذہ کے قدم وہیں تھم گئے۔

منظور حسین اور وہ بات کر رہے تھے مگر سادان کی تلخ اور دلخراش نگاہیں بس فلذہ پر تھیں۔ وہ اس سے اپنی کل کی کربناک رات کا بدلا لینے پہنچ چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حویلی میں پہلی بار پولیس کا آنا برسوں کی بنی روایت توڑ چکا تھا۔ منگو کوئی عام انسان نہ تھا کہ جسکے قتل پر یہ لوگ خاموشی سادھ لیتے۔ وہ ڈی ایس پی

کا سالا تھا لہذا فوری طور پر چوہدری درمان کو اریسٹ کرنے قانون کے یہ لوگ عین حویلی کے دروازے سے ایک ساتھ اندر داخل ہوئے۔

یقیناً آج کا یہ دن تاریخ کے حروف میں سنہری رنگ سے لکھا جانے والا تھا۔ وہ ماں بیٹا جو کل تک اس گاؤں کے فرعون تھے آج اپنے سامنے پولیس دیکھ کر ان دونوں کی ٹانگوں سے جان سرک چکی تھی۔ خود عالیہ اور سلطانہ بھی سکتے کی سی کیفیت میں مبتلا تھیں۔

تم لوگ، جانتے ہو کہ حویلی میں وردی پہن کر آنے کی کیا سزا ہے۔ تم" لوگوں کی اتنی جرت" رسی جل رہی تھی پر اس عورت کا غرور زرا کم نہ ہوا، اپنے اندر کی وہشت چھپانے کو وہ اس تھانیدار کو ناراضگی اور عتاب کے پیش نظر گھوری اور وہ تھانیدار سر جھکا کر اپنے ساتھی کو اشارہ کر رہا تھا جو ہتھ کڑی لیے بت کی طرح تنے اور نخوت شعاری اپنا کے نڈر تاثر دیتے درمان کی سمت بڑھا مگر وہ اپنا ہاتھ ہوا میں لہرائے ایک ہی پل میں اس تھانیدار کو دبوچے غرایا۔

خیریت ہے، تیری یہ بے لگام ہوئی اڑانیں کس لیے ہیں تھانیدار، ایسا کیا" ہوگیا ہے کہ تجھے اپنے مائی باپ کو گرفتار کرنا پڑ رہا ہے" یہ درندہ جو وہاں منگو کو پل بھر میں موت دے آیا تھا اب اس تھانیدار کی آنکھوں میں جلبلاتا ہوا استفہامیہ نگاہوں سے اس کو ایک جاندار تھپک رسید کیے بولا، لہجہ تیر کی مانند تیز تھا۔ جس پر وہ اپنی مونچھ کو تاو دیتا اپنے کندھے سے درمان کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے دونوں ماں بیٹے کو پتنگے لگا گیا تھا۔

منگو سلطان کا قتل، آپ نے کیا ہے۔ سائیں آپ جانتے ہیں وہ ڈی ایس پی" کا سالا تھا اور آپ کے ہی ایک آدمی نے ہمیں اطلاع کی ہے اور وہ ہمارے پاس چشم دید گواہ ہے لہذا بحث کا فائدہ نہیں ہے" اس انکشاف پر جہاں عالیہ اور سلطانہ نے کانپتے ہوئے اس حقیقت کو ہضم کیا ویسے ہی درمان اور انجیل بیگم کے چہروں کا سارا غرور جھاگ بن کر حقارت میں بدل چکا تھا۔ وہ آدمی یقیناً زلفی تھا اور آخر کار اس نے اس بات کا ثبوت دیا تھا کہ وہ کرمان حق کے زیر اثر ایک برے انسان سے اچھا انسان بن چکا تھا۔ یا پھر اس کے پیچھے بھی

کوئی راز تھا، کون تھا آخر یہ زلفی۔ کیا یہ بھی کوئی راز تھا؟ ممکن تھا اس کی حقیقت بھی اب جلد آشکار ہوتی۔

انجیل کو اب اپنی حکومت اور بادشاہت جاتی دیکھائی دی تھی کیونکہ اسکا بازو اس سے کٹ چکا تھا۔ آج تھوڑی ہی سہی پر اس عورت کی درندگی کا اثر ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اسکی درمان کو اپنے جیسا بنانے کی خواہش پوری ہوئی اور وہ اسے ایک قاتل بنا گئی۔ قاتل تو وہ پہلے بھی تھا، بشیر کے باپ کا۔ جس کو اس نے محض اس لیے مارا تھا کیونکہ وہ بھی اسکی بادشاہت کے بیچ آکر آوازیں بلند کرتا تھا۔ یہ حقیقت صغری اور بشیر دونوں جانتے تھے اور یقینا آج ان دو معصوموں کے کلیجئے بھی ٹھنڈے ہو گئے تھے۔ اصل مزہ تو تب تھا جب یہ درندہ پھانسی کے پھندے تک جاتا۔ انجیل بیگم کی آنکھوں کے سامنے وہ لوگ درمان چوہدری کو گرفتار کر کے لے گئے اور وہ جبڑے اور مٹھیاں ہی بھیچتی رہ گئی۔ یہ جو ہوا تھا اس نے جہاں درمان کو اسکی

اوقات کی جگہ پہنچایا تھا بلکے ساتھ ساتھ انجیل بیگم کی کمر پر بھی ایک بہترین چابک رسید کی تھی۔

سلطانہ اور عالیہ تو درمان کے لیے تکلیف میں تھیں، خاص کر سلطانہ جسکی زندگی کا گو ایک سیاہ باب ختم ہوا تھا پر سائیں کے بنا اس عورت کی زندگی بھی ویران ہوتی دیکھائی دی تھی۔ دوسری طرف سادان نے فلذہ اور منظور کو ساری روداد سنادی کہ وہ جان چکا ہے کہ سچ کیا ہے اور اس وقت وہ سادان کا وہاں ہونا بہت بڑا خطرہ محسوس کر رہے تھے۔ انجیل بیگم کسی زخمی شیرنی کی طرح کسی بھی وقت وار کر سکتی تھی مگر سادان گھر جا کر وہ اخیر ر تکلیف برداشت کرنے سے پہلے کچھ سکون کے پل فلذہ کے ساتھ گزارنا چاہتا تھا کیونکہ اسے لگ رہا تھا کہ اب بھی اسے فلذہ کے ساتھ کے کچھ پل نہ ملے تو وہ کہیں کسی دیوار سے ٹکرا جائے گا۔ حقیقت میں باباسائیں پر آئی یہ گھڑی اسے اندر سے تکلیف سے دوچار کیے ہوئے تھی۔ ایک طرف شاویز کی پریشانی، ساتھ عائشہ کے لیے نڈھال۔ فلذہ سے جبر زدہ دوری اور اب

سخت دل کیوں نہ ہو جاتا اسے بابا کے لیے درمان حق کا زوال۔ وہ جتنا بھی حقیقی دکھ تھا کہ کاش وہ دادی کا مہرہ نہ بنتے۔ مگر اب افسوس کا وقت بھی گزر چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اب کیا روتی رہو گی، مجھے منانا نہیں کل کے لیے۔ کچھ خاطر تواضع کرو""" سادان نے دل جلے سے انداز میں ابھی بھی غم سے نڈھال فلذہ کو دیکھتے ہوئے منصوعی خفگی سے کہا جس پر وہ منہ پر بارہ بجائے ایک نظر سادان کو دیکھ رہی تھی ایک اسکی آنکھوں میں بیٹھی غمگیں ناراضگی کو۔ منظور حسین بھی مسکراتے ہوئے اب آرام کرنے کمرے کی طرف بڑھ چکے تھے۔
کھانا لے آوں" نیکی اور پوچھ پوچھ، ابھی تو فلذہ سے اس ایک رات کی" جدائی کی تلافی بھی وصول کرنی تھی لہذا کھانے کا آپشن بہتر تھا۔ ویسے بھی

سادان نے تو دن بھی کچھ نہیں کھایا تھا اور نہ ابھی اسے بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ بس وہ اپنی منتشر حالت کچھ بہتر کرنے کے لیے فلذہ کو چاہتا تھا۔ اسکے دل میں کتنا درد دہک رہا تھا یہ صرف وہی جانتا تھا۔

فلذہ نے اداسی اور فکر مندی کے سنگ پوچھا جس پر سادان اسکی آنکھوں میں دیکھتے قریب ہوا مگر چونکہ وہ صحن میں تھی لہذا سادان کی قربت سے جھینپ سی گئی اور سادان نے بھی اپنی اداس مسکان بمشکل ضبط کیے آفر قبول کرنے کے ساتھ منصوعی برہمی برقرار رکھی۔

ہاں پر میری ایک شرط ہے، مجھے خود کھلاؤ گی۔ اور پانی بھی تم پلاؤ گی، وہ" بھی دھیان رکھنے کے ساتھ کہیں کھانے سے میرا منہ نہ جلے" وہ جان بوجھ کر فلذہ کو اب تنگ کرنے والا تھا جو اس سے دور آکر بس چکی تھی، تھوڑا جدائی کا ازالہ تو سادان پر فرض تھا۔

سادان کی اس ذو معنی سے بات پر فلذہ نے سوں سوں روکے اب آپنی روئی آنکھیں رگڑ کر حیرت سے سادان کو دیکھا جو اسے برہم اور سنجیدہ لگا۔ کھانا

توٹھیک پر یہ پانی پلانے والی خواہش بچاری کا دل دبوچے ہوئے تھی اور ساداں بہت مشکل سے خود پر قابو کیے دوری بنائے ہوئے تھا۔

اچھا سائیں عجیب مشکل میں ڈال دیا، آپ اندر چلیں یہاں مچھر ہیں۔ میں " کھانا لاتی ہوں "فلذہ صاحبہ کی ننھی جان گویا پہاڑ تلے آئی اور وہ جس طرح تھکی سی کہہ کر گئی یہ ساداں کو نا چاہتے ہوئے بھی ہنسا گیا۔

وہ بھی شرافت سے اٹھ کر اب کمرے میں پہنچ چکا تھا، کچے گھروں کے میٹھے پر سکون کمرے اور یہاں کی سجاوٹ نے ساداں کو اک الگ سکون دیا۔

دیوار پر لگی فلذہ اور اسکے بابا کی اک پرانی تصویر، دیواروں پر جا بجا لگے سجاوٹی پھول۔ ایک پلنگ اور دو چار پائیوں کے علاوہ ایک چھوٹا ٹیبل اور دو کرسیاں موجود تھیں۔

فلذہ نے پہلے کھانا گرم کیا، محترمہ نے آج کڑی چاول بنائے تھے اور اس نے احتیاط کے طور پر ساتھ تین روٹیاں بھی بنا لیں کہ کہیں ساداں کو چاول پسند نہ ہوں۔ تازے کھیرے اور ٹماٹر کاٹ کر ان پر لیموں چھڑک کر وہ

ساتھ سلاد بھی بنا رہی تھی۔ پہلی بار سادان اسکے ہاتھ کا کچھ کھانے والا تھا اور وہ اسی میں ہلکان تھی کہ اگر سادان کے آنے کا پتا ہوتا تو کچھ اچھا بنا لیتی۔

سفید اور جامنی لائنگ کی قمیص کے نیچے سفید کڑھائی دار شیشوں والی حسین شلوار اور گلے میں بہت پیارا اسفید ہی دوپٹہ جو وہ کھانا گرم کرتے وقت سر پر اوڑھ چکی تھی، ٹرے میں تمام چیزیں اور پانی کا گلاس رکھے وہ کمرے میں آئی تو سادان وہیں پلنگ پر پشت سے سر ٹیکے ہوئے نیم دراز بیٹھا تھا جو آہٹ پر اب اپنی آنکھیں کھول کر فلذہ پر مرکوز کر گیا جو کسی سگھڑ بیوی کی طرح شوہر کی خدمت کرنے والی تھی اور سادان کو تو اسکے ہر انداز پر شدت سے پیار آرہا تھا۔

آپ کے آنے کا پتا ہوتا تو کچھ اور بنا لیتی، کیا آپکو کڑھی پسند ہے سائیں۔" میں نے روٹی بھی بنائی ہے اور چاول بھی، مجھے بتائیں کیا کھائیں گے آپ"

سادان کی نظروں کی خماری سے بے نیاز اسے تو ابھی بس کھانے کی فکر تھی تبھی ٹرے رکھتے بولی اور سادان اسکی کسی بات کا جواب دیے بنا اسکے دونوں ہاتھ کھینچے خود کی سمت کھینچ کر سنجیدہ ہوا جس پر فلذہ نے بمشکل گرنے سے بچتے گلاس کو دیکھا پر سادان اسے اپنی توجہ اپنی جانب کرنے کا حکم دے رہا تھا۔

"مجھے تو یہ سب پسند ہے، لیکن سب سے پیارے یہ نازک ہاتھ جن کو میرے لیے محنت کرنی پڑی۔ بہت مزے کی لگ رہی، جلدی سے کھلاو اب" اسکی دونوں ہتھیلوں کو بے قراری سے چومے وہ فلذہ کے چہرے پر پھیلتی شفق پر نثار ہوا جواب اس بات پر تھوڑی پر سکون ہوئی کہ وہ خفا نہیں ہے اور ہاتھ چھوٹنے پر مسکراتی ہوئی بیٹھ کر اب نوالہ بنائے سادان کی طرف بڑھا رہی تھی جس پر سادان نے اپنی دلفریب بہکی نظر پہلے فلذہ کے سرخ ہوتے چہرے پر ڈالی اور پھر منہ کھولے بڑے مزے سے نوالہ منہ

میں لیے آنکھیں گما کر زائقہ محسوس کرنے لگا اور فلذہ تو بے چینی سے منتظر تھی کہ سائیں اسکی تعریف کریں۔اور واقعی کھانا نہایت لذیز تھا۔

مممم، واہ فلذہ۔بہت خوب۔۔۔۔ کیا کمال بنائی ہے،اب تو میرا دل چاہ رہا" اسکے ساتھ اسکو بنانے والی کو بھی کھا جاوں" سادان کی بڑھتی الفاظی جسارتیں بھی فلذہ کا وجود لرزانے لگی تھیں کیونکہ وہ اسے اب بہت نشیلے سے انداز میں دیکھ رہا تھا۔

سائیں مجھے مت کھائیں، میں کوئی کھانے کی چیز تھوڑی ہوں" روئی سی" درخواست نے سادان کو ہنسنے پر مجبور کیا تھا اور ابھی درمیان میں ٹرے تھا ورنہ وہ اسے بتاتا کہ وہ چیز کیا ہے۔

سادان کی ہنسی پر وہ اب منہ پھلائے اسے کھلاتی جا رہی تھی اور وہ مسلسل قاتلانہ نظروں سے اسے دیکھ کر آنچ دیتا ہوا پگھلا رہا تھا۔

سادان نے بمشکل ایک روٹی کھائی تھی کیونکہ حقیقت میں اسکی بھوک مر چکی تھی اور پھر چاول بھی جناب کو مروت میں کھانے تھے لہذا اب فلذہ

سپون اٹھانے لگی تو سادان نے منہ پر برہمی لائے چمچ لے کر دور فرش پر پھینکی اور اشارے سے ہاتھ استعمال کرنے کو کہا تو فلذہ نے منہ اٹھا کر ہونق بنے سادان کو دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو ہاتھ سے تو بندا خود کھا سکتا، دوسرے کو کیسے کھلائے۔

کھلاو بھی، سوچ کیا رہی ہو" فلذہ کو شش و پنج میں مبتلا دیکھ کر سادان نے" اپنی بتیسی روک کر بڑے رعب سے کہا تو فلذہ نے جھجھکتے ہوئے چڑیا جتنے چاول اپنی چاروں انگلیوں اور انگوٹھے کی مدد سے اٹھائے جو راستے میں ہی واپس جا گرے۔اس پر سادان کی ہنسی کمرے میں پھیلی تو فلذہ کے دانت بھی باہر نکلے۔

سائیں یہ تو سلپ ہو گئے، کیسے کھلاوں" نئی الجھن در پیش آئی جس پر" سادان اب ٹرے کھسکا کر تھوڑا پرے کیے فلذہ کو بازو سے پکڑے اپنے مزید قریب بیٹھائے اسے شرارت سے دیکھنے لگا اور وہ اب سادان کے شریر تیوروں سے ڈر رہی تھی۔

یہ میرا مسئلہ نہیں، تمہارا ہے۔ چلو دوبارہ کوشش کرو" سادان کا تو روم روم فلذہ کی قربت میں مہکنے لگا تھا اوپر سے وہ اتنی پیاری تھی کہ بس سادان تو دل ہاتھ سے جاتا محسوس کر رہا تھا۔

سادان صاحب نے تو دامن بچا کر سارا ملبہ ہی ہماری شہزادی پر ڈالا جس پر اب فلذہ نے پھر سے وہی عمل کیا اور اب کی بار دوسرا ہاتھ نیچے رکھتے ہوئے سادان کے ہونٹوں تک پہنچ گئی جس پر سادان مسلسل اسے دیکھتا ہوا اب یہ ثمر بھی پا گیا پر اصل کرنٹ تو فلذہ کو تب لگا جب سادان نے اسکی ساری انگلیوں کو بھی کھانا سمجھ کر اسکے ہاتھ کو منہ میں لے گیا۔ الگ سی گدگدی تھی جو سادان کے ہونٹوں کے اسکی انگلیوں کو چھونے سے اسکے دل تک اتری اور اس سے پہلے کے وہ ہاتھ واپس کھینچتی، سادان نے اسکی کلائی پکڑ کر ساتھ ہی دوبارہ سے اسکی انگلیوں کو ہونٹوں کے بیچ دبایا جس پر وہ اب سادان کی اس حرکت پر سرخ ہو کر مسلسل اپنا ہاتھ کھینچتی ہوئی ہلکان ہوئی۔

بھئی تم نے کھانا اتنا اچھا بنایا کے انگلیاں چاٹنا دور کھانی پڑ رہی ہیں"""

سادان کا یہ انداز فلذہ پر بھاری تھا پر اسے محاورہ اچھے سے آتا تھا۔

وہ اپنی انگلیوں کے بارے میں کہا جاتا سائیں، یہ میری ہیں "فلذہ نے خلق سے لگی آواز کے سنگ بوکھلا کر درستگی کی جس پر سادان ہلکا سا مسکرایا اور مزید قریب ہوئے فلذہ کی دھڑکن بڑھائے سنجیدہ ہوا۔

تم بھول رہی ہو، تم پوری میری ہو۔ یہ انگلیاں بھی میری ہوئیں، خیر میرا پیٹ بھر گیا ورنہ آج تمہاری انگلیاں گئی تھیں۔۔۔ چلو پانی پلاو "سادان نے معنی خیزی کے سنگ فلذہ کی گال سے اپنی گال لگائے لاڈ سے کہا اور مسکراتا ہوا فلذہ کے رنگ بدلتے گھبرائے رنگ کو دیکھتا ہوا اگلا حکم کیے اترایا جس پر فلذہ نے اپنی گال پر سادان کی بڑھی شیو سے ہوئی میٹھی چبھن پر دلفریب سا مسکرائے ٹرے اٹھا کر ساتھ میز پر رکھی اور پانی کا گلاس پکڑے اب وہ سادان کی طرف مڑی اور اسے پانی پلانے لگی۔ وہ مسلسل اسے دیکھ کر بے جان کر رہا تھا۔

بس یار نہلانا نہیں ہے "ایک دو بوندیں جناب کی شرٹ تر کر گئیں تو فلذہ" اب ہنستی ہوئی گلاس واپس رکھے مڑی تو سادان نے اسے کھینچ کر لیٹتے ہوئے خود پر گرایا اور وہ ایسا جھٹکا امید نہیں کر رہی تھی تبھی گلال ہو کر سمٹ گئی۔

"اب مان جاوں گا، مناو مجھے۔ جانتی ہو کتنا ڈر گیا تھا، جیسے میرا جسم سلامت ہو مگر روح کھینچ لی گئی ہو۔ خواب میں بھی مجھ سے دور مت ہونا فلذہ، مجھے تم سے کوئی عام محبت نہیں۔ مجھے تم سے بہت خاص محبت ہے، یہ وقتی ستم جلد ختم ہو گا۔ تب تک اپنے سائیں پر دوبارہ کوئی ظلم مت کرنا، میری شہزادی میں تمہارے بنا بہت ادھورا ہوں" فلذہ کا بندھا جوڑا کھل کر سادان کے چہرے پر اسکی مہکی ملائم زلفیں بکھیرا گیا جن کو وہ فلذہ کی کمر سے ہٹائے ایک طرف کیے اسکے چہرے پر اپنی چاہت سے لبریز نگاہیں کیے سچائی سے اعتراف کر رہا تھا اور فلذہ کا دھڑکتا دل سادان محسوس کر کے شادمان تھا۔

سائیں میں جانتی ہوں اور آپ بھی جانتے ہیں میں نے یہ ظلم اپنی خوشی" سے نہیں کیا، ابھی میرا آپ سے دور رہنا بہتر ہے۔اب آپ جائیں یہ نہ ہو انکو پتا چل جائے، میں بھی آپکے بنا پوری نہیں۔پر میں ڈرتی ہوں، بہت ڈرتی ہوں۔ مجھ سے دور رہیں گے تو آپ پر کوئی برا سایہ وار نہیں کرے گا" فلذہ کی دھڑکنیں اب مدھم تھیں اور سادان کو وہ تمام تر نرمی کے بھی سخت پتھر دل لگی۔

انکو کون بتائے گا کہ ہم قریب ہیں، پاگل مت بنو۔مجھے دور بھیج کر خود" کیسے آرام سے رہو گی، مجھے اب تم سے دور سکون نہیں ملتا۔میں تمہیں آج کچھ دیر کے لیے اپنے بے حد پاس چاہتا ہوں" سادان بنا کسی تمہید کے صاف صاف دل کا دکھ اور خواہش کہہ گیا اور سادان نے محسوس کیا کہ وہ کپکپانے لگی ہے۔وہ اسے کیسے بتاتا کہ بالکل بکھر گیا ہے، وہ قابل نفرت رشتوں پر آئی تکلیف سے بھی ہل گیا ہے۔سادان نے اسے یوں گھبراہٹ میں دیکھ کر فورا بیٹھتے ہوئے اسے خود سے الگ کیا اور اپنی کہی بات پر اس

نے خود کو بھی ڈپٹا۔ شاید فلذہ ابھی یہ سب نہیں چاہتی تھی کیونکہ سائیں کے پاس ہونے کا سکھ الگ پر سائیں کی زندگی کا سیاہ سایہ بھی اسکی سانس روک رہا تھا۔

فلذہ" وہ اسکا سہم جانا دیکھ کر گھبرا گیا تبھی اسکا چہرہ اپنے ہاتھوں میں" بھرے نرمی سے اسے پکارنے لگا جس پر فلذہ نے اپنی گالوں پر رکھے سادان کے دونوں ہاتھ اپنے نازک ہاتھوں میں پکڑ کر باری باری چومے۔

میں آپکے قابل نہیں ہوں سائیں، وہ سچ کہتی ہیں میرے آنے سے آپکی" زندگی تو عذاب بن گئی ہے۔ آپ کیوں عذاب کو اپنے گلے کا طوق بنانا چاہتے ہیں۔ سائیں ایک بار ٹھنڈے دل سے سوچیں، میں آپکے آگے بہت حقیر۔۔۔۔" سادان نے بہت تلخی سے اسکے ہونٹوں پر اپنی انگلی رکھے روکا اور بنا کچھ کہے اسے خود سے الگ کیے اٹھا اور فلذہ تو تڑپ اٹھی اور سادان کے اٹھتے ہی اٹھ کر اسکے سامنے آئی جو سخت تکلیف میں اسے سامنے

سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہوا جانا چاہتا تھا مگر فلذہ اسے روک کر باندھ چکی تھی۔

"تمہیں پتا ہے تم واقعی بہت ظالم ہو، میں کیا اب بول کر کہوں کے مجھے تم چاہیے ہو تو یقین کرو گی۔۔۔۔ کیا کروں ایسا کہ تمہارے اندر سے یہ سب فضول نکل جائے، ہٹو مجھے جانے دو۔ نہیں آؤں گا تم سے اپنا سکون اور قرار مانگنے۔ تم مجھے بے سکون، بے قرار اور بے چین رکھنا چاہتی ہو تو ٹھیک ہے مجھے قبول ہے" سادان اب واقعی تکلیف میں تھا اور فلذہ نے ان محرم سرخ سی آنکھوں میں اپنی بھیگی آنکھیں گاڑ کر یوں دیکھا جیسے وہ بھی اسے جانے نہیں دینا چاہتی۔

"خدا نہ کرے میں ایسا چاہوں، موت آجائے ایسا سوچنے پر بھی۔ مجھے آپکو تکلیف نہیں دینی، پر میں آپکو تکلیف دینے پر مجبور ہوں۔ کیا کروں سائیں"

وہ سادان کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں بھرے بس قربان ہونے کی جستجو میں تھی۔

سادان نے اسکے دونوں ہاتھ ہٹا کر ناراضگی سے دیکھا مگر وہ اب سادان کے سینے سے جا لگی اور شدت ایسی تھی کہ وہ سادان کے وجود میں چھپ سی گئی۔

مجھے جانے دو فلذہ" سادان اپنی بازو اسکی کمر پر سہلائے بولا مگر وہ بچوں کی طرح سر نفی میں ہلائے ناں میں سر ہلائے رو دی جس پر سادان نے کچھ دیر فلذہ کے آنسو اپنے سینے کو تر کرتے محسوس کیے اور پھر اپنی بازو اسکے گرد پھیلائے پھر سے پلنگ پر بیٹھتے ہوئے ساتھ ہی جا لیٹا اور وہ ویسے ہی اس میں پیوست ہوئی اسکے وجود کا حصہ بنی ہوئی تھی۔

اب تم مجھ پر مزید ظلم کر رہی ہو، میرے تقاضے بڑھ گئے تو کیا کرو گی" وہ اس کی تکلیف اور ناراضگی سے سہم گئی تھی۔

سائیں ایسا مت کہیں، میرا دل بند ہونے لگے گا۔ میں آپکا کوئی تقاضا پورا نہیں کر سکتی پر آپ ابھی گئے تو لگتا ہے سانس رک جائے گی۔ کچھ دیر میرے پاس رہیں پھر چلے جایئے گا" فلذہ اسکی ہمت توڑ رہی تھی اور وہ اس

کے بڑھتے ظلم سے زخمی تھا تبھی اسے زبردستی خود سے الگ کیے پلنگ پر لٹائے پھر سے اٹھنے لگا جب فلذہ نے اسے کھینچ کر اپنے اوپر جھکا لیا۔

دونوں کی نظروں میں ایک سی تڑپ تھی۔ فلذہ کے ہاتھ سادان کی شرٹ کے کالر پر تھے اور سادان کا ایک ہاتھ اب وہ فلذہ کے سر کے نیچے کوہنی سمیت رکھے دوسرے سے اس پر جھکے اسکے چہرے کے نقش سہلا رہا تھا۔ اور وہ بھیگی آنکھوں سے سادان کو دیکھ رہی تھی۔

اتنا قریب کر کے بھی تم دور رہو گی، یہ تو واقعی ظلم ہے۔ مجھے جانے دو" میری جان ورنہ میں سب وعدے اور قصد توڑ دوں گا۔ مجھے تمہارا فیصلہ قبول ہے فلذہ، پر یہ یاد رکھنا میں تکلیف میں رہوں گا" وہ اس پر آج ہر حد کھول دینا چاہتا تھا پر نہ کر سکا۔ تبھی بس بے بسی سے اسکے ماتھے پر بہت مختصر لمس رکھے واپس اٹھا ہی تھا کہ فلذہ نے سادان کی ہر کوشش ناکام بنائے اسے خود دوبارہ جھکا دیا۔

وہ اپنے پہاڑ سائیں کو اپنی بازوؤں میں قید کیے اپنی آنکھیں موند گئی۔

میرے پاس ابھی آپ کے لیے بس یہی آسانی ہے سائیں، پر مجھے آپ" سے بہت محبت ہے۔ میں آپکو بالکل خالی نہیں چھوڑ رہی۔ آپ کچھ دیر میری اسی قید کے مجرم ہیں" سادان جو اس حرکت پر بوکھلا گیا اپنا اس قدر وزن فلذہ پر محسوس کیے فکر سے تھوڑا کروٹ پر لیٹا مگر ہنوز فلذہ اسکے وجود کو گھیرے ہوئے تھی جس پر سادان نے بھی اسکے گرد اپنی بازو بے حد نازکی اور قربت بناتے ہوئے جکڑ لی اور اب سادان بھی اپنی تھکی آنکھیں موندھ کر بس فلذہ کی قید کا مجرم بن چکا تھا۔ وہ ایک دو گھنٹے تک واپس جانے کا ارادہ کیے اس وقت اپنی ہر ٹنشن بھول کر صرف فلذہ کو محسوس کر رہا تھا مگر آج سادان کو کچھ ایسا دکھ لگا تھا جس پر اب اسکی آنکھوں میں نمی اُمڈ آئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آپ کیوں رک گئیں کومل، جا کر آرام کر لیتیں کچھ دیر۔ میں بہتر ہوں""
وہ جو اسکا ہاتھ پکڑ کر اسکے سینے سے کچھ پرے سر رکھے روئی سی آنکھوں سے شاویز کو دیکھ رہی تھی، اس بات پر نفی میں سر ہلائے شاویز کا ہاتھ چومنے لگی اور وہ بھی بمشکل مسکرانے کی کوشش کیے کومل کی گال پر اپنا ہاتھ سہلانے لگا۔

مت روئیں، اللہ نے ہمیں جدا ہونے سے بچایا ہے۔ یہ بھی تو دیکھیں کہ " مجھے گولی لگنے کا انعام آپکی صورت ملا ہے ورنہ نجانے کیا ہو جاتا۔ بس یہ آنسو اب میں ان آنکھوں میں کبھی نہیں آنے دوں گا" شاویز اسے تکلیف میں ہو کر بھی حوصلہ دے رہا تھا اور وہ شاویز کے سینے پر لگے زخم کو دیکھ دیکھ کر اپنی آنکھیں لال کر رہی تھی۔

آپ نہیں سمجھیں گے شاویز، میں اس وقت بہت تکلیف میں ہوں۔ بتا" نہیں سکتی کہ اس زخم کا درد کس حد تک اپنے وجود پر محسوس کر رہی ہوں، میں آپ پر ایک خراش تک نہیں سہہ سکتی اور یہ تو۔۔۔۔" شاید واقعی

کومل کی حالت وہ نہیں سمجھ سکتا تھا، جتنا وہ اسے چاہتی تھی شاید ہی کسی نے کسی سے ایسا انس رکھا ہو۔ مگر شاویز کی آدھی طبعیت تو کومل کو دیکھ کر سنبھل گئی تھی، یقیناوہ بھی اس سے ویسی ہی شدت کی محبت کرنے لگا تھا۔

"میں واقعی آپکی گہری اور دلفریب محبت کا اندازہ نہیں لگا سکتا، پر میری تکلیف پر آپ کا تکلیف میں جا گزیں ہونا مجھے بھی دکھ دے رہا ہے۔ سب بھول جائیں میری ملکہ، انسان کے نصیب میں جو لکھا ہوتا ہے وہ اسے مل کر رہتا ہے۔ جیسے یہ زخم میرے مقدر میں تھا۔ آپ میرا مرہم ہیں کومل، مرہم دیجئے" وہ یوں بستر پر لیٹا بھی کومل کو منظور نہ تھا اور اب وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی ہوئی شاویز کے چہرے پر اسکا مرہم دیے وہیں اسکے زخم سے پرے اسکے سینے میں سمٹ گئی۔

"اب تو بالکل فٹ ہو گیا ہوں، ٹھیک ہونے دیں مجھے ذرا آپکا یہ رونا روکنے کا بندوبست کرتا ہوں" وہ بھی اسے روتی ہوئی نامنظور تھی تبھی اپنی دوسری بازو سے کومل کے گرد حصار بنائے وہ اسکا رونا مکمل روکے مسکرایا اور وہ

بھی اپنی آنکھیں رگڑ کر شاویز کی آنکھوں میں دیکھ کر پھر سے اسکے چہرے سے چہرہ ملائے روہانسی ہوئی۔

"گندے بچے کہیں کے، جلدی سے ٹھیک ہو جائیں ناں۔ میرے دل پر ہاتھ رکھیں بالکل مدھم دھڑکن ہے، میرے دھڑکن آپ بڑھا سکتے ہیں۔ اللہ سے دعا کرتی ہوں وہ میری زندگی بھی آپکو لگا دے، بہت محبت ہے مجھے آپ سے میرے شاویز، بہت مرادوں اور دعاوں کے بعد آپ جیسا انعام میرا ہوا ہے۔ نہیں سہہ سکتی مزید، بس اب مجھے کچھ نہیں سننا۔ ابھی ہوں ٹھیک، جلدی سے" کومل روتی روتی اسقدر جھلی ہو کر لاڈ پے اتر آئی کے شدید نقاہت کے باوجود روم میں شاویز کا سمٹا سا قہقہ گونجا جس پر کومل بھی منہ بسورے ہنس دی۔

"ھاھا ابھی کیسے، ابھی تو کوئی جادو ہی کام کر سکتا۔ گولی مجھے لگی ہے لیکن ہل میری زوجہ گئی ہیں، اور آپکی یہ سلو موشن دھڑکن کو اب میں ایک ہی بار بڑھانے والا ہوں" شاویز کی بھی متورم آنکھیں مسکا کر شرارت کا اک نیا

پہلو پکڑ چکی تھیں اور محترم یک لخت خاصی حقدار اور جاندار سی گستاخی کر گئے جس پر کومل نے واقعی اپنے دل کو گئیر لگتے محسوس کیے اور شرما کر پھر سے اسکے سینے پر چہرہ لگائے مسکا دی۔

"محبت تو اب مجھے آپ سے ایسی ہے جسکا نعم البدل نہیں ہے کومل، آپ شاویز کا صرف سکھ ہیں، سراپا سکون۔ بس رویا مت کریں، دیکھیے گا سادان سے ملاقات کے بعد میں نے تو دوڑنا شروع کر دینا ہے" سادان نے کل لاہور آنا تھا اور وہ پہلی ملاقات ہی اپنے شیر شاویز سے کرنے والا تھا۔ اس پر تو کومل بھی اب سچے دل سے مسکرا کر اب اسکے سینے سے اٹھ کر شاویز کا ہاتھ پکڑے اسے بہت چاہت سے دیکھنے لگی۔

"آئی لو یو ٹو" کومل کے وارفتگی سے دیکھ کر کہنے کی دیر تھی کے شاویز نے اپنی انگلیاں کومل کی انگلیوں میں پھنسائے ہاتھ ہونٹوں تک لے جائے چوما اور اسکے بعد وہ بس ایک دوسرے کو محبت سے دیکھتے رہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"بابا سائیں کو شام پولیس لے گئی ہے، ابھی مجھے حویلی جا کر وہ معاملہ بھی سہنا ہے۔ جانتا ہوں خود غرض ہو رہا ہوں پر سچ پوچھو میرے قدم حویلی جانے کی طرف اٹھ ہی نہیں پائے تبھی یہاں آگیا تھا۔ اماں سائیں کا نا جانے کیا حال ہوا ہو گا کیونکہ وہ بابا کی ہر زیادتی کے باوجود انکے لیے تڑپ رہی ہوں گی۔ یہ سب چیزیں مجھے تھکا کر ہلکان کر رہی ہیں۔ سوچتا ہوں اگر تم بھی نہ ہوتی تو شاید میں زندہ ہی۔۔۔۔" پچھلے دو گھنٹوں سے وہ سادان کی باہوں میں سموئی ہوئی خود بھی دکھی تھی اور اب وہ سادان کی بازو پر سر رکھے سادان کی سمت کروٹ لیے اسکا درد سے اٹا چہرہ سہلا رہی تھی جو اسے یہ سب تکالیف بتا کر اب اپنے دل کا غبار بھی ہلکا کرنا چاہتا تھا۔ اس بات پر وہ اپنا ہاتھ اسکے ہونٹوں پر رکھے اسے ایسا فضول کہنے سے بہت پیار سے روک گئی جس پر سادان نے چاہت سے لبریز نگاہ فلذہ پر ڈالی۔

سادان کی ایک بازو فلذہ کے سر کے نیچے سے اسکی کمر کے گرد تھی اور دوسرے سے وہ اب اسکا اپنے چہرے کو سہلاتا ہاتھ جو اسکے ہونٹوں پر تھا پکڑے ہونٹوں سے لگا کر چوم رہا تھا۔ فلذہ تو خود تکلیف میں تھی، اسنے پھر بھی سادان کو کچھ پل پر سکون کر دیا تھا۔

"مجھے پریشان نہ ہوں، جس نے گناہ کیا ہو اسے سزا تو سہنی پڑتی ہے سائیں۔ مجھے پتا ہے آپ اپنے بابا سے تمام تر ناانصافی کے محبت کرتے ہیں اور ان پر آئی آنچ بھی آپکو ہلا دے گی پر میں یا آپ ان معاملات میں کچھ بھی نہیں کر سکتے" فلذہ کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ آخر وہ سادان کے کرب کو کیسے ہٹائے، سادان اسکی اس بات پر اسے حیرت سے دیکھنے لگا جو چند دنوں کی مشکلات زدہ زندگی جی کر پہلے سے زیادہ سمجھدار اور حساس ہو گئی تھی۔ اب اسکی باتیں اور اسکا ہر انداز تک سادان کو تسلی بخشتا تھا۔

"جانتا ہوں، اور میں اس پر راضی ہوں۔ قاتل اگر باپ بھی ہو تو سزا کا مستحق ہے۔ اصل فساد تو وہ انجیل ہے جس نے ہمارے سکون کو تباہ کیا، ہر

ایک کو دکھ دیے۔ خاص کر تمہیں کئی زخم دیے۔ اسکی سزا کے بعد مجھے اصل سکون ملے گا۔ ابھی تو بہت تکلیف میں ہوں، کبھی نہیں سوچا تھا کہ بابا سائیں ایسے ہوں گے اور ایک دن انکی سزا پر بھی مجھے راضی ہونا پڑے گا۔ جہاں زندگی میرے لیے گزارنی ناممکن لگتی ہے وہیں اللہ نے مجھے یہ سانولی شہزادی دے کر کوئی بے حد بڑا اکرم کیا ہے۔ بس تم سے جدا نہیں ہو سکتا، تم صرف میری ہو" فلذہ نے آج پہلی بار سادان کی آنکھوں سے کربناک سے کئی آنسو اترتے دیکھے اور وہ اسے رونے سے روک نہ پائی شاید سادان کو دل ہلکا کرنے کی ضرورت تھی۔ بس وہ نرمی اور محبت سے اپنے نازک ہاتھ سے سادان کے آنسو صاف کرتی رہی جس پر سادان اسے دیکھ کر اپنا دل ایک بار پھر ٹھنڈک سے بھرتا محسوس کر رہا تھا۔

میں پتا نہیں آپکی ہو بھی پاوں گی یا نہیں، کیا پتا وہ اب اگلا ستم کونسا کر دیں۔ کیا یہ لوگ اللہ سے نہیں ڈرتے سائیں، آپ اتنے پیارے اور اچھے ہیں تب بھی یہ آپکو رلا گئے ہیں۔ آپ مت روئیں، آپ بہت باہمت ہیں۔

میں ادنی اگر آپکے لیے اتنی مقدس ہوں تو یہ میرے بخت کی سرفرازی ہے۔ حالانکہ میں تو آپکے قدموں کی خاک بھی نہیں" فلذہ کی ان معصوم سی باتوں پر سادان بس مسکرا کر اپنے اور فلذہ کے بیچ کا رہا سہا فاصلہ مٹا کر اسکے چہرے کے قریب چہرہ لے جا کر اسکی سانسیں محسوس کیے اپنی آنکھیں موندھ گیا۔ فلذہ خود سادان کے ایسے حسین محبت لٹاتے انداز پر مسکرائی اور اسکی مسکراہٹ دیکھنے کو سادان نے آنکھیں کھولیں تو خود پر سادان کی نرم نگاہیں پا کر گلال ہوئی۔

جانتی ہو تم میرے لیے کیا ہو، شاید میرے ٹوٹتے حوصلے کو جوڑنا اب" صرف تمہارے ہاتھ میں آ چکا ہے۔ ابھی تم نازک اور چھوٹی سی ہو پھر بھی میں تمہارے اور اپنے بیچ کی دوری بہت جلد ختم کرنے کی خواہش رکھتا ہوں۔ تم کو دیکھتا ہوں تو میری ہر تکلیف، ہر دکھ کہیں گم جاتا ہے۔

تمہارے سانولے مگر پرکشش دل پسند چہرے سے جب اپنے ہونٹوں سے ہمکلامی کرتا ہوں تو میرے دہکتے وجود پر کوئی ان کہا سا احساس برف سی

جمانے لگتا ہے۔ جانتا ہوں تھوڑا شاعرانہ اور بہکا ہوا بندہ ہوں اور تم ٹھہری معصوم سی شہزادی، میرے الفاظ اور میرے جذبات تمہارے لیے سہنا کٹھن ہوتا ہوگا مگر سچ کہوں اس معاملے میں، سادان حق اپنی بھی نہیں ماننا چاہتا۔ کیا ہو تم فلذہ، میری مشکلات اور آفات سے بھری زندگی کا واحد قرار۔۔۔۔ تم مجھے اتنی پیاری ہو کہ میں تمہیں صرف دیکھنا نہیں بلکے کہوں گا تم میرے چھونا چاہتا ہوں۔ ہر انداز سے، ہر حق سے۔ مختصر یہی لیے اشد ضروری ہو، بے حد اور بہت زیادہ" سادان کے بے حد قریب ہو کر فلذہ کی آنکھوں سے ہمکلام ہو کر کہتے یہ الفاظ تو خود فلذہ کے وجود میں آج اک نئی خواہش جنم دے چکے تھے۔ آج پہلی بار اسے بھی الگ ہی سرشاری محسوس ہوئی۔ سادان کا اسکے گرد اپنی بازو سہلانے کا انداز اسکے اندر گدگدی اتار رہا تھا۔ اک خوف اور گھبراہٹ بھی تھی جس نے فلذہ کے وجود میں اک کپکپی اتار دی تھی اور سادان اسکے چہرے کے رنگ بدلتے ہر نقش پر محبت رکھتا ہوا بے حد خوبصورت لگ رہا تھا۔

سائیں "سادان اس ٹرانس میں تھوڑا مزید بہک رہا تھا جس پر فلذہ کے وجود کی لرزش اور جھکی پلکوں کا رقص دیکھتا سادان بھی سرشار ہوئے کچھ دور ہوا۔ فلذہ نے اسکی شرٹ بہت شدت سے جکڑ رکھی تھی۔

" میں نے سوچا تھا جب تک تمہاری تعلیم ختم نہیں ہوتی میں ایسا ویسا کچھ نہیں سوچوں گا پر اب کہہ رہا ہوں مجھ پے مت رہنا، وہ کیا ہے کہ اس معاملے میں سادان اب مس روتو کی بھی نہیں مانے گا۔ خیر اب میں چلتا ہوں، کٹھن دن میرا منتظر ہے" سادان کی بڑھتی الفاظی بے باکیاں فلذہ پر بھاری تھیں اور وہ الگ ہی تہس نہس ہوتے سرخ چہرے سے سادان کے الفاظ کے مفہوم کو سمجھ کر ڈر رہی تھی اور سادان کے اٹھتے ہی وہ بھی زرا زرا سہمی ہوئی سی اٹھ کر پھر سے سادان کے روبرو ہوئی جواب فلذہ کا کبھی خود کی سمت دیکھنا اور پھر نظر جھکا لینا بہت توجہ سے دیکھتے ہوئے اسکے گرد اپنی دونوں بازو باندھے اسکے ماتھے پر پیار دیے مسکرایا۔

گھبراو مت، گھبرانے والی تو کوئی بات نہیں ہے۔ تم میری ہو اور میں تمہارا، تو جلد اس رشتے کا اصل حق تمہیں دینا چاہتا ہوں۔ تاکے تمہارا ہر ڈر، ہر خدشہ اور یہ خود کو حقیر جاننے والی ہر سوچ دم توڑ جائے۔ اپنا بے حد خیال رکھنا، تمہارا فون اور کتابیں میں تم تک بھجوادوں گا۔ جب تک میں یہ رہے سہے حالات نہیں ٹھیک کرلیتا تب تک تم یہاں مجھ سے دور رہو، تم اتنا جان لو کہ اب تم مجھ سے الگ نہیں ہو سکتی۔ کوئی کچھ بھی کر لے۔ سادان صرف تمہارا ہے، مکمل۔ پورے کا پورا" سادان کی اب کی بار کہی ہر بات فلذہ کے گھبرائے چہرے پر نکھار لوٹا گئی اور وہ مدھم سا مسکرا کر سادان کو دیکھتی ہوئی سر ہلا گئی جس پر سادان نے بے حد پیار سے اسکے چہرے کو تھپکا یا اور باہر اسکے ساتھ ہی نکلا۔ وہ اسے دروازے سے احتیاط سے بھیج کر سادان کے اشارے پر فورا دروازہ بند کیے پھر سے سرخ ہوتی ہوئی کمرے میں بھاگ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سلطانہ تو واقعی رو رو کر ہلکان تھیں اور پچھلے ایک گھنٹے سے سادان انکو اپنے سینے سے لگائے تسلی دے رہا تھا۔عالیہ تو خود اماں سائیں کے رونے سے آدھی ہو کر اب سادان کے ہی کہنے پر انکے لیے ناشتہ بنانے گئی تھی۔

"بس کر دیں اماں سائیں، کیوں رو رہی ہیں اس شخص کے لیے جس نے آپکو دکھ کے سمندر کے سوا کچھ نہیں دیا۔بس کر دیں دیکھیے کیا حال بنالیا ہے اپنا، بس" سادان کا اپنا دل کرب کی من پسند آماجگاہ بنا تھا پر اس سے اماں سائیں کی حالت دیکھی نہیں جارہی تھی۔

"وہ جیسے بھی ہیں میرا تو سب کچھ ہیں، یہ کیا ہو گیا ہے سادان۔انھیں قاتل بنا کر بھی یہ عورت چین نہیں پائے گی، یہ عورت سب تباہ کرے گی۔ سب کو مار دے گی، میرے بچے اس عورت کے شر سے دور رہ" پل پل تڑپتی ہوئی سلطانہ کو ابھی بھی سادان کی فکر تھی کیونکہ درمان کے ساتھ اب

جو ہونا تھا اسے روکنا نہ سلطانہ کے بس تھا نہ سادان کے۔ سادان نے سلطانہ کو بہت تسلی دی اور عالیہ کے لائے ناشتے کو بھی وہ دل سے نہ کر پائیں، سادان نے پھر خود ہی انکی تکلیف کے پیش نظر نیند کی دوا دے دی جس کے باوجود عالیہ اور سادان نے سلطانہ کے چہرے پر اک کرب دیکھا تھا۔

وہاں سے وہ سیدھا نکل کر اپنے کمرے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ حویلیُ کے دالان میں اکڑ کر کھڑی انجیل کے چہرے کا سکون ایک پل کو سادان کے لیے جھٹکا تھا۔ بیٹا پولیس کے ہتھے چڑھ گیا تھا اور یہ عورت ویسے ہی تنفر سے سر کے سریے کے سنگ سادان کو حقارت سے گھور رہی تھی جب سادان سینے پر ہاتھ باندھے عین انجیل بیگم کے سامنے جا کر تن گیا۔ دونوں کی آنکھوں میں ایک سی گرمی اور تپش تھی۔

آخر آپ نے میرے بابا سائیں کو قاتل بنا دیا، قاتلہ عورت آپ کے "چہرے پر یہ سکون دیکھ کر مجھے اب بابا کے لیے دکھ ہے کہ انکی آپ جیسی گھٹیا عورت ماں تھی" سادان کی غصے سے زیادہ تکلیف سے کہی اس بات پر

انجیل کے جسم پر چیونٹیوں نے حرکت شروع کی، ناجانے آج وہ کسی اور ہی انداز سے سادان کو دیکھ رہی تھی۔ بالکل کسی فاتح کی طرح، ایسا کامران فرد جسکے پاس حکومت تھی، طاقت کا نشہ تھا۔

تیرا باپ بھی اتنا چناکا کا نہیں کہ میں نے بنایا اور وہ بن گیا" سادان کو اس غیر یقین جواب پر اب اپنے اعصاب تنتے محسوس ہوئے۔ یہ عورت جس کے لیے کل تک درمان حق سب تھا آج اسکی حقارت اپنے اس بیٹے کے لیے بھی ابھر چکی تھی۔ ناجانے سادان کو ابھی اس عورت کے کتنے مزید روپ دیکھنے تھے۔

"یااللہ،۔۔۔۔۔۔۔۔انجیل بیگم گھٹیا پن کی ساری حدیں عبور کر کے بھی خدا کا کوئی خوف نہیں۔ میرے بابا سائیں جو کل تک آپکے مہرے تھے تو آپکی جان تھے اور آج انکا اس حقارت سے ذکر کرنے پر مجھے ایسا لگا جیسے آپ انکی سگی ماں ہیں ہی نہیں" سادان کی آنکھوں میں ضبط سے سرخی

اتری اور نا جانے اس عورت کو کیا ہوا کہ یک لخت وہ پاگلوں کی طرح ہنس پڑی۔ اتنی کہ اسکے قہقہے نے حویلی کی دیواریں لرزا دیں۔

ھاھاھا کیا بات ہے سادان، تم تو واقعی بہت ذہین نکلے۔ چلو اب جب " بات چل ہی پڑی ہے تو آج موقع اور دستور ہونے کے ناطے تمہیں اک کہانی سناتی ہوں" انجیل بیگم کا کھسیانہ پن سادان کے دماغ میں شرارے دوڑا رہا تھا اور اب وہ حیرت سے اس بڈھی کو دیکھ رہا تھا جو اب نخوت پن سے لہراتی ہوئی سامنے مڑی جہاں دیوار پر ایک بہت بڑی پینٹنگ آویزاں تھی۔ وہ سادان کے مرحوم دادا چوہدری فرمان حق کی تھی اور اسکے ساتھ ایک بڑی تصویر انجیل کی اور دو مزید دربان اور کرمان کی آویزاں تھی۔ شاید انجیل بیگم کی بھی کوئی کہانی تھی۔

بہت پہلے کا قصہ ہے، چوہدری فرمان حق کے گھر اک پری اتری، "
انجیل۔۔۔۔۔۔ تمہارے دادا کی جان میری مٹھی میں ہوا کرتی تھی۔ میں اس گاوں کی سب سے حسین لڑکی تھی اور سب سے بڑھ کر اس گاوں کے

رحم دل، محبت شناس اور دل والے سردار کی نور نظر۔۔۔۔۔۔۔۔یہ سمجھو کہ لاڈلی، اور پھر میری خوبصورتی پر گرہن لگ گیا۔ بانجھ کا" انجیل بیگم کے یہ لفظ سادان کے دماغ پر ہتھوڑے کی طرح برسے اور سادان کے چہرے کا فق ہوتا رنگ دیکھنے وہ اب گردن اکڑا کر ایک بار پھر سادان کے روبرو تھی۔

تو میں نے سہی سمجھا، آپ واقعی بابا کی سگی ماں نہیں ہیں" اپنے چہرے کی نفرت بڑھائے وہ سخت دلبرداشتہ ہو کر بولا جس پر انجیل نے اک دلخراش مسکان دبائی۔

ہاں، بانجھ بھلے سردارنی بھی ہو تو اسکی جگہ اس سے پوچھے بنا کسی اور کو" دے دی جاتی ہے۔ ایسا ہی ہوا، میرے لاڈ اٹھانے والا میرا شوہر کسی اور کی جھولی میں ڈال دیا گیا، مہر بانو۔ کہیں سے بھی میرے حسن کی پرچھائی تک بھی نہیں پہنچتی تھی پر نا چاہتے ہوئے، میرے لاڈوں کی پرواکیے بنا سردار فرمان نے اپنی نسل بڑھانے کو اس سے رشتہ جوڑا۔ میں انجیل کیسے سہتی یہ

ناانصافی، بہت تحمل سے بمشکل تین سال اس مہر بانو کو برداشت کیا۔اس نے تین سالوں میں اس حویلی کو دو وارث دیے، درمان اور کرمان مگر میرے حصے کے یہ تین سال لینے کی سزا اسے موت کی صورت ملی۔ہاں میں نے مارا تمہاری سگی دادی مہر بانو کو" سادان کو لگا اسکے پیروں سے زمین سرک گئی ہے، چہرے پر سفیدی پھیل گئی اور وہ اس عورت کی درندگی کا یہ افسانہ سن کر کانپ اٹھا پر وہ خباثت سے بس مسکرا کر اپنے کارنامے کا ذکر جاری رکھے ہوئے تھی۔

مہر بانو کے مرتے ہی تمہارے دادا تو پگلا گئے، سرداری سے دستبردار" ہونے کا فیصلہ تک کر لیا۔پر یہ بادشاہت میرا خواب تھی اور اسے جاری رکھنے کے لیے مجھے فرمان، اپنی جان کے گوشے کو بھی اس دنیا سے ہٹانا پڑا۔ کیا کرتی، مجبوری تھی" سادان کے حواس جواب دے رہے تھے، اب سادان سمجھا تھا کہ یہ عورت تو واقعی گھٹیا اور پکی قاتلہ ہے اور اس کو اگر جلد لگام نہ ڈالا تو یہ کسی کو بھی مار سکتی ہے۔یہاں تک کہ سادان کو بھی۔

نہایت گھٹیا اور ظالم ہیں آپ، زرا رحم نہیں آیا فرعون عورت "سادان کی شکن آلود پیشانی اور لرزی آواز میں کرب اور حقارت تھا جس پر وہ پھر سے پاگلوں کی طرح ہنسی۔

رحم کیوں آئے، میرا کیا گیا۔ درمان اور کرمان کو اپنے مطلب کے لیے استعمال کرنا ہی مجھے سکون دے سکتا تھا۔ جہاں کرمان نرم دل تھا وہیں درمان سخت مزاج تو میں نے ان دونوں کو ان دو کے انداز سے زخم دیے۔ کرمان کو چین نصیب ہونے نہیں دیا اور نہ درمان کو۔ کیوں ہونے دیتی، میرا چین ختم کرنے والی کی اولاد پر میرے لیے کوئی رحم نہ تھا۔ میں تو ایسی ہی ہوں، ضدی، جنون خیز۔۔۔۔۔۔اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ تمہیں مارنا بھی میرے لیے بہت آسان ہے۔ مجھ سے جو پنگاہ لے گا اسکی سزا صرف موت ہے "اس عورت کو تو یہ گمان تھا جیسے وہ امرت پی کر آئی ہے اور مرے گی نہیں پر سادان کو اب عورت کی موت صاف دیکھائی دے رہی تھی۔

اب موت آپکے سر پر چڑھ کر ناچے گی، بہت جلد آپکے کیے ہر ظلم کا بدلا چکانے کا وقت آئے گا۔ خدا آپ جیسی بلا کو آسان موت نہیں دے گا، جتنے معصوموں کو مارا ہے ان سب کی آہیں اب آپ کو زندہ در گور کر کے عبرت کا نشان بنائیں گی۔ فیضاں کی موت کا کوئی نہ کوئی پکا ثبوت جلد ڈھونڈ کر پھانسی تک پہنچاؤں گا آپ کو۔ بہت دردناک عذاب ملے گا، دیکھتی جائیں" سادان کی اتنی سنجیدہ اور دل دہلاتی بات کے باوجود وہ عورت بے خوف تھی۔

"میرے خلاف تیرے پاس کوئی ثبوت نہیں، سب پتا کروا چکی ہوں۔ فیضاں کی گردن پر میری صرف ایک انگلی کے نشان سے تو مجھے پھانسی دلوائے گا یہ خواب خواب ہی رہے گا۔ اس گاؤں کی اصل سردارنی انجیل ہے اور وہی رہے گی اور جب تک میں زندہ ہوں اس بدبخت فلذہ کو اس حویلی کا وارث جننے نہیں دوں گی۔ لہذا سنبھل جا، مجھ سے گٹھ جوڑ کرنے میں ہی تیرا فائدہ ہے۔ مل کر گاؤں پر حکومت کریں گے، فلذہ سے ہزار

درجے کئی دمکتے اور ملائم جسموں والی تیرے آگے ڈھیر کردوں گی۔بس تو ہاں کر" سادان کو اس عورت کی غلیظ سوچ پر ابکائی آرہی تھی، کوئی اتنا گندا اور کراہت زدہ کیسے ہو سکتا ہے۔اب جب وہ سوتیلی دادی نکل ہی آئی تھی تو سادان کے دل نے اسکی موت اپنے ہاتھوں سے گلا دبا کر دینے کی خواہش محسوس کی۔

دادا سائیں کی اللہ مغفرت کریں، آپ جیسی عورت انکا زندگی میں بھی" عذاب تھی اور آخرت میں بھی۔ میری اولاد اگر کوئی جنے گا تو وہ صرف فلذہ ہو گی، اس حویلی کا وارث اسکی کوکھ سے جنم لے گا۔دوسری بات آپ سے گٹھ جوڑ سے بہتر ہے میں کہیں جا کر ڈوب مروں، غلیظ عورت خدا غارت کرے آپکو۔ یہ جو آپکو خود پر غرور ہے اسے جلد پاش پاش کروں گا۔ دیکھتی جائیں" سادان کو اب اس عورت کی شکل تک سے گھن آرہی تھی جو عورت جنس پر ہی دھبہ تھی مگر وہ تو سادان کے خونخوار ہو کر تلملانے پر لطف اندوز ہوئی تھی۔

یہ عالم دادی کی حکومت کا، دیکھا نہ جائے۔۔۔۔۔ھاھانہ جل میرے "شہزادے، ویسے پتا ہے تجھے میں اتنی رعایت کیوں دیتی ہوں کیونکہ تو اپنے دادا سے ملتا ہے، خوبخو ویسا حسین۔بس سوچتی ہوں تجھ جیسے ہیرے کو بے موت نہ ہی ماروں پر تو بھی بڑا ڈھیٹ ہڈی ہے، چل جو کرنا ہے کر۔اکھاڑ لے جو اکھاڑنا ہے،اب میں میدان میں شیرنی بن کر اتر چکی ہوں،اس ٹاکرے کا اب مزہ آئے گا۔دادی مقابلہ پوتا۔۔۔۔۔اوہ۔۔۔میرا مطلب سوتیلی دادی۔۔۔ھاھاھا" انجیل نے مضحکہ خیزی سے سادان کے ابلتے جلال کو چنداں اہمیت نہ دیتے ہوئے اب ایک کھلے میدان جنگ میں ٹاکرے کی دعوت دی اور ویسے ہی غرور سے لہراتی ہوئی اپنے کمرے کی سمت چل پڑی اور سادان نے بمشکل خود کو کچھ دور صوفے کا سہارا لے کر کھڑا کیا اور خوف اور کپکپی کے باعث اسکا پورا وجود اس عورت کے انکشافات سے لرز اٹھا تھا۔

سادان صبح لاہور جانے والا تھا اور تیمور اسکے ساتھ ہی جانے والا تھا کیونکہ اسکی میٹرک کی سپلی کا سینٹر بھی لاہور ہی آیا تھا۔ باقی یہ معاملات اب سادان کل صبح سے نمٹانے کا عہد لے چکا تھا کیونکہ صبح اسکی این جی او کی ہیڈ سے ملاقات بھی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عاقل اپنی بائیک دوسرے گاوں کے ڈھابے سے کچھ دور کھڑی کیے اب اندر بڑھ رہا تھا جہاں چند ایک میز پر لوگ بیٹھ کر حلوہ پری سے ناشتے میں مگن تھے۔ ایک طرف ڈھابے کا بیرا چھوٹو نامی بچہ سب کسٹمرز کی ہانکوں پر دوڑ دوڑ لوازمات پہنچا رہا تھا۔ عاقل گہرے سیاہ سوٹ میں ملبوس تھا اور اسکا نازک سا سراپا اس وقت بہت پر کشش لگ رہا تھا اور اب ڈھابے کی ایک میز کے گرد رکھی کرسی گھسیٹ کر سامنے ڈھابے کے مین حصے میں چپ

چاپ طریقے سے کام کرتے رحمان احمد کو دیکھ رہا تھا جو دنیا و مافیا سے بے نیاز پریاں تلنے میں لگا تھا۔ چہرے پر جاتی جوانی کے آثار، وہ بوڑھا آدمی جسکی سترہ سالا بیٹی یاور، شان اور خذیفہ کی اجتماعی زیادتی کا نشانہ بن کر مر گئی۔ اسکی ماں بیٹی کی موت کا صدمہ برداشت کرتے کرتے موت کو سینے لگا کر مہک کے ساتھ ہی روانہ ہو گئی۔ رہ گیا تو یہ درمیانی عمر کا آدمی جو ابھی سے دکھ کی ہوائیں سہہ کر سو سال کا بوڑھا ہو گیا۔ اسکی چال میں جھکاو مگر اسکے ہر انداز میں اک پتھرایا پن تھا۔

عاقل نے کچھ دیر خاموشی اور تسلی سے رحمان احمد کو جانچا اور پھر چھوٹو کو اشارہ کیے اپنے لیے چائے پراٹھا منگوایا۔

عاقل جس کام کے لیے آیا تھا اس کے لیے اسے رحمان سے ملنا تھا اور اور وہاں کا دوسرا پورا گاوں جانتا تھا کہ وہ شخص کسی سے نہ بولتا ہے نہ ہی ملتا ہے۔

عاقل کی جانچتی نظریں کہیں دل تک اس بوڑھے میں بھی اتر رہی تھئں اور جب رحمان کی نظر عاقل پر پڑتی تو وہ اپنی نظریں ہٹا لیتا۔

ناشتہ ختم کرنے کے بعد وہ سیدھا کاونٹر کی سمت بڑھا جہاں اب رحمان اندر کمرے پر بنے تختے پر سر جھکا کر بیٹھا ہوا تھا جب کسی آہٹ پر اس نے اپنا گرا سر اٹھایا۔

رحمان نے اک شاکی نگاہ سے اس نوجوان کو دیکھا جو اسے پہلے بھی مشکوک لگ رہا تھا اور پھر سے سر یوں جھکا لیا جیسے اسکے ہونے نہ ہونے سے اسے فرق نہیں پڑا۔

اسلام و علیکم، میرا نام عاقل ہے۔ میں ساتھ والے گاوں سے آیا ہوں۔" دراصل ساتھ والے گاوں کے چھوٹے چوہدری سادان آپ سے ملنے کے خواہشمند ہیں۔ وہ آپ سے بہت ضروری ملنا چاہتے ہیں" عاقل نے لہجے میں رسانیت اور بے قراری ملا کر اس بوڑھے کی بے نیازی کے باوجود اپنی

بات کہی جس پر وہ ایک بار پھر اسے بہت غصے سے گھورا اور اٹھ کر واپس اپنے چولہے تک آیا اور تیزی سے دوبارہ پریاں تلنے لگا۔

دیکھیں ہمارے سائیں آپ کو کچھ نہیں کہیں گے، وہ بس بات کرنا چاہتے" ہیں" عاقل نے ایک بار پھر اپنی عاجزانہ درخواست بہت بے قراری سے سامنے دھری مگر وہ پتھر بنا شخص یوں لگا اندر سے چور ہو گیا ہے کیونکہ اسے علم تھا کہ سادان اس سے کیوں ملنا چاہتا ہے اور وہ آج بھی اپنی بات پر ڈٹا ہوا تھا۔ اس نے خود بولنا ترک کر رکھا تھا کہ اس سے کوئی سوال نہ کرے، وہ لوگوں کے چہروں میں وہی درندے دیکھتا تھا اور پر بچی کے چہرے میں اسے اپنی مہک دیکھائی دیتی تھی۔

اگر آپ کہیں تو میں انھیں یہیں لے آوں گا، آپ کوئی اشارہ ہی کر" دیں" عاقل اب زرا اکتا کر اپنی آخری کوشش کیے بولا مگر وہ آدمی ٹس سے مس نہ ہوا اور پھر اپنا ہاتھ اٹھا کر عاقل کو ناپسندیدگی سے چلے جانے کا اشارہ کرتا ہوا اپنے کام پر جھک گیا۔

یار، کتنا عجیب ہے یہ۔ بندہ کوئی ہاں ہوں ہی کر دے۔ سائیں کو کہوں گا وہ" خود آکر مل لیں، مجھ سے تو پتھر سے سر نہیں پھوڑا جاتا" عاقل جیسے ٹھنڈے مزاج والا بھی اس عجیب دل کو خفا کرتی خاموشی سے بیزار سا ہوئے واپسی کی راہ پر گامزن ہوا مگر اسکے جاتے ہی وہ آدمی کانپنے لگا۔ اسکے وجود کی لرزش اسقدر ہولناک تھی کہ اس قدر ٹھنڈے موسم میں بھی اسکے ماتھے پر نمی تھی جسے اس نے بہت بے دردی سے صاف کیا اور اپنے وجود کی کپکپی کو بہتر کرنے کے واسطے ساتھ پڑے جگ سے یکے بعد دیگرے دو گلاس پانی خلق میں اتارا اور اسکی خوفزدہ نظریں اب وہیں تھیں جہاں عاقل گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دل لگا کر پڑھنا، اپنے سادان لالا جیسا بننا تیمور، اللہ تجھے نیک ہدایت دے۔ سادان نے مجھے تیرے نکاح کا بھی بتادیا ہے، اللہ تجھے اس رشتے سے ایماندار ہونے کی ہمت دے۔ جامیر الال، تجھے اللہ کے حوالے کرتی ہوں" سلطانہ کی طبعیت کچھ ناساز تھی جس کے باعث ساداں اور تیمور وہیں انکے کمرے میں ہی ملنے آئے تھے۔ تیمور آج اپنی زندگی کے ایک نئے سفر پر گامزن ہونے والا تھا، اسکے سیاہ لباس کی طرح اسکے سرخ و سفید دمکتے چہرے پر ناچاہتے ہوئے بھی اک سناٹا تھا۔ خود سے بچھڑنا آسان نہیں ہوتا، یقیناً یہ تیمور کے لیے بھی کٹھن تھا۔ اسے خود پر لگا بدکرداری اور نالائقی کا داغ مٹا کر کچھ بننا تھا، تاکہ کل کو وہ اس قابل بن سکے کہ رمشہ اسے معافی کا پروانہ تھما پاتی۔ وہ تو کبھی بھی سوچ نہیں سکتی تھی کہ تیمور ایسا کچھ کرے گا۔ ایک ماہ بعد اسکا میتھ کی اور کمسٹری کی سپلی کے امتحان بھی لاہور میں تھے۔ جسکے بعد وہ اپنی میٹرک کے آگے کی تعلیم وہیں رہ کر مکمل کرنے والا تھا۔

سلطانہ اور عالیہ نے اس بگھڑے مگر اب کہیں کہیں سے سلجھے تیمور کو دعائیں دے کر رخصت کیا، سادان کا ارادہ رات واپسی کا تھا کیونکہ وہ اپنی توجہ گاوں سے زیادہ دیر ہٹا نہیں سکتا تھا اور واپسی پر وہ کرمان کو بھی لانے والا تھا۔

حویلیٔ سے باہر کھڑے انجم اور کرم داد آج بہت وقت بعد تیمور کی روانگی کی خبر ملتے ہی پہنچ چکے تھے۔ وہ دو تیمور کے بدلے مزاج سے ہل چکے تھے۔
تیمور نے بھی دونوں سے بغل گیر ہونا باعث فرحت سمجھا کیونکہ جو بھی تھا وہ کبھی اسکے یار رہ چکے تھے۔اب تو تیمور کے لیے کوئی بھی اہم نہ تھا،
سادان پہلے ہی گاڑی میں بیٹھ چکا تھا اور تیمور کے بیٹھتے ہی سادان نے اک اچٹتی نگاہ تیمور کی پر اسرار خاموشیٔ پر ڈال کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔
سادان جہاں باقی معاملات پر گہری سوچ بچار کر رہا تھا وہیں وہ تیمور کے لیے بھی فکر مند تھا۔

لالہ مجھے آپ سے کچھ کہنا تھا" کچھ دیر کی حسب منشہ خاموشی کے بعد" تیمور کی تھکی سی آواز پر سادان نے اپنی توجہ اسکی سمت مبذول کیے اشارہ کیا کہ وہ اپنی بات کہے۔ سفید کف داری سوٹ پر سیاہ واسکٹ اور آخیر کی اجلی شخصیت نکھرائے سادان تو حسین تھا ہی پر آج یہ چھٹکا بھی کم حسین نہیں لگ رہا تھا۔ ہلکی ہلکی نکلتی شیو بتا رہی تھی محترم جلد جوانی کی سیج پر آفت مچانے کے لیے اترنے والے ہیں۔

مجھے اپنی تعلیم مکمل کرنے تک واپس نہیں آنا، میں یہ چاہتا ہوں آپ مجھے " گاوں کی کوئی بھی بات نہ بتائیں۔ میں بس اپنی تعلیم پر توجہ دینے جا رہا ہوں تو مجھے یہاں کے مسائل نہیں سننے۔ مختصر کے کوئی مر بھی جائے تو مجھے مت بتایئے گا" سادان جو اپنے دھیان میں گاڑی چلا رہا تھا اس ہولناک سی بات پر زوردار بریک لگائے شدید مضطرب ہو کر رخ موڑے تیمور کو دیکھنے لگا جو کسی ربورٹ کی طرح اب سادان کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا؟ ہو کیا گیا ہے تمہیں تیمور۔ یہاں دیکھو، ایسا رویہ کس لیے میرے شیر۔ کچھ ہوا ہے تو تم مجھے بتاؤ، میں ہوں ناں تمہاری ہر پریشانی دور کر دوں گا۔ ایسے تو تم مجھے شاک دے رہے ہو، مجھے بے سکونی لاحق کر رہے ہو"

سادان گاڑی روکے اب اسکا چہرہ تھامے تاسف سے اسکی یہ بے اعتنائی سہہ کر بلبلا اٹھا مگر وہ بے حسی سے سادان کا ہاتھ چھڑوائے رخ پھیر گیا تھا۔

ناجانے کیا بات تھی کہ تیمور کسی ان کہے سے دکھ میں شدید مبتلا تھا جو وہ کسی سے شئیر بھی نہیں کر سکتا تھا۔

"میں کچھ سال اس گاؤں سے مکمل کنارہ چاہتا ہوں، ہر چیز سے۔ آپ مجھ سے وجہ مت پوچھیں بس میں یہاں رہ کر ٹھیک نہیں تھا۔ سات آٹھ سال تک مجھے آپ سب لوگ مرا سمجھ لینا" تیمور کی باتیں سادان پر مزید ٹنشن اتار رہی تھیں اور سادان چاہتا تھا کہ وہ اس سے اس سب کی وجہ پوچھے۔

"کیا بکواس ہے، تجھے پڑھنے بھیج رہے ہیں۔ کسی اور سیارے پر نہیں بھیج رہے۔ مجھے سچ سچ بتا تیمور، کیا مسئلہ ہے۔ اب تو تیرا نکاح بھی تیری خواہش

کے تحت ہو گیا ہے، گاؤں میں بھی تعلیم کی سہولت تھی مگر پھر یہ شہر آ کر کنارہ کرنا۔۔۔۔۔۔ دیکھ میرے شیر میں آ گے ہی بہت پریشان ہوں مجھے مزید ہلکان مت کر۔ کیا وجہ ہے " سادان کی چھٹی حس اسے کسی خطرے کا الارم دے رہی تھی مگر تیمور نے تو اپنے اندر کے طوفان کو اندر ہی رکھنے کا عہد لیا تھا۔

آپ مت پریشان ہوں، وقت آنے پر آپکو ہی بتاوں گا۔اب چلیں " تیمور نے گویہ کہہ کر اپنی جان چھڑوائی تھی مگر سادان کسی صورت اسکے اس عجیب رویے پر مطمئین نہ تھا۔

تیمور کو وہ سیدھا اپنے اور شاویز کے فلیٹ لایا تھا اور تیمور یہیں رہ کر میٹرک کی کلئیرٹی کے بعد کسی کالج میں ایڈمیشن لینے کا ارادہ رکھتا تھا۔

سادان کو اسکے اکیلے ہونے اور کھانے پینے کی فکر تھی لہذا اس نے ایک نور دین نامی شاویز کے بابا کے اعتبار کا آدمی بلوا لیا تھا جو یہاں گھر کی دیکھ بھال کے ساتھ تیمور کے کھانے پینے کا خیال رکھنے والا تھا۔ وہ ایک سفید پوش

پچپن سالا آدمی تھا جو اپنے دو بچوں اور بیوی کی کفالت کے لیے گھروں میں کام کرتا تھا اور اسکی بیوی گھر رہ کر سلائی کا کام کرتی تھی۔ لہذا ساادان کو یہ ضرورت مند آدمی بہترین لگا تھا۔

کیا یہ آپکا گھر ہے ؟" اپنا بیگ منی لاونج میں رکھتا تیمور اس چھوٹے سے " نفیس گھر کو دیکھ کر بولا تو ساادان نے مسکرا کر گھر پر اک نظر ڈال کر اپنے اور تیمور کے بیچ کا فاصلہ کم کیا اور اسے شانوں سے پکڑے اپنے روبرو کیا۔

یہاں جو رہتا ہے یہ گھر اسکا، اب تمہارا ہے۔ یہ نوردین تمہارا خیال رکھے " گا۔ تمہیں اکیلا رہنے کی اجازت دی ہے لیکن میں تمہیں اکیلا چھوڑنے پر راضی نہیں۔ تمہارا جو بھی مسئلہ ہے تم مجھے دل کو راضی کر کے بتاوگے تو ہی میں اسکا حل نکالوں گا۔ اور اگر تم باباسائیں کے گرفتار ہونے اور گاوں کے حالات سے دلبراشتہ ہو تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں جلد سارے معاملات نفیس کر دوں گا۔ شاویز بھی کچھ دن تک آجائے گا اور میں بھی چکر لگاتا رہوں گا۔ اپنا دھیان رکھنا اور خوب دل لگا کر محنت کر کے میٹرک

کلئیر کروتا کہ تمہارا کسی اچھے کالج میں ایڈمیشن ہو۔اور ایک بات یاد رکھنا کہ تم میرے دل کا بہت لازمی حصہ ہو،اب میں نکلتا ہوں مجھے کچھ کام ہیں۔۔۔۔نور دین بھائی پلیز میرے شیر کا آپ مکمل دھیان رکھئے گا، یہ آپ کے حوالے ہے" سادان نے بے حد چاہت اور محبت کے سنگ اس سمجھا کر آخر میں مودب سے شفیق نور ہونق بنے تیمور کو یہ ساری باتیں دین کو کہا جس پر وہ سینے پر ہاتھ باندھے اسکا مکمل خیال رکھنے کی حامی بھرتے ہوئے سادان کو مطمئین کر چکے تھے۔اور سادان بھی تیمور کی طرف سے کچھ مطمئین ہو کر اب سیدھا وکیل کے دفتر روانہ ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دروازے پر ہوتی دستک نے فلذہ کو تھوڑا محتاط کر دیا کیونکہ اس وقت منظور حسین ریگولر چیک آپ کے لیے بشیر کے ساتھ ڈاکٹر کبیر کے پاس گئے تھے

اور فلذہ گھر میں اکیلی تھی جسکی وجہ سے وہ جو صحن دھونے میں لگی تھی اب چار پائی پر رکھا اپنا دوپٹہ اچھے سے گرد پھیلائے دروازے تک گئی اور اسکی اوٹ میں بنے سوراخ سے دیکھا تو سامنے ایک پندرہ سولہ سالا لڑکی تھی جس پر فلذہ نے تھوڑا حیران ہو کر دروازہ کھولا تو سامنے چادر میں لپٹی رمشہ تھی جواب فلذہ کو بھی ویسی ہی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

کیا میں اندر آجاوں فلذہ باجی، میں رمشہ ہوں" وہ جو بے چینی میں لپٹی" تھی یک لخت بولی تو رمشہ کا نام اور اس سے جڑا رشتہ یاد آنے پر فلذہ نے مسکان کے سنگ پوری خوش دلی سے اسے اندر بلایا اور دروازہ بند کیے صحن پر رکھی چار پائی کی اور بڑھی۔ سادان نے فلذہ کو کل ہی تیمور کی روانگی کا بتا دیا تھا اور رمشہ کو یہ بات کچھ دیر پہلے اسکے بابا نے بتائی تھی جنہوں نے آج تیمور اور سادان کو گاوں سے باہر جاتے دیکھا تھا تب سے رمشہ کو عجیب سی بے چینی لاحق تھی۔ اسکا بس نہیں چل رہا تھا کہ کس سے پوچھتی تو پھر اسے یک دم فلذہ کا خیال آیا تو وہ بنا سوچے پوچھنے چلی آئی تھی۔

بیٹھو، چائے پیو گی۔ میں بناتی ہوں" فلذہ جو آدھی ئ گیلی ہوئی تھی، محترمہ " صفائی ستھرائی کی بہت شوقین تھیں۔ اس تکلف پر رمشہ فوراً گھبرائی ہوئی اٹھ کر فلذہ تک آئی اور اسکا ہاتھ پکڑ کر تذبذب سی لگی جس پر فلذہ نے بھی فکر مند ہو کر اسے اپنے ساتھ بٹھایا اور خود بھی اسکی اس گھبراہٹ کو جاننے کو بے تاب ہوئی۔

نہیں باجی شکریہ، چائے نہیں پیوں گی۔ وہ میں نے آپ سے کچھ پوچھنا" تھا، دراصل آج بابا نے سادان سائیں اور تیمور کو شہر سے باہر جاتے دیکھا ہے، وہ دونوں کہاں گئے ہیں" اب فلذہ سمجھی تھی اس بیقراری کا مطلب حالانکہ وہ رمشہ کی تیمور کو لے کر ناپسندیگی بھی جانتی تھی تب بھی رمشہ کا تیمور کے جانے کی خبر پر ہوتا بیقرار دل فلذہ کو موہوم سی مسکان دے گیا جس پر اب وہ رمشہ کی گال پر ہتھیلی رکھے مسکرا دی۔

وہ شہر پڑھنے گئے ہیں، سائیں انھیں چھوڑنے گئے ہوں گے۔ تم پریشان " مت ہو، ہمیشہ کے لیے نہیں گئے" فلذہ کی یہ بات نا جانے کیوں آج رمشہ

کی ساری نفرت پر بھاری پڑی، یعنی اس روز جسے رمشہ اسکی ایک جذباتی بات سمجھ رہی تھی وہ ایک کھرا سچ ہو گا اسکا اندازہ رمشہ کو زرا نہ تھا۔

مگر یہاں بھی تو پڑھا جا سکتا تھا، کوئی خاص وجہ "ارے رمشہ بی بی خاص وجہ تو تم ہی ہو، تمہاری نفرت سے چھٹکارہ پانے ہی وہ اپنے آرام و سکون سے بچھڑ گیا تھا مگر فلذہ کو تو اس کے علاوہ کچھ علم نہ تھا تو وہ اسے کیا بتاتی تبھی الجھ گئی۔

یہ تو مجھے معلوم نہیں، خیر تم بیٹھو میں کچھ اور کھانے کو لاتی ہوں "اس سے پہلے کہ فلذہ اسے بٹھا کر باورچی خانے کی سمت جاتی، دروازہ ایک بار پھر پوری شدت سے بجا جس پر نا صرف رمشہ چونکی بلکے فلذہ بھی ایسی وحشی دستک سے تھوڑا ڈر سی گئی مگر پھر ہمت کیے دروازے تک پہنچی، اوٹ سے دیکھا تو کوئی نہ تھا۔ کوئی پھر بھی مسلسل دستک دے رہا تھا۔

فلذہ نے دروازہ کھولا ہی تھا کہ انجیل بیگم دھکا دیتی اندر داخل ہوئی اور اسکے ساتھ دو گن مینز تھے جسے دیکھ کر اب رمشہ کانپ کر اٹھ کھڑی ہوئی مگر اب فلذہ کے چہرے پر اس شیطان عورت کے لیے کوئی ڈر نہ تھا۔

انجیل بیگم نے ایک نظر نکھری سی فلذہ پر ڈالی، اور ایک کچھ دور کھڑی اس حسین سی لڑکی رمشہ پر مگر اس وقت وہ فلذہ سے ملنے آئی تھی تبھی باقی ہر شے سے بے نیاز اب وہ عین فلذہ کے سامنے تن کر اسے حقارت سے گھور رہی تھی۔

کیا سمجھتی ہے تو بدذات، چوری چھپے سادان یہاں آئے گا اور مجھے خبر نہ ہو گی" جہاں اس بات سے رمشہ کے حواس شل ہوئے وہیں فلذہ کے بھی اس سچائی کے کھلنے پر ہاتھ پیر پھول گئے۔ دل الگ ڈر سے کانپ اٹھا، آخر اسکے مخبر نے سادان کے یہاں آنے کی روداد انجیل تک پہنچا دی تھی۔

بہت صاف لفظوں میں تجھے سمجھایا تھا کہ اس کے قریب نہیں جانا، کیا" کرنے آیا تھا وہ۔ تیرے اور اسکے بیچ کیا ہوا ہے، بول ورنہ آج یہیں تیری

قبر کھود دوں گی" انجیل بیگم نے اب اسکا جبڑا دبوچ کر اپنی خونخوار آنکھیں مزید وہشت ناک کیے فلذہ سے پوچھا جس پر وہ سہم کر نفی میں سر ہلا رہی تھی اور انجیل اتنا تو جانتی تھی کہ وہ کم از کم جھوٹ نہیں بولتی۔

کچھ بھی نہی۔۔۔۔ نہیں ہوا۔ قسم لے لیں، دوبارہ ایسا نہیں ہو گا انھیں" کچھ مت کہیے گا خدا کا واسطہ ہے" جبڑا چھوٹتے ہی فلذہ نے پھر سے سادان پر چھائے سیاہ سائے سے پناہ کی التجاء کی اور رمشہ تو اس عورت کے ایسے سلوک پر الگ کانپ کر سفید ہو رہی تھی۔

اب میری بات کان کھول کے سن، وہ یہاں آیا تو واپس مردہ جائے گا۔ یہ" آخری وارننگ ہے تجھے، وہ لاکھ کوشش کر لے تو اس کے نہ قریب جائے گی نہ اسے آنے دے گی۔ بلکے رہنے دے آج ہی سادان کا ایکسیڈنٹ کروا کے کام ختم کرتی ہوں" یک لخت ہی وہ گھٹیا عورت فلذہ کے وجود سے جان کھینچتی مڑ گئی مگر فلذہ کی التجاء اور ہاتھ باندھ کر روتے ہوئے منت

کرنے پر وہ نخوت پن سے مڑی تو گویا اسے اس روتی فلذہ کو ستانے کا مزید لطف لینے کا دل چاہا۔

"خدا کے لیے، میں انکے سامنے تک نہیں آوں گی۔ آپکو دوبارہ شکایت نہیں ملے گی۔ اللہ کا واسطہ ہے اس بار بخش دیجیے۔ میں آپ سے منت کرتی ہوں" فلذہ کی سانس تک رونے سے اکھڑ گئی اور اب انجیل کو یقین سا ہوا کہ اب یہ لڑکی نافرمانی نہیں کرے گی تبھی وہ مضحکہ خیزی سے فلذہ کو دیکھ کر پھر سے اسکے روتے چہرے کو سختی سے دبوچ گئی۔

"بخش دیا، پر اگلی بار صرف قیامت آئے گی۔ اگر مجھے پتا چلا کے تو دوبارہ اسکے سامنے آئی ہے یا تم دونوں خفیہ ملے ہو تو سادان کی اسی دن موت ہو گی، یہ بات اپنی اس کھوپڑی میں بٹھا لے" انجیل بیگم ایک ایک لفظ ہتک آمیزی سے فلذہ کو کہہ کر ایک خون آشام نگاہ اس رمشہ پر بھی ڈالے اسی انداز سے باہر نکل گئی جس سے اندر آئی تھی اور فلذہ کو گرنے سے بمشکل

بچاتی رمشہ نے اسے پکڑا اور بٹھاتے ہی اپنے ساتھ لگائے اس جاتی بلا کو ہزار بدعائیں دے گئی۔

دفع کریں اس زلیل عورت کو، مت روئیں۔ جلد اسکا عبرتناک انجام ہو گا۔ نہ روئیں فلذہ باجی، چلیں آپ بیٹھیں اب میں چائے بناتی ہوں اور دونوں پئیں گی" رمشہ کو اس وقت فلذہ کو اکیلا چھوڑنا مناسب نہ لگا اس لیے اپنا ڈر ہٹا کر کھلا دروازہ بند کرتی وہ بہت پیار سے فلذہ کو تسلی دے کر اپنی چادر وہیں چارپائی پر رکھے گلے کا دوپٹہ ٹھیک سے سر پر لیتی کچن میں چلی گئی۔ اتفاقا ہی سہی۔ فیوچر میں یہ دیورانی جٹھانی ایک دوسرے کی بہت لاڈلی ہوتی دیکھائی دے رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دیکھیں سادان یہ رپورٹ ابھی بھی ہمارے لیے اسقدر مضبوط نہیں" ہے۔یعنی فیضاں کی گردن پر دو انگلیوں کے نشان اسکے اپنے تھے اور ایک انجیل بیگم کا جود ھندلا سا ہے۔اس کی بنا پر ہم کیس کریں بھی تو عدالت اس لاغر ثبوت کے ساتھ ایک گواہ مانگے گی" سادان اب سیدھا وکیل کے دفتر آیا تھا، فیضاں کی لاش پانی میں رہنے کے باعث زیادہ تر انگلیوں کے نشان منہدم کر چکی تھی۔ بمشکل انجیل کی ایک انگلی کا نشان سلامت مل پایا تھا اور اب سادان کا ماتھا اس بات پر شکنوں سے بھر چکا تھا۔انجیل کے جرائم کی گواہ فیضاں تھیٔ اور وہ بد قسمتی سے مر چکی تھی اور اسکا مرنا سادان کو مشکل میں ڈال چکا تھا۔

سادان نے متغیر سی سانس بحال کی اور پھر سے کچھ سوچنے لگا۔

میں تو بہت امید لے کر آیا تھا، تو کیا یہ ثبوت بیکار ہے" سادان کے تو" سوچ سوچ کر رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے،اس قاتلہ کا اب آزاد گھومنا بہت خطرناک تھا۔

نہیں نہیں، یہ ثبوت ہر گز بیکار نہیں ہے پر دیکھیے جب انجیل بیگم نے" فیضاں کو مارا ہو گا تو وہ اسے خود نہر میں پھینکنے تو نہیں گئی ہو گی۔ ضرور اسکی کسی اسکے آدمی نے مدد کی تھی۔ اگر ہمیں وہ گواہ مل جائے تو ہمارا کیس بہت مضبوط ہو جائے گا۔ دوسرا اب انجیل بیگم کے خلاف ہمیں اور بھی ثبوت اکھٹے کرنے ہوں گے "اب کی بار وکیل کی بات سادان کے دماغ کو بھلی لگی تھی اور وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا اپنی پیشانی مسل رہا تھا۔

امم۔ یعنی اسکا مطلب ہے اب مجھے وہ گواہ ڈھونڈنا پڑے گا، ٹھیک ہے تو" میں پھر اس کام پر لگتا ہوں۔ اور مسٹر شفاء وہ این جیو والے معاملے کا کیا ہوا؟" سادان کے سر پر بیک وقت کئی ذمہ داریاں تھیں اور یہ شہزادے کی ہمت تھی کہ وہ ہر معاملے پر نظر رکھے ہوئے تھا۔

ہاں میری انکی ہیڈ سے بات ہو گئی تھی، میں نے انکو بلایا ہے۔ آپ اجازت" نامے پر سائن کر دیجئے گا پھر وہ اپنا اگلا کام شروع کریں گے۔ گاوں کے لوگوں میں عقل و شعور بیدار کر کے وہاں ونی کے خلاف لوگوں کے

جذبات ابھارنے کا کام وہی کریں گے۔دوسرا آپکی اجازت کے بعد پھر وہ کورٹ سے آرڈر لیں گے جس کے تحت گاوں میں دوبارہ ونی جیسا کوئی عمل سرانجام نہیں دیا جاسکے گا۔اور اگر کسی نے خلاف ورزی کی تو سیدھا جیل میں پھینکا جائے گا" شفاء کا اس این جیو سے بہت قریبی رشتہ تھا کیونکہ اسکے مین اونر شفاء کے ڈیڈ ہی تھے اور انکی ہیڈ شفاء کی آنٹی تھیں۔لو جی اس طرف سے تو سادان کا دل مطمئین ہوا،اس این جیو نے سادان کی آدھی مشکل تو حل کر دینی تھی اور اسی سلسلے میں این جیو کی ہیڈ وہاں آنے کو تھیں۔

سادان نے تمام بات پوری توجہ سے سنی تھی اور اسے یقین تھا وہ جلد انجیل بیگم کے خلاف ثبوت اکھٹے کر لے گا۔

اور وہ دوسرے کیس کا کیا کچھ ہو سکتا ہے سر؟" اب کی بار سادان کے لہجئے میں تاسف تھا جس پر ایڈوکیٹ مسٹر شفاء میکائیل بھی تھوڑا مایوس سا لگا۔سادان نے اس کیس کے علاوہ باباسائیں کی ضمانت یا انکی سزا میں کمی

کے لیے شفاء سے بات کی تھی مگر چونکہ قتل کیس تھا لھذا وہ یہ کیس لڑنے سے زرا خوفزدہ تھا۔

"میں اس پر کام کر کر رہا ہوں، جیسا کہ آپکے بابا سائیں کے ہاتھوں ایک بہت بڑا مجرم قتل ہوا ہے اور وہ منگو سلطان کوئی معصوم نہیں تھا لہذا میں صرف اتنا کر سکتا ہوں کہ انکو سزائے موت سے بچا لوں۔ ان کیسز میں مجرم کو رعایت دی جاتی ہے اور دوسرا معاملہ صلع صفائی ہے۔ اگر منگو کے گھر والے خون معاف کر دیں تو یہ سزا چند سالوں اور چند لاکھ روپے جرمانے تک بھی آسکتی ہے۔ اس کیس کی تفصیل میں آپکو دو ہفتے بعد دستاویزی صورت بھجوادوں گا پھر سوچتے ہیں اس پر کیا کیا جا سکتا ہے" جس وقت سادان کو انجیل کی سچائی پتا چلی تھی تب ہی اس نے یہ بات شفاء بھائی سے ڈسکس کی تھی اور ابھی وہ دونوں اسی پر بات کر رہے تھے۔ سادان کہیں نہ کہیں بابا سائیں کو بچانا چاہتا تھا پر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ شخص سزا

کے لائق ہے تبھی تمام قانونی تقاضے نبھاتے ہوئے انکے بچاو کی ایک کوشش چاہتا تھا۔

شفاء کی بات پر سادان نے اک تھکا سا سانس خارج کیے سر کرسی پر ٹکا دیا۔

لیں میم زینیہ آ گئیں "یک لخت ہی آفس کا دروازہ وا کر کے داخل ہوتیں" وہ لگ بھگ چالیس پینتالیس کے لگ بھگ بہت ہی حسین عورت داخل ہوئیں جس پر سادان نے بے ساختہ اس نام پر اپنی گردن موڑی تو وہ کچھ پل کو اس عورت کے حسن پر اٹک گیا۔

بلیک اینڈ ڈارک پرپل ساڑھی پہنے، کمر تک آتے سیاہ بال جسے اس نے کئی طرح نیچے سے کرل کر رکھا تھا۔ بڑھتی عمر کی ہر سلوٹ کو منصوعی حسن سے چھپاتی ہوئی وہ بہت پر کشش اور خوبصورت عورت تھی۔

شفاء اب بہت مہمان نواز انداز میں انھیں بیٹھائے انکا اور سادان کا تعارف کروانے والا دیکھائی دیا۔

سادان کو اس عورت کا حسن تو اتنا متاثر نہ کر پایا مگر نا جانے وہ اسکے لمبے بالوں اور زینیہ نام پر ٹھٹک چکا تھا۔ اسکے چہرے پر اک اضطراب تھا اور حیرت کی بات تھی کہ وہ شوخ اور دلفریب عورت بھی بہت دلچسپ نظروں سے سادان کی طرف متوجہ تھیں۔

مس زینیہ علی، یہ سادان ہیں۔ چوہدری درمان حق کے صاحبزادے۔" مسٹر شاویز نے جس کیس کو لے کر آپ سے بات کی تھی یہ اسی سے وابستہ ہیں۔ میں چاہ رہا تھا کہ کچھ ضرور کاغذی کاروائی ہم آج مکمل کرلیں تا کہ گاؤں کی بگھڑی حالت کو بروقت سنوارا جا سکے" شفاء کے تعارف پر سادان نے خود ہی سلام میں پہل کی جس پر زینیہ نے مسکرا کر شفیق انداز سے جواب دیا۔ اسکی نظروں میں اک الگ ہی ترنگ تھی جو سادان کو ہلا رہی تھی۔

اسکے بعد شفاء نے دونوں سے کیس کے کاغذات پر چند دستخط کروائے اور جونہی کیس فائیل ہو کر کورٹ کی پرمیشن مل جاتی اسکے فورا بعد وہ این جیو اپنے گاوں میں سیشن سٹارٹ کر دینے والی تھی۔

زینیہ کا تعلق 'ہراسمنٹ اور زیادتی' کا نشانہ بننے والی لڑکیوں کی کفالت اور دیکھ بھال کرنے والے ایک بہت بڑے نجی ادارے سے تھا۔اس کے علاوہ بھی وہ ایک ایسا فلاحی ادارہ رن کر رہی تھیں جہاں نادار، بے کس اور زمانے کی ستائی عورت کو عزت اور احترام سے پناہ دی گئی تھی۔ سادان انکے اس کام سے بہت متاثر تھا اور وہ چاہتا تھا کہ وہ اپنی ٹیم کے سنگ جتنی جلدی ممکن ہے گاوں آئیں اور سادان کے ساتھ مل کر گاوں کے حالات بدل دیں۔

اس دوران سادان نے اسے عائشہ کی کہانی بھی سنائی جسے سن کر زینیہ بے حد دکھی ہوئیں۔سادان کے لیے زینیہ ایک بہت بڑی آسانی تو تھیں مگر وہ کرمان کی زینیہ کو دماغ میں لانے سے روک نہ پایا تھا۔وہ بھی تو خوبصورت

تھی، مگر پھر جب سادان کو اسکی موت کا یاد آیا تو وہ اپنا یہ خیال جھٹک گیا۔
واپسی پر ہوسپٹل جاتے بھی سادان کے دماغ میں زینیہ ہی تھی۔ بھلا مرے لوگ بھی زندہ ہو سکتے ہیں، اسے اپنے خیال پر حیرت ہوئی۔

وہاں سے وہ سیدھا اپنے یار کی بیمار پرسی کو پہنچا اور کتنی ہی دیر سادان نے شاویز کو خود سے لگا کر اپنی اس محبوبہ پر پیار لٹایا اور واقعی شاویز نے سہی کہا تھا کہ سادان سے ملتے ہی وہ نڈھال سا ہو کر بھی کھل چکا تھا۔
کومل کی بھی سادان کو فکر تھی مگر وہ مطمئین تھا کہ اب ان دونوں پر مزید کوئی آنچ نہیں آئے گی۔

گلناز اور اسد سے مل کر بھی سادان کو بہت بہتر محسوس ہوا اور وہ وہاں پہنچتے پہنچتے کافی لیٹ ہو گیا تھا اور ابھی تو واپسی پر سادان نے کرمان کو انجیل کی سچائی بھی بتانی تھی۔

رات آٹھ تک سادان اور کرمان واپسی کے لیے نکل گئے تھے جبکہ شاویز کو بھی بس آج رات ہوسپٹل رکنا تھا اور کل اسے بھی ڈسچارج کر دیا جانا تھا۔

سادان نے اسے بہت سی دعائیں دی تھیں جو یقیناً اب کومل اور شاویز کو اک حفاظت کے حصار میں باندھ چکی تھیں۔ وہ بھی سادان کے امتحان میں سرخرو ہونے کے شدت سے تمنائی تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"او میرے خدا، یہ کیا کہہ رہے ہو سادان۔ خدا غارت کرے اس عورت کو" سادان اور کرمان اس وقت رات کے سناٹے میں بالکونی پر کھڑے تھے جب سادان نے انھیں انجیل بیگم کی سچائی بتائی اور کرمان کے چہرے پر شدید کرب تھا، گویا اپنے امڈتے آنسو وہ بمشکل اپنے اندر اتار کر اپنے بالوں کو جکڑے کانپتی آواز سے بولے تھے اور سادان انکو کندھوں سے تھامے افسردگی سے اپنے سینے میں سمو گیا۔

جی چاچو، اس نے آپکی سگی والدہ اور والد کو مارا ہے، وہ عورت ہم سب پر ناجانے کس گناہ کے عذاب کی صورت اتری تھی۔ لیکن آج میں آپ سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ انجیل بیگم کو اسکے کیے کی دردناک سزا دلواوں گا۔ بس آپ ہمت رکھیں" سادان کے پاس اس وقت نہ صرف تسلی تھی بلکہ اب وہ اپنی جیت سے بالکل دور نہ تھا، دونوں ہاتھوں سے وہ کرمان کا سوز زدہ شفیق اور پیارا چہرہ تھامے بولا جس پر انکی شفیق آنکھوں میں پہلے سرخی اتری اور پھر نمی چھلکنے لگی۔

یا اللہ یہ کیا ہو گیا ہے، یہ میرے لیے اب تک کا سب سے دردناک غم ہے" سادان، وہ عورت جسے میں نے اسکے ہر ظلم کے باوجود ماں سمجھا وہ ایسی بھیانک ڈائن نکلے گی یہ جان کر آج جیسے دل پر لگے ہر زخم سے ہیجان پھوٹ پڑا ہے۔ میری اماں سائیں اور بابا سائیں کی قاتل، اف اور اس نے مجھ سے میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی چھینی۔ مجھ سے زینیہ چھینی" صبر و جبر کا ہر بندھ ٹوٹ پڑا اور وہ روتے ہوئے بمشکل بالکونی پر لگی

کرسی پر خود کو لڑھکا کر پھٹ پڑے اور سادان نے بھی بیقراری سے چاچو کے قدموں میں بیٹھ کر انکا ہاتھ چوما پر آج کئی ٹانکے ادھڑ گئے تھے لہذا درد کی شدت بہت سوہان روح تھی۔

بس بہت کم مدت رہ گئی ہے، دیکھیے گا اس عورت کا کیسا دردناک انجام" ہوگا۔ مت تکلیف دیں خود کو چاچو، اب تو صلے کا وقت ہے۔ اور آپ جانتے ہیں ناں کہ آپ میری ہمت ہیں۔ اب ہمیں مل کر اس انجیل کا خاتمہ کرنا ہوگا، بابا سائیں کو بھی بچانے کی کوشش کروں گا۔ پر میں یہ سب اسی صورت کر سکوں گا جب آپ میری ہمت بنیں گے، بس کریں" سادان کی آواز کا نم اتار چڑھاو خود کربناک تھا کہ سادان کا اپنا چہرہ اس آنسو ہٹانے کی کوشش میں نم ہوا پر کرمان نے خود کو بہتر کرتے ہوئے اپنے چہرے پر دباو اور تکلیف سے ہاتھ پھیر کر اک دل پر زخم لگاتی سانس خارج کیے سادان کا چہرہ پکڑے اسکے ماتھے پر بوسہ دیا جو خود ٹوٹا پھوٹا تھا۔

میں ہر قدم پر تمہارے ساتھ ہوں، پر یار دل پھٹ رہا ہے۔ کاش یہ سچائی" پہلے پتا چل جاتی، کیسا بیٹا ہوں اپنے ماں باپ کی موت سے واقف ہی نہ تھا۔ اور زینیہ، کاش وہ نہ مرتی۔ تمہیں پتا ہے سادان وقت کے ساتھ ہر زخم بھر گیا ہے سوائے اس قبر کے جس میں زینیہ دفن ہے۔ کاش وہ مجھے واپس مل جائے، کاش" واقعی کرمان کے سینے پر لگا یہ زخم تو نہ مندمل ہوتا تھا نہ اس کی رستی رطوبت کم ہوتی تھی اور یہ اتفاق تھا کہ کرمان کی اس بات پر سادان کے ذہن میں زینیہ میم کا خاکہ لہرایا جو سادان خود بھی جانتا تھا کہ وہ بہت ناممکنات جیسی شے تھی پھر بھی وہ یہ بات کھوجنے کا فیصلہ لے چکا تھا۔

چاچو آپکو پکا یقین ہے کہ زینیہ نے واقعی خودکشی کی اور وہ اس روز مر گئی" تھی" وہیں قدموں میں بیٹھے ہوئے ہی سادان کے کیے اس سوال پر کرمان کی روح تک لرز اٹھی تھی۔

کتنی ہی دیر کرمان کے دماغ پر عجب سنسنی سی پھیلی رہی۔

ہاں یہ بات تو پورا گاوں جانتا ہے،اور میں جب اسکے باپ سے مل کر آیا تھا" تو اسکے چند دن بعد اسکا باپ بھی دل کے دورے سے مر گیا تھا۔وہ مری نہ ہوتی تو اسکی قبر کیسے بنی ہے،اور اگر بچ بھی گئی ہو گی تو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

بولتے بولتے خود کرمان کا دل سناٹے میں مقید ہوا۔ایک کے بعد ایک منظر کرمان کی آنکھوں کے سامنے لہرائے اور سادان انکی خاموشی پر الجھ سا گیا۔

آپکو ایک عجیب سی بات بتاوں، جس این جیو سے ہم نے اس کیس میں مدد لی ہے آج میں انکی اونر سے ملا تھا۔جانتے ہیں انکا نام کیا تھا،زینیہ علی۔۔۔۔چاچو انکے بال بھی لمبے تھے مانو کمر سے بھی نیچے۔۔۔اور وہ ۔۔۔۔مجھے یہ بتائیں آپکی زینیہ اگر زندہ ہوتی تو اس وقت لگ بھگ کتنی عمر کی ہوتی" سادان کے یہ غیر یقین سے انکشافات کرمان کے چہرے پر سفیدی پھیلا رہے تھے اور سادان نے بھی بتاتے بتاتے یک دم سوال کیا جس پر کرمان نے ہونق بنے سادان کو دیکھا جو منتظر تھا۔

جب میں چوبیس کا تھا تو وہ سولہ یا سترہ کے لگ بھگ تھی۔یعنی میں اب" باون کا ہوں تو وہ سات آٹھ سال چھوٹی یعنی چوالیس یا پینتالیس کے لگ بھگ" یہ بات کرمان نے اپنے دماغ پر زور ڈالے سادان کو بتائی اور وہ اب شدید پریشانی میں مبتلا ہو چکا تھا کیونکہ کیس میں انفارمیشن پٹ کرتے ہوئے این ایل سی نمبر ایڈ کرتے وقت سادان نے اسکی عمر دیکھی تھی جو اسی بتائی عمر کے لگ بھگ بن رہی تھی مگر وہ عورت اپنے حسین سراپے اور جوانی کے باعث چالیس کی بھی نہیں لگتی تھی۔

کہیں آپکی زینیہ زندہ تو نہیں، چاچو کیا آپ انھیں پہچان سکتے ہیں۔" مطلب ایک دو ہفتے تک وہ اپنی ٹیم کے ساتھ یہیں آ رہی ہیں، کیا پتا کوئی اور بھی راز ہو جس سے ہم انجان ہیں" سادان جانتا تھا کہ یہ بات دیوانے کے خواب سے زیادہ کی نہیں پر پھر بھی وہ بہت مشکوک تھا اور اب خود کرمان بھی شدید جھنجھلاہٹ میں مبتلا دیکھائی دیے۔

ایسا ناممکن ہے سادان، ضروری نہیں وہ میری زینیہ ہو۔ خیر اس پر ہم پھر بات کریں گے۔ مجھے صبح وہ طفیل بھٹی کے کیس کے سلسلے میں تھانیدار نے بلوایا ہے میں اب جاتا ہوں تم بھی آرام کرو۔ ممکن ہے کل وہاں سے بھی کوئی اچھی خبر ملے" کرمان اس وقت خود تک سے فرار چاہتے تھے اور تبھی پھر سادان نے بھی انکو جانے دیا خود سادان نے روم میں آکر عاقل کو بلایا اور فلذہ کا بیگ اور فون پوری اختیاط سے فلذہ تک پہنچانے کا کہہ کر خود وہ فریش ہونے چلا گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"فلذہ باجی، یہ سائیں نے سامان بجھوایا ہے۔ اور وہ کہہ رہے تھے آپ فون اٹھالیجیئے گا" رات کے منہ اندھیرے عاقل اپنی ذمہ داری پوری کیے منظور حسین کے گھر پہنچا مگر وہ ان دونوں کے سہمے چہرے دیکھ کر خاصے تسلی

آمیز انداز مئں بولا تھا مگر ہنوز ان دونوں کے چہروں کا خوف بھانپ کر وہ اب تشویش زدہ تھا۔

"عاقل بھائی آپ انکو کہہ دیجیئے گا کہ یہاں فون مت کریں، خدا کے لیے یہ بات آپ انکو مت بتائیے گا وہ پہلے ہی بہت پریشان ہیں۔انکی دادی انکی جان کی دشمن ہے اور زرا سی غلطی پر وہ میرے سائیں کی جان لے لیں گی۔آپ انکے بے حد قریب ہیں لہذا انکو اپنے طور سے سمجھا دیجیئے گا" عاقل کو وہ دونوں پہلے ہی سہمے لگے اور سر پر چادر سے مکمل خود کو ڈھانپ کر سر جھکائے کہتی فلذہ کی اس بات پر عاقل نے تشویش سے اپنا ماتھا مسلا اور ایک نظر منظور چچا پر ڈالی جو خود انجیل کی آمد کا سن کر تب سے ہلکان تھے۔

"فلذہ باجی ہوا کیا ہے، کوئی پریشانی ہے تو مجھے بتائیں۔آپ دونوں مجھے پریشان لگ رہے ہیں" عاقل کے استفسار پر فلذہ چپ چاپ چارپائی پر رکھا بیگ لیے اندر دوڑ گئی جبکہ اب عاقل اپنی پوری توجہ منظور کی سمت مبذول کیے شش و پنج میں تھا کہ آخر بات کیا ہے۔

"دراصل کل سادان سائیں یہاں آئے تھے اور نا جانے یہ بات انجیل بیگم کو کیسے پتا چلی اور وہ دنکو فلذہ کو بہت برا دھمکا کر گئی ہیں کہ اگر اب انکو کسی بھی رابطے کی اطلاع ملی تو وہ۔۔۔۔وہ سادان سائیں کی جان لے لیں گی"

منظور حسین کے انکشاف پر عاقل بھی سخت پریشان ہوا اور اپنی پیشانی پر آئی شکنیں ہٹا کر اس بوڑھے چچا کے کندھے پر تسلی سے ہاتھ رکھے مسکرایا۔

"ٹھیک ہے چچا میں سائیں کو ساری صورت حال بتادوں گا، آپ دونوں بے فکر رہیں۔اب اس عورت کی آزادی کے بس چند دن باقی ہیں کیونکہ سادان سائیں اسکی حقیقت جان چکے ہیں۔باقی ملنے پر پابندی سہی بات پر نہیں ہے، میں اب چلتا ہوں" عاقل بھی سادان کے تمام معاملات سے باخبر تھا اور اب اس نے واپس جا کر سادان کو اس معاملے کے علاوہ ڈھابے والے بوڑھے کی روداد بھی سنانی تھی لہذا عاقل اپنا کام مکمل کیے فوری حویلی روانہ ہوا۔

سادان تب تک فریش ہو کر وہیں کمرے میں بیقراری سے فلذہ کا نمبر ملا رہا تھا جواب موبائیل ہاتھ میں پکڑے روتی جا رہی تھی۔

مجھے معاف کر دیں سائیں لیکن میں آپ سے بات بھی نہیں کر سکتی، میں" مجبور ہوں۔ وہ عورت بہت خطرناک ہے" فلذہ نے کانپتے ہاتھ کے سنگ ویسے ہی بجتا فون ٹیبل پر رکھا اور وہیں دہری ہو کر اپنی متورم آنکھیں بند کر گئی۔

ابھی تک تو عاقل پہنچ گیا ہو گا، یہ فون کیوں نہیں اٹھا رہی" سادان" مسلسل بے قراری سے اسے فون ملا رہا تھا مگر وہ اب سخت کرب میں مبتلا ہو کر اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بس کردیں کومل، مزید یہ بدمزہ عجیب سا سوپ نہیں پیا جائے گا" بینڈ ہو کر اوپر ہوئے بیڈ کراون سے ٹیک لگا کر بری بری شکلیں بنا کر سوپ پیتے جناب شاویز چھوٹو سے بچے ہی لگ رہے تھے اور کومل اب واقعی ہر نرمی کو ترک کیے سختی سے اسکی تیمارداری میں لگی تھی۔

اب پتا چلا آپکو ڈاکٹر شاویز، یہی سوپ جب آپ اپنے مریضوں کو پینے کا" آرڈر کرتے ہیں تو ان معصوموں پر کیا بیتتی ہو گی۔ چلیں ضد نہیں، پیئیں ورنہ میں اس ہوسپٹل کی سب سے جلالی نرس کو بلاتی ہوں" کومل دنکو ہی کچھ دیر گھر جا کر فریش ہو آئی تھی اور ابھی کچھ دیر پہلے ہی اسد صاحب، گلناز کو لیے گھر گئے تھے کیونکہ رات کو صرف ایک فرد کے رکنے کی اجازت تھی اور ویسے بھی صبح آخری چیک آپ کے بعد شاویز کو ڈسچارج کر دیا جانا تھا اور ایک ہفتے کی مکمل بیڈ ریسٹ میں ابھی کومل میڈم کی مزید سختی سہنی تھی۔ کومل نے منصوعی برہمی سے اپنے ماتھے پر آئی لٹ کو پھونک

سے اڑائے شاویز کی حسرت ناک التجاء کو چنداں اہمیت نہ دیتے ہوئے پیارے ہیرو کے ارمان سیلابی ریلے میں بہا ڈالے تھے۔

ھاھا نہیں مجھے جلالی جلولی نرس نہیں چاہیے، مجھے یہی جلادی نرس قبول ہے" زرا جو اس بندے کی اس تکلیف میں بھی شرارت کم ہوئی ہو، ہلکی سی ہنسی تو اب کومل بھی منہ میں دباتی ہوئی پکڑی گئی۔ آج وہ کل کی نسبت کافی بہتر تھی جسکی ایک وجہ شاویز کی صحت کا خطرے سے باہر ہونا تھا دوسرا سادان کے آنے کے باعث وہ دونوں ہی اپنا ٹوٹا حوصلہ پھر سے مضبوط کر چکے تھے۔

بس پھر یہ سارا ختم کریں اور ابھی تو ایک ہفتہ میں نے جو جلادی بننا ہے" ناں وہ آپکی سوچ ہے مسٹر ہسبنڈ۔۔۔" وہ دادی اماں کی طرح شاویز کو منصوعی ڈانٹنا جاری رکھے ہوئے تھی اور وہ بھی مسکراتا ہوا ایک دم کومل کے ماتھے پر لگے بینڈ ایج کو دیکھ کر سنجیدہ ہوا۔ کومل کی گردن پر ابھی بھی نشان

تھاالبتہ بازو کا زخم مندمل ہو کر کھروچ رہ گئی تھی لہذا کومل نے پٹی اتار دی تھی۔

"اس سب میں آپ اپنے آپ کو فراموش مت کریں کومل، میں جانتا ہوں ابھی تو خود آپکو ریسٹ کی ضرورت ہے۔ یہ بتائیں آپ نے کھانا کھایا؟" اس قدر پیار سے وہ اسکا باول سائیڈ پر رکھتا ہاتھ اب زرا اپنے دل پر رکھے اسکی انکھوں کی گہرائی میں اترتے بولا جس پر کومل مزید قریب ہوئے شاویز کی گال سے ہونٹ مس کیے حسین ادا سے مسکرا دی گویا یہی کومل کے زخم کا علاج ہو۔

"میرا سکون اور آرام آپ ہیں، اور کھانا پینا بھی۔ آج آپکو ہی ناں کچا چبا جاوں" وہ نہیں چاہتی تھی کہ شاوئز کے چہرے پر ایک بھی تلخی میں لپٹی لکیر آئے تبھی اسکی گال کھینچے آفت بنے ہنسی تو شاویز کے ہونٹوں پر بھی تبسم کا رنگ ابھرا۔

اس بہانے آپ مسکرا رہی ہیں، یہ بھی قبول ہے۔ ویسے ایک بات بتا دوں" کے آپکو فوڈ پائزنگ ہو سکتی ہے جان، میں بڑا زہریلا ہوں کیونکہ ماہ بدولت ایک ڈاکٹر ہیں" شاویز بھی اسی طرز میں ہنسی کا اک لطیف سا لمحہ کومل کے ہونٹوں پر رکھے اترایا اور وہ کتنی ہی دیر پاگلوں کی طرح ہنستی رہی پر پگلی نے یوں اتنے دن بعد ہنس کر شاویز کی رکی اور بوجھل دھڑکن بڑھا دی تھی۔

آئی لو یو شاویز، میرے دل کا قرار آپ کی اس مسکان اور شرارت سے" بڑھتا ہے۔ اور میری زندگی آپکی قربت سے دلفریب ہوئی ہے، بس آپ جلدی سے پہلے کی طرح ہو جائیں" کچھ دیر دونوں طرف شرارت رہی اور پھر کومل نے شاویز کا ہاتھ چومتے ہوئے پورے صدق دل سے شاویز کو اسکی اہمیت اور مقام کی ٹھنڈک عطا کی اور وہ تو اپنی اہمیت سے اول روز سے ہی واقف تھا۔

ہو جاوں گا، پریشان مت ہوں۔ بس اب کوئی تپش ہمارے رشتے تک" نہیں آئے گی، ویسے میں سوچ رہا ہوں جلد آپکی منہ دیکھائی اور ہنی مون کا

سوچا جائے۔ میں تھوڑا کنجوس ہوں دیکھیے ابھی تک آپکو کچھ دیا ہی نہیں" شاویز بھی اسکے یوں جھک کر چاہت سے شاویز کو دیکھنے پر دلکش سی چاشنی میں ڈوبے بولا تو آخری بات پر کومل اختیاط سے اسکے سینے سے جا لگی۔

اپنا آپ دے دیا یہ میرے لیے میری زندگی کا سب سے بڑا تحفہ تھا، اور جو اتنا سارا پیار دیا۔ عزت دی، اپنے نام کا سکھ دیا۔ اپنی اس دیوانی کو مکمل کیا، یہ سب ہنی مون اور منہ دیکھائی جیسی دنیاوی چیزوں سے کڑوروں درجے بہتر ہے۔ بس ہمیشہ اپنی اس حقیر سی مستانی کو اپنے دل و جان سے قریب رکھیں مجھے اور کچھ نہیں چاہیے "محبت اور عشق کا یہ کوئی اپر ووی جذبہ اخیر رتھا جس نے دونوں کو ایک دوسرے کا آئینہ بنا دیا تھا۔ وہ بھی اپنی بازو کومل کے گرد سہلائے ایسی پاکیزہ، خوش اخلاق، سمجھنے والی اور ساتھ دینے والی دیوانی محرم پر سراپا شکر میں مبتلا تھا۔ وہ اب بھینی بھینی مسکان کے سنگ سینے پر ٹھوڑی اٹکائے شاویز کی ظالم آنکھوں میں دیکھ رہی تھی جو اس پر دل و جان سے قربان تھا۔

ناجانے آپ کس نیکی کا صلہ ہیں، کبھی کبھی تو آپ پر حیران ہو جاتا ہوں" کہ کیسے اسقدر محبت کر لیتی ہیں۔ میری کسی شدت پر اکتاتی نہیں ہیں بلکے مجھے مزید قریب کرنے کا ارمان رکھتی ہیں۔ مجھ سا خوش قسمت تو کوئی نہیں ہے کومل، جسکی ہمسفر اس پر اس درجہ نثار ہے" شاویز کا رشک قدرتی تھا، وہ کومل کے ہر انداز سے اپنے لیے بس محبت پاتا آیا تھا۔

آپ ہیں ہی ایسے، سب سے پہلے آپ اللہ کی بارگاہ کے مکین ہیں۔ اس" رب کی کتاب برحق کے حافظ ہیں، سیرت وصورت کے بادشاہ۔ اور پھر مجھ جیسی دیوانی کے دل کی مسند پر بیٹھنے والے پہلے اور آخری خاص مرد جسے نہ صرف میں نے چاہا بلکے دعا میں آپکے دل و وجود کی شادمانی بننے کی حسرت کی۔ آپ کو میں ساری زندگی گزارنے کے بعد بھی نہیں بتا سکتی شاویز کے میں نے آپ سے کس جنون کی حد تک عشق کیا ہے۔ کبھی کبھی سوچتی ہوں جتنی مجھے آپ سے محبت ہے اتنی ہی عقیدت ہے تبھی تو میرے جذبوں نے آپکے دل میں بھی مجھے لکھا اور کیا خوب لکھا کہ اب کومل کے

پاس اپنا کچھ رہا نہیں سب آپکا ہے" دوائیں تو ایک طرف، یہ محبت کی سچی رمز ہی شاویز کے ہر کرب کا واحد حل تھی۔ وہ اسے اپنی جان سمجھتی تھی، اور وہ بھی اب اسے اپنی زندگی کا بہت اہم اور لازمی حصہ مانتا تھا تبھی تو کومل شاویز اس پر عمل درآمد کے دل میں قربت کی رمز بعد میں جاگتی تھی اور پہلے کر دیتا تھا۔

جس شدت سے وہ اس پر نثار ہوتا تھا بدلے میں ہر ناز کی کے والہانہ جذبہ اور تڑپ پاتا تھا اور یہ چیز شاویز کا سکون بڑھاتی تھی۔

مجھ سے تو آپکے ان حسین دلکش الفاظ کے بدلے معیاری الفاظ تک نہئں " ہیں، بس یہی کہوں گا کہ آپکی اس محبت اور عقیدت پر فدا ہوں۔ آپکی محبت میری اک حسین عادت بن رہی ہے، مجھے بھی آپ سے ایسی ہی محبت ہو رہی ہے۔ آئی لوو یو ٹو" شاویز کا یوں ہوش اڑاتا انداز کومل کو اس نازک حالت میں بھی بہکا رہا تھا اور جب وہ بہکتی تھی تو شاویز کو خبر ہو جاتی تھی۔ دونوں کی آنکھوں میں بس اک عاشقی تھی، پر محترمہ کو مریض بنے طبیب

پر ترس زرا جلدی آگیا لہذا لمس خاص کی اک ہلکی سی پھوار پر ہی اکتفا کیا گیا اور پھر شاویز نے ان مخملی ہونٹوں کا لمس اپنے چہرے کے ہر نقش پر ٹھنڈک اتارتا محسوس کیا۔

مسکان کی دلفریبی ظالم تھی اور وہ ہنستی ہوئی پھر سے شرمانے کا زرا تا خیر سے اوڑھا روپ دھارے اسکے سینے مئں سمٹ گئی جس پر شاویز کا شرارتی قہقہہ قابل ستائش تھا اور اک تبسم خیز گدگدی کی ترجمانی بھی بہت خوب کر گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دروازہ کھلا تو عاقل اندر داخل ہوتے ہی سادان تک پہنچا جواب تھوڑا فکر مند تھا۔

"سائیں فلذہ باجی اور منظور چچا بہت ڈرے ہوئے تھے، دراصل آج دنکو انجیل صاحبہ پھر سے فلذہ کو بہت برا دھمکا کر آئی ہیں کیونکہ انکو آپکے کل کے جانے کا علم ہو گیا ہے۔وہ کہہ رہی تھیں کہ سائیں کو کہنا ابھی مجھ سے رابطہ مت کریں، وہ بہت خوفزدہ تھیں اور یوں لگا بہت روئی بھی ہیں"

عاقل نے آتے ہی سادان کی بیقراری بھانپتے ہوئے سارا معاملہ گوش گزار کیا جس پر سادان کے چہرے کی رگیں اس انجیل پر آئی حقارت سے ناقابل بیان حد تک تن گئیں۔

"یہ عورت دن بدن عذاب بن رہی ہے، ٹھیک ہے مجھے یہ بتاو اس آدمی والا جو کام تھا اسکا کیا بنا" سادان اس وقت بہت غصے میں آچکا تھا مگر کچھ یاد آنے پر وہ عاقل کی سمت پھر سے مڑ کر بولا۔

"سائیں میں گیا تھا، وہ بہت عجیب مغرور انسان ہے۔میں نے اتنا کہا پر اسکا تو چپ کا روزہ ہی نہیں ٹوٹا اور جب میں نے اسے کہا کہ آپ اس سے ملنا چاہتے ہیں تو مجھے گھورنے لگا۔میرا خیال ہے آپ کو خود چلنا پڑے گا" عاقل

نے سادان کے پوچھنے پر خاصے اکتائے انداز سے اس آدمی کے اکڑے پن کا احوال سنایا جس پر سادان نے اپنی کن پٹی مسل کر دماغ پر زور ڈالا۔

ہمممم ٹھیک ہے، میرے بھائی اب تم نے میرا ایک اور کام کرنا ہے۔ حویلی کے سارے آدمیوں پر نظر رکھو اور جو انجیل بیگم کے خاص آدمی ہیں مجھے انکے نام دو، دراصل اس انگلی کے نشان سے ہم انجیل پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے لہذا اس روز انجیل کے ساتھ اس گھناونے فعل میں ملوث گواہ کی تلاش بہت ضروری ہے۔ میں بھی نظر رکھوں گا پر تم یہ کام بہتر سے کر سکتے ہو"

سادان نے کچھ دیر اپنے سر کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے کے بعد سخت ذہنی دباو کے تحت عاقل کو اپنا اگلا لائحہ عمل بتایا جس پر عاقل پوری جواں مردی سے ڈٹنے کا عہد کر چکا تھا۔

سائیں آپ بے فکر رہیں، باری باری سب کی ٹھکائی کرواتا ہوں دیکھیے گا" کیسے سچ فر فر اگلیں گے" سادان کو اس قدر پریشان دیکھ کر عاقل کا دل چاہا سادان کی مصیبت بنے ہر فرد کو دنیا سے غائب کر دے۔ نا چاہتے ہوئے

بھی سادان نے بہت پیار سے عاقل کو دیکھا جو اسکی فکر مئں اس سے زیادہ نڈھال تھا۔

"میرے کملے ٹھکائی نہیں، مجھے تمہاری بھی سیکورٹی قائم رکھنی ہے۔ کیونکہ وہ عورت جانتی ہے کہ تم بھی میری کمزوری ہو۔سچ کہوں تو میرے سر کے آدھے بوجھ تو تم نے خود پر لادر کھے ہیں۔ یہاں آو، جھپی تو بنتی ہے اس پر تمہارے سائیں کی طرف سے، بلکے یہ بھائی کی طرف سے" سادان ان الجھے حالات کی سلجھتی ڈگر پر گامزن ہوئے اپنے اس مہربان جانباز ساتھی کو کیسے بھول جاتا، اور اسے بھی سائیں کی دی ایسی دلفریب محبت پر خود میں مزید پھرتی، بجلی اور وفاداری اترتی محسوس کرتا پوری جان اور آب وتاب سے مسکرایا تھا۔

"آپ کی خوشیوں کے لیے دعا گو ہوں سائیں، اللہ آپ کے حصے کی مصیبت بھی مجھ حقیر کو دے دیں۔اور دیکھیے گا بہت جلد آپ سرخرو ہوں گے" سادان کے سینے سے الگ ہو کر وہ پوری سچائی اور خلوص سے سادان

کا حوصلہ بھی بڑھا گیا جس پر سادان نے برادرانہ شفقت کے سنگ عاقل کی گال تھپکائی اور وہ فرمابرداری سے کمرے سے باہر چلا گیا۔

سادان نے پھر سے اپنے فون میں اب چہرے پر خفگی لا کر میسج ٹائپ کیا۔

بیپ کی آواز پر وہ جو غم سے نڈھال تھی، فوراً فون کی سمت مڑ کر اسے اٹھاتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ روئی سی سوجھی آنکھوں کے سنگ میسج اوپن کیا۔

"فون اٹھاو ورنہ میں ابھی آ رہا ہوں، مجھے مرنے سے زیادہ تمہارے اس عجیب روتو رویے کا دکھ ہے۔ فون کا اس چڑیل کو کس نے بتانا ہے فلذہ، پلیز میری جان اس لیے کال اٹھاو" سادان کا میسج ابھی اس نے بھرائی سی آواز سے پڑھا ہی تھا کہ ساتھ ہی جناب نے کال ملائی جسے فلذہ نے اب اٹھا کر اپنی ناک سکیڑ کر اور بے دردی سے آنکھیں رگڑے دم سادھا۔

"اب تم نے مجھ سے حقیقت میں ڈانٹ کھا لینی ہے فلذہ، کیوں کال پک نہیں کر رہی۔ اور یہ رو کس خوشی میں رہی ہو" سادان جو پہلے ہی حالات پر

برہم تھا اب دل چاہا اس کو بھی آج لگے ہاتھوں جنجھوڑ کر ڈانٹے جو اسے مزید ہلکان کر رہی تھی۔

"آپ مجھے کال مت کریں، مجھے بات نہیں کرنی۔ خدا کے لیے سائیں خود پر نہیں تو مجھ پر ہی رحم کھالیں۔ وہ عورت آپکو مار دے گی، اور میں تو آپ پر آئی ہلکی سی آنچ سے ہی مر جاؤں گی" آنسو کا اک گولا تھا جو فلذہ کے حلق میں اٹکا اور سادان اسکی اس اخیر ردر د دیتی بات پر اب سخت کوفت زدہ ہو کر بیڈ پر سیدھا جا لیٹا۔

"یا میرے اللہ مجھے صبر دیں، فلذہ یہ کیا پاگل پن ہے۔ تم اس خبیث عورت کے لیے مجھ سے ایسے رویہ رکھو گی۔ ملنے سے تو مجبور اور تم بات کا حق بھی لے رہی ہو، ہاتھ لگو تم ایک بار اس ظلم کا خوب بدلا لوں گا۔ ظالم لڑکی" سادان بھلے منصوعی برہم تھا پر فلذہ کا تو رو رو کر سانس بے ربط تھا، کیا کرتی بہت ڈری ہوئی تھی۔

آپ مزاق مت سمجھیں اس سب کو، میں آپ سے بات کرتی رہی تو رونا "
نہیں روک پاؤں گی۔اور میں روئی تو آپ پریشان ہوں گے۔ کچھ عرصہ
آپ مجھے بھول جائیں خدا کے لیے، وہ عورت جب تک کہیں چلی نہ جائے
مجھے بھول جائیں۔سائیں میری بات مان لیں ورنہ اس خوف سے میرا دل
بند ہو جائے گا، آپ نہیں جانتے وہ آپکو مارنے والی تھیں "روتے روتے
فلذہ کی آواز بندھ گئی اور اب سادان بھی حقیقی تفشیش لیے یک لخت اٹھ
بیٹھا۔واقعی اس سے فلذہ کا رونا نہیں سہا گیا تھا۔

پہلے تو یہ رونا بند کرو اور خبردار جو تم اس عورت سے ڈری، تم سادان حق "
کی بیوی ہو اور چڑیا جتنا دل۔۔۔۔۔۔۔کوئی سنے گا تو سچی ہنسے گا کہ شیر کی
ایسی ڈرپوک بیوی۔۔۔میری جان میری پاگل شہزادی یہ سب سوچنے کی
تمہیں ضرورت نہیں۔تم سے بات نہ کی تو تمہارے سائیں پاگل ہو جائیں
گے اور تمہیں پتا ہے کہ پاگلوں کا کوئی بھروسہ نہیں۔یہ نہ ہو تمہارے گھر
کے دروازے کے باہر ہی خیمہ لگالوں پھر مت کہنا" سادان تو معاملے کی

نزاکت کو واقعی بہت ہلکا لے رہا تھا مگر فلذہ جانتی تھی کہ وہ عورت جو کہہ گئی ہے اس پر عمل پر بھی قادر ہے۔اس بات پر تو فلذہ مزید دردناک ہو کر سخت تاسف زدہ ہوئی کیونکہ سادان اسکی بات سمجھ کر بھی سمجھ نہیں رہا تھا۔

اف" وہ جیسے ہار گئی تھی، سادان نے بھی اب پریشانی کے سنگ فلذہ کے " ڈر پر توجہ دی۔

اچھا ٹھیک ہے مان جاتا ہوں تمھاری بات، لیکن ایک شرط پر" سادان پھر " سے بیڈ پر لیٹے اب کشن اپنے ہاتھ میں دبوچے پر سکون ہوا اور فلذہ نے تو سراپا سوال بنے دم سادھ لیا تھا۔

کہیں کیا شرط" ابھی بھی مس روتو بنی فلذہ پر اسے شدید پیار آرہا تھا جو " اسکے لیے اسقدر کملائی ہوئی تھی۔

میں وہاں آوں گا تو میں مر جاوں گا یہی ڈر ہے ناں، بس پھر جب میں " چاہوں گا تم مجھ سے حویلی ملنے آو گی۔اور اب تم نے انکار کیا تو سچ کہہ رہا

ہوں ابھی تمہارے پاس آجاوں گا" بچارا اس آگے ہی نڈھال پری کا بہت کڑا امتحان لے رہا تھا اور وہ اب بالکل بے جان سی مزید برا رو دی تھی۔

فلذہ، کچھ نہیں ہوگا تمہارے سائیں کو۔ ہاں تم دور رہی تو پھر یقینا کچھ ہو جائے گا۔ وہ عورت بہت جلد عبرتناک انجام تک پہنچے گی اور مجھے کسی بھی قیمت پر تمہارا دور ہونا قبول نہیں ہے۔ جیسے بھی حالات ہوں تم مجھ سے دور ہوئی تو میں ضد میں آکر بلا بن جاوں گا۔ اور تمہیں ابھی میری نرمی کا ادراک ہے، میرے غصے کا نہیں" سادان بھی اب ضدی ہو رہا تھا، شاید وجہ اسکا اور فلذہ کا یہ خاص بندھن تھا جو اسے کسی کمی پر اکتفا کرنے پر مطمئین نہیں کر پا رہا تھا اور فلذہ کے پاس اب رونے کے سوا کوئی جواب نہ تھا۔

میں ہی آپکی ہر تکلیف کی وجہ ہوں، پاس تھی تب بھی آپکا قرار نہیں بن سکی اور آپکے لیے نئی نئی تکلیفیں لاتی رہی اور دیکھیے سائیں دور ہو کر بھی اپنے اور آپکے درد کا باعث ہوں۔ مجھے ہی زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں، نہ

آپ میری تکلیف سمجھ رہے ہیں نہ میری بے بسی۔ آپ نے مجھے کال کی یا آپ ملنے آئے تو سچ کہہ رہی ہوں اپنی جان لے لوں گی" فلذہ یہ سب بہت تکلیف کی انتہا پر آ کر کہتے ہی فون بند کر گئی اور کتنی ہی دیر ساداان کے لیے ہوش میں آنا ناممکن رہا۔

اسے کیا ہو گیا ہے اب، یا اللہ یہ لڑکی واقعی پاگل ہو گئی ہے" ساداان نے تو سخت جھجھری لیے اس عجیب سی بات پر اپنے دہلتے دل کو سہلائے خود کلامی کی اور بے بسی سے وہیں کروٹ بدلے رنجیدہ ہو گیا۔ شاید فلذہ کے پاس ساداان کی سلامتی کا یہی حل تھا مگر وہ بھی یہ کہہ کر سخت تکلیف میں تھی۔

ٹھیک ہے مجھے تمہاری طرف سے دی جدائی قبول ہے لیکن اپنا خیال" رکھنا۔ میں جلد یہ سب ختم کر کے تمہیں اپنے پاس لے آوں گا۔ رومت میں تمہاری تکلیف اور بے بسی سمجھتا ہوں پر تمہاری دوری سہنا مشکل ہے تبھی ایسا کہہ گیا" ساداان نے کروٹ پر لیٹے ہی میسج ٹائپ کیا اور فون کو سائیڈ پر رکھتے اپنی تھکی آنکھیں موندھ گیا۔ دوسری طرف فلذہ بھی میسج

پڑھنے کے بعد اپنے چہرے پر آئے پر حدت آنسو ہٹائے اپنی اکھڑی سانسوں کے سنگ آنکھیں موندھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زندگی کیا ایسے بھی بدل سکتی ہے، کل سے رمشہ بہت چپ چپ تھی۔ بھلے اسے تیمور سے لاکھ نفرت سہی پر ناجانے اسکا یوں چپ چاپ اپنے وعدے پر عمل کرنا اسے متاثر کر گیا تھا۔

یہ محرم رشتے اور انکا کھچاو ہم انسانوں کی ادنی فہم میں سمو ہی نہیں سکتا۔ وہ جو اسکے چھونے پر تب خود میں اذیت اترتی محسوس کر رہی تھی اب وہ قربت اسے ناجانے کیوں یاد آ کر الجھا رہی تھی۔

گھر کے صحن پر چھم چھم برستی صبح سے ہلکی ہلکی بوندوں کو دیوار سے ٹیک لگائے دیکھتی وہ پریشان ہو کر بھی پریشان نہ تھی۔ بالکل ویسے جیسے کسی نے کسی کو سزا دینی ہو اور سزا پانے والا اپنی مرضی کے عذاب کو چن کر فرار ہو

جائے۔یہ بھینی بھینی اداسی تیمور کے چپ چاپ چلے جانے پر رمشہ کی نفرت میں کمی کی ترجمانی کر رہی تھی۔ گرتی بوندیں زمین میں جذب ہو کر ناک کے ذریعے دل میں نمی اتار رہی تھی۔وہ ناچاہتے ہوئے بھی اپنے دل کو پگھلتا محسوس کر رہی تھی پر وہ کیسے یک لخت جان پاتی کہ اسکا مجرم،اپنے جرم سے کئی گنا بڑی سزا پانے نکل چکا تھا۔

یہی اداسی دوسری طرف بھی موجزن تھی،وہ بالکونی پر کھڑا سامنے آتے جاتی ٹریفک کے شور پر سماعت اور نظریں آسمان پر پھیلے کہیں کہیں بادلوں پر مرکوز کیے سینے پر بازو باندھے ہوئے پتھر تھا۔

بلیک ٹراوزاور گرین شرٹ،بالوں کا بکھراپن اور چہرے پر پہلے سے زیادہ بڑاروان اسے عمر سے بڑااور منجھا عاشق دیکھا رہا تھا۔

تیرے عشق نچایا کر کے تھیّا تھیّا"

تیرے عشق نے ڈیرا،میرے اندر کیتا

بھر کے زہر پیالہ، میں تاں آپے پیتا
چھیتی موڑیں وے طبیبہ، نہیں تاں میں مر گئی آں
تیرے عشق نچایا کر کے تھیّا تھیّا
ایس عشقے دی جھنگی وچ مور بولیندا
سانوں قبلہ تے کعبہ، سوہنا یار دسیندا
سانوں گھائل کر کے، فیر خبر نہ لئی آں
"تیرے عشق نچایا کر کے تھیّا تھیّا

نور دین جو صبح کا ناشتہ بابا بلھے شاہ کے اس کلام کے سنگ بنا رہا تھا، یوں لگا تیمور کے دل میں یہ تھیا تھیا کا راگ اتر کا تہلکہ مچا گیا ہے۔ کیا تیمور کے من میں عشق کی فقیری کا رنگ پیدا ہو رہا تھا، کیا ہو رہا تھا اس شیدائی پگلے نمانے کو۔ دل کے درد سے درد کو سہہ کر واقف ہوا جاتا ہے بھولے بادشاہ، اور تیری ہدایت تیرا عشق ہے۔ خود کو وہ ان بادلوں میں دیکھ رہا تھا، آسمان پر

اپنی ہار کے متبادل کوئی جیت ڈھونڈ رہا تھا۔ اور پتا ہے انسان آسمان سے ہمکلامی کب سیکھتا ہے؟ ارے جب وہ اپنا ناطہ زمین سے توڑ لیتا ہے۔ تیمور کی ہنسی، خوشی اور قرار اب اسکی پہلی ترجیح نہ تھے، اب اسکی پہلی ترجیح تھی کہ وہ کس حد تک خود کو قابل یقین اور معافی کے لائق بناتا ہے۔

رہ گئے ہیں جو تجھ میں، میرے لمحے لوٹا دے

میری آنکھوں میں آ کے، مجھے تھوڑا رلا دے ____

اور پھر سادان، اسکے لیے یہ صبح تھوڑی دردناک تھی، ایک تو شہزادے پر فلذہ کے جدائی کے فیصلے کا بوجھ تھا اور دوسرا وہ ملاقات جو اسکے روم روم میں کانٹے چبھو گئی۔

وہ شخص جس کے ٹھاٹ باٹ نوابی، چہرہ تنفر اور نخوت زدہ، چال رئیسانہ، حال مغرورانہ ہوا کرتا تھا اب جیل کی لوہے والی سلاخوں کے پیچھے قیدی اور قاتل کی مانند ٹیگ زدہ نمبر والے لباس میں اک اجڑا شخص تھا۔ آج پہلی بار

اسکا جی چاہا سادان کو اپنے سینے سے لگائے پر آہ یہ سلاخیں، یہ سلاخیں وہ عبرت تھیں جو اس شخص پر قرض تھیں۔ خود سادان کی آنکھوں میں بابا سائیں کی ایسی اجڑی حالت دیکھ کر سیلن زدہ نمی اور تلخی اتری جسے اس نے یوں مٹا ڈالا جیسے اپنا دکھ چھپا رہا ہو۔

"آپ نے ساری زندگی مجھے محرومی اور حقارت کے سوا کچھ دیا تو نہیں پر مجھ پر یہ فرض تھا کہ آپکو بچانے کی ایک کوشش کرتا تاکہ کل کو مجھے یہ تکلیف نیند سے جنجھوڑ کر جگاتی نہ رہے کہ میں نے اپنے ظالم بابا کے لیے کچھ نہیں کیا۔ آپ کا کیس لڑنے والا ہوں، ہو سکتا آپکی سزا میں کمی کر پاوں۔ انجیل بیگم نے بہت بڑی گیم کھیلی تھی، وہ آپکی اور کرمان چاچو کی نہ صرف سوتیلی ماں تھی بلکے دادا اور دادی کی قاتل بھی تھی۔ یہ سچ یقیناً آپکی بھی سانس روک چکا ہو گا پر یہی سچ وہ کاری ضرب ہے جو آپکے رہے سہے غرور کو توڑے گی، آپ اور چاچو تو بس مہرے تھے اس بدذات عورت نے ثابت کیا کہ وہ اس دنیا کی سب سے بڑی ظالم ہے" سادان کا بھیگی پلکوں سے

گرتے آنسوؤں کو بے دردی سے صاف کرتے ہوئے کانپتے لہجے میں ایک ایک لفظ اس نڈھال بوڑھے شخص کو بتایا تو اسکے وجود، روح اور دل ودماغ کو چورا کر گیا۔

آج یہ منظر تاریخ کے سیاہ باب میں لکھنا بنتا تھا جب ایک فرعون صفت انسان کی تنی رہنے والی آنکھیں شرم اور پشیمانی سے جھک کر رو دیں۔ وہ سارا کرب جو اس شخص نے معصوم لوگوں اور اپنے خاندان کو دیا آج اس سچائی پر سارا بہا۔ اپنے بالوں کو درندگی سے جکڑتا درمان زمین پر بمشکل لڑکھڑا کر بیٹھا اور سادان کا بس نہ چلا کے روتا ہوا بابا کے سینے سے جا لگے۔ دنیا کے سامنے تن جائے کہ دیکھو یہ میرے بابا ہیں، انکو کچھ مت کہو۔ پر یہ دنیا ہے، یہاں فرعون کی کوئی معافی نہیں۔ یہاں سفاکی اور دردناکی سے ظلم ڈھانے والے قاتلوں کے لیے صرف پھانسی کا پھندا بچتا ہے۔ سادان کی سانس بے ربط اور سرخ آنکھیں کرب کی انتہا کی غمازی کر رہی تھیں اور وہ اب بابا کی تکلیف میں کمی پر قادر نہ تھا۔

آپ نے ایک باپ ہونے کا فرض کبھی نہیں نبھایا اور یقین مانیے میں آپ "
سے کہیں درجے تکلیف میں ہوں، میری ماں نے رو رو کر اپنا حال برا کر
لیا۔ ہم آپکے اپنے تھے اور آپ نے ہمیں اس قابل نہ چھوڑا کہ ہم زرا بھی
اپنا پن کر پائیں۔ اللہ سے دعا کروں گا وہ مجھے اس ظلم کے باوجود آپکا دکھ نہ
دے۔ آپکو کچھ ہوا تو اماں جی نہیں سکتیں اور میں،۔۔۔۔۔۔ ناجانے
۔۔۔۔۔" سادان سے تو بات بھی نہ ہو پائی، اس سے پہلے کے وہ
دلبرداشتہ سا وہاں سے جاتا کسی قبر سے نمودار ہوتی مردہ آواز پر سادان کے
قدم تھمے اور مڑا جہاں درمان سلاخیں پکڑ کر روئے اور تباہ کن حال میں
اپنے ہاتھ جوڑ کر رو رہے تھے اور یہ منظر دیکھ کر سادان کا دل کئی گنتی میں نہ
آسکنے کی حد تک ٹکڑے ہوا۔

میرے لیے کچھ مت کر سادان، بس مجھے معاف کر دے۔ ماں سے بھی "
کہنا، میں اب واپس نہیں آوں گا۔ جس روز تو نے میری سزا میں کمی کا سوچا
اس روز تیرے بابا سائیں کی سانس رک جائے گی" یہ کیسا موڑ تھا کہ

سادان کو لگا وہ ہر حس کے باوجود نہ بول سکتا ہے نہ سن سکتا ہے اور نہ زندہ رہا ہے۔ کئی آنسو سادان کے چہرے کی ہولناکی میں اضافہ کر رہے تھے مگر درمان پتھرا چکے تھے۔

"ایسا مت کہیں خدا کے لیے، مجھ پر مزید ایسا بھاری بوجھ مت ڈالیں ورنہ میری سانس بھی رکنے کے مرحلے میں ہے۔ مجھے کرنے دیں کوشش بابا خدا کے لیے، نہیں جی سکتا آپ کے بنا۔ جو بھی ہے آپ میرے بابا سائیں ہیں، پریشان مت ہوں یہ سارا کیا کرایہ اس ناگن کا ہے۔ آپ کو بچانے کی آرزو ہے، بابا سچ کہوں تو مجھے آپکی کمی کچھ بھی ہونے کے باوجود قبول نہیں۔ وہ میری سوتیلی دادی ہے تب بھی مجھے رنج ہے پر آپ میرے بابا ہیں۔ مجھے کوشش کرنے دیں، باقی جو آپ کہیں" درمان کی آنکھیں اس بیٹے کے ظرف پر پھٹ پڑیں اور وہ سخت کرب سے رو پڑے، شاید سادان واقعی انکے گناہوں کے باوجود ایک ایسا کرم اور رحم تھا جسکے وہ فرعون شخص رتی برابر قابل نہ تھا۔

وہ شرمندہ تھا، مر جانا چاہتا تھا پر سادان نے آخر کار اس مسمار شخص کو اپنی کوشش کے لیے منا لیا۔ دو ہفتے بعد اس کیس کی پہلی سماعت تھی اور سادان کی زندگی میں بہت سے بدلاو آتے دیکھائی دے رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سادان، کدھر تھے تم۔ ایک اچھی خبر ہے "تھکے ہارے انداز میں وہ ابھی اپنے کمرے میں پہنچا ہی تھا کہ کرمان بے قراری سے اسکی جانب لپک کر اسے بھی اس اچھی خبر سے چونکا گئے۔ عاقل بھی سننے کو بے تاب تھا۔ باباسائیں سے ملنے گیا تھا، اچھی خبر ہے تو جلدی سنائیں کان ترس گئے ہیں" سادان کے اندر آتے ہی عاقل نے احتیاط سے دروازہ بند کیا اور اب وہ تینوں ہی آمنے سامنے تھے۔ عاقل بھی ہاتھ باندھے منتظر تھا۔

انجیل بیگم نے طفیل بھٹی کے آگے کومل کو بیچا تھا، اس شرط پر کے وہ "تمہاری یعنی حویلی کے وارث کی جان نہ لے۔ اس نے زرا سی چھترول پر سارا معاملہ پولیس کو بک دیا ہے، اور اسکے تین آدمیوں میں سے ایک مر گیا۔ دوسرا اسکا بیان دستاویزی صورت ہمارے پاس دو ہفتے تک پہنچ جائے گا" ایک اور گھناونے روپ سے بروقت پردہ ہٹا اور ساداں کو تو اس عورت کے اس قدر شاطر ہونے پر حیرت تھی کہ اتنا گھٹیا تو شیطان بھی نہیں سوچتا ہوگا۔ پر یہ ایک واقعی اچھی خبر تھی کیونکہ انجیل کے خلاف اب جتنے زیادہ ثبوت ہونے تھے اتنا انکا کیس مضبوط ہونے والا تھا۔

نہایت ہی کوئی بدذات عورت ہے یہ، یعنی اگر مجھ سے بھی اسے وارث کا" مطلب نہ ہوتا تو کب کی مجھے بھی مار چکی ہوتی۔ چلیں یہ دستاویزی ثبوت ہمارے اچھے کام آئے گا باقی آپ نے بھی خلفی گواہ بننا ہے چاچو، اسکے علاوہ بھی اب میں یہ کچھ دن خود اس عورت پر نظر رکھوں گا۔ یہ بتائیں اس بھٹی کو سزا ابھی ہوئی ہے یا نہیں" ساداں کے لہجے میں اب انجیل کے لیے

صرف ہتک آمیزی تھی جسکے وہ قابل تھی۔ سادان اب تفشیش زدہ ہوئے

مزید استفسار کیے مخاطب ہوا۔

"ہاں اسکے کچھ پرانے کھاتے بھی کھلے ہیں، ان شاءاللہ سزا تگھڑی ہو گی۔

باقی پنچائتی تو ڈر کے مارے اب اپنے گھروں میں نظر بند ہو گئے ہیں کہ

کہیں سادان انھیں بھی گچی سے پکڑ کر گھسیٹتا جیل میں نہ ڈال آئے" بہت

دن بعد اچھی خبریں سنائی دی تھیں اور کرمان کا دکھ بھی تھوڑا سہی پر کم ہوا

پر سادان کو ابھی عائشہ والا معاملہ بھی نمٹانا تھا۔

"سادان اب سبکو چن چن کر گھسیٹے گا بس ایک دفعہ عائشہ بہتر ہو جائے،

پہلے تو اس علی اور اسکے باپ کو تگنی کا ناچ دیکھاوں گا تاکہ انکی آنے والی کئی

نسلیں یاد رکھیں۔ اور پھر یہ فیصلہ کرنے والے ہر بے غیرت کو بے آبرو

کر کے انکی عزت اتروا کر ہی دم لوں گا۔ گھٹیا لوگ" آئے ہائے کیا جرت

اور دلیری تھی، سہی بادشاہوں والا جاہ وجلال تھا۔ شہزادہ تو اب سب سیاہ

بدبختوں پر بجلی بن کر گرنے والا تھا اور عاقل اور کرمان کا سینہ بھی یوں لگا ٹھنڈا ہوا ہے۔

بالکل۔۔۔ایسے لوگ انسانیت پر کالک ہیں۔ویسے کیا کہتے ہیں وہ دونوں" مردود۔۔۔کچھ شرمندگی ہے انکو یا ویسے ہی اکڑے ہیں"اب کی بار کرمان کے لہجے میں بھی افسوس تھا اور پھر وہ کچھ یاد آنے پر پوچھ بیٹھے جس پر سادان اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اٹھ کر کھڑکی کی طرف آیا اور اپنی نگاہیں کسی غیر مرئی نقطے پر جمائیں۔

صلح صفائی کی منت کر رہے ہیں، عائشہ کو اب کوئی تکلیف نہ دیں گے، " معاف کر دیں۔بچہ ہے بہک گیا تھا فلاں فلاں۔۔۔۔دل تو میرا یہی کیا اپنی جوتی ہی اتار کر اسکے باپ کا سر گنجا کر دوں، کیسے کیسے درندے ہیں۔یعنی اس بچی کو موت کے منہ میں دھکیل کر کس بے غیرتی اور ڈھٹائی سے یہ سب بکواس کر رہے ہیں۔اگر عائشہ کو کچھ بھی ہوا تو انکو بھی جیل اور عدالت میں گھسیٹوں گا۔معافی تو ایسے نجس لوگوں کو نہیں ملے گی، عائشہ

کی کفالت مجھے خود بھی کرنی پڑی تو کروں گا پر اس بچی کے ساتھ اب ایسا کوئی ظلم نہ ہو گا" سادان نے تلملاتے ہوئے ساری صورتحال بتائی جس پر خود کرمان اور عاقل کے اعصاب بھی افسوس سے تن گئے تھے۔

"""میرا مطلب۔۔۔۔۔بات تو تمہاری ایک دم درست ہے پر اگر وہ بچی

کرمان کچھ کہتے کہتے رک گئے جس پر سادان انکی روک دی جانے والی بات کا مفہوم سمجھ کر اپنی کنپٹی مسلتا ہوا عین دوبارہ صوفے پر آکر براجمان ہوا اور ایک تھکی سانس خارج کی۔

" ایسا ویسے ہے تو ناممکن کیونکہ ابھی وہ نہایت چھوٹی ہے پر دعا کریں ایسا نہ ہو، اس بچی نے پہلے ہی اتنا کچھ سہہ لیا اوپر سے اگر وہ کسی صورت امید سے ہو جاتی ہے تو یہ بہت برا ہو گا۔پہلے ہی اسکی جان بچانا ناممکنات میں سے ہے اور، بس کسی طرح یہ نہ ہو اور میں اسکی اس غلیظ علی سے طلاق کروا سکوں، کیونکہ اب ایک فیصلہ عائشہ کی حفاظت کے لیے سادان لے گا" سارے خدشات ایک طرف پر سادان بھی وہ سوچ رہا تھا جو دیوانے کا خواب ہے۔

اور یہ وہ بھی جانتا تھا، عاقل اور کرمان بھی جانتے تھے کہ کچھ بھی ناممکن نہیں ہوتا۔ مگر سادان آخری بات کرتے ہوئے عاقل کی سمت دیکھ رہا تھا نا جانے اس میں کیا حکمت چھپی تھی۔ عاقل اور کرمان تو بس پریشان سے اس صورت حال میں دبے لگ رہے تھے۔

لیکن اگر ایسا ہو کہ اس سب کے بعد اس بے عقلے کو واقعی ہداہت مل" جائے تو پھر تھوڑی رعایت کے بارے میں سوچا جاسکتا ہے۔ میں جانتا ہوں سادان تمہیں میری بات عجیب اور ناقابل قبول لگ رہی ہے پر اللہ ہدایت دینے والا ہے اور جب ہم اپنی جنگ میں کامیاب ہو جائیں گے تو اس معاملے پر ہمیں ہر پہلو سے سوچ کر فیصلہ لینا ہوگا۔ ابھی اس معاملے کو عائشہ کی مکمل صحت یابی تک کلوزر کھو" کرمان نے اپنی طرف سے ایک اچھا مشورہ دیا تھا اور سادان بھی متفق تھا مگر چونکہ عائشہ ابھی خود آٹھ سال کی تھی اور اس کا امید سے ہونا ویسے تو ناممکن تھا لہذا اگر خدانخواستہ ایسا کچھ ہو بھی جاتا تو کم از کم سادان اس بچی پر کوئی مزید ظلم نہ ڈھانے دینے والا تھا

نہ اسکے ساتھ بے رحمی کرنے والوں کو چھوڑ سکتا تھا۔اللہ کے کاموں کا ہم انسانوں کو علم نہیں ہوتا لھذا یہ معاملہ ایک بہت نازک امر تھا جس پر وہ طبعیت کی بہتری کے بعد سوچنے والے تھے۔ سب عائشہ کی

اگلے دو ہفتے ایک طرح چپ چاپ اور ڈھکے چھپے انداز میں گزر گئے تھے۔ تیمور کی سپلی کا پیپر ہو گیا تھا اور اسے امید نہیں یقین تھا کہ وہ اب میٹرک کلئیر کر لے گا۔ رمشہ بھی اپنی پڑھائی اور گھریلو کاموں میں دوبارہ سے مگن ہو چکی تھی ہاں یہ ہوا تھا کہ اب وہ دونوں غائبانہ ایک دوسرے کو کسی بھی وقت سوچ لیتے تھے۔انداز مختلف تھا پر شدت ایک سی تھی۔فلذہ نے بھی بے رحمی کے سارے ریکارڈ بریک کر کے سادان سے کوئی بات نہ کی اور پھر بھی سادان اسے لمبے لمبے میسج کرتا رہا، جس میں اپنے دن کا احوال اور شہزادی کی یاد کی خلش اور دوری کا درد جھلکتا تھا اور وہ بس میسج سین کر لیا کرتی جس سے سادان کو بھی تسلی رہتی۔وہ بھی اپنے میٹرک کی تیاری میں خود کو ہر ممکنہ حد تک لگانے میں لگی تھی، یہ الگ بات تھی کہ سائیں کو اکیلا

کر کے وہ خود بھی افسردہ اور بجھی ہوئی تھی۔ انجیل بیگم کو تو جیسے اب اپنی جیت کا یقین تھا کیونکہ حویلی کے ساتھ ساتھ گاوں میں بھی بڑی پر سکون خاموشی تھی یہ الگ بات کے یہ خاموشی طوفان سے پہلے کی وارننگ تھی۔ تبریز اپنی سزا چار و ناچار کاٹ رہا تھا اور عالیہ نے کرمان چاچو کے ساتھ اب کومل کی جگہ سکول سنبھال کر خود کو مصروف کر لیا۔ باقی رہیں سلطانہ، وہ تو بجھ گئی تھیں۔ پل پل اپنے بچوں اور سائیں کی خیر مانگنے سے بھی باز نہ آتیں۔ سادان یہ دو ہفتے بہت کچھ کرتا رہا، اسکی نظریں انجیل کے ہر انداز پر خفیہ درج تھیں اور عاقل اسکے بعد دو بار پھر اس بوڑھے سے ملنے گیا اور بچارا اب دلبرداشتہ حد تک اکتا گیا جس پر سادان نے فیصلہ کیا کہ وہ پھر خود اس بوڑھے سے ملنے جائے گا۔ وہ یہ معاملہ چھوڑ دیتا پر وہی خواب اسے ایک روز پھر سے آیا اور امام صاحب کی پیشن گوئی کے مطابق اب سادان نے اس خواب میں ایک بوڑھے نقاب پوش کو دیکھا جسکے بعد ہی سادان جانے کا فیصلہ لیا تھا۔ سادان کو انجیل کے دو نے اب خود دوسرے گاوں

مشکوک آدمیوں پر شک تھا اور اتفاق سے ان میں ایک زلفی تھا اور زلفی ہی وہ آدمی تھا جس نے کورٹ میں انجیل کے خلاف گواہی کے لیے پولیس کو خفیہ طور سے سب بتا رکھا تھا۔ اور پھر ڈیرھ ہفتے کے بجائے دو ہفتے بعد مس زینیہ علی نے گاوں آنے کا فیصلہ لیا اور آج دس بجے تک وہ اپنی دس رکنی ٹیم کے ساتھ حویلی کے ہی ایک دوسرے گھر یعنی مہمان خانے میں ٹھہرنے والے تھے۔ وہ لوگ گاوں آکر یہاں کے لوگوں میں آگاہی پھیلانے والے تھے اور دوسرا عائشہ کا کیس بھی زینیہ نے خود ہنڈل کرنے کا فیصلہ لے کر سادان کی مشکل حل کی تھی، حتی کہ زینیہ اور انکی این جیو نے اس بچی کو پڑھانے لکھانے، اسکی پرورش کا ذمہ لینے کی بھی ٹھان لی تھی۔ عائشہ کی طبعیت ان دو ہفتوں میں کئی بار اس قدر بری ہو گئی کہ اسکے بچنے کی امید نہ رہی اور آخر کار وہ موت اور زندگی کے بیچ جنگ جیت کر زندگی کی طرف لوٹ تو آئی پر ابھی اسکے وجود، اور روح پر لگے زخموں کو مندمل ہونے میں بہت وقت درکار تھا۔ کومل اور شاویز کی زندگی میں گو

سکون آچکا تھا پر دونوں ہی سادان اور فلذہ کی مشکلات میں کمی کے لیے دعا گو تھے۔ایک ڈیرھ ہفتے کی سخت اور دل گیر تیمار داری نے شاویز کو بہت بہتر کر دیا تھا اور دونوں کے لاکھ منع کرنے کے باوجود خود سادان نے دونوں کی ٹنشن زدہ زندگی میں تھوڑا سکون واپس لانے کو کچھ دن پہلے ہی پیرس روانہ کیا اور خود گلناز اور اسد صاحب بھی چاہتے تھے کہ وہ ایک دو ہفتہ کہیں گھوم پھر آئیں۔بقول اسد صاحب کے یہی دن تو گھومنے پھرنے کے تھے اور سادان نے بھی شاویز کو حالات کنڑول میں آنے کی خوشخبری سنا کر اسے سختی سے ڈپٹا تھا کہ اب محترم اپنا سارا دھیان محبوبہ سادان سے ہٹا کے زوجہ کومل کو دیں جس پر اک عاشقانہ ہنسی دونوں طرف جھلملائی تھی۔اب یہ دیکھنا تھا کہ انجیل بیگم کی سفاکی کا انجام کیا ہوگا اور یہ زینیہ علی کون تھی اس سے بھی اب حالات پردہ اٹھانے کو تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ راستے جوں جوں قبر کے قریب جا رہے تھے اسکا دل کربناک سی تکلیف سے بھر رہا تھا۔ باقی کی ٹیم دوسری گاڑی میں گاوں فارم ہاوس پہنچ چکی تھی مگر زینیہ اپنی گاڑی میں ڈرائیور کے ساتھ تھی جو باہر پیچھے چھوٹتے منظروں پر دل پر ہاتھ سہلائے نا جانے کیوں پریشان حال تھی۔

خیر دین بابا یہاں آگے ایک قبرستان ہے، وہاں کچھ دیر گاڑی روکیے """

زینیہ نے خود کو بہتر کرتے ہوئے گاڑی جلاتے عمر رسیدہ سے ڈرائیور کو کچھ دور قبرستان رکنے کا کہا اور اس بات کے بعد اک تکلیف کا لمبا لرزاں خیز سلسلہ تھا جس نے زینیہ کو اپنی لپیٹ میں لیا۔

کیا یہ وہی زینیہ تھی ؟ اگر نہیں تو یہ قبرستان کیوں جا رہی تھی۔ آج شاید کئی سالوں پہلے کا اک اور راز کھلنے کو تھا۔

کچھ پانچ منٹ کی مزید ڈرائیو پر وہ گاڑی اک سنسان سے قبرستان کے قریب رکی اور دروازہ کھلنے پر زینیہ اپنے کندھے پر پھیلائی چادر اب اپنے سر

پر لیے ایک تھکی سی سانس خارج کیے باہر نکلی۔ نگاہیں یہیں سے قبرستان کے اندر تک جاکر زخمی ہوئیں اور پھر وہ صبح کی ہلکی پھلکی خنکی کے باوجود خود کو دہکتا محسوس کرتی ڈرائیور بابا کو وہیں رک کر انتظار کرنے کا کہہ کر اندر داخل ہوئی۔

کچھ فاصلے پر بنی قبروں سے بچ بچا کر چلتی زینیہ اب ایک قبر کے عین سامنے کھڑی تھی اور یک لخت وہ پر اعتماد سی زینیہ کی آنکھیں بھرنے لگیں۔ کنارے تک نمی ابھری اور پھر بہہ گئی اور گالوں سے بے آواز سیل رواں گزر کر اسے کسی ادھڑے ٹانکے کی تکلیف دینے لگا۔

ب۔۔۔ بابا جان" گویا ہر سو سناٹا پھیل گیا، وہ کسی اور کی قبر نہیں بلکے " کمہار یعنی زینیہ کے بابا کی قبر تھی اور یہ اس قبر پر کھڑی وہی زینیہ تھی پر ہر سمت پھیلا سناٹا حیران تھا کہ بھلا یہ لڑکی زندہ کیسے۔ وہ جو اپنا کئی سالوں سے قائم رکھا ضبط جوڑے ہوئے تھی سخت دردناک ہوئے روتی ہوئی اس قبر کے ساتھ بیٹھی اور کتنی ہی دیر اسکے آنسووں میں صرف کرب تھا۔

جانتی ہوں بہت دیر کر دی زندگی کی طرف لوٹنے میں پر آپ جانتے ہیں" میری جو حالت تھی اور اس پر آپکا بھی مجھے چھوڑ جانا، ہمت نہیں ہوئی زینیہ علی کی قبر کی سمت آنے کی۔ کیا کرتی بابا، یہاں آتی تو شاید یہیں خالی قبر میں آج دفن پائی جاتی۔ اور مجھے بدلا بھی تو لینا تھا، اس گھٹیا عورت سے، دیکھیے بابا جان آپکی زینیہ نہ صرف زندہ ہے بلکے ایک کامیاب اور عزت دار نام بن چکی ہے۔ خود کو درندگی سے بچا نہیں پائی تھی پر اپنے جیسی کئی زینیہ بچا کر سرخرو ہوں۔ کوئی دن ایسا نہ تھا جب میرے دل میں آپکی کمی نہ سلگی ہو، آپ نے بھی سب کی طرح زینیہ کو مرا سمجھ لیا بابا، کیوں بابا۔ جب تک آپ تک میرے زندہ ہونے کی خبر پہنچی تب تک آپ ہار چکے تھے۔ پر آپکی موت کا پورا بدلا لینے آئی ہوں، اور اپنی عزت کی نیلامی کا سارا حساب وہ گھٹیا عورت چکائے گی۔ دیکھیں ناں بابا، آپکی بیٹی آئی ہے" ایک کے بعد انکشاف اور اس حقیقت کا گواہ کچھ فاصلے پر کھڑا وہ شکستہ وجود تھا جو آج ایک اتفاقاً پھر سے زینیہ کی قبر پر آیا مگر یہ سب دیکھنے کے بعد کرمان کو لگا انکے

جسم سے آج سچ میں روح پرواز کر گئی ہے۔ وہ پشت کر کے قبر پر جھکی ہوئی اسکی زینیہ تھی یہ بات کرمان کے اعصاب پر بجلی گرا گئے۔ کوئی مرا ہوا زندہ کیسے ہوتا ہے۔ وہ اپنی لڑکھڑائی چال اور کانپتی ٹانگوں سے کچھ قدم آگے بڑھے مگر پھر نا جانے کیا ہوا کہ بمشکل سانس لیتے قبرستان کے احاطے سے باہر نکل کر تیز رفتاری سے اپنی گاڑی تک پہنچے اور جتنی جلدی ممکن تھا خود کو منتشر کر دیا۔ انکی حالت مخدوش تھی، چہرے پر سکتہ تھا۔

نہیں، وہ زینیہ نہیں ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے "دیوانگی اور پاگل پن کی انتہا" میں غرق وہ خود کو کہیں غائب کر لینا چاہتے تھے۔ انکے چہرے پر گزرے سالوں کی ساری تکلیف درج ہوتی گئی اور چلتی گاڑی یک دم روکے وہ اپنے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر خوف سے پھیرے اپنی پوری شدت سے دھاڑے تھے اور دل کو سہلا کر بہت روئے۔ جیسے انکے سینے میں سانس نے حرکت سے انکار کر دیا ہو۔

دوسری سمت زینیہ کو علم ہی نہ تھا کہ اسکے سائیں اسکی سچائی جان گئے اور ویسے بھی وہ اسے ابھی بھی پہچان سکتے تھے۔ زینیہ کافی دیر بابا کی قبر پر بیٹھی رہی اور پھر جانے سے پہلے اپنی ہم نام خالی قبر تک آکر اس نے اپنی سیلن زدہ آنکھوں کو بے دردی سے رگڑا۔

"یہاں تو کرمان سائیں کی زینیہ دفن ہے، وہ جو پاکیزہ اور معصوم تھی۔ کیسے سامنا کروں گی آپکا، خدا نہ کرے آپ مجھے پہچان سکیں۔ میں بس اس عورت کو سزا دینے کے بعد واپس اپنی دنیا میں لوٹ جاوں گی، میں اپنا مسخ شدہ اور بے آبرو سایہ آپ پر پڑنے نہیں دوں گی۔ پر نا جانے اپنی کہانی آپکو سنانے کی حسرت ہے، یہ حسرت کہیں مجھے ایک بار پھر بے جان نہ کر دے۔ یہاں سے آگے جانے کی جتنی ہمت لائی تھی اب ٹوٹ رہی ہے، یا اللہ میری مدد کریں" کئی پر حدت آنسو زینیہ کی پلکوں سے گالوں پر لڑھکتے گئے اور یہ وہ کرب تھا جو اسے کسی بھی لمحے توڑ دیتا تھا۔ پر اس بار اللہ کے ہاں کچھ اور طے تھا، کرمان جب تک اپنے بکھرے وجود کو سمیٹے اجڑی

حالت میں واپس قبرستان پہنچے تو وہ تب تک وہاں سے جا چکی تھی۔ زینیہ کی موت جتنی دردناک تھی اس سے کہیں زیادہ تکلیف کرمان کو اسے زندہ دیکھ کر ہوئی اور انکے تو سارے درد ہی انگڑائیاں لے کر جاگ اٹھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"بس میں کچھ نہیں جانتا ظالم لڑکی، آج تم ہر صورت آ رہی ہو۔ میں تمہاری مکمل سیکورٹی کا بندوبست کروں گا، دو ہفتے بعد کال اٹھا کر جو احسان کیا ہے اسکا بدلا تو دینا ہے مجھے" وہ ابھی ہی فارم ہاوس سے باہر نکلا تھا، زینیہ میم کو کچھ دیر ریسٹ کے بعد سادان کے ساتھ آج ہی عائشہ سے ملنا تھا جس پر اب وہ ایک چکر حویلی جا کر فریش ہونے کے بعد زینیہ اور انکی ٹیم کو ہوسپٹل لے جانے والا تھا لھذا اپنی گاڑی کا ڈور کھول کر ساتھ ساتھ خفا سا

دل تھام کر پھر سے خوف کھا کر سکتے میں مبتلا فلذہ سے کہہ رہا تھا جو لگتا تھا پھر سے خوف سے سفید پڑھ گئی ہے۔

"سائیں تبھی میں کال نہیں اٹھا رہی تھی، مجھے نہیں آنا۔ آپ سمجھتے کیوں نہیں" سادان کی خفگی سے بے نیاز وہ آبھی بھی روہانسی تھی پر محترمہ آج تو کھلی آفت لگ رہی تھیں۔ فلذہ کے صاف انکار پر سادان کا گلاب چہرہ مرجھا گیا تھا۔

"میں تم سے اتنے دن دور رہ کر تھک گیا ہوں شہزادی، کیا میری محبت ایک ملاقات کا حق نہیں رکھتی۔ اتنی ظالم مت بنو کہ میں سچ میں تم سے ناراض ہو جاوں، عاقل آئے گا رات کو چپ چاپ آجانا۔ حویلی میں اب انجیل بیگم کے آدمیوں سے زیادہ سادان کے وفادار ہیں اس بار کچھ نہیں ہو گا بس تھوڑی دیر مل کر چلی جانا، میرا اجڑا سا کمرہ تمہیں بہت مس کر رہا ہے۔ تھوڑا اسکے آباد ہونے کی سبیل کر دو جان، میں انتظار کروں گا"

سادان واقعی اسے شدت سے یاد کر رہا تھا تبھی فلذہ کے انکار کے ڈر سے

اس نے اپنی بات تاسف سے مکمل کر کے رابطہ منقطع کر دیا اور اب فلذہ خود بھی اتنی لمبی جدائی پر اندر سے آدھی ہو گئی تھی لہذا ظلم میں کمی کا فیصلہ لے بیٹھی۔

سادان کو ابھی بھی فلذہ کے آنے کا یقین نہ تھا کیونکہ وہ جانتا تھا وہ بہت ڈری ہوئی ہے مگر وہ بھی جدائی سے ہلکان ہو کر مجبور تھا۔ حویلی پہنچ کر وہ کرمان کو انجیو ٹیم کے پہنچنے کا بتانے کے لیے اپنے کمرے کی بجائے چاچو کے کمرے کی طرف بڑھا۔

عاقل، چاچو کہاں ہیں" عاقل کو کرمان کے کمرے سے نکلتا دیکھ کر" سادان نے تھوڑی فکر کے سنگ پوچھا جس پر وہ چلتا ہوا تھوڑے پریشانی کے عالم میں سادان تک آیا۔

سائیں پتا نہیں انکو کیا ہوا ہے۔ جب سے وہ حویلی آئے ہیں سناٹا اوڑھ کر" کھڑکی سے لگے ہیں۔ میں نے پوچھا بھی پر انہوں نے کہا کہ مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ آپ دیکھیں جا کر انکو کیا ہوا ہے" عاقل نے تو واقعی سادان کو پریشان

کر دیا جس پر وہ اسکا کندھا تھپکا تا ہوا فوری کمرے کی جانب لپکا اور پہلا جھٹکا تو اسے دن چڑھے اس اندھیرے سے لگا جو وہ آج چاچو کے ارد گرد پہلی بار دیکھ رہا تھا۔

سادان نے آہستگی اور رسانیت سے کھڑکی کے ساتھ بجھے سے کرمان کو بہت لاڈ سے پشت سے جکڑا جو اس اچانک افتاد پر یقینا مسکراتے پر سادان انکی مسکراہٹ نہ آنے پر اب واقعی تفشیش زدہ ہوئے انکو شانوں سے پکڑے اپنے روبرو لایا جو اتنے ڈیشنگ سے ینگ مین آج بکھرا سا منظر پیش کرکے سادان کو بھی ہلا چکے تھے۔ بھورے سوٹ پر سیاہ چادر جو انہوں نے کندھوں پر پھیلا رکھی تھی۔

کیا ہوا میرے لاڈلے دوست آپکو، یہ دن کے وقت اندھیرا۔۔۔ چاچو" کیا بات ہے پریشان کیوں ہیں، دیکھیے گا بس چند دن میں جیت ہمارے ہاتھ میں ہو گی۔ کل ہمارے کیس کی فائنلائزیشن ہو گی، دوسرا بابا کے کیس کا بھی فیصلہ آئے گا۔ آپ جانتے ہیں مجھے آپکی مسکراہٹ ہمت دیتی ہے تو پھر

کیوں آپ بجھے ہیں۔۔۔۔۔یاد آیا میں آپکو یہ بتانے آیا تھا کہ مس زینیہ گاؤں آچکی ہیں کچھ دیر میں انکو عائشہ سے ملوانے جانا ہے پر پہلے آپ بتائیں"سادان جو انکے تھکے تاثرات کو دیکھ کر پٹر پٹر سب بولتا گیا،اس نے محسوس کیا کہ وہ آخری بات پر ناچاہتے ہوئے بھی درد سے اٹ کر چلتے ہوئے صوفے پر جا ٹکے تھے اور سادان کو انکی خاموشی سے تھوڑا ڈر سا لگا تبھی وہ ہنوز لاڈ سے انکے قدموں میں جا بیٹھا اور انکا ہاتھ پکڑے انکے چہرے کو کھوجنے لگا جہاں آج سلوٹیں اور شکنیں تھیں۔

سب بدل گیا ہے سادان، میں ایک بار پھر مسمار ہو گیا ہوں۔یہ بھی مجھ پر بھاری ہے"یک لخت کرمان کی آنکھوں میں اُمڈتا سوز سادان کے لیے بھی بہت متاثر کن تھا وہ اب کی بار سنجیدہ ہوئے اٹھ کر چاچو کے ساتھ براجمان ہوئے اب زرا تسلی آمیز ہوا۔

یار کچھ بتائیں ناں، میرا دل بیٹھا جا رہا ہے"سادان کا اپنا دل کانپ اٹھا اور کرمان نے سرد سی سانس خارج کی۔

وہ وہی زینیہ ہے سادان" کرمان کا یہ کہنا اور ساتھ ہی وہ اسے قبرستان کا" سارا احوال سنا کر ورطہ حیرت میں غرق کر گئے اور کتنی ہی دیر سادان کے چہرے پر بے یقینی کا سمندر موجزن رہا اور یہ بیچ کی خاموشی طویل تر ہوتی گئی۔ شاید یہ معاملہ ابھی ایسی ہی خاموشی چاہتا تھا کیونکہ جس طرح کرمان ٹوٹ پھوٹ چکے تھے وہ سادان کو بھی متاثر کر رہا تھا۔ آخر زینیہ کے ساتھ کیا ہوا اور وہ اس درندگی کے باوجود کیسے زندہ رہی اب یہ سوال صرف زینیہ ہی حل کر سکتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فلذہ کا دل بری طرح رات کے لیے دھڑک رہا تھا، وہ تو اپنی طرف سے اپنے سائیں کی خیر کرتے کرتے اب خود ساداان سے ملنے کو بے تاب تھی۔ بے تابی اپنی جگہ پر وہ پھر بھی ڈر رہی تھی اور اب اسے ڈر انجیل کا نہیں بلکے سائیں کے جذبات کی شدت سے لگ رہا تھا۔ جس انداز سے ساداان نے اس سے ملاقات کی حسرت کی تھی یہ فلذہ کے تن من کو سنسنی میں مبتلا کر گیا تھا۔ اپنے پلنگ پر رکھے تین جوڑوں میں سے وہ چاہتی تھی جو سب سے کم خوبصورت ہے وہ پہنے پر پگلی کیا جانتی کہ اسکے سائیں نے اسکی روح سے عشق کیا تھا اسکے وجود یا چہرے سے نہیں کہ معمولی سا تیار ہو کر جانے سے وہ ساداان کے جذبوں سے بچ جائے گی۔ وہ تو اسے اپنے دل کی شہزادی جانتا تھا۔ دو پیارے سے دیدہ زیب لباس چھوڑ کر فلذہ نے سفید قمیص شلوار پر سرخ دوپٹے والا بظاہر ان دو کی نسبت سادہ لباس نکالا پر یہ وہ خود بھی جانتی تین رنگ اسکے اس سانولی پر کشش روپ تھی کہ سفید، گلابی اور سرخ یہ کے باوجود تباہی مچاتے تھے اور اب تو وہ پہلے کی طرح سانولی بھی نہیں لگتی

تھی۔اب تواس پر سادان کا روپ رہنے لگا تھا،اسکے ہر نقش پر اسکے سائیں کا رنگ تھا۔

دل میں وہ رات کی ملاقات خیر و عافیت سے ہونے کی دعائیں کرتی اپنا سوٹ اٹھا کر استری کرنے چلی گئی۔

دوسری طرف سادان چینج کیے فریش نکھر کر ایک دم خوبرو اور آفت لگ رہا تھا کیونکہ آج بہت دن بعد اس نے اپنا سیاہ سوٹ پہنا جس نے تو شہزادے کے حسین سرخ و سفید سراپے پر مانو چار چاند لگا دیے۔فریش ہو کر وہ سیدھا فارم ہاوس سے زینیہ میڈم اور انکی ٹیم کے ساتھ ایک نوجوان لڑکی اور لڑکے کو لیے عائشہ سے ملوانے پہنچا تھا۔

عائشہ اب ہوش میں تھی اور نرس کے بجائے اب اسکی اماں اسکے ساتھ تھی ،عائشہ کی کہانی سن کر جسقدر زینیہ دکھی ہوئی اس سے زیادہ کرب اسے اسکے جسم پر اس درندگی کے نشانات دیکھ کر محسوس ہوا تھا،جو بھلے اب

مندمل ہو گئے تھے پر اس بچی کو اس سب سے نکالنے کے لیے ایک کٹھن سفر کی پیشن گوئی بھی کر رہے تھے۔

سادان بھی اس سارے وقت زینیہ کو دیکھ رہا تھا جو واقعی ایک خوبصورت عورت ہونے کے ساتھ ساتھ بہت پر اعتماد تھیں۔اسے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا تھا یہ اسکے چاچو کی کہانی والی زینیہ ہے۔

"او مائی گارڈ، ہاریبل۔۔۔۔جب حلال رشتے بھی ایسی درندگی پر اتر آئیں تو ہمارے معاشرے کی ذہنیت تو ماتم کے قابل ہے۔مجھے عائشہ کی حالت دیکھ کر حقیقی صدمہ ہوا ہے" سادان اور زینیہ اب ہوسپٹل سے باہر کھڑے تھے جب زینیہ نے بے حد رنج سے اپنے خیالات بتائے اور سادان بھی ویسے ہی افسوس میں ڈوبا تھا۔

"بالکل یہ کیس ایک دل دہلا دینے والا ماجرا تھا، آپ اس بچی کی کچھ ہفتے پہلے حالت دیکھتیں تو شاید آپکو یقین نہ آتا کہ کوئی ایسا بھی کر سکتا ہے۔اس گاؤں کے لوگ ایسے ہی ہیں زینیہ میم، کاش ہم ان سب لوگوں کے دماغ

میں یہ بات ڈال پائیں کہ عورت کسی بھی روپ اور عمر میں بھی ہو بس محبت اور شفقت کی مستحق ہے "ساداں کی اس قدر اعلی سوچ پر زینیہ نے مسکرا کر ساداں کی سمت دیکھا جو نا صرف صورت کا حسین تھا بلکے اسکے سائیں جیسا نرم اور رحم دل تھا۔ ناچاہتے ہوئے بھی زینیہ کا دل چاہا وہ کرمان سے بھی ملے مگر وہ اپنی ایسی ہر سوچ کو فوری جھٹک دیتی تھی۔ ساداں نے بھی زینیہ کے چہرے پر درد سے اڈتی لکیریں محسوس کیں۔

اب ہم آئے ہیں تو کچھ بدل کر ہی دم لیں گے، عورت اب ہوس کا نشانہ " نہیں بلکے صرف محبت کا استعارہ بنے گی۔ میں نے آپکی کہانی سنی اور یقین کیجئے مجھے آپ پر فخر ہے، آپ بیٹے کی عمر کے ہیں میرے لیے، اور میری دعا ہے اللہ آپکو اور آپکی سانولی شہزادی کو بھی اب ایک ساتھ زندگی جینے کا موقع دے۔ ان شاءاللہ ہم سب مل کر اس گاوں کی تقدیر بدلیں گے "

زینیہ نے یہاں آنے سے پہلے ہی گاوں کی ہر بات ہر معاملہ پتا کروالیا تھا اور اسے واقعی ساداں پر بے حد خوشی تھی۔ وہ بھی اب اس والہانہ حوصلہ

افزائی پر اپنے سینے پر ہاتھ رکھے تمام تک احترام اور عورت کی عزت برقرار رکھتا ہوا ساحرانہ مسکرایا۔ بھلے وہ اس سے عمر میں بہت بڑی تھی، اسکے چاچو کی شہزادی تھی پر ساداں خواتین سے یونہی اک حد میں اور حصار میں رہ کر مخاطب ہوتا تھا اور یہ انوکھا ساجی دار انداز بھی زینیہ کو حسین لگا۔ایک مرد محرم کے سامنے ہی کھلنا زیب دیتا ہے، فلذہ تو پھر بے حد کو صرف اپنی خوش قسمت تھی جس سے یہ پاکیزہ سا مرد اپنے سب لاڈ اٹھواتا تھا۔

ان شاءاللہ میم، بس آپکی دعائیں درکار ہیں۔اب آپ ریسٹ کیجئے گا ان شاءاللہ کل سے ہم گاوں میں سیشن سٹارٹ کریں گے۔ کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو آپ اپنے اس بیٹے کو بلا جھجک بتایئے گا، ان شاءاللہ ہم کل ملتے ہیں" ساداں کو ابھی واپس نکلنا تھا تو وہ بہت محبت اور احترام سے وہاں سے اجازت لیے نکل آیا اور اس نے راستے میں ہی عاقل کو اسکارات فلذہ کو لانے والا مشن دے دیا تھا۔

سلطانہ سے وہ انکے کمرے میں ملنے آیا تو وہ سو چکی تھیں جبکہ انجیل بیگم کی خاموشی سے سادان ضرور چوکنا تھا۔

انجیل بیگم چپ تھی پر حقیقت میں وہ اس لیے پر سکون تھی کہ اس بیوقوف کو لگ رہا تھا سب اسکے پلین کے مطابق ہے۔پر کل آنے والی تھی قیامت، ارے نہیں نہیں اب قیامت شہزادے پر نہیں بلکے اس ڈائین پر آنے کو تھی۔کل کے مشکل دن کا آغاز وہ اپنی شہزادی سے اک ملاقات کی صورت کرنا چاہتا تھا اور آخر کار دو ہفتے کی جدائی رنگ لے آئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ سر کو صوفے کی پشت سے ٹیکے کسی حسین سے انتظار میں پل پل کٹ رہا تھا۔

کیا وہ آئے گی؟ یہ سوال لیے سادان اپنی بیقرار آنکھیں دروازے پر لگائے ہوئے تھا۔شہزادے کا سیاہ لباس اور دلفریب حسن کسی پر لٹ چکا تھا۔وہ

چاہتا تھا کہ اسکی شہزادی کی بدولت اس ویران کمرے کی ویرانی ہٹ جائے اور وہ اپنے مہکے قدم پھر سے یہاں تک لائے۔

چہرہ متغیر اور سانسوں کا ربط غیر ہموار ہوا تو سادان اپنی آنکھیں موندھ گیا۔ یہاں آنکھوں نے وصال کیا وہیں وہ مدھم سی چال چلتی فلذہ دروازے کو وا کرتی ہوئی اندر جھانکی جہاں اسکے جانے سے اب تک اندھیرے کا راج تھا۔ وائیٹ شارٹ سرخ موتی دار لیس والی قمیص اور سفید ہی تنگ پائنچوں والی شلوار، چادر کے بجائے اب وہ باریک سا سرخ دوپٹہ سر پر اوڑھے ہوئے تھی۔ پیروں میں نازک سی چپل۔ سانولی تو سانوری بن کر لوٹی تھی۔ ہلکی سی ہونٹوں کی لالی مگر اب تو وہ ایسا شیڈ تھا جو اسکے سانولے رنگ پر بھدا لگنے کے بجائے خوب جچتا تھا۔

گجراری بڑی سمندر سی آنکھیں جن میں اب ڈر نہیں بس اک سکون تھا، دو ہفتے کی جدائی پر قدرتی چھائی جھجھک لیے وہ دروازہ بند کیے چند قدم چلتی

ہوئی آنکھیں موندھے ساداں تک گئی اور بنا کوئی آہٹ کیے اسکے پہلو میں آباد ہو گئی۔

وہ سویا نہیں تھا، اسکی پلکیں لرز رہی تھیں اور ہونٹ بھی ساداں نے حرکت پذیری میں لگا رکھے تھے۔

آگئی ہوں" سماعت نے اس آواز پر آنکھوں کو تنبیہ کی کہ مت کھولو، یہ تو" خواب ہے۔ مگر یہ خواب ہوتا تو فلذہ کا ساداں کے گھٹنے پر رکھے ہاتھ پر ہاتھ کا لمس بھی جھوٹا ہوتا۔

وہ آنکھیں کھولے اسے بے یقینی سے دیکھ رہا تھا جواب اسکے دل کی ملکہ خاص بہت قریب تھی، اور بہت دن کی جدائی کا ثمر لیے اسکی خواہش پر اس تک پہنچ گئی تھی۔

تھینک یو، تم واقعی آگئی۔ مجھے تو لگا نہیں آو گی ظالم" وہ ٹیک چھوڑے رخ" فلذہ کی سمت کیے اپنے دل کی بات چھپانے کے باوجود کہہ گیا اور وہ تو اب ہر

ڈر کے باوجود سادان کی اس بے قراری اور منصوعی بے اعتباری پر بس مسکرائی تھی۔

"آپ نے کہا تھا کہ یہ کمرہ مجھے یاد کر رہا ہے، میں نے بھی کیا تو سوچا زرا دیر کو مل ہی آوں" وہ اسکی آنکھوں میں جھانکنے سے گریز برتتی ہوئی موہنے مخملی تبسم کے سنگ کمرے میں نگاہیں گمائے بولی اور سادان نے چپکے سے اپنی آنکھوں سے اسکے ہر نقش کو چھوا تھا۔

"تم تو بہت خوش لگ رہی ہو مجھ سے جدائی پر، مجھے تو لگا میری طرح ہلکان ہو چکی ہو گی پر یہاں تو لگتا ہے لوگ مزید حسین ہو آئے ہیں، مجھ سے دوری راس آگئی ہے کیا" سادان تو خوش نہیں تھا، پھر وہ اس جدائی پر کیوں خوش تھی۔ دل نے بغاوت کی تھی۔ ابھی وہ ہر شرارت زائل کیے صاف صاف خفا تھا جو اتنی دلفریب لگ رہی تھی پر مجال ہو جو اسے خود سادان کے قریب آنے کی توفیق ہوئی ہو۔

ہاں خوش، اب بابا کے پاس رہتی ہوں۔ کوئی مجھے کالی نہیں کہتا، اب سب مجھے برے ناموں سے نہیں پکارتے۔ میں اپنی خواہش کے جتنا پڑھوں گی اور پھر کومل باجی کی طرح سکول میں پڑھاوں گی۔ سب اتنا پیارا ہے تو میں خوش ہوں۔ اور آپ پر میرے دور ہونے سے ہی عافیت کا سایہ ہے، ورنہ مجھے آپکی جدائی نہ قبول ہے نہ ہی راس" ایک ایک لفظ نے ساداں پر مزید بھاری جبر اتارا تھا، وہ اسے کہنا چاہتا تھا کہ وہ اس کی جدائی جبراً بھی ایک پل کے لیے برداشت نہیں کر سکتا، وہ بھی تو پاس ہونے کے باوجود ظلم ڈھانا سیکھ گئی تھی، چلا کو کہیں کی۔

وہ اسکے بنا جی نہیں پارہا، وہ اسے اپنی شہ رگ سے بھی پاس چاہتا ہے۔

فلذہ شاید جان بوجھ کر مزید مسکرادی تھی، نظریں تو ہنوز چرا رہی تھی۔

بہت اچھا لگا یہ سن کر، دو ہفتے میں اتنی بدل گئی ہو کہ مجھے تو صدمہ لگ رہا ہے بے رحم" ساداں ناچاہتے ہوئے بھی اپنے دل کی سرد مہری چھپا نہ پایا اور فلذہ نے یک لخت ان رنگ بدلتی آنکھوں میں دیکھا جو بہت کچھ کہہ کر

بھی چپ تھیں۔ وہ اسکی شہزادی تھی اور وہ اس پر جان نثار کرنے کی خواہش رکھتا تھا پر اسکے مظالم پر خفا بھی تھا۔

" رونا چھوڑنے کا فیصلہ لے لیا سائیں، بدلی تو لگوں گی۔ آپ نے بھی تو مجھے زیادہ رو تو اور سوئی صورت دیکھا ہے۔ اور آپ ؟، ظالم اور بے رحم نہ کہیں آپ تو میرے مسیحا ہیں سائیں۔ آپکو اب فلذہ کسی مصیبت یا پریشانی میں ڈالنے سے ڈرتی ہے پھر بھی آپکی خواہش بھاری لگی تو آگئی ہوں پر خوفزدہ تو ویسی ہی ہوں " فلذہ ہر بات میں اپنی بیقراری کا ثبوت بھی دے رہی تھی

اور سادان سے اب خود پر ضبط کرنا محال تھا.

" میں ہوں ظالم پھر، ہے نا " سادان نے خود پر قابو پا کر شا کی نگاہوں سے فلذہ کو ہنوز ناراضگی اور برہمی سے کہا مگر فلذہ مسکرا دی۔ جیسے وہ اسکی بے تابی اور بیقراری سے واقف نہ تھی، وہ صاف صاف خفا تھا۔

وہ چاہتا تھا آج فلذہ کو یہیں روک لے، اپنا واسطہ دے کر کہے کہ مجھے اب مت چھوڑو۔

آپ کیا واقعی خفا ہیں مجھ سے یا مجھے لگ رہا ہے"فلذہ نے اب خود بھی رنج"
زدہ ہو کر ساداں کی آنکھوں میں مزید اسکے پہلو میں سمٹ کر دیکھا اور وہ اس
سوال پر اپنا سب ہار بیٹھا۔

نظروں میں اک خاموش تاسف تھا،اسکا ہاتھ خود بخود فلذہ کی گال تک گیا
جس پر فلذہ نے نا جانے کیوں سمٹنے کو پر تولے تو ساداں نے مزید سخت
برہمی سے فوری ہاتھ ہٹا لیا۔

ہاتھ ہٹانے پر فلذہ نے ان آنکھوں میں تڑپ دیکھی اور ملائم پن سے اپنا سر
ساداں کے سینے پر رکھے اسکے ساتھ لپٹ گئی۔

ساداں نے بھی یوں آنکھیں بھینچی جیسے عرصہ دارز سے کوئی پیاسا سیراب
ہونے کا سکھ پا گیا ہو۔

یارم! میرے جسم کا ہر لخت لرز اٹھتا ہے۔"

میں جس سمے اس سوچ کے دہانے کھڑی ہوتی ہوں کہ عنقریب میں

مبتلائے سقم

حالتِ درماندگی میں اجل کے ہاتھوں خاکِ پا ہو جاؤں گی۔

جسے اس کے شاعر نے نظموں میں ایسے پرویا کہ ہر پڑھنے والے کے بنجر

ذہن میں محبت کی فصلیں اگ آتی تھیں

یہی وا ہمے میری سانسوں کی ڈوری کو آرے سے کاٹے چلے جا رہے ہیں

اگر میں رہ عدم کی سمت کو روانہ ہوئی تو آپکی غزل، شعر اور نظموں میں

میری جگہ کون لے گا؟" دل نے ہلکی ہلکی مخملی چاہت کا نظرانہ سونپ دیا،

فلذہ کو اپنے گرد اتنے دن بعد سادان کی حائل شدت پر سکون محسوس ہو

رہی تھی۔

وہ جانتی تھی وہ اسے شدید عشق کرتا ہے، پر وہ سانولی خود کو اب بھی

شہزادے کی خاک کے برابر بھی نہیں جانتی تھی کہ خود کو اسکی برابری پے

لے آتی۔

دل کی گفتگو میں وجود چپ تھے۔ بس ایک دوسرے کا پاس ہونا محسوس کیا جا رہا تھا۔

"شاہزادی! میں شاعر ہونے کی بابت یہ ہرگز نہیں کہوں گا
کہ تم میری نظموں میں سانس لیتی رہو گی کیونکہ میں ناامیدی کے کسی بھی احساس کو نظم نہیں کر سکتا
میں چاہتا ہوں کہ تم مسکراؤ تاکہ تمہاری ہنسی کی گونج سے تذبذب کی دھند چھٹے اور تمام دھندلائے منظر شفاف ہوں
اک ہجر کا مارا اگر تمام شبِ کربِ ہجر میں گزارے تو اسے بھی سحر نظر آتی ہے"

سادان کی سانسوں کا تقاضا بس آج سانس کی تجارت تھی مگر وہ تو بچھڑنے کے لیے آئی تھی۔ اسے یہ ملن دینے اور لینے کا ابھی فیض کہاں نصیب تھا۔

وہ اسے اپنے وجود میں چھپانے کی کوشش میں دعائے دل دے رہا تھا، وہ اسے محسوس کرنا چاہتا تھا۔ انگ انگ سے خود میں گھول لینا چاہتا تھا مگر وہ تو ابھی جانے والی تھی۔

فلذہ کے گرد سادان کی پکڑ اسے بے بس کر رہی تھی مگر وہ مجبور تھی۔

"میری جاں! صبحوں کی اوس کونپل سے پھوٹتی ننھی کلی کی مہکار کو

رطوبت بخش رہی ہے

روشنیوں کے تعاقب میں گھروں کو لوٹتے پنچھی اس آس کے ساتھ اڑان

بھرتے ہیں کہ خداوند بے مہر ہرگز نہیں ہے

میں چاہتا ہوں کہ آسمان کی طنابوں کو کرۂ ارض کے آخری جزیرے پر

کھینچوں

اور تمہیں زندگی کی تہنیت بخشوں" سادان کی بے ربط سانس اب فلذہ کے چہرے پر پھیلتی ہوئی اسکو بے بس کر رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی شہزادے کی

خواہش کا ابھی یہیں احترام کرے مگر وہ اس پر مجبور تھی کہ سادان کو انکار کا اہتمام کرے۔

وہ اسکے چہرے پر بے خودی سے فسانہ تحریر کرنا چاہتا تھا اور فلذہ کا دل بھر رہا تھا۔

میری سانوری! مگر میں استعدادِ الٰہی کے ہم پایہ عاجز و ناتواں ہوں "

ایسے میں میرے ہاتھ ایک آخری شمع "امید" بچتی ہے

کیونکہ "امید" ہی وہ واحد روشن شمع ہے جو روئے زمیں پہ بستے بشر کو

!زندگی جینے کا رستہ دکھاتی ہے

سو میری حسیں! میں تمہیں بھی یہی کہہ سکوں گا کہ جیوت رہو

کہ میرے قلم میں ہجر کے دکھوں کو محبت کے پنوں پہ لکھنے کی طاقت ختم ہو چکی ہے

اگر تم گئی تو یہ سمجھو کہ میری نظم میں محبت کی دیوی کو اس کے پجاری نے مندر میں زندہ ہی دفنا دیا ہے

سوسرپیٹتا جنگلوں کی طرف اب روانہ ہوا ہے!" دل اور شہزادہ یہ کہہ کر ہر حد کو بھول گیا تھا۔ مگر فلذہ جانتی تھی اس تسکین پر سادان کا پورا حق تھا وہ یک لخت منع نہ کر پائی۔

شاید دوبارہ جدائی کے لیے یہ ایک دوسرے کو چکھنے کا احساس، ایک دوسرے کو محسوس کرنے کا احساس ضروری تھا۔

وہ جو نرمی سے فلذہ کے ہر احساس میں اترتا جا رہا تھا، یک دم فلذہ کی آنکھوں سے اس شدت پر امڈتی نمی پر سہم کر ہٹتا ہوا فلذہ کے سرخ چہرے کو دیکھنے لگا جہاں بس تکلیف تھی۔

یوں لگا سادان پتھرا گیا تھا، یہ بے خودی اس سے کیا کروا رہی تھی۔ وہ سادان کی شدت کو سہنے کے لیے ابھی تیار نہ تھی، اور آنسو اس لیے بھی آئے کہ اس نے خود سادان کو بہت یاد کیا تھا۔ اب جب یہ نازک مگر لرزاں خیز لمس اتنے دن بعد نصیب ہوئے تو وہ خود کو رونے سے روک نہ پائی۔

بہت ہی کم فہم ہوں آپکے آگے سائیں، مجبور، ڈرپوک اور بے بس۔ میں "آپکے ہر درد میں کمی کرنا چاہتی تو ہوں پر آپکے سر پر منڈلاتے سیاہ سائے مجھے آپکے قریب آنے سے روک رہے ہیں، بس اب مجھے جانے دیں" وہ رو تو نہیں رہی تھی مگر اسکی آواز میں درد تھا اور وہ اسے اتنی جلدی جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔

سوری فلذہ تمہیں تکلیف دی۔ مگر ابھی مت جاو، آج کی رات کچھ دیر" میرے پاس رہو۔ بس یہ اتنے دن کی جدائی کے بعد آئی ملاقات کچھ طویل کر دو، رونے کی کوشش بھی کی تو آج ایک ہی بار تمہارے ان آنسوؤں کا سٹاک ختم کر دوں گا اور خود کو کم وقعت کہنے کی غلطی تو ہر گز مت کرنا" سادان اس کے آگے ہارا ہوا تھا تب بھی اسے اس نازکی پر منصوعی سا ڈپٹ گیا اور وہ ایسی سچویشن میں چاہ کر بھی نارمل نہ ہو سکی۔ وہ اسے بہت نرمی اور سختی سے بے حد قریب کیے وارننگ دے رہا تھا اور اس مرتبے پر اب فلذہ نے بھی تھوڑی حد توڑ دی تھی۔

جہاں سے نازک سلسلہ بے گانگی ٹوٹا وہیں سے اب وہ شروع کر بیٹھی۔وہ پھر سے اپنے سائیں سے دور جانے سے پہلے خود بھی قربت کی یہ پیاس بجھانے کی تمنائی تھی۔

دونوں کی آنکھیں اس رضا پر پرسکون تھیں، سانس زدہ پھوار کی حدت کچھ کم ہوئی تو وہ فلذہ کو بے پناہ چاہت سے اپنے روبرو لائے اسکے ہر نقش کو چھو کر محسوس کرتا اب صرف دیکھ رہا تھا۔پر مس رو تو کو تو اس قدر حسین قربت میں بھی رونا سوجھ رہا تھا، ارے پگلی یہ تو جی اٹھنے کا وقت تھا۔

مگر وہ تو اس تسکین کے باوجود کچھ تکلیف میں تھی، سادان کی زندگی کے لیے وہ اس سے دور رہنے پر مجبور تھی۔پر وہ اسے خود سے بلکل محروم نہ رکھ پائی تھی۔

کمرے کے علاوہ میں نے بھی تمہیں یاد کیا، فلذہ مجھے مت چھوڑو یار۔"

میرے پاس رہ جاو۔بکھر کر رہ گیا ہوں اس سانولی کے بنا، مجھے سمیٹ دو"

وہ اسکے چہرے پر ہاتھ رکھتا معصومیت اور مان سے التجاء کر رہا تھا اور وہ اپنی

مجبوری پر مر جانا چاہتی تھی، بقول فلذہ کے، اپنے سائیں کو یوں ستانے والی سانولی مر ہی جائے تو اچھا ہے۔

مجھے جانا ہے، آپ جانتے ہیں ہم ابھی کنارے کی مانند ہیں اور ایک نہیں ہو سکتے۔ مجھ سے یہ درخواست مت کریں، میرے بس میں ہو تو آپکی خواہش آپکے دل میں اٹھنے سے پہلے پوری کروں۔ آپ مجھ جیسی ظالم کے مستحق تو نہیں ہیں، نہ میں کم فہم آپکے لائق۔ میرے سائیں مجھے کچھ وقت بھول کیوں نہیں جاتے آپ" فلذہ کی گالوں پر تمام تر نازکی کے نمی ڈھلک رہی تھی اور وہ بھی آج ضد اور بے خودی میں اٹا ہوا فلذہ کی ہر بات نامنظور کر دینا چاہتا تھا۔

مجھے کچھ سننا اور کہنا نہیں ہے، مجھے اس دو ہفتے کی جدائی پر ملی ملاقات کا" سکھ دینا تم پر فرض ہے۔ آج کہہ کر تم سے تمہیں مانگ بیٹھا ہوں تو مجھے خالی مت لوٹاو" سادان ہنوز اداس اور برہم تھا اور فلذہ نے پھر سے شہزادے کے دکھ میں کمی کو اس چہرے پر نرم سی چھاوں ثبت کی۔ استحقاق

زدہ چند لمحے ہی کٹے تھے کہ فلذہ اپنی بے ہنگم ہوتی سانس بحال کرتی بو کھلا کر اس روشن پہلو سے اٹھ گئی۔

فلذہ مت جاو" اسکی بازو پکڑے وہ بے قراری سے اٹھ کر اسے پشت سے " جکڑ چکا تھا اور وہ کیسے خود کو سنبھال پاتی۔ دل و جان سے لرزتی فلذہ سادان کی گرفت میں موم کی طرح بے جان تھی۔ ابھی بھی وہ سادان کی درخواست کے آگے ہار کر چلی آئی تھی۔

جانے دیں مجھے، وہ آپکو مار دیں گئ۔ وہ ہم سب کو مار دیں گی سائیں۔ آپ " کی زندگی کے لیے مجھے آپ سے ابھی یہ خوشی چھیننی ہو گی۔ سمجھیں ناں" وہ جو اسکو کسی بچے کی طرح دامن سے روکے بے حال تھا اس بات پر ایک ہی جھٹکے سے فلذہ کو موڑے مقابل لا یا۔

وعدہ کر و پھر" سادان نے اترے چہرے اور بجھتی ہوئی آنکھوں سے فلذہ " کے بھیگے چہرے کو چھو کر کہا تو وہ تڑپ سی اٹھی۔

حکم کریں" وہ تو قربان تھی۔ "

یہ وقتی دوری جلد ملن بناو گی۔ میری زندگی سے جانے کا ہر پاگل پن جیسا" خیال چھوڑ دو گی۔ وعدہ کرو فلذہ "آج تو شہزادے کا حق بنتا تھا کہ اسے یہ وعدہ دیا جائے، کتنی ہی دیر وہ اپنی قسمت پر رشک کرتی رہی اور پھر روتی ہوئی سادان کے گلے جا لگی۔

آپ تو سانس کی طرح ہیں سائیں، نہیں چھوڑوں گی مگر تب تک آپ" سے دور رہوں گی جب تک آپ پر سایہ فلگن کالا سایا نہیں ہٹتا" شدت دونوں طرف ایک سی تھی اور رونا بھی تھم کر سکون بن گیا، جس پر وہ الگ ہوتے بولی مگر سادان نے پھر سے پوری قوت سے اسے خود میں شدت پسندی اور بیقراری سے چھپا لیا۔

وعدہ مت توڑنا فلذہ، مر جاوں گا "یوں لگا کہ سادان کانپ اٹھا ہے اور فلذہ" اس شخص کی اس بات میں چھپی تکلیف سے ہار سی گئی اور اپنی ننھی منھی بازوؤں کی گرفت بھی بڑھائے روہانسی ہو کر مسکرا دی۔

اب جاتی ہوں۔ بابا پریشان ہو رہے ہوں گے" مجبوراً ہی سہی پر سادان
نے اسے خود سے الگ کیا اور شدت عشق کی مسیحائی تاثیر فلذہ کی پیشانی پر
عطا کی جس کی تاثیر نے دونوں کے چہرے مہکا کر معطر کر دیے تھے۔
انکو علم ہے انکی فلذہ اپنی سہی جگہ ہے، ابھی تو رات باقی ہے میری جان۔"
ملن نہ سہی اپنا کچھ وقت ہی دے دو۔ تمہیں باحفاظت گھر پہنچوادوں گا"
سادان کی بڑھتی بے قراری پر فلذہ نے مڑ کر سادان کی گرفت میں دوبارہ
خود کو سونپا اور وہ اسے جی بھر کر چاہت سے دیکھ رہا تھا۔
آپ تو چاہتے ہیں وہ بلا پھر سے پیچھے پڑھ جائے، بتا رہی ہوں اگر اس"
ملاقات کا انھیں علم ہوا تو انجام سے پہلے اپنی جان دے دوں گی" فلذہ نے
سادان کا خود کی سمت جھکنا محسوس کرتے ہوئے سختی سی آنکھیں بند کرتے
خود کو اسکے وجود میں چھپا کر بھیگی آواز میں شکوہ کیا جس پر وہ اسے لپٹا کر
وہیں سے بازوؤں میں اٹھا چکا تھا اور چلتا ہوا بیڈ تک آیا اسے لٹا کر اسکے پرے

کھسکنے سے پہلے خود بھی لیٹ کر فلذہ کا نازک فرار ناکام بنائے اسے خود میں پیوست کر گیا جس پر فلذہ بھی سمٹ کر نیلی پیلی ہو گئی تھی۔

"میں جو چاہتا ہوں وہ بس فلذہ ہے، دفع کرو اس کا ذکر تک مجھے نہیں سننا۔ بس مجھے دیکھو فلذہ، تمہارے سائیں تمہارے فیصلے کی لاج نبھاتے نبھاتے تھک گئے ہیں" وہ اسے اپنے دل کی ہر حسرت کھول کر حد درجہ رنج سے کہہ رہا تھا اور وہ ڈر رہی تھی کہیں اب سادان کے آگے خود ہی ہار نہ جائے۔

"پاگل ہیں آپ، اتنی تو میں حور پری ہوں نہیں جس کے لیے آپ تڑپ رہے ہیں۔ اوپر سے مجھ سے پڑھا بھی نہیں جاتا، کتاب کھولوں تو آپکا چہرہ سامنے لہرانے لگتا ہے۔ ایسے تو میرا میٹرک اگلی صدی میں ہی پاس ہونا، سائیں مجھے کم از کم میٹرک تو کر لینے دیں۔ اتنی کم فہم بیوی پر بھی آپکو ہر وقت پیار آتا ہے تو میں آخر کدھر سر دے ماروں" وہ جو کچھ دیر پہلے نڈھال تھی اب اس قدر معصومیت سے منہ پھلائے ٹر ٹر کر رہی تھی کہ سادان کی ساری دو ہفتے کی تھکن چٹکیوں میں ہوا ہوئی اور وہ شدید حسین

ہنس کر اس کے ہوش ربا ہونٹوں، آنکھوں اور گالوں کے نقوش پر نگاہیں مرکوز کر گیا جس پر فلذہ کی چلتی زبان کو بریک لگی۔

بہت اچھا ہوا، میرے ساتھ ظلم کا بدلا لیا اللہ نے، مجھے بہت مزہ آرہا سن "کر۔ اور تم کیا ہو ایک لمحے میں بتادوں گا لہذا آگے سے یہ خود کو ایسا سب کہنے کی کوشش نہیں، ورنہ جو یہ نازک سی روح زمین پر دیکھائی دیتی ہو، غائب کردوں گا" فلذہ اس کی ایسی دل دہلاتی نازک بات پر بوکھلاہٹ زدہ ہوئے پہلو بدلنے لگی مگر سادان کی اسکے گرد بازو اسے بالکل سادان کے چہرے سے ایک انچ تک لے آئی تھی جواب سرخ ہو کر دہک رہی تھی۔

ایسا کیوں کہہ رہے ہیں، رو دوں کیا" آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو "لیے وہ اس قدر دل کو پاگل کر گئی کہ سادان نے اسکے اور اپنے بیچ کی دوری مکمل ختم کیے کئی طویل تر عنایات اور نوازشات کیں۔ اور اب محترم کا انداز واقعی شدید شدت پسند تھا، دوست سے اب شوہر تک کا سفر تھا لہذا قربتوں کی نازک شدت کا انداز بھی بدل رہا تھا۔

وہ جو اس اچانک حملے کے لیے ہر گز تیار نہ تھی، سٹپٹا گئی اور چہرے پر لاکھ شرمگیں رنگ لائے اب وہ سادان کے سینے پر دباو ڈالے اسکی ظالم گرفت سے نکلنے کو پھڑ پھڑا رہی تھی اور وہ مسلسل ہنس رہا تھا۔

دور ہونے کا بہت شوق ہے تمہیں، میرے پاس بھی سارے حق وصول" کرنے کے تمام جملہ حقوق موجود ہیں، کب تک بچو گی "سادان کی ذو معنی بات فلذہ کے چھکے چھڑوا گئی اور وہ اب واقعی سخت لجائی اور گھبرائی ہوئی اپنی تنی پلکیں جھکا کر لرز اٹھی اور پھر دونوں کی نگاہیں ملیں تو ہونٹوں پر حق دار سی دلفریبی اڈی۔

آپ مجھے بیہوش کرنا چاہ رہے "فلذہ کی روتی سی اس بات پر سادان کا" قہقہہ بہت مزے سے نمودار ہوا، پر سادان اسے بھی اتنی آسانی سے تھوڑا بخشنے والا تھا۔

یار میں کیا کروں، تم مجھے اس وقت چاکلیٹ بار لگ رہی ہو۔ اتنی حسین" ہو گئی ہو، میں کیا کروں بچارا۔ ویسے تم کو پتا اب مجھے انجیل زیادہ ہی زہر لگ

رہی۔۔۔سوتن والی فیل آرہی اس سے جسکے ڈر سے میری شہزادی مجھے لفٹ بھی پوری نہیں کروا رہی" سادان کی اس بات پر فلذہ کے بھی دانت نکلے پر وہ جس طرح سادان کی قید میں تھی، مسکرا کر رسک نہیں لے سکتی تھی اور وہ اسکی بھینی بھینی میسنی ہنسی تب بھی بھانپ کر اپنے حق وصول کرنا جاری رکھے ہوئے تھا۔

ایسے مت دیکھیں ناں، مجھے شرم آرہی "فلذہ نے بے بسی سے سادان" کے بہکے تیور دیکھ کر سختی سے آنکھیں بند کیں اور وہ تو اسے بالکل آنکھیں بند کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا تبھی سادان کو نازک اٹکلیاں سوچ رہی تھیں اور وہ سرخ ہو کر گلال ہو کر سادان کو مزید شریر کر رہی تھی۔

واہ واہ، دیکھنے سے ہی شرم آرہی۔۔۔ بڑی ہی بور بیوی ہو تم قسم سے، پر" کوئی نہیں۔ تمہارے ان مظالم کا بندوبست کرتا ہوں ایک بار تم میرے پاس پہنچو زرا" سادان خود فی الحال ہنس کر اسے مزید سرخ رو کر رہا تھا اور

وہ اب آنکھیں کھولے یوں تھی جیسے محترمہ کی ہوائیاں اڑ کر لہو نچوڑ گئی ہوں۔

"آپ مجھے ڈرائیں گے کیا اب، سائیں میں نے خوف سے ہی اوپر چلے جانا۔ اتنا سارا پیار مت کریں، ایک تو مجھ عام سی کو پتا نی کونسی ملکہ بنا کر آسمان پر بٹھار کھا۔ اوپر سے آپکی یہ باتیں" ھائے فلذہ کی معصومیت اور شہزادے کا اپنے جذبات کو لگام دینا اس وقت دلفریب منظر تھا۔ وہ مسکرا کر اسکی پھولی صورت دیکھ کر اپنی ساری تھکن اترتی محسوس کر رہا تھا۔

کچھ دیر وہ بس خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکراتے رہے مگر سادان کے بس میں اپنا دل تو رہتا ہی نہ تھا۔

"سائیں اب جانے دیں، آپ کے ارادے بدل رہے ہیں" خوف کے پیش نظر وہ گھبرائی ہوئی محتاط سے انداز میں سادان کے قریب سے قریب تر آنے کے ارادے بھانپتے بولی اور اب کی بار وہ اسے بیڈ سے لگائے اس پر جھکا تھا۔ فلذہ کو لگا اسکے تن من میں سنسنی سے دوڑی ہے۔

بڑا پتا ہے تمہیں میرے ارادوں کا" ہنوز خمار زدہ انداز لیے اس سے پہلے "
کہ وہ اس پر مزید جھکتا، فلذہ نے شدید خوف سے اپنے دونوں ہاتھ اپنے
چہرے پر رکھنے کے بجائے سادان کے چہرے پر رکھے تو وہ اس معصومانہ اور
بچگانہ حرکت پر ہنستا ہوا بڑے ہی آرام سے اسکے دونوں ہاتھ ہٹا کر قید کیے
فلذہ کے چہرے کی اڑی ہوائیاں دیکھ کر محظوظ ہوا۔

سائیں کیا کر رہے ہیں آپکا دل نہیں بھرا، نہیں کریں۔ سائیں آپ سمجھتے "
نہیں ہیں۔ مجھے جانے دیں ناں" وہ تیزی تیزی سے روئی سی آواز میں
بڑبڑاتی گئی مگر اب سادان اسے اتنا بھی پریشان نہیں کر سکتا تھا لہذا بس اسکی
گال پر ہونٹوں سے زوردار طریقے سے چھوئے یک لخت اسے خود سے
آزادی دیے اسکے ساتھ ہی تکیے پر سر رکھے کتنی ہی دیر اسکی اڑی رنگت پر
مسکراتا چلا گیا اور اب فلذہ کا دل یہی کیا سادان کو بہت بری گدگدی کر کے
بھاگ جائے۔

مجھے میرا وقتی سکون مل گیا، تمہیں اب اجازت ہے۔ بس چند مزید دن، "
پھر ہمیں یوں چھپ کر ملنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ عاقل تمہیں اسی
رازداری سے حویلی سے نکال کر گھر پہنچا دے گا آجاو" سادان اب اسے
اٹھ کر ہاتھ بڑھا کر اٹھاتا ہوا بہت سنجیدگی اور پیار سے دروازے تک لایا
جس پر وہ بھی اپنے سر کے گرد دوپٹہ اچھے سے اوڑھے سادان کو دیکھ رہی
تھی جو بہت بہتر ہو چکا تھا۔

اب جب تک سب ٹھیک نہ ہو مجھے دوبارہ نہ بلائیے گا سائیں، اپنا خیال "
رکھیے گا۔ اور آپکو جو تکلیف دے رہی ہوں اسکے لیے مجھ ظالم کو معاف کر
دیں" فلذہ نے اب کی بار پھر سے سادان کے چہرے پر رکھا سہلاتا ہاتھ اسکی
گردن سے لا کر سینے تک لایا اور پھر آگے بڑھ کر سینے سے جا لگے دل پر
بوسہ دیے سادان کے گرد بازو لپیٹے تاسف سے بولی۔

معافی تو نہیں ملے گی، ہاں بدلا لوں گا گن گن کر" سادان کی گرفت میں "
خماری کی شدت شامل ہوتا پا کر وہ کرنٹ کھائے الگ ہوئی اور بمشکل گلال

چہرہ قابو کر پائی جس پر سادان نے بھی لطف لیا اور لمس عافیت عطا کیے اسے روانہ کیا۔ عاقل باہر ہی پہرے پر تھا اور اب اس جوان مرد کی ڈیوٹی فلذہ کو گھر پہنچانا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیا بات ہے زلفی، ادھر کیوں بیٹھا ہے "فجر کا نازک سا وقت اور وہ نہر" کے کنارے بیٹھا خوبرو مگر نہائت دلبر داشتہ سا زلفی اپنی ہستی فنا کیے مخدوش سا بیٹھا تھا جب کسی مانوس سی آواز پر وہ اپنے خیالات سے چونکا۔ کیا یہاں بیٹھنا منع ہے مالو چچا" کچھ دن سے مالو بھی اپنی ہر سفا کی چھوڑ کر" کملایا ہوا تھا۔ اور تو اور اس نے نماز بھی شروع کر لی تھی، ہدا ہت تو کسی عمر میں بھی مل سکتی ہے جیسے مالو کو مل رہی تھی۔ بھلے وہ ابھی بھی انجیل بیگم

کے ساتھ تھا پر صرف اوپر سے، اندر سے وہ بھی ان سفاک لوگوں کی بے رحمی سے تھک گیا تھا۔

منع تو نہیں ہے پر جن جگہوں پر گناہ کیے ہوں ان سے دور ہی رہنا بہتر" ہوتا، تجھے کیا بتاوں کے جب قسمت خراب ہو تو پھر یہ نہر کا بے جان پانی بھی گواہ بن جاتا ہے"اس روز جب انجیل نے فلذہ کو گھر سے نکال کر دھکا دیا تھا تو نا چاہتے ہوئے بھی مالو کا سینہ پھٹ گیا تھا اور آج اسکی اس دردناک سی منتق پر زلفی نے ہونق بن کر ساتھ بیٹھے مالو چچا کو دیکھا جو اس سے زیادہ بے بس تھے۔

آپ نے کبھی محبت کی ہے چچا" ساری باتیں ایک طرف، زلفی کی سرخ" آنکھیں مڑ کر عجب سوال پر پتھرا گئیں جس پر مالو نے دل چیرتا قہقہہ لگایا۔

نہ پتر ہم جس جوگے ہیں ہم نے وہی کیا، یہ عشق محبت تو نری رسوائی" ہے۔ اللہ بھلا کرے عاقل کی ماں کا، بہشتن اچھی تھی اور عاقل دے گئی۔ بس وہی عشق محبت تھی۔ اسکے بعد تو جنگلی پن اور درندگی رہ گئی، غلام کی کیا

اوقات پتر کے مالک کے حکم کے آگے ناں کریں۔ کافر بنادیا اس بدبخت غلامی نے اور ہاتھ کیا آیا، کچھ نہیں۔ ہم بھی کسی روز فیضاں مرجانی کی طرح پیس دیے جائیں گے۔ نہ نماز نہ روزہ نہ دین نہ دنیا، کسی اور کا تو نہیں پتا پر مالو کی زندگی تو نری نجس ہے بس اللہ سے اب ٹوٹی پھوٹی کوشش کیے معاف چاہتا ہوں" پہلی بار مالو کی آنکھوں کی بزرگی دیکھائی دی اور اسکے لہجے کی آہ ایسی تھی جیسے کسی نے اسے ایک ساتھ کانٹے جھبوڈالے ہوں۔ واقعی ٹھیک کہا آپ نے چچا، یہ عشق و محبت نری رسوائی ہے۔ پر سادان سائیں کی محبت پر ایمان لانے کا جی کرتا ہے، آپ سے کچھ پوچھوں مجھے مشورہ دیں" زلفی کی بھی شاید کوئی کہانی تھی، یونہی کوئلے کی کان سے ہیرا نہیں نکلتا۔

مالو نے اس بات پر خوف زدہ ہو کر گردن موڑی جہاں زلفی بے حد بیتاب تھا۔

پوچھ" مالو نے یک لخت کہا۔"

میں ایک اور غداری کرلوں، ورنہ شاید اس پچھتاوئے کے تخت اسی نہر" میں ڈوب جاوں گا" نہ جانے وہ اتناد لبرداشتہ کیوں تھا مگر مالو اس بات پر برہمی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

جو بھی کر مجھے مت بتا، مرے تو ہم سب ویسے بھی ہیں" مالو اپنی آنکھیں" رگڑتا خفگی سے کہے وہاں سے چلا گیا اور اسکے جاتے ہی زلفی کی آنکھوں میں اشک بھرتے گئے۔

ہاں اب مجھے اپنی جان کی پرواہ نہیں کرنی، بہت رولیا زلفی اور بہت کرلیا" وفاداری کا ڈرامہ۔۔۔۔۔ اب تجھے بھی اپنا بدلا لینا ہے، تاکہ دوبارہ کسی معصوم کو درندگی نہ سہنی پڑے۔کسے بتاوں آخر کے میرے دل میں بنی قبر ابھی بھی جل رہی ہے، پر اس گندے سسٹم کو ختم کرنے کے لیے مجھ سادان سائیں کی مدد کرنی ہوگی۔ اور اس نے بھی تو کہا تھا کہ بابا کو سمجھاوں یا پھر خود سادان سائیں کے پاس جاوں۔ ہاں وہ صرف اسی صورت پر سکون ہوگی جب اس جیسی ہر لڑکی محفوظ ہوگی" یہ کیا راز تھا، اب یہ زلفی کس کا

ذکر کر رہا تھا، کہیں یہ بھی تو کسی ظلم کا ڈسا تو نہ تھا مگر جو بھی تھا اب یہ پٹاری بھی بہت جلد کھلنے کو تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"تمام ثبوتوں اور گواہوں کو مد نظر رکھتے ہوئے عدالت اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ چوہدری درمان حق نے منگو سلطان کا قتل کیا ہے اور وہ اس گناہ کو تسلیم کیے ہتھیار ڈال چکا ہے۔ چونکہ منگو سلطان خود ایک اوباش اور گھٹیا انسان تھا اور انکی آپسی دشمنی کے باعث یہ خون خرابہ ہوا جس میں موت کسی بھی فریق کی ممکن تھی، چوہدری درمان حق کے وکیل نے دعویٰ دائر کیا تھا کہ چوہدری درمان نے اپنے بچاو کی خاطر اس شخص پر گولیاں چلائیں۔ لہذا ان تمام باتوں کے پیش نظر یہ عدالت چوہدری درمان حق کو انسانیت کی بقا مجروع کرنے اور ناحق کئ معصوموں کی زندگی برباد کرنے اور اس قتل کے جرم میں آٹھ سال کی قید اور پچاس لاکھ جرمانے کی سزا

سناتی ہے" سادان کی ساری کوشش بیکار جا چکی تھی، وہ بابا سائیں کو جس حد تک بچا سکتا تھا اس نے بچا کر پھانسی تو روک لی پر یہ سزا بھی اسکے اعصاب پر سخت دردناک انداز سے ابھری تھی۔ وہ آج صبح ہی لاہور کورٹ میں سماعت کے لیے آیا تھا، یہاں پر شہزادے کا امتحان ابھی بھی باقی تھا۔ اللہ بڑا بے نیاز ہے، وہ برے لوگوں کو اتنی آسان معافی نہیں دیتا۔ اک طویل قید ہی ایسے بدبختوں کی سزا تھی مگر آج درمان حق کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا مگر سادان کی آنکھیں ضرور سرخ تھیں۔ معاملہ صلح صفائی سے بھی کروانا چاہا پر منگو کی بیوی اور اسکا بہنوئی کسی صورت معافی پر رضامند نہ ہوئے تھے۔ اور یوں سادان اس ایک اور معاملے میں ہار سا گیا۔

دو پولیس اہل کار سادان کے سامنے سے اسکے بابا سائیں کو لے کر جا رہے تھے جب وہ باپ بیٹا ایک دوسرے کے روبرو سخت تکلیف دہ نظروں سے آئے۔

کہا تھا ناں میری سزا میں کمی نہیں ہو گی لہذا کوئی کوشش مت کر، مجھے " اپنی سزا قبول ہے سادان پر اس قید مشقت میں میری ساری دعائیں تیرے لیے ہوں گی۔ ہو سکے تو اپنے بد بخت باپ کو معاف کر دے اور میری اس قید سے اور اس دنیا سے رہائی سے پہلے مجھے سب سے معافی دلوا دے۔ اس سے بھی، فلذہ" کئی دردناک آنسو آج سادان اپنے بابا سائیں کی آنکھوں میں دیکھتا وہیں بچوں کی طرح ان سے لپٹ گیا۔ وہ آج واقعی بہت سخت رو دیا تھا، جیسے وہ اپنی بے بسی پر ماتم منا رہا ہو۔

درمان نے ہمت کر کے اپنے کربناک چہرے پر درد بڑھا کر زبردستی اس ٹوٹے پھوٹے سادان کو خود سے الگ کیا اور اسکے ماتھے پر بوسہ دے کر گال تھپکائی۔

ہم سب آپکا انتظار کریں گے بابا، خدا کے لیے اب مجھے کوئی اور امتحان " نہیں سہنا۔ آپ واپس آئیں گے ناں، مجھ سے وعدہ کریں پلیز۔۔۔۔ ہم سبکو آپکی واپسی کی ضرورت ہے، آپ بالکل خود کو اکیلا مت سمجھیے گا"

سادان روتا ہوا قصد مانگ رہا تھا اور درمان تو غم اور شرمندگی سے زمین میں دھنس رہا تھا۔ کیسی بڑی دولت اور نعمت ہوتے ہوئے بھی وہ شخص گمراہی میں ملوث رہا اور آج کرب سے سینے پھٹ رہے تھے۔

آوں گا، لیکن تب تک کوئی مجھ سے ملنے نہ آئے۔ رومت سادان، مجھ" جیسے باپ کے لیے تو اپنے یہ آنسو بے مول مت کر۔ آج میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ ہر فرعون کے گھر تیری صورت ہدایت اور بخشش کا ذریعہ ضرور اتاریں۔ مجھے تجھ جیسے بیٹے پر فخر ہے، اللہ تجھے سرخرو کرے" وہ دو اہل کار اب دونوں کو جدا کرنے پر تلے تھے اور سادان کے لیے یہ منظر بھی دل و جان کا خود سے الگ ہونا تھا۔ اور پھر ایک بار وہ بابا سائیں کے گلے لگتا زبردستی الگ کروا دیا گیا اور وہ شخص ان دو اہل کاروں کے ساتھ اپنی سیاہ نصیب عمر کاٹنے چل پڑا۔ کتنی ہی دیر سادان نے بابا کے جانے کو دلخراشی سے دیکھا اور اپنا چہرہ ضبط سے رگڑتا باہر گاڑی تک آیا۔ یہاں سے اسے سیدھا وکیل کے دفتر جانا تھا اور آج فائنلی انجیل بیگم کے خلاف عصمت

فروشی، قتل اور درندگی کے کئی کھاتے کھل گئے۔ یہاں آکر ایک اور انکشاف نے سادان کے تنے اعصاب بحال کر دیے۔

"ہمیں ایک گواہ ملا ہے، اس نے مجھ سے رابطہ کیا ہے۔ فیضاں کو اس رات نہر میں اسی نے ایک دوسرے ساتھی کے ساتھ مل کر پھینکا تھا اور وہ عدالت میں گواہی کے لیے تیار ہے۔ اسکا نام اور شناخت کورٹ میں ہی سامنے آئے گی مگر وہ جو کوئی ہے اس نے یہ سب آپکے لیے کیا ہے" اب تو ایک مشکل مل رہی تھی تو اسکا زہر زائل کرنے کو آسانی بھی باہیں پھیلائے ہوئے تھی۔ سادان کو اب اگر کچھ کرنا تھا تو وہ اس انجیل بیگم کا خاتمہ تھا جو اب کیس فائیل ہوتے ہی ممکن تھا مگر اس سے پہلے سادان اسے اتنی ہی ذہنی اذیت دینے والا تھا۔

واپسی پر وہ تیمور کے علاوہ گلناز اور اسد بابا سے بھی ملا تھا اور انکو بھی تمام صورت حال سے آگاہ کیا البتہ تیمور کو لے کر وہ تھوڑا حیران ہوا تھا کیونکہ یہ چند ہفتے پہلے والا تیمور ہر گز نہ تھا۔

چہرے پر بڑھی شیو اور وہ اپنی عمر سے زیادہ چپ، سنجیدہ اور بڑا ہو گیا تھا۔ لیکن کہیں نہ کہیں اب سادان کو اسکے حوالے سے اطمئینان مل چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیا ہوا، ہم تو باہر جانے والے تھے ناں" وہ جو یہاں آکر اپنے شاویز کے " ساتھ مزے سے جی رہی تھی، شاویز کے پریشان سے چہرے کے سنگ اندر آنے پر فکر مندی سے مڑ کر اس تک پہنچی جو شاید سادان سے بات کر کے آرہا تھا۔ ریڈ شارٹ فراک اور بلیک اینڈ ریڈ امبرائڈری سے سجا دوپٹہ کندھے پر پھیلا کر اپنے گولڈن شیڈ ڈ بال دوسرے کندھے پر ڈالے ابھی تیار ہو رہی تھی اور شاویز وائٹ شرٹ اور گرے جینز ٹراوزر میں ریڈی تھا۔

ہمم، جائیں گے پر بہت افسوس ناک خبر ملی ہے۔ چوہدری درمان حق کو" آج آٹھ سال کی قید ہو گئی ہے۔ سادان بہت افسردہ تھا، ہمیں اب واپس جانا چاہیے کومل کیونکہ کل ایک بہت بڑا دن ہے۔ کیا کہتی ہیں آپ؟" شاویز کے لہجے میں یہ خبر سناتے ہوئے پریشانی عود آئی اور کومل بھی ناچاہتے ہوئے اداس ہوئی، شاویز اور کومل کو آئے ابھی پانچ دن ہوئے تھے مگر شاویز کا سارا دھیان سادان کی طرف ہی تھا اور اب کومل بھی متفق تھی۔

اوہ بہت برا ہوا، جی شاویز چلتے ہیں۔ سادان کو ہم اکیلا نہیں چھوڑ سکتے، یہ" سب سیٹل ہو جائے تو دیکھیے گا چاروں آئیں گے اگلی بار" کومل کا اپنا دھیان بھی پاکستان تھا ویسے بھی پانچ دن وہ کافی سارا گھوم پھر چکے تھے لہذا کومل کو بھی یہی بہتر لگا تھا۔ آخری بات پر شاویز بھی پوری سچائی سے مسکرا کر اب زرا شوہر والی ٹون میں لوٹتے ہوئے کومل کو اپنے حصار میں لیے شریر ہوا جس پر وہ بھی نئی طرز کی عنایات کے لیے پر شوق ہوئی۔

چاروں یعنی میں، آپ اور۔۔۔۔ کیا آپ سادان اور فلذہ کا کہہ رہی" ہیں، پر دیکھیے میں تو کچھ اور سمجھ بیٹھا ہوں" شاویز کے اتنے سنجیدہ انداز میں ایسی نازک بات سن کر پراعتماد سی حسینہ بھی پل بھر بوکھلا اٹھی اور پھر دونوں ہی حسین سی نزدیکی پر کھکھلا کر ہنس دیے۔

پہلے میں اس بے بی کو تو مکمل ٹھیک دیکھ لوں پھر دو کیا چار پر بھی نو ایشو"" ابھی بھی شاویز کو ہلکا سا درد تھا جس کے باعث اسے تھوڑا بیٹھنے اور لیٹنے میں تکلیف کا احساس ہوتا تھا پر ڈاکٹر صاحب کی بیوی نے تو ایسی تیمارداری کی تھی کہ شاویز بہت جلد ریکور کر گیا تھا۔ کومل کی اس بات پر شاویز نے حیران ہو کر اس آفر کرنے والی کو دیکھا جو سرخ ہو کر بھینا بھینا مسکا رہی تھی۔

یار آپ کیا ہیں، آپ کو مجھ پہاڑ سے زرا ڈر نہیں لگتا۔ آپکو لگتا ہے میں" آپ پر چار والا ظلم ہونے دوں گا، آپ تو میرے لیے ابھی خود پری کے جیسی ہیں" شاویز کی تذبذب ہو کر معصوم سی حیرانگی میں لپٹ کر محبت میں ڈھل جانے پر کومل نے گھبرائی سی مسکان کا لمس شاویز کی گردن میں بازو

حائل کیے اسکی گال پے رکھا تو شاویز صاحب حسین سے جواب کے شدید منتظر لگے۔

آپ سے کیوں ڈروں گی، دیکھیں ناں آپ گلناز امی اور اسد بابا کے "اکلوتے پیس ہیں پر اب انکے تین چار پوتے پوتیاں تو ہونے چاہیں تا کہ گھر میں خوب رونق رہے" شاویز اب اس بات پر ہنس پڑا کیونکہ محترمہ شاید مزاق کے موڈ میں تھیں تبھی کومل کا متبسم چہرہ آفت خیز گدگدی کی ترجمانی کر رہا تھا۔ مسکان تو تب غائب ہوئی جب جذباتی پیانے ڈورے ڈال کر گرفت پہاڑ جیسی مضبوط کی تو کومل نے منہ پھلا کر شاویز کی دونوں گالیں کھینچی مگر وہ اب واقعی گرفت ظالم کر رہا تھا اور کومل کے چہرے کی ہوائیاں اڑنے لگیں۔

شاویز، اچھا ناں نہ آپکی نہ میری۔۔۔ تین تو پکے" وہ اسقدر ظلم کے "باوجود بھی شرارت برقرار رکھے ہنس رہی تھی اور شاویز کے ارادے بھی بے خودی اوڑھ رہے تھے۔

کومل آپ نہیں بچیں گی پھر، پوتے پوتیاں تو امی ابو سنبھال لیں گے تو اس" بڑے بے بی کو کون دیکھے گا، نامنظور نامنظور۔۔۔۔۔ بحیثیت ڈاکٹر شاویز لاشاری، بے بی ایک ہی اچھا" ھائے اس قدر حسین معصومیت پر تو کومل کتنی ہی دیر شاویز پر قربان ہوتی چلی گئی اور وہ بھی اس پگلی کی اس خوشی اور ہنسی سے اب خود میں زندگی بڑھتی محسوس کرتا تھا۔

ھاھا آپ تو ابھی سے میرے معصوم بچوں سے جیلس ہیں، ویسے ایک" سیکرٹ بتاوں مجھے خود بھی اسی بڑے والے سے سب سے زیادہ پیار رہے گا" مزاق اور شرارت ختم کیے وہ شاویز کے چہرے پر پوری جوان مردی سے لمس الفت دھرے لپٹ ہی تو گئی اور وہ بھی اپنی اس دیوانی پر صرف سکھ محسوس کیے اسے خود میں حلول کیے ہنس دیا۔

پاگل ہیں آپ، پر بہت ہی عزیز۔۔۔ چلیں پھر لاسٹ چکر لگا آتے ہیں" میں کل کی فلائیٹ کروالیتا ہوں واپسی کی، کیا آپ ریڈی ہیں" شاویز اور وہ اسکے بعد پھر سے گھومنے نکل چکے تھے اور ان چند دنوں مئیں ہی دونوں نے

اپنی زندگی کا بہترین وقت ساتھ گزارا تھا اور اب واپسی بھی مصالحت کے تحت کل طے پا چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوصلہ کریں اماں سائیں، ہر ممکن کوشش کی مگر کوئی حل نہ ملا۔ یہ آٹھ" سال تو ہر صورت انکو یہ سزا سہنی ہے۔ بس کریں ناں، کیوں مجھے بھی کمزور کر رہی ہیں۔ دیکھیے گا اس گھٹیا عورت کے ساتھ اب میں کیا کرتا ہوں، آپی پلیز آپ بھی حوصلہ کریں اور اماں سائیں کا خیال رکھیں مجھے آج ایک ضروری کام نمٹانا ہے" سادان واپس حویلی آچکا تھا اور ساتھ ساتھ انجیل بیگم کی فسادی چالبازی پر قہر بھی ڈھانے کا فیصلہ لے چکا تھا۔

شفاء کے بقول سادان کو کچھ ایسا بھی کرنا ہوگا جس سے وہ انجیل بیگم کے منہ سے یہ سارے مظالم اگلوا کر انھیں ریکارڈ کر سکے اور یہ کام کرمان اور

سادان دونوں کرنے والے تھے۔ عاقل کی ذمہ داری اب سادان کے ساتھ دوسرے گاؤں جانے کی تھی کیونکہ سادان وہ معاملہ بھی چھوڑ نہیں سکتا تھا۔ دوسرے گاؤں کے ملک بھی سادان کو شان اور خذیفہ کے اصل قاتل کا سراغ لگانے کی کئی بار یاد دہانی کروا چکے تھے مگر سادان چاہ کر بھی ساری توجہ اس معاملے پر نہیں ڈال پایا تھا مگر آج اس نے پہلی فرصت میں اس بوڑھے سے ملنے کا فیصلہ لیا تھا۔ واپسی تک اسے چار بج گئے تھے اور یقینا آج کی رات اسی کام میں صرف ہونی تھی اور سادان کی پوری کوشش تھی کہ یہ معاملہ اب جلد سلجھالے۔

ٹھیک ہے سادان تم جاو، میں ہوں اماں سائیں کے پاس" عالیہ نے " نڈھال سی بستر پر دراز اماں سائیں کا ہاتھ پکڑے روہانسی ہوئے کہا جس پر سادان سلطانہ کی پیشانی چومتا ہوا ابھی کمرے سے باہر ہی نکلا تھا کہ خفتہ پا چلتی ہوئی انجیل چہرے پر پتھر سا تاثر لیے سادان کے سامنے تن گئی اور سادان کا تو اب اس عورت کو دیکھنے کا بھی دل نہیں چاہتا تھا۔

ایک سرپرائز آپ نے مجھے دیا تھا فلذہ کو نہر میں پھینک کر، اور ایک سرپرائز کل میں آپکو دوں گا میری گھٹیا سوتیلی دادی، آپکی وجہ سے بابا سائیں کو سزا ہوئی، صرف آپکی وجہ سے وہ شخص قاتل بنا۔ صرف آپ کی وجہ سے کتنے لوگوں نے لہو اپنی آنکھوں سے بہایا، آپ عورت ذات پر ایک کالک ہیں۔ اور کل کا دن آپکا آخری دن ہے لہذا جتنا جینا ہے جی لیں، کیونکہ کل کے بعد آپ موت بھی مانگیں گی تو وہ بھی آپ سے پناہ مانگے گی" وہ جو اس کے منہ تک لگنا نہیں چاہتا تھا، عین انکے سامنے تن کر اس عورت کی سفاک آنکھوں میں آنکھیں گاڑ کر دھاڑا تھا اور انجیل بیگم ابھی بھی اس قدر مطمئین تھی کہ اسکے ایسے اطمینان پر سادان بھی حیرت زدہ تھا۔

"ایسا کیا لگ گیا ہے تیرے ہاتھ جو تُو اس قدر بکواس کر رہا ہے، تیرا باپ اسی سزا کے لائق تھا۔ منحوس شخص پر ساری زندگی جتنی محنت کی ساری غرق کر دی، اور آگے سے تجھ جیسی بڑی منحوسیت جن دی۔ کیا سمجھتا ہے تُو، مجھ

پروار کرے گا۔ بدلا لے گا، اور میں چپ چاپ گڑ گڑا کر تجھ سے معافی مانگوں گی، بہت بڑی بھول میں ہے۔ مرتے مرتے بھی تجھے مار جاوں گی اتنا یاد رکھ، آیا بڑا انجیل بیگم کو دھمکی دینے والا" اس انجیل کو ابھی علم نہ تھا کہ اسکے خلاف سارے ثبوت اور تمام گواہ آج کورٹ میں درج ہو گئے ہیں اور کل انجیل بیگم کا اریسٹ وارنٹ بننے والا تھا اور پھر ان سارے کیسز کی بدولت سادان اسے پھانسی دلوانے کی خواہش رکھتا تھا۔ ایک بڑا گواہ تو خود زینیہ تھی اور سادان کو کہیں نہ کہیں لگتا تھا جیسے زینیہ کا یہاں آنا بے مقصد نہیں ہے۔

اس عورت کا عبرتناک انجام بس چند قدم دور تھا اور یہ ابھی بھی ہوں پھنکار رہی تھی جیسے اسے یقین تھا کہ اسکے خلاف کبھی کوئی ثبوت نہیں مل سکتا۔ فلذہ کو اغوا انجیل نے کروایا تھا یہ بھی دستاویزی صورت بیان ان ثبوتوں کا حصہ تھا۔

بچاری، غرور میں ماری جائے گی۔ میرے بس میں ہو تو کئی بار اسے موت "
دوں" سادان اسکی حقارت سے بھری آنکھوں کو تنفر سے دیکھتا سوچ رہا
تھا اور مزید اسکا کوئی جواب دیے بنا اپنے کمرے کی سمت لپکا مگر انجیل کے
جسم میں شرارے ضرور پھوٹ پڑے تھے۔ اسے اب سادان کا یہ رویہ
بھیانک لگ رہا تھا اور ایسا کیسے ممکن ہے کہ ایسی خطرناک عورت اب کوئی
پلین نہ بناتی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میم آپ سے ملنے کوئی آیا ہے، شاید وہ سادان سر کے انکل ہیں" زینیہ "
سٹڈی میں کچھ پیپر ورک پر کام کر رہی تھی جب اسکی ٹیم ممبر نتاشا نے آکر
اسے اطلاع دی جس پر زینیہ ایک پل کو پتھرا سی گئی۔ وہ نتاشا کو بمشکل
حواس بحال کیے آنے کا کہہ کر خود بھی مضطرب سے کرسی سے اٹھی اور

خود کو من وزنی قدم سے چلائے ڈریسنگ تک لائی جہاں اسکی نظر اپنے عکس پر گئی۔

کیا وہ آئے ہیں، نہیں زینیہ اگر تم انکے سامنے گئی تو ہار جاو گی۔ اسی دن" سے تو ڈرتی تھی تم، کاش میرے پاس کوئی منصوعی چہرہ ہوتا جسے میں آپکے سامنے آنے سے پہلے لگا لیتی" وہ یک دم دلخراش سی ہونق زدہ آئینے پر پھیلے اپنے حسین عکس پر ہاتھ سہلائے اپنی آنکھیں زرد کر گئی تھی۔

کیا کہیں گے آپ سائیں کے میں نے جھوٹ کیوں بولا، میرے زندہ" ہونے کا کیا جواز دوں گی۔ کیسے ازالہ ہو گا میری اور انکی تکلیف کا۔ یا اللہ مجھے کمزور مت ہونے دیں، اس انسان کو قسمت نے مجھ سے زیادہ دربدر کیا ہے تو اب یہ زخم وہ کیسے سہیں گے" زینیہ کی ہمت جواب دے رہی تھی، وہ کرمان کے سامنے جانے سے خوفزدہ تھی۔ وہ پہلے سے زیادہ حسین اور دلکش ہو چکی تھی پر اسکا وجود اور دل تو وہی تھا، اس قبر میں تو اس نے اپنا بے آبرو عکس دفنایا تھا۔

پر تمہیں ہمت کرنی ہے زینیہ، وہ ہر شے جاننے کا حق رکھتے ہیں اور میں" بھی تو انکو ہر دکھ بتانے کی حسرت سے مری جارہی ہوں۔ آپکے سامنے کیسے آوں سائیں، میرا سایہ بھی آپکے لیے باعث تکلیف ہے" وہ جو اس وقت وائٹ اینڈ گرے ڈیزائنر ڈریس میں تھی، کھلے لمبے سیاہ بال جو وہ ہمیشہ کھلے رکھتی تھی اسے فوراً سے رول کر کے کیچر میں مقید کرنے کے بعد چہرے کی ہر ہولنا کی اپنی ہتھیلوں سے ہٹائے وہ اپنے اندر باہر جانے کی ہمت جمع کر رہی تھی۔ بیڈ پر رکھا دوپٹہ کندھے کی ایک طرف ڈالے، منصوعی حسن کی ہلکی پھلکی پھوار کے سنگ ہر تابنا کی چھپائے وہ آخر کار کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم کی سمت بڑھی اور دور سے ہی کسی سراپے کی پشت پر نظریں جمتے ہی وہ اپنے اندر جمع کیا سارا حوصلہ پھر سے ہوا ہوتا محسوس کر رہی تھی۔ کریم کلر سوٹ پر سیاہ چادر اوڑھے وہ جو پشت کیے کھڑے تھے کسی آہٹ پر کو لمحے ساکن ہو گئے۔ بے قراری سے مڑے اور ایک پل

وہ جو ہمت کے بندھ کو بندھانے کی ہر ممکن کوشش میں تھی، اپنی آنکھوں میں اٹھتی ہیجانی چینخیں روک نہ پائی اور نگاہیں ان شفیق مگر درد سے بے حال ہوتی آنکھوں پر گئیں جن کا پھیر لیا جانا زینیہ کی قلبی موت بنا تھا۔

کون پگلا اور دیوانا تھا جو اپنی محبت کو پہچان نہ پاتا، جس سے محبت کا دم بھرا گیا ہو ارے اسکا تو سایہ بھی پہچان کے لیے کافی تھا۔ وہ یہیں گر کر فنا ہو جانا چاہتی تھی، دل پر کوئی دباو بڑھ رہا تھا۔ مانو کوئی کلیجہ دبوچ رہا ہو، کرمان جو آج بھی زینیہ کو اتنے ہی معتبر اور حسین لگے پر یہ تو دل کی ابتر حالت بہتر جانتی تھی کہ یہ دونوں چیزیں اس وقت عقل و دل کی منڈیر سے گر کر خودکشی کر گئیں۔

آنکھوں کا ملن کتنے سالوں بعد طے پایا تھا، اور یہ ملن خوشی نہیں بلکے دل چیڑ دینے والی اذیت سے وابستہ تھا۔ زبانوں نے کچھ کہنے سے معذرت کر لی، ہونٹوں نے جنبیش سے انکار کر دیا۔ پلکوں نے لرزش سے منہ موڑ لیا اور جسم میں سرائیت کرتی تکلیف نے کئی پرانے زخم چھیڑ دیے۔

آپ نے کہیں مجھے پہچان تو نہیں لیا"آواز میں لرزش اور بھیگی آنکھوں" کی مانند لہجہ ترتھا جب زینیہ نے چند قدم بڑھا کر اپنے اور کرمان کے بیچ کے فاصلے کو کچھ کم کرتے ہوئے استفسار کیا اور وہ جو دل تک تہس نہس تھے، لاجواب ہو کر ایک گہرا سانس لیے آنکھیں چرا گئے اور وہ اب دلخراش سا ہنسی۔

نہیں، میں کیوں پہچانوں گا۔ میرے پاس تو ایسا کوئی اختیار نہیں"""
دلخراشی کا جواب اب کرمان نے اسکی آنکھوں میں پوری بے باکی سے جھانک کر دیا اور وہ ہنوز دل جلا مسکرائی۔

کہتے ہیں نظریں بھی کبھی کبھار امام ضامن ہوتی ہیں، پر مجھ پر سے بڑی" اجلت میں اٹھالی گئی ہیں۔ میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اپنی زندگی آپ کی ان پھیری جا چکی نظروں پر وار دی ہے جو ممکن تھا آپکی اور میری دشمن ثابت ہوتیں۔ دعا ہے آپ میرے حصے کا بھی جیئیں اور لاتعداد سکھ پائیں۔

میری اس دنیا میں شاید کوئی ضرورت نہیں، نہ میں آپکو کسی مشکل میں

غرق دیکھ سکوں گی، کوشش ہے کہ خود سے اس دنیا کو اور دنیا کو خود سے نجات دینے کی ہمت جمع کر سکوں۔ مجھے جتنی دعائیں آتی ہیں سائیں وہ سب آپکے نام کرتی ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور اب؟"زینیہ کی آنکھیں یہ لفظ ادا کرتی بھیگتی چلی گئیں اور کرمان بھی اس تحریر کے کرب کو خود میں اترتا محسوس کر کے خود کو برف کے قلعے میں محبوس محسوس کر رہے تھے۔ زینیہ کی کہی یہ جان کو لیتی بات بازگشت کی مانند کرمان کا سر پھاڑ رہی تھی۔

ایسے کسی کو دعا نہیں دیتے زینیہ، نہیں لگتیں۔ نہیں لگیں"ضبط کے باعث اس پیارے شخص کے چہرے پر تناو اور آنکھوں میں لاتعداد کرب تھا۔ زینیہ کا دل چاہا ہر حد توڑ کر اس شخص سے لپٹ جائے پر وہ تو اپنے سائے تک سے کرمان کو بچانا چاہتی تھی۔

میری تھیں تبھی نہیں لگیں، کسی بہترین نے دی ہوتیں تو لگ جاتیں"وہ رو نہیں رہی تھی تب بھی آنسو اسکے رخساروں پر امڈ کر کرمان کو اور تکلیف

دے رہے تھے اور وہ کیا بتاتے کہ وہ ہی تو اس ظالم دنیا سے الگ بہترین بچی

ہے۔

"میں انکا مستحق نہیں تھا، بزدل، کمزور اور سہما ہوا اک ناکارہ تھا اور آج بھی ہوں۔ تم سے ای۔۔۔ ایک درخواست کرنے آیا ہوں کہ مجھے اس اذیت سے نکال دو پلیز" کرمان کے دل نے تو گویا دھڑکنے سے انکار کر دیا جب وہ اپنی ہتھیلی سے کرمان کے چہرے پر اتر آتے آنسو کو اچک کر اپنے ہاتھ میں لیے رنج سے بھر کر کرمان کی پتھرائی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

"آپکے ان آنسوؤں کی قسم، یہ تکلیف کبھی کم نہیں ہو گی سائیں۔ یہ کیسی درخواست لے آئے ہیں، آپکی زینیہ تو اسی قبر مئں دفن ہے۔ میں کھو کھلی تو آپکی تکلیف بڑھا دوں گی، کمی پر قادر نہیں ہوں" زینیہ کا دل سلگ اٹھا پر کرمان آج اس درخواست کو رد ہوتا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ وہ بھی جیسے سر جھکا کر رو دی اور شاید اب دونوں کی اذیت بڑھنے کا وقت ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نوازش کہ میری کال اٹھالی تم نے، یعنی کل کے بعد تمہارا ڈر ختم ہو چکا" ہے" وہ فریش ہو کر اب آسمانی کف داری سوٹ میں ملبوس تھا اور ابھی اسکی دوسرے گاوں روانگی تھی، فلذہ نے اسکی کال اٹھا کر جیسے اسکے تنے اعصاب بحال کیے تھے۔ نا جانے کیوں فلذہ کو سادان کی آواز میں اداسی سی محسوس ہوئی۔

ڈر ختم نہیں ہوا، آپ سے محبت بڑھ گئی ہے۔ کیا ہوا ہے سائیں، آپ" ٹھیک ہیں ناں" ھائے یہ دن جب بن کہے شہزادے کی سانولی نے اسکا رنج جان لیا، بہت امتحان کے بعد میسر ہوا اور شہزادہ جتنا بھی اداس سہی مسکا کر اپنے جبر سے نکل کر کھڑکی کی سمت کھڑا ہوا جہاں شام کی ہلکی ہلکی ہوا دامن پھیلائے اتر رہی تھی۔

"بابا کو سزا ہو گئی فلذہ، آٹھ سال۔۔۔۔ تو کیسے ٹھیک ہو سکتا ہوں، ابھی بھی ساتھ والے گاؤں جا رہا ہوں یاور والے کیس کے سلسلے میں۔ کل کا دن میری پھر سے مشکل لانے والا ہے، وہ گھٹیا عورت بس اپنے انجام کو پہنچ جائے" سادان کا شکست خوردہ تاثر اور بالوں میں جکڑے ہوئے ہاتھ کا ماتھے کو مسلنا اسکے اضطراب کی بھرپور نمائندگی کر رہا تھا اور وہ بھی دیوار کے ساتھ نیچے بیٹھی مرغیوں کو دانا چگتے دیکھ رہی تھی۔

"ان شاءاللہ سب ہو گا، آپ پریشان مت ہوں۔ بس آپکی مشکل جلد حل ہو جائے گی۔ اللہ آپکو ہر امتحان میں سرخرو کرے گا" فلذہ کا اپنا چہرہ سادان کی تکلیف محسوس کر کے بجھا تھا اور فلذہ کی اس تسلی پر ہلکی سی مسکراہٹ سادان کے ہونٹوں پر آئی اور معدوم ہو گئی۔

"ہاں بس تم دعا کرو اب کوئی امتحان نہ آئے، خاص کر میرے اور تمہارے بیچ اب دوری نہیں سہہ سکتا۔ بس جلد ہی پورے حق کے ساتھ تمہیں لینے آؤں گا، پھر تو دل سے آؤ گی ناں فلذہ؟" ملن کا سوچ کر ہی اک ان کہی سی

خوشی نے دونوں کو مہکایا اور مدھم سی مسکان سانولی سلونی کے پر کشش چہرے پر اتری۔

دل وجان سے آوں گی، میں بھی تو مجبور ہوں سائیں ورنہ آپ کی ہوں" اس سے بڑی رضا تو میرے لیے ہے ہی نہیں۔ جائیے خیر سے، اللہ آپکا حامی وناصر ہو" اک خوشبو سا تسلی آمیز لمس جو دونوں کو ایک دوسرے کی چاہت کا ادراک کروا گیا تھا۔ سادان نے مسکرا کر فون رکھا مگر پھر سے اسکا ڈریسنگ پر رکھتے فون کے میسج پر نظر پڑی جو کرمان کا تھا۔

بہت سوچا سادان، اور میری خاموشی فارم ہاوس تک آکر ٹوٹی ہے۔ یہ" ہاں اور ناں کی اذیت سے میرا دل ہانپ اٹھا تھا۔ میں زینیہ سے ملنے جارہا ہوں" یہ کافی دیر پہلے کا میسج تھا جو سادان نے ابھی پڑھا اور پڑھنے کے بعد اک پر سکون سی لہر تھی جس نے شہزادے کو اپنی لپیٹ میں لیا اور وہ پھر باقی کی تیاری مکمل کرتا ہوا بیڈ پر اپنا بلیک کوٹ، چابی، والٹ اور فون لیے

کمرے سے باہر نکلا جہاں حویلی کی راہداری پر عاقل گاڑی کے ساتھ ہی منتظر کھڑا ملا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"اس روز آپکو جو پتا چلا وہ آدھا سچ تھا، یہ سچ ہے اس روز ان آدمیوں نے مجھ سے میرا سب چھین لیا تھا اور میں اک زندہ لاش مرنے کے سوا کوئی حل تلاش نہ کر پائی تھی۔ وہ دو دن مجھ میں اتر از ہر میری نس نس کاٹ کر زندگی اچکتا رہا، بابا کی آہیں اور سسکیاں مجھے اپنے بوجھ کو اس دنیا سے ہٹانے پر اکسا رہی تھیں" زینیہ کی تو یہیں بس ہو گئی اور کرمان کی آنکھیں لہو کی مانند تھیں، وہ جس انسان نے آج تک زینیہ کا عکس تک نہیں چھوا تھا آج بلا جھجک وہ اٹھ کر اسکے ساتھ بیٹھے اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے چکے تھے، وہ چھڑوانا چاہتی تھی مگر کرمان کی آنکھوں میں امڈتی التجاء کے آگے ہار گئی۔

آن مخملی اداس آنکھوں سے چند موتی ٹوٹ کر گرے اور اب کی بار کرمان نے اسے رونے سے نہ روکا۔

"میں نے اس کنویں میں چھلانگ لگانے سے پہلے بہت دیر آپکو پکارا تھا، میں آپ سے دور جا رہی تھی، گو پاس تو کبھی نہ تھی۔ اس روز نا جانے میری موت کیوں نہ لکھی گئی، حالانکہ میرا اس روز موت پر پورا حق تھا۔ مجھ پر موت بھی ہنس پڑی تھی، گاوں کے ایک کسان اور اسکے شہر سے چھٹیوں پر آئے بیٹے نے مجھے چھلانگ لگاتے دیکھ لیا تھا، اسکا بیٹا شہر میں وکیل تھا۔ اس آدمی نے مجھے اپنے بیٹے کے ساتھ مل کر وہاں سے نکالا اور رات کے اندھیرے میں وہ مجھے اپنے گھر لے گئے، چونکہ تب تک آپکی والدہ کی سفاکی کا علم گاوں کو ہو چکا تھا لہذا اس خاندان نے میرے بجائے نہ جانے کس پتلے کو زینیہ علی کی لاش بنائے کفن پہنا کر بنا کسی کو منہ دیکھائے دفنا دیا اور پورے گاوں کو حتی کہ بابا تک کو یہی لگا کہ میں مر گئی ہوں"

زینیہ جیسے جیسے اپنی کہانی سنا رہی تھی کرمان کا دل پھٹتا جا رہا تھا، دونوں کی

حسرت اور غمناکی کا جہاں ایک دوسرے سے زیادہ شدت آنکھیں ملیں تو کے سنگ موجزن تھا۔

اپنے ہاتھ پر کرمان کے ہاتھ کا دباؤ ہی زینیہ کی اس وقت کی بہت بڑی تسلی تھا مگر نا جانے کیا ہوا کہ وہ اپنا ہاتھ زبردستی چھڑوا کر اٹھی اور کچھ دور گردن موڑے کھڑی ہوئی جس پر کرمان بھی اٹھ کر بیتابی اس تک پہنچے پر اب کی بار انہوں نے فاصلہ برقرار رکھا۔

اس آدمی کا بیٹا اور اسکی بیوی اگلے روز صبح ہی میری نازک حالت کے " باعث مجھے لے کر شہر چلے گئے، رانیہ نام تھا اسکی بیوی کا جو اس وقت لاہور کی بہت بڑی خواتین کے حقوق کی این جیو چلاتی تھی اور وہ دونوں میاں بیوی گاؤں چھٹیوں پر آئے تھے۔ مجھے تو کچھ خبر نہیں تھی کہ میں مر گئی ہوں یا بچ گئی ہوں۔ اسکے بعد اگلے تیس گھنٹوں تک میں آئی سی یو رہی، اچانک سے حالت بہت نازک ہوئی پر پھر میں زندگی کی سمت لوٹ آئی۔

جب تک میرے زندہ ہونے کی خبر اس آدمی کے باپ نے میرے بابا تک

پہنچائی تب تک بابا۔۔۔۔۔۔" بات کرتے کرتے زینیہ کی سانس اکھڑی اور کرمان زمین میں گڑھتے ہی جا رہے تھے۔

مجھے چھوئیں مت سائیں" کرمان نے فاصلہ کم کیے اپنی درد دیتی نگاہیں" زینیہ پر مرکوز کیے اسکو شانوں سے پکڑا ہی تھا کہ وہ اپنا دامن چھڑوائے سسک اٹھی اور کرمان اسکی اس بات پر زخمی ہوئے۔

میں نے بابا کی موت کے بعد بھی مرنے کی بہت بار کوشش کی پر کم بخت" موت کو مجھ پر ترس نہ آیا، ان درندوں نے مجھ سے میری پاکیزگی میری عصمت اور میرا امان چھین لیا تھا۔۔۔ گندا کر دیا مجھے، اتنا گندا کے مجھے خود سے گھن آتی تھی، اور مردوں سے غلیظ اور نجس بدبو۔۔۔۔ان دونوں میاں بیوی نے گویا مجھے اپنے پیشنٹ کے طور پر نہیں بلکے اپنی چھوٹی بہن کی طرح حفاظت دی۔ پر میرے اندر تو سب مر گیا تھا، رانیہ آپی نے مجھے ہر ضروری ٹرئٹمنٹ دلوایا جس کی وجہ سے میرے وجود کا حصہ بنی گندگی میرا مزید کوئی بڑا امتحان نہ بنی ورنہ شاید وہ دن میرے ضبط کا اور زندگی کا آخری

دن ہوتا" یہ باتیں کہنے کے لیے بہت حوصلہ اور اسے سننے کے لیے بہت ہمت چاہیے تھی اور اس وقت وہ دونوں ہی ہمت و حوصلے کے پیکر بنے تہس نہس ہستاں لئے آمنے سامنے کھڑے تھے۔

"جانتی ہوں آپکو یہ سب بتا کر بہت دکھ دے رہی ہوں لیکن میں بھی یہ سب اپنے دل میں رکھ کر تھک گئی ہوں، کئی سال مجھے اس گندے ٹرانس سے نکلنے میں لگے اور پھر میری زندگی میں رانیہ آپی کی موت کا حادثہ آیا جس نے میرے اندر کی ہمت وقتی توڑ دی پر رانیہ آپی کے آخری اقدام میری جان پر قرض بن گئے۔ وہ مجھے اپنی جگہ این جیو کی پرزڈنٹ بنا گئی تھیں، انکو بلڈ کینسر تھا۔ پر جانے سے پہلے وہ اس مری ہوئی زینیہ کے اندر اپنا عکس چھوڑ گئیں۔ پھر میں نے اور میکال بھائی جو انکے شوہر تھے، نے رانیہ آپی کی یہ جنگ لڑنے کا عہد لیا اور اپنے جیسی ٔ مسلی ہوئی اور روندی زینیہ کا سائبان بنی۔ رانیہ آپی اور میکال بھائی کا بیٹا شفاء میکائیل ہی سادان کا وکیل ہے، میکائیل بھائی خود یہی جنگ بڑے لیول پر لڑ رہے ہیں اور اس

تنظیم کے علاوہ وہ کئی اور ادارے کھول کر انکو فنڈنگ کرتے ہیں" تو یہ تھی جیسے اپنی داستان سنا کر تھک گئی تھی اور کرمان کی پتھرائی زینیہ کی کہانی، وہ آنکھیں الگ نم ہوئیں جنھیں وہ بے دردی سے رگڑے زینیہ کی سمت نگاہیں کیے مضبوط ہوئے۔ وہ ابھی اسے چھونے کا حق نہیں رکھتے تھے نہ زینیہ انکو ایسا کرنے دے رہی تھی لہذا انکے پاس ایک ہی حل بچا۔

"مجھ سے شادی کرو گی؟" زینیہ نے اس سوال پر پھٹی آنکھوں کے سنگ کرمان کو دیکھا جو بہت مشکل سے خود پر ضبط کیے پوری سچائی سے استفسار کر رہے تھے اور وہ اس سوال پر خود میں اک کپکپی اترتی محسوس کر رہی تھی۔

"خدا نہ کرے مجھ جیسی آپکی زوجیت پائے، کیا کہہ رہے ہیں۔ میں آپکو سب بتا چکی ہوں اور یہاں ہمارے بیچ اس وقتی ہمدردی کے سوا اب کچھ نہیں ہے، مجھ جیسی آپ کے لائق نہیں ہے" زینیہ تو اس دردناک سوال پر تڑپ اٹھی جس پر کرمان کے چہرے پر بس سکون امڈ اتھا۔

اس سب کے باوجود بھی مجھے تم سے محبت ہے اور میری آخری سانس تک رہے گی، اگر تم تکلیف میں تھی تو سکون مجھے بھی نہیں ملا۔ پلیز زینیہ مجھ سے یہ آخری آسانی مت چھینو، مجھے خود پر حق دو کہ میں تمہاری تکلیفوں کی تلافی کر سکوں۔ مجھے تمہارے جواب کا انتظار رہے گا انکار کر کے تم مجھے میری زندگی کی سب سے بڑی ازیت مت دینا" کرمان اپنی بات حتمی طور پر اسے کہہ کر اسے کشمکش میں مبتلا کیے دلبرداشتہ سے باہر نکل گئے اور وہ تکلیف میں اٹی ہوئی روتی روتی وہیں صوفے پر لڑھک گئی۔ یہ کیا ہو گیا تھا، وہ خوف کے مارے کانپ رہی تھی۔ درد کی اخیر گھڑی تھی دونوں ہی لازوال کرب کا شکار ہو چکے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سادان اور عاقل رات آٹھ تک ڈھابے پر پہنچ گئے تھے مگر وہاں جا کر ڈائریکٹ بات کرنے کے بجائے سادان نے ہی مشورہ دیا کہ کھانا کھا لیتے

ہیں جس پر آج اس بوڑھے رحمان احمد کے ساتھ آج ایک جوان آدمی بھی تھا جسکا خلیہ کچھ دیکھا بھالا تھا مگر وہ سامنے آنے کے بجائے رخ پھیر کر اندر کی جانب کھڑا تھا لہذا پہچان میں آنا مشکل ہو رہا تھا۔

عاقل، وہ جو لڑکا ہے۔ یہ میں نے کہیں دیکھا ہے، کیا یہ اس بوڑھے کا بیٹا ہے؟" سادان اور عاقل کھانا ختم کر کے اب جانچتی نگاہوں سے سامنے بنا دیکھے آپس میں آہستگی سے گفتگو کر رہے تھے، عاقل خود اس لڑکے کو پہلی بار دیکھ رہا تھا جس نے سر پر شیڈ کیپ پہن رکھی تھی، کالی شرٹ اور جینز، چہرے پر لمبی دھاڑی نے اسکے نقوش چھپا رکھے تھے مگر وہ لڑکا بار بار مڑ کر سادان اور عاقل کی طرف دیکھ کر سر جھکائے اپنی پیشانی مسل رہا تھا۔

نہیں سائیں آج سے پہلے تو میں نے اس لڑکے کو کبھی نہیں دیکھا یہاں، " اور اس بوڑھے کی کوئی اولاد نہیں ہے جہاں تک مجھے پتا ہے۔ سائیں یہ لڑکا مجھے مشکوک لگ رہا ہے، دیکھیں اسکا خلیہ بھی عجیب سا ہے" سادان کے ساتھ رہ رہ کر عاقل بھی اب معاملات کو باریک بینی سے کھوجنا سیکھ رہا تھا

اور سادان نے خود بھی اب اس لڑکے کو بڑی چالاکی سے وہاں سے نکلتے دیکھا تو سادان نے عاقل کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اٹھ کر اس مشکوک لڑکے کی سمت لپکا اور سادان کے دو آدمیوں نے بھی اسکی پیروی کی۔

وہ لڑکا وہاں سے اس سے پہلے کے بھاگ کر فرار ہوتا، سادان نے اسکے پیچھے بھاگتے ہوئے گارڈ سے گن لے کر ہوائی فائر کیا جس پر وہ بھاگتا بھاگتا وہیں پتھرا کر اپنے سبک رو قدم روک گیا۔ سادآن کو اب شک نہیں بلکے اس بات کا یقین ہو گیا کہ یہ ضرور کچھ چھپا کر بھاگا ہے۔

رک جاو، دیکھو میں گولی چلا دوں گا۔ تم مجھے دیکھ کر کیوں بھاگے "سادان" نے دبنگ انداز سے گن پکڑ کر پشت کر کے کھڑے اس وجود تک رسائی حاصل کی جو کچھ دور لگے بلب کی روشنی کے باوجود ٹوپی کے باعث مکمل چھپا ہوا پر اسرار لگ رہا تھا مگر سادان کے پوچھنے پر جیسے اس وجود میں جنبیش ہوئی اور سادان نے اب کی بار خود سختی سے اسے کندھے سے پکڑ کر روبرو کیا۔

ساداں کی استخرابی نگاہیں ایک لمحے کو حیرت میں ڈوبیں کیونکہ وہ کوئی اور نہیں اسی کے گھر کے آدمیوں کی فوج کا ایک رکن زلفی تھا اور ساداں اسے نہ جان کر بھی پہچان چکا تھا۔

ساداں تو حیرت میں تھا مگر زلفی کے چہرے پر پھیلی سفیدی کسی نئے راز کو کھولنے کی جانب گامزن تھی۔ گویا وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ اتنی جلدی پکڑ میں آجائے گا، ساداں کی استفہامیہ نگاہیں صاف اس سے یہ ماجرا دریافت کرنا چاہتی تھیں جس پر زلفی نے اپنے سر پر رکھی ٹوپی ہٹا کر نگاہیں جھکالیں۔

تم یہاں ؟ زلفی نام ہے ناں غالباً۔ مجھے دیکھ کر بھاگے کیوں، اور یہاں اس " بوڑھے کے ڈھابے پر کیا کر رہے تھے تم، کیا رشتہ ہے تمہارا اس سے "

ساداں اس وقت بالکل سنجیدہ اچٹتی نگاہیں اس پر مرکوز کیے استفسار کر رہا تھا اور زلفی کو لگا بس آج اسکی اور مہک کی تکلیف یا تو بہت بڑھنے والی ہے یا آج اک نیا موڑ کہانی کو ہلا دینے والا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"میں نے کھیر بنائی تھی فلذہ آپی، سوچا اب دوستی ہو گئی ہے تو آپکو چیک کرواوں۔ سلام منظور چچا کیسے ہیں آپ" اس روز کے بعد فلذہ اور رمشہ میں اک پیارا اسا ناطہ جڑھ گیا تھا اور یوں دستک پر دروازہ کھولتے ہی خود فلذہ اسکے اس حسین اور اچھوتے انداز پر مسکا دی جو ہاتھ میں کھیر کا پیالا پکڑے صحن میں نیم دراز منظور چچا کے پاس بیٹھی سر پر ہاتھ پھیر وائے اب وہ پیالا پیاری سی فلذہ کو تھمائے مسکرائی جس پر فلذہ بھی ویسی محبت سے اسکی گال کھینچ کر پیالا لیے اندر بڑھی۔

"اللہ کا بے حد کرم ہے میرے بچے، تم بتاو محمود بھائی کیسے ہیں" منظور حسین نے شفیق سی رسانیت سے پوچھا جس پر وہ سر اثبات میں ہلائے مطمئین سا مسکائی۔

جی چچا، بابا بہتر ہیں بس یہ جوڑوں کا درد بہت تنگ کرتا ہے۔ کبیر چچا کی" دوائی سے بہت آرام ہے" رمشہ نے بھی ویسی ہی رسانیت سے جواب دیا مگر اسکی بیقراری تو کچھ اور ہی کہہ رہی تھی تبھی وہ فلذہ کے پیچھے ہی چچا کو آنے کا کہہ کر بڑھی جہاں فلذہ اسکے لیے خاص بنائی بریانی گرم کر رہی تھی اور کچن میں گھستے ہی رمشہ کے چہرے پر لذت آمیز خوشی ابھری اور خود فلذہ بھی اسکے کچن میں ہی آجانے پر مڑی۔

آج میں نے بریانی بنائی ہے، تم اسے بابا کے لیے بھی لے جانا اور آجاو" تمہارے لیے بالکل ریڈی ہے" فلذہ اب بریانی پلیٹ میں ڈالتے بولی مگر اس سے پہلے کہ فلذہ کچھ مزید کہتی، رمشہ پر اسرار سی ہو کر فلذہ کے پاس آکر تھوڑا گھبرائی تو فلذہ بھی اسکے چہرے پر پریشانی اور اسکا متذبذب ہونا دیکھ کر تھوڑی بے چین ہوئی۔

کیا بات ہے رمشہ، کچھ کہنا چاہتی ہو" رمشہ کو نا جانے کیوں رہ رہ کر تیمور" کی فکر ہو رہی تھی اور اب اس سے برداشت نہ تھا تبھی وہ فلذہ سے اپنے دل

کا بوجھ ہلکا کرنے آئی تھی۔ رمشہ جو کچھ سوچتی تھی اور جیسا تیمور کو سمجھتی تھی وہ یہ سب بابا سے نہیں کہہ پاتی تھی تبھی اسے لگا کہ اسے فلذہ سے بات کرنی چاہیے۔

آپی پتا نہیں آپ کیا سوچیں گی پر میں آپ سے کچھ شئیر کرنا چاہتی ہوں، " آپ مجھے بتائیں کے کہیں میں نے کوئی غلطی تو نہیں کر دی، میں بہت پریشان ہوں "رمشہ کے لہجے میں حقیقی خلش اور اداسی عود آئی جس پر فلذہ نے اسکا ہاتھ پکڑے چٹائی پر بٹھایا اور خود بھی اسکے ساتھ آکر بیٹھی۔ کھانا بھی وہ رکھ چکی تھی مگر رمشہ کو اس وقت بس اپنے اندر کی اداسی کہنی تھی۔ فلذہ اتنی پیاری اور نرم دل تھی اور تبھی رمشہ جیسی تیکھی کو بھی وہ بھا گئی اور اسے بالکل یہی لگا جیسے وہ فلذہ کو بہن سمجھ لے۔

کیا ہوا ہے گڑیا، بتاو مجھے۔ ہو سکتا ہے میں کچھ مدد کر سکوں۔ بولو "فلذہ کا" یوں محبت سے پوچھنا رمشہ کو حوصلہ دے گیا اور اس نے اس روز اپنی اور تیمور کی ملاقات اور اسے جو رمشہ نے حد درجہ زلیل کیا وہ سب روداد بتائی

اور فلذہ تو شاک رہ گئی۔اب اسے تیمور کے اچانک چلے جانے اور بدلنے کی وجہ سمجھ آئی تھی۔

آپی آپ یہ کسی سے مت کہیے گا کیونکہ اسکا علم باباتک کو نہیں ہے، میں" اس وقت بہت غصے اور تکلیف میں تھی اور نہیں سمجھ آئی کے کیا کیا کہہ گئی ہوں۔وہ اسی لیے سب چھوڑ کر چلا گیا ہے اور جب سے وہ گیا ہے مجھے عجیب سا احساس جرم لاحق ہے، میرا مقصد اسے سب سے الگ کرنا نہیں تھا آپی وہ تو میرا حق تھا کہ میں اس شخص پر اپنی ناراضگی نکالتی "یک لخت ہی رمشہ کی آنکھوں میں سرخی اتری جس پر فلذہ نے بہت پیار سے اسے اپنے ساتھ لگائے گال پر ٹپکتے آنسو کو ہٹایا اور اس پگلی پر مسکرا دی۔

کسی سے نہیں کہوں گی لیکن تم پریشان مت ہو۔یہ تو اچھی بات ہے رمشہ " کے وہ تمہارے لیے خود کو سنوارنے گیا ہے۔سائیں بتا رہے تھے وہ بہت بدل گیا ہے، بالکل سلجھا ہوا۔مانتی ہوں تم نے وہ سب کہہ کر غلط کیا پر تم بھی حق پر ہو اور اب وہ بھی حق پر ہے۔روتے نہیں ہیں، تم تو بہت بہادر

ہو۔ مجھ سے کہیں زیادہ باہمت ہو" فلذہ کی باتیں رمشہ کی اداسی میں بے حد کمی کر گئی تھیں اور خود رمشہ کے دل کا غبار ہٹ کر اسے اس احساس جرم سے نکال چکا تھا۔ ایک سی دلفریب مسکان اب دونوں کے چہروں پر تھی۔

"آپی میں بالکل بہادر نہیں ہوں، ہاں بس بنتی ہوں۔ میں اسے اتنی آسانی سے معاف نہیں کر سکتی نہ مجھ سے ہو گا بس اسکے چلے جانے نے مجھے عجیب ساد کھ دیا" پگلی ابھی کم عمر تھی، نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ تیمور کے دل میں اگا محبت نامی پودا اور اس میں نکاح کی خوشبو کا اثر رمشہ کے دل پر ثبت ہو گیا تھا، فلذہ نے تو چپکے سے رمشہ کا صدقہ اتار لیا۔ کیونکہ وہ سمجھ چکی تھی کہ رمشہ کے ساتھ مسئلہ اصل میں پیش کیا آیا ہے۔

"دیکھنا وہ ایک کامیاب انسان بن کر لوٹے گا پھر تم اسے معافی مانگنے کا موقع دینے سے پہلے معاف کر دو گی، کیونکہ تم دونوں نکاح میں بندھے ہو۔ یہ وقتی دوری تم دونوں کے دلوں کو قریب لائے گی اس لیے ٹینشن مت لو، اسی خوشی میں اب میری گڑیا آپ میرے ہاتھ کی بریانی ٹرائی

کریں اور میری تعریف بھی لازمی کریں" جہاں فلذہ نے بات سنجیدہ سی دلکشی سے شروع کی وہیں اختتام تک دونوں ہی نہایت کھنکتے انداز میں ہنس پڑیں اور آج سے واقعی دونوں ایک دوسرے کے مزید قریب ہو گئیں۔ آخر کو حویلی کی لاڈلی بہوئیں تھیں، اور اللہ نے بھی کس خوبصورتی سے دونوں کے بیچ انس پیدا کر دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات کی تاریکی اور آج اس رات نے گواہ رہنا تھا کہ بادشاہِ وقت آخر کار سچائی تک پہنچ گیا تھا۔ ڈھابہ ساڑھے نو بجے بند کر دیا گیا اور اب وہ چاروں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ رحمان احمد کی گردن اذیت کے بوجھ سے جھکی تھی اور زلفی کی آنکھوں میں اک اذیت کا جہاں تھا۔

اسکی موت کے ٹھیک دو ہفتے بعد میری اور مہک کی رخصتی تھی، میں بہت" خوش تھا۔ جسے چاہا وہ میری ہونے والی تھی۔ میں رحمان چچا کے بڑے بھائی کا بیٹا ہوں اور امی ابو کی وفات کے بعد مجھے یہی پال پوس کر بڑا کرتے گئے۔ اور مہک کے ساتھ میری دوستی، محبت تک گئی اور پھر نکاح کی آسانی تک جا پہنچی۔ اس روز میں اسے لے کر گاوں کے میلے میں گیا تھا، کتنے دن سے وہ ضد کر رہی تھی کہ اسے گاوں کا میلہ دیکھنا ہے" زلفی کی کہانی سادان اور عاقل کے لیے ابھی بہت حیران کن تھی کیونکہ ابھی جو سچائی کھلنے والی تھی وہ یہاں سناٹا پھیلا دینے والی تھی۔

واپسی تک آتے آتے گہری شام ڈھل گئی اور نا جانے عین وقت پر میری" بائیک کو کیا ہوا کے اس نے بھی بیچ سڑک دم توڑ دیا۔ سنسان جگہ اور گھر بھی بہت دور تھا، ابھی ہم دونوں گھر پہنچنے کے لیے کوئی سبیل تلاش کر رہی رہے تھے کہ تین اوباش لڑکوں نے عین ہمارے سامنے اپنی گاڑی روکی۔ انکی گندی نظریں میں نے گاڑی سے نکلنے سے پہلے ہی جان لئں، مہک اور

میرے پاس اپنی حفاظت کو کوئی ہتھیار نہ تھا مگر ان تینوں کے پاس گنز تھیں۔ وہ تین مہک کو بہت بری طرح گھور رہے تھے جیسے نا جانے اسے کس پل چیر پھاڑ دیں گے۔ میں نے اپنی طرف سے اس ایک لڑکے کے مہک کی چادر کو کھینچنے پر اسے مکا رسید کیا مگر اس کے بدلے ان تینوں نے مجھ پر حملہ کیا اور اپنے ہاتھ میں پکڑی گنز میرے سر پر دے ماریں جس سے میں بے سدھ ہو کر زمین بوس ہوا۔ میرے سر سے خون پھوٹ پڑا مگر میری سماعت میں اگر کچھ تھا تو وہ میری مہک کی چیخیں تھیں "زلفی کی آواز درد سے اٹ کر لرز گئی اور اب رحمان احمد بھی سسک اٹھا۔

سادان کو زرا امید نہ تھی کہ وہ ایسا سب بھی سنے گا جو اسکی روح فنا کر دے گا۔

ان تینوں نے مہک کے ساتھ زیادتی کی تھی، وہ تینوں یاور، شان اور خذیفہ تھے "یوں لگا سادان کا سانس بند ہو گیا ہے، یہ سچائی اتنی دردناک تھی کہ خود سادان اور عاقل کی آنکھوں میں سرخی اتر آئی۔

رات گہری تھی، ہر طرف سناٹا اور کچھ دور مہک کی دلخراش آوازیں "
میری موت بن رہی تھیں۔ میں نے پھٹے سر کے باوجود اٹھنے کی کوشش کی
اور جب تک لڑکھڑا کر آوازوں کی جانب لپکا تو وہ اپنی زندگی کے آخری
سانس لے رہی تھی۔ ان کتوں نے میری مہک کو نوچ ڈالا تھا سائیں اس
لیے انکی موت ہم پر قرض تھی۔ وہ زہر میں نے چچا کو لا کر دیا۔ اس روز وہ
تینوں آپکے گاؤں جانے سے پہلے ڈھابے پر چائے پینے رکے تھے، انکا ارادہ
اس روز آپکی فلذہ کے ساتھ یہی دہرانے کا تھا اور یہ باتیں میں نے سن کر
ان کی بعد کی موت اسی لمحے خود پر قرض کی۔ چچا نے ان تینوں کی چائے میں
ایک خاص قسم کا سلو پائزن ملایا تاکہ وہ یہاں مرنے کے بجائے کہیں اور
اپنی بدبختی جھیلیں۔ مہک کو میں بچا نہ پایا، اسکا درد مجھے تا عمر رہے گا لیکن
اسکے قاتل مر گئے ہیں اور دردناک موت مرے ہیں یہ میری اور یقیناً مہک
اس وقت آپکے چچا کرمان کا خاص کی روح پر سکون کر گیا ہے۔ میں نے
آدمی تھا مگر اسکے بعد میں نے مزید ایسی درندگی روکنے کے لیے آپکے بابا

سائیں کے خاص آدمیوں میں ایک سال لگا کر جگہ بنائی تاکہ انکے گھناونے ارادے جان سکوں" زلفی کا ضبط ٹوٹا تو سادان اٹھ کر اسکی سمت آیا اور دکھ دیتے تاثر کے سنگ اسے اپنے سینے سے لگا گیا۔ جبکہ عاقل اب روتے ہوئے اس مجبور باپ کی سسکیوں پر تڑپ اٹھا اور انکو حوصلہ دینے ساتھ بیٹھا۔

حوصلہ کرو میرے بھائی، اور ہو سکے تو آپ دونوں مجھے معاف کر دیں۔ وہ" میرا بھائی تھا اور اس نے ایسی درندگی کر کے آج میرے سینے کو بھی اک نہ بھرنے والا گھاو دیا ہے۔ آپ دونوں بالکل بے فکر رہیں، میں بس یہ سچائی جاننا چاہتا تھا۔ یہ کیس آج سے بند، مہک کی روح بے شک پر سکون ہو گی۔ اللہ اسے جنت الفردوس میں جگہ دے اور آپ دونوں کو صبر دے۔ مجھے سچ میں شدید کرب محسوس ہو رہا ہے، آپ نے جو اذیت سہی وہ واقعی ظالم ہے" سادان کا یوں زلفی کو گلے لگانا خود زلفی کے دل کو پر سکون کر گیا اور ابھی تو جب سادان کو جب علم ہو گا کہ اسکی فلذہ کو دوسری بار بھی بچانے

والا اور اسکے کیس کا واحد گواہ بننے والا بھی زلفی ہے تو یقیناً سادان اس شخص کا احسان مند ہو جاتا یہی سوچ کر زلفی نے یہ باتیں چھپا لی تھیں۔

" میں بس اسی لیے ڈرتا تھا کہ میری بچی کی مزید رسوائی نہ ہو، اگر آپ پھر بھی ہمیں سزا دینا چاہتے ہیں تو دے دیں سائیں۔ ویسے بھی مہک کے بعد سے تو زندگی اور موت کا فرق نہیں رہا" آخر کار اس بوڑھے شخص نے بھی گہری کھائی سے ابھرتی آواز نکالے غم سے نڈھال آنکھیں بھیگائے ہاتھ جوڑے جسے سادان نے بے قراری سے ایسا کرنے سے روکا۔

" نہیں، آپ کی سزا تو بنتی ہی نہیں۔ آپکی بیٹی جنت میں ہو گی اور یہ سکھ شاید آپ دونوں کی تکلیف میں کمی کر دے۔ وہ تینوں اسی لائق تھے، اللہ نے ان تینوں کو دنیا میں ہی عبرت بنا دیا ہے۔ میں بحیثیت اس کیس کے جج ہونے کے ناطے آپ دونوں پر ان تینوں کا خون معاف کرتا ہوں" آج شہزادے نے بادشاہت کا پہلا انصاف زدہ فیصلہ لے کر اپنی بادشاہی پر مہر لگا دی تھی۔ رات کی یہ خنک زدہ تاریکی گواہ تھی کہ اللہ پاک نے شہزادے

کو درد جہان سونپ دیا اور اسکا پہلا فیصلہ ہی بے حد انصاف پسند تھا۔ خذیفہ اور شان کے والدین کو جو کہانی سنائی گئی وہ یہی تھی بس فرق اتنا تھا کہ آدھی کہانی سادان نے خود لکھی اور قاتلوں کو بھی مردہ بنا دیا۔ وہ لوگ چپ چاپ سادان کی بات مان کر کچھ پل اپنے دل کے زخم ہرے کر گئے مگر شہزادہ مطمئین تھا کہ اس نے سچائی جان لی تھی۔

پورے راستے عاقل نے سادان کو جلتے اور سلگتے دیکھا، آج اسے یاور کی یاد رنج دے رہی تھی۔ کاش وہ یاور کو بھی سنبھال لیتا تو آج وہ یوں دنیا کے لیے عبرت نہ بنتا۔

"یااللہ ان تینوں کے عذاب میں کمی فرمایئے، بیشک آپ مہربان ہیں۔ وہ تین اپنے کیے کی سزا بھگت گئے ہیں ہوسکے تو انکی اذیت میں کمی فرما دیں۔ مہک کو جنت میں اعلی مقام دیجیئے۔ بے شک آپ ہر بھید سے واقف ہیں، زمین کے اوپر اور اندر کے ہر معاملے کا علم صرف آپکو ہے۔ کیا کروں مولا وہ جیسا بھی تھا میرا بھائی تھا، اور میں کیسے اسے جلتا سہوں۔ آپ معاف

کرنے والے ہیں انھیں معاف فرمادیں" سادان کی آنکھوں سے دعا کے وقت نمی بہہ رہی تھی اور وہ سر اٹھائے بس رحم مانگ رہا تھا۔ شاید اب یاور کی بخشش کے لیے ضروری تھا کہ اسکے لیے تاعمر مغفرت کی دعا کی جائے، کیونکہ ایسے مجرموں کو اتنی جلدی خلاصی نہیں ملتی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کیا ہے آپ سب کی نظر میں عورت، اک وجود۔اک باندھی، تم سب کی ہوس کی ضرورت۔ کیا آپ سب نہیں جانتے کہ محض ہوس پوری کرنا تو جانوروں کو زیب دیتا ہے کیونکہ اللہ نے انکو عقل و شعور سے خالی بنایا ہے۔ ہم انسان اشرف المخلوقات ہو کر کیوں جانوروں سی درندگی پر اترے ہوئے ہیں" صبح کے دس بجے پورا گاؤں ہنگامی بنیاد پر ایک بڑے سے میدان میں جمع تھا جہاں آج زینیہ اپنے ہر غم کو بھلا کر اپنا پہلا سیشن کر رہی تھیں۔ آج یہاں گاؤں کا ہر خاص و عام موجود تھا اور ابھی اتنے سے آئینہ

دیکھانے پر بہت سے چہرے شرم اور شرمندگی کے بوجھ سے جھکے ہوئے تھے۔

سامنے زینیہ کے ٹیم ممبرز اپنی اپنی جگہ اور کام پر اس مجمعے کو سلجھانے پر لگے تھے، کئی امیر طبقے کے لوگ بھی چہروں پر تنفر اور ناپسندیدگی سجائے وہاں جمع تھے۔ کچھ فاصلے پر زینیہ کی ٹیم کے ہمراہ کھڑے کرمان بھی اپنے سوال کو بھلائے اس وقت زینیہ کے ساتھ تھے۔ سادان حویلی ہی تھا کیونکہ آج انجیل بیگم کی عبرتناک اینڈنگ وہ مزے سے دیکھنے والا تھا۔ کورٹ نے انجیل بیگم کے موجودہ ثبوت شدہ گناہوں پر اسکے اریسٹ وارنٹ جاری کر دیے تھے اور پولیس اور این جیو کے مین ہیڈ مسٹر میکائیل مکمل پروٹوکول کے سنگ کچھ ہی دیر میں انجیل کی گرفتاری کے لیے حویلی پہنچنے والے تھے۔

"آپ ہوتی کون ہیں ہمیں یہ سب بتانے والی، یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے کہ ہم اپنی عورت کے ذریعے ہوس پوری کریں یا اس کو جوتی کی نوک پر رکھیں۔

خود عورت ذات ہو کر آپ ایسے نازک معاملے پر بات کر رہی ہیں تھوڑی حیا کریں" مجمعے سے ایک فرسودہ ذہینیت اور نجس سوچ کا مالک یہاں کے مسخ شدہ گندے طبقے کی نمائندگی کیے ہوا میں ہاتھ بلند کرتے دبنگ انداز سے اٹھ کر غرایا جس پر کرمان کی ایک وحشت ناک نگاہ بظاہر اسکا خلق سو کھا گئی پر زینیہ یہاں آئی ہی ان لوگوں کے جواب دینے تھی۔ڈاکٹر کبیر، بشیر، محمود اور منظور بھی ایک طرف کھڑے زینیہ کے ساتھ کی ترجمانی کر رہے تھے۔گاوں کی سب عورتیں بھی جمع تھیں۔

کیوں کروں حیا، آپ سب کی گندی سوچ نے ہی ہم جیسے ادارے پیدا" کیے ہیں تاکہ ہم آپکے دماغ کا یہ خناس مٹا سکیں۔اگر یہی عورت تم سے چھین لی جائے تو کیا اوقات رہے گی تم لوگوں کی، کہاں نازل کروگے اپنی دو ٹکے کی مردانگی۔یہ مت بھولیے آپ کے یہ عورت ہی ہے جو آپکی وحشت سہہ کر بھی آپ کی درندگی پر اف نہیں کہتی۔آپکے بچے اپنی کوکھ میں رکھ کر الم سہہ کر انھیں پیدا کرتی ہے، آپ سب میں تو اتنی بھی ہمت

نہیں کہ اس درد کو برداشت کریں۔ عورت تو عزت اور محبت کے لائق ہے، پھر چاہے وہ اپنی ہو یا غیر" زینیہ کے لہجے کی برہمی نے اس پست ذہنیت والے آدمی کو کرارہ جواب دیا اور وہ سخت شرمندہ ہو کر لاجواب ہوا۔

مجمعے کی عورتیں روئی سی مسکان کے سنگ اس فرشتہ صفت عورت کو دعائیں دے رہی تھیں جو انکی آواز بنی تھی۔

کچھ دیر میں علی اور اسکے باپ کو بھی کرمان کے کچھ لوگ پکڑ کر لائے۔ آج یہاں عائشہ اور علی کی طلاق بھی طے پانی تھی۔

لیکن عورت سے ہم آرام نہ حاصل کریں تو لعنت ہے پھر اس پر، ہم کو کیا" فائدہ کے اسکا خرچہ بھی اٹھائیں اور بدلے میں محبت نامی خرافات جیسے چونچلے بھی کریں۔ بچے جنتی ہے تو کونسا احسان کرتی ہے، ہم انکو منہ نہ لگائیں تو انکے پاؤں مئں ہم بھی دیکھتے ہیں جنت کیسے آتی ہے" ایک اور اوباش سا آدمی اپنے ذہن کی گندگی لیے اٹھا، کرمان تو ان لوگوں کے

سوالات پر پتھرائے ہوئے تھے پر آفرین تھی وہ زینیہ جو اسکے اس سوال پر ایسا کاٹ دار ہنسی کے اس جیسے کئی زمین میں گڑھے لگے۔

عورت آپکے آرام کے لیے بنی ہے یہ کس نے کہہ دیا، وہ کوئی مشین یا" ربورٹ نہیں کہ تم لوگوں کو تمہاری مرضی پر آرام پہنچاتی رہے۔ وہ جنس نازک خود بھی تو آرام کی مستحق ہے۔ ہاں مانتی ہوں کہ عورت کے پیر کے نیچے جنت تمہاری بدولت آتی ہے صرف اس غرور میں تم نے اپنی بیویوں پر ظلم ڈھائے۔ وہ تو پھول جیسا وجود رکھتی ہے اور تم لوگ محرم بن کر تو نوچتے ہی ہو مگر کنواری بھی تم سب کی ہوس سے نہیں بچتی۔ اس گاوں میں کتنے زیادتی کے کیس ہوئے، کہیں کوئی ماں کا لال تڑپا، آواز بلند کی۔۔۔۔۔ لعنت تو ایسے مردوں پر ہے جو اپنے اندر کے گند کو کسی معصوم کے کردار کی موت بنا کر خود دندناتے پھرتے ہیں۔ مرتی تو وہ ہے جس پر ظلم ہوتا ہے" اب باری تھی اس گاوں کے اصل ناسور کو کریدنے کی، پورے مجمعے کو تو گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔

حقیقت، ہمارے سامنے کئی بچیاں موت کے منہ میں چلی گئیں بہن۔ خدا"
گواہ ہے نہ زمین کانپی نہ آسمان ٹوٹا، نہ ان نجس کتوں کے دل کانپے" یہ
ایک پر سوز طبقے کی نمائندگی کرتی عورت تھی جسکا سینہ پھٹا اور آنکھ نم
تھی۔

چند وحشیوں کو چھوڑ کر ہر کوئی ماتم میں تھا۔

یہی تو، تیسری برائی ونی۔ ہوس پوری کرنے کا ایک انوکھا"
ذریعہ۔۔۔۔ کوئی باپ قتل کرے تو اسکی معصوم بیٹی کتوں کے سپرد کر
دی جاتی، بھائی کسی کا گلا کاٹ آئے تو بہن کو ٹکڑے کر کے ان درندوں کے
آگے ڈال دیا جاتا ہے۔ علی اور عائشہ کا کیس آپ سب کے سامنے ہے، اس
شخص نے اس آٹھ سالا معصوم تک کو نہیں چھوڑا اور اسکے کلی جیسے جسم کو
مسل دیا۔ آج میں کورٹ کی مکمل اجازت کے بعد علی اور عائشہ کا یہ ونی
نکاح ختم کرتی ہوں اور علی کو اس سب کے لیے تین ماہ کی سزا اور دو لاکھ
جرمانہ دینا ہوگا جو میرا نہیں بلکے کورٹ آرڈر ہے اور سزا کے بعد علی اور اسکا

پورا خاندان گاوں بدر ہوگا۔ میشا کا غذات دو "اب کی بار پورے مجمعے میں

خوف وہراس پھیلا اور علی اور اسکے باپ کی شکلیں دیکھنے والی تھیں۔ زینیہ

کے پاس کورٹ کا آرڈر اور طلاق نامہ تھا جس پر عائشہ کا انگوٹھا چھپا تھا اور

علی کے انگوٹھے کا نشان لینے کے بعد یہ نکاح ختم کیا جانا تھا۔

وہ دونوں ہی حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے، بھلے وہ

شرمندہ تھے پر ایسوں کی سزا بھی اٹل تھی۔ زینیہ کا مقصد عائشہ کے امید

سے نہ ہونے کے باعث پورا ہو گیا تھا اور اسکی رپورٹ بھی مکمل کلئیر تھی۔

بر وقت علاج اور تدبیر کے ساتھ ساتھ اسکا کم عمر ہونا اور اسکے جسم کا بہت

لاغر ہونا اسے اس ظلم اور زیادتی سے بچا گیا ورنہ انکی طلاق اس آسانی سے

کبھی نہ ہو پاتی۔

پولیس کے کھڑے آہل کاروں نے انگوٹھا لگتے ہی علی کو ہتھ کڑی پہنا دی جو

سر جھکائے ایک مجرم تھا، آج تو اسکے باپ کا نخوت پن بھی غائب ہو کر رنج

بنا تھا۔

آدھے سے زیادہ مجمعہ اس بہترین فیصلے پر زوردار نعرے لگاتا خوش تھا جبکہ دوسرے ہوس زدہ طبقے کے ایک گروہ نے اس سارے معاملے کی خبر انجیل کو پہنچائی جو اپنی بادشاہت کے نیست و نابود ہونے پر آپے سے باہر آچکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فون پر ملنے والی اطلاع سے انجیل بیگم کے جسم میں چیونٹیاں لوٹ کھسوٹ کرنے لگیں، آج وہ سیاہ صرف لباس میں نہ تھی بلکے آخر کار اسکی سیاہ نصیبی کا وقت ہو چکا تھا۔ چند قدم چلتی ہوئی وہ فون کو پوری قوت سے فرش پر مارے بدحواسی سے اپنے خوف سے تر چہرے پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔

ٹھنڈک کا سارا احساس ختم ہو چکا تھا اور اسکے تن بدن میں نہ دیکھائی دینے

والی آگ دہک چکی تھی۔ آج دیکھتا کوئی اس فرعونیت کے درجے پر فائز شدہ عورت کے نام پر لگے نجس دھبے کو، وہ تہس نہس ہو کر ہراساں نظروں کے سنگ اپنی گھناونی شکل آئینے میں دیکھ رہی تھی۔ کیا واقعی اسکی بادشاہت دم توڑ گئی تھی، یہ دھچکا اس کی خباثت اور انا کو آج جھاگ بنا گیا تھا۔

آج انجیل بیگم کے چہرے پر اسکا نخوت پن اور تنفر ہٹ کر اک کرب اور سنسنی بنا تھا۔ وہ اب اپنی الماری کی سمت مرے قدموں سے بڑھ رہی تھی۔

شکل پر وہی تاثر تھا جو میدان جنگ میں ہارے ہووں کے چہروں پر ہوتا ہے، روح فنا، جسم لرزتا ہوا اور آنکھیں پتھر۔ وہ ایک صندوقچی سا کچھ تھا جسے وہ ابھی بھی اکڑا کر نکالتی ہوئی خود کو قدم موڑے بیڈ تک لا کر لڑھکا گئی۔ اس میں ایک گن اور چھ گولیاں تھیں مگر کچھ اور بھی تھا جسے وہ نا گن نکال کر کچھ دیر ہونق بنی دیکھتی رہی اور پھر پاگلوں کی طرح ہنس پڑی۔

مجھ سے میرے فرمان کو چھینا تھا تو نے بدذات، اور میں نے تم دونوں کو "
عبرت ناک سزا دی۔ پر پھر بھی میرے دل میں آج بھی اپنے سائیں کی
موت کا کانٹا چبھتا ہے۔ تبھی تو آپکے ہم شکل سادان کو اب تک رعایت دی
لیکن اب نہیں، آج ہو سکتا میں بھی آپکے پاس آجاوں پر اس سے پہلے
سادان کی موت میرے ہاتھ لکھی ہے۔ میں انجیل فرمان چوہدری، کسی
کے آگے کبھی نہ ہارنے والی آپکے ہی چکر میں ہار گئی۔ اس پر اگر آپ زندہ
ہوتے تو اس گن کی تین گولیاں دوبارہ آپ کو دیتی میرے شہزادے "
انجیل بیگم کی آنکھوں میں ماتمی حقارت تھی اور وہ دیوانگی سے اس فوٹو کو
چوم رہی تھی جس میں واقعی سادان جیسی خوبصورتی جیسا ایک حسین
شہزادہ اور اسکے دونوں اطراف دو خواتین کھڑی تھیں جن میں ایک انجیل
اور دوسری مہر بانو تھیں جو شکل و صورت کی اچھی تھیں مگر حسن اور ادا میں
شکست تھا۔ انجیل تب بھی آفت تھی اور بلاشبہ اسکا حسن ابھی بھی ناقابل

مار ناپڑا آپکو، میری بادشاہت کے بیچ آپ آئے۔ جو جو آیا اسے بھی مجبورا"

مار ناپڑا، ویسے تو آپ جانتے ہیں میں کتنی نرم دل ہوں۔ تڑپانے کے بجائے

سیدھا مارتی ہوں۔ سادان نے میرے خلاف نجانے کیا کیا ثبوت بنا لیے

ہیں، وہ خبیث مجھے پھانسی چڑھانا چاہتا ہے پر یہ تو میری شان میں کمی کا

باعث ہے۔۔۔۔ ناں ناں گھبرائیں مت، آتے وقت کالک تھوڑی لگاؤں

گی آپکے نام کو بس ایک آخری موت آپکے پیارے سادان کی "آج قیامت

آنے کو تھی، جہاں باہر سادان آج انجیل کے خاتمے پر پر امید تھا وہیں یہ

عورت جاتے جاتے بھی اپنی درندہ سوچ کے گھوڑے دوڑا کر سادان کو

مارنے کے پلان بنا رہی تھی۔

میں جانتی ہوں آپ مجھ سے خفا ہیں، پر میں یہ کر کے ہی لوٹوں گی۔ مجھے "

جہنم بھیجے گا وہ کل کا بدبخت، تو میرا بھی فرض بنتا اسے اسکے بقول جنت

بھیجوں، اچھا سوچ رہی ہوں ناں "یہ عورت اس وقت ایک پاگل اور جنونی

روپ میں اپنی راج ہنس سی گردن اٹھا کر تفاخر سے تصویر سے بات کر رہی تھی، آج اس پر عبرت اتر رہی تھی۔

وہ قند و قیچی بند کر کے بیڈ کے نیچے رکھتی اب وہ گن کی میگزین میں گولیاں بھرتے ہوئے نجس سا ہنس رہی تھی کہ اسکا قہقہہ پورے کمرے میں کھنک اٹھا۔ ہنسی نے جب اس عورت کو بے دم کر دیا تو یک لخت آنکھوں میں حقارت کی لہر پوری قوت سے بیدار ہوئی اور وہ اٹھ کر اپنی لاٹھی کمرے میں پٹختی ہوئی گن کو تھامے آئینے میں خود کو ہی آنکھ مارے شیطانی سا مسکرائی۔

تم سب نے انجیل کو بہت ہلکا لے لیا، تم لوگ مجھ سے میری بادشاہت " چھینو اور میں تم سب سے تمہارا پیارا بادشاہ چھین لوں گی۔ ہاں میرے اصل دشمن سادان صاحب تیار ہو جایئے، یہ چھ کی چھ گولیاں آج انجیل تیرے سینے میں اتار دے گی۔ تو مرے گا آج، میری بادشاہت نہیں تو تیرا وجود بھی فضا میں منتشر کر دوں گی۔ مجھ سے میرا سب چھیننے والے کو بھی

قبر ملنی چاہیے" جبڑے بھینچے وہ آئینے میں خود اپنی سرخ وحشی آنکھوں میں نظریں گاڑے قیامت برپا کرنے کی تیاری کر رہی تھی۔ طیش کی لہریں سی اس کے وجود میں اتر رہی تھیں، جلتے سلگتے اور تپتے وجود کے سنگ چہرے پر متوحش سی نفرت سجائے وہ ایک گہرا سانس ناک کے ذریعے خارج کیے پھنپھنائی اور اگلے ہی لمحے وہ خونخوار ہو کر اپنا کمرہ کھولے گن کو چادر میں چھپائے باہر نکل کر سادان کو مارنے حویلی کے احاطے کی سمت لپکی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج بہت بڑی کامیابی ملی ہے، اب آپکی عائشہ اس درندے سے بالکل آزاد ہے۔ میں آپ سے ایک ریکوسٹ کرنا چاہتی ہوں کہ اسے آپ کچھ ٹائم میرے ساتھ رہنے کی اجازت دیں کیونکہ اسکے ننھے دماغ پر جو خوف اور اسکی عمر سے بہت بڑا بوجھ ہے اسے ہٹانا بہت ضروری ہے تاکہ اس کے اندر اسکا اعتماد لوٹ سکے" وہ سب ڈاکٹر کبیر کے کلینک تھے جہاں زینیہ، کرمان،

عاقل، بشیر، ڈاکٹر کبیر اور عائشہ کے اماں بابا تھے جو نم آنکھوں سے اس فرشتہ صفت عورت کے شکر گزار تھے۔ آج بہت دن بعد عائشہ کی طبعیت اور اسکا فیور مکمل اتر چکا تھا جو اسکی طبعیت کی بہتری کا ثبوت تھا۔

باجی اگر میری پری زندہ ہے تو صرف آپ سکی وجہ سے، اللہ آپ کو بہت" خوش رکھے جو ہم غریبوں کے لیے اتنا کچھ کیا۔ اب میری عائشہ ہم سے زیادہ تو آپکی ہے" عائشہ کی ماں دھندلی آنکھوں سے روئی سی کہہ کر نظریں جھکائے زمین کو گھورنے لگی جس پر زینیہ نے درد دیتے تاثر کے سنگ اسکو خود سے لگائے تسلی دی اور وہ بھی جیسے اس تسلی پر سارا درد سسک سسک کر نکالنے لگی۔ خیر دین خود ڈاکٹر کبیر کی بازو کی گرفت میں کندھے پر رکھے حجاب سے اپنی سیلن زدہ آنکھیں خشک کیے درد سے اٹا تھا۔

بہن آپ روئیں مت۔ ہم سب بس وسیلہ ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ " ساداں ایسا کبھی نہ ہونے دیتا مگر اس کو بھی عین وقت پر جکڑ لیا گیا تھا جس کے باعث ہم میں سے کوئی بھی عائشہ کو اس وقتی عذاب سے نہ بچا سکا۔ خیر

دین حوصلہ میرے بھائی، اب عائشہ پر تو کیا اس گاوں کی کسی بچی پر آنچ نہیں آئے گی" کرمان نے بھی دونوں مسکین میاں بیوی کو تسلی فراہم کی اور وہ دو توشر گزاری سے بچھے جارہے تھے۔ آج ڈاکٹر کبیر اور بشیر بھی جی جان سے خوش تھے اور عاقل تو کسی اور ہی سوچ میں مبتلا تھا۔

ان شاءاللہ، اور فکر مت کریں۔ اب عائشہ پڑھے گی بھی اور پہلے کی طرح" جیے گی بھی۔ اسکی تعلیم سے لے شادی تک سب میں کروں گی لہذا آپ دونوں بالکل بے فکر رہیں" زینیہ تو واقعی ہی وہ چراغ تھی جو خود اندھیرا سہہ کرنا جانے کتنے بجھے چراغ روشن کر چکی تھی۔ کرمان کی آنکھیں زینیہ سے ملیں تو دونوں نے ہی بیک وقت چرائیں۔

اللہ آپ کو سلامت رکھے، آپ تو ہم سب کی ٹوٹی آس اور ہمت بندھا کر" ہم مظلوموں کے لیے رحمت بنی ہیں۔ اللہ سے آپ کی ہر خوشی کے لیے دعاگو ہوں باجی" عائشہ کی ماں کی اس دعا پر زینیہ نے اک افسردہ نگاہ اپنی سمت توجہ سے دیکھتے کرمان پر ڈالی تو دل خون کے آنسو رویا۔

وہ یہ سب ختم ہوتے ہی عائشہ کو لے کر واپس جانے کا ارادہ کر چکی تھی، کرمان کے سوال کا اسکے پاس مرتے دم تک جواب نہ تھا۔

وہ وہاں سے اب حویلی جانے والے تھے جب عاقل پہلے ہی گاڑی کی سمت بڑھا مگر زینیہ اور کرمان وہیں کلینک کے باہر رک گئے۔

"آج یہ سب ختم ہوتے ہی میرا کام بھی آدھا ختم ہو جائے گا، گاوں میں ایک ہفتہ مزید سیشن میری ٹیم کرے گی۔ ہو سکتا ہے اب ہماری ملاقات نہ ہو سکے" زینیہ نے اپنی آنکھیں چرا کر اس دل و صورت کے شفیق اور پیارے شخص کو پل بھر میں نڈھال کر دیا جس پر زینیہ نے صاف صاف کرمان کو بے قرار دیکھا۔

"اور میرا سوال، میری پہلی اور آخری خواہش؟" کرمان کے لہجے میں اک شکایت تھی، زینیہ نے نگاہیں اٹھا کر کرمان کی آنکھوں میں گاڑے کرب کی گہرائی جانچی۔

میں کہیں سے آپکے لائق نہیں سائیں، ایک استعمال شدہ"

عورت۔۔۔۔ایک نہیں دو مردوں کی وہشت سہنے والی ایک

ناپاک۔۔۔۔"زینیہ کے یہ زہر سے الفاظ کرمان کا سینہ چیڑ گئے اور وہ سخت دلبرداشتہ ہو کر آج اسے جنجھوڑ دینا چاہتے تھے۔

خدا کے لیے زینیہ مجھے مزید تکلیف مت دو، مجھے کوئی تو تلافی کرنے دو۔"

ناپاک تم نہیں وہ بدبخت ہیں، میرے لیے آج بھی تم جیسی پاکیزہ کوئی نہیں۔ باخدا تمہارے جسم پر لگے اس داغ کو کبھی اپنے اور بیچ نہیں آنے دوں گا، مجھے اپنا مرہم بننے دو" کرمان کی آنکھیں ضبط کے باعث سرخ تھیں اور وہ یہیں رو دینا چاہتی تھی۔

یہ داغ پھر بھی بیچ میں آئے گا، ہر مرد کی محبت جسم تک کبھی نا کبھی پہنچ" جاتی ہے۔ آپ کا میرے قریب آنا بھی میری زندگی کی پہلی اور آخری سعادت ہوتی مگر میں زمانے کی نجس تھپیڑ سہہ کر یہاں پہنچی ہوں، بہت ظالم حد تک حقیقت پسند ہوں۔ آپ کو چھونے تک کی میری اوقات

نہیں، میرے جاتے ہی سمجھ لیجئے گا زینیہ پھر سے مر گئی ہے۔ آپ میرا ایمان ہیں، مجھے کمزور مت کریں ورنہ زینیہ سچ میں مر جائے گی۔ مجھے ان بچیوں کا سائبان بننا ہے، مجھے معاف کر دیں" زینیہ بہت دلبرداشتہ سی آگے لپکی ہی تھی جب کرمان نے اسکی بازو پکڑ کر اسے روکا اور وہ یک لخت مڑ کر اپنی بازو چھڑوانے کی التجاء لیے دیکھنے لگی۔

اب تم گئی تو میں بھی مر جاوں گا زینیہ، مجھے باقی مردوں سے مت ملاو۔" میں تمہارا ایمان ہوں تو تم میرا عشق ہو۔ بنا تم سے ملے بس ایک جھلک کا اسیر یہ کرمان حق تم سے تمہیں مانگتا ہے۔ کہو تو جھولی پھیلا دوں گا، تم گئی تو یہ دکھ میرے وجود کو کھا جائے گا۔ میں تمہارے وجود پر لگا یہ کالک مٹانا چاہتا ہوں، مجھے اتنا خالی مت کرو زینیہ" کرمان کی آواز میں سوز تھا اک غم تھا جس نے زینیہ کے وجود کی طنابیں تان دیں، وہ کیا کرتی کہ اس شخص کی تکلیفوں کا ازالہ ہو پاتا۔

ہمیں حویلی چلنا چاہیے سائیں، وہاں بہت خطرہ ہے "ابھی کے لیے وہ یہ سب مزید نہ سہہ پائی اور بظاہر بات بدل گئی مگر کرمان اسکے اس فرار پر رضامند تو ہو گئے پر اب وہ کسی صورت زینیہ کو جانے نہیں دے سکتے تھے اور خود زینیہ کب جدائی کا حوصلہ رکھتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

انجیل بیگم آج سادان کو مار دینا چاہتی تھی، پوری حویلی میں اک سوگوار سی چپ تھی اور آج صبح سے مطلع بھی سیاہ نشینی اوڑھے ابر آلود تھا۔ سادان حویلی کے باہر لان میں کھڑا موبائیل پر کچھ دیکھنے میں لگا تھا اور پوری حویلی میں جا بجا آدمی گنز لیے کھڑے تھے۔ اب یہ جاننا مشکل تھا کہ کون سادان کے ساتھ ہے اور کون انجیل کے، زلفی بھی سادان سے کچھ فاصلے پر کھڑا

گن لیے چوکس تھا۔ سادان کو عاقل کے بعد ایک اور وفادار زلفی کی صورت ملا تھا۔

"اوہ، دیکھو بھئی ہماری منحوس دادی صاحبہ حجرے سے نکلی ہیں، بھئی تالیاں بجاوانکے استقبال میں" سادان نے آہٹ پر مڑ کر اپنی سمت آتی انجیل کو دیکھا تو بڑے ہی مزے لے کر انجیل کے ہلے دماغ کو اور ہلا گیا مگر وہ تو آج سادان کی کسی بات کا برا نہ منانے کے موڈ میں سادان کو بھی حیران کر گئی تھی۔

"بڑا اکڑ رہا ہے بچے، شاید تو ابھی اس منحوس دادی کی حد نہیں جان پایا۔ کیا سمجھتا ہے کہ مجھے ہرا دیا ہے، میری بادشاہت ختم کر کے تو جیت گیا ہے۔۔۔۔۔۔ کتنی بڑی خوش فہمی میں ہے" دونوں کی آوازیں سن کر سلطانہ اور عالیہ بھی بیرونی اطراف آچکی تھیں اور اب ہر کوئی اس عورت سے بس پناہ ہی چاہتا تھا۔ انجیل بیگم کی اس بیوقوفانہ بات کو چنداں اہمیت نہ

دیتے ہوئے ساداں نے بے نیازی سے ایک سانس خارج کی اور اکتا کر اپنے سامنے کھڑی ناگن کو دیکھنے کے ساتھ ساتھ اسکی سمت مکمل مڑا۔

منحوس دادی آپ بھول رہی ہیں کہ یہ صرف میرا خیال نہیں بلکے سچ میں " آپ ختم ہو چکی ہیں۔ میری دادی جان اور دادا جان کی قاتل ہیں آپ، فیضاں کو بے دردی سے مارنے والی آپ ہیں۔ نور چچی کے ساتھ ظلم ڈھا کر انھیں موت تک پہنچانے والی آپ ہیں۔ اپنے بیٹوں، اپنی دونوں پوتیوں کے ساتھ بھی آپ نے بے رحمی کی، پوتوں کو بھی نہیں چھوڑا گھٹیا عورت، اور زینیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اسکی قاتل بھی آپ ہیں، اسکی عزت لٹوائی تھی آپ نے پر اللہ جسے چاہے زندگی دے۔ یونو وہ زندہ ہے اور آپکی گردن دبوچنے کا ایک بڑا ثبوت ہے۔ یہ سب کچھ تم نے کیا ہے اور اب تم کسی رہی سہی عزت کے لائق نہیں۔ تمہارے ہر کالے فعل کے نا صرف گواہ موجود ہیں بلکے تمام ثبوت بھی مل چکے ہیں جو تمہیں پھانسی سے نہیں بچا سکتے۔۔۔ اپنی گردن پر مالش وغیرہ کر لیں تاکہ لٹکتے ہوئے زیادہ اکڑی

ہونے کے باعث تکلیف نہ ہو" سادان جو ابھی بھی اس قاتلہ سے آپ میں تمیز سے بات کر رہا تھا اب اسکی ہستی ہلاک کیے دھاڑ آ، سلطانہ اور عالیہ کی آنکھوں میں آنسو تھے اور خود سادان کا دل نا چاہتے ہوئے بھی پھٹ رہا تھا پر اب انجیل اتنا سب سن کر برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔

ھاھاھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہنہ "وہ جو سادان کے الفاظ پر حقارت میں جا گزیں ہو چکی تھی، اس بات پر اتنا نجس ہنسی کے کچھ پل کو سادان کو بھی اسکی ذہنی حالت مشکوک لگی۔

تُو لٹکائے گا مجھے پھانسی، ھاھا یہ تو آج کا لطیفہ ہے۔ہاں میں نے یہ سب کیا۔ پھر بھی مجھ پر ایک آخری قتل قرض ہے اور وہ ہے تیرا" انجیل بیگم جو شریفانہ طور سے چادر پھیلائے ہوئے تھی اگلے ہی لمحے چادر میں چھپائی گن وہ سادان پر تانے قہقہے لگانے لگی اور یہ جو اس نے کہا تھا یہ سب سادان کے ایک آدمی نے موبائیل کے کیمرے میں محفوظ کیا تھا کہ اگر یہ

عورت کسی طرح بچ نکلے تو یہ ثبوت اسے سیدھا پھانسی کے تختے تک پہنچا دے۔

سلطانہ اور عالیہ تو سادان کی سمت تنی گن سے کانپ اٹھیں مگر سادان کے چہرے پر صرف اس عورت کی اس بات پر ہنسی تھی۔سادان کے تمام آدمی گنز لیے انجیل پر تان چکے تھے مگر وہ موت سے پہلے بس سادان کا سینہ چھلنی کرنا چاہتی تھی۔

اومائی گارڈ، یعنی اپنے حسین پوتے کو ہی مارنے چلی ہیں آپ منحوس" دادی۔یاد نہیں کیسے اس بھٹی کو کومل کا لالچ دے کر مجھے بچایا تم نے، وارث چاہیے تھا ناں تبھی۔۔۔۔۔۔ویسے وارث تو آئے گا میں اسے آپکی قبر پر لازمی ملوانے لاوں گا آخر کو اسے بھی تو پتا چلے اپنی بدبخت ناگن پر دادی کے کرتوتوں کا۔۔۔۔ چلیں چلائیں گولی، اپنے پیارے پوتے پر چلا دیں گولی، میں نہیں ڈرتا تم جیسی فرعونیت کی گھڑی سے۔نہ مجھے اللہ کے حکم کے بنا موت آئے گی نہ زخم لگے گا۔اگر اس رب کی رضا ہوئی تو مجھے

موت قبول ہے۔ شرط میں تمہارا نیست و نابود ہونا ہوگا بس سب زبردست۔۔۔۔" سادان کا ایسا مضبوط اور کرارہ جواب انجیل کے ہاتھ میں لرزش لا چکا تھا۔ حویلی کے باہر پولیس پہنچ چکی تھی اور پوری حویلی کو قبضے میں لیا جا چکا تھا۔ عاقل، کرمان اور زینیہ بھی حویلی میں داخل ہو چکے کے آدمیوں کی حراست میں تھی تھے اور انجیل بیگم اب نہ صرف سادان بلکے پولیس کے ساتھ خود حوالدار بھی گنز اور ہتھ کڑی لیے انجیل پر بندوق تان چکا تھا۔

انجیل بیگم کی نظر کرمان کے ساتھ کھڑی زینیہ پر گئی تو اسے ایک لمحہ لگا اسے پہچاننے میں، کیونکہ وہ آج بھی اتنی حسین تھی۔ اس روز فیضاں اس ناگن کے حکم پر اس معصوم پر ظلم ٹوٹتا دیکھ کر تنفر سے تماشا دیکھ رہی تھی اور اللہ نے کیسا مقافات عمل دیکھایا کہ آج تماشا دیکھنے والوں میں زینیہ تھی۔

انجیل کی گن کا رخ ابھی بھی سادان کے سینے کی جانب تھا اور حوالدار نے گن عین انجیل بیگم کے ہاتھ پر باندھ رکھی تھی۔

مرنے کے لیے تیار ہو جا سادان، مجھے موت کا ڈر نہیں پر تجھ جیسے خبیث "کو زندگی کا مزید ایک لمحہ جینے نہ دوں گی" اس سے پہلے کہ سادان پر وہ بدحواس بلا گولی چلاتی، گیڈ سے آتی اڑتی گولی نے عین انجیل بیگم کی بازو پر وار کیا اور ایک ہیجانی آہ بلند ہوئی اور اگلے ہی لمحے انجیل بیگم کے ہاتھ سے گن چھوٹ کر زمین پر گری اور اسکا ہاتھ لہو سے سرخ ہو کر اسے تڑپا گیا۔ سب کی نظریں دروازے کی سمت کھڑے مالو پر تھیں۔ تو گویا آج مالو نے بھی غداری چھوڑ کر وفاداری کا سب سے پھرتیلا ثبوت دیا اور اس عمل کا سب سے خوبصورت انجام عاقل کی آنکھوں میں اپنے بابا کے لیے امڈتی محبت اور رشک تھا۔

انجیل کا خاتمہ ہوا اور اگلے ہی لمحے وہ پولیس کی حراست میں تھی اور سادان نے اس پر قہقہہ لگا کر اس عورت کو ایک اور چنگاری لگائی۔

"آپکا کھیل ختم ہوتا ہے انجیل بیگم، کل تک ہم لوگوں میں آپ جیسے ناسوروں پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہ تھی پر سادان سائیں کی بدولت ہمیں

حرام سے حلال کمائی کھانے کا شرف ملا۔ بحیثیت اس گاوں کا ڈی ایس پیٔ، میں آج اس عورت کی بادشاہت کے خاتمے پر یہ عہد لیتا ہوں نہ اب نہ خود غداری کروں گا نہ کسی مائی کے لال کو کرنے دوں گا۔ انجیل بیگم کو ہتھ کڑی ڈالو اور لے کر چلو اس گناہوں کے گھٹے کو" یہ وہی تھانیدار تھا جو کل تک اپنی نوکری کو عیش پرستی سمجھتا تھا مگر آج وہ بھی سادان کی بادشاہت اور جیت کا استعارہ تھا۔

خود سادان رشک اور رسانیت سے اس کے کندھے پر ہاتھ تھپکا تا ایک نفرت سے بھری نگاہ تباہ حال کو آئی انجیل پر ڈالے اسکی آنکھوں میں جھانکا۔

سنا آپ نے، اب میں ہوں یہاں کا بادشاہ۔ سزائے موت مبارک ہو، " جہنم میں بہت بڑے بوجھ کا اضافہ ہو گا۔ اللہ آپ جیسی درندہ صفت عورت کو مر کے بھی بے قرار رکھے، جتنا آپ نے سب کو تکلیف دی اللہ اتنی بار آگ میں دہکائے۔ لے جائیں۔ اور مجھے جلد انکی پھانسی چاہیے " سادان کا

دل آج حقیقی معنوں میں ٹھنڈا تھا اور سلطانہ اور عالیہ بھی آج بے خوفی سے خوشی اور مسرت میں کرمان اور زینیہ کی سمت لپکیں۔ پولیس اس عورت کو لے جا رہی تھی مگر زینیہ نے تھوڑی مہلت مانگ کر اسے روکا اور پورے اعتماد سے انجیل کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

مجھے زندگی شاید اسی لیے ملی تھی کہ میں آپکا عبرتناک انجام دیکھ سکوں، " میرا دل آپ پر لعنت بھیجنے کا چاہتا ہے پر میں بھیجوں گی نہیں۔ کیونکہ اس کے بنا بھی آپ ایسی ہی شے پا چکی ہیں۔ دعا ہے اللہ آپکو کبھی معاف نہ کرے، جتنی تکلیف آپ نے مجھے دی ہے اسکی معافی قیامت تک نہ ہو، آج میرے دل میں پہلی بار سکون اترا ہے۔ الحمد اللہ " زینیہ نے درد دیتے تاثر سے اس عورت کو ایک ایک لفظ جتا کر کہا پر حقیقت تو یہ تھی کہ اس عورت نے جو ظلم زینیہ اور کرمان کے ساتھ کیا تھا اسکی کاٹ زینیہ کو موت تک رہنے والی تھی۔

پولیس اس عورت کو پورے گاؤں کے سامنے گھسیٹ کر گاڑی میں بٹھا چکی تھی اور دو دن بعد انجیل کا حتمی فیصلہ کورٹ میں ہونا تھا۔ اب اتنے ثبوت تو آچکے تھے کہ وہ سیدھا سیدھا پھانسی پا لیتی اور آخرکاریوں ظلم و جبر کے ایک طویل سلسلے کے بعد اس حویلی کو ہر شر سے نجات مل گئی۔ سب ہی بے حد خوش تھے اور ابھی یہ خوشی جاری تھی کہ حویلی کے دروازے سے انٹر ہوتی بے قرار فلذہ کو دیکھ کر سادان نے بنا کسی کی پرواہ کیے اپنے قدم حویلی کی سمت بڑھائے اور سادان کو خیریت سے دیکھ کر وہ دوڑ کر آتی اُسکے سینے سے جا لگی۔ خود منظور حسین اس حویلی کی خوشیوں پر آج پورے دل سے مسکرا اٹھے تھے۔ آج جشن کی رات تھی اور زینیہ کو بھی سب نے کم از کم رات تک کے لیے روک لیا تھا دوسرا سادان نے عاقل کو کہہ کر رمشہ اور محمود کو بھی بلوا لیا تھا کیونکہ آج سادان سب کے سامنے رمشہ کو بھی اس حویلی کی بہو ڈیکلائیر کرنے والا تھا۔ پورا گاؤں رات کے جشن میں مدعو تھا، بشیر اور صغری بھی اسکے علاوہ خصوصی مہمان تو عائشہ ہونے والی تھی۔

انجیل بیگم اب جلد اپنے انجام کو پہنچنے کو تھی، حویلی میں پھیلی گہما گہمی نے اک جشن کا سماں باندھ دیا تھا۔ پورے گاوں کے کھانے کا انتظام آج حویلی میں تھا۔ آخر کار گاوں کو ایک بد بخت بلا اور سیاہ سائے سے نجات ملی تھی لہذا سیلیبریشن تو بنتی تھی۔ شاویز اور کومل بھی شام تک گلناز اور اسد صاحب کے ساتھ پہنچ چکے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گاوں والوں کو سادان نے رمشہ اور تیمور کے نکاح کا اعلانیہ بتا دیا تھا اور آج گاوں کا ہر فرد ہی بظاہر پر امید تھا۔ جو لوگ سادان کے خلاف تھے آج وہ بھی اسکی طاقت سے قائل ہو گئے۔ کھانے کا اہتمام ہوا اور اسکے بعد پورے گاوں کو رخصت کر دیا گیا۔

حویلی اب صرف اپنوں سے بھری تھی۔

آج منظور اور محمود کو کمی کمین نہیں بلکے اس حویلی کی بہوؤں کے والد جیسی عزت دی گئی تھی۔ ہر کوئی شادماں تھا۔ زینیہ کے متعلق سلطانہ پہلے سے جانتی تھیں اور باقی سب کو بتانے کی ضرورت بھی نہ تھی بس کومل کو اس حقیقت سے روشناس کروایا گیا جو یہ سب جان کر بابا کے لیے دلخراش حد تک دکھی ہوئی اور انکی زینیہ نامی خوشی انکی کرنی کی خواہش کر بیٹھی۔ سادان اور کرمان دونوں ہی اب زینیہ کو جانے نہیں دینا چاہتے تھے۔ خودرمشہ بھی آج اس حویلی کی وی آئی پی تھی مگر اسے تیمور کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔ سادان نے شاویز کو اسے بھی لانے کا کہا تھا مگر اس نے صاف انکار کر دیا کہ وہ ابھی واپس نہیں جانا چاہتا۔ فلذہ اور سادان کی خوشی کومل اور شاویز سے مل کر مزید دلفریب ہوئی۔ آج بخت سکندر اور خالدہ بھی بنا کسی احساس جرم کے اس جشن کا حصہ بنے اور کتنی ہی دیر عالیہ کو خود سے لپٹا کر تسلی دیتے رہے۔ اسے تو بس اب تبریز کی واپسی کا انتظار تھا اور اسکی واپسی ہی اس نڈھال کی بھی خوشیاں لوٹا سکتی تھی۔

آج میں بحیثیت اس گاوں کے والی کچھ مزید فیصلے چاہتا ہوں۔ سب سے "
پہلے میں اپنے خاص وفاداروں بلقیس، عاقل، زلفی، ڈاکٹر کبیر، بشیر کا تہہ
دل سے مشکور ہوں جنہوں نے مجھے ہمت دی۔ خاص کر بلقیس، اسکے
ساتھ ساتھ میں اپنے شیر دل عاقل پر تو جان نثار ہوں یہ بچہ نہ ہوتا تو یقینا
آج میں اس قدر کامیاب نہ ہوتا لہذا مالو چچا اور عاقل میں نے آپ دونوں
سے پوچھے بنا عاقل کے لیے ایک فیصلہ لیا ہے" وہ سب حویلی کے صحن میں
خنک زدہ رات میں سرور زدہ سکون اپنے اندر اتارے تب متوجہ ہوئے
جب سادان کی دبنگ آواز لہرائی۔

آپ کا ہر فیصلہ سر متھے پے سائیں" مالو کی عاجزی آج حسین تر تھی مگر"
عاقل تھوڑا سنجیدہ تھا۔ سادان نے آگے بڑھ کر عاقل کو شانوں سے
پکڑے اپنے روبرو کیا اور کچھ دور عالیہ، زینیہ، فلذہ، رمشہ، اور کومل کے
ساتھ کھڑی پیاری سی عائشہ کو دیکھ کر مسکرایا۔

میں آج آپ سب کے سامنے عاقل اور عائشہ کا رشتہ طے کرتا ہوں، "
جب وہ بڑی ہو گی تو اسکی ذمہ داری عاقل اٹھائے گا اور یہ میری خواہش
ہے" تمام لوگ عاقل سمیت ورطہ حیرت میں تھے کیونکہ سادان نے یہ
بات نہایت مان سے کر کے عائشہ کے اماں بابا تک کو پتھرا دیا۔ عائشہ تو بس
چپ چاپ اب کومل کے ساتھ ہلکی ہلکی باتوں میں لگی تھی۔ کرمان کو تو
سادان کے اس فیصلے پر فخر محسوس ہوا تھا۔

آپ کا حکم دل و جان سے عزیز ہے سائیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں""
عاقل تو سادان کے لیے جان بھی دے سکتا تھا، اب جب سادان نے اسے
یہ مرتبہ سونپا تھا تو وہ اسے فوری قبول کیے ہر فرد کو مسکان دے گیا۔ یقیناً
اب عائشہ جیسی کلی اگر کسی کے پاس محفوظ تھی تو وہ دل کے اس پاکیزہ
عاقل کے پاس تھی۔ سادان نے سب کی سمت نگاہیں اٹھائے رضامندی
ملتے ہی عاقل کو پوری قوت سے خود میں سمو کر الگ کیے اسکا چہرہ رشک
سے تھپکایا۔ سب یہ منظر دیکھ کر آسودہ تھے۔

اسے سنبھال کر رکھنا عاقل، یہ سمجھنا وہ میری بیٹی ہے اور تم میرے داماد۔"
ہم جلد تم دونوں کا نکاح کر دیں گے اور رخصتی اسکے بالغ ہونے کے بعد۔
ویسے تو پہلے بھی ہو جائے تو مجھے تم پر یقین ہے کہ تم اس کلی کو سینچ کر رکھو
گے مگر یہ میرے خیال سے مناسب ہے کہ وہ تھوڑی اس ٹرانس سے نکل
کر بہتر ہولے پھر تمہیں سونپ دی جائے گی" سادان کے چہرے پر بے
حد دلفریبی تھی جس پر عاقل جان گیر مسکرا کر سادان کی ہر فکر جذب کر
گیا۔

تمام حاضرین کی خوشی دیدنی تھی۔اور پھر ایک فیصلہ سادان کو لگا کے بشیر
جیسے دلیر کے لیے بھی کرے لہذا اس کے لیے اس نے بلقیس کی بیٹی رملا جو
فلذہ کی ہم عمر تھی اسے مانگا اور خود بشیر اور صغریٰ نے جی جان سے
رضامندی دی۔ بلقیس تو شکر گزاری سے آنکھیں نم کر گئی، سائیں کے ہر
فیصلے میں مبارک لہر تھی۔ایک مزید فیصلہ بھی ہوا مگر وہ ابھی سادان نے

پبلک نہ کیا۔ ابھی اس نے چاچو کو انکی زینیہ سے بھی ملوانا تھا اور پھر انکی بھی شادی کروانی تھی۔

حویلی سے ہر براسایہ ہٹ گیا تھا پر تیمور، تبریز اور درمان حق کی کمی واقع تھی۔ تیمور حالات سے لڑنے کا عہد باندھ چکا تھا اس سے بے خبر کے رمشہ آج حویلی میں اسکی بیوی کی حیثیت پا چکی ہے۔

تبریز کی سزا بھی جلد ختم ہو کر اسکے اور عالیہ کے سکھ کا باعث بننے کو تھی اور آٹھ سال بعد یقیناً جب درمان حق ان حسین اپنوں میں لوٹیں گے تو یہ حویلی حقیقی خوشیوں کا گہوارا بن جائے گی۔ اور انجیل بیگم کی عبرتناک موت گاؤں کی لامتناہی آسودگی کا جلد سبب بنے گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سب مہمان رات تک واپس چلے گئے تھے البتہ شاویز کی ساری فیملی اور زینیہ کو سلطانہ نے بہت مان سے روک لیا تھا۔ زینیہ تو اس سچویشن میں

بہت الجھی تھی پر سادان نے ساری صورت حال اماں سائیں کو بتا کر اب زینیہ کو منانے کی ذمے داری سونپ کر خود اپنی شہزادی کو لیے روم میں چلا گیا تھا۔ گلناز امی اور اسد صاحب کو بھی کومل نے کمرہ سیٹ کر دیا اور خود وہ اور شاویز بھی وہیں سلطانہ کے کمرے میں تھے۔ یہ سب جاننا کومل کے لیے بھی ایک جھٹکا تھا پر اب وہ بھی بابا کی خوشی چاہتی تھی تبھی زینیہ کو منانے کے لیے وہ بھی وہیں تھی۔ روم میں زینیہ، عالیہ، کرمان، کومل، شاویز اور سلطانہ موجود تھے جبکہ سادان اب تیمور سے بات کرتا کرتا اپنے روم میں پہنچا تو فلذہ کو چینج کر کے باہر آتا دیکھ کر شریر سی مسکان سجائے اس تک پہنچا جو خود سائیں سے اچھے سے ملنا چاہتی تھی۔

میں اپنی تعلیم مکمل کرنے سے پہلے نہیں آؤں گا لالہ، مجھے آپ یہ گاؤں کی خبریں دینا بند کر دیں۔ میں کچھ عرصہ سکون اور خاموشی چاہتا ہوں پلیز" اسقدر خوشی کا موقع اور تیمور کی دل جلی بات سن کر سادان بھی تھوڑا الجھ گیا۔

"ہمم، تم مجھے ابھی بھی بے سکون کر رہے ہو تیمور۔ رمشہ اب گاوں کے ہر فرد کے لیے تمہاری بیوی ہے، میں جانتا ہوں تم اسکی وجہ سے اس فرار پر لگے ہو لیکن کبھی کبھی ہم سب کے بیچ آجانے سے تمہارے سکون میں کمی نہیں آئے گی" سادان کے لہجے میں اب ڈانٹ سی تھی مگر دوسری سمت دنیا و جہاں سے اکتایا تیمور چپ سادھے ہوئے ویران کھڑا تھا۔

"پلیز لالہ میں آپکے آگے منت کرتا ہوں، مجھے بار بار اسکا مت بتائیں۔ میں اپنے فیصلے سے رتی برابر نہیں ہٹوں گا۔ آپ سب کو مجھ سے مل کر مایوسی ہی ہو گی لہذا مجھے یہاں جینے دیں۔ اس وقت میرے لیے کوئی چیز اہم نہیں" تیمور کے لہجے کی آہ پر سادان بھی لاجواب ہو کر رہ گیا تھا تبھی بے بسی سے تیمور کے فیصلے کا احترام کرتا فون بند کیے ڈریسنگ پر رکھتا مڑا تو فلذہ اس سے زیادہ اداس سی کھڑی تھی۔

"کیا ہوا، تیمور بھائی نہیں مانے۔ کوئی بات نہیں وقت کے ساتھ وہ مزید سلجھ جائیں گے۔ آپ پریشان مت ہوں" فلذہ جو اس وقت سکائے بلو

شرٹ اور وائٹ پلازو میں تھی، کھلے کمر تک لہراتے بھیگے بال اور چہرہ ہر منصوعی حسن سے عاری کیے بھی وہ سادان کی تسلی بننے میں کامیاب ہوئی جس پر سادان نے ہر ادا سی بھلا کر یک لخت مس سلونی کو اپنی بازووں میں جکڑ کر اسکا بھیگا حسن پورے حق سے دیکھا مگر وہ مسکرانے کے بجائے بد حواس سی ہو گئی۔ کئی ڈر اور خدشے فلذہ کے وجود کو لرزا گئے۔

آج کسی اور کی کوئی بات نہیں مسز سادان حق، آج میرا وقت شروع ہو" چکا ہے، ویسے آج تو کسی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے تم نے کمال کی انٹری ماری اس پر تو آج تمہیں انعام دینا بنتا ہے" سادان اس سے پہلے کہ خماری اور شرارت میں لپٹے ہر حد توڑتا وہ شرمگیں سا' فرار کیے بھاگ نکلی اور ہنستی ہوئی بیڈ پر جا چڑھی۔

نہیں ابھی مجھے پڑھنا ہے، آپکو پتا ہے کتنے دن سے میں پڑھ نہیں پائی۔" اب آپ پاس ہیں تو مجھے بھی کچھ فائدہ ہو ناں۔۔۔۔۔" فلذہ اپنے ساتھ اپنی بکس بھی لے آئی تھی اور آج جب شہزادہ ملن کا پورا موڈ بنا چکا تھا تو شہزادی

نے بڑے ہی مزے سے سائیڈ ٹیبل سے میتھ کی بک اٹھا کر لہرائی اور وہ بھی اس ظالم بات پر بیڈ پر پہنچتے ہی بیٹھ کر اس کو ایک ہی جھٹکے سے کھینچ کر نیچے اتار چکا تھا اور ماہرانی صاحبہ چاروشانے چت شہزادے کی گود میں آ گریں۔ اب ہنسنے کی باری سادان کی تھی اور وہ شدید حسین مسکرا کر اسکی چھوٹی ناک دانتوں میں لیے اسکا رنگ سرخ گلاب کر گیا۔

پڑھو ناں، لیکن اپنے سائیں کو۔ میں تمہیں پڑھاتا ہوں آج کچھ سپیشل،" یہاں میں خوشی سے آسمان پر ہوں اور محترمہ مجھے یعنی بادشاہِ وقت کو ستانے کا موڈ رکھتی ہیں" سادان کے ارادے آج فلذہ کو ہرگز بخشنے کے ناں تھے اور فلذہ کو شہزادے نے آج کوئی رعایت نہیں دینی تھی۔ وہ اسکے اڑے رنگ دیکھ کر آج گستاخیوں پر آمادہ اسکے چہرے پر جھکا ہی تھا کہ فلذہ نے بتیسی چھپائے اپنے اور سادان کے بیچ ہاتھ آتی بک حائل کی اور سادان خود اسکی اس شرارت پر ہنسا اور ایک ہی جھٹکے سے کتاب نکال کر سائیڈ پر کی اور وہ اب ہنستی ہوئی اپنے منہ پر دونوں ہاتھ رکھے سادان کو ستا رہی تھی۔

آج تو تم نہیں بچ سکتی" سادان نے اسے گد گدی ابھی کرنی ہی شروع کی" کہ وہ اب ہنسی دبائے ہاتھ ہٹاتی بڑی چالاکی سے سادان کی گرفت اور گود سے نکل کر فرار ہونے لپکی پر اب وہ پوری کی پوری سادان کی گرفت میں تھی اور وہ اس آفت کو پشت سے دبوچے خود بھی کھڑا ہو چکا تھا۔

سائیں وہ دراصل بات یہ ہے کہ مجھے ڈر لگتا ہے، اور دیکھیں ناں اتنی بڑی" ہو گئی ہوں ابھی تک میٹرک نہیں ہوا، آگے ہی مجھ سے پڑھا نہیں جاتا پھر تو۔۔۔۔۔۔۔۔۔"فلذہ کی یہی عادت تو حسین تھی کہ وہ سادان سے سب باآسانی کہہ دیتی تھی اور فلذہ کا یہ خیال بھلے ظالمانہ اور مصلحت زدہ سہی پر سادان کو تو ہنسی دے گیا تبھی وہ اسے اب گما کر اپنے سامنے کیے اسکی جھکی پلکوں کا رقص اور چہرے کا گلال پن دیکھتے مسکرایا۔

یعنی پھر انتظار۔۔۔۔"ہنسی دبائے وہ معصومانہ سی صورت بنائے بولا"

جس پر فلذہ نے خود سادان کی مند پسند لمس میں لپٹی عنایت بلا جھجک سونپی

اور سادان کو مہکا دیا۔ بدلہ بھی محترم نے سود سمیت نبھایا اور وہ تو سادان کی آنکھوں کے وار ہی بمشکل سہہ پا رہی تھی۔

" ویسے تو ابھی بھی جو آپ چاہیں گے وہی ہو گا مگر، پتا کیا اب آپ انجیل بیگم کا فیصلہ ہوتے ہی اپنی ہاوس جاب مکمل کریں تا کہ پھر آپکو بھی آپکی محنت کا صلہ ملے۔۔۔ تب تک میں یہاں سب کا خیال بھی رکھوں گی اور پڑھائی بھی اچھے سے کروں گی " فلذہ کی اتنی پیاری معصوم باتوں کو ابھی اس وقت بھلا وہ کیسے رد کرتا تبھی اسے اپنے سینے میں قفل کیے بس آج کی رضامندی دے گیا کیونکہ فلذہ ابھی سائیں کے خطرناک ارادے جانتی نہیں تھی جو اسے اب خود سے زرا بھی دور نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ باقی ہاوس جاب مکمل کرنے کا تو وہ پہلے ہی سوچ چکا تھا کیونکہ وہ اب کچھ وقت اپنی جاب کو دینا چاہتا تھا۔ یہاں گاوں میں اسکا ہوسپٹل بھی تیزی سے تعمیر ہو رہا تھا، ویسے بھی اب فلذہ اسکی تھی لہذا وہ اسکی خواہش کو ماننا خود پر فرض سمجھتا تھا۔

ہاں آئیڈیا بہترین ہے اور میں جاوں گا پر تمہارا یہ ڈر ہٹانے کے بعد، ھاھا" اور آج کل بادشاہ خوش ہے لہذا رعایت دیتا ہے۔اب اگر میرے مقرر وقت پر تم مجھ سے بھاگی ناں تو میں نے غشے میں آکر کتابیں کھا جانی تمہاری" جان بوجھ کر سادان غصے کو زرا لاڈ سے ادا کیے خود تو ہنسا ہی پر فلذہ کے دانت بھی حیا اور شرارت کے سنگ ملی جلی گھبراہٹ سے باہر تشریف لے آئے۔

اممم ٹھیک ہے ڈن، پر آج نہیں" وہ اس بات پر فلذہ کو خود سے الگ کیے حصار ہنوز قائم کیے شرارت سے سنجیدگی کی طرف لوٹا جس پر فلذہ کے چہرے پر سادان کی نگاہوں کا مفہوم جان کر کئی رنگ اڈے۔

اب تم میری ہو فلذہ، کوئی ہمیں الگ نہیں کر سکتا۔ بہت خوش ہوں، آخر" کار تمہارے سائیں اپنی اور تمہاری جنگ جیت گئے ہیں" سادان کے لہجے کا رشک خود فلذہ کا اعتماد تھا اور وہ اسکے چہرے پر ہونٹوں سے اپنی خوشی تحریر

کر رہا تھا اور وہ سادان کی محبت کی اکلوتی حق دار تھی لہذا پورے استحقاق سے سادان کی عنایات خود میں جذب کر رہی تھی۔

"اللہ سے دعا ہے وہ آپکو تا عمر اب یونہی شاداب اور سرفرار رکھیں۔ میں صرف آپکی ہوں، اور آپ صرف میرے" فلذہ نے شہزادے کے ہونٹوں کی شدت اپنی شہ رگ پر محسوس کی تو سخت لرز کر پھر سے اپنا منہ سادان کے سینے میں چھپا گئی اور وہ بھی بہکتے بہکتے بریک لگاتا شدید ہنس کر فلذہ کو پوری قوت سے خود میں بھینچ گیا۔ دونوں ایک دوسرے کے پاس تھے اور یہ سکھ نہایت ہی حسین تھا۔

"ایک بات کہنا چاہتا ہوں تم سے، بابا کو معاف کر دو۔ میں چاہتا ہوں تم بڑے پن کا مظاہرہ کرو" یک لخت تمام شرارت معدوم کیے سادان نے فلذہ کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اسکی آنکھوں میں جھانکے درخواست کی اور کچھ دیر فلذہ کی اداس سی خاموشی خود سادان کو الجھا گئی۔

کر دیا، آپ جو کہیں گے اور جو چاہیں گے میں وہی کروں گی۔ آپ کے لیے اتنا تو کر ہی سکتی ہوں" فلذہ کی یہ بات گویا سادان کے دل پر دھرا یہ آخری بوجھ بھی اتار گئی اور آج اک الگ ہی خوشی نے دونوں کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔

"تھینک یو مائی لوو، تمہاری یہی تو باتیں ہیں جو ایک دن بھی تم سے دور رہنے پر راضی نہیں ہونے دیتیں۔ بائے داوے خود کو تیار رکھو کیونکہ جلد ہی تمہارے سائیں میں جن آسکتا ہے" سادان نے محبت سے بھرے انداز میں اسکی پیشانی چومی اور آخری ذو معنی بات کا فلذہ اچھے سے مفہوم سمجھ کر شرما چکی تھی۔

"سائیں پہلے سے بتا کے آپ مجھے اٹیک مت دیں، آپکو پتا ہے ناں مجھے کچھ ہونے لگتا ہے" نگاہیں جھکائے، پلکوں کو جنبیش دیے وہ اس قدر منہ پھلائے بولی کے کتنی ہی دیر سادان ہنستا ہی چلا گیا۔

ھاھااب تو بہت کچھ ہو گا، اہمم اہمم۔۔۔اچھا ابھی چلو پھر ہم بھی چلتے ہیں" اماں سائیں کے کمرے میں، چاچو کے لیے زینیہ کو منانے میں حصہ ڈالتے ہیں" سادان اسے الگ کیے اب کی بار پہلے شریر ہوئے فلذہ کو بھی ہنسا گیا اور پھر کرمان کی فکر میں ڈوبا بولا جس پر وہ دونوں بھی مسکراتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا زینیہ، اور نہ ہی محبت کسی کو یوں مواقعے دیتی ہے۔ تم جانتی ہو اس حویلی کا ہر فرد اس بات کا گواہ ہے کہ کرمان بھائی نے تم سے سچا عشق کیا اور اس حادثے کے بعد وہ بہت تڑپے ہیں۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تمہارے لیے یہ فیصلہ لینا کٹھن ہے پر یہ ہم سب کی خوشی سمجھ لو، حویلی میں بہت مدت بعد سکون لوٹا ہے اور اس سکون کو

تمہاری ایک ہاں بڑھا سکتی ہے" سلطانہ کے چہرے پر بے حد چاہ درج تھی اور وہ اپنے ساتھ بیٹھی زینیہ کا ہاتھ تھامے اپنی کوشش میں لگی تھیں۔

سادان اور شاویز سامنے صوفے پر تھے جبکہ فلذہ اور عالیہ دوسرے صوفے پر جبکہ کومل بھی سلطانہ امی کے ساتھ لگی کبھی زینیہ کو دیکھتی کبھی دروازے کے ساتھ سینے پر ہاتھ باندھ کر کھڑے بابا کو جو آج اسے پہلے سے بھی عزیز ہو گئے تھے۔

زینیہ ابھی بھی تکلیف میں تھی، وہ اپنا جواب کرمان کو دے چکی تھی تب بھی سب اسے قائل کرنے پے لگے تھے۔

سلطانہ آپی مجھ سے یہ جبر نہیں ہو گا" آواز میں واقع لرزش تھی اور کرمان" کے چہرے پر اُمڈتا درد سادان دیکھتا ہوا اداس تھا۔ سب ہی کی اب یہی خواہش تھی کہ زینیہ مان جائے مگر وہ کسی صورت ہمت نہیں کر پا رہی تھی۔

زینیہ آنٹی پلیز، میرے بابا کو انکار مت کریں۔ میرے بابا اس دنیا کے ہر مرد سے اچھے اور پیارے ہیں، ساری زندگی انہوں نے مجھے جس طرح اس درد کے ساتھ پالا مجھے تو کبھی خبر ہی نہ ہوئی کہ یہ اندر سے اتنے زخمی ہیں۔ پلیز میرے بابا کی ہو جائیں، وہ آپکو پانے کے مستحق ہیں" کومل جو کہیں دل سے کرمان کی کہانی پر بے جان تھی، اب اٹھ کر زینیہ کے قدموں میں بیٹھے روہانسی ہوئی جس پر جہاں سب دلبر داشتہ ہوئے وہیں خود زینیہ کی آنکھوں میں نمی اُمڈی۔ زینیہ نے محبت سے اپنی ہتھیلی اس پیاری سی کومل کی گال پر رکھی اور اک نظر دروازے کی سمت بے جان چہرہ لیے کھڑے کرمان کو دیکھا جو شاید زینیہ کے انکار پر ایمان لائے ہوئے بے آس تھے۔

"آپ میرے دوست کو انکار کر ہی نہیں سکتیں، مجھے بے حد خوشی ہو گی زینیہ میم اگر آپ ہماری فیملی کا حصہ بنیں۔ پچھلا ہر بھیانک دن بھلا کر اپنی زندگی کے اندھیرے کو ختم کرنے کا حق آپکو میسر ہے، انسان ہر چیز کے بنا رہ لیتا ہے لیکن محبت کے بنا نہیں۔ ہم سب کی خوشی اور میرے چاچو کا

سکون آپ کے فیصلے سے جڑا ہے" ساداں کی بات کا وزن سب سے بھاری تھا اور ہر کوئی اب اس نڈھال زینیہ کی سمت توجہ مبذول کیے ہوئے تھا۔

کرمان جو ابھی بھی انکار کی امید لیے کمرے سے باہر لپکنے کو بڑھے، اندر گونجتی آواز نے گویا انکے قدموں کو زنجیر کیا۔

یہ ایک بہت مشکل فیصلہ ہے، کم از کم مجھ پر بہت بھاری ہے۔ لیکن میں" انکار کر کے آپ سب کے مان کو توڑ نہیں پاوں گی۔ یہ معاملہ اگر ہم دو کے بیچ رہتا تو شاید میں کل واپس لوٹ جاتی، آپ نے اپنی فیملی کو شامل کر کے مجھے کمزور کر دیا ہے سائیں" کرمان کی آنکھوں میں نمی امڈی جس پر کومل نے زینیہ کا پکڑا ہاتھ تسلی سے دبایا اور اٹھ کر ہونق زدہ کرمان تک آئی اور انکے سینے سے جا لگی۔

سب کے چہروں پر مسکان تھی۔

بابا آپکی زینیہ مان گئی ہے" کومل نے پیار سے کرمان کا چہرہ تھامے کہا جس" پر وہ ابھی بھی بے یقینی سے زینیہ کی دکھ میں ڈوبی آنکھیں دیکھ رہے تھے

جہاں فی الحال کوئی آسودگی نہ تھی۔ سلطانہ نے بے حد محبت سے زینیہ کو خود میں سمو لیا اور فلذہ، عالیہ، شاویز اور سادان بھی مسکرا رہے تھے۔

بس ان شاء اللہ اب میرے ہنڈسم چاچو دلہا بنیں گے گائیز، کسی کو کوئی اعتراض نہ ہو اب" سادان نے بے حد رشک سے آگے بڑھ کر اس کملائے سے شخص کو سینے میں سمو لیا اور اسکی شرارت پر سب مسکرا دیے۔ مگر وہ دو ایک دوسرے پر نگاہیں کیے بہت سے سوال ایک دوسرے سے پوچھ کر نڈھال تھے۔

اللہ مبارک کرے گا، اس حویلی پر اب کسی بری نظر کا سایہ تک نہ پڑے"" عالیہ کی آپنی آنکھیں اس دلسوز مگر دلفریب گھڑی پر نم تھیں، وہ بھی اپنے سائیں کو بہت یاد کر رہی تھی جس پر فلذہ نے آج گھر کی حق دار بہو والی جیجھی عالیہ کو پورے لاڈ سے دی اور سب کی آنکھیں اس حسین ملن کی منتظر تھیں۔

زینیہ اور کرمان کا نکاح کورٹ کے فیصلے کے بعد طے پانا تھا۔دو روحوں کا یہ ملاپ یقیناً دلفریب ہونے کو تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے دو دن نہ صرف حویلی کے مکینوں کے لیے بلکے پورے گاوں کے لوگوں کے لیے ایک ناقابل فراموش دن کی صورت ابھرے تھے۔ برے اور نجس کاموں کا عبرتناک انجام، تمام گواہوں اور ثبوتوں کے پیش نظر انجیل بیگم کو کئی لوگوں کے قتل اور انسانیت پر درندگی اتارنے کے بدلے سزائے موت سنائی گئی تھی۔یہ دن تاریخ کے سیاہ باب میں سنہرے حروف سے لکھا جانا تھا، دنیا کے لیے وہ عورت ایک ناسور سے زیادہ کچھ ثابت نہ ہو سکی۔پل بھر میں اسکا غرور اسکی شان اور مرتبہ، پھانسی کا پھندا بن گیا۔

وہ ایسی بدبخت تھی کہ اسکی موت پر رونے والی ایک آنکھ تک میسر نہ تھی۔ اس سے بڑی بدقسمتی اور کیا تھی کہ اسکی موت کے بعد کوئی اسکی مغفرت کرنے والا نہ بچا تھا۔ آج وہ حقیقی بانجھ ثابت ہوئی تھی۔ آج اسکے چہرے پر ویسا ہی تاثر تھا جیسے میدان جنگ میں دشمن کی فوج سے ٹھڈے اور لاتیں کھانے والے کے چہرے پر تھا۔

تین دن بعد کورٹ کے آرڈر کے تحت انجیل بیگم کو اسکے بدافعال کے بدلے پھانسی دے دی گئی۔

انصاف کی یہ کامرانی ہر ایک کو بتا گئی تھی کہ اللہ کی لاٹھی بلاشبہ بے آواز ہے۔ وہ عورت جس نے اپنے ہی سر کے سائیں کو مار ڈالا، اس عورت سے کچھ بھی گندگی اور درندگی توقع کی جا سکتی تھی۔

پیشی پر سادان، کرمان، زینیہ، زلفی، فلذہ، رحمان احمد، مالو، کومل ان سب کے بیانات لیے گئے تھے۔ تمام ثبوت اور وہ آخری ریکارڈنگ ہی اس عورت کا خاتمہ بنی تھی۔ نکاح فیصلے کے باعث تاخیر کا شکار تو ہو گیا تھا مگر

اسی بہانے سادان، اماں سائیں کو بابا سے ملاوانے اور انجیل کی سزائے موت کی خبر سنانے گیا تھا۔

درمان کے اندر رہی سہی سکت دم توڑ چکی تھی پر آج سلطانہ کے آنسو انکو اپنی عافیت لگے تھے۔ خود سادان کی آنکھیں اس دو منٹ کی ملاقات نے نم کر دی تھیں۔ جیل والے کسی صورت ملاقات پر رضامند نہ تھے اور یہ دو منٹ کی ملاقات بھی بس آنسوؤں اور تسلی کے نام ہوئی۔

واپسی پر سادان نے انھیں تیمور سے بھی ملوایا مگر تیمور کو مل کر وہ اور بجھ گئیں کیونکہ وہ واقعی پتھر ہو چکا تھا۔ واپسی پر سادان نے انکو تسلی دی تھی کیونکہ نکاح کے بعد ویسے بھی شاویز اور سادان جاب کے لیے تیمور کے ساتھ ہی رہنے والے تھے اور سادان کو یقین تھا کہ وہ ان پانچ چھ ماہ میں تیمور کے اس پتھر رویے کو بدل دے گا۔

وہ سب شام تک حویلی واپس پہنچے اور پھر امام معروف سلطانی نے حویلی میں تلاوت قران پاک اور نعت کے سنگ اس گھر کی خوشیوں کی دائمی ہونے کی دعا کیے مہندی پر ہی کرمان اور زینیہ کا نکاح کروایا۔

مہندی کا خیال بچہ پارٹی کا تھا اور اصل مستی سب نے کل پلین کر رکھی تھی جب سب لڑکا پارٹی نے کرمان کو بالکل دھماکے دار دلہا بنانا تھا۔

حویلی تو مانو رنگ برنگی برقی روشنیوں سے منور ہر کالے سائے سے نجات پاگئی تھی۔

ہر کوئی شادمان تھا، انجیل بیگم کی موت پر سب شکر گزار ہو کر بھی کہیں اندر سے دکھی تھے۔ خاص کر سادان جس نے اس سارے سفر میں ان سے سب سے زیادہ چوٹیں کھائی پھر بھی وہ اس عورت کے ایسے عبرتناک انجام پر دکھی تھا۔

کاش ہم انسان اللہ کی دی ڈھیل کو اپنی جیت سے تعبیر نہ کریں، وہ جب سدھرنے کا موقع دیتا ہے تو اسکے اس موقعے کو پانا بھی ہر کسی کے بس کا

روگ نہیں تھا۔ انجیل بیگم کو بھی کئی مواقع ملے ہوں گے پر اسکا ایسا ہی دردناک عذاب طے تھا۔ درمان بھی اپنی آٹھ سالا قید سہہ کر ہی آزادی اور عزت دوبارہ پانے کے قابل ہو سکتا تھا۔

گناہ ایک فرد کرتا ہے پر اس گناہ کی چنگاریاں اس فرد کے ساتھ اس سے جڑے ہر فرد کو تپش دیتی ہیں۔

گوہر کسی کے دل میں کوئی نہ کوئی دکھ درج تھا پر اب خوشیوں کا حق تھا کہ انکا شاہانہ استقبال کیا جاتا۔ اس نکاح کے ساتھ ہی اگلے دو نکاح کچھ ماہ تک موقوف کر دیے گئے جن میں عاقل عائشہ اور رملا بشیر کا نکاح شامل تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"آئی ایم سوری فار ایوری تھنگ، مجھے پتا ہے تم تکلیف میں ہو مگر میں فیملی کو اس میں شامل کر کے ایک آخری کوشش چاہتا تھا پلیز مجھ سے ناراض

مت ہو" کھلے آسمان تلے وہ اپنے گرد شال اوڑھے اس خنکی سے آٹی رات میں حویلی کے لان میں کھڑی یخ ہواوں سے اڑتے بال بار بار جمار ہی تھی جب کسی مانوس سی آواز نے سماعت کو چھو کر اسے اپنی جگہ دہکا دیا تھا۔

میں آپ سے ناراض نہیں ہوں سائیں، پر میں تکلیف میں ہوں۔ آپکی" آخری کوشش بنتی نہیں تھی، مجھے آپ خود سے باندھ کر کچھ نہیں پائیں گے۔ میں جو خود پور پور کھو کھلی ہوں، آپکے کسی زخم کی کیا تلافی کروں گی" بنا مڑے ہی وہ اپنے دل کا کرب کہتی ہوئی دلخراش ہوئی اور کرمان کے چہرے پر اندھیرا چھا گیا۔ وہ اسکی رخساروں پر پھیلتے پر حدت قطروں سے اسکی اذیت کا بخوبی اندازہ لگا سکتے تھے۔

میں تم سے ابھی کچھ نہیں مانگوں گا زینیہ، ساتھ کے سوا" اک خلش میں" لپٹی درد دیتی بات جس پر زینیہ نے مڑ کر اس شخص کو بغور دیکھا۔ ڈارک براون سوٹ اسکے وجیہہ سراپے پر دمک رہا تھا، گلے میں گھما کر ڈالی سیاہ چادر

اور چہرے پر تھکن کے باوجود اک میٹھاس مگر انکی آنکھوں کی سرخی پر زینیہ بھی تڑپ اٹھی تھی۔

"یہ تاریکی آپ اپنے سر کیوں لے بیٹھے ہیں، میں اس احساس سے کیسے باہر آوں گی" وہ جو کرمان کا اصرار بے دردی سے جھٹک گئی، یک لخت رونکھی ہو کر تاسف سے ان آنکھوں میں دیکھتے بولی جس پر کرمان چند قدم کا یہ دل کو درد دیتا فاصلہ مٹا کر عین اسکے روبرو اپنا ہاتھ بڑھا کر اسکی آنکھوں سے بہتی نمی رنجیدگی سے ہٹا گئے اور وہ تو اس پہلی حق وصولی پر جنبیش تک کی روادار نہ رہی۔

میں لاوں گا باہر، مجھ پر بھروسہ رکھو" کتنا چاہتے تھے وہ زینیہ کو، آج بھی" وہ انکے لیے ویسی ہی معتبر اور اہم تھی۔ وہ روتی نہ تو کیا کرتی۔

بھروسہ کیسے کرتے ہیں"زینیہ کی سرخ آنکھیں اور یہ سرد مہری کرمان"
کو بے جان کر رہی تھی۔

سیکھادوں گا" وہ پھر سے اس چاہت پر سر جھکائے رودی اور کرمان کا دل"
انھیں اسکے آنسو ہٹانے کی ترغیب دے رہا تھا اور اب کی بار وہ دونوں
ہاتھوں سے زینیہ کا چہرہ تھامے اسکے چہرے پر پھیلتی شفق ہٹا گئے۔
زینیہ نے اپنی جھکی آنکھیں پٹ سے کرمان کی آنکھوں گاڑے اپنے باقی
آنسو اپنے اندر اتار لیے۔

میں آپکے قابل نہیں" لہجے میں درد اور قنوطیت کی بھرمار تھی، کرمان"
نے زینیہ کے چہرے پر اترتے کرب آمیز رنگ تسلی سے جانچے۔
تم ہی ہمیشہ سے میرے قابل تھی، میں نے تم سے ہی محبت کی ابتدا کی"
تھی اور یہ انتہا بھی تم پر ہو گی۔ میری محبت وجود کی سلامتی تو ہو سکتی ہے پر
اجارہ داری نہیں، ہوس ہوتی تو میں بھی حاکمیت میں اسے تب ہی پوری
کرتا۔ میرے لیے تمہاری عزت کل بھی عزیز تھی اور آج تک ہے،

تمہارے ساتھ جو ہوا اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ خود کو دوبارہ کبھی مجھ سے کم مت سمجھنا، میں ہی تمہارے قابل نہیں تھا۔ قابل بنتے بنتے یہ وقت آگیا زینیہ۔۔۔۔ میں بس تمہاری تکلیف مٹانے کی خواہش رکھتا ہوں، جس ہوس نے تم سے تمہارے لہجے کی نرمی اور روح کا قرار چھینا تھا میں اپنی محبت اور استحقاق زدہ رفاقت سے تمہیں اس کا اصل قرار دینا چاہتا ہوں۔ میں تم سے آج بھی بے انتہا محبت کرتا ہوں، اس میں اضافہ تو ممکن ہے مگر کمی ہرگز نہیں" وہ جو تکلیف کے دہانے پر کھڑی تھی، یوں لگا اسکی جلتی حیات کسی ٹھنڈک سے متعارف ہوئی ہے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا چاہتی تھی، اور کرمان نے بھی اسے بے قراری سے اپنے سینے میں کسی مدت بعد کھوئی روح کی طرح حلول کر ڈالا۔ اتنی دردناک اور رنج سے اٹی تھی کہ یہ گرفت ملتے ہی اس نے اپنے سارے آنسو بہا دیے۔ سکون تو وہ تھا جو آج کرمان کے سینے پر اترا تھا، وہ چاہتے تھے کہ وہ روئے اور اپنے اندر کی ساری بھڑاس اور تلخی نکال دے۔

آج جتنا رونا ہے رولو زینیہ، کل سے تمہیں ایک آنسو بہانے کی اجازت نہیں دوں گا" اپنی بازوؤں کی گرفت مزید گہری کیے وہ اسکے دردناک رونے پر خود بھی پریشان تھے اور وہ جو کچھ پل اپنے آپ سے بیگانی ہو گئی تھی، یک لخت کرمان کی گرفت سے نکل کر بوکھلائی سی لگی۔ بھلے ابھی اس وقت صحن میں کوئی نہ تھا مگر پھر بھی زینیہ کا گریز سمجھ کر کرمان کے چہرے پر حسین مسکان سجی۔

مسکراتی نگاہوں نے ان روتی من پسند نگاہوں کو پھر تا دیر آنکھوں سے ہی چھوا۔ وہ بھی کچھ دل ہلکا کر کے سکون سا پا گئی تھی۔ آج کی رات نے کل کے ملن کی خوشخبری سنا کر پیاسے دل سیراب کر دیے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فائنلی دل پر رکھے بہت سے بوجھ ہٹ گئے، آج دل بہت سکون میں "

ہے" وہ چاروں ہی ٹیرس پر کھڑے رات کی اس خنکی میں پیوست شب کا طلسم اپنے اندر اتار رہے تھے۔ ظلمت کا ہر اندھیرا مٹ چکا تھا۔ جہاں سادان نے اپنی بازو کو دلفریب رشک میں لپٹی فلذہ کے گرد حائل کیا تھا وہیں کومل بھی اپنے راج دلارے ہبی کے ساتھ لگی دل تک سکون محسوس کر رہی تھی۔

سادان کی آواز میں آج دنیا جہاں کی آسودگی تھی اور اسکے ادا کیے ان جملوں میں اسکے دل کے قرار کی جھلک دیکھائی دی تھی۔

واقعی، بابا جان کو بھی انکی مدت سے کھوئی خوشی مل گئی۔ مجھے بہت خوشی "

ہے کہ اللہ نے انکو انکی آزمائش کا صلہ بہت خوبصورت دیا ہے۔ اب سب ہی خوشی سے جیئیں گے" کومل کے سکون کو یہی بہت تھا کہ وہ خود سے جڑے ہر فرد کی خوشی دیکھ رہی تھی۔ وہ بابا جنہوں کے اپنے دل کے درد کا سایہ تک کومل کے نازک دل و دماغ پر پڑنے نہ دیا، نور کی اس امانت کو سینے

میں سمو کر پالا۔ کرمان کی تو وہ جان تھی، پہلی اولاد وہ بھی بیٹی، بیٹی بھی وہ جسے دیکھ کر ہی وہ پر سکون ہو جاتے اور اپنا ہر درد چھپا لیتے۔ پھر پہلو میں کھڑا یہ شخص جو سر تا پا کومل کی حکمرانی میں جیتا تھا۔ سانس بھی اسکی سانس کے ساتھ لیتا، اسے عشق کر بیٹھا۔ پھر ساتھ کھڑے دل و جان سے پیارے سادان اور فلذہ جنکی دائمی خوشی کا خیال تک کومل کا دل مہکانے لگتا تھا۔

"ان شاءاللہ، بر اوقت طویل سہی پر دائمی ہر گز نہیں ہوتا۔ وہ اللہ اپنے بندوں پر ہماری سوچ سے کہیں زیادہ مہربان ہے" شاویز کا اپنا دل پر سکون تھا اور سادان کی شہزادی تو سادان کے چہرے کا سکون دیکھ دیکھ نظر اتار رہی تھی۔

"بے شک، یہ سب آسانی اللہ کی دی ہی تھی کہ ہم سب نے اپنی جنگ جیتی۔ ہر برے سایے کو شکست فاش دیکھنی پڑی، اور سب سے بڑھ کر مجھے میری شہزادی ملی" بات کرتے وقت سادان کے لہجے کا جوش مہکا اور آخری بات پر وہ اپنے سینے سے لگی چپ چاپ باہر دیکھتی فلذہ کو دیکھتے

ہوئے بولا جس پر نا صرف فلذہ مسکرائی بلکے شاویز اور کومل نے دونوں کا ہی صدقہ اتار لیا۔

ہے نا شہزادی "فلذہ کو بوکھلا کر اپنی سمت دیکھتا وہ اسکی ناک دبائے شریر "ہوا اور وہ یوں سر عام سادان کی بے تکلفی پر جھینپ گئی۔

اہمم اہمم ایک اور بھی کمال ہوا ہے، ہمارے شیر رومینٹک ہو گئے ہیں """ ارے بھئی رومینٹک تو سادان جیسا کوئی تھا ہی نہیں، شاویز کے بھولے پن پر سادان نے فلذہ کو آنکھ ماری جس پر وہ دونوں بتیسی دبائے ان دو کو بھی خود پر فدا کر گئے۔

ھاھا شاویز آپ بھی ناں، مجھے یقین ہے سادان پہلے ہی آپ سے بھی "زیادہ رومینٹک تھے۔ بھئی یہ ہم بیوٹی فل گرلز کا کمال ہے کہ ہم نے دو بورنگ سے آدمیوں کو رومینٹک شہزادے بنا دیا ہے "آئے ھائے اب تو سسٹرز باونڈنگ اور لو و نے دھوم دار انٹری ماری جس پر دونوں شہزادے جی جان سے اپنی اپنی والی پر فدا ہوئے۔

ھاھااومائی گارڈ، لڑکیو اتنی خوش فہمیاں" سادان نے شرارت سے کان کو" ہاتھ لگایا جس پر چاروں ہی دلنشین ہنس پڑے، منظر منظر معطر ہوا اور مخملی جذبوں کی ہر شدت نے چاروں کے چہرے کی مسکان کے سلامت رہنے کی دعا کی تھی۔ کل کا دن حویلی میں خوشیوں کا نیا سلسلہ لانے کو تھا،اور کل کے حسین دن کی دلفریبی نے ابھی سے سب کے وجود اپنی گرفت میں لے لیے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فجر کے بعد سے ہی حویلی میں حسب توقع چہل پہل اور رونق شروع ہو چکی تھی۔ ساری رات دمکتی روشنیوں اور خوشبوؤں سے پورا گھر مہک رہا تھا اور اب باری تھی گھر کے پیارے افراد کا پوری دبنگ تیاری سے مہکنے کا۔

ناشتے کا سیشن تو سب نے سوئی جاگی شکلوں سے ہی سرانجام دیا اور اسکے بعد ساری کڑیوں نے زینیہ کو مل کر دلہن بنانا تھا جبکہ مرد حضرات کی توپوں کا رخ ہمارے معصوم سے کرمان کی سمت تھا۔

سب نوجوان پارٹی نے آج خوب ہلا گلا اور مستی کا پلین کر رکھا تھا۔ شادی کا سارا کھانا سپیشل نائی بلوا کر حویلی کے صحن میں ہی تیاری کے مراحل میں لگ چکا تھا۔ ہر فرد اپنے اپنے کام میں مگن تھا۔

باقی سب مرد حضرات اب کرمان کے کمرے میں آدھے کمرہ سجانے اور آدھے کرمان کو سجانے والے تھے اور کڑیوں کا بھی یہی ارادہ تھا۔

ساداں نے فلذہ کے لیے آج کے دن کے لیے ڈارک مسٹرڈ، سلور اینڈ پنک بہت ہی حسین فینسی جوڑا منگوایا تھا اور یہ ساری شاپنگ ساداں نے یہیں رہ کر شہر سے منگوائی تھی۔ ساداں نے اس فریضے کے لیے عاقل اور بلقیس کو لگایا تھا۔ آرڈر اس نے رات ہی سب کے لیے کر دیے تھے اور فجر سے پہلے وہ دو ہونہار تمام چیزیں لے کر حویلی بھی آچکے تھے۔

بڑے مرد خضرات بھی آج اپنی چوائز کے کرتے شلوار اور جوان ہنڈسم مرد خضرات شارٹ شیروانیاں پہننے والے تھے۔ سادان نے اپنے لیے اور چاچو کے لیے سیم بلیک، براون اینڈ سلور شیروانی کو چوز کیا تھا جو شاید سادان خود بھی پہلی بار پہننے والا تھا۔ البتہ فلذہ کا جوڑا تو اس نازک نے یوں اٹھار کھا تھا جیسے ابھی گر جائے گی۔ کیونکہ اس پر بہت بھاری اور نفیس کام تھا۔

سائیں آپ کے کپڑے ہینگ کر دیے ہیں، میں جا رہی ہوں اب زینیہ آپی کو تیار۔۔۔۔" سادان جو ابھی دوبارہ سو کر اٹھے منہ دھو کر باہر آ رہا تھا، فلذہ کی سنجیدہ سی ہدایت پر ایک ہی جھٹکے سے محترمہ کو دبوچ گیا جس پر اسکا جملہ بھی بوکھلاہٹ میں ادھورا رہا۔ ابھی فلذہ ریڈی نہیں ہوئی تھی، سب نے مل کر ہی تیاری کا پلین کیا تھا۔ سادان اس کے ہاتھ سے اسکا ڈریس لے کر بیڈ پر رکھتے اب اپنی میٹھی نگاہیں مکمل فلذہ پر مرکوز کر گیا جو رات کومل کے ساتھ ہی تھی۔ کیونکہ ساری کڑیوں نے اپنے اپنے چہرے کی ٹھکائی رات کو ہی پوری کی تھی، فلذہ نے بھی چہرہ چمکا رکھا تھا۔ کومل نے اپنے

ساتھ ساتھ اسکی فیشل اور تھریڈنگ بھی کر دی تھی اور فلذہ کا چہرہ تو ویسے ہی اتنا شفاف تھا، اتنا ورک اوٹ پا کر تو رہا سہا سانولا بھی نہ رہا اور وہ یوں مہکی مہکی سادان کو صاف صاف بہکا رہی تھی۔

مجھے یہ بتاو، آگے کم ظالم ہو جو یہ سب کر کے بجلی گرا رہی ہو۔ ھائے ے" اوپر سے میں نے یہ کیا ظلم ڈھا دیا یہ ڈریس لے کر۔۔۔۔ یار سچ پوچھو مجھ سے کنٹرول نہیں ہو گا آج" سادان کی بڑھتی بے قراری اور یہ اداس سی بے بسی سنے فلذہ اپنی ہنسی نہ روک پائی اور سادان ہنسنے پر تو اور تپ گیا۔

اچھا تو" فلذہ نے بمشکل کہہ کر نگاہیں جھکا لیں اور سادان جو اسے دبوچے" ہوئے تھا مزید خود میں سموئے فلذہ کی اس ادا پر دل ہار بیٹھا۔

تو یہ کہ کچھ بھی ہو سکتا ہے" سادان نے اک گلال سی سرگوشی فلذہ کے" کان کی سمت جھک کر کہی جس پر وہ اب بنا لالی کے گلابی ہو کر چہرہ اٹھائے سادان کو دیکھنے لگی جیسے جاننا چاہتی ہو کہ کیا۔

میں آپکو کل بتا چکی، اگر آپ پھر بھی ایسا چاہتے تو میں منع نہیں کروں "
گی۔ لیکن پھر میرے لیے آپکو دعا کرنی ہو گی اللہ میرا میٹرک پاس
کرائے "آئے ھائے یہ کہہ کر تو فلذہ نے سادان کا دل بہار کر دیا، وہ اب
واقعی فلذہ اور اپنی ہر دوری ختم کرنا چاہتا تھا۔ فلذہ گھبرائی ہوئی اپنا اختیار
آخر کار سادان کو دے گئی جس پر سادان نے اسکی گال پر پیار دیا اور سنجیدگی
سے فلذہ کی لجائی حیا ملاحظہ کی۔

دعا والا آپشن ٹھیک ہے، کر دوں گا۔ تو کیا میں آج اپنی شہزادی کا ہو سکتا "
ہوں۔ پورے حق کے ساتھ "آج تو پھر دو دو ملن ہونے کو تھے، شہزادے
کا یہ انداز فلذہ کو لرزا گیا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اسکا کیا بنے گا، پر وہ سادان کی
خواہش رد کرنے پر بھی بے سکون تھی۔

ہو سکتے ہیں پر ولیمے کے بعد آپ کوئی بہانہ نہیں کریں گے اور جاب پر "
جائیں گے، پرامس کریں "فلذہ کو یہ لگ رہا تھا پھر وہ خود ہی سادان سے دور

نہیں رہ پائے گی پر اب سادان خود بھی جانتا تھا کہ اسکی جاب کو اسکی ضرورت ہے۔

پرامس، کیا تم دل سے راضی ہو۔ میرے لیے مت کہو، اپنا بتاو" سادان بھی اپنی جگہ بے تاب بھی تھا اور وہ اسی لمحے اب فکر مندی سے اسکا چہرہ تھامے پوچھ رہا تھا۔

مجھے بس بہت ڈر سا لگ رہا ہے" فلذہ نے لرزتی آواز نے سنگ بنا آنکھ ملائے اپنا خدشہ کہا جس پر سادان ہنستا ہوا اسے خود میں سمو گیا۔ یعنی چاہتی وہ بھی تھی بس زرا ڈرپوک اور ناواقف تھی جس کا بندوبست سادان ہی کرنے والا تھا۔

ڈرنا نہیں شیر کی بیوی ہو تم، اٹس او کے۔ تمہارا ہر ڈر تمہارے سائیں ہٹا دیں گے۔ بس ریلکس رہو" فلذہ اس تسلی پر اب پر سکون تھی اور سادان اسکی اس رضا پر اس سے زیادہ پر سکون تھا۔ وصل کی خواہش اسکی محبت کا حق تھی اور وصل ہی انکے حسین رشتے کا مزید جاندار آغاز تھا۔

بس پھر جیسا آپ چاہیں" محترمہ کچھ زیادہ ہی پر اعتماد ہو گئی تھیں اور"

سادان اسکی معصومیت پر شدید ہنسی روکے شریر ہوا۔ سارا اعتماد ایک پل کو

توڑنے والا تھا مس سلونی کا پر یہ احساس کہیں نہ کہیں فلذہ کے دل میں بھی

گدگدی جگا چکا تھا۔

چلو پھر جاو تم جا رہی تھی جہاں، باقی کے مظالم رات کو ڈھاوں گا" بچاری"

کا اعتماد خود بڑھا کر اسے شرارت سے ڈرائے اسکی دونوں گالیں مڑورے وہ

اسے اجازت دیے خود بھی مسکراتا ہوا شاید نہانے گیا تھا اور فلذہ بھی چہرے

پر امڈتے گلال رنگ جذب کیے اپنا ڈریس اٹھائے کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

او یار میں اس عمر میں فیشل۔۔۔ نا بابا۔۔۔ سادان یار مجھے بچالو ان سے""

پورے کمرے میں آج تو ہنسی کے جلترنگ رنگ تھے۔ عاقل، بشیر اور

شاویز، ہنستے ہوئے کرمان کو زبردستی نکھارنے پر لگے تھے اور سادان، اسد

صاحب کے ساتھ مل کر کمرے میں اب گلاب کے پھولوں کے بکے رکھ رہے تھے جب کرمان کے بچاو کی آواز پر سادان نے شرارت سے کندھے اچکائے۔

ھاھا نا میرے دوست آج آپکی ٹیونگ لازمی ہے، کسی صورت آپکو زینیہ چچی سے کم ڈیشنگ نہیں لگنا۔ لڑ کو جاری رکھو۔ شاویز انکی یہ داڑھی مونچھ بالکل نا ہونے کے برابر کرو، اور بال ڈائے تو پہلے ہی کر دیے تھے میں نے" سادان صاحب بھی آج کسی رعایت کے موڈ میں نہ تھے اور کرمان کے چہرے پر بھی آج شرارت ابھری تھی۔ رات جہاں لڑکیوں نے مل کر چہرے چمکائے وہیں سادان نے بذات خود چاچو کے اکا دکا وائٹ بال مکمل ڈائے کر ڈالے اور اب جب داڑھی مونچھ تراشنے ہونی تھی پھر تو کرمان صاحب نے چمکارے مارنے تھے۔

ھاھا تم لوگ مجھے جتنا چمکا لو، یار اب جوانی تھوڑی لوٹ آئے گی" کرمان کی اس بات پر باقی تو سب ہنسے ہی وہ خود دانت نکال کر نہایت دلنشین لگے۔

دل جوان ہونا چاہیے کرمان بھائی، عمر میں کیا رکھا ہے" اسد صاحب بھی" آج کسی الٹرلڑکے کی طرح محفل پر چھائے ہوئے تھے اور سب ہی انکی بات سے سو فیصد متفق تھے۔

بالکل، اور آپ تو ابھی بھی مجھے کٹ مارتے ہو ہنڈسم چاچو جان، ہوں گی" زینیہ چاچی حسینوں کی حسین۔۔۔۔ بھئی ہمارا دلہا بھی کسی سے کم نہیں" آج کرمان کو باقی سکون تو تھا ہی پر سادان کے اس شرارتی روپ پر وہ بے حد خوش تھے۔ آج بھائی کی کمی بھی محسوس ہو رہی تھی۔ بلکے ہر ایک کو اس شخص کی کمی کا احساس تھا مگر سب پر امید تھے کہ ایک دن یہ رہا سہا اندھیرا بھی چھٹ جائے گا۔

سادان کی اس بات پر بشیر، عاقل، شاویز اور اسد صاحب بھی ہنس کر اترائے اور یوں دلہے کی اچھی شامت آ رہی تھی۔

دوسرے کمرے میں تو یوں لگا آسمان سے پریاں اتر کر رنگوں کا طوفان مچا رہی ہیں۔ رمشہ اور فلذہ تو عالیہ سے تیار ہو چکی تھیں جسکے بعد خود عالیہ بھی

سو بر ساتیار ہوئی اور اماں سائیں کو بھی تھوڑا سجایا جبکہ کومل تو اس آپسرا کے سامنے جھکی تھی جسکا ابھی صرف پنک اور ریڈ، گولڈن کام والا لہنگا دیکھائی دیا۔

رمشہ کا ڈریس بھی ثقافتی سا بہت رنگیں تھا جبکہ عالیہ نے وائیٹ اینڈ مسٹرڈ فیسنی فراک پہنی تھی اور سب نے ہی دوپٹے کندھوں پر لے رکھے تھے اور بالوں کو سب نے کوئی نہ کوئی سٹائیل دے رکھا تھا۔ عائشہ اور رملا بھی آچکی تھیں پر وہ باہر باقی کاموں کو دیکھ رہی تھیں۔ مہمانوں کو سرو کا کام ان چھٹکیوں کو دیا گیا تھا۔

اور پھر یوں لگا لمحے تھم گئے ہیں، کومل اس پری پیکر حسن کی ملکہ پر سے ہٹی تو سب کی نگاہوں نے دلہن بنی زینیہ کا صدقہ اتار لیا۔ وہ اسقدر حسین اور پیاری لگ رہی تھی کہ آنکھیں زیادہ دیر اسے دیکھ ہی نہ پائیں، آج وہ یہاں کی ایک اور لاڈلی بہو بن کر سجائی گئی تھی۔ اپنے سائیں کے لیے، وہ بھی بس آج اپنی زینیہ کے لیے سج رہے تھے۔

سلطانہ نے اپنی کاجل سے اٹی آنکھوں پر انگلی لگا کر زینیہ کے کان کے پیچھے کا ٹیکہ لگایا اور سب ہی اس دلفریب منظر پر دیوانے ہوئے۔

ماشاءاللہ، چشم بد دور۔۔۔۔اللہ تمہیں آباد رکھے زینیہ، ہم سب کی" دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔اور میری ساری پیاری بیٹیاں صدا سہاگن رہیں۔مجھے تو تم سب کو دیکھ کر ہی زندگی کا حقیقی رنگ محسوس ہوا۔بس میری عالیہ کے سر کا سائیں بھی جلد اسکے پاس آئے تاکہ میں اسکی خوشیاں بھی دیکھوں" عالیہ کا دکھ واقعی بڑا تھا، آج حویلی میں اتنی خوشیاں تھیں اور وہ تبریز سے دور تھی۔اس بات پر توجہاں کومل نے جھک کر زینیہ کی پیشانی چومے اسے پیار دیا وہیں باقی تینوں لاڈلیاں سلطانہ کے ساتھ جا لگیں۔ رمشہ، جو انکو اب فلذہ کی طرح عزیز تھی۔آخر کل کو وہ بھی اس گھر کی بہو بننے والی تھی اور فلذہ کا مقام تو اب واقعی ماہرانی سا تھا۔انکے سب سے لاڈلے چاند کی زندگی۔اور عالیہ تو انکو ویسے بھی عزیز تھی۔

آمین، اور باباسائیں کی بھی جلد واپسی ہو" فلذہ کی یہ دعا تو سلطانہ کے دل پر ٹھنڈک کی مانند اتری جس پر سلطانہ نے بھیگی نم آنکھوں سے فلذہ کو الگ سے پیار دیا اور اسکی پیشانی چومی۔

اب سب زینیہ کی سمت متوجہ تھے، مائیں بیٹیوں کو دلہن بناتی ہیں مگر یہاں تو پیاری پری نے اپنی حسین مما کو دلہن بنایا۔

"آپ سب بہت پیارے ہیں، خاص کر تم۔ تھینک یو اس عزت اور مان کے لیے۔ مجھے تم جیسی بیٹی پا کر بہت خوشی ہوئی" زینیہ نے بھی اس قدر محبت بھرے ماحول میں چپ رہنا مناسب نہ سمجھا اور اپنے پاس بیٹھی کومل کو خود سے لگائے رسانیت سے مسکرائی۔

"اور مجھے آپ جیسی مما پا کر سکون ملا ہے، اب میری تین مما ہو گئیں۔ میری دعا ہے آپ اور بابا اب بہت خوش رہیں۔ ماضی کی ہر تکلیف ہٹ جائے، اور آپ اپنے حصے کی ہر خوشی پائیں" ماں بیٹی کا پیار تو زہے نصیب، رشک کے لائق تھا۔ زینیہ کا دل تو کل ہی پر سکون ہو گیا اور وہ تو کبھی سوچ

بھی نہ سکتی تھی کہ یوں عروسی جوڑے میں وہ کبھی اپنے سائیں کے لیے سجائی جائے گی۔

فائنلی ملن کی حسین رمزیں کھلنے کا وقت ہوا۔ایسی بارات کہ پورا گاوں صدیوں اس شادی پر رشک کرتا۔شاہانہ انداز، چہکتے دمکتے چہرے۔ آسودگی کی فروانی اور سکون کی لاتعداد کرنیں ان سب کے وجود اپنے حصار میں لے چکی تھیں۔

ہر کوئی آج آفت لگ رہا تھا۔سادان اور فلذہ کی جوڑی اب جسے دیکھ کر ہر کوئی ماشاءاللہ کہہ اٹھتا، شاویز اور کومل ایک دوسرے کا آئینہ۔۔۔۔رمشہ ابھی اکیلی تھی پر وہ ناچاہتے ہوئے بھی تیمور کی کمی کو مس کرنے لگی تھی۔ عائشہ کی طبعیت کی بہتری نے ماحول اور تروتازہ کر دیا اور وہ رملا کے ساتھ مسلسل مسکراتی دیکھائی دی اور اسے مسکراتا دیکھ کر سادان اور عاقل دونوں ہی دل تک جی اٹھے۔عاقل کے لیے عائشہ کا رشتہ اسکے لیے ایک دلفریب ذمہ داری تھی جو جلد اسکو ملنے والی تھی کیونکہ تبریز کی رہائی پر

سادان نے یہ ارادہ کیا تھا کہ جشن پر بشیر اور رملا کے نکاح کے ساتھ عاقل اور عائشہ کا نکاح بھی کر دیا جائے۔ یعنی مسکراہٹوں کا یہ سلسلہ پانچ ماہ بعد یہیں سے شروع کرنے کا ارادہ باندھا گیا تھا۔

شادی کا سارا فنکشن دیویکل حویلی میں کیا گیا جسکو امام صاحب نے آکر چار چاند لگائے بلکے زلفی آج رحمان کو بھی لایا، سادان نے ان کو سپیشل اپنی خوشی میں مدعو کیا اور بخت اور خالدہ کو بھی بنا کسی پشیمانی کے عزت و مرتبہ دیا گیا جو حویلی کا خاصا تھا۔

دلہن اور دلہے پر نگاہیں ٹک کر پتھرا ہی گئیں، آج کرمان اپنے حسین ترین روپ میں تھے۔ وہ سادان کی طرح پرکشش اور گورے چٹے تو تھے ہی پر انکے نقش باریک شاید اپنی اصل اماں سائیں پر تھے۔ اس کے برعکس درمان چوہدری موٹے نقوش اور بھاری وجود والے تھے اور یاور کی شکل درمان پر تھی۔ البتہ سادان اپنے حسین دادا پر تھا اور تیمور کی شباہت سلطانہ اور سادان پر تھی۔ رہی عالیہ تو وہ سادان کی فوٹو کاپی تھی۔

زینیہ کا حسن بھی آج دہکا ہوا کندن رنگ اوڑھے ہوئے محفل میں آگ لگا رہا تھا۔ آج ہر کوئی شاد ماں تھا۔ آج جتنی دعائیں مانگی گئی تھیں سب قبول ہو گئی تھیں۔ زینیہ کی طرف سے میکائیل اور انکے بیٹے شفاء نے پورے مان سے حاضری دی۔ گویا ہر کوئی بس آج ان آسمان سے برستی خوشیوں سے مہکا ہوا لگ رہا تھا۔ خدا اب یہ رونقیں تا قیامت قائم رکھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چلیں جی چاچو اپنا والٹ خالی کریں لوٹیرے آ گئے" سادان نے پوری کوشش کی تھی کہ کرمان کی شادی میں نہ صرف کوئی کمی ہو بلکے وہ تو اب کمرے کے باہر بھی شرارتی شکلیں لیے پہنچ چکے تھے جس پر خود کرمان کی ہنستی آنکھیں شریر ہوئیں۔

ھاھا بابا آپ بلش کر رہے ہیں، قربان جاوں "سب سے زیادہ پیاری تو" کومل تھی جو گلال ہوئے بابا کی گال پر پیار دیے انکے ساتھ ہی لپٹ گئی اور یہ منظر تو واقعئ دلوں کو حیات دے گیا تھا۔

میرا بچہ، اللہ تم سب کو سلامت رکھے۔ تھینک یو سو مچ میرے بچو۔ مجھے " اتنا سپیشل فیل کروانے کے لیئے "شیروانی بدل کر محترم اب ڈارک چاکلیٹ سوٹ میں آچکے تھے اور کرمان کا وجیہہ سراپا آج کچھ زیادہ ہی دلفریب تھا اور وہ بلاشبہ آج بہت خوبصورت اور گریس فل لگ رہے تھے۔ کرمان کی سرمست سی آنکھوں میں اب جیسی محبت کومل اور سادان کے لیے تھی ویسی ہی شاویز اور فلذہ کے لیے تھی۔ اب جب وہ خود آباد ہو گئے تھے تو انکا روم روم بھی اپنے بچوں کی خوشیوں کے لیے دعا گو تھا۔

آپ سپیشل ہیں جناب، اور جتنی آپکو خوشی ہے اس سے کہیں بڑھ کر ہم " خوش ہیں "شاویز نے بھی بے مثال چاہت، لفظوں میں پرو کر والہانہ دلنشین انٹری ماری تھی۔

بالکل، میرے ہنڈسم دوست۔ آج آپ ہم پر بھی بجلیاں گرا رہے ہیں تو" پیاری حسینہ جو اندر آپکی منتظر ہے اسکی تو خیر نہیں۔ بہت خوش ہوں چاچو، اللہ کا شکر گزار ہوں جس نے مجھے آپکی خوشی کا یہ دن دکھایا۔ مجھے آپ پر خود سے زیادہ مان اور رشک ہے" سادان نے گو پہلی بات شرارت سے دل موہ لینے کو کہی مگر اختتام تک وہ کرمان کو ایک زبردست جھپی ڈالے مہک اٹھا اور یہ منظر فلذہ، کومل اور شاویز نے ایک سی دلفریبی سے محسوس کیا۔

مجھے بھی تم سب بچوں پر فخر ہے" کرمان کا سینہ آج ہر بوجھ سے آزاد تھا۔" وہ سرخرو ہو گئے تھے، بیٹی کی طرف سے سکھی ترین اور اب وہ الڑ عمر کا عشق، حق اور فرض بن کر انکا منتظر تھا۔

وہ ملئ ہے تو گئی عمر پلٹ آئی ہے"

کتنا لڑکا سا میں اندر سے نکل آیا ہوں" افف افف محفل لوٹ لی گئی، چاروں اس ادا پر گوڈے گوڈے واری ہی چلے گئے اور خود کرمان اپنی خوشی میں پیوست آج تو سینئیر شہزادے لگ رہے تھے

اوئے ھوئے، چلو بھئی جانے دو انکو اب۔ ھاھا اللہ آپکو صدا سہاگن رکھے "

چاچو" سادان کی تو شرارتیں نئی نئی طرز سے پھوٹ کر ہر طرف حسن پھیلا

رہی تھیں اور جہاں باقی سب ہنسے وہیں فلذہ کے چہرے پر رات کا سوچ کر

گھبراہٹ سی اُمڈ چکی تھی۔

ھاھا نائٹی بوائے " کرمان بھی شرارت سے ہنستے ہوئے آخر کار کمرے کی "

جانب چل پڑے جبکہ اب وہ چار جوان میدان میں اکیلے وہاں سے اپنے

اپنے دیس کو روانہ ہو رہے تھے۔

چلو بھئی ہم بھی جاتے ہیں تم دونوں بھی ریسٹ کرو" شاویز نے یہ کہہ کر "

اپنی بیگم کا ہاتھ پکڑا اور مسکرا کر سادان اور فلذہ کا پر اسرار سا تاثر بھانپ کر

فوری غائب ہوئے اور فلذہ تو اب سادان کا شرارت سے مزین چہرہ دیکھ کر

گلابی ہوئی جو اسے لیے کمرے کی سمت بڑھا۔

دوسری طرف شاویز اور کومل بھی چینج کیے آرام کے لیے لیٹ چکے تھے جب کومل نے اپنے تکیے سے سر اٹھا کر شاویز کے سینے پر رکھے آنکھیں موندھ لیں۔

الحمداللہ کے سب بہت حسین ہو گیا ہے، شاویز آپ نے بابا کو دیکھا وہ" کتنے خوش تھے۔ آج تک انکو اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا" کومل کی آواز میں اک سکون تھا جب وہ شاویز کے سینے سے لگی آج بابا کی انمول خوشی یاد کیے بولی جس پر شاویز نے اسکا ملائم ماتھا تادیر ہونٹوں سے حدت زدہ کیا۔

ان شاءاللہ اب یہ خوشیاں یونہی سلامت رہیں گی، بائے داوے آپ کب" دے رہی ہیں مجھے خوشی" پہلی بات دعائیہ مگر آخر پر وہ منصوعی سی سنجیدگی لیے بولا جس پر کومل نے حیرت سے سر اٹھا کر شاویز کی شرارت سے بھری آنکھیں دیکھیں اور اسے اک پل لگا تھا وہ شاویز کی بے باک جرت پر اسکی بات کا مفہوم بھی سمجھ گئی۔ کتنے ہی رنگ تھے جو کومل کے چہرے پر سمٹ سمٹ کر ناچے۔

آپکو کیا چاہیے ؟" کومل پلکیں جھکائے پھر سے شاویز کے سینے میں جا سمٹی" اور وہ اب اسکے ہاتھ کی انگلیوں کی حرکت اپنے چہرے پر محسوس کیے پھر سے شاویز کو دیکھنے لگی جو اسے شدت اور دیوانگی سے دیکھ رہا تھا۔

مجھے آپ جیسی پری چاہیے، جس کی آنکھیں مجھ جیسی ہوں۔ جسکا ناک" آپ جیسا چھوٹو سا اور جسکے ہونٹ بھی آپ جیسے ہوں۔ کب دیں گی، بندہ ناچیز سے انتظار ہی نہیں ہوتا" شاویز کی خواہش نے کومل کے وجود میں اک خوشی اتاری تھی، وہ خود دعا گو تھی کہ جلدی سے بس انکی فیملی مکمل ہو۔

دعا کریں ناں، مجھے بھی چاہیے" کومل تمام تر اعتماد کے سرخ ہو گئی تھی" اور یقیناً یہ خوشی بھی کومل اسے جلد سنانے والی تھی۔

ان شاءاللہ، آپ خوش ہیں ناں میرے ساتھ۔ کیا میری محبت میں آپکو" کوئی کمی تو نہیں لگی، میں آپ کو پا کر مکمل ہوا ہوں اور مجھے آپ سے سچ میں بے حد محبت ہو چکی ہے۔ کیا آپ مجھ سے ہر معاملے میں راضی ہیں؟"

شاویز کا کومل کی رشک زدہ آنکھیں چوم کر یہ سوال کرنا کومل کے دل کو

دھڑکا سا گیا تھا اور وہ تھوڑا اوپر اٹھ کر شاویز کے چہرے پر عاشقانہ اور رضا سے بھرا لمس رکھے اپنی ہتھلی شاویز کی گال سے جوڑے دل و جان سے مسکرائی تھی۔

بہت کا لفظ بے وقعت ہے، مجھے آپ سے محبت کی حد سے بڑھ کر محبت" ہے اور میں اپنی آخری سانس تک آپ سے راضی رہنے والی ہوں۔ اور کمی کا تو ذکر ہی چھوڑ دیں، جتنا میں خواہش رکھتی تھی آپ نے اس سے بڑھ کر مجھ پر محبت لٹائی ہے۔ مجھے بھی آپ نے مکمل کیا ہے، تو پھر بھلا میں آپ سے کیوں راضی نہیں ہوں۔ آئی لو وہو سوچ۔۔۔۔۔۔ آپ میرا انعام ہیں۔ نہ جانے کیا کیا ہیں" کومل کے یہ الفاظ اسکے ساتھ ساتھ شاویز کو بھی بنا برسات سیراب کر گئے تھے اور وہ محبت پر اب بے حد ایمان رکھتا تھا۔ دونوں محبتوں کی برسات نچھاور کر کے بھی اول دن کی طرح بھرے تھے۔ خاموشی کا دورانیہ لمس کی تمازت نے طویل کر دیا اور محبت کا وجود اپنی کاملیت پر رہ رہ کر فدا ہوتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پورا کمرہ کہیں کہیں رکھے گلاب کے پھولوں سے مہک رہا تھا اور کرمان کے اندر داخل ہوتے ہی کسی ان چھوئی سی مہک نے ان کو اپنی لپیٹ میں لیا۔

نگاہیں داخل ہوتے ہی کمرے کی بالکونی میں عروسی جوڑے میں مقید پشت کر کے کھڑی زینیہ کا صدقہ اتار گئیں۔ دروازہ بند کیے وہ کچھ دیر خیالوں میں کھوئی اس خوابوں کی شہزادی کو سینے پر ہاتھ باندھے دیکھتے رہے جو نا جانے آسمان پر نکلے چاند سے کس گفتگو میں مگن تھی۔

آج قسمت نے ان دو کو بڑی ہی نازکی سے ایک دوسرے تک پہنچایا تھا، کمرے میں مردانہ کلون کی خوشبو محسوس ہوتے ہی زینیہ کا دل دھڑکا کیونکہ وہ جسے آہٹ بھی خیالات سے باہر نہ لا پائی وہ کرمان کی خوشبو بنا سوچے پہچان گئی تھی۔

چہرے پر لاتعداد رنج اور خوشی کے ملے جلے رنگ لیے وہ نڈھال تھی اور پھر زینیہ نے اپنے گرد اک جاندار سی گرفت حائل ہوتی محسوس کی جو پل بھر کو اسکا سانس متاثر کر گئی تھی۔

وہ اتنی پُر اعتماد ہو کر بھی کرمان کی گرفت میں بوکھلا گئی تھی، مگر آج کرمان اسے اسکی ہر تکلیف سے نکالنا چاہتے تھے۔ تبھی اسکے گرد اپنی بازو باندھے وہ اسکی سر کے بالوں سے چہرہ ٹکائے آنکھیں موندھ گئے جیسے آج پہلی بار وہ شخص اپنا سکون پا گیا ہو۔

"میں نے تمہیں کبھی اپنے دل سے فراموش نہیں ہونے دیا زینیہ، گو میری بزدلی اور خوف مجھے کسی اندھیر نگری میں جھونک گئے پر یہ سویرا میری قسمت میں میری ہر تکلیف کا ازالہ بن گیا جو تمہارے باعث مجھے نصیب ہوا۔ تم جانتی ہو اگر تم تکلیف میں رہی ہو تو چین مجھے بھی نہیں آیا، میری محبت وجود کی طرح پرانی اور بوسیدہ نہیں ہوئی۔ تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا تھا اس میں کہیں نہ کہیں میں بھی ذمہ دار تھا۔ محبت تو کر لی پر اسکا امام

ضامن نہ بن سکا۔ آج اپنی زندگی کی ابتدا پر میں سب سے پہلے تم سے معافی مانگنا چاہتا ہوں، اپنے سائیں کو معاف کردو" کرمان کے تکلیف میں ڈوبے لفظ بالکل زینیہ کی سماعت پر کھے گئے اور وہ جو کرمان کی قید میں ہلکان تھی اب صاف صاف اپنے آنسو ضبط کے باعث جذب کرتی ہوئی دردناک لگی۔ محبت میں ناراضگی اور معافی نہیں ہوتی، میں آپ سے خفا نہیں ہوں میں" اپنے آپ سے نالاں ہوں۔ یہاں آنے سے پہلے دعا کی تھی کہ کچھ بھی ہو جائے آپ کے سامنے کمزور نہ پڑوں مگر میری ساری دعائیں سارے ارادے بے جان نکلے۔ سچ جانتے ہیں کیا ہے، آپ میرے زندہ ہونے کا واحد سبب ہیں" زینیہ جو آج سکون کے لفظ کو ان باہوں میں آکر سمجھی تھی، بچوں کی طرح سسک اٹھی اور وہ اسے روتا دیکھ نہ پائے تبھی شانوں سے پکڑ کر اسے اپنی سمت موڑے سنجیدہ ہوئے جو واقعی آج کوئی آپسرا معلوم ہو رہی تھی۔ اسکا حسن آج ہی سجا تھا، آج ہی مول پا کر مہکا تھا۔

رومت زینیہ، بہت رولیا۔اب بس" وہ اپنے ہاتھوں سے اسکی گالوں پر" پھیلتی شفق ہٹائے اسکا چہرہ ہاتھوں میں بھرے تاسف سے بولے اور کتنی ہی دیر وہ کرمان کو درد دیتے تاثر کے سنگ دیکھتی رہی۔ساری دنیا اسے آنسو دینے والی لگی اور یہ شخص آنسو ہٹانے والا اسے دل و جان سے عزیز تھا۔

رو نہیں تو کیا کروں، ابھی تو کوئی ایسا ملا ہے جسکے سامنے رونے سے ڈر" نہیں لگ رہا۔یہ ڈر کے کوئی میری روح پر لگے زخموں کو جان نہ لے، آپ کی محبت سر آنکھوں پر سائیں پر حقیقت تو نہیں بدلے گی۔اس حادثے کی تکلیف مجھے آج بھی بہت تکلیف دیتی ہے، کیوں ہوا میرے ساتھ یہ" کرمان کے منع کرنے کے باوجود وہ اس درد کو محسوس کیے پھوٹ پھوٹ کر رو دی اور کرمان خود زینیہ کی تکلیف سے متاثر دیکھائی دیے۔

اسی کو مقدر کہتے ہیں، شاید یہ میری ان پھیری جانے والی نظروں کی سزا" تھی جو تم نے سہی۔ تمہیں وہ تکلیف سہہ کر نہیں بھولتی اور مجھے اس تکلیف کو سوچ کر ہی موت جیسی اذیت محسوس ہوتی ہے۔کوئی ایک دن کوئی ایک

رات ایسی نہیں جب میں نے تمہارا کرب محسوس نہیں کیا۔ پتھر نہیں تھا، پھر بھی چٹختا رہا۔ پر یہ سزا تمہارے ساتھ ساتھ مجھے بھی پوری ایمانداری سے ملی۔ اب جا کر میں تمہارے قابل ہوا ہوں اور میری سزا میں کمی کی گئی ہے، خدارا اب میری تکلیف مت بڑھانا زینیہ" گزرے وقت کے زہریلے تیروں نے دونوں کی آنکھوں میں سرخی اتار رکھی تھی اور آج زینیہ کا دل چاہا اس شخص کو اسی لمحے اپنے دل و جان کی حکمرانی سونپ کر اپنے زخم مندمل کر لے پر وہ ابھی بھی خود کو کرمان کے آگے خاک جانتی تھی۔ جب کرمان اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چوم رہے تھے تو زینیہ نے سختی سے آنکھوں کو میچا اور تھک ہار کر انکے سینے سے جا لگی۔

مجھے اتنا قیمتی مت بنائیں، میں بہت حقیر ہوں" وہ آج اپنے آنسو روک نہ پا رہی تھی اور اسکی اس گزارش میں نمی کا جہاں تھا جو کرمان کے سینے پر اتر رہا تھا۔

حقیر تو میں ہوں، زینیہ پلیز رو مت۔ میں تمہیں روتا نہیں دیکھنا چاہتا اور "
نہ رونے دوں گا۔ تم میرے لیے بے انتہا بیش بہا ہو جسکا اندازہ تمہیں آج
ہو گا۔ مجھے اجازت دو کہ میں اپنی خوش قسمتی کو محسوس کر سکوں " کرمان
کی اس دل دہلاتی بات پر وہ یک لخت بے جان سی ہوئے الگ ہوئی مگر
کرمان کی اسکی کمر کے گرد پکڑ مضبوط کرتی گرفت اسکا یہ جبر زدہ فرار ناکام
کر گئی۔ زینیہ نے اک مجبور سی نگاہ کرمان کی آنکھوں سے ملائی جہاں اک
سوز درج تھا۔

سائیں" وہ روہانسی ہو کر درد سے بولی جس پر کرمان نے اسکی پیشانی پر "
ہونٹوں کا لمس دھر کر زینیہ کو لاجواب کیا پر وہ اس پر سکون حدت کے
باوجود بے چین سی کرمان کو دیکھ رہی تھی۔

آج کے بعد تم صرف اپنے سائیں کی محبت یاد رکھنا، تمہارے وجود پر لگے "
ہر نجس داغ کو میرا تم سے نکاح مٹا چکا ہے۔ باقی تمہاری روح کے زخم
ہٹانے کو مجھے تم چاہیے ہو، پوری کی پوری" وہ کرمان کی بات کا مفہوم سمجھ

کر زرد پڑھ گئی، وہ جو کل تک اپنی بد قسمتی پر کامل یقین رکھتی تھی یک دم اب اسکی جگہ خوش قسمتی نے لی۔

میں خود سے تھک جاوں گی یہ مت کریں "تکلیف زدہ فرار قائم تھا مگر" کرمان اب زینیہ کو مزید کسی خود ساختہ تکلیف میں جلنے کی اجازت نہیں دے سکتے تھے تبھی اسکے الفاظ کو بہت مان سے سن کے کان سے نکال چکے تھے۔

کوئی بات نہیں، آرام کے ساتھی تو سب بنتے ہیں۔ میں تمہاری تھکن کا" ساتھی بنوں گا، میرے ہوتے ہوئے اب تم پر کسی تکلیف کا سایہ نہ آئے گا۔ تمہارے دل و دماغ سے وہ سب اسی صورت نکلے گا جب تم محبت میں لپٹی حق دار راحت پاو گی۔ بہت محبت کرتا ہوں تم سے، بے انتہا چاہتا ہوں اور اب کسی کمی پر راضی نہیں ہونے والا۔۔ وہ ساری شدت جو آج تک تمہارے سائیں نے دل تک سے باہر نہ نکالی آج صرف تمہارے نام۔ بس زینیہ میرا ضبط یہیں تک تھا"ملن پر نہ صرف انکا حق تھا بلکہ وہ نڈھال سی

تپتے صحراوں کو چھان کر آتی پیاسی لڑکی اب کسی کمی کی مستحق نہ تھی۔

دونوں کے چہروں پر اک آسودگی چھا چکی تھی اور زینیہ جتنی بھی حقیقت پسند کیوں نہ ہو جاتی، کرمان سے عشق کرتی تھی اور چاہ کر بھی انکی خواہش کو رد نہ کر پائی۔

برسوں سے تشنگنی کے سفر پر گامزن دو سائے، کسی ٹھنڈی سی برسات سے سیراب ہو گئے اور آج خوشبوؤں نے بھی آخیر رتباہی مچا کر ہر منظر معطر کر رکھا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فلذہ چینج کیے اب گرے اور وائٹ شارٹ شرٹ اور ٹروازمیں آئینے کے سامنے کھڑی اپنے جوڑے میں لگی پنز نکال کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ رہی تھی۔ اسکا ہیر اسٹائیل عالیہ نے بنایا تھا اور بہت سی پنز نے محترمہ کے بال

قابو کر رکھے تھے۔ سادان بھی شاید چینج کر رہا تھا۔ اپنے آپ کو آئینے میں دیکھ کر وہ بھینا بھینا مسکا رہی تھی۔ اپنے آپ سے اب اسے خود بھی محبت سی ہو گئی تھی، محترمہ اپنی اس دلگیر سی تبسم کی کرن میں اتنی محو تھیں کے واش روم کا دروازہ کھول کے باہر آتا مکمل بلیک میں شہزادہ تک حسین خوشگواری میں لپٹ کر ٹھٹک چکا تھا۔ سیاہ سوٹ اس وقت، جناب نے آفت لگ کر فلذہ کے ہوش اڑانے کا سامان کر رکھا تھا۔ آستینیں چڑھائے وہ کن اکھیوں سے سنجیدہ ہو کر بالوں میں برش پھیرتی فلذہ کو دیکھ رہا تھا جو سادان کی موجودگی جان چکی تھی۔ سادان نے بازو سے گھڑی اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور رخ کے ساتھ ساتھ قدم بھی فلذہ کی سمت کیے جو آج سادان کا قریب آنا محسوس کر کے کہیں بھاگ جانا چاہتی تھی۔ سادان کے قریب آنے سے پہلے ہی فلذہ نے بوکھلا کر بالوں کو پونی لگائی اور بیچ سے نکل کر بھاگتی ہوئی عین موقعے پر پکڑی گئی۔

سادان مسکرا کر اسے دونوں بازوں سے تھامے پیچھے لے جا کر ڈریسنگ سے جوڑ چکا تھا اور وہ جو صبح سے سادان کی کہی خواہش پر منجمد تھی اب تو بس بیہوش ہونے کو تھی۔ سادان نے اسکا فق ہوتا چہرہ ٹھوڑی سے اٹھا کر اسکی آنکھوں میں دیکھا جو مسلسل سادان کو دیکھ بھی نہیں پا رہی تھی اور شرم سے گلابی رنگ اوڑھتی جا رہی تھی۔

فلذہ کی تحیر اور گھبراہٹ سے کھلی آنکھوں پر پلکوں کا رقص، سادان سے ہوش کے سارے تقاضے چھین رہا تھا۔ آج وہ دن تھا جب سادان اپنی خواہش کا ہر صورت احترام چاہتا تھا، اور فلذہ ہر ڈر اور خوف کے باوجود مضبوط ہونے کی کوشش میں تھی۔

تمہیں پتا ہے ناں کہ تمہارے سائیں کتنے پیارے ہیں "ایسی نازک" قربت کے جب وہ فلذہ کی سانس تک سن رہا تھا، ایسی بات کرنے سے فلذہ ناچاہتے ہوئے بھی مسکرا دی۔

سر کو بچوں سی جنبش دیے وہ اترائی تھی جس پر ساداں نے اسکی کمر پر ہاتھ

ڈالے اسے یک لخت جھٹکے سے اپنے بے حد قرین کیے چند فرحت بخش

لمس اسکے چہرے کے ابھرتے نقوش پر لکھے اور وہ جھینپی ہوئی بے حد سمٹ

سی گئی پر ساداں کو بنا آنکھیں جھپکائے دیکھنا اسے اب بھی قبول تھا۔

دوسرے ہاتھ سے اب وہ اپنی قیدی کی گال سہلائے بے خودی سے ہونٹ

دھرے دیوانہ اور مستانہ ہو رہا تھا۔

"تو پھر تم مجھ سے بالکل نہیں ڈرو گی، وعدہ کرو" ساداں کا ہاتھ اب اسکی

گردن پر تھا اور وہ سمجھ نہ پائی کہ کیا ری ایکشن دے تبھی پھر سے سر ہلا گئی

اور ساداں کو اسکی اس معصومیت پر مزید لاڈ آیا۔

"آپ سے نہیں ڈرتی میں، آپ جن تھوڑی ہیں" ھائے فلذہ بی بی آپ تو

اوور سمارٹ ہو رہی ہیں، آج بتاتا ہے آپکو شہزادہ کہ وہ کونسا جن ہے۔

ساداں دل ہی دل میں فلذہ کی ان خوش فہمیوں پر مسکرا کر اپنی زندگی کے

حسین پل جی رہا تھا۔

بہت زیادہ سیدھی بیوی ملی ہے مجھے پر کوئی بات نہیں اب سیدھی نہیں رہے گی" سادان نے ذو معنی سے انداز میں اسکے پھیلے حسین اور نازک ہونٹوں کو انگوٹھے سے سہلایا اور وہ سادان کی بات واقعی نا سمجھ پائی تبھی آنکھیں نکالے الجھی سی لگی۔

یہ کیا لگے ہیں آپ، مجھے آپکی بات سمجھ نہیں آئی "فلذہ کی چھوٹی سی عقل" میں بہت بڑی ذمہ داری سمونے کا وقت تھا اور سادان کتنی ہی دیر زیر لب مسکراتا فلذہ کو بس دیکھتا رہا۔

سمجھتا ہوں میری جان، ایکچولی آج تک جو ہم میں تھا وہ لاڈ تھا۔ پر اب زرا" میری شہزادی سمجھدار ہو چکی ہے لہذا محبت اور حق کا وقت آچکا ہے"

سادان نے وارفتگی سے فلذہ کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑے یہ کہہ کر فلذہ کے بھی چودہ طبق روشن کیے تھے۔ گویا ٹریلر کے بعد فلم کا وقت آچکا تھا اور وہ حیا میں لپٹی جب جب نگاہیں جھکانے لگتی تو شہزادہ شریر سی گستاخی

کیے فلذہ کو ہلا دیتا۔ کتنی ہی دیر وہ سادان کی یہ معصوم سی شرارت جذب
کرتی رہی اور پھر دونوں بازو سادان کے گرد باندھے اسکے ساتھ لپٹ گئی۔
"میں رائیگانی کشید کرنے سے پیشتر تم کو مل گیا ہوں، وہ سارے بوسے جو
جسم کٹیا کے جالے بننے سے بچ گئے ہیں۔ تمھارے ہونٹوں کو سونپ دوں
گا۔ میں اپنی آنکھوں کے سارے منظر کہ جن میں پھولوں سے گفتگو تھی
تمھارے ہاتھوں کی سرخ پوروں پہ لا دھروں گا" شدت میں تشنگی خود ہی
عود آئی تھی اور فلذہ کسی صورت اپنی ننھی منی گرفت سادان کی نازک
کوشش کے باوجود نہیں ہٹا رہی تھی اور وہ بس دل سے مسکرا کر پرسکون
ہوتا جا رہا تھا۔

"فلذہ سامنے آؤ یار، چھپو مت۔ آج ایک لمحہ بھی تمہیں رعایت نہیں دوں
گا" سادان جو ہلکی پھلکی کوشش سے اسے خود سے الگ کرنے پر لگا تھا اب
زرا طاقت لگائے اسے پکڑ کر پھر سے سامنے لایا تو وہ سر جھکائے ہنستی ہوئی

پھر سے زبردستی چمٹتی جا رہی تھی جس پر اب سادان کو بھی شدید ہنسی آئی۔

"اتنی بھی طاقت نہیں تم میں کہ تم اپنے کے ٹو کے پہاڑ سائیں سے مقابلہ کرو، اچھا ناں ادھر دیکھو میری طرف ورنہ میں پھر ظالم بن جاوں گا" آخر سادان کی کہی دلفریب اور دل دھڑکاتی بات پر وہ شرم سے اٹی سر اٹھائے بھینی بھینی مسکان سے سادان کو دیکھ رہی تھی جو اسے بس خود میں بسا لینا چاہتا تھا۔

"آپکو پتا ہے سائیں، اس دنیا میں مجھے آپ سب سے پیارے ہو چکے ہیں۔ آپ نے میرے لیے کیا نہیں کیا، ہر حد سے گزر گئے اور مجھ جیسی کم حسین پر اپنی اتنی پیاری محبت لٹا دی۔ آپ جیسا کہیں گے میں ویسا کروں گی۔ جس طرح آپ میری زندگی کا سکون ہیں ویسے میں بھی بننا چاہتی ہوں۔ ایک آپ ہی ہیں جس سے مجھے بالکل نہ ڈر لگتا ہے نہ خوف آتا ہے۔ اور جب آپ میرے پاس آتے ہیں تو میرا دل مہکنے لگتا ہے، تب اظہار میں کچی سہی

پر ابھی میں کہنا چاہتی ہوں کے میں بھی آپکے بنا نہیں جی سکتی۔ مجھے آپ سے بہت محبت ہے، اور اس محبت نے مجھ پر آپکی خوشبو، آپکا رنگ اور آپکا عکس چڑھا دیا ہے" فلذہ کے نرم ہونٹوں سے نکلتے پر حدت اور دیوانگی کی تمازت میں ڈوبے الفاظ پر سادان نے اپنا دل بھی دھڑکتے پایا تھا۔ وہ اسکے چہرے کو دیوانگی سے خود میں بسائے دل تک کھل اٹھا تھا۔

آں ہاں ابھی نہیں چڑھایا۔۔۔۔۔ آج تم پر اس اظہار کی خوشی میں اپنی" خوشبو، اپنا رنگ اور اپنا عکس اوڑھا دوں گا۔ تم پر اپنا سایہ کردوں گا تا کہ تمہیں کسی دکھ یا درد کی آنچ بھی محسوس نہ ہو سکے۔ یہ تو میں بھی بنا سوچے کہہ سکتا ہوں کہ تمہارے سائیں تمہارے بنا بھی نہیں جی سکتے۔ تم سے میرا رشتہ بہت ہی مقدس اور آسودہ ہے، میں یہ تقدس اور آسودگی آج بڑھانا چاہتا ہوں۔ مجھے تم جیسی کم حسین ہی راس تھی فلذہ، دیکھو خود کو اب تم مجھ سے زیادہ پیاری لگتی ہو۔ اور اب اور پیاری ہو جاو گی" سادان جو اپنی

گال اسکی گال سے سہلائے اسکی گردن پر لمس لے جا رہا تھا، یہ فلذہ کے وجود میں سنسنی اتار گیا۔

سائیں "سادان کی بڑھتی جسارتیں سہنے کی باری آئی تو وہ ابھی سے نڈھال ہوئی مگر سادان اسے اب کوئی مزاحمت نہیں کرنے دے سکتا تھا۔

وہ ہونٹ، وہ آواز، وہ اسلوب، بہت خوب"

.گفتار بھی اظہار بھی کیا خوب، بہت خوب

عین اپنی جوانی کے جو بھرپور دنوں میں

.اِک دوسرے سے ہو گئے منسوب، بہت خوب

خود اپنی تمنا ہے ہمیں آپ سے بڑھ کر

لو ایک ہوئے طالب و مطلوب، بہت خوب۔"فلذہ کی لاکھ بے حال مزاحمت کے وہ بے خودی کا سلسلہ کچھ دیر منقطع کیے اب اسے اپنی بازوؤں میں اٹھا چکا تھا اور وہ شدید ڈر کر کانپ اٹھی۔

آج تم صرف میری خواہش سنو فلذہ، مجھے محسوس کرو اور باقی سب بھول جاو" اسے رسانیت سے بیڈ پر لٹائے وہ اس پر جھکتا ہوا اسکی پیشانی چومے بولا اور وہ یوں سادان کے قریب تر آنے کے ارادے پر بے اوسان ہو کر ہار گئی۔

ڈر لگ رہا ہے "فلذہ نے سادان کو دیکھے جھٹ سے کہا جس پر سادان" مسکرا کر اسے مزید کنفیوز کر گیا۔

لگنا بھی چاہیے، بیوی ہونا آسان تھوڑی ہے وہ بھی چوہدری سادان حق" کی "اس وقت بھی وہ خطرناک شرارتیں کر رہا تھا اور فلذہ تو سہمی ہوئی سرخ ہو کر رہ گئی۔ فلذہ نے اک آخری بیچارگی سے مزین نگاہ سادان پر ڈالی جو آج بے لگام شہزادے کو روک تو نہ پائی البتہ بے خودی کے سلسلے کا جاندار آغاز کر گئی اور پھر فلذہ کو بھی راضی ہونے میں ہی عافیت لگی۔ وہ اب فلذہ سے دوری کا مستحق نہ تھا لہذا ملن کی رمز نے دو وجودوں کے در کھٹکھٹا

دیے۔ چاند کی روشنی اور اندھیرے میں کمرہ اگلے ہی پل کمرہ نہا گیا۔ چاند بھی آج بھینی بھینی شرارت سے ملن پر شرمگیں ہو رہا تھا۔

مست شہزادے نے آخر کار بھاگئی سانولی کو اپنا اسیر کر ہی لیا۔ یہ رات جتنی فلذہ کے لیے کٹھن اور اک نئے احساس سے مزین تھی وہیں خود سادان پر کئی اور احساسات اور فرحت کے نئے افسانے کھلے تھے۔ محبت میں ملن کی تو بات ہی جدا ہے، پور پور مہکتے ہوئے جھونکوں کی لپیٹ میں جا گزیں ہوا اور ہوں قطرہ قطرہ گزرتی شب نے سحر میں ڈھلنا شروع کیا۔ صبح کی ہلکی کرنیں اور ملن کے لیے وہ فجر سے پہلے ہی اٹھ کر ان لمحوں کی رسائی پر بالکونی میں کھڑا رب برتر کا شکر گزار تھا۔ شکر گزار تھا وہ خود کو ملی ہر آسانی پر، حقیوی معنوں میں وہ زندگی کا لطف آج پا کر بے حد ٹھہرے پر سکون سمندر کی طرح سحر کی ہلکی شفق کو آسمان سے اترتا محسوس کرتا ہوا آہٹ پر پلٹا جہاں اسکی شہزادی بھی بھیگے بھیگے کاملیت کے حسن کے سنگ اسکے روبرو سر جھکائے ہوئے کھڑی سادان کو اللہ پاک کا شکر ادا کرنے پر پھر سے لگا گئی

اور اسکے بھیگے لہراتے بال اسکے اطراف پھیل کر مہک رہے تھے جب ساداں نے بے حد آہستگی سے فلذہ کو پکڑ کر اپنے روبرو کیا اور اسکی مقدس پیشانی پر ہونٹ رکھے مسکرایا۔

تم ٹھیک ہو فلذہ" اسکا یہ چپ چپ سا گھبرایا اور بوکھلایا انداز دیکھ کر " ساداں کو تھوڑی فکر سی ہوئی، کیا بتاتی کہ وہ اپنی قسمت کی کاملیت پر ورطہ حیرت میں ہے۔

میں ٹھیک ہوں "فلذہ کی گالیں دہکی ہوئی تھیں اور اسکے چہرے پر آج " الگ ہی سرخی تھی اور ساداں جانتا تھا اسکی یہ گھبراہٹ فطری ہے تبھی بے پناہ محبت سے اسے اپنی بازوؤں میں بھرے اک پر سکون سانس لیے جی اٹھا۔

اب تو تمہیں رہا سہا گھبرانا بھی ترک کر دینا چاہیے، تم اب میرا حصہ بن " چکی ہو میری جان۔ میری زندگی کے حسین لمحے صرف تمہارے ساتھ کی بدولت مجھے میسر آئے ہیں۔ تمہارے سائیں تمہیں اپنا بنا کر بہت خوش

ہیں، کیا تم بھی ہو" سادان اسکی یہ وقتی شرم ہٹانے کو دوبارہ لاڈ سے بول رہا تھا جس پر فلذہ نے چہرہ اٹھائے خود سادان کے چہرے کو چھوا اور شدید پیارا مسکرائی۔ چہرے کے حسن نے کئی رنگ بدلے اور سادان خود بے خودی میں پیوست ہوا۔

بہت خوش ہوں، مجھے آپ ہر صورت ہر خواہش کے سنگ اور ہر فرمائش" کے ساتھ بھی بے حد قبول ہیں۔ مجھ ادنی کو آپ نے اتنا اونچا مقام دیا ہے، اس اونچائی تک میں کبھی نہ پہنچتی گر میرے نصیب میں آپ نہ ہوتے "گو پل بھر میں ساری جھجھک ہٹ کر عاشقانہ رشک بنی اور سادان نے بھی اس دل فریب بات پر آپسی ہر دوری پوری شدت سے ختم کر دی۔ دل گد گدا گئے اور قسمت تھی کہ چاند ستاروں سی روشن کر دی گئی۔

پانچ ماہ گزرتے پتا نہ چلا، یوں لگا وقت پنکھ لگائے اڑ گیا ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پانچ ماہ گزرتے پھر خبر بھی نہ ہوئی اور وقت کی رفتار، یوں تیزی سے بڑھی کہ عقل و شعور بھی اس تیز زمانے کی چالاکیوں پر دنگ رہ جاتے ہیں۔ ان پانچ ماہ میں بہت کچھ بدل گیا تھا۔

ولیمے کی تقریب حویلی میں شاندار ہوئی تھی اور تینوں کپلز کو خاصی اہمیت دی گئی۔ زینیہ اور کرمان کی زندگی کا خوبصورت ساتھ جاری تھا، جہاں کرمان نے اپنے سکول کو وقت دیا وہیں زینیہ نے یہ پانچ ماہ کچھ گاوں اور کچھ لاہور گزارے۔ وہ اپنے گھر کے ساتھ اپنے کام کو بھی دیکھتی رہیں۔ ان پانچ ماہ میں وہ عائشہ کو اپنے ساتھ رکھ کر اسے رہے سہے ٹرانس سے باہر نکالنے میں کامیاب ہوئیں اور اسکے برین کو واش کرنا بھی کارآمد ثابت ہوا۔ اب ساڑھے آٹھ سالہ عائشہ اب پہلے سے بہتر اور پراعتمادی کی سمت لوٹ چکی تھی۔ وہ اپنی شرارتوں اور اپنے بچپن کا لطف لینے کا آغاز کر چکی

تھی جو یقیناً زینیہ کی جیت تھی۔ کرمان اور زینیہ کی شادی کے دو ویک بعد ہی کرمان خیر سے نانا بن گئے۔ اللہ نے آخر کار کومل اور شاویز کی زندگی مکمل کر دی تھی اور دونوں ہی اس نعمت پر شاداں تھے۔ سادان ولیمے کے بعد ہی اپنی ہاوس جاب جاری کرنے کے ساتھ ساتھ تیمور پر نظر کے علاوہ اپنے ہوسپٹل کی تعمیر کا کام بھی تیز کروا چکا تھا۔ وہ ان پانچ مہینوں میں ہر ہفتے گاوں گیا تھا کیونکہ اپنی شہزادی کے بنا اسکا ایک ہفتے سے زیادہ دل نہ لگتا تھا۔ حویلی میں امن و سکون کی فراوانی تو تھی ہی اور آخر کار وہ دن بھی آگیا جب اس حویلی کے وارث کے آنے کی دلگیر خوشی نے حویلی کی خوشیاں آسمان پر پہنچا دیں۔ خیر سے کومل پانچویں ماہ اور فلذہ میڈم دوسرے کے مزے لوٹ رہی تھیں۔ بچاری کو ایک تو میٹرک کی ٹنشن اوپر سے ایک نئی بہت بڑی ذمہ داری نے ہلکان کر دیا تھا پر شہزادہ تو ابھی سے ہواوں میں تھا۔ یہ احساس کے کوئی ننھی سی جان اسے بابا کہنے آئے گی شاید مرد کی زندگی کا سب سے دلفریب جذبہ ہوتا ہے۔ فلذہ نے آخر کار میٹرک کا امتحان بہت

اچھے سے مکمل کر ہی لیا تھا اور اب رزلٹ کا ویٹ تھا۔ شاویز بھی اپنی ہاؤس جاب مکمل کر کے ابھی ساداں کی کمپنی کے لیے وہیں تھا۔ دو دن بعد گاؤں میں میلا بہاراں تھا اور اتفاق سے تبریز بھی اسی دن رہا ہو رہا تھا جس پر حویلی میں جشن کا انعقاد تھا۔ ساتھ ہوسپٹل کا افتتاح اور دو پیارے سے نکاح بھی اسی جشن میں طے پانے تھے۔ عائشہ اور عاقل کا نکاح ہونا تھا جبکہ بشیر اور رملا کی شادی اور ساداں کی کوشش تھی کہ وہ کچھ دن کے لیے ہی سہی پر تیمور کو لے جانے پر راضی کرے مگر تیمور کی ہٹ دھرمی اسکے اندر کی ہر ناز کی ختم کر چکی تھی۔ وہ ان پانچ ماہ میں نا صرف سپلی کے پیپیرز دے چکا تھا بلکے اسے امید تھی اسکا بہت اچھے کالج میں ایڈمیشن بھی ہو جائے گا اور اسکی پراگرس کا ناقابل یقین حد تک اچھا ہونا ساداں کو خوشی تو دے رہا تھا مگر اسکا اس قلیل عرصہ میں پتھر ہونا اسکے لیے رنج کی بات تھی۔ ڈیرھ ماہ پہلے محمود کی اچانک وفات کے بعد سے رمشہ کو مکمل حویلی لے آیا گیا تھا اور اب وہ حویلی کی مکین تھی جسکا علم ابھی تک تیمور کو نہیں تھا۔ تیمور آج بھی

ویسی ہی چپ میں جا گزیں تھا اور ان پانچ ماہ میں اسکی پتھرائی خاموشی کے گواہ شاویز اور سادان دونوں تھے۔ کومل بھی اپنے میاں کے ساتھ ساتھ اپنے ساس سسر کی مزید لاڈلی ہو چکی تھی۔ جب سے وہ امید سے ہوئی تھی ایک تو اسے مکمل ریسٹ سجیسٹ کیا گیا تھا کیونکہ وہ ویک تھی دوسرا اگلناز نے بھی اسے اپنے ہاتھ کا چھالا بنا رکھا تھا۔ گھر کے کام کے لیے اب ماسی رکھی جا چکی تھی اور دونوں ساس بہویں موجیں کرتی تھیں۔

رمشہ بھی بابا کی وفات کے بعد یوں حویلی کی مکین تو بن گئی تھی پر اسے یہ در و دیوار وہشت میں مبتلا کرتے تھے، حقیقت میں وہ کہیں اندر سے تیمور کی خود ساختہ اذیت سے متاثر تھی۔

بخت سکندر کی اجڑی حویلی بھی آباد ہونے کو تھی۔ تبریز کی سزا آخر کار ختم ہو کر عالیہ کی تکلیف کم کرنے والی تھی۔ ایک ہفتہ پہلے ہی وہ دونوں میاں بیوی بہت مان سے عالیہ کو لے جانے آئے تھے اور سلطانہ نے بھی پوری خوش دلی سے عالیہ کو ایک بار پھر آباد ہونے کو رخصت کیا۔ یہ پانچ ماہ عالیہ

بس تبریز کو ہی یاد کرتی رہی تھی، اسے یقین تھا کہ یہ دوری اب اسکے حقیقی سکون کا سبب بنے گی۔ گاوں میں اب کوئی ونی سے خوفزدہ نہ تھا، کسی بیٹی کی عزت کو خطرہ نہ تھا۔ زینیہ کی ٹیم کے سیشن ان پست ذہنیت کے لوگوں کو راہ راست پر لانے میں کامیاب ہوگئے جو انجیل بیگم کے عبرتناک انجام سے پہلے ہی سہمے تھے۔ ہر کوئی فی الحال ایک ٹریک پر آچکا تھا مگر ابھی بھی کئی ادھورے معاملات تھے جنکو حل کرنا باقی تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"بس تم بھی ہمارے ساتھ چل رہے ہو، میں کچھ نہیں سن رہا۔ کم از کم ایک دو ہفتے گیپ لو کوئی بات نہیں" شاویز اور تیمور لاونج میں ہی تھے جب سادان نے روم میں آتے ہی سنجیدگی سے کہا جس پر شاویز سادان سے کافی کا مگ لیے متفق تھا مگر وہ جو بمشکل ان دو کے ساتھ آکر بیٹھا ہوا تھا، اس

بات پر کرنٹ کھائے سادان کو دیکھنے لگا جو کسی انکار کو سننے کے موڈ میں نہ تھا۔

"لالہ آپکو کتنی بار اور بتانا پڑے گا کہ مجھے ابھی نہیں جانا، آپ میرے صبر کا امتحان مت لیں پلیز" تیمور اس بات پر خاصا برہم ہو کر بولا جس پر سادان اور شاویز دونوں نے ایک دوسرے کی سمت افسوس سے دیکھا۔ تیمور کو وہ کچھ روز لے کر تبھی جانا چاہتا تھا تاکہ اسکے اندر جو یہ غصہ جنم لے رہا ہے اس میں کمی ہو۔

"کیوں نہیں جانا، وجہ بھی تو تم بتاتے نہیں۔ گاوں کی اتنی بڑی خوشی میں تم نہیں ہو گے تو کتنا ادھورا لگے گا۔ میرے ہوسپٹل کی اوپنگ سرمنی ہے کیا تم اپنے بھائی کی اس کامیابی میں ساتھ نہیں دو گے؟ اماں سائیں تمہیں بہت یاد کرتی ہیں میرے شیر۔ زیادہ نہیں تو دو دن ہی سہی۔ تمہارا کچھ موڈ بہتر ہو جائے گا" سادان اب کی بار اٹھ کر رسانیت سے اسکے ساتھ بیٹھے

سمجھاتے بولا تھا اور پچھلے پانچ ماہ سے سادان کی کوششیں یونہی جاری تھیں۔

"مجھے نہیں جانا، مجھے اپنا موڈ بھی بہتر نہیں کرنا۔ شاویز بھائی آپ ہی انھیں سمجھائیں کے مجھے مجبور نہ کیا کریں، ورنہ میں بتا رہا ہوں یہاں سے بھی بھاگ جاوں گا" تیمور کی غصیل لہجے میں کہی اس بات پر جہاں سادان شکن آلود پیشانی سے اسے گھورا وہیں شاویز کو بھی اب اس معاملے کو لے کر حقیقی تفشیش لاحق ہوئی۔ تیمور نے کسی پر کھلنے نہیں دیا تھا کہ آخر وہ کیوں گاوں کے نام تک سے بھاگتا ہے۔

"تمہارا بھائی ٹھیک کہہ رہا ہے، دو دن سے کیا ہو جائے گا۔ گاوں کا میلہ انجوائے کرنا، اپنے دوستوں سے ملنا۔ تم جانتے ہو بہت مدت بعد تبریز بھائی واپس آرہے ہیں۔ کتنا کچھ ہو رہا ہے اور تم یہ سب مس کرنا چاہتے ہو۔ میری مان لو تو چلو ہمارے ساتھ، بھلے ایک دن ہی سہی" شاویز اس معاملے میں ابھی تک چپ تھا مگر آج اسے لگا جیسے واقعی تیمور کو اس تنہائی سے نکالنا

لازمی ہے ورنہ وہ مزید کڑوا ہو جائے گا۔ سادان تو منتظر تھا کہ کب تیمور مانے اور کب وہ مکمل سکھ کا سانس لے۔

پر وہ کیا بتاتا کہ وہ اپنے لفظوں کا بوجھ اٹھانے پر مجبور ہے، وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ جائے اور کسی صورت اسکا سامنا رمشہ سے ہو۔ ابھی تو اسے علم ہی نہ تھا کہ رمشہ اب حویلی میں ہی رہتی ہے۔ اور سادان کو اس عرصے میں اتنا تو علم تھا کہ یہ جو بھی کر رہا ہے وہ رمشہ کے باعث ہے تبھی وہ اسے یہ بات بتا کر مزید ہٹ دھرم نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"مان جا یار، تیرے بنا کوئی فنکشن مکمل نہیں لگے گا۔ پچھلی بار جب چاچو کی شادی مس کی تو نے مجھے تو وہ نہیں بھولتا۔ چل ایک دن ہی سہی، میری خاطر" سادان نے اپنی بازو اس سیاہ میں لپٹے اکڑو کے گرد حائل کیے بہت پیار سے درخواست کی اور آج وہ دونوں تیمور کو کہہ کہہ کر شرمندہ کر گئے اور وہ بے دلی سے سر ہلا گیا۔

اسے اگر زرا بھی اندازہ ہوتا کہ رمشہ وہیں ہے تو شاید وہ کبھی نہ مانتا۔ تیمور نے بمشکل ایک دن رکنے اور کل میلے کے فوراً بعد واپسی کا حتمی فیصلہ لیے بتا دیا جس پر سادان راضی تو ہرگز نہ تھا مگر غنیمت جانے آخر کار دونوں ہی تیمور کی بات پر مسکراتے ہوئے متفق اور راضی ہو کر سر ہلا گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"ہاں یہ ساری سجاوٹ آج رات تک ہو جائے عاقل بچے ورنہ سادان نے مجھے کہنا ہے چاچو آپ بہت سلو ہو گئے ہیں۔ اور یہ مالو بھائی کو میں نے کل کے لیے کچھ خاص کھانوں کو شامل کرنے کا کہا تھا" حویلی کے وسیع و عریض احاطہ بہار کی آمد پر کئی رنگوں کے پھولوں سے سجا تھا اور باقی کی کسر منصوعی سجاوٹ نے پوری کر دی تھی۔

کرمان کو بے حد فکر میں غرق دیکھ کر عاقل بھی مسکرا کر ڈیکوریشن والے کو پھرتی دیکھانے کا اشارہ کیے وہیں آگیا جہاں وہ شاید مالو کو کال ملانے میں لگے تھے۔

جی سائیں بابا وہیں گئے ہیں، دراصل میلے کی تیاریاں پورے گاوں میں" پورے دبنگ طریقے سے جاری ہیں۔دوسرے گاوں کے معززین آج رات تک میلے میں شرکت کے لیے گیسٹ ہاوس پہنچ جائیں گے۔وہ وہیں کا انتظام دیکھنے گئے ہیں باقی یہ سجاوٹ شام سے پہلے ہی مکمل ہو جائے گی آپ ٹنشن نہ لیں" عاقل جو سفید کف لگے سوٹ میں دمک رہا تھا، آج بھی فرمابرداری اور شفیق سی مسکان کے سنگ حویلی کے ہر امور کو بہت اچھے سے سنبھال رہا تھا۔

عاقل کی بات نے گویا کرمان کے چہرے پر بے فکری سجائی اور وہ مسکرا کر عاقل کا چہرہ تھپکائے اپنی خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

چلو پھر میں زرا اپنے سپیشل مہمانوں کا پتا کروں کہاں رہ گئے، تم تب تک " یہ مٹھائیاں اندر رکھواو۔۔۔اور سلطانہ بھابھی کو کہو کے شام تک بتا دیں جو جو چاہیے۔ رات مہندی کے فنکشن کی تیاری میں کوئی کمی نہ ہو بس " کرمان اب زرا شرارت سے عاقل کو کہتے باہر کی طرف لپکے اور عاقل بھی ویسی ہی مسکان سے کام کروانے میں لگ گیا۔

عائشہ، زینیہ کے ساتھ ہی آنے والی تھی اور اب جب کل اسکا اور عاقل کا نکاح ہو جانا تھا پھر وہ حویلی کی مکین ہی بننے والی تھی۔ جہاں عاقل وہیں عائشہ، فون کی پہلی ہی بیل پر کسی پیاری سی ملکہ خاص نے کچن کیبن پر پڑا وائبریٹ ہوتا سیل اٹھا کر کان سے لگایا اور ایک نظر سامنے صوفے پر نوابی انداز سے لیٹ کر پاپ کارن کھاتی عائشہ کو جو پورے انہماک سے کارٹون مووی میں گم تھی۔

مسسز کب تک آئیں گی، دیکھیں اتنا تڑپا یا مت کریں اپنے معصوم شوہر " کو۔ اللہ اللہ کر کے تو آپ سے ملاقات کے دن آتے ہیں "ھائے یہ

فون لگتے ہی جناب من کی بیقراری جوانکو اس عمر میں بھی خوب جچتی تھی، گو زینیہ کو ضرور ہنسا دیتی۔ وہ بھی صوفے پر لیٹی پیاری سی عائشہ کی گال دبائے اس سے مسکان کا تبادلہ کرتی کمرے کی سمت بڑھی۔

"قربان جاوں آپ کی اس محبت پر، بس ہم شام تک پہنچ جائیں گے۔ اور اب میں کچھ ماہ آپکے ساتھ ہی رہوں گی، بس بہت ہو گیا کام اب کچھ وقت صرف ہمارے معصوم شوہر کا ہو گا" زینیہ کا رنگ اور ڈھنگ اب تو کرمان کا حصہ بنتے ہی سر مست ہو گیا اور وہ اب الماری سے اپنی ہینگ ہوئی ساڑھی نکال کر بیڈ پر رکھے اترائی تھی، مقابل تو اس عنایت پر ہارٹ بیٹ مس ہوئی تھی۔

"آئی مس یو سو مچ، اور میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ یار کام تو چلتے رہتے ہیں اس سے پہلے کہ ہاتھوں میں لاٹھیاں آجائیں تھوڑا تو جینا چاہیے" شرارت سے وہ متبسم ہو کر یہ کہتے ہوئے بے حد موہنے لگے اور زینیہ بھی دل و جان سے اپنے سائیں کے رنگ میں ڈھل کر اور ہوش ربا ہو چکی تھی۔ اب تو کرمان

بھی خود کو پہلے سے کہیں درجے زیادہ سنوارنے لگ گئے تھے، آخر کار اک حسین ملکہ کے بادشاہ تھے۔

ھاھاھا سائیں، اب اتنے بھی بوڑھے نہیں ہیں ہم۔ سو سال تک تو جیئیں گے" زہنیہ کی کھنکتی ہنسی فون کے پار بھی کرمان کا دل دبوچ رہی تھی اور وہ بے حد خوش تھے کہ زندگی انکو انکے نازک دل پر خوشبو کی طرح اترتے سکھ دیتی جا رہی تھی۔

آمین، بس جلدی سے پہنچو۔ اور ہماری عائشہ کیسی ہے اب، تم نے بات کی اس سے۔ وہ نکاح کے لیے اب خوفزدہ تو نہیں" کرمان جو ساتھ ساتھ حویلی کے صحن کے انتظامات بھی دیکھ رہے تھے، یک لخت فکر سے استفہامیہ ہوئے۔

نہیں سائیں، وہ اتنی سی عمر میں اس حادثے سے بہت سمجھدار ہو گئی ہے، " میں نے اس سے عاقل کا بارہا ذکر کیا کہ کہیں وہ اس سے ڈرتی ہوئی تو ظاہر کرے پر وہ کہتی ہے عاقل بھائی بہت اچھے ہیں۔ میری معصوم پری، اسے بتا

دیا ہے کہ اب سے وہ آپکے بھائی نہیں بلکے دوست ہیں۔ ویسے میں پہلے اس نکاح کے ہونے پر خود کو بھی راضی نہیں کر پا رہی تھی پر مجھے عاقل کے پیارے رویے نے یہ یقین دلایا کہ وہ دوست بن کر عائشہ کا رہا سہا اعتماد بحال کرے گا۔ جب تک وہ بڑی نہیں ہوتی وہ اسکے سامنے رہے گی اور اسکے اندر مرد کی جو گندی تصویر ہے وہ ہٹ کر اسکی جگہ عاقل کی اچھی تصویر سما جائے گی" زینیہ کی یہ ساری باتیں کرمان نے مسکرا کر سنیں اور وہ ویسے بھی زینیہ کی عائشہ کے کیس کی کامیابی پر دلی پر سکون تھے۔

عاقل اسکا بھرپور خیال رکھے گا اور وہ یہاں حویلی رہ کر اچھے سے جیے گی۔" تم پریشان مت ہو، عاقل کی گارنٹی تو ہم آنکھیں بند کر کے دے سکتے ہیں کہ وہ واقعی ایک پیارا محافظ ہے۔ جس طرح اس نے سادان کی حفاظت کی وہ اب عائشہ کی بھی کرے گا۔ میں ان دونوں کے نکاح پر دل سے بہت خوش ہوں" کرمان کی یہ خوشی ہمکتے انداز میں کہی بات تو زینیہ کے رہے سہے تمام خدشے مٹا چکی تھی۔

بس پھر نکاح بہترین ہے۔عائشہ کو اس بات کا ادراک کروانا اہم ہے کہ "
نکاح کے باوجود وہ محفوظ رہ سکتی ہے۔یہ چیز اسکو مزید گروم کرے گی۔
باقی ان شاءاللہ جب وہ سمجھدار ہو جائے گی تو اسے عاقل خود ہنڈل کر لے
گا"زینیہ کے لہجے کا اطمینان اور آسودگی حسین تھی جس پر اب سنجیدہ سے
کرمان بھی مسکا رہے تھے۔

اور تم کو ہنڈل میں کروں گا، چلو یار آبھی جاو اکیلے تیاریاں کروا کے بور ہو "
گیا ہوں۔وہ لاہوری پلٹون بھی شام تک پہنچے گی۔باقی عالیہ اور ساری فیملی
کل ہی آئیں گے کیونکہ آج شام خیر سے تبریز واپس آرہا ہے"کرمان
صاحب تو بی بی سی نیوز کے رپورٹر کی طرح سارا کچھ بتا گئے اور زینیہ تو سب
سے زیادہ کرمان کی بیقراری پر ہنس پڑی۔یقینا بہت سی خوشیاں پھر سے
دستک دینے کو تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ارے میرا بچہ کب سے کچن میں لگی ہو، بس کرو یہ شمشہ کر لے گی۔ جاو تم" فریش ہو کر تیار ہو جاو" آج بخت سکندر کی پوری حویلی بھی سجی تھی، آخر کار تبریز اپنی سزا مکمل کیے واپس لوٹ رہا تھا اور یہ خوشی جتنی عالیہ کے نڈھال دل و وجود کے لیے شادمانی کا باعث تھی اس سے کئی درجے خوش خالدہ اور بخت تھے جنکی حویلی اب سہی معنوں میں آباد ہونے کو تھی۔

صبح سے عالیہ کچن میں تبریز کی پسند کی ہر چیز بنوا رہی تھی، اور اسکی اس والہانہ خوشی پر خالدہ تو صدقے واری جا رہی تھیں۔ پر وہ بھی کیا بتاتی کہ کتنی بڑی خوشی پانے جا رہی تھی، اسکا سب کچھ اب وہ سلجھا تبریز تھا جسکا سوہان روح انتظار عالیہ نے بہت حوصلے سے مکمل کیا تھا۔

عالیہ کو مسلسل کاموں میں پورے انہماک سے لگے دیکھ کر خالدہ مسکراتی ہوئی فکر مندی سے کچن میں آئیں۔

امی جان آج انکی پسند کی ہر چیز میں خود بنانا چاہتی ہوں، اتنے عرصے بعد تو" وہ گھر کا کھانا کھائیں گے۔ میں بالکل نہیں تھکی بلکے آج تو میرے اندر الگ ہی خوشی سمائی ہوئی ہے" عالیہ سے ایسا حسین جواب پا کر خالدہ کو تبریز کی قسمت پر رشک آیا جسکے نصیب میں عالیہ تھی۔

قربان جاوں اس حویلی کی قسمت پر جسے تم جیسی بیٹی ملی، اللہ اب اس" حویلی کو ہر برے شر سے بچائے۔ تم نے اسے معاف تو کر دیا ہے ناں عالیہ پتر" عالیہ اس بات پر سنجیدہ سی ہو گئی تھی جس پر خود خالدہ کو کئی خوفزدہ سے خدشوں نے گھیرا۔

وہ مجھ سے معافی مانگیں گے تو کر دوں گی امی جان، آپ پریشان مت" ہوں۔ اب اس حویلی میں کوئی دکھ نہیں آئے گا۔ بس مجھے آپکی دعا چاہیے" عالیہ کا گلاب سا چہرہ یوں مرجھا گیا کہ خالدہ نے بھی اداسی کے سنگ عالیہ کو اپنے سینے میں سمو کر اسکی پیشانی چومی۔

میری ساری دعائیں تم دونوں کے ساتھ ہیں، پر ایک درخواست ہے عالیہ" پتر۔ حالات نے اسے بہت آزما لیا ہے، تیرے حصے کی سزا بھی اسے مل گئی ہے۔ اب اسے معاف کرنے میں دیر مت کرنا، اب اسے جو چوٹ لگی ہے وہ اسے کندن کر چکی ہو گی۔ یہ بھی اک امتحان تھا جس میں تُو سرخرو ہوئی ہے اب اسے بھی کر دینا" خالدہ کے چہرے پر درد سے اٹا تاسف تھا اور عالیہ کیا بتاتی کہ وہ تو اسے کب کا معاف کر چکی ہے۔ اب تو وہ اس پر قربان ہونے کی حسرت رکھتی ہے جس شخص نے اسے آخری ملاقات میں جو باندھا تھا وہ آج بھی قائم تھا۔

صدا سہاگن رہو" عالیہ کا رسانیت سے سر ہلانا خالدہ کو مطمئین کر گیا" جس پر وہ انھیں جاتا دیکھ کر کچھ پل چہرے پر رنج سا لے آئی تھی۔

ہم عورتیں بھی کتنی عجیب ہوتی ہیں، جو سر کا سائیں ایک بار بن جائے بس" وہ ہم پر حکمران بن جاتا ہے اور ہم یہ حکمرانی پورے دل سے قبول کرتی ہیں۔ لیکن اس سب کے باوجود میرا دل کہتا ہے اب تبریز مجھ پر حکمرانی

نہیں کریں گے، اب وہ میری تکلیف کا اندازہ کر چکے ہوں گے۔ یا اللہ مجھے یہ ہمت دے دیجئے گا کہ میں انکو بتا سکوں کے میں نے ان کو معاف کر دیا ہے" دل میں خود کلامی کیے عالیہ نے بھیگی آنکھوں سے سر اٹھائے دعا کی تھی اور آج دعا کی قبولیت کا دن تھا۔ اب وہ واقعی حکمران نہیں بلکے اسیر بن کر لوٹنے والا تھا۔ عالیہ کی محبت اور اسکی ریاضت کا اسیر۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"ہاں ہاں ہم بس نکل رہے ہیں، جی بالکل ساد ان اور تیمور نکل گئے ہیں۔ بہت مشکل سے مانا ہے پر شکر ہے کوشش رنگ لے آئی" شاویز فون کان سے لگائے گھر میں داخل ہوا تو سامنے ہی گلناز اور اسد صاحب بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ شاویز کال پر کرمان سے بات کر رہے تھے جو انکے آنے اور تیمور کے راضی ہونے کا پوچھ رہے تھے۔

جی بابا، چلیں پھر ملتے ہیں شام کو" شاویز جو خود سادان کی طرح دو ویک بعد آیا تھا سب سے پہلے تو بابا جان کو بیٹھے بیٹھے بغل گیر ہوا پھر امی جان سے مل کر یہاں وہاں بیتابی سے دیکھنے لگا جس پر گلناز شرارت سے ہنس دیں۔

"کیسے ہیں جناب والا، چلیں ریڈی ہو جائیں گاوں نکلنا ہے۔ وہاں وہ سب راہ دیکھ رہے ہیں۔ اور یہ ہماری محترمہ کہاں ہیں" شاویز جو بے بی پنک شرٹ اور وائٹ پینٹ میں کوٹ بازو پر دھرے دونوں کو اطلاع دے رہا تھا اختتام تک جناب کا متبسم چہرہ گدگدی کا نظارہ پیش کر رہا تھا۔

"بھئی ہم تو بالکل تیار ہیں، کومل بھی بس ریڈی ہو رہی ہے۔ تم بھی فریش ہو جاو تب تک میں کھانا لگاتی ہوں پھر نکلتے ہیں ان شاءاللہ" گلناز بھی مسکرا کر کہتی ہوئیں کچن کی سمت لپکیں جبکہ شاویز اب اپنا رخ کمرے کی سمت موڑ چکا تھا اور کمرہ کھولنے کی دیر تھی کہ ڈریسنگ کے پاس سجی سنوری سی حسینہ دیکھ کر تو طبیب صاحب کے ہوش اڑ گئے۔ کومل پہلے کی نسبت اب

تھوڑی بھری بھری لگنے لگی تھی، دوسرا اس کی شارٹ فراک بھی کچھ ایسی تھی کہ محترمہ کے گرد گھیرا اپھیلانے میں کامیاب تھی۔

دو ہفتے کی جدائی کا ازالہ کرنے کو شاویز نے ہنس کر شریر ہوتی کومل کو دیکھتے ہوئے کوٹ بیڈ پر رکھا اور چپکے سے اسے پشت سے باہوں میں بھرے اپنا چہرہ اسکے کندھے پر ٹکا دیا۔

لوولی، دن بدن آپ پر مزید حسن اتر رہا ہے کومل۔ کیسی ہیں میری" پیاری سی وائف" بے حد وارفتگی سے وہ اس سرخ رنگ میں دمکتی خود بھی سرخ رو کومل کی گال سے ہونٹ لگائے بولا جس پر وہ شرمگیں سا مسکرا دی۔

بالکل فٹ، تھینکس گارڈ آپ آ گئے۔ بہت مس کر رہی تھی آپکو" کومل" کا حسن ہوش ربا حد تک بڑھ چکا تھا جسکی وجہ انکی زندگی میں شامل ہونے والا اک ننھا وجود تھا جس نے کومل کو مزید دلنشین بنایا۔ وہ جو اسکے حصار

میں قید تھی، یک لخت نکل کر روبرو آئے شاویز کو دیکھ کر دل میں اتارنے لگی۔

"مس یوٹو، ویسے اب ہم ہمیشہ ساتھ رہیں گے کیونکہ ہاوس جاب مکمل ہو گئی ہے۔اب جہاں آپ وہاں آپکا یہ دیوانا۔۔۔۔۔۔۔ویسے بائے داوے ماشاءاللہ آپ کافی پنک ہو گئی ہیں۔ بہت کیوٹ اور مزید پیاری۔بس مجھے اپنے جیسی کیوٹ سی کومل دے دیں جلدی سے "شاویز کا یوں اسے شرارت سے کیوٹ کہنا کومل کو بھی ہنسا رہا تھا پر وہ ابھی بھی خود کو کافی مینج رکھتی تھی۔بس اسکے فیس پر تھوڑی کیوٹنس بڑھ چکی تھی جو اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ عنقریب ایک بیٹی کو جنم دینے والی ہے۔ایسا اسے گلناز نے بتایا تھا حالانکہ شاویز نے الٹرا ساونڈ کروانے سے منع کر دیا تھا کہ یہ سرپرائز ہی رکھنا چاہیے۔جہاں شاویز کو بیٹی کی خواہش تھی وہیں کومل کو شاویز جیسے بیٹے کی۔

کومل کی ہنسی بہت ملائم پن سے چرائے وہ اسکا چہرہ تھامے اسکی پیشانی پر لمس عافیت دھرے اسے خود میں سمو گیا اور وہ بھی جدائی کے دنوں کی ہر تلافی پا گئی۔

"کیا سچی میں موٹی ہو رہی ہوں، عجیب والی موٹی تو نہیں ہوں ناشاویز۔ مجھے تو پھر جاتے ہوئے بھی بے چینی ہو گی، فیلنگ آکورڈ" کومل کی اس بات پر وہ ہنستا ہوا اسکے چہرے پر پھیلی فکر دیکھنے لگا اور اسکی گالوں کو دبائے مسکرایا۔

"نو، آپ ویسے تو پرفیکٹ ہیں بس آپکے فیس پر ایکسٹرا رمانی بہار آچکی۔ اور آکورڈ کیوں لگے گا بھئی، کچھ فیل نہیں ہوتا ابھی بھی کہ آپ ایکسپیکٹ کر رہی ہیں۔ اور وہ بھی فور فائیو منتھس۔۔۔۔ ایسا مت سوچیں، ریلکس رہیں۔ سمارٹ ہونے کا یہی تو فائدہ ہے، بس ناں یہ سب نہیں سوچیں"

ڈاکٹر صاحب تو کمال کا حوصلہ دیتے ہوئے اترا رہے تھے اور واقعی یہ سچ بھی تھا کہ ابھی بھی بالکل پتا نہیں چلتا تھا کہ محترمہ ایک ننھی جان سنبھالے

ہوئے ہیں۔ شاویز کے یہ الفاظ کومل کی بے چینی مٹا کر مسکان دے چکے تھے۔

لیکن کچھ ماہ تک تو ہو جاوں گی ناں" پھر سے کومل نے منہ پھلائے کہا اور " اب وہ اسکی ناک دبائے ہنسا۔

تو اسکا انتظام کچھ ماہ بعد کر لیں گے ناں جان، ابھی تو آپ بس چلنے کی " تیاری کیجئے" شاویز کا پیارا سا انداز کومل کو اب واقعی ریلیکس کر چکا تھا۔

اور آپکی طبعیت اب مکمل بہتر ہے یا ابھی بھی کوئی ایشو ہے، یہ دو ویک کچھ " ہوا تو نہیں۔ وٹامنز لیے آپ نے پراپلی اور کیلشم "کومل کے مسکرا کر سر ہلانے کے بعد اب ڈاکٹر صاحب کی انٹری ہوئی اور وہ اس کے لیے ایسا ہی ٹچی تھا کیونکہ سٹارٹنگ منتھس میں کومل کو تھوڑا بی پی کا ایشو تھا اور پین تھی جسکے بعد سے شاویز اسکے معاملے میں ایکسٹرا کیئر کرتا تھا۔

سب لیا میری جان، اور پین تو ہوتی ہی ہے پر اب سہہ لی جاتی ہے۔ اور " میرا خیال امی نے جسطرح رکھا ہے میں تو بتا بھی نہیں سکتی تبھی تو ابھی سے

کیوٹ ہو گئی۔ خیال کے ساتھ ساتھ اپنے دور کی اتنے مزے دار قصے سناتی تھیں جب آپ تشریف لانے والے تھے۔ اور پھر میری ساری طبعیت ایک دم فٹ ہو جاتی ہے "اب کی بار کومل شرارت سے ہنسی اور وہ ہنسی آٹومیٹکلی شاویز کے ہونٹوں پر سجی جواب سر کھجائے خجالت سے سر کھجاتا ہوا نہایت حسین لگا۔

ھائے یہ تو مزیدار نہ ہوا، میرے کارنامے میری وائف کو سنا کرامی کمال "ہی کر رہیں۔ ھاھا چلیں یہ ایک طرح اچھا ہے، آپ کی طبعیت کسی طرح سنبھلی رہے بس مجھے یہی چاہیے۔ میرا بس چلے تو آپکو زرا بھی تکلیف سہنے نہ دوں، اللہ بس خیر سے آپکو اس فیز سے فری کریں" شاویز کا یوں اس سچویشن میں بھی کومل کا اتنا حسین احساس کرنا کومل کی آدھی تکلیف کا حل تھا۔ وہ بھی دل و جان سے شاویز کو اس رشتے کی مضبوطی کا یہ پیارا سا وجود دینے کے لیے ہر تکلیف سہنے پر راضی تھی۔

آمین، آپ کے ہوتے ہوئے مجھے تکلیف کا احساس نہیں ہوتا۔ بس آپ "میرے ساتھ رہیے گا میں بالکل بہتر رہوں گی" کومل نے بھی چاہت اور انس کے سنگ اپنا سر شاویز کے سینے پر ٹکا دیا اور وہ بھی اپنی اس والہانہ اہمیت پر نثار ہو کر اپنی باہوں میں اپنی دنیا سمو گیا۔ کھانے کے بعد ہی وہ سب روانہ ہونے والے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ترس گئی تھی تیری شکل دیکھنے کو، میرا بچہ۔ یہ کیا حالت بنالی ہے تو نے "تیمور۔ اتنا سا ہو گیا ہے میرا بچہ" تیمور کی واپسی جس طرح بجلی کی رفتار سے ہوئی تھی ممکن تھا وہ ایسے ہی لوٹ جاتا کیونکہ ابھی جب اسے یہ پتا چلنا تھا کہ رمشہ اسی حویلی میں اسی کے کمرے میں رہائش پذیر ہے تو یہ بات اسے چیخ کر ریزہ کرنے والی تھی۔

وہ سب ہی لاونج میں براجمان تھے اور سلطانہ کا بس نہیں چل رہا تھا اپنے تیمور کی بلائیں لے لیتیں، اسکا صدقہ اتار لیتیں جو خود بھی انکے سینے سے لگا اداس تھا۔

میں نہیں آنا چاہتا تھا، لالہ نے میری جان آدھی کر رکھی تھی۔اماں " سائیں آپ انھیں سمجھادیں کے دوبارہ مجھے مجبور مت کریں" تیمور جو کچھ دیر پہلے ایک پتھر تھا اب تو بالکل اماں سائیں کا لاڈلا بنا سادان کی شکایت لگا گیا جس پر خود سادان مسکرا کر اٹھا، فلذہ اپنے روم میں تھی کیونکہ اسے آجکل ریسٹ ریکمنڈ کیا گیا تھا تبھی خود سلطانہ اور رمشہ تک اسے کوئی کام کرنے نہیں دیتی تھیں۔ویسے بھی ایک ویک پہلے ہی اسکے امتحان مکمل ہوئے تھے تو ایک ہفتے سے ویسے بھی محترمہ نیندیں پوری فرما رہی تھیں۔ کرمان بھی بس اپنی ٹیم کے منتظر تھے جبکہ باقی ملازمین بس رات کے کھانے کی تیاری میں مگن تھے۔رات کو مہندی کا چھوٹا سا فنکشن بھی رکھا گیا تھا۔

اماں سائیں بھی میری طرف ہیں بچے، ہم نہیں چاہتے کہ تو اکیلا رہ رہ پاگل ہو جائے۔ چلو میں فریش ہو کر آتا ہوں تب تک کھانا لگوا دیں بڑی زوروں کی بھوک لگ رہیہے" سادان نے ہنس کر اس ناک چڑھا کر منہ بسورے تیمور کے بالوں میں ہاتھ پھیرے کہا اور اپنا ٹیبل پر رکھا فون اور چابی اٹھائے کمرے کی سمت بڑھ گیا۔

سلطانہ اسے ابھی رمشہ کا بتا کر مزید ہلکان نہیں کرنا چاہتی تھیں لہذا وہ بس انکے سینے سے لگا آنکھیں موندے بیٹھا تھا اور کرمان بھی تیمور کے سلجھے روپ سے خاصے متاثر تھے۔

سادان کمرے میں آیا تو ملائم روشنی میں پورا کمرہ نہایا ہوا تھا اور محترمہ بیڈ کے بجائے صوفے پر سینے پر کوئی بک رکھے خواب خرگوش میں مست تھیں۔ سادان بھی دو ویک بعد آیا تھا اور اتنے دن کی جدائی اس نے پہلی بار کی۔ ان پانچ ماہ میں وہ ہر ویک حویلی آتا تھا اور ایک دن صرف فلذہ کے نام کرتا تھا۔

لائیٹ لیمن کلر شارٹ فراک اور چوڑی دار وائٹ پاجامہ پہنے اسکا دوپٹہ لپیٹے ہوئے بھی اسکے گلے میں تھا اور بالوں کی پونی بنائے بال آگے کر رکھے تھے۔

وہ جب جب فلذہ کو دیکھتا تھا اسکی روح تروتازہ ہوتی تھی اور اب تو وہ ویسے بھی اک نئی زندگی کو اپنے اندر پروان چڑھانے والی تھی اور اسکے بعد اسکی اہمیت کئی گنا بڑھ چکی تھی۔ سادان نے بے ساختہ مسکرا کر اک نظر فلذہ پر ڈالی اور آہستگی سے بک لے کر ٹیبل پر رکھے اسکے ساتھ ہی بیٹھا، اور وہ کیسے نہ پہنچانتی کہ اسکے سائیں اسکے پاس ہیں تبھی نیند کی خماری میں آنکھیں کھولتے ہی وہ اگلے ہی پل اٹھ کر سادان کے سینے سے جا لگی۔ اک سرمست سی خوشی نے سادان کو جکڑا اور وہ اپنی باہیں کچھ دیر پھیلا کر اسے روبرو کیے جدائی کی لمبی تلافی کو اسکے چہرے سے ہمکلام ہوا۔

دو ہفتے بعد آئے ہیں آپ، پتا ہے کتنا یاد کیا آپکو "آج بھی محترمہ تمام تر گھبراہٹ کے لاڈورانی بن کر شکوہ کرتی حسین لگیں اور وہ تو اس پر بس شدتیں لٹانا چاہتا تھا۔

سب پتا ہے، اتنی چھینکیں آئیں کے مت پوچھو۔ کیسی ہے میری جان۔۔۔۔اور نئے مہمان نے تنگ تو نہیں کیا" سادان جو اسکے شکوے کو محبت سے مسکان میں بدل گیا اب اس بات پر فلذہ کا رو تو منہ دیکھنے والا تھا۔

کیا ناں، کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا۔ یہاں تک کے کچھ کھانے کو بھی دل نہیں چاہتا۔ ہر وقت سوئی صورت بنی رہتی ہوں، یہ بہت مشکل ہے" ہلکان ہو کر وہ جب یہ سب کہہ رہی تھی تو سادان سے ہنسی روکنا ناممکن ہوا، وہ بھی سادان کے متبسم شرارتی چہرے کو دیکھ کر برہم ہوئی۔

ھاھا یعنی میرے حصے کا اب ہمارا بے بی تنگ کر رہا ہے، بھئی اب ہر کوئی تمہارے سائیں جیسا شریف تھوڑی ہے" سادان ہنوز شرارت سے آنکھ

مارے اسکی چھوٹی سی ناک پر ہونٹ رکھے ہنسا جہاں غم کا پہاڑ تھا اور شریف والی بات تو فلذہ سے زرا ہضم نہ ہوئی تبھی وہ پس پردہ شرمگیں مسکان جذب کرتی بے حد موہنی لگی۔

توبہ آپ شریف ہیں، کدھر سے ہیں۔۔۔۔۔پر جیسے بھی ہیں مجھے قبول ہیں" فلذہ کا بڑھتا اعتماد اب تو اور دلنشین ہو کر سادان کا قرار بن چکا تھا اور وہ اب سادان کو اسکا من پسند لمس بنا کہے دے کر شادمان ہوئی۔

نہ کرو لڑکی، اتنی رومینٹک مت بنو۔اور گھبرایا مت کرو، سب بہت اچھا" ہوگا ابھی تو سٹارٹ ہے میری جان۔اتنا آسان تھوڑی ہے قدموں میں جنت حاصل کرنا، ابھی سے تمہارا یہ حال دیکھ کر مجھے تو غش آرہے کہ کیا بنے گا میری چڑیا کا" جب سے وہ امید سے ہوئی تھی وہ پہلے سے زیادہ دبلی ہوگئی تھی اور اب تو دو ہفتے کے گیپ سے وہ سادان کو مزید ویک لگی۔

سادان کی اس بات پر فلذہ کی ہوائیاں اڑیں مگر جب سادان اسکے پاس تھا تو

اسے کسی چیز کا خوف محسوس نہیں ہوتا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کا اب واقعیٔ سایہ لگتے تھے۔

آپ ہر وقت میرے پاس رہیں ناں، پھر مجھے کچھ نہیں ہو گا۔ اور بھلے یہ" سب مجھے پہاڑ کی چوٹی سر کرنے سا لگ رہا ہے لیکن آپ کے لیے میں کچھ بھی کر سکتی ہوں۔ کوئی بھی مشکل سہہ سکتی ہوں، جہاں آپکی خوشی وہیں میری" اپنے دونوں ہاتھوں سے وہ سادان کا چہرہ پکڑے شہزادے کو بہت سا بہکا چکی تھی اور سادان اب تو بہکنے سے پہلے سوچتا ہی نہ تھا، اب تو وہ حقیقی معنوں میں اسکا حصہ تھی۔ آج بھی وہ اسکا واحد سکون تھی اور اب تو پہلے سے بھی خاص مرتبے پر فائز تھی۔

رہوں گا فلذہ، تمہارے پاس ہی ہوں۔ اور اب تو ویسے بھی ہوسپٹل کی" ہاف اوپنگ کے بعد میں مستقل اپنی شہزادی کے پاس رہوں گا اور باقی کام ساتھ ساتھ مکمل ہوتا رہے گا۔ بس تم خود کو کمزور مت سمجھنا، تم نہیں جانتی کہ تم مجھے میری زندگی کی کتنی بڑئ خوشی دے چکی ہو۔ کوئی ایسا ہو گا جو مجھے

بابا کہے گا، یہ سوچ کر ہی دل مہکنے لگتا ہے۔ صرف تمہاری بدولت میں نے یہ سکھ پایا، تم نے مجھے مکمل کیا ہے۔ فیملی دی ہے جو میرے لیے اک فرحت بخش احساس ہے۔ باقی جہاں تک تمہاری سوئی صورت کی بات ہے، یہ تب بھی مجھے چاکلیٹ جیسی میٹھی لگتی ہے" سادان نے جذباتیت کے سنگ فلذہ کے گرد گرفت حساس سی کیے چاہت اور رشک سے کہا اور اس سے پہلے کے محترمہ ایموشنل ہوتیں۔ سادان نے آخر میں آکر شرارت سے اسکی دونوں گالیں پیار سے چھولیں اور وہ بھی سادان کی بے لگام لمس کی برسات پر کھلکھلا کر ہنستی ہوئی اُسکے ساتھ جا لگی۔

ھاھا جائیں فریش ہو جائیں، میں بھی اٹھ کر زرا منہ چمکا لوں۔ یہ نہ ہو" مہندی کی پکس پر میرا سویا منہ کیپچر ہو جائے" فلذہ اسکی گرفت سے ہلکان ہوئے مسکراتی بولی اور وہ اسکے مسکرانے کو پورے استحقاق سے چراتا فرمابرداری سے اٹھ کھڑا ہوا اور وہ اسے سرخ ہو کر گھورتی رہ گئی۔ سادان کے جاتے ہی محترمہ کے چہرے پر خودبخود گلو اور بہار اتر آئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جیل سے نکل کر اندھیرے سے سویرے کی جانب رواں ہونا تبریز چوہدری کے لیے اک نئی زندگی کی مانند تھا۔چھ ماہ کی کٹھن تنہائی کا ثمر دروازے سے باہر نکل کر سامنے کھڑے بخت سکندر کو دیکھنا تھا جو نم بھرائی آنکھوں سے تبریز کی ہر زیادتی کو فراموش کیے اپنی جاندار بازو پھیلائے منتظر تھے۔

شکن آلود پیشانی اور چہرے پر صدیوں کی تھکن لادے وہ اپنی چندھیا جاتی نگاہوں کو سرخی سے بچا نہ پایا اور اپنے من وزنی قدم باباسائیں تک لے جا کر بس انکے قدموں میں گرنے ہی والا تھا جب بخت سکندر نے اسے پکڑ کر سینے میں سمو لیا۔

گو دہکتے ہوئے کلیجے ٹھنڈ پا گئے، سزا پانے اور جھیلنے کے بعد مجرم، مجرم نہیں اک قابل رحم اسیر بن جاتا ہے جسکے چہرے پر سوز اور آنکھوں میں سیلن زدہ نم بس جاتا ہے۔

اسکے گلے میں سیاہ چادر ڈالے سر پر شملہ اوڑھائے وہ اسے کتنی ہی دیر وہ تبریز کی واپسی پر شکر گزار باپ ہر تلخی بھولے اس سے اسکی قید سلاسل کی روداد سن کر دلخراش ہوئے۔

چھ ماہ میں ہی انکا پر کشش خوبصورت جاہ جال سے مزین سپوت، اک ہارا بے جان اور تھکن زدہ حال تک آ گیا تھا۔ پر وہ خوش تھے کہ اب یہ تکلیفیں اسے کندن بنا چکی ہیں، اسکے غرور کو تہس نہس کر چکی ہیں۔

اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے یہ دن دکھایا، کمر توڑ دی تھی تیری جدائی" نے۔ کیسا ہے میرے بچے" وہ تو ہونق زدہ تھا کہ بابا کو تو عتاب زدہ اور برہم ہونا چاہیے تھا کیونکہ وہ تو اپنے سے جڑے ہر فرد کو ہی مٹی میں ملا گیا تھا مگر

ماں باپ جیسا مہربان تو روح زمین پر اترا ہی نہ تھا۔ وہ تبریز کی خاموشی مگر چیختی دردناک آنکھوں سے اسکی پشیمانی کا سارا افسانہ جان گئے۔

بہت نالائق اور بد قسمت جسے وقت کی لات ایسی لگی کہ ساری ہیرو گیری" نکل کر باہر جا گری، مجھے معاف کر دیں بابا سائیں گو میں آپکی معافی کے رتی برابر لائک نہیں" اسکے لہجے میں کرب اور آہ و بکا تھی اور وہ اپنے کانپتے ہاتھ جوڑے حسرت سے معافی کا طلب گار تھا جس پر بخت نے اسے درد دیتے انداز سے یہ سب کرنے سے روکا اور اسکی گال تھپکائی۔

چہرے پر گھنی ڈارھی مونچھ اسے ویسے بھی اجڑا بنا رہی تھی اور اوپر سے اسکی سرخ آنکھیں جہاں خلش کا گہرا رنگ آویزاں تھا۔

ماں باپ اپنی اولاد سے خفا تو ہو سکتے ہیں پر قطع تعلق کرنا ناممکن ہے،" اصل معافی تجھے عالیہ سے مانگنی ہے اور نہ صرف معافی بلکے اپنے ہر ظلم کی تلافی کرنی ہے۔ وہ اور تیری ماں شدت سے تیرے منتظر ہے۔ بہت خوش قسمت ہے تُو تبریز کہ جیسے عالیہ نے اپنی چوکھٹ پر بلانے کی زحمت بھی نہ

دی اور خود تیری جدائی کے لمحے کاٹتی ہوئی تیرے در پر تیری منتظر کھڑی ہے۔ گھر چلتے ہیں" عالیہ کا ذکر ہی تبریز کے دل میں درد جا گزیں کر گیا، اسے اب واقعی ہر تلافی کرنی تھی۔ اپنے کیے ہر برے عمل کی معافی مانگنی تھی۔ سارا راستہ وہ کھڑکی سے باہر جھانکے کرب میں جلتا رہا، سفید سوٹ میں ملبوس چہرے پر سیاہی انڈیلے وہ وقت کی تھپیڑوں کو سہہ کر وہ پورے تپاک سے اپنی آرام گاہ کی سمت گامزن تھا۔

یہ لمحے اسے واپس زندگی کی طرف لے آئے، حویلی میں داخل ہوتے ہی ڈھول کی کانوں کو رس گھولتی آواز اور پوری حویلی کی سجاوٹ نے تبریز کی آنکھوں سے ہر درد لمحے بھر کو ہٹا دیا۔ حویلی کے ملازمین خوشی ہمکتے انداز سے اس پر پھولوں کی پتیاں اور اسکے گلے میں ہار پہنا کر جھوم رہے تھے۔

اور وہ اس سب رونق کا خود کو اہل نہ سمجھتا تھا، اور دور سے آتیں خالدہ تو اسے سینے سے سمو کر ضبط کے سارے بندھن توڑ گئیں۔ اکلوتا بیٹا اپنی سزائیں جھیل کر واپس آ گیا تھا، پر اپنے کمرے کی کھڑکی سے جھانکتی عالیہ تو

حویلی کے دھمال زدہ رنگ کے باوجود دور سے ہی تبریز کو دیکھ کر دکھ سے اٹ گئی۔اس میں ہمت نہ تھی کہ وہ کمرے سے باہر جاتی، قدم تھے کہ پتھر کی طرح سخت اور بھاری تھے۔

یک لخت ڈھول کی آواز تھم گئی اور ویسے ہی عالیہ کا دل بھی تھم گیا۔وہ جو اس وقت سفید اور گولڈن ململ کے دوپٹے والے لباس میں تھی،اک نظر خود کو دیکھ کر مزید افسردہ ہوئی۔

دوسری طرف وہ اب حویلی میں آچکا تھا اور ابھی تک اس کی آنکھیں اپنے من پسند نظارے سے محروم تھیں۔ کتنی ہی دیر خالدہ نے اپنی پیاسی ممتا کی پیاس بجھا کر تبریز کی بے قراری کے حل کی سبیل کی۔

وہ کمرے میں ہے، تُو بھی جا کے نہا کے تازہ دم ہو جا۔یہ چہرے کی حالت " بھی بہتر کر۔ پھر مل کر کھانا کھاتے ہیں۔ جا میرا لال" خالدہ نے آسودگی سے تبریز کی پیشانی چومی اور وہ کسی ربورٹ کی طرح اب کمرے کی سمت

بڑھا۔ دونوں میاں بیوی نے ایک دوسرے کی سمت پر سکون سے نگاہ مرکوز کی تھی۔

جس طرح عالیہ کے لیے اپنے قدموں کو رواں کرنا دوبھر تھا ویسے ہی وہ کمرے کے باہر دروازے پر تلخی سے ہاتھ رکھے اک تھکی سانس لیے ہار سا گیا۔ یہ وقت دونوں کے لیے کٹھن تھا مگر ضروری بھی تھا، وہ جو تذبذب سے بے حال مڑ کر ہاتھوں کو کچل رہی تھی۔ دروازہ کھلنے کی آہٹ پر اسے لگا اسکے جسم سے جان سرک گئی ہے۔ وہ کمرے میں داخل ہو چکا تھا، دروازہ واپس آگے کیے تبریز نے سامنے پشت کر کے کھڑی عالیہ کو دیکھا تو آنکھیں پھر سے جھلملا اٹھیں۔

وہ اسے دیکھنا چاہتی تھی، تبھی اپنی درد سے آٹی آنکھیں رگڑتی ہوئی اپنی زندگی کی مشکل ترین کروٹ لیے مڑی تو وہیں پتھرا گئی۔

اسکا تبریز اسکے سامنے کھڑا تھا، اتنے سے وقت میں ان جیل والوں نے اسکا خلیہ بھی مجرموں سا کر بناک بنادیا تھا مگر تبریز کی جلتی روح کو اس پری پیکر

کی جھلک نے ہی قرار دیا تھا۔ وہ روتی ہوئی اپنے اور تبریز کے بیچ کا فاصلہ مٹائے روبرو ہوئی اور دونوں کی آنکھوں میں ایک سا درد تھا۔

کتنی ہی دیر آنکھوں کا یہ ملاپ دل کو سکون دیتا رہا اور پھر عالیہ نے اپنے ہاتھ کو تبریز کے چہرے پر پھیرے اک سرد آہ بھری۔ وہ بھی اسکے اسی ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھے تاسف سے رنج زدہ ہوا۔

"اب آگیا ہوں تجھ سے معافی لینے، تیرا مجرم تیرے سامنے پیش ہو گیا۔ "حکم کر مجھے ہر سزا قبول ہے، ۔۔۔۔۔۔۔ سزا سنانے کی باری تیری ہے عالیہ تبریز کی تکلیف کے سنگ ایسے سخت الفاظ عالیہ برداشت نہ کر پائی اور چپ چاپ اسکی کمر تک بازو لے جا کر باندھتی اسکے سینے میں حلول ہو کر سخت رو پڑی اور وہ اسکی ہچکیوں سے روتی آواز اپنے سینے کے آرپا محسوس کیے اسکے وجود کو باہوں میں سمیٹ گیا۔

"، خدا نہ کرے اب آپکو سزا کی شکل بھی دیکھنی پڑے، مجھے تاعمر آپکی محبت اور آپکا ساتھ چاہیے۔ میں آپکے بنا کچھ نہیں تبریز، میں نے آپکو دل سے

معاف کیا۔ ہر ظلم، مجھے آپ سے بے حد محبت ہے۔ مجھ سے دور مت جایئے گا اب" وہ اسے اتنی آسان معافی دے گی یہ تبریز کی نبض سے اچکی جا چکی زندگی بحال کر گیا اور وہ تڑپ اٹھا۔ بے یقینی سے اسکو پکڑ کر روبرو کیے اس سرخ پڑتی درد سے کپکپاتی عالیہ کے چہرے کو دیکھنے لگا جیسے اسکی سماعت نے کچھ غلط سن لیا ہو۔

کیا کہا، کیا کہا تُو نے۔ کیا میں واقعی اتنا خوش قسمت ہوں۔ تُو سچ کہہ رہی ناں، مجھے معافی مل گئی" وہ اس بے یقین بات پر کملا سا گیا اور دیوانگی سے اسکا چہرہ تھامے پوچھنے لگا جس پر وہ روتی ہوئی سر ہلائے تبریز کو بھی جامد کر گئی۔

بہت تڑپا لیا آپ نے مجھے، بہت رو لیا۔ بہت یاد کیا آپکو، خدا کا شکر ہے" آپ واپس آ گئے۔ اب کہیں جانے نہیں دوں گی، کیا حال کر دیا ہے ظالموں نے آپکا۔ بس آپ اب بالکل پریشان نہ ہوں، میں آپ سے ذرا خفا نہیں۔ آپکے بنا ایک ایک پل اذیت سے کاٹا" وہ بھی اپنے ہوش میں نہ تھی،

شکر گزاری کا اک ایسا لمحہ تھا جو دونوں کے انگ انگ کو مہکا گیا۔ وہ جس

دلفریبی اور چاہت سے تبریز کی آنکھوں سے بہتی نمی صاف کر رہی تھی

اسکے بعد جدائی کی حق دار شدت کی وہ بھی مستحق تھی اور تبریز بھی۔

کتنی ہی دیر وہ اسے خود مئں مبتلا کیے اپنی تڑپ بتاتا گیا اور دونوں کی آنکھوں

میں ایک سی نمی نے منظر نازک ترین ہو کر بھی دلسوز کر دیا۔

وہ اسکے پر نقش کو از بر کیے اسے بتا رہا تھا کہ اب وہ صرف اسکا سکون ہے۔

تیرے بن میں بھی تڑپا ہوں، اور اب تجھے کہیں جانے دوں گا بھی نہیں""

تبریز کے چہرے کی سیاہی کی کھردری چبھن بھی آج عالیہ کو عزیز تھی، وہ

اسے آج ہر طرح قبول تھا۔

کچھ استحقاق زدہ لمس کی برسات کی شدت تھمی تو وہ اسے اب بازو سے

تھامے بیڈ پر بیٹھاتے ہی خود بھی اسکی گود میں بیٹھے اسکی دہکتی پیشانی چومنے

لگی۔ بیمار کو تندرستی کے لیے یہ شدت سے درکار تھا۔

سکون مل گیا ہے، ساری تھکن ہوا ہو گی ہے۔تجھے پتا ہے مجھے تجھ سے " تیری طرح محبت ہو گئی ہے، سچی والی۔ کھری والی، وہ محبت جو دھکا کھا کر دیکھائی دی۔ تیرے وجود سے پرے تیرا دل نظر آیا، تیری آنکھیں۔یہ چہرہ جو ہر رات کی تاریکی میں جگنو کی مانند تھا۔مجھے دل سے معاف کر دے عالیہ،اب تجھے زرا تکلیف نہیں دوں گا" وہ جواب اسکے چہرے سے چہرہ ملائے خود بھی سکون میں تھی،اس بات پر تو بھیگی آنکھوں سے بھی مسکرا دی اور اسکی یہ مسکان تبریز کا دل بہار کر گئی تبھی وہ پھر سے اس پر چاہت کا سمندر لٹانے کی سمت گامزن تھا۔

تکلیف ہو گی ہی نہیں،اب میں جانتی ہوں آپ مجھے خراش تک نہ دیں " گے۔آج آپکی اس شدت میں بھی نرمی ہے،آپکے چہرے پر کوئی غرور نہیں۔آنکھوں میں کوئی وحشت نہیں۔مت مانگیں معافی،بس کریں۔۔۔۔جا کر فریش ہو جائیں۔تھوڑے پہلے جیسے پیارے ہو کر قریب آئیں تا کہ مجھے بھی مزید آسانی ہو۔اور پتا ہے میں نے آپکی پسند کا ہر

کھانا بنایا ہے۔ وہاں آپکو نجانے کیسا بدمزہ اور عجیب کھانا ملتا ہوگا تبھی کمزور ہو گئے ہیں۔ آج آپکو پتا چلے گا کہ آپکی وائف آپ سے کتنا پیار کرتی ہے" عالیہ کے ہر انداز سے آج تبریز کے لیے بس محبت تھی اور وہ بھی اب تھکا ہی سہی پر مسکرایا تھا۔

جانتا ہوں، یہ پیار مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے" تبریز کی بڑھتے ہوئے تقاضے کچھ دیر پہلے تک تو ٹھیک پر اب عالیہ کا دل دبوچ رہے تھے۔ جو بھی تھا وہ سخت گلال ہو کر سمیٹنے لگی جس پر تبریز نے باقی کا فسانہ بعد میں تحریر کرنے پر موقوف کیا۔ خود بھی وہ اس جنگلی روپ سے نکلنا چاہتا تھا تبھی مسکرا کر جاتے جاتے بھی حق پورے بے باک انداز سے عالیہ کو سونپے فریش ہونے گیا اور وہ بھی چہرے پر تبریز کی کہانی درج ہونے کے باعث ابھرتے سرخ رنگ کو دبا کر مسکراتی اسکے لیے سوٹ نکالنے وارڈراب کی سمت لپکی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مہندی کی تقریب نے حویلی کے درو دیوار روشن کر ڈالے تھے۔زہنیہ اور عائشہ بھی پہنچ چکی تھیں۔ایسی خاص مہندی کی رسم تو نہ تھی بس تمام لڑکیوں نے مل کر ر ملا اور عائشہ کو مہندی لگائی اور نکاح بھی دونوں آج ہی طے ہوئے۔عائشہ کے لیے ابھی نکاح کو سمجھنا نا ممکن تھا،بس وہ زینیہ پر اعتبار کرتی تھی اور اسے سادان بابا پر بھروسہ تھا باقی اسکے ماں باپ نے بھی اسے اپنی طرف سے بہت سامان اور پیار دے کر سمجھایا تھا۔

عاقل کے لیے ابھی وہ صرف ایک اہم ذمہ داری تھی جسکا اس نے خود سے زیادہ خیال رکھنا تھا اور وہ تو خود بہت خوبصورت انسان تھا اور یقیناً عائشہ کا اس کے ساتھ نکاح ہی عائشہ کی اب سب سے بڑی حفاظت تھا۔خیر سے بشیر بھی بلقیس کا داماد بن گیا اور آج صغری تو بے حد نازاں تھیں۔جس

طرح انکو حویلی میں عزت دی گئی یہ انکے دل رشک سے بھر گیا اور ہر زخم ہی مٹ گیا۔

اصل دھچکا اس ساری محفل سے بے نیاز تیمور کو تب لگا جب اس نے رمشہ کو دیکھا، مزید معلومات پر اسے یہ خبر بھی پتا چلی کے اسکے بابا کی وفات کے بعد سے وہ حویلی میں تیمور کی منکوحہ کے حق سے رہ رہی ہے۔

تیمور بھری محفل میں بھی خود کو تنہا محسوس کر رہا تھا، رمشہ کی روئی سی شا کی آنکھیں اسے بہت کم وقت دیکھنے کو ملیں اور وہ خود ہی تقریب سے جلد ہی غائب ہو گئی۔

دل بھی عجیب شے ہے، حسرتیں ہیں کہ ختم نہیں ہوتیں۔ وہ اس سے ملنا نہیں چاہتا تھا مگر وہ خود کو اسکے کمرے کی سمت جانے سے روک نہ پایا۔

باقی محفل اپنے عروج پر سجی رہی۔

سادان اور فلذہ تو وائیٹ اینڈ ڈارک پرپل ڈریسز میں حسین ترین لگ رہے تھے اور باقی کی آفت کرمان اور شاویز کے جادو گرد چمکتے کپل نے پوری کی تھی۔

سادان کو عائشہ کے لیے بہت خوشی تھی اور وہ اسے واقعی اپنی بیٹی ہی سمجھتا تھا۔ آج تو عاقل پر بھی سہانا روپ دیوانا ہو رہا تھا۔ وہ نازک سا سادہ لوح بیس اکیس سالا جوان اپنے سائیں کی خاطر ہی جیتا تھا اور کیسی حسین گھڑی تھی کہ وہ خود پر رشک محسوس کر رہا تھا کہ سادان نے اسے اس ذمہ داری کے لائق جانا۔

عائشہ قد میں ابھی چھوٹی لگتی تھی مگر کچھ سالوں تک یقیناوہ عاقل جتنی ہونے کو تھی، یہ رشتہ جوان دو کے بیچ آج جڑا تھا۔ ابھی تک کا سب سے انوکھا اور مقدس رشتہ تھا۔ عاقل نے بس سر سری سا عائشہ کو دیکھا تھا جو اپنی مہندی پر بالکل بچوں کی طرح ہنس کر رملا کے گرد گھومتی ہوئی اپنی خوشی منا رہی تھی اور اسے یوں خوش دیکھ کر جہاں اسکے والدین کا سینا ٹھار پا

گیا وہیں فلذہ، سادان، کومل، شاوئز، زینیہ اور کرمان نے اس ننھی پری کی اس ہنسی کے دائمی ہونے کی دل سے دعا کی۔امید نہیں یقین تھا اب ان خوشیوں کو کسی کی نظر نہیں لگنے والی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تمہارے بابا کا سن کر افسوس ہوا" وہ جو اسکے پاس آکر کسی ظالم اجنبی کو" مات دیے بیٹھ رہا تھا، آخر بولنے کو لفظ تراش کر رمشہ کے دل کو مزید دکھی کر گیا جو اسکی موجودگی یوں امید نہیں کر رہی تھی۔

تمہیں افسوس کیوں ہوا، وہ میرے بابا تھے۔وہی بابا جنکو اوپر پہنچانے کی" بہت تمنا تھی تمہیں" وہ بنا اسے دیکھے اسکا دل جلا کر راکھ کر گئی اور اسکے لہجے کی حقارت آج بھی ویسی ٔ تھی۔ تیمور نے اک اکتائی ہوئی نگاہ گردن موڑ کر رمشہ پر ڈالی جو نہ رو کر بھی سخت تکلیف میں تھی۔

"مارنے کی دھمکی دینے اور مارنے میں کافی فرق ہوتا ہے، مجھے واقعی دکھ ہوا۔اللہ انکے درجات بلند کرے" یہ ناقابل یقین سے جملے سن کر رمشہ دم بخود سی مڑ کر تیمور کو دیکھنے لگی جو سامنے کسی غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے ہوئے سنجیدہ تھا۔اسکے چہرے پر اب داڑھی تھی، وہ سیاہ رنگ پہنتا تھا۔ اسکے چہرے پر اب کوئی خماری باقی نہ تھی، رمشہ کا دل چاہا آج تیمور سے خود لپٹ جائے اور کہے کہ اسے کبھی مت چھوڑے پر وہ یہ سب مر کر بھی نہ کر سکتی تھی۔

تیمور نے خود پر رمشہ کی پھٹی نگاہیں محسوس ہونے کے باوجود رخ نہ پھیرا اور خاموشی سے وہ اسکے ساتھ بیٹھا کوئی راز بن چکا تھا۔

"ہاں دکھ کیوں ہے تمہیں، یہی تو تم چاہتے تھے کہ تمہارا ہر کانٹا نکل جائے۔لو جیت گئے تم، اور میں اس قید سے ہی مر جاوں گی" رمشہ کے لہجے میں ان کہا دکھ تیمور نے بھی محسوس کیا مگر وہ اسکے کسی زہر خند لفظ سے انحراف نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ اسی قابل تھا۔

مجھے علم نہیں تھا تم یہاں ہو، میں نے اتنی جلدی آنا ہوتا تو جاتا ہی کیوں۔" میرے کہے لفظ آج بھی ویسے ہی ہیں، بس یہ ہے کہ شکل دیکھادی۔ وہ بھی تم کو آسانی میسر ہے کہ میری شکل مت دیکھو" تیمور کے ہر انداز سے سرد مہری اور بے اعتنائی جھلک رہی تھی اور رمشہ کا دل تھا کہ کٹا جا رہا تھا۔ آج اسے تیمور کی ہر زبردستی بھی قبول تھی پر ستم تو یہ تھا کہ وہ اسکی جانب دیکھنے تک میں محتاط ہو چکا تھا۔

تم کو سزا میں نے دینی ہے پر تم خود کو کیوں دے رہے ہو؟" رمشہ اسکی ہر بات سے بے نیاز اب اسکی سمت دیکھتے ہوئے سختی سے پوچھنے لگی اور اب تیمور نے بھی رخ پھیر کر اک نظر رمشہ کی آنکھوں میں لہراتی سرخی دیکھی۔

تم اتنی نہیں دے سکتی جسکا میں مستحق ہوں، تبھی یہ کام خود کروں گا۔" تمہاری معافی تک، اور میں جانتا ہوں تم مجھے اتنی آسانی سے معاف نہیں کرو گی۔ جلد معاف کرنا تمہیں زیب نہ دے گا" اس وقت تیمور سیدھا

سیدھا رمشہ کی جان لے رہا تھا، یعنی وہ خود ابھی معافی چاہتا ہی نہ تھا اور وہ بھی معاف کر دینے کے باوجود بے بس تھی کہ اسے بتا نہیں سکتی تھی۔ آخر اب عزت کا سوال تھا۔

ہاں۔ نہیں کروں گی معاف۔ تم اس قابل ہو ہی نہیں کہ تم کو ساری" زندگی بھی معافی دی جائے" رمشہ کی انا نے اسے تیمور کے آگے جھکنے سے بری طرح روک ڈالا اور تیمور اسکے آنسو دیکھ چکا تھا تبھی اسکا ماتھا شکنوں سے ابھر گیا۔

ہاں جانتا ہوں، یہ پانچ چھ ماہ کافی تھے مجھے میرے گناہ یاد دلانے کو۔ اور" میں خود پر یہ سزا ساری عمر رکھنے کو بھی راضی ہوں" تیمور کی آواز میں بے رحمی اور آنکھوں میں جلن تھی۔ رمشہ کا دل تھا کہ ڈوبتا جا رہا تھا اور وہ فریاد بھی نہ کر پا رہی تھی۔

تم اگر واپس آنا چاہو آ سکتے ہو، میں کسی ادارے کے پاس چلی جاوں گی۔" میں نہیں چاہتی میرے باعث تم اپنے گھر سے دور رہو۔ وجہ میں ہوں تو

مجھے چلے جانا چاہیے" رمشہ نے گویہ بات دلبرداشتہ ہو کر کہی پر تیمور ہر شے پر راضی ہو سکتا تھا سوائے ایسی بیوقوفانہ سوچ پر تبھی ایک ہی جھٹکے سے اسکی بازو پکڑ کر اسے سخت برہمی سے گھورا اور وہ تو تیمور کے خوفناک چہرے کے تناو پر بوکھلا گئی۔ وہ اسکے اسقدر قریب تھی کہ دونوں ایک دوسرے کی تھکی سانسیں محسوس کر کے بے تاب تھے پر ھائے یہ انا اور ہٹ دھرمی کے ساتھ ضد جس نے ہر حق ہونے کے باوجود حد قائم رکھی۔

اگر تم اب اس حویلی سے ہلی بھی تو بہت برا کروں گا، تم یہیں رہو گی سنا تم" نے" تیمور نے اسے نہ چھونے کا عہد لیا تھا پر رمشہ جس طرح تکلیف سے اسے دیکھ رہی تھی یہ تیمور کے سارے قصد پگھلا رہا تھا۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ آخر وہ اس سے برا اور کیا کر سکتا ہے۔ بس زرا سی جنبیش دونوں کو کسی نئے سفر پر باندھ سکتی تھی، خطاء ہو جاتی تو غضب ہو جاتا تبھی تیمور نے بیچ کا فاصلہ بڑھایا۔

اب صرف تم مجھے موت دے سکتے ہو،اس کے علاوہ سب برا کر چکے
ہو" وہ اسے شدید متذبذب اور برہم ہو کر دیکھ رہا تھا جو اسکے قریب آئے
اسکا امتحان بن رہی تھی۔ رمشہ اسے روکنا چاہتی تھی، پر وہ مسلسل جانے کی
ضد میں تھا۔

"میں تمہاری معافی سے پہلے تمہارے قریب تک نہیں آنا چاہتا لہذا مجھے
کسی وعدہ خلافی پر مجبور مت کرو، موت دینی ہوتی تو اب تک تمہیں کئی بار
دے چکا ہوتا۔ آج بھی میرے پاس سب اختیار ہے اور تم میرے ہی
کمرے میں میرے ساتھ بیٹھی ہو۔ پر مجھے خود پر سے ہر الزام دھونا ہے،
بھلے اس کے لیے مجھے ساری زندگی ہی کیوں نہ انتظار کرنا پڑے۔ مختصر
کہوں تو میں نے ایک بات جان لی ہے، جس طرح محبت کے اندر زندگی
دینے کی طاقت ہوتی ہے ویسے ہی نفرت میں زندگی لینے کی ہمت ہوتی
ہے۔ میں ابھی سے کوئی مردہ وجود ہو چکا ہوں، ہو سکتا ہے تمہیں یہ
ملاقات مجھے معاف کرنے کی تھوڑی ہمت دے سکے" وہ جو اسکی بازو

پکڑے ہنوز برہم تھا، یک لخت اسے چھوڑ کر رخ پھیرے تلخی سے کہتا گیا اور رمشہ ہونق بنی اپنے سارے آنسو اپنے اندر اتارتی رہی۔

تم مت جاو" خود کی سمت رمشہ کی نظر اور یہ بات تیمور کے حواس شل کر گئی۔ وہ ہوش و حواس کھو کر التجاء کر بیٹھی، اسکی آنکھوں سے نمی بہہ کر اسکے گالوں کو دھکا رہی تھی اور وہ اسکی اس التجاء کی توہین کرنے والا تھا۔

تم چاہتی ہو میں تمہارے پاس رہ کر تڑپوں، واہ۔۔۔ تماشا دیکھنا چاہتی ہو۔ نہیں رمشہ بی بی، اپنی تڑپ تو میں خود سے بھی چھپانے والا ہوں۔ میں تم سے صرف معافی طلب کروں گا، یہ حق نہیں دوں گا کے تم مجھے سزائیں دو" بھلے وہ بہت بدل گیا تھا پر اسکی انا آج بھی اسکی گردن میں اکڑا پن بیٹھائے تھی۔ تیمور کی اس بات پر رمشہ خلق تک جل گئی۔ وہ واقعی رمشہ کی التجاء کے رتی برابر لائق نہ تھا۔

معافی، سزا کے بنا کہاں ملتی ہے" رمشہ کا لہجہ سرد مہری سے اٹا اور آنکھیں شاکی تھیں۔

ملے گی تو ایسے ہی، نہیں تو ناں سہی" وہ جل کر خاک ہو رہا تھا پھر بھی غرور میں تھا۔ رمشہ نے اسکے چہرے کی سمت دیکھا پر کچھ نہ کہہ پائی۔

"ٹھیک ہے تم مجھے آزاد کر دو پھر اگر تمہیں معافی ملنے یا نہ ملنے کی پرواہ نہیں، تم اپنی زندگی بسا لینا دوبارہ کوئی اچھی لڑکی مل جائے گی۔ مجھے بخش دو تاکہ میں بھی اپنی مرضی سے جی سکوں، تمہارے نام کا بوجھ مجھے تکلیف دیتا ہے" ایک سیر تھا تو دوسرا سوا سیر، اس بات کی امید تو خود رمشہ کو نہ تھی پر اسے توہین کا بدلہ بھی ایمانداری سے لینا تھا۔ تیمور سخت تلملاتا ہوا اٹھا اور اسی انداز سے اس نے پکڑ کر رمشہ کو اپنے سامنے جکڑے کھڑا کیے عتاب سے گھورا۔ رمشہ کو اس کے یوں بھڑک جانے کی ہی امید تھی، وہ چاہتی تھی وہ غصے میں آکر سارے قصد توڑ دے تاکہ کسی صورت وہ اسے باندھ کر روک لے پر اب وہ ہوس زدہ تیمور تو تھا ہی نہیں۔

"آج یہ کہہ دیا دوبارہ ایسی بکواس کی تو تمہاری جان لے لوں گا، تم صرف چوہدری تیمور حق کی ہو۔ اور میں جب مر گیا تو صرف تبھی تمہیں آزادی

ملے گی۔ میرے نام کا بوجھ تمہارا مقدر ہے، میں اب دوبارہ نہیں آوں گا، بھلے تم معافی دیے بنا مر ہی کیوں نہ جاو۔ میں تمہارے بنا مر نہیں جاوں گا، اسکا ثبوت میں تمہارے سامنے کھڑا ہوں" وہ اپنی پکڑ خونخوار سی کیے رمشہ کو ضد میں اسکے دیے زخم سے دگنا آزار پہنچا رہا تھا اور وہ کرب سے اس متضاد بیان والے وحشی کو دیکھ کر ضبط کے دہانے پر کھڑی تھی جو نہ دور ہو رہا تھا نہ قریب۔ بس تڑپا رہا تھا۔

تم واقعی صرف نفرت کے قابل ہو، بد دماغ اور بے عقل شخص۔ جب" تمہیں میرے ہونے یا نہ ہونے سے فرق نہیں تو یہ محبت نہیں صرف ہوس ہے جسے تم معافی کے نام پر پوری کرنا چاہتے ہو۔ کرو پوری اور چھوڑ دو مجھے، جسم چاہتے ہو ناں۔۔۔۔۔ چلو آج اجازت دیتی ہوں۔ ختم کرو یہ ڈرامہ۔۔۔۔ مجھے مزید اذیت مت دو، جان چھوڑ دو میری" رمشہ کی بازو میں تیمور کی انگلیاں پیوست تھیں اور وہ رمشہ کی بات پر پاگل سا ہو گیا تھا۔ یہ لڑکی اب اس کے ساتھ واقعی ظلم کر رہی تھی۔ رمشہ نے اپنی بازو چھڑوا

کر روتے ہوئے گلے کا دوپٹہ نکال کر بیڈ پر پٹخا اور تیمور اسکے اس پاگل پن پر سکتے میں مبتلا تھا۔ وہ سمجھتی تھی تیمور صرف اسکے وجود کا طلب گار ہے اور یہ بات آج تیمور حق کے دل کو کئی ٹکڑوں میں بانٹ گئی۔ تو گویا وہ آج بھی رتی برابر اعتبار کے قابل نہ ہوا تھا۔

تیمور نے ایک نظر اسکے بیڈ سے سرک کر فرش پر گرتے دوپٹے پر ڈالی اور ایک رمشہ کی سرخ آنکھوں میں جو اسے اپنا آپ پیش کیے سخت کربناک تھی۔

تیمور نے سختی سے جبڑے بھینچ کر ایک نظر اسکا سرتاپا جائزہ لیا اور بیچ کی دوری بالکل ختم کیے عین اسے جکڑتا ہوا اسکی بھیگی متورم آنکھوں میں اپنی شعلہ نگاہیں گاڑے عتاب زدہ ہوا۔

وہ جو آنکھیں سختی سے بند کیے اپنی گردن پر تیمور کی چلتی انگلیوں سے ہی بے جان تھی، اب انکی حرکت وہ اپنے چہرے اور ہونٹوں پر محسوس کیے آنکھیں کھول کر تیمور کا افسوس سے اٹا چہرہ دیکھ کر بے جان تھی۔

یو نو واٹ، انتہائی گھٹیا بنا دیا تم نے مجھے۔ اتنا نجس کے مجھے خود سے گھن آرہی ہے۔ اور تمہارے اس حسن سے خوف۔۔۔۔۔۔ یو ہرٹ می رمشہ، یو ریلی ہرٹ می" تیمور کی آنکھوں میں نمی دیکھ کر رمشہ کا دل بند ہوا اور اس سے پہلے کہ خود رمشہ اسکے اور اپنے بیچ سانسوں کی دوری ختم کرتی، تیمور نے اسے ایک ہی جھٹکے سے خود سے دور کیا۔

تکلیف کے سنگ اسکی بازو چھوڑے جھک کر اسکا دوپٹہ اٹھائے پتھرائے ساکت انداز سے اسکے شانوں کے گرد لپیٹا اور اک تیر سی نگاہ رمشہ کے دردناک چہرے پر ڈالی جو تیمور سے ایسا سب ہرگز امید نہیں کر رہی تھی۔

اور ہاں ہوس ہی سہی، پر ایک بار نہیں اب بار بار پوری کروں گا۔ ہاں یہی" سمجھو تم۔ ایک بار میں ہی تمہاری خلاصی کردوں کیا؟ اب تم مجھے ایسا ہی گھٹیا ترین سمجھو۔ جی بھر کر نفرت کرو، مجھے اس دنیا کا گندا ترین شخص بنا دو مجھے پرواہ نہیں۔ مجھے تم سے محبت نہیں ہے، میری ضرورت پوری کرنے کا سامان ہو بس۔ پر اب تمہیں چیلنج کرتا ہوں کہ جب تک تم تیمور

کے لیے ترس نہ جاو تب تک تیمور تمہاری سمت دیکھے گا بھی نہیں۔یہی ہوس زدہ گھٹیا شخص ایک دن تمہیں اس دنیا میں واحد درکار ہو گا پر نہیں۔۔۔۔۔ تمہیں اپنا سایہ بھی اب نہیں دوں گا۔تم نے مجھے آج رہا سہا مار دیا اور مردہ شخص کا دل کسی جذبے پر نہیں دھڑکتا" تیمور کی سرخ ہوتی آنکھوں میں نمی اور حقارت تھی جب وہ ایک ایک لفظ دلبرداشتہ اور تنفر سے کہہ کر مڑا تو رمشہ نے اسکی بازو پکڑے روکا جس پر وہ مڑے بنا غضبناک ہوا۔

چھوڑو مجھے، تم ہی میرے قابل نہیں۔اب جتنا میں تڑپوں گا اتنا تم تڑپو""

تیمور اسکے رونے سے بے نیاز دھاڑ پڑا اور وہ جو ہاتھ پکڑے ہوئے رو دی تھی اب اسکو دونوں بازو سے جکڑ کر خود تیمور کا دل روک گئی تھی۔

کتنی ہی دیر وہ اسکے گلے لگی زار و قطار روتی رہی اور تیمور سے اتنا نہ ہو سکا اسے چپ کرواتا، وہ تو پتھر بنا اسے زبردستی اپنے وجود اور دل سے دور کر رہا تھا۔

مجھے تم سے نفرت ہے، یہ حق میرے پاس رہنے دو۔ تم مجھ سے نفرت" مت کرنا میں نہیں سہہ سکتی" رمشہ کے یہ لفظ جیسے تیمور کے ہر احساس کو منجمد کر گئے، وہ اسے کہیں دور پٹخ دینا چاہتا تھا۔

وہ جواب چہرہ اسکے چہرے کے روبرو لائے تاسف زدہ تھی، تیمور نے بمشکل خود کو کسی بے لگامی سے روکا۔

اپنا خیال رکھنا، یہ اب وقت آنے پر طے ہو گا کہ نفرت کا پلڑا بھاری ہے یا" محبت کا۔ ہوس طاقتور تھی یا میری تمہیں دی محبت اور عزت۔۔۔۔اس روز زبردستی تم سے چند پر سکون لمحے وصول کرنا ہوس سہی پر آج تم پر ہر حق اور تم تک ہر رسائی ہونے کے باوجود تم تک آنے سے انکار میری محبت اور تمہاری عزت ہے۔ جا رہا ہوں واپس رمشہ، اب معافی کے ساتھ ساتھ یقین، اعتبار، محبت، رضا اور مان دو گی تو ہی تم تک آوں گا۔ نہیں دو گی تو اپنی ساری زندگی خود کو اور تمہیں تڑپاوں گا۔ اللہ حافظ " تیمور اس سے اپنا آپ مکمل چھڑوائے بنا اسے دیکھے اپنا دامن جھٹکتا کمرا کھولے باہر نکل گیا اور وہ

اتنی ساری شرائط کے بڑھ جانے پر وہیں سسکتی ہوئی فرش بوس ہوئی۔ روتے روتے اسکی آنکھیں درد سے بند ہوئیں اور وہاں تیمور بنا کسی کو بتائے سادان کے ڈرائیور کے ساتھ رات ہی واپسی کے لیے روانہ ہو گیا۔ تیمور نے اس کو سادان کو بھی نہ بتانے کا کہا اور پھر سے فرار ہو گیا۔ مگر اب کہ یہ فرار مہینوں پر نہیں سالوں پر محیط ہونے کو تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

" میری جان، تم اب انکو بھائی مت بولنا۔ وہ تمہاری حفاظت بالکل سادان بابا جیسی کریں گے۔ اب تم یہیں رہو گی، یہیں پڑھو گی اور کوئی تمہیں تکلیف نہیں دے گا۔ ٹھیک ہے ناں " رات گہری تھی اور یہ لمحہ جب زینیہ نے اپنے پہلو میں بیٹھی عائشہ کے نازک ہاتھ پکڑے اسکے چہرے پر پیار

دیے کہا اور اسکا مسکرانا فلذہ، سادان، کومل، کرمان اور شاویز کے ساتھ ساتھ خود زینیہ کو اطمئینان دے چکا تھا۔

وہ واقعی بہت سمجھدار تھی، اسکے ساتھ ہوئے اس حادثے نے تو اس سے اسکا بچپن چھیننا چاہا مگر اللہ نے اسکے لیے عاقل جیسا مہربان چن رکھا تھا۔

آج سادان بھی مطمئین تھا، دل تھے کہ بے حد ہلکے ہو چکے تھے۔

کیا وہ بالکل سادان بابا جیسے ہیں" عائشہ نے بھولے پن اور معصومیت سے" سر اٹھا کر سادان کی سمت اشارہ کیے سوال کیا جس پر خود سادان کو عائشہ کی اس معصومیت پر بے حد پیار آیا اور وہ صوفے سے اٹھ کر اب عائشہ کی دوسری سمت بیٹھ کر اسکی ننھی نازک گال دبائے مسکرایا۔

سب ہی یہ منظر دل کو ٹھنڈک دیتا محسوس کر رہے تھے، خاص کر فلذہ جسے اب عائشہ فلذہ مما کہتی تھی۔ زینیہ کو بھی زینیہ مما اور کرمان کو کرمان بابا۔

وہ مجھ سے بھی زیادہ پیارا ہے، تم اسے اپنا بیسٹ فرینڈ بنا لینا۔۔۔ بلکے ابھی" تم دونوں کی دوستی کرواتے ہیں، تا کہ تمہیں پتا چلے کے وہ کتنا اچھا دوست

ہے" سادان نے کہا ہی تھا اور ساتھ ہی پر جوشی اور خوشی ہمکتے انداز میں فون ملائے عاقل کو روم میں بلایا جس پر عائشہ تھوڑی بے چین سی لگی۔ ابھی بھی اس بچی کے ذہن پر مرد کا جو خاکہ تھا اس سے وہ کانپ اٹھتی تھی۔ یقیناً جب وہ بڑی ہو کر ان سب حالات کو اچھے سے پرکھے گی تو اسکے ذہن سے ہر بری چیز مٹ کر اک الگ معیار بنانے کو تھی۔

عاقل جو سونے ہی والا تھا، سادان کی کال پر اپنی نیند پرے کرتا اٹھ کر فرمابرداری سے زینیہ اور کرمان کے روم تک پہنچا مگر اندر اتنے سارے افراد کا اور خاص کر عائشہ کا ہونا اسے ٹھٹکا چکا تھا۔

عاقل کے چہرے پر انتہا کی سنجیدگی تھی، گرے سوٹ میں وہ نیند کی ہلکی سی خماری میں لپٹا دیکھائی دے رہا تھا مگر اب اسکی نیند اڑ چکی تھی اور سادان اسکے آتے ہی رشک سے اپنی جگہ سے اٹھ کر عاقل تک پہنچا اور مسکرا کر اسے کندھے سے لگائے عائشہ کے ساتھ بٹھائے مسکرایا۔ سادان کے یوں عائشہ کے ساتھ بٹھا کر ایسا کرنے پر بچارا لاکھ پراعتمادی کے تھوڑا کنفوز سا

لگا مگر عائشہ کا اپنی سمت مطمئین ہو کر دیکھنا اسے حیران کر چکا تھا۔ باقی سب بھی اب خوشگوار سی مسکان سے دونوں کو ساتھ بیٹھا دیکھ رہے تھے۔ سادان نے کرسی گھسیٹ کر عین عائشہ کے سامنے کی۔ زینیہ بھی پیارا سا مسکا کر ایک نظر سامنے براجمان کرمان پر ڈالے پھر سے سادان، عائشہ اور عاقل کی سمت متوجہ ہوئی۔ فلذہ، کومل اور شاویز بھی سامنے ہی براجمان ہو کر اس خوبصورت سی دوستی کے آغاز کے لیے اتاولے لگ رہے تھے۔

"بھئی عاقل میاں، ہماری چھوٹی سی پرنسس سے دوستی کر لو۔ تاکہ یہ تم سے ابھی بھی جو ڈر رہی ہے وہ ختم ہو جائے" سادان نے عاقل کی سنجیدہ صورت دیکھ کر جان بوجھ کر ہلکے پھلکے انداز میں اپنی خواہش کہی جس پر عائشہ چپ چاپ کبھی سادان کو دیکھتی کبھی مڑ کر ساتھ بیٹھے عاقل کو جو اب زرا بوکھلائے انداز میں سادان کو دیکھ کر یوں تاثر دے رہا تھا جیسے اسے یہ سب مشکل لگ رہا ہو۔

کر لیتا ہوں، ویسے بھی مجھے یاد آیا میرے تو دوست ہیں ہی نہیں" عاقل بھی اب سادان کی دی ہمت پر تھوڑا مڑ کر اپنا ہاتھ پھیلا گیا اور عائشہ کتنی ہی دیر تذبذب میں ڈوبی رہی جس پر خود زینیہ نے اسکا نازک سا ہاتھ پکڑ کر عاقل کے ہاتھ میں دھرا جس کو عاقل اپنے ہاتھ میں لیے ہلکا سا دبا وڈالے زبردستی ُسا ہی سہی پر مسکرا دیا۔ اسے خود یہ سب قبول کرنا ابھی کٹھن تھا مگر عائشہ اتنی معصوم اور پیاری تھی کہ عاقل کی ساری جھجھک تب پل بھر میں ختم ہوئی جب عائشہ اپنی میٹھی سی مسکان دے کر ان سب نفوس کے چہروں پر گل و گلزار کھلا گئی۔

یہ احساس عاقل کو بہت خوبصورت لگا، وہ عائشہ کی سچویشن سمجھتا تھا۔ تب بھی اس نے سائیں کے ایک حکم پر اپنی زندگی تک دے دی، اور ممکن تھا کل یہی عائشہ عاقل کی زندگی بن جاتی۔

سب اس دوستی کے آغاز پر پر سکون تھے، شاید خود عائشہ اور عاقل بھی جو یک لخت قسمت کے پلٹے میں پیوست ہوئے آن جڑے تھے۔

اب عاقل تم نے ہماری پرنسس کو دوست بن کر دیکھانا ہے، اسے اپنے "
روم میں اپنے ساتھ رکھو اسکا خیال بھی رکھنا اور اسے ہنسانا بھی۔ اور آپ
بھی اپنے اس بڑے سے بیسٹ فرینڈ سے بالکل مت ڈرنا۔ یہ آپکو کچھ نہیں
کہے گا اور آپکے پاس کسی تکلیف کو آنے نہیں دے گا" ساداان نے اب پیار
لٹاتے انداز میں عائشہ کی گال سہلائی اور وہ پوری فرمابرداری سے سر ہلائے
ابھی بھی عاقل کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھی اور یہ ان سب کو ایک بار پھر
حسین مسکان دے گیا۔

وہ سب بھی باری باری مسکرا کر پھر اپنے کمروں کی سمت روانہ ہوئے اور
زینیہ نے عائشہ کو بھی عاقل کے ساتھ اسکے روم میں بجھوا دیا۔ ساداان، فلذہ
اور کومل، شاویز بھی اپنے اپنے کمروں کی سمت روانہ ہوگئے جبکہ اب زرا
کرمان مسکرا کر دروازہ بند کیے اپنی حسین سی وائف کی سمت لپکے جو آج
بے حد پر سکون ہو کر کرمان کے پاس آتے ہی انکی گردن میں باہیں ڈالے

مسکرا دی، شوہر صاحب نے بھی محترمہ کے گرد گرفت حائل کیے تبسم سے نوازا۔

"فائنلی سب بہت خوبصورت ہو گیا ہے، کیا خیال ہے اب ہم بھی تھوڑے خوبصورت ہو جائیں" زینیہ کے گرد کرمان کی باہیں اور چہرے کی بے خود سے ذو معنی ترنگ بھانپ کر وہ شریر سا ہنسی تھی۔

"""ہم آل ریڈی بہت پیارے ہیں، مزید ہوئے تو نظر لگ جائے گی جناب زینیہ تو پکڑ میں آنے سے مکمل انکاری تھی اور پیارے سے کرمان معصوم منہ بنائے اسکو جکڑ کر خود میں حلول کر گئے۔

"""سب اپنی زندگی اور فیملی میں پر سکون ہیں زینیہ، ہمیں بھی سوچنا چاہیے کرمان کی یہ بات زینیہ کا دل دھڑکا گئی تھی تبھی وہ بیقراری سے سامنے ہوئے کرمان کی سنجیدگی کا اندازہ لگانے لگی۔ دو ویک پہلے ہی زینیہ کی رپورٹ پازیٹو آئی تھی اور ابھی تک اس نے یہ خوشخبری کرمان کو نہیں سنائی تھی۔

ھاھا اس عمر میں بابا بنتے ہوئے آپکو شمو نہیں آئے گی، مجھے تو بہت آئے" گی" وہ کرمان کی دونوں گالیں دبائے بے حد پر لطف اور نازک بات کہہ گئی جس پر کرمان نے بھی ہنسی دبائی۔

نہیں یار ساری عمر شرم میں گزار دی اب نہیں آئے گی، مجھے تم سے یہ" سکھ چاہیے اور یہ میرا حق ہے" کرمان کی چاہ بالکل بے جا نہ تھی اور زینیہ تو سرخ سی ہو کر کرمان کی آنکھوں میں شدت محسوس کیے گھبرا رہی تھی۔

جیسی آپکی خوشی، آپ سے یہ حق نہیں چھین سکتی تھی۔ کیونکہ آپکے سکھ" کا احترام کرنا آپکی بیوی پر فرض ہے، آپ ایک بار پھر بابا بننے والے ہیں" زینیہ کے یہ الفاظ کرمان کے دل میں سکون، خوشی اور اک نیا احساس بھر گئے اور وہ خود کرمان سے اپنی رہی سہی دوری ختم کیے کرمان کی اس عمر میں ایسی والہانہ خوشی پر کھلکھلا اٹھی۔ خوشی اور سکھ کی ترجمانی کو وہ پھر سے کرمان کی باہوں میں حلول کر دی گئی اور اب کی بار شدت صاف صاف

تنبیہ کر رہی تھی کہ محترم آج میدان مار چکے ہیں۔ دونوں کے چہرے ایک دوسرے کی قربت میں آسودہ ہو چکے تھے۔

کب پتا چلا، اور تم ٹھیک ہو ناں "بیقراری سے وہ اسے ہنوز سینے سے " لگائے فکر مندی سے بولے جس پر زینیہ نے گلال سی حیا میں لپٹے الگ ہو کر سر کو جنبش دی۔

تھوڑے دن پہلے، میں نے سوچا تھا جا کر فیس ٹو فیس آپکو یہ نیوز دوں گی۔ " اور میں بالکل ٹھیک ہوں، بلکے ابھی تو محسوس ہوا ہے کہ زینیہ زندہ ہے " زینیہ کی آنکھوں میں خوشی کا اک ٹھنڈا پر سکون سایہ تھا جس نے کرمان کو بھی حیات نو سونپی۔

بہت خوش ہوں، تھینک یو زینیہ مجھے میری زندگی کا یہ حق دینے کے " لیے "کرمان یہ کہہ کر پھر سے زینیہ کو خود میں سمو گئے اور وہ بھی اس گرفت میں جی اٹھی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آپ آرام کریں اب، تھک گئے ہیں۔آجائیں، یہ بتائیں کھانا کیسا لگا""

عالیہ کی تو صورت آج تبریز کا سکون تھی۔آج پہلی بار اسے سب کے ساتھ کھانا کھانے کا اس قدر لطف آیا تھا کہ ان چھ مہینوں کی ہر تھکن نے جیسے الوداع کیا۔

عالیہ اسکا ہاتھ پکڑے بہت پیار سے کمرے میں لائے دروازہ بند کرتی اب اسے بیڈ پر بیٹھائے ساتھ ہی تکیہ اٹھا کر رکھتی نیم دراز کرائے ساتھ اپنی محنت کا بھی پوچھنے لگی اور وہ اس سب میں اک ان کہی سی سرشاری میں مبتلا بس عالیہ کو دیکھ رہا تھا۔

چہرے پر اگی داڑھی تبریز نے پہلے کی طرح مدھم کرلی تھی اور سفید سوٹ میں اسکا سراپا بھی پہلی سی جاذبیت میں مبتلا ہوا۔

بہت اچھا" تبریز نے وارفتگی سے عالیہ کو دیکھتے ہوئے اسکا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بیٹھائے عالیہ کا رخ اپنی سمت کرتے ہوئے اسکی کمر کے گرد گرفت حائل کی اور وہ آج بالکل بھی گھبرائی ہوئی نہ تھی بلکے تبریز کی قربت اسے بھی درکار تھی۔

مجھے معاف تو کر دیا ہے ناں؟" تبریز نے تاسف سے سوالیہ ہوئے پوچھا" جس پر عالیہ نے ایک لمحے کو نگاہیں جھکا کر تبریز کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں بھرے اسکی آنکھوں میں جھانکا جہاں ابھی بھی سخت تکلیف لہرا رہی تھی۔

جی، کر دیا ہے۔اب پچھلا کچھ نہ خود سوچیں نہ مجھے یاد دلائیں۔وہ حادثہ ہی آپکی ہدایت تھی تبریز، ورنہ میں آپکو آج دوبارہ کبھی نہ دیکھ پاتی۔ہماری اولاد بھلے اس دنیا میں نہیں آسکی پر وہ ہم دونوں کا اس جہاں میں بھی حصہ رہے گی۔اسی میں شاید بھتری تھی، آپ اس پچھتاوے سے نکل آئیں" عالیہ جانتی تھی وہ یہ درد تو کبھی بھول نہیں پائے گا تبھی اک تلخ رنگ تبریز کے تنے چہرے پر اندھیرا پھیلا گیا۔

واقعی اس حادثے نے مجھے آسمان سے زمین پر پٹخ دیا تھا، اتنی تکلیف، اتنا" درد پہلی بار سینے میں اٹھا تھا۔ پر وعدہ کرتا ہوں اب تجھے خود سے زیادہ سنبھال کر رکھوں گا، خدا کی نعمت ہے یہ عورت جسے میں نے درندگی کا نشانہ بنایا" رہ رہ کر سب پرانا یاد آ کر، تبریز کی تکلیف بڑھا رہا تھا اور وہ اب یہ سب بالکل سوچنا نہیں چاہتی تھی تبھی تبریز کی گال پر ہاتھ سہلائے اداس سا مسکرا دی۔

بس کر دیں، سب بھول جائیں۔ اگر آپ سونا چاہیں تو میں "
لائیٹ۔۔۔۔۔" عالیہ اجلت میں کہتی ہوئی اٹھی ہی تھی کہ تبریز نے اسے پھر سے بازو سے پکڑے اب خود پر گرایا اور ساتھ ہی وہ نیم دراز ہوتے شدید سنجیدہ ہوا۔

میری ساری تھکن، ساری نیند اس وقت مجھے چھوڑ چکی ہے۔ مجھے بس "
عالیہ چاہیے" عالیہ کے بالوں کی لٹیں تبریز کے چہرے کو چوم رہی تھیں اور

وہ خود پر تبریز کی ایسی بے خود نگاہ سے آج وہشت نہئں بلکے سکون پا رہی تھی۔

عالیہ آپ کے پاس ہے، ہمیشہ رہے گی" وہ خود مسکراتی ہوئی تبریز کی" پیشانی پر ہاتھ پھیر کر بال ہٹاتی اپنی ہونٹ رکھے اس کو بھی پر سکون کر رہی تھئ، تبریز کسی غیر محسوس طلسم میں جکڑ چکا تھا۔

تُو مجھ جیسے انسان کی مستحق نہ تھی، پر یقیناً میں اس معاملے میں خوش" قسمت ترین تھا۔ تمام تر بد سلوکی کے بھی تو مجھے خالی نہیں لوٹا رہی حالانکہ تجھے مجھ سے بدلا لینا چاہیے" تبریز کے غم سے چور انداز میں کیے اس انکشاف پر عالیہ مسکرا کر اسکے سینے میں سمٹ گئ۔اور وہ اپنی دونوں بازو اسکے گرد باندھے آنکھیں موندھ گیا۔

لوں گی ناں، آپ کو تھوڑا بہت تنگ کر کے۔ لیکن آج عالیہ نے سپیشل" ڈسکاونٹ دے رکھا۔تاکہ آپ مجھے پھر سے اپنا بنا لیں" عالیہ کی دلکش سی اس بات پر ہلکی سی مسکان تبریز کے ہونٹوں پر آئی جسے اس نے خود سے لپٹی

عالیہ کو روبرو کیے معدوم کیا اور بے قراری سے اسکے چہرے کے ہر نقش کو چھونے لگا۔ عالیہ بھی دل سے اس محبت کے نئے میٹھے انداز پر دل و جان سے فریفتہ ہوئی۔

بنانا چاہتا ہوں، اپنی ہر زیادتی کے باوجود بھی" وہ آج اس مقام پر تھا کہ " عالیہ سے اجازت طلب کر رہا تھا، عالیہ نے کتنی ہی دیر بے یقینی کی نمی آنکھوں میں سموئے اس شخص کو دیکھا جو اسکے لیے امیر سے فقیر ہو گیا تھا۔ مجھے قبول ہے، میرے عشق میں جوگی بنا یہ دیوانا" آج وہ رتی برابر اداسی " نہیں چاہتی تھی تبھی شرارت سے ہنس دی اور تبریز کی تشنگی کو بھی پر لگ گئے۔

بس پھر آج دور مت جانا" واہ جوگی صاحب نے قافیہ ملا کر نہ صرف خود " جی جان سے مسکراہٹ دی بلکے عالیہ کو بھی سچی خوشی میں جکڑ کر فاتح ٹھہرا۔ اسکی شدت اسکے اندر کی محبت کی خوب ترجمانی کر رہی تھی اور وہ بھی آج پہلی بار ہی جانور سے انسان بنا دیکھائی دیا تھا۔

وہ اسکے چہرے پر جا بجا اپنی ہونٹوں سے نرم چھاوں تحریر کر رہا تھا، عالیہ بے جان ہو کر اپنا سب اختیار اس شخص کو سونپ رہی تھی جواب اس سے جدائی کا ہلکا بھی مستحق نہ تھا۔

محبت نے یہاں تو تکمیل کا رنگ اوڑھ لیا تھا اور یقیناً اب یہاں کی ہر تکلیف بھی ختم ہونے کا انتظام ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ابھی سے وہ عاقل کے کمرے میں آگئی تھی یہ نا صرف خود عائشہ کے خوف کا باعث تھا بلکے عاقل بھی ابھی شدید بوکھلایا ہوا تھا۔

عاقل اور مالو اس حویلی کے ملازم نہیں بلکے انہی کی طرح حویلی کا حصہ تھے۔ عاقل کا روم بھلے اتنا بڑا نہیں تھا پر کسی طور پے کسی بھی ستائش میں کمی کا موجب نہ تھا۔ عاقل اسے بیڈ پر بٹھائے خود بھی تھوڑا فاصلہ بنا کر

بیٹھتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہا تھا جواب یوں عاقل کی توجہ دینے پر تھوڑی بہتر تھی۔ بہت پیاری تھی وہ، اور یقینا یہ لڑکی بڑی ہو کر ضرور آفت بننے کو تھی۔ عاقل نے آج جو عہد لیا تھا وہ اسے اپنی آخری سانس تک نبھانے کا فیصلہ لیے خود بھی اب اسکے ساتھ ہی بیٹھا کسی گہری سوچ میں تھا جواب چپ چاپ سی اسے دیکھ رہی تھی جو خود اسے گندے لوگوں جیسا نہیں بلکے سادان کی طرح کے لوگوں جیسا اچھا لگا تھا۔

تم یہاں اکیلے ڈرو گی تو نہیں، میں یہیں ہوں وہاں صوفے پر" عاقل نے بھانپ لیا تھا کہ وہ تھوڑی پریشان سی دیکھائی دے رہی ہے مگر عاقل کی اس بات نے یوں لگا اسے تسلی دی تھی۔ وہ اس سے خاصا فاصلہ بنائے مڑ کر بیٹھا تھا اور وہ عام بچوں جیسی نہیں تھی۔ اسکی خاموشی اور اسکا پراسرار ہونا اسے سمجھدار پیش کر رہا تھا۔ اتنی سی عمر میں اس نے اپنی ہمت اور برداشت سے کہیں بڑھ کر وحشت سہی تھی اور عاقل کو عائشہ کے دل و دماغ سے رہے سہے ہر ڈر کو بھی اب ہٹانا تھا۔

عاقل کے سوال پر وہ سر کو بچگانہ سی جنبش دیے مطمئین لگی اور خود عائشہ کا اسکے ساتھ یوں بنا ڈرے بیٹھنا خود عاقل کو بوکھلاہٹ بھی کم کر گیا۔

وہ جو خود ابھی نازک سا لڑکا تھا، جس کے دل میں ابھی عورت تو کیا اسکا خیال تک نہیں جاگا تھا مگر اب ان فیوچر یہی عائشہ اسکا سب تھی۔

آپ مجھے ماریں گے تو نہیں، میں ورنہ ادھر سے بھاگ جاوں گی اور دوستی" بھی توڑ دوں گی "یک لخت ان ننھی آنکھوں میں نجانے کس خوف کے تحت نمی اتری اور عاقل تو اسکی اس بات پر ساکن رہ گیا۔ بھلا وہ اس پری جیسی نازک کو تو چھونے تک میں احتیاط برت رہا تھا پر وہ بھی نہ جانے کس دکھ سے یہ کہہ بیٹھی۔

نہیں عائشہ، میں تمہیں کیوں ماروں گا بھلا۔ تم ایسا سب بالکل مت سوچو،" تمہیں مجھ سے اور کسی سے بھی ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو ہماری دوستی ہوئی ہے، اور دوست تو صرف مسکراہٹ دیتے ہیں" عاقل اس سے اسی کی طرح لاڈ اور رسانیت سے مخاطب تھا اور عاقل

کی اس بات کی دیر تھی کہ وہ نازک کلی بھیگی آنکھوں سے مسکرادی، اسے عاقل اچھا لگا تھا۔ اپنا چھوٹا سا ہاتھ وہ عاقل کی طرف بڑھائے وعدہ چاہتی تھی اور وہ بھی اسکی اس پر اعتماد سی معصوم حرکت پر مدھم سا مسکرا کر اس سے ہینڈ شیک کر گیا۔

پکا پرامس" عائشہ کی آنکھیں مان سے لبریز ہو کر سوالیہ تھیں اور عاقل کو" وہ یوں مسکراتی ہوئی بہت بھلی لگی۔

ہاں پرامس، پکا پرامس" عاقل نے آہستگی اور نرمی سے اسے مسکان دی" مگر وہ شاید واقعی بہت الگ اور خاص تھی۔ عاقل کی نظر اسکی بازو پر لگے گہرے نشان پر گئی جو اسکے جسم کے باقی ہر نشان سے زیادہ گہرا اور نشان چھوڑ جانے والے زخم کا تھا۔

آپ بہت اچھے فرینڈ ہو، زینیہ مما کہتی ہیں میں آپکو بھائی نہ بولوں تو کیا" بولا کروں؟" عائشہ کے سوال نے عاقل کو تلخ خیالات سے باہر نکالا اور وہ

شدت سے منتظر تھی کہ وہ اسکا جواب دے۔ عاقل اب سوچ میں تھا کہ آخر اسکا اب کیا جواب دے۔

تم مجھے میرے نام سے پکار سکتی ہو، جو تمہارا دل چاہے" عاقل کی اس غائب دماغی پر وہ پری پھر سے مسکرا دی۔

آپ اتنے سارے بڑے ہو نام تو لینا گندی بات ہے ناں، میں آپکو انکل کہہ لوں؟" عائشہ کی اس سادگی پر عاقل بھی ہنس پڑا۔ اور وہ بھی اب پہلے سے زیادہ کمفرٹیبل تھی۔

"ھاھا نہیں نہیں، یہ بھائی انکل کچھ نہیں کہنا۔ مجھے سوچنے دو، یہ ایک مشکل سوال ہے" عاقل نے کندھے اچکا کر بڑی ہی مشکل میں ڈوبے سانس بھری اور وہ بھی اپنی ننھی سوچ پر زور دیے سوچنے میں لگی تھی۔

"اچھا میں آپکو پرنس فیلیپ کہہ لوں، وہ آپ جیسا لگتا ہے۔ وہ میرے فیورٹ کارٹون موویکا کریکٹر ہے" اب عاقل کے تو گمان میں بھی نہ تھا

کہ یہ فیلپ کونسی بلا ہے، پر وہ عائشہ کے انداز پر مسکرا رہا تھا جو بڑے مزے سے اسکے نام سونپ کر اطمینان چاہ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے تم جو کہو گڈ ہے، خوش" عاقل نے اس ننھی پری کو واقعی مسکراتے اور خوشی میں لپٹتے پایا جواب کہیں کہیں نیند سے بھی نڈھال تھی۔ سر ہلائے وہ اور پیاری لگی۔

"اب تم سو جاو" عاقل یہ کہتے ہوئے مسکرا کر اسکے پاس سے اٹھا اور اسکے اٹھتے ہی عائشہ اب لیٹ کر بھی اسے ہی اپنی پیاری سی آنکھوں سے دیکھ کر مسکرا رہی تھی جس پر عاقل نے باریک سا بلنکٹ اس پر اوڑھا دیا۔

عائشہ سارا دن کود کر اب خود تھک گئی تھی تبھی فورا سے کروٹ بدلے آنکھیں بند کر گئی اور عاقل اب سنجیدگی سے بیڈ سے دوسرا تکیہ اٹھائے صوفے پر جا بیٹھا اور بیٹھتے ہی لیٹ گیا۔

اسکے چہرے پر اس وقت پریشانی تھی، وہ عائشہ کے کیے مارنے والے سوال سے بہت ہل چکا تھا۔ یہ چھوٹی، نازک سی عائشہ ابھی تو عاقل کو اک امتحان

اور ذمہ داری لگ رہی تھی مگر جلد یہی عائشہ اسکی سب سے بڑی خوشی بن جانے والی تھی۔ وہ کب سوچتا سوچتا نیند میں گیا اسے خبر نہ ہوئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کیا مطلب، کب گیا وہ۔۔۔ یا اللہ یہ لڑکا بھی ناں۔ کتنی مشکل سے اسے لانے پر راضی کیا تھا" صبح ناشتے پر تیمور کے رات ورات غائب ہونے پر سادان نے گویا دل تھام لیا مگر اپنے کمرے کے دروازے سے لگی رمشہ کی آنکھیں تھیں کہ اس انکشاف پر نم ہو گئیں۔

آج گاؤں میں جشن تھا اور اس اتنے بڑے موقعے پر تیمور کا پھر سے غائب ہونا ہر فرد کو بجھا گیا تھا۔

"وہ تو رات کو ہی چلے گئے تھے سائیں، نا جانے کیا ہوا" مالو نے رسانیت سے کہا اور اب یہ آخری کوشش تھی اور سادان کو زرا اندازہ نہ تھا کہ تیمور اپنی بات کا اتنا پکا ہو گا۔

گاوں کا جشن اپنی پوری آب وتاب سے منعقد ہوا، اور یہ گاوں کی بادشاہت پر ساداں کے براجمان ہونے کا نگارہ تھا جس کی آواز پر آج ہر گاوں کا فرد لبیک بولنے پر رضامند تھے۔

تمام پنچائتیوں نے ساداں کو اپنے ہاتھوں سے پگڑی پہنائی اور امام صاحب نے بادشاہ وقت کو بھر بھر کر دعائیں سونپیں۔ ہوسپٹل کا مرکزی حصہ اور اسکے تمام انتظامات مکمل ہو گئے تھے اور پھر پورے گاوں نے ڈھیر ساری دعاوں کے بیچ ہسپتال کر افتتاح کیا۔ گاوں کی تاریخ بدل گئی تھی۔

افتتاح کی دعائیہ تقریب کے بعد ہر طرف ڈھول بجنا شروع ہوئے اور سب نے ساداں کو پھولوں کے ہار پہنائے۔ ہر کوئی بادشاہ وقت کو رشک سے دیکھ رہا تھا۔

باپ اپنے بیٹوں کو ترغیب دے رہے تھے کہ بیٹا تم ساداں سائیں جیسا مرد بننا، مائیں اپنی بیٹیوں کو فلذہ جیسے نصیب کی دعائیں دے رہی تھیں۔

آج فلذہ چوہدرائن کے روپ میں اپنی عمر سے کئی درجے بڑی اور متعبر ہو چکی تھی، سرخ اور نیلے حسین سوٹ میں سر پر دوپٹہ اور کندھے پر چادر اوڑھے وہ ملکہ کے خطاب سے نوازی گئی۔ ہر طرف رونقیں تھیں، خوشیاں تھیں۔ جگہ جگہ لگے لذیز کھانوں کے اسٹال، بچوں کے لیے فرحت بخشتے جھولے، رنگ و آسائش کی فراوانی اور سب سے بڑھ کر ہر فرد کو ملتی علاقائی آزادی۔ اب کسی ظلم و ستم پر بنا تحقیق فیصلہ کرنے کے بجائے بادشاہ اس مجرم کو سزا سنانے کا عہد لے چکا تھا۔ علی اور اسکے خاندان کو سزا کے بعد گاوں بدر کرنے کا حکم بھی آچکا تھا۔ کرپٹ پنچائتیوں نے سادان سے معافی مانگ لی اور سادان نے انصاف کے اصولوں سے مزین شرائط تھمائے انکو عہدوں سے ہٹا کر اپنے جیسے جن ایماندار ساتھی چنے جن میں ڈاکٹر کبیر، گاوں کا ایک استاد رضوان نامی آدمی، چند گاوں کے معززین جن پر سادان کو یقین تھا اور خاص رتبہ امام معروف سلطانی کے سپرد کر کے سب سے دل موہ لیے۔ اسے اپنی بادشاہت میں امام صاحب کی ہداہت اور

نصیحت بہت درکار تھی اور انہوں نے بھی اپنی بقیہ زندگی سادان کی مزید رہنمائی کے لیے وقف کردی۔ گاوں میں آج کے روز ہی ایک اور بڑے سکول کا اور ایک تربیتی درس گاہ کا بھی افتتاح کیا گیا جو کم سن بچوں کو نا صرف قرآنی تعلیم دینے والا تھا بلکے وہ انکو اچھے اور برے کی تمیز اور نیکی اور برائی کا اصل ادراک کروانے کو تھا۔

آج کے دن ہی سادان فتح یاب ہوا تھا، اسکی ہر کوشش رنگ لے آئی تھی۔

آج اس گاوں کا ہر فرد اسکی ہمت، لگن اور جذبے کا اسیر تھا۔ گاوں کی رونقیں اب ممکن تھا یونہی بحال رہنے کو تھیں۔

حویلی میں رملا اور بشیر کا باقاعدہ ولیمہ طے پایا گیا اور وہ پوری شان سے بشیر کے گھر لوٹائی گئی۔

سجی سنوری حویلی کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ اور دل خوشی سے سرمست ہو رہے تھے۔ رونق تو ایک طرف مگر ہر چہرے پر لکھی بہار کے تو کیا ہی کہنے۔

شہزادہ اور شہزادی جنکی اب نظر اتارنا ہر آنکھ اپنا فرض سمجھ رہی تھی، سفید کف دار سوٹ پر سیاہ شملہ جسے سادان اتار کر ہی کمفرٹیبل تھا، پہلو بھی اسکا سکون، اسکی امان اور اسکی جان جیسی شریک حیات جو اس مست کو دنیا کا فاتح بنانے کا سبب تھی۔ دونوں ایک دوسرے کا عکس تھے۔

اور پھر وہ جو ازل سے ایک دوسرے کے لیے بنے تھے اور عشق کے پیر کہلاتے تھے۔ کومل اور شاویز، ایک دوسرے کا آئینہ، عشق اور سرفرازی کا چشمہ لگتے تھے۔ مرد حضرات سفید میں ہی دمک رہے تھے جب کے خواتین سروں کو ڈھانپے ملکائیں بنی اترا رہی تھیں۔ تیسرا وہ جوڑا جنکو زندگی کا ہر دکھ تو ملا ہی پر سکھ بھی سب سے نایاب ملا۔ محبت میں امر ہوئے تو ہر بوسیدگی نے کرمان اور زینیہ کے وجود سے فرار کر لیا۔ ہنستے مسکراتے ہوئے وہ اس فیملی کا سب سے دلفریب اور سئنیر کپل سب کا ہی من پسند تھا۔

پھر وہ مجرم جس نے اپنی سزا کاٹ کر اپنی جزا پائی، عالیہ جیسی محرم کی صورت۔ دونوں آج مکمل لگے، ایک دوسرے کو کامل کرتے دو ہنس

ملکھ۔۔۔سب کے بیچ بھاگ دوڑ کر کے سب کا خیال رکھتا وہ الڑ سا حسین عاقل جس کا نصیب اک نازک پری سے جڑ گیا پر اللہ نے بھی کس خوبصورتی سے عائشہ کا دل مطمئین کیا۔سب کے بیچ بھی خود کو تنہا محسوس کرتی رمشہ تھی تو پریوں کے دیس کی آپسراہ مگر ابھی ادھوری جسکی داستان پوری ہونے کو کچھ سال درکار تھے۔اسکا محرم اک مفروور تھا۔دیکھنا یہ تھا کہ اس مفروور کا فرار کب ٹوٹنے کو تھا۔وہ جو شرط رکھ گیا تھا اس پر پورا اترنے کو خود رمشہ یہ سال چاہتی تھی۔

رملا اور بشیر بھی مکمل ہو گئے، منظور حسین بھی خوش تھے کہ انکی لخت جگر آخر کار سکون پا گئی ہے۔صغری اور بشیر کی بھی ہر تکلیف اس حویلی کے دیے مان سے مٹ گئی۔زلفی بھی مہک کو انصاف دلائے رحمان کے سنگ پر سکون تھا اور اپنی زندگی وہ بس اب سادان کے ساتھ وفاداری میں گزارنا چاہتا تھا۔اس کے لیے مہک ہی اول تھی اور وہی آخر، زلفی کے لیے بھی

اب سادان کے دل میں بہت اونچا مقام تھا کیونکہ وہ یہ سچائی بھی آج جان گیا کہ اس روز راجو کو مارنے اور فلذہ کو بچانے والا زلفی تھا۔

اب سادان کے پاس صرف وفادار تھے، بلقیس جو اسے بڑی بہنوں کی طرح عزیز تھی۔ تبھی تور ملا کی شادی دھوم دھام سے کروا کے اس نے بلقیس کے ساتھ کا خراج پیش کیا تھا۔

سادان حقیقی معنوں میں پر سکون تھا، اور اب بس انتظار تھا تو آٹھ سال بعد باباسائیں کی واپسی کا، کئی ادھورے قصے تھے جو ابھی تکمیل کے منتظر تھے۔ عائشہ اور عاقل کی کہانی، رمشہ اور تیمور کا قصہ اور بادشاہت کی عمر درازی۔۔۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تو فائنلی آج آفیشلی تم میری ملکہ بن گئی ہو فلذہ، کیسا لگ رہا میری پیاری سی شہزادی کو" چاند اپنے جوبن پر تھا اور رات کے اس پل بھی حویلی روشنی میں نہائی ہوئی تھی۔ وہ بالکونی میں کھڑی سانس بھر کر خارج کرتی ہوئی جھینپ گئی جب ساداں کی خوشبو اور اسکے وجود نے اسے اپنے حصار میں پوری قوت سے لیا۔ وہ اسکے بندھے جوڑے سے چہرہ لگائے اب اسکی گال سے گال ملائے ملائم سی آواز میں بولا اور وہ شوخ کرن بنی رخ پھیرے ساداں کو رشک سے دیکھنے لگی جو اسکا اس دنیا میں سب سے زیادہ تھا۔ حسین ترین، دلفریب اور نا جانے کیا کیا۔ آپ نے مجھ ناچیز کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ آپ واقعی میری کسی نیکی کا صلہ ہیں، ساری عمر بھی آپکی خوشی بڑھاتی رہوں تب بھی لگے گا کمی رہ گئی۔ مجھے آپ سے بے حد محبت ہے، اس دنیا کا سب سے کھرا، سچا، وفادار اور پاکیزہ مرد مجھے حاصل ہے" وہ رخ پھیرے اسکے سینے پر سر ٹکا کر اسکو یونہی دیکھتی ہوئی بولتی گئی اور وہ اسے یونہی جکڑے اسکی گال اور پیشانی چومتا ہوا شانوں سے پکڑ کر اپنے

مقابل لایا اور اسکا چہرہ کتنی ہی دیر اپنے ہاتھوں میں بھرے اپنی خوشی کو دیکھتا گیا جو اس سے کئی درجے پاکیزہ تھی۔

"اس دنیا کی سب سے سچی، وفادار، کھری اور پاکیزہ عورت بھی تو مجھے حاصل ہے۔ میری جان سے بھی زیادہ انمول ہو تم، نجانے میرا کون کون سا سکھ ہے جو صرف تم سے جڑا ہے۔ تمہارے دل سے میں نے اپنا دل ملایا ہے، تمہیں اپنا بنا کر اپنی زندگی کا بہترین لطف پایا ہے۔ میں اپنی عمر کے آخری لمحے تک تمہارا دیوانا رہوں گا، تم پر کتاب لکھوں گا۔ دنیا کو بتاؤں گا کہ عورت کی تعریف صرف فلذہ پر کھری اترتی ہے۔ تم میرا سرمایہ ہو فلذہ، میری جیت، میری فتح۔ میرا سب کچھ" سادان اسے نرمی سے اپنی باہوں میں بھرے اسکی آسودہ ہنسی کو تقدس سے چومتے مسکرایا اور فلذہ تو اپنی اہمیت کی خود دیوانی ہو رہی تھی۔ سادان اس پر محبت لٹانے میں حد کر رہا تھا اور اب فلذہ پر فرض تھا کہ اپنے سائیں کے لیے کچھ انمول لفظ کہتی۔

"جہاں جہاں آپ نے ہونٹوں سے محبت کے سجدے کئے تھے"

وہاں وہاں پھول اگنے لگے ہیں

آنکھوں کے اوپر

ماتھے پہ

ہونٹوں کے کونوں پہ

گردن کی اطراف

یہاں، وہاں، ادھر، ادھر

عکس دیکھوں تو لگتا ہے گلدستہ تک رہی ہوں" فلذہ کے ان لفظوں کا ساداں نے پورے استحقاق سے صدقہ اتارا اور اسے خود میں حلول کر لیا۔

وہ بھی بس تاعمر اس گرفت میں قید ہونے پر راضی تھی۔

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس رب نے مجھے میری طاقت سے زیادہ نہیں آزمایا، دعا ہے اب وہ مجھے تم سے دوری کا کبھی کوئی دکھ نہ دیں" ساداں نے آنکھیں بند کیے فلذہ کی موجودگی کو محسوس کیے دعا کی تھی جس پر دونوں کے دلوں نے بیک وقت آمین کہا تھا۔

آئی لو ویو سو مچ سادان" آج پہلی بار وہ الگ ہوئے اسکا نام لیے بولی اور" سادان تو فدا ہی ہو گیا، اسے اپنا نام آج سے پہلے اتنا پیارا کبھی نہ لگا تھا۔

زہے نصیب، ہمارے نام کی تو قسمت روشن ہوئی۔ اب لگی ہو تم مجھے" میری گرل فرینڈ۔۔۔ ھاھا اینڈ آئی لو ویو ٹو فلذہ" شریر سا ہو کر وہ ہنستی ہوئی فلذہ کے چہرے پر پھر سے جھکا اور وہ بھی اب بڑی چالاکی سے پھر سے سادان کو جکڑے لپٹ گئی۔ کتنی ہی دیر وہاں بس مسکراہٹ موجزن رہی اور یہ مسکراہٹ یونہی قائم رہنے کو تھی۔

آٹھ سال۔۔۔۔۔۔ ایک لمبا عرصہ یونہی پنکھ لگائے اڑا پر اسکے گزرنے پر کس کس پے کیا بیتی یہ طویل تر تھا۔ بظاہر یہ ایک حسین دور ثابت ہوا مگر چند خلش بھی تھیں جو بعض اوقات دل اداس کرنے لگتیں۔ بہاریں آئیں، خزائیں آئیں، اور لوٹ جاتی رہیں۔ موسم بدلتے رہے، باہر کے بھی اور دل کے اندر بھی۔ گویا کوئی اپنی پہلی جگہ نہ رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آٹھ سال۔۔۔۔۔ایک طویل ریاضت،اک طویل انتظار کے جس کے بعد ہر چیز اپنے مدار سے نکل کر کسی اور سمت گامزن تھی۔ محبت کی یہ ریت جو بادشاہِ وقت نے شروع کی،آج تک قائم تھی۔

کومل اور شاویز کی پہلے سے خوبصورت زندگی کو انکی تقویم شاویز اور حنظلہ شاویز نے حسین ترین کیا تھا۔پریوں جیسی تقویم جو بالکل باباجانی پر اور آفت ناک سے حنظلہ بالکل مماجانی کی کاپی لگتے تھے۔

تقویم ساڑھے سات سال کے لگ بھگ اور چھوٹو حنظلہ تین سال کا ہنڈسم بوائے تھا۔گویا گلناز اور اسد صاحب کے گھر میں تو اللہ نے یہ حسین سی رونقیں اتار دی تھیں۔

جبکہ شہزادے اور شہزادی کا آنگن تین گلوں سے مہکا تھا۔سب سے بڑے اور باباجانی جیسے سمجھدار ظافر سادان نہ صرف پڑھائی میں شارپ تھے بلکے

ایک نمبر کے شرارتی آفت کے گولے سمجھے جاتے تھے۔ منجلے جناب اشعر جو ابھی چار سال کے بھی نہ ہوئے تھے پر اپنی توتلی ٹیں ٹیں سے سب کا سر گھما دیتے تھے۔ اور سب سے آخر پر چھوٹو سی داراب سادان جو ابھی چھ ماہ کی تھی۔ پر سب کی جان تھی۔

زینیہ اور کرمان کی زندگی میں بھی خیرہ کرمان آئی تھی، شربتی آنکھوں والی لگ بھگ سات سالا گڑیا، خو بخو زینیہ پر مگر اسکے بالوں کا براون شیڈ کومل آپی پر تھا۔

اور سب سے پیارا اور انوکھا کپل بھی اب اماں ابا بن چکا تھا، عالیہ اور تبریز کی زندگی میں بھی دو شہزادے آئے تھے۔ زمیل تبریز اور کیف تبریز، بڑے کیف سات سال کے لگ بھگ مگر چھٹکے ابھی ایک سال کے چنے منے کاکے تھے۔ یعنی فیملی میں باقی بچے تو بڑے ہو گئے تھے۔ سب سے چھوٹا پیس زمیل اور چھوٹی پیس داراب تھی۔

سادان جہاں ظافر اور اشعر سے شدید لگاو رکھتا تھا وہیں مس داراب کے آتے ہی محترم تو اسی کے دیوانے ہو گئے۔ وہ اتنی نازک اور پیاری تھی کہ سادان جب جب اس ننھی داراب کو دیکھتا اسکا دل چاہتا وہ جھومنے لگے۔
فلذہ نے بچوں کے ساتھ ساتھ اپنی تعلیم کو بھی بہت اچھے سے مکمل کیا تھا اور کرمان چاچو کے ساتھ اب وہ بھی سکول میں پڑھاتی تھی۔ شہزادہ آج بھی اپنی سانوری سانولی حسینہ پر اول دن کی طرح فدا تھا۔ ہوسپٹل کی اوپننگ کے بعد بھی دو سال تک وقفے وقفے سے ہوسپٹل کی ان ہانسنگ کا کام جاری رہا تھا اور آج وہ ایک بہترین ہوسپٹل کی صورت کام کر رہا تھا۔
شاویز لوگوں نے بھی لاہور کا فلیٹ بیچ کر گاوں میں ہی گھر بنا کر رہائش کا فیصلہ کیا تھا جسکی وجہ شاویز اور کومل کا گاوں میں موجود ہونا تھا۔ جہاں شاویز ہوسپٹل کا حصہ تھا وہیں کومل اپنے سکول کو چھوڑنے پر امادہ نہ تھی۔ لہذا گلناز اور اسد صاحب نے بھی گاوں کے پر سکون ماحول میں رہائش پر رضامندی دے دی تھی۔

ساداان نے اپنے ہاتھ سے شروع کیے ہر ادارے کو مکمل کیا تھااور گاوں میں اب ہر طرف امن وسکون کی فضا قائم تھی۔

رمشہ ان آٹھ سالوں میں پھر نہ روئی نہ ہی تیمور نے واپس آکر معافی مانگی۔ وہ بھی اس اذیت سے نکل کر حویلی اور اپنے آپ میں گھل مل گئی۔اس نے اپنی تعلیم مکمل کی اور وہ بہت اچھی کک بھی تھی جس کے باعث اس نے اپنا چھوٹاسا کچن ریسٹورنٹ کھول رکھا تھا۔کسی گاوں میں کھلنے والا شاید وہ پہلا ثقافتی ریسٹورنٹ تھاجو دو سال کے اندر اندر وہاں کی بیسٹ گیٹ ٹو گیدر اینڈ اٹینگ پلیس بن چکا تھا۔جسکا کام وہ خود ہنڈل کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی ٹیم کی باقاعدہ ہیلپ لیتی تھی۔گاوں کی بہت سی ہاوس وائفز وہاں جاب کر کے سیلری کماتی تھیں اور اپنے گھروں کی کفالت کرتی تھی۔لوگ شہر اور دوسرے گاوں تک سے وہاں کھانا کھانے آتے تھے۔ویسے بھی رمشہ کے اندر ہمیشہ سے خوداری تھی جسکے باعث وہ اپنا بوجھ ہمیشہ خود اٹھانا بہتر سمجھتی تھی۔ان آٹھ سالوں نے اس سے تیمور کو معافی تو نہ دلوائی البتہ وہ اسے

یاد تک کرنا ترک کر گئی۔ وہ اس دنیا میں اک ابھرتا چاند سب کے سامنے سہی، پر اسکی ستم ظریفی نے اسے رمشہ کے لیے بس اک نقطہ بنا دیا تھا۔

تیمور کے تور نگ ڈھنگ ہی شاہانہ ہو چکے تھے، وہ خود پر لگے ہر دھبے کو اس طور سے مٹا گیا کہ کبھی کبھی تو وہ خود اپنی بدلتی قسمت پر دنگ رہ جاتا تھا۔

وہ ایک کامیاب سوفٹ ویئر انجنئیر تو تھا ہی مگر اب فیشن آئی کن بن کر ملک کے ہر اخبار کی زینت رہتا تھا، لوگ اسکی ایک جھلک دیکھنے کو بے قرار رہتے تھے۔ وہ خود کے ساتھ ساتھ زمانے بھر کے لیے ایک فاتح تھا۔

عائشہ کی زندگی عاقل سے جوڑنے کا سادان کا لیا فیصلہ سب سے بہترین رہا تھا، وہ عائشہ کا سچا محافظ بنا۔ نکاح سے لے کر عائشہ کے دس سال تک خود عائشہ کے لہجے میں عاقل کے لیے تھوڑی اختیاط رہی مگر پھر وہ معصوم پری اس شیر دل جیسے پیارے عاقل یعنی اپنے پرنس فیلیپ کی عادی ہونے لگی۔

آٹھ جماعتیں تو عاقل نے بھی پڑھی تھیں جب وہ سادان کے پاس آیا تھا اور اسے بھی سادان نے اپنی حفاظت کے ساتھ ساتھ اپنی پڑھائی پر لگا دیا۔

کیونکہ سادان کے نزدیک اس وقت تعلیم ہی فسٹ درجے پر تھی۔ خود عاقل ان گزرتے سالوں میں نہ صرف عائشہ کا عادی ہوا بلکے جیسے جیسے وہ قد کاٹھ نکال کر ہوش ربا حسن میں منتقل ہوتی گئی، عاقل کا دل بھی دھڑکنا شروع ہوا۔ خود عاقل کے حسن کو ان آٹھ سالوں کی ریاضت نے دلفریب بلندی پر پہنچا دیا، وہ بیس اکیس سالا لڑکا اب ایک کامیاب پر کشش اور مردانہ وجاہت سے لبریز وجود بن چکا تھا۔ عائشہ کے لیے تو اسکی ماں، باپ، بہن بھائی اور سہیلی تک عاقل بنتا گیا۔ ان آٹھ سالوں میں عاقل نے اسے پوری حفاظت سے دوستی کا مقام دیا اور عائشہ بھی مرد کے اس روپ کو دیکھ کر اسکی دیوانی ہو گئی۔ جیسے جیسے وہ بڑی ہوئی پھر اسے اپنے ساتھ ہوئے حادثے کی نوعیت کا علم ہوا جو اسے بہت بار بجھا دیتا، مگر عاقل کی محبت، مخلصی اور مان اسے پھر سے مسکان دیتا۔ وہ حویلی کی بیٹی کی طرح پلی بڑھی تھی اور اسکی شرارتوں سے پوری حویلی کھنکنے لگتی تھی۔

تبریز نے نا صرف زمین داری سنبھالی بلکہ وہ ایک بہترین جاگیردار بن کر ابھرا، اسکے ہر انداز میں اب اک مٹھاس اور جرت مندی تھی جو یقیناً عالیہ کی مرہون منت تھی اور پھر دو شہزادوں کی آمد نے تو گویا ہر خلش معدوم کردی۔

سلطانہ کے لیے یہ آٹھ سالا انتظار ویسا ہی کربناک تھا جیسا سلاخوں کے پیچھے قید مسلسل سہتے درمان حق کے لیے جو بس اب رہائی کے بے حد قریب تھا۔

بہت سے لوگ دنیا سے رخصت بھی ہوئے جن میں پہلے نمبر پر مالو چچا تھے، آخری عمر میں وہ صوم وصلاۃ کے بہت پابند ہوئے اور اللہ نے اس بندے کی توبہ آخر وقت ہی پر قبول کرلی تھی۔ رحمان احمد بھی دنیا سے کنارہ کر گئے اور زلفی نے آج تک بس سادان کی وفاداری کا منسب چن رکھا تھا۔ منظور حسین اب گاوں کے چھوٹے کسانوں کے نائب مقرر تھے اور انھیں اچھے اچھے مشورے اور کٹائی کے وقت کی سہی اطلاع دیتے اور

گاؤں میں اگتی تمام چیزوں کو شہر لے جا کر بیچنے کا کام چند مزید کسانوں کے ساتھ مل کر سرانجام دیتے تھے۔

بشیر بھی اماں اور رملا کے ساتھ مزے میں تھا اور ہوسپٹل کا ایک اہم حصہ تھا۔ خیر سے انکے آنگن میں بھی دو رونقیں اتری تھیں۔

خود ڈاکٹر کبیر اپنے کلینک کے ساتھ ساتھ سادان کے ہوسپٹل کو بھی وقت فراہم کرتے تھے۔

زینیہ کی زندگی تو سب سے خوبصورت تھی، خیرہ جیسی ننھی پری نے جب اسکی کوکھ سے جنم لیا تو وہ تب جانی کہ وہ کتنی پاکیزہ ہے۔ کرمان بھی محبت کی کاملیت کا سکھ پائے دن بدن جوان ہوتے گئے اور اب تو ان کی دو دو پریاں تھیں جو انکی زندگی کی ہر خلش مٹا گئیں۔ اس عمر میں بھی زینیہ کے ماں بننے میں قدرتی کوئی رکاوٹ نہ آسکی جو کہ ایک ناممکن بات تھی مگر شاید خیرہ کا اس دنیا میں آنا طے تھا تو اللہ نے بھی بے حد آسانی سے وسیلہ بنادیا۔ زینیہ اپنی این جیو کے ساتھ ساتھ اپنے گھر اور فیملی کو بھی وقت دیتی رہیں۔ جبکہ

کرمان پر اب ذمہ داریاں پہلے سے ڈبل تھیں۔ وہ سکول کا انتظام دیکھتے تھے اور زمینی تمام معاملات وہ خود بھی دیکھتے اور کچھ انکی مدد عاقل کرتا۔ ہر کوئی شادماں تھا مگر ابھی بھی بہت کچھ باقی تھا جو نامکمل تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پورا ہال مہمانوں اور سلیبریٹیز سے چھکا چھک بھرا تھا، حد نگاہ بورڈ آف آنر اور اسکی وابستگی سے منسلک ہر شعبے سے لوگ جمع تھے۔ یہ اعزازی پارٹی آج کسی خاص کے لیے تھی۔ سٹیج پر چلبلے سے اینکر نے موسیقی کی دھن پر رقص کر کے تمام خاضرین کو لطف اندوز کر رکھا تھا۔ ہال کی ایک طرف میڈیا کے کئی چہرے براجمان تھے جو آج اس لیے بھی خوش تھے کہ پچھلے ایک سال سے وہ جس گھڑی کے منتظر تھے وہ آچکی تھی۔

وہ شخص اس ملک کا مغرور ترین شخص تھا، آئے دن میگزینز، سوشل میڈیا پر اسی کے واویلے دھوم مچاتے تھے۔ ہر کوئی اس اترا ہٹ کے شہکار کی ایک جھلک دیکھنے کو بے تاب رہتا تھا۔ وہ پچھلے ایک سال سے ٹرینڈنگ سلیبٹری کی ٹاپ لسٹ میں شمار ہوتا تھا۔ ملک کا سب سے گریس فل اور کامیاب انسان جسکی کامیابی اسکے ناقابل شکست وجود کا باعث تھی۔ وہ ہر طرف ایکٹیو رہتا تھا مگر پچھلے ایک سال سے کسی چینل یا میگزین میں اسکی نجی زندگی کا ایک حرف بھی چھپ نہ پایا تھا۔ لوگ بس اتنا جانتے تھے کہ وہ ایک جاگیر دار کا بیٹا اور بھائی ہے، مگر آج سیشن بورڈ آف ہونر کی اس میٹنگ کا پہلا اصول ہی اسکا مکمل انٹرویو تھا۔ اور آخر کار ایک سال کی کوششوں کے بعد وہ میڈیا کے سامنے مکمل انٹرویو دینے پر رضامند ہو گیا تھا۔

اسکے آفس کا سٹاف بھی آج فخر میں تھا خاص کر اسکے ہیڈ جنکو ایسا انمول ہیرا ملا۔

لوگ اسکی تعریف کرنا اپنے نیوز پیپر کی زینت سمجھتے تھے، وہ گھر سے نکلتا تھا تو اسکی فین فالونگ اسے گھیر لیتی۔ کبھی کبھی یہ فیم بھی عذاب ہو جاتا ہے۔ پر لوگ اس سے ڈرتے بھی تھے، وہ کیا ہے کہ وہ مسٹر اینگری برڈ کے نام سے بھی خاصا مشہور تھا۔

لیڈیز اینڈ جنٹل مین، اٹس ٹائم ٹو بینگ بینگ۔۔۔۔۔جی میرے راج "دلارے حاضرین، آج وہ گھڑی آچکی ہے کہ آپ سب اپنے دل کی دھڑکنوں کو تھام لیجئے کیونکہ وہ ہونے لگی ہیں بے ہنگم۔۔۔۔آج اس گریٹ سلیبریشن کی رونق بڑھانے یہاں آنے کو ہے اس ملک کا ایک رائزنگ سٹار، اوہ سوری گائیز وہ تو چاند ہے بھئی۔۔۔۔ہمارے ملک کی شان، ہمارا مان اور لڑکیوں کی جان۔۔۔۔اہمم اہمم یہ الگ بات ہے کے کسی بچاری کو آج تک محترم نے سوکھی لفٹ تک نہ دی۔۔۔ھی ھی کوئی بات نہیں کر یو میرے پے ٹرائے کر لو۔۔۔۔۔۔افففف میں بھی ناں، اپنی

پرموشن پہلے لے آتا ہوں" پورے حال میں اس ناٹی سے ہوسٹ کی باتوں پر قہقہے گونجے اور پھر زبردست ہوٹنگ سٹارٹ ہوئی۔

جی جناب ون اینڈ اونلی، رائزنگ چیمپ کا اس سال کا ایوارڈ جیتنے والے ہم سب کے آل راونڈر چوہدری تیمور حق۔۔۔۔ گائز پلیز گیو آ بگ راونڈ آف کلاز۔۔۔۔" پورا ہال تالیوں کی تھاپ سے گرج اٹھا اور دو روشنیاں سٹیج سے اتر کر ہال پر کسی حسین آفت سراپے پر ٹکا چکی تھیں۔ اسکی پشت تھی، وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھے مسکراتا ہوا اب سٹیج پر بڑھ رہا تھا جہاں بورڈ کے تینوں ہیڈ ٹرافی لیے اسکو آتا دیکھ کر خوشی سے ہمک رہے تھے۔

تالیوں کا سلسلہ جاری تھا اور پھر وہ سٹیج پر جا کر سب کے روبرو آیا، آٹھ سال پہلے کا ایک مفرور، ایک بدکردار، ایک ناکام۔ میٹرک میں سپلی لینے والا آج تو واقعی چاند بن چکا تھا۔ ہلکی داڑھی مونچھ، وجاہت سے لبریز، سحر سے بھرپور، سادان کی ٹکر کا ساحر۔۔۔۔۔ اور نخوت پن میں لاثانی تینوں ہیڈ

آونرز سے ایوارڈ وصول کیے ان سے ہاتھ ملاتا اب ہوسٹ کے سنگ ہوسٹنگ پینل پر تھا اور مجمعے کی ہوٹنگ تھی کہ رک ہی نہیں رہی تھی۔

اووووپس، اومائی گارڈ، اٹس ان بیلوایبل۔۔۔۔۔ سر چھا گئے "آپ۔۔۔۔اور پائی بس کرو تالیاں ہتھ ٹٹ پینے" وہ جالی سا ہوسٹ اپنی مستی جاری کیے ہنسا اور ہال کا ہر فرد اب اس ساحر کو سننے کا منتظر تھا۔

تھینک یو گائز، تھینک یو ہونرایبل چیف سٹاف، میڈیا سٹاف اینڈ مائی" سوئیٹ ٹیم۔اس عزت افزائی کا میں تہہ دل سے مشکور ہوں، دس ایوارڈ ناٹ گوز ٹو می، دس ایوارڈ گوز ٹو مائی ایلڈر بردار سادان حق۔۔۔۔۔تھینک یو لووو" سامنے وہ پہلی ہی نشست پر اس سے بڑا وجیہہ سراپا سراپا رشک تھا، وہ آج بھی تیمور کی کامیابی میں اپنی ہر مصروفیت چھوڑے آیا تھا اور اسکے ساتھ چھوٹے مسٹر سادان کے شہزادے بھی مسلسل چاچو کو فلائنگ کس کر کے کیمرے میں آئے ہوئے تھے۔

ماشاءاللہ، توفائنلی آج آپ نے ہمیں اپنی فیملی کے کسی فرد سے ملواہی دیا۔" بٹ گائز آج ہم مسٹر تیمور کو اس کامیابی پر بالکل نہیں بخشیں گے۔ آج انکو دیناہوگاہر سوال کا جواب۔۔۔۔جی گائز گیٹ ریڈی فار دس شاکنگ انٹرویو۔۔۔۔۔۔چلو میڈیا آلیو شروع کرواپنے سوال "ایک بار پھر تالیوں کی گونج میں تیمور بھی مسکرااٹھا، سادان اسے اشارے سے رشک اور فخر کا اشارہ کر کے اسکی ہمت بندھا چکا تھا۔

ہیلو سر، فسٹ آف آل آئی ایم یور بگ فین۔۔۔۔۔یو آر آ رئیل چیمپ، " آپ نے ہمیں عزت بخشی اس کے لیے ہم اور ہمارا چینل شکر گزار ہیں۔۔۔۔تو میرا پہلا سوال ہے کہ ناکامی اور کامیابی کا آپکی نظر میں کیا ریلشن ہے "ایک کھنکھتی حسن والی یہ ایک نجی چینل کی رپورٹر تھی جو پہلا سوال ہی بڑا زبردست کر رہی تھی۔ ہر کوئی اس ساحر کے لفظ جاننے کو بے تاب تھا۔

دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں، ناکامی کے بنا کامیابی ملنا" فقط اک وہم ہے۔ جسے کامیابی چاہیے اسے ناکامی سے ہمکنار ہونا پڑے گا، ان شارٹ ناکامی ہی کامیابی کی منزل کی سمت پہلی سیڑھی ہے "پر اعتماد سے انداز میں دیا اسکا یہ جواب ہر فرد کو اسے سراہنے پر اکسا چکا تھا، خود وہ رپورٹر تک رشک زدہ تھی۔

سر میرا سوال تھوڑا پرسنل ہے، ہم سب جاننا چاہتے ہیں کہ کیا آپ خالص" کنوارے ہیں، اور کیا کسی غریبنی کا بھلا ابھی بھی ممکن ہے۔ سر پلیز آج آپ اسکا آنسر کریں لوگ شدت سے بیتاب ہیں "منچلے سے رپورٹر کے اس سوال پر جہاں باقی سب ہنسے وہیں تیمور کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

آئی تھنک جسکا بھلا ہونا تھا وہ طے ہے، امید ہے آپ سبکو تسلی بخش جواب" ملا ہوگا "یہ تو آج کی بریکنگ نیوز تھی، ایک بار پھر ہوٹنگ ہوئی اور زیادہ کان تو تیمور کے ساتھ کھڑا وہ شرارتی ہوسٹ کھا رہا تھا۔

واو سر یعنی آپ فکسڈ ہیں، اومائی گارڈ۔۔۔کون ہیں وہ لکی لیڈی، سر پلیز" آپ پرامسس کیجئے کہ جلد ہمیں اپنی لائف لائن سے بھی ملوائیں۔لوگ ایز آ کپل آپکو دیکھنے کو بیتاب ہیں" وہی رپورٹر شدت سے خوشی لٹاتے بولا جس پر تیمور نے بس سرسری سی اکتائی مسکان دی۔وہ تو اسے کسی کھاتے کا سمجھتی ہی نہ تھی۔

سر آپ اپنے سوشل سرکل میں بہت موڈی اور کھڑوس جانے جاتے" ہیں،۔تو ہم جاننا چاہتے ہیں کہ آپ بائے برتھ سیریس سمٹے ریزرو ہیں یا فیم کے بعد یہ سب اپنایا" جہاں فین لوگ تھے وہیں اس رپورٹر کی طرح جلنے والوں کی بھی بھرمار تھی۔

میں اسے آیز آ کمپلیمنٹ لوں گا، بائے برتھ کوئی ایسا نہیں ہوتا، انسان" جن حالات سے گزرتا ہے وہ اس میں تبدیلیاں لاتے ہیں۔الحمداللہ مجھے آج بھی غرور نہیں ہے، یہ میری ذات کا حصہ ہے کہ میں خود میں رہنا زیادہ

سیو اور بہتر سمجھتا ہوں" کیا کرارہ اور دلفریب جواب دیا کہ سب اش اش کر اٹھے۔

سر کہتے ہیں ہر کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت ہوتی ہے، تو آپ اپنی کامیابی کا سہرا کس کو دینا پسند کرتے ہیں" ایک اور جوشیلی رپورٹر مسکرا کر سوال کر رہی تھی اور تیمور کے دل و دماغ میں بس اماں سائیں کا چہرہ تھا۔ انکی دعائیں ہی تھیں جو انکے بچوں کو لگی تھیں۔

اپنی اماں سائیں کو، شی از مائی بیک بون۔ماں کی دعا فرش سے اٹھا کر آسمان پر لا بیٹھاتی ہے۔اسکے بعد میری زندگی میں میری کامیابی کی دوسری وجہ وہ ہیں جنکا میں ذکر پبلک نہیں کر سکتا۔اور تیسرے مرد ہیں میرے بھائی، آئی تھنک دے آل بیلٹ می۔ اسٹیبلش می" تیمور کے لہجے میں اک فسوں تھا جس نے ہر بصارت اور ہر سماعت کو طلسم میں جکڑ لیا تھا۔

کئی سوالات تھے جسکا آج وہ جواب دے کر خود میں مزید اعتماد محسوس کر رہا تھا۔ وہ ایک کامیاب سوشل ورکر، سوفٹ وئیر ہائلی ڈیمانڈنگ انجنئیر اور

شو بز میں ایز آ ریم واک سٹا پر تھا۔ یہ ماڈلنگ اسکا شوق نہیں، اسکے میڈیا فرینڈز کی ڈیمانڈ تھی۔ وہ اپنے فیشن شو کا سٹا پر تیمور حق کو رکھتے، اسکی فیشن سینس، اسکا ایٹیٹیوڈ، اسکی پرسنالٹی اسکا ڈریسنگ سینس ساڑھے چوبیس سال کی عمر میں ہی اس قدر فیورٹ تھا کہ کوئی فیشن شو اسکی انٹری کے بنا مکمل نہ ہوتا۔ اسی طرح وہ ایک دو سال کے اندر اندر نہ صرف بزنس اور سوشلائزنگ میں آئی کن بنا بلکے میڈیا کا بھی ایک اہم حصہ بنتا گیا۔ لوگ اسکو سوشل میڈیا پر فالو کرتے، اس جیسا بولنے، اسکی ڈریسنگ کی کاپی کرنا پسند کرنے لگے۔ وہ نیو جنریشن کا آئیڈیل بنا اور اس نے دنیا کو اپنی مٹھی میں قید کیا پر افسوس ابھی تک معافی نہ حاصل کر پایا۔ جہاں وہ ملک کا ابھرتا چاند بنا وہیں وہ لہجے کا تیکھا، خود پسند اور سنجیدہ ہو گیا تھا۔

اسکے لیے زندگی کا مقصد بس کامیابی کی سرحدیں عبور کرنا تھا مگر دل کے نہاں خانے سے وہ آج بھی آٹھ سال پہلے والا وہ شرط دے کر آتا مفرور ہی رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"عائشہ ،اسے پکڑنا جان یہ پھر مٹی میں جا رہا ہے۔ یااللہ اشعر تمہارے منہ کے اندر اب کونسی مرچیں ڈالوں۔۔۔" آگے آگے ناٹی سے گولو مولو اشعر دوڑ لگا رہے تھے اور عائشہ نے ہنستے ہوئے اسے فلذہ کی آواز پر دبوچ کر وہ گدگدی کی کے اسکی کھی کھی پورے لان میں پھیل گئی۔

"مما اسے مٹی کا ٹیسٹ پیزے جیسا لگتا تبھی ،اشعر میرا پانڈا میری جان۔۔۔میرا شہزادہ" جہاں فلذہ ہنستی ہوئی اب لان میں بیٹھیں سلطانہ اور کومل کی سمت دیکھ رہی تھیں وہیں عائشہ کا اب لاڈ کا سیشن سٹارٹ کیے اشعر کو بوسے دے کر چرا رہی تھی جبکہ لان کی دوسری طرف تقویم خنظلہ اور خیرہ اپنے بلاکس سے بڑی سی بلڈنگ بنانے میں گم تھے۔

لیمن کلر کی شارٹ فراک میں دمکتی گل بدن عائشہ کسی آپسراہ کی طرح ہو چکی تھی، سب کے ساتھ ساتھ عاقل جیسے جی دار مرد کی اکلوتی خوشی۔

زینیہ اور کرمان پچھلے ہفتے ہی ایک این جیو ٹرپ میں سڈنی گئے تھے اور خیرہ نے ضد کی تھی کہ وہ گھر رہے گی۔ اسے ویسے بھی تقویم سے اتنی دوستی تھی کہ وہ اسکے آنے کی وجہ سے ممی ڈیڈی تک کو اگنور کر گئی۔ جبکہ تبریز لوگوں نے وقت پر ہی آنے کا پلین کر رکھا تھا کیونکہ درمان کے آتے ہی دو دو شادیاں ایک بار پھر فیکسڈ تھیں۔

تبھی تو یہ توتلا ہے، گندا اشعر" عائشہ کی گود سے اب وہ اڈ کر فلذہ پر چڑھ " رہا تھا جب عائشہ اور فلذہ دونوں ہنس دیں۔

اور تم بتاو، عاقل آ رہا ہے ناں کل" وہ دونوں بھی اب سلطانہ اور کومل کی" طرف جا رہی تھیں جہاں وہ سب ابر آلود سا ہوادار موسم انجوائے کیے چائے پی رہی تھیں۔ رمشہ اس وقت اپنے کچن ریسٹورنٹ ہوتی تھی، جبکہ داراب کو ابھی ہی فلذہ سلا کر آئی تھی۔

فلذہ نے سوال پر عائشہ کی نازک سی ہنستی گالیں سرخ سی ہوئیں اور عاقل کا آنا ایک طرف تو دوسری سمت لمبے سمے کا گیپ اگلے ہی پل اسکے چہرے پر اداسی لے آیا جس پر فلذہ اب اشعر کو ٹھیک سے دبوچے فکر مندی سے عائشہ کا چہرہ تھام گئی۔

مما اتنے دن انکو عائشہ کی یاد ہی نہیں آئی، کہیں وہ مجھے بھول تو نہیں گئے""

عائشہ جتنی بچپن میں نازک اور پیاری تھی اب بھی تقریبا سترہ کی ہو کر اور ہوش ربا تھی۔ باقی فلذہ اور کومل پر تو ابھی جوانی کی بہاریں اتری تھیں، ہاں سلطانہ اب تھوڑی ویک لگتی تھیں۔

عائشہ کی پھولے منہ سے کہی اس نا قابل یقین بات پر فلذہ نے اسکی گال کھینچی۔

وہ ایک تمھیں ہی کبھی نہیں بھول سکتا، اور ویسے بھی اب ہم تم دونوں کا" پکا انتظام کرنے والے ہیں تا کہ بھولنے کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔ دوست سے ہسبنڈ بننے کا وقت ہے، ایسا سب مت سوچا کرو۔ وہ تم کو بہت اہم رکھتا

ہے۔ چلو میری جان زرا داراب کو دیکھ آو، یہ ناں ہو محترمہ جاگ گئی ہوں" فلذہ کی رسانیت اور محبت سے عائشہ کو سمجھانا گویا عائشہ کے دل میں اک الگ ہی سرمستی پھیلا گیا۔

خود فلذہ، سلطانہ اور کومل کی سمت بڑھی جبکہ عائشہ نے بھی رخ پھیر کر چہرے پر لاتعداد رنگ سجائے۔

واقعی سچ ہی تھا، وہ اسے خود سے زیادہ احتیاط اور چاہ سے سنبھالتا آیا تھا۔ درد عائشہ کو ہوتا تو تکلیف عاقل پر آن لگتی۔ اس بار عاقل کا لاسٹ سمسٹر تھا اور چونکہ اس نے آٹھویں کے بعد تعلیم چھوڑ دی تھی تو لیٹ ری کنکٹ کرنے کے باعث اب جا کر اسکی تعلیم مکمل ہوئی تھی۔ جناب نے اکنامکس میں ایم ایس سی کی تھی، اور وہ بھی بہت شارپ نکلا تھا۔

اس بار آپکو بتاوں گی کہ عائشہ کے لیے آپ کیا ہیں؟" نجانے وہ دل ہی دل میں عاقل پر کونسا ستم توڑنے کا شریر ہو کر پلین بناتی شرمگیں سا ہنستی

اندر کی سمت دوڑ گئی جبکہ لیڈیز تو ایسی باتوں میں لگی تھیں کہ بس پوچھیے مت۔

تقویم اور خیرہ خود تو مزے سے کھیل ہی رہی تھیں ساتھ اس کیوٹو سے خنظلہ کو بھی بلاک پکڑا اکر انجنئیر کا عہدہ دے چکی تھیں جو اپنی ہی زبان میں مستی موڈ میں غرق کھیل رہا تھا۔

فلذہ کومل اور سلطانہ بھی مسکرا کر باتوں میں مگن ہو چکی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"ھاھا یاا۔۔۔۔ ھو۔۔۔۔ بابا دیکھیں میں نے چیمپ کو ہرا دیا" مسلسل کتنی ہی دیر سے ظافر اور تیمور کشتی لڑ رہے تھے اور تیمور حیران تھا کہ ابھی وہ صرف سات سال کا ہو کر بھی اتنا طاقت ور تھا کہ تیمور تو اب اسے دبوچے اسکو ایک ساتھ گالوں میں منصوعی کاٹنے لگا اور اسکی توانا بازوؤں

سے پھدکنے کی کوشش کر کے اب ان ڈائریکٹلی بابا کو مدد کے لیے پکار رہا تھا جو کچن میں کھڑا مسکراتا ہوا کافی بنانے میں مگن تھا۔

"خوابوں میں، تم مجھے نہیں ہرا سکتے دو فٹ کے خرگوش۔۔۔ھاھا ویسے یار اتنی طاقت تجھ میں آئی کہاں سے ہے" تیمور ان آٹھ سالوں میں جس کے سب سے زیادہ قریب تھا وہ سادان اور پھر اسکا یہ اسی کے روپ میں لپٹا ظافر جو خود تیمور سے سب سے زیادہ اٹیچ تھا۔جب بھی سادان لاہور آتا تو وہ مسٹ ساتھ آنے کی ضد کرتا تھا۔

"بچو میں پیدا ہوتے وقت سے ہی ٹارزن ہوں اور باقی مجھے مما جانی چوری کھلاتی ہیں، اچھا چھوڑیں ناں میری بازو چاچو آپکو میں نے میسج دینا تھا" وہ جو مسلسل تیمور کی گرفت میں اٹکیلیاں کر رہا تھا، یک لخت بڑا ہی پکا منہ بنائے مڑا تو خود تیمور اب اس چھوٹے پیکٹ بڑے دھماکے کی سمت تمام توجہ مبذول کر چکا تھا۔

آہاں کس کا میسج، اپنی گرل فرینڈ کا؟" جہاں ظافر تیمور پر جان چھڑکتا تھا" وہیں اسکی رمشہ سے بھی پکی دوستی تھی۔ جب جب وہ یہاں سے واپس جا کر رمشہ کو احوال سناتا تو وہ اسی طور تیمور کی خیریت جان لیا کرتی تھی اور بظاہر ایسے شو کرتی جیسے اسے تیمور کے ذکر میں دلچسپی نہ ہو۔

مگر اس بار چونکہ بابا سائیں بھی سزا پوری کر کے لوٹنے کو تھے تو ساد ان اور ظافر کا مقصد اس بار تیمور کو ساتھ لے کر جانا تھا۔

یس چیمپ، وہ اگر آپکی وائف نہ ہوتیں تو ظافر انکو اڑا لے جاتا۔۔۔ ھی" ھی۔ وہ آپ سے زیادہ ویسے بھی ظافر کو لائک کرتی ہیں، کہہ رہی تھیں چیمپ کو کہنا کنڈیشنز اپرووڈ" ظافر اپنی ہی مستی اور معصومیت سے کہتا ہوا تیمور کے گلے میں بازو لہرا رہا تھا اور تیمور اسکی اس بات پر کئی لمحے ساکن رہا۔

وہ مجھے یاد کرتی ہے؟" تیمور نے سخت تاثر سے سرگوشی کیے پوچھا جس پر" ظافر اب تیمور کی گود میں چڑھے سوچ میں ڈوبا، فل بلکیک میں تیمور اس

وقت گھر کے عام سے خلیے میں بھی آفت لگ رہا تھا اور دوسرے شہزادے کے آنے پر تو گویا منظر کھل اٹھے۔

بڑھتی عمر کا مدھم دریا چڑھنے کے باوجود سادان کا حسن بے غیب اور ہوش ربا تھا، بس یہ تھا اب وہ ہلکی ہلکی داڑھی رکھے ہوئے مسٹر ڈیڈی لگتا تھا۔

کافی کے دو مگ میں سے ایک تیمور کی سمت بڑھائے، ظافر کو چاکلیٹ شیک دیے خود وہ ان دو کے پراسرار چہرے بڑی ہی دلفریبی سے دیکھتا ہوا براجمان ہوا۔

اس سے کیا پوچھتے ہو، میں بتاتا ہوں۔ یہ جواب آئی تھنک اب تجھے اس" سے روبرو لینا چاہیے۔ ایک چھوٹی سی ضد میں آکر تم دونوں نے آٹھ سال ایک دوسرے کی شکل نہ دیکھی، یار اب بس" سادان کی اس بات پر جہاں ظافر اب وہیں تیمور کے ساتھ لگے شیک پی رہا تھا وہیں تیمور کے چہرے پر سفیدی اڈی۔

تیمور اب اس فلیٹ کے بجائے ڈیفنس کے بہت بڑے گھر میں رہتا تھا، تین عدد نوکرز، دو باورچی، ایک مالی اور دو ڈرائیور بھی موجود تھے۔ مگر سادان اسے اس بار ہر صورت لینے کو آیا تھا۔

"ضد ہی سہی، پر بنا میری شرائط کی منظوری کے مجھ پر گاوں کی سرحد پر قدم رکھنا بھی حرام ہے۔ان آٹھ سالوں میں تیمور چوہدری نے کچھ سیکھا ہو یا نہ ہو البتہ اپنے کہے لفظوں پر پتھر ہونے سے خوف شناسا ہے" تیمور کی ہٹ دھرمی آج بھی عروج پر تھی جس پر سادان نے ایک اچٹتی نگاہ تیمور پر ڈالی جو ظافر کی سمت متوجہ ہو چکا تھا۔

"ظافر، جاو آپ کچھ دیر ٹی وی دیکھو۔مجھے آپ کے چیمپ سے کچھ اہم بات کرنی ہے" سادان اب کافی کا مگ لیے تیمور کی گود میں بیٹھے ظافر کو دوسرے روم میں بھیجے خود زرا برہم سا اب عین تیمور کے ساتھ والے صوفے پر آکر بیٹھا جو آنکھیں چرائے ابھی بھی فرار چاہتا تھا۔

تم جانتے ہو تیمور پرسوں باباسائیں آرہے ہیں، میں چاہتا ہوں وہ جب "
آئیں تو انکا سارا خاندان انکے استقبال میں موجود ہو۔ خاص کر انکے دونوں
بیٹے۔ اور اب اتنا وقت جب تم اپنی خودسری کو دے بیٹھے ہو تو پلیز اب اس
سب کو ختم کرو، جس نکاح کو کرتے وقت تم نے اسکی حفاظت کا عہد لیا تھا
اب اسے نبھاو۔ ویسے بھی تمہاری اور عاقل کی باقاعدہ شادی کا پلین کر رکھا
سب نے، لہذا اس بار میں تمہارا کوئی انکار نہیں سنوں گا" سادان اسکے کسی
بے یقین تاثر کو چنداں اہمیت نہ دیتے ہوئے حتمی انداز سے فیصلہ سنا چکا تھا
اور تیمور کی پیشانی پر ضبط کے باعث لاتعداد شکنیں نمودار ہوئیں۔

لیکن لالہ اس نے مجھے معاف نہیں کیا، سزا باباسائیں کی ختم ہو رہی ہے "
میری نہیں" تیمور کی سوئی آج بھی وہیں تھی اور وہ بے بس سا کہہ کر
سادان کو خاصا عتاب زدہ کر گیا۔

معافی لینے کے لیے ہاتھ پاوں مارنے پڑتے ہیں، قطع تعلق کر کے کس کو "
معافی ملی آج تک۔ برا تم نے کیا اسکے ساتھ، اور روٹھ بھی خود گئے۔ تب تم

چھوٹے اور بے عقل تھے تیمور، لیکن اب سمجھدار ہو۔ وہ اپنی جگہ حق بجانب ہے۔ جب تم ہی اس سے منہ موڑ آئے تھے تو وہ کیسے پہل کرتی۔ جتنی بھی ماڈرن ہو جائے، عورت ہے اور اپنی حد میں رہنے والی۔۔۔۔ اسے جب جب دیکھتا ہوں مجھے تم دونوں کے لیے افسوس ہوتا ہے، وہاں وہ خود کو بھول کر اپنے آپ کو ہر ممکن حد تک بانٹتی رہتی ہے اور یہاں تم دن بدن اسی ضد میں آسمان کو چھونے کی کوششیں کر رہے ہو۔ کسی نہ کسی دن تو یہ سب ختم کرنا ہے، اور یہ سہی موقع ہے لہذا ریڈی ہو جاو یار چار تک نکلنا ہے" سادان کی ہر بات بجا سہی پر تیمور کے اندر کی انا اسے خود میں ہی غرق رہنے کی تجویز دے رہی تھی اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس بار وجوہات نہیں کر سکے گا۔ اسقدر ہیں کہ وہ چاہ کر بھی انکار

تیمور کے تذبذب اور جھنجھلائے تاثرات نے سادان کو بھی بے چین کیا۔

میں خود تھک چکا ہوں، اس سے بھاگتے بھاگتے۔ بٹ لالہ یہ ایسا معاملہ " ہے کہ میرا اندر باہر ٹوٹنے لگتا ہے، جب سوچتا ہوں کہ وہ مجھ سے نفرت

کرتی ہے تو دل چاہتا ہے اس سے اتنا دور جاوں کہ وہ میرا سایہ تک نہ دیکھ سکے۔ اور اس دوری کے چکر میں، تیمور خود تک سے بچھڑ گیا۔ آج بھی میں آٹھ سال پہلے کی اسی سٹیج پر کھڑا ہوں، ہر شے رکی ہوئی ہے" تیمور کی تکلیف کا سادان گواہ تھا تبھی تو آج تک اس نے تیمور کی بات مان کر اسے آٹھ سال کبھی مجبور نہ کیا پر اس بار وہ اسے ہر صورت مجبور کرنا چاہتا تھا۔

وہ بہت ہنستی اور مسکراتی سی لڑکی تھی تیمور جسے اس فیصلے نے اک" خاموش، اور اپنے آپ میں گم سا وجود بنا دیا ہے۔ جس طرح وہ سب کو محبت بانٹتی ہے مجھے یقین نہیں آتا کہ وہ تجھ سے ابھی تک نفرت کرتی ہے۔ اس بار اپنی انا کو توڑ دے میرے شیر، اگر وہ اب بھی نہ مانی کہ اسے تو قبول ہے تو قسم کھاتا ہوں دوبارہ تجھے کبھی جانے کو مجبور نہیں کروں گا۔ چلے گا ناں؟" سادان بہت مان سے خواہش پیش کیے تیمور کے رنجیدہ چہرے کو تھپکائے بولا جس پر شش و پنج میں مبتلا تیمور کچھ دیر کے توقف کے بعد سر ہلا کر سادان کو بھی مطمئین کر گیا۔

ڈیٹس لائک مائی چیمپ، چل تیاری پکڑ لے۔ وہ کیا ہے کہ میرا اب" داراب کے بنا گزارہ نہیں۔ اپنی بھتیجی سے بھی ملنا ہے تجھے، چل چل گیٹ ریڈی" سادان کا یوں چاہت سے اپنی گڑیا کا ذکر خود تیمور کو بھی ہنسا گیا۔ گو وہ سب بار ہا تیمور سے ملنے آتے رہے تھے پر وہ فیملی کے سب سے منی پیسیز سے ابھی تک نہیں ملا تھا تبھی سادان کو اک مسکان دیے مسکرایا پر سادان کے کمرے سے نکلتے ہی تیمور کے چہرے پر اک تباہی درج ہو گئی۔

فائنلی مجبوراہی سہی پر تمہیں منہ دیکھانے آنا پڑھ رہا ہے مجھے، بٹ آٹ" دس ٹائم آئی فیل سو ہیلپ لیس۔۔۔۔۔" اپنی انگلیوں کو بالوں میں پھنسائے وہ کرب سے خود کلامی کیے کچھ دیر بے ربط سانس لیتا رہا اور پھر اٹھ کر وہ بھی اپنے روم کی سمت روانہ ہوا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آنکھیں ترس گئی تھیں کہ تجھے یہاں واپس آتے دیکھوں، کتنا تڑپایا ہے "
تو نے تیمور۔ نہ صرف ہم کو بلکہ اس معصوم کو بھی" وہ جب سے آیا تھا بس
اماں سائیں کی گود میں سر رکھے اجڑا ہوا لگا تھا، کچھ دیر تک سب یہیں تھے
مگر ابھی ہی سب اپنے اپنے رومز میں گئے مگر تیمور بالکل بچے کی طرح
سلطانہ کے دامن سے لگا خود کو یہاں ہونے کا یقین دلا رہا تھا۔

تیمور کے آنے کی خبر نے ایسی ہی دردناک تکلیف رمشہ کو دی جو تب سے
اپنے کمرے میں بند تھی کہ کہیں اسے وہ شخص کہیں نظر نہ آئے۔ وہ اسکے
جانے سے جتنی دردناک ہوئی تھی اس سے کہیں درجے تکلیف اسے تیمور
کی واپسی پر تھی۔

"اس نے مجھے تڑپایا تھا اماں سائیں، مجھے بدکار اور زانی کہتی تھی۔ میں اسکی
نفرت کے باعث اندر سے مر گیا تو آپ بتائیں کہ کیسے آتا۔ کبھی کبھی سوچتا
تھا کہ آخر معافی مجھے مانگنی ہے یا مجھے درکار ہے۔ لالہ بھی نہ ہوتے تو اب
تک مر چکا ہوتا" تیمور کی آنکھوں کے گوشے سرخ تھے اور سلطانہ نے

جھک کر تیمور کے ماتھے پر بوسہ دیا جس پر وہ درد سے اٹے اپنی آنکھیں موندھ گیا۔

پر اب بس، تیرے بابا سائیں کے آتے ہی تم دونوں کی شادی ہے۔ اب" جو معافی تلافی ہے وہ ایک دوسرے کے ہو کر کرنا، وہ بہت پیاری اور دکھیاری سی بچی ہے، ہم سب کی اہمیت اس کے لیے الگ پر تُو اسکا سب ہے۔ اسکے بابا کے بعد تُو نے بھی اسے تنہا کر دیا تھا، کتنے دکھ بھرے ہوں گے اس میں۔ بیوی اور شوہر تو ایک دوسرے کا لباس ہوتے ہیں، ایک دوسرے کی خامیاں ڈھانپتے ہیں پر تم دونوں نے آٹھ سال اپنے بیچ کی اس جنگ کو ڈنکے کی چوٹ پر سب کو دیکھایا۔ تم دونوں کا علم تو نہیں پر میں اب تھک گئی ہوں" سلطانہ کی آنکھیں اب اس بچے کے سکھ کو دیکھنے کی طلب گار تھیں اور وہ جو آٹھ سال سے رمشہ سے دور تھا، اسکا دل چاہا ابھی اسکے پاس جا کر اسکے گلے لگ کر اتنا روئے کہ دنیا تہس نہس ہو جائے پر اسکی انا اسے ایسا سب کرنے سے روک رہی تھی۔

میں بھی تو دکھیارہ ہوں، درد سے بھرا ہوا۔ وہ کیوں نہ آئی پاس، اک "
معافی دینے میں کوئی آٹھ سال لگاتا ہے؟ اور میں تو روٹھا تھا، کیسے آتا۔ یہ
میری ذات کی توہین ہوتی، مجھ پر لگے بدکار اور زانی کے لیبل مزید پکے
ہوتے۔ بدزبان اور بے ایمان بھی بن جاتا، میں بھی تو پل پل تڑپا ہوں۔ اور
کتنی دیر ہو چکی مجھے آئے، کیا وہ آئی سامنے؟ وہ مجھے معاف نہیں کرے گی،
بھلے میں اس تکلیف سے ریزہ ریزہ ہو جاوں" تیمور کی بدگمانی اسکے زخمی دل
کی ترجمانی کیے خود سلطانہ کا دل دبوچ گئی اور وہ واقعی رو دیا تھا۔ دنیا کے
سامنے چمکتا چاند، اس وقت اجڑے حال میں اک کھنڈر دکھائی دے رہا
تھا۔

تیرے ہی روم میں ہے، جا خود چلا جا۔ اپنی اور اسکی یہ لامتناہی تکلیف ہٹا"
دے تیمور۔ جا میرا شہزادہ" سلطانہ کی تاسف سے کی خواہش پر وہ بالکل منکر
تھا پر ماں کی آنکھیں شدید کرب میں تھیں اور اس میں ابھی اسکا سامنا
کرنے کی سکت نہ تھی پھر بھی وہ سلطانہ کی گود سے سر اٹھائے انکو شا کی نگاہ

سے دیکھتا ہوا اٹھا اور اپنے چہرے کی ہولناکی معدوم کیے کمرے سے باہر نکل گیا۔

یہاں سے اپنے کمرے تک کا سفر اسے اپنی زندگی کا سب سے کٹھن سفر لگا، دروازہ ہولے سے نیم وا کیے اس میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ یک لخت اندر جاتا۔

وہ کروٹ پر لیٹی کرب میں تھی مگر کسی کے قدموں کی دل پر پڑتی دستک نے رمشہ کی دھڑکن روک دی۔

وہ جو ہمت کر کے اندر آئے دروازے سے لگ کر کچھ دور لیٹی رمشہ کو کرب سے دیکھ رہا تھا، اتنی ہمت نہ کر سکا کہ اپنے من وزنی قدم آگے بڑھاتا۔

اس نے تجھے معاف نہیں کیا تیمور، لوٹ جا۔ بنا معافی تو اسے چھوئے گا بھی نہیں۔ ہمم" کچھ دیر دونوں ہی اس کرب کو سہتے رہے اور وہ جن قدموں پر چل کر آیا انہی سے دلبرداشتہ ہوئے نکل گیا اور اسکے جاتے ہی

رمشہ اپنی کروٹ بدل کر اٹھ بیٹھی جسکی سانس رونے سے اکھڑ چکی تھی۔ کتنی ہی دیر وہ اس ظالم شخص کے ہر ستم پر آنسو بہاتی رہی اور پھر وہیں سمٹ کر جا لیٹی۔

ظالم کہیں کے، پیاسے کو کس کس طور سے ترسانا ہے یہ تم سے بہتر کوئی جان ہی نہیں سکتا۔ میری تمام تر محبت کے باوجود بھی تم میری نفرت کے قابل ہی ہو، بے درد شخص۔ کاش تمہیں بھی اتنی اذیت دے پاتی جتنی میں نے سہی پر میرا اللہ گواہ ہے کہ تم ہی میری زندگی کی وجہ ہو۔ اور میں جانتی ہوں تم سامنے آئے تو یہ پاگل ہر دکھ معاف کر کے تم سے لپٹ جائے گی۔ آئی مس یو سو مچ تیمور، سو مچ" روتے روتے رمشہ کی آواز بھی لرز گئی اور دونوں کے اس کرب کو کل کا دن مکمل جڑ سے اکھاڑنے کا فیصلہ لے چکا تھا۔ وہ بھی یہاں سے جا کر یونہی بے مقصد لان میں مخدوش حالت کے سنگ جا بیٹھا جیسے یہ ٹھنڈی ہوا نہ ہوتی تو اسکی جان نکل جاتی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"بابا کی جان، بابا کی پرنسس، بابا قربان جائیں۔ گڑیا۔ میری جان، میرا پیارا سا بچہ۔۔ آں۔۔۔ اتنا سارا مس کیا میں نے اپنی گڑیارانی کو ان تین چار دنوں میں" بیڈ پر وہ ننھی سی آنکھیں کھول کر سادان کے لاڈوں پر اپنے چھوٹو چھوٹو ہاتھ پیر ہلائے مسکا کر سادان کو اور لاڈوں پر اکسار ہی تھی اور وہ اسے ایک سانس میں کوئی دس بیس پیار دیے اب اسکی ننھی سی پیشانی چوم کر اسکے ہاتھ کو اپنی انگلی کے گرد لپٹائے جان نثار حد تک دلفریب لگ رہا تھا۔

"ھاھا سادان بس کر دیں، اسے اتنا پیار دیتے ہیں مجھے تو ڈر ہے میری پری کا منہ ہی نہ گھس جائے" ہنس کر شرارت سے تے کپڑے وارڈراب کی سمت رکھتے ہوئے فلذہ نے شوخی سے کہا جس پر خود سادان ہنس دیا۔

اب اسکی اماں لفٹ نہ کرائے تو میں معصوم کیا کروں، اسکے حصے کا بھی" اسی کو کر رہا" تو گویا شہزادے آج بھی ناٹی کنگ تھے، ڈارک چاکلیٹی شرٹ اور جینز میں وہ بالکل بیڈ پر داراب کے پاس ہی لیٹا اس پر پیار لٹا رہا تھا جب فلذہ کپڑے رکھ کر ہنستی ہوئی اس نازک بات پر سادان تک پہنچی جو اسے موقع ملتے ہی اچھا دبوچ کر ساکت کر گیا۔

افف اب تو سدھر جائیں، تین بچوں کے ابا بن گئے ہیں پر مجال ہو جو" آپکے رومینس میں کمی آئی ہو" وہ جو اسے خود پر بٹھائے کسی نئی شرارت کو سوچ رہا تھا، فلذہ کی اس بات پر قہقہہ لگائے ہنس دیا۔

یار رومینس کا ابا بننے سے کیا تعلق، میں تو بوڑھا ہو کر بھی دیکھنا کتنا بولڈ" رہوں گا۔۔۔ ناجی ہم اس معاملے میں اپنی زوجہ کے بنا آج بھی تڑپنے لگتے ہیں" وقت کے ساتھ ساتھ وہ کافی زیادہ آفت ہو گیا تھا، خود فلذہ تو پل پل اپنی اس کائنات پر شکر میں ڈوبی رہتی۔ خود ہی محترمہ نے جھک کر حق دار سی عنایت کا آغاز تو کر دیا پر سادان کی بڑھتی من مانی زدہ شدت اور

طویل عناہت پر وہ اسے ہنس کر زبردستی خود سے الگ کیے منصوعی گھوری

پر وہ تو ابھی بھی شوخ پن سے بھینا بھینا مسکا رہا تھا۔

آج بھی چاکلیٹ جیسی میٹھی ہو تم، مجھے جو تم نے سکھ دیے ہیں ناں"

فلذہ۔۔۔وہ سب ایک طرف اور میری یہ جان سے پیاری بیٹی ایک

طرف۔۔۔۔جب جب اسے چھوتا ہوں دل میں روشنی پھوٹتی ہے، یہاں

آکر تم نے اپنے سائیں کو اپنا پکا عاشق اور مرید کر لیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس پر

جتنی محبت لٹاوں کم، یہ کتنی پیاری ہے ماشاءاللہ "خود فلذہ جانتی تھی کہ

سادان کو شروع سے بیٹی کی خواہش تھی مگر اللہ نے پہلی اولاد ہی بیٹا دی اور

پھر اشعر کی باری بھی وہ دونوں بیٹی کے خواہشمند تھے مگر پھر دو شہزادوں

کے بعد خود فلذہ چاہتی تھی کہ وہ سادان کو بیٹی بھی دے اور آخر کار بہت

دعاوں کے بعد دونوں کی یہ خواہش اس ننھی پری داراب نے پوری کی جو

نین نقش میں خوبخو فلذہ پر تھی البتہ تینوں کا کمپلیکشن سادان پر تھا۔اشعر کا

رنگ گندمی گورا تھا پر داراب اور ظافر خوبخو چٹے سوہنے رنگوں والے تھے۔

اس بات پر پھر سے سادان اب اپنی گڑیا پر پیار لٹانے لگا اور اسی لمحے دونوں شہزادے بھی انٹر ہوئے۔ ظافر تو جھٹ سے بیڈ پر دوسری طرف سے چڑھے سادان کی طرح ہی داراب کو چمٹ چکا تھا جبکہ چھٹکے صاحب اب بڑی بے تکلفی سے سادان کے پیٹ پر چڑھ گئے تو سادان نے تھوڑا کسک کر فلذہ کے لیے جگہ بنائی جواب بس مسکرا کر اپنے بچوں اور سائیں کو دیکھ رہی تھی۔

اشعر ابھی داراب سے بہت جیلس ہوتا تھا تبھی اداسی سے بابا پر چڑھے ناک چڑھائے داراب کو دیکھ رہا تھا۔

بابادانی آئی متھ یو، تدھر دئے تھے۔ میکونی لے تے دئے تھے (باباجانی" آئی مس یو، کدھر گئے تھے۔ مجھکو نہیں لے کر گئے تھے)" اشعر کی معصوم سی بات پر سادان نے اسکی جیلسی پر اسے دو تین پیار دیے سینے میں

جکڑ کر تھوڑے لاڈ کیے اور فلذہ، ظافر دونوں جانتے تھے کہ جب اشعر جیلس ہوتا ہے تو اپنی اہمیت بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

"میرا بچہ، میرا شیر ببر۔۔۔۔یار تیرے چاچو کو لینے گیا تھا ناں۔اور مس یو ٹو۔۔۔۔بابا کا پرنس بچہ۔ تھتھو کہیں کا" سادان بھی ہنستا ہوا بچوں کے ساتھ بچہ بنے بولا جس پر اب اس چالاک اشعر کی بھی بتیسی نکلی کیونکہ بابا نے بہت لاڈ کر لیا تھا۔

"تیوں تیوں، زافل دیادہ پارا ہے۔اسر، ممی اول دلاب پالے نہیں۔ہم بھی دائیں گے الگی بال (کیوں کیوں، ظافر زیادہ پیارا ہے۔اشعر، ممی اور داراب پیارے نہیں۔ہم بھی جائیں گے اگلی بار)"اف اف چار سوا چار سال کا یہ تھتھو تو پل بھر میں تباہی مچا دیتا اور اب تو خود فلذہ بھی ہنس پڑی، بھئی بچے نے سوال تو تگڑا کیا جس پر ظافر بھی منہ بسورے ہوئے اس چھٹکے کے تیور پر ہلکان ہوا۔

ھاھااو میرے پیر صاحب، غلطی ہو گئی حضور۔ معاف کر دیں۔اشعر تو" بابا کا گڈ بچہ ہے اور ممی تو بابا کی پرنسس ہیں جبکہ داراب تو پری ہے۔۔۔۔ چلو چلو معاف کر دو، اگلی بار میں صرف اشعر کو لے کر جاوں گا۔ہیپی" سادان کی گال سے گال لگائے اب وہ تھوڑا بہتر اور خوش تھا جبکہ سادان نے دوسرے ہاتھ سے ساتھ بیٹھی فلذہ کا ہاتھ جکڑ کر اسکی سمت دیکھا جیسے ان نعمتوں پر اسکا تھینکس کر رہا ہو۔

سب کتنا مکمل ہو گیا تھا، شہزادے کی بک بھی بس اپنے آخری مراحل میں تھی اور جلد وہ اسکی پبلشنگ اور پرنٹنگ کے بعد لاونچنگ کا ارادہ بھی رکھتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ڈارک گرے سوٹ میں اسکا خوش وضع چہرہ اب کسی بھی دھڑکن بڑھا دیتا تھا، مردِ صاحبِ جاہ ہو تو اس جیسا۔ بڑھتی عمر کی روانی اسکی ہر ناز کی اور کمی کو پر نور کر کے سخت جان کر چکی تھی۔ چہرے پر ہلکی دھاڑی مونچھ اب اسے جچتی تھی، گہرے گرے سوٹ پر سیاہ چادر اوڑھے وہ جیسے ہی کمرے میں آیا تو سامنے منہ پھلا کر سینے پر ہاتھ باندھ کر کھڑی اس خوش روپری پیکر کو دیکھ کر بے ساختہ مسکرا کر اپنے قدم بڑھا کر اس تک آیا جو اتنے سالوں میں اب اسکے کندھوں تک پہنچ آئی تھی۔ میرون شارٹ فراک اور وائیٹ چوڑی دار پاجامہ پہنے، گلے میں اپنا آنچل رول کیے بالوں کی ٹیل بنائے وہ پیاری تو لگتی تھی پر اب تو سیدھا دل پر اٹیک کرتی تھی۔

آپ نے کہا تھا اس بار آپ جلدی تشریف لائیں گے پرنس فیلیپ، پتا ہے" دو ماہ، تیرہ دن، چھ گھنٹے اور سولا منٹ بعد آئے ہیں۔ نہیں بولتی آپ سے، جائیں" کچھ دیر پہلے کی برہمی نے جب ناراضگی اور دکھ کی شکل اوڑھی تو وہ زیر لب مسکان دبائے ایک ہی پل میں اس منہ پھلا کر کھڑی عائشہ کی سمت

آیااور ایک ہی جھٹکے سے اسکی پونی کھینچی جس پر اسکے سارے بم کی طرح پھٹے بال پھیل گئے اور وہ اب کانوں سے دھواں نکالے شیرنی کی مانند غراتی ہوئی عاقل کی سمت لپکی مگر وہ اس سے کئی گنا طاقتور مرد تھا تبھی اسکی لپکتی گرفت کو منٹوں میں جکڑے قہقہہ لگائے ہنس کر عائشہ کے جلتے غصے کو اور بھڑ کا گیا۔

میرے پیپرز تھے عائشہ، اور سائیں کی سختی سے ہدایت تھی کہ میں وہیں" رک کر اچھے سے توجہ دوں۔ اور تم اچھے سے جانتی ہو ہوسٹل میں فون کی پرمیشن ایگزامز کے قریب بالکل نہیں ملتی، اور چھٹی کا تو میں معصوم بس خواب ہی دیکھتا تھا" وہ جو روٹھ کر عاقل کی گرفت میں ابھی بھی منہ بسوڑے ہوئے تھی، عاقل کی اس بات پر تمام ناراضگی ہٹائے معصومیت سے ہنس دی۔ محترمہ سترہ میں قدم رکھے ہوئے تھیں اور دل وجان سے عاقل کی شیدائی تھیں۔

پر میرے تو اکلوتے فرینڈ آپ ہیں جو مجھے لگا کھو گئے ہیں۔ یہ بتائیں کیسے "

ہوئے آپکے پیپرز" تمام تر برہمی ہٹائے وہ عاقل کی بازو پکڑے اسے

بیٹھائے اب اسکا احوال جاننے کو بے تاب ہوئے اسکے پاس ہی بیٹھی اور وہ

عائشہ کی اس پیاری عادت پر جی اٹھتا تھا۔ انیتس سالا جوان، وجیہہ اور ایک

بہترین مرد کا روپ دھارتا عاقل، ابھی تک اپنے اور عائشہ کے رشتے کی

حفاظت ویسے ہی کیے ہوئے تھا مگر اب تو خود عائشہ اسکی مدھم مدھم قربت

چاہنے لگی تھی اور خود عاقل اسے گاہے بگاہے یہ احساس بھی دیتا رہا تھا کہ وہ

اس کے ساتھ بہت اہم رشتے سے بندھی ہے۔

پیپرز اچھے ہو گئے، اور کھو نہیں سکتا۔ تم بتاو کیسے گزرے یہ دن، کیا کچھ "

نیا ہوا" عاقل بھلے ابھی سخت تھکا ہوا تھا پر عائشہ سے تھوڑی بات ہی اسے

ریلکس کر سکتی تھی۔ عائشہ نے مسکراتے ہوئے اٹھ کر عاقل کی ٹانگوں پر

براجمانی کی اور اپنے چہرے پر ڈھیر سی شرارت لائی۔

بہت مس کیا آپکو، پتا ہے وہ میری کلاس کی نوشین۔۔۔۔ کہتی ہے مجھے "
عاقل اچھے لگتے ہیں" عائشہ کی اس بات میں رونا سا سمٹا جس پر عاقل نے
بمشکل امڈتی ہنسی روکے اس معصومیت کو ملاحظہ کیا۔

توبہ تمہاری کلاس کی ہر لڑکی کا ایمان ڈھگمایا ہوا، اور تم نے چپ چاپ "
اسکی یہ بات سن کیسے لی۔ کہا نہیں کہ عاقل کو صرف عائشہ اچھی لگتی ہے "
عاقل اسے خاصا لطف اندوز ہو کر پوچھنے لگا جس پر وہ اب پھر سے ہنس دی۔
کہا ناں، پھینٹی بھی لگائی۔ اسکا منہ دیکھنے والا تھا، اب خواب میں بھی نہیں "
سوچے گی آپکا۔۔۔۔ ھاھا" ھائے بچارے کا تو دم ہی نکل گیا، ایسی
خونخوار عائشہ سے وہ گریز ہی کرتا تھا۔ کیونکہ وہ واقعی عاقل کے لیے یہ تک
کر سکتی تھی۔

پاگل کہیں کی، دیکھنے دو بچاریوں کو۔ ان کے بس میں دیکھنا ہی تو ہے ""
عاقل نے جان بوجھ کر عائشہ کو چھیڑنے کو کہا جس پر وہ مسکراہٹ دبائے
اب عاقل کی گال پر پیار دیے ساتھ ہی جا لگی۔

نہیں، دیکھنے پر بھی ماروں گی۔اور آپ صرف میرے ہیں" عائشہ کے "معصوم دل کی اُس سچائی پر عاقل نے اسکا ہاتھ پکڑ کر ہونٹوں سے لگایا تو وہ کتنی ہی دیر عاقل کو دیکھتی رہی۔

میں صرف تمہارا ہوں" وہ بھی اقرار کرنے میں دیر نہیں لگاتا تھا، عائشہ " بھی اس خوش قسمتی پر رشک میں تھی۔

مجھے مس کیا آپ نے پرنس فیلیپ ؟اور کتنا کیا" عاقل کی گردن کے گرد " بازو پھیلائے وہ دوسرے ہاتھ سے اسکی معمولی سی مونچھ کو مڑورتی ہوئی خود عاقل کو ہنسا گئی۔

تھوڑا سا، ڈیجرس ہو تم۔ زیادہ کرتا تو چڑیل بن کر ڈرانے آجاتی، چلو اب " اٹھو مجھے بھی فریش ہونے دو اور ناشتہ کرواو مجھے" عاقل اب مزید قریب رہ کر دل کے امڈتے جذبات روکنے پر قادر نہ تھا اور وہ جب یوں فرار کرتا تھا تو عائشہ سمجھ جاتی تھی۔

نہیں مجھ سے بات کریں تھوڑی، مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے" عائشہ کی "پر اسرار سی اس بات پر عاقل بھی اب اپنی توجہ اسکی سمت مبذول کیے اسے متوجہ ہوئے دیکھنے لگا جو تھوڑی کنفوز لگی۔ عاقل ابھی نہیں جانتا تھا کہ حویلی میں اب انکی باقاعدہ شادی کا پلین بن چکا ہے کیونکہ وہ کافی ٹائم سے اسلامہ آباد ہی تھا اور ابھی پہلی ملاقات آتے ہی اسکی عائشہ سے ہو رہی تھی جو سب کچھ جانتی تھی۔

اچھا پوچھو، کیا پوچھنا ہے" عاقل نے اسکی بات پر نرمی اور رسانیت سے "اپنی مونچھ کو تاو دیتا عائشہ کا ہاتھ پکڑا اور دوسرے سے اسکی کمر جکڑی کیونکہ جس طرح وہ لہک رہی تھی، عاقل کو لگا کہیں گر نہ جائے۔

آپ میرے ہسبنڈ کب بنیں گے؟" عائشہ نے بنا سوچے ہی اپنا سوال "پوچھا جو ایک پل عاقل کو بھی حیرت میں ڈبو گیا۔

میں آل ریڈی تمہارا ہسبنڈ ہی یوں مینٹل، اور یہ ایک دم سے ایسا سوال" کیوں" عاقل کو اب عائشہ کے انداز سے احتیاط برتنی پڑھ رہی تھی کیونکہ وہ اسکے چہرے کے مزید قریب آرہی تھی۔

نو، آپ ابھی فرینڈ رہتے ہیں۔ میرے پاس نہیں آتے نہ مجھے آنے دیتے" ہیں۔ مجھے آپکی وائف بننا ہے اب" عاقل کے چہرے پر پھیلی سفیدی سے بے نیاز وہ بے باکی اور ضدی ہوئے اپنی اور عاقل کے بیچ کی آٹھ سالہ حد پورے استحقاق سے توڑ گئی، اور یہ پہلا دوستی سے پرے کا لمس خود عاقل کے وجود میں سنسنی اتار گیا۔ اسکی عائشہ کے گرد پکڑ بھی لمحے بھر کی بے خودی میں ڈھیلی ہوئی اور وہ کتنی دیر عائشہ کے چہرے پر لکھے نئے رنگ دیکھتا رہ گیا۔ جن میں شرم، خوشی، خواہش، سکون، اور لطف کی بھرمار تھی۔

وہ جو بے باکی سے حد تجاوز کر گئی تھی اب سرخ ہو کر پلکیں لرزائے کانپ اٹھی، اور عاقل کی بے باک مسلسل نگاہیں اسکا دم نکالنے لگیں۔ ڈھیلی

ہوتی پکڑ پھر سے سخت ہو کر عائشہ کے وجود کو گدگدانے لگی مگر عاقل سنجیدہ ترین تھا۔

"جلد بازی اچھی چیز نہیں، میں چاہتا تھا مزید چند سال تمہیں دوست ہی رکھوں۔ تمہاری خواہش بجا لیکن میں اک مدت سے تمہیں خود سے زیادہ حفاظت دیتے دیتے اسکا عادی ہو گیا ہوں، یک لخت کیسے کر سکوں گا۔ ابھی بھی تم چھوٹی ہو عائشہ، یہ سب۔۔۔۔" عاقل کی سنجیدگی اور مصالحت سے کہی اس بات پر عائشہ نے بھی سنجیدہ ہو کر عاقل کے چہرے سے ہتھیلی جوڑی جو اسکے لیے بے حد فکر مند تھا۔ اور انگوٹھے کو اسکے ہونٹوں سے مس کیے اسکو بولنے سے بہت پیار سے روک گئی۔

"بس۔۔۔ میں کچھ نہیں جانتی، اور چھوٹی کہاں ہوں۔ سترہ کی ہونے والی بہت ہو گیا دور کا پیار، میں آپ سے دور نہیں رہنا چاہتی۔ آپ میرا سب کچھ ہیں، اور میرا دل اب میری نہیں مانتا، مجھ سے نہیں سمجھایا جاتا" عائشہ یہ سب بلا جھجھک کبھی اسکی آنکھوں میں کبھی اسکے چہرے کے نقوش کو

دیکھ کر جھنجلاہٹ میں کہہ رہی تھی اور عاقل کو اسکے ہر انداز سے محبت تھی۔ اسکے اور عاقل کے بیچ کا رشتہ ہی ایسا تھا کہ وہ بچپن سے سب عاقل کو کہتی آئی تھی۔

عاقل نے اس کی معصوم سی الجھن کو ہنس کر دیکھا اور تھوڑے سے شریر انداز میں اسے دیکھنے لگا جو بوکھلائی ہوئی ہلکان تھی۔

تم تو بہت ہی خطرناک نکلی، اس بے باکی سے یہ سب پہلی بار کسی بیوی نے " شوہر سے کہا ہوگا۔ لیکن مجھے ایک بات کی بہت خوشی ہے" عاقل اب اسکے چہرے کو سہلائے نازک سے ہونٹوں کو دیکھتے خماری سے بولا جس پر وہ شدید مضطرب ہوئے جاننے کو بے تاب ہوئی۔

کیا" عائشہ کا کیا خاصا خودساختہ برآمد ہوا۔ "

یہی کہ اب تم مجھ پر خود سے زیادہ اعتبار کرتی ہو، تمہیں یقین ہے کہ میں " تمہارے وجود پر کوئی خراش نہ لاوں گا۔ تمہیں رلاوں گا نہیں، تمہیں خود سے دور نہیں پھینکوں گا۔ تمہیں درد نہیں دوں گا اور تم کو پیار سے اپنا بنا

لوں گا" عاقل نے یہ کہتے ہی لرزاں خیز طویل گستاخی کیے پورا بدلا لیتے ہوئے عائشہ کا دل بھی روک دیا اور پوری شدت سے وہ اسے یہ بتاتے ہوئے مسکرایا کہ وہ خود اسے اس سے زیادہ چاہتا ہے۔ یہ تو عافیت اور سکون کا اخیر لمحہ تھا جس نے آخر کار آج عائشہ اور عاقل کی زندگی بھی جوڑ دی تھی۔

ج۔۔ جو بھی کریں پر مجھے اپنے قریب کر لیں" عائشہ نے اپنی بے ہنگم " ہوتی دھڑکن اور بے لگام ہو کر بکھرتے تنفس کے سنگ گھبرا کر کہا اور عاقل اس کے کھلے بالوں میں اپنا چہرہ چھپائے مسکرا اٹھا۔

کرتا ہوں، جلد" وہ تھوڑا الگ ہوئے وارفتگی سے اسے دیکھتا اسکی ٹھوڑی " پر ہونٹ رکھے ذو معنی سا خطرناک ہوا اور وہ اب فوری اسکی گود سے اٹھتے ہی سامنے جا کھڑی ہوئی اور اسکے اٹھتے ہی عاقل بھی اٹھ کر اسکی سمت لپکا۔

آئی لو و یو سو مچ، فریش ہو جائیں میں ناشتے کا کہتی ہوں" وہ یہ کہہ کر عاقل کی گرفت میں جکڑنے سے پہلے ہی ہنستی ہوئی کمرے سے باہر دوڑ گئی اور کتنی ہی دیر عاقل اس ٹرانس میں اپنے تبسم کو چھوئے اس لطف کا ذائقہ محسوس کیے سرمست ہوا۔

یا اللہ اب آگے سے اسکی حفاظت آپ کیجئے گا، اسکی یہ ہنسی تا قیامت سلامت رہے اور مجھے کبھی اس پری کی تکلیف کا سبب نہ بننے دیجئے گا۔ مجھے ہمت دیجئے کہ میں اسکو اسکے حصے کا ہر سکھ اور آرام دے سکوں" خود کلامی کو دلفریبی سے مکمل کیے وہ خجالت اور شرمگیں مسکان سے سر کھجاتا فریش ہونے چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دستک کی آہٹ آج دروازے کی اوٹ سے لگی رمشہ کے دل میں درد جگا گئی تھی۔ وہ بھی یہاں تک آ تو گیا تھا مگر دل چاہا کہ بس یہیں سے بھاگ جائے۔

آٹھ سال۔۔۔۔۔ کتنی بڑی سزا جھیل کر آیا تھا وہ مجرم کے رمشہ کی ساری نفرت اب محبت کی اونچی قسم بن گئی تھی۔ کیا کوئی محبت میں یوں ستاتا ہے، اک ناپسندیدہ لمس کو پسندیدہ بنانے سے لے کر اسے رمشہ کی حسرت بنانا تو تیمور چوہدری کے سوا کسی کے بس کا روگ نہ تھا۔ وہ اب بالکل بدل گیا تھا۔ اسکے چہرے پر اب صرف سنجیدگی رہتی تھی، اسکا حسن اب منتشر لگتا تھا۔ وہ بھی آٹھ سال کی قید سے رہائی پاتا مجرم تھا جسے آج رمشہ کی عدالت میں معافی کی تمنا تھی۔

فل بلیک، چہرے کی ہلکی بڑھی شیو جو اسکے چہرے کی نازکی آج بھی چھپائے ہوئے تھی۔ اسکا سرخ و سفید رنگ اور پتلے نقوش اب سوبر اور توانا تھے۔ وہ اب ایک شاندار مرد لگتا تھا، چوبیس کے لگ بھگ اک ٹوٹا سا شکستہ مرد جس نے اپنی توڑ پھوڑ کو اپنی طاقت بنا لیا تھا۔

آج وہ ایک کامیاب انسان تھا، میٹرک فیل تیمور کو اس عشق نامی بلا نے دنیا کا فخر بنا دیا تھا۔

دستک پر دروازہ نہ کھلا تو وہ یونہی مجرمانہ سا پلٹ گیا مگر پھر اک لذت آمیز دروازہ کھلنے کی آہٹ پر وہ بے قراری سے مڑا تو سامنے کھڑی اس لڑکی کو حیرت سے دیکھتا ہوا ساکن ہوا۔

رمشہ کے چہرے پر پتھر سی سختی تھی، دونوں ایک دوسرے کی پہچان سے قاصر ہونق بنے ایک دوسرے کی سمت دیکھ رہے تھے۔ بالکل ویسے جس طرح صدیوں بعد دو آشنا کسی راہ پر آ ملتے ہیں۔

وہ پہلے سے ہزار درجے خوبصورت اور دل آویز ہو چکی تھی، اسکی نازکی اور حسن اس عادی مجرم کو پل بھر میں سلگا گیا تھا۔

وہ کسی ہارے ہوئے جواری کی مانند اپنے رکے قدم خود بخود رمشہ کی اور بڑھا رہا تھا اور وہ بھی اپنے قدموں کے سنگ دلبرداشتہ ہو کر اپنا رخ بھی موڑ کر کئی قدم پیچھے ہٹی۔

تیمور نے اندر داخل ہوتے ہی کھلے کواڑ بند کیے اور دروازے کے ساتھ نڈھال ہو کر لگتا کتنی ہی دیر اس اکھڑے سانس لیتی رمشہ کو پشت سے دیکھتا رہا جو خود کسی ٹرانس میں مبتلا تھی۔

معاف کرنا، بنا معافی ملے اپنی شکل دیکھانے آ گیا ہوں۔ اچھا کیا جو منہ " موڑ لیا۔ ایسے ہی بتادو کہ کیا میرا جرم اب بھی معافی کے لائیک نہیں ہوا" وہ جو اپنے پیروں کی مٹی چھوڑے چلتا ہوا رمشہ تک پہنچا، اسکے جلتے الفاظ نے رمشہ کی سماعت بھی جلادی۔ کئی آنسو رمشہ کی موڑی نگاہوں سے اسکی گالوں پر بہہ رہے تھے اور وہ بکھرا ہوا معافی کا طلب گار مخدوش حالت میں کٹھہرے میں کھڑا تھا۔

تمہیں آج بھی صرف تکلیف دینی ہی آتی ہے، آگے بھی یہی کرو گے تو" معافی کس لیے۔ میں اتنی پاگل ہوں کے ان آٹھ سالوں میں کئی بار تم کو غائبانہ معاف کرتی رہی اور پھر معافی واپس لے لیا کرتی۔۔۔۔ اور کسی قابل تم نے مجھے چھوڑا ہی نہیں تھا۔ کس کس چیز کی معافی مانگو گے یہ کہو"

بنا پلٹے ہی وہ اپنی سیلن زدہ آنکھیں رگڑتی کرب سے رو نکھی ہوئی۔ اس شخص کی اُس بات نے گویا اسے سخت رنج دیا تھا اور رمشہ کی ان ٹوٹی پھوٹی باتوں نے تیمور کی مدھم چلتی کائنات بھی روک دی۔

مت کرو معاف، میں موت تک بھی انتظار کر سکتا ہوں۔ پر مجھ سے اب " کوئی وضاحت یا صفائی نہیں دی جا سکتی " وہ پاگل پن کے سنگ ہٹ دھرم لہجے میں سر جھٹک کر پلٹ گیا اور اسکے یوں کرنے پر رمشہ تلملاتی ہوئی مڑی اور اسے سیدھا سیدھا گریبان سے دبوچا۔ وہ قد میں اس کی طرح لمبی تھی اور اسکے یوں کرنے پر وہ پہاڑ بھی پورا ہل گیا۔

رمشہ کی سرخ ہوتی آنکھیں تیمور کے دل میں ناسور کی طرح درد دے رہی تھیں اور وہ اب اسکا گریبان چھوڑ کر اسکے سینے پر مکے برساتی ہوئی سخت رو پڑی۔ تیمور اسکی اس عجیب ہیجانی حالت پر بھی پتھر بنا رہا۔

مجھے تم سے موت کے بعد بھی نفرت رہے گی، سنا تم نے۔ کیوں کیا تم " نے میرے ساتھ یہ ظالم انسان، تمہیں آج بھی مجھ پر رحم نہیں آیا۔ میں

نہیں مانتی کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے یا تھی، تم تو کل بھی بے حس پتھر تھے اور اب تو بے درد بن کر لوٹے ہو" تیمور اسکی اس تمام حرکت پر ضبط کیے اپنی آنکھیں لال کرتا اپنا آپ اس سے چھڑوائے دو قدم دور ہٹا اور رمشہ کا تو سانس تک رکنے لگا تھا۔

مجھے محبت نہیں ہوس تھی یہی سمجھتی ہو آج بھی، سمجھتی رہو۔ جانا ہو گا" مجھے یہاں رہا تو مر جاوں گا۔ تم مجھے معاف نہیں کر سکتی تو ٹھیک ہے تم جیسا کہو میں کر سکتا ہوں۔ میری قید سے آزاد ہو کر جہاں چاہے اپنی زندگی سنوار لو۔۔۔۔۔۔اور ہاں مجھے تو اب تمہیں چھونے تک سے خوف آرہا ہے" رمشہ کی تو جیسے نبض تھم گئی اور وہ اسے واقعی ذہنی طور پر ہلا لگا تبھی وہ پتھرائی سی تیمور کی یہ حالت دیکھ کر سہم گئی۔

تم پاگل ہو گئے ہو، تم کو کیا ہو گیا ہے" رمشہ باقاعدہ لرزتی ہوئی چینخی" تھی اور وہ اجاڑ حال اپنے بالوں میں انگلیاں پھنسائے اس سے پہلے باہر کی سمت بھاگتا، رمشہ نے اسکی اس تکلیف میں کمی کو ساری حدیں پار کر دیں۔

یہ وہی لمس تھا جو حق اور فرض تھا۔ مگر اسکی آسودگی دیر تک ہونے کے باوجود بھی دونوں کے چہروں پر کرب کم نہ کر پائی۔ خود تیمور کی بند آنکھیں درد سے چور تھیں۔

وہ بے حال سا ہو کر بھی اس سکون کو اندر تک جذب کیے جب الگ ہوا تو رمشہ نے دونوں ہاتھوں سے اسکا زرد چہرہ تھامے پیشانی چومی اور اسکے گلے جا لگی۔

"تمہارے جانے کے بمشکل ایک ہفتے بعد ہی رمشہ نے تمہیں معاف کر دیا تھا، لیکن یہ سزا تم پر قرض تھی۔ تیمور، اب مجھ سے ایک لمحے کی جدائی برداشت نہیں ہو گی، مجھے معاف کر دو" وہ اسکے وجود میں مکمل چھپی ہوئی یہ سب کہہ دے گی، یہ تو اس عادی مجرم کے لیے رہائی کا سکھ تھا۔

وہ بھی آج آٹھ سال کا رویا تھا، آٹھ سال کا کرب نہیں بلکے سزا کی قبولیت اور انعام کی عنایت تھی جس نے تیمور جیسے پہاڑ مرد کو رلا کر رکھ دیا تھا۔

جھوٹ تو نہیں کہہ رہی، مزاق تو نہیں کر رہی تم "اسکو بازووں میں جکڑے وہ روتا ہوا بولا جس پر رمشہ نے رنجیدگی سے اسکی گرفت سے رہائی پا کر اسکے روبرو پیشی دی۔

مجھے تم دل و جان سے قبول ہو تیمور، تمہاری محبت ہوس کبھی ہو ہی نہیں سکتی۔ میں پوری خوشی سے اپنا دل، جان، وجود اور روح تک تمہیں سونپ دوں گی۔ مجھ سے اب دور مت جانا۔ تمہارے بنا نہیں جی سکتی "محبت کا یہ رنگ کہ محبت خود شرما گئی۔ سانسوں کی قید اب ان دونوں عادی مجرموں کی من پسند رہائی تھی۔

آج کسی لمس نے رمشہ کو جلن نہ دی، وہ اسکے چہرے پر شدید کرب سے اپنی بے قراری لکھ رہا تھا اور وہ بس اسی کی حسرت رکھتی تھی۔

پھر سے کہو، خدا کے لیے پھر سے کہو "وہ تو جھلا ہو رہا تھا، اور وہ ہر حد سے گزرے اسکی کسی طور تکلیف کم کرنے پر لگی تھی۔

بہت یاد کیا تمہیں، بہت تڑپی ہوں۔ تمہیں سزا دے کر خود بھی جلی" ہوں۔ مجھے معاف کر دو پلیز، وعدہ کرتی ہوں ہر تکلیف کا ازالہ کروں گی۔ معاف کر دو" وہ تو بس یہی چاہتا تھا کہ اسکی سماعت جس آواز کو ترسی ہے وہی سنائی دی جائے۔

اسکے ہونٹوں پر لکھی تشنگی کی داستان ہر کوئی پڑھ سکتا تھا، وہ اجڑا ہوا تھا جو آج بسا تھا۔ پھر سے تیمور کی پتھرائی آنکھوں سے نمی بہی جسے رمشہ نے محبت سے ہٹایا۔

مجھ سے معافی مت مانگو، مجھے یہ سب برداشت تو کرنے دو رمشہ۔ یاد تو وہ" ہے جو تیمور چوہدری نے تمہیں کیا، تڑپنا تو وہ تھا جو مجھ پر بیتا، اور جلن۔۔۔۔ مجھے دیکھو رمشہ۔۔۔۔ میرے چہرے، دل اور وجود پر جلن کے سوہان روح آثار درج ہیں۔۔۔۔ میرے درد میں کمی کر کے مجھ سے معافی مت مانگو" وہ جو خود رودی تھی، اب کی بار تیمور کے دیے پر سکون

شدید جذبات اور انکا لمس اپنے چہرے پر محسوس کیے آنکھیں بند کرتی اسکے سینے سے لگ گئی۔

ہر جلن مٹادوں گی، ہر تڑپ ختم کردوں گی بس مجھ سے دور مت جانا" وہ کسی کانپتے بچے کی طرح اسکے سینے سے لگی تھی اور وہ شکر گزاری میں سر اٹھائے ابھی بھی اپنی آنکھیں درد سے اٹی محسوس کر رہا تھا۔

"مجھے بھی دور جانے مت دینا، بہت مشکل سے زندہ رہ پایا ہوں"

تیمور کا بے جان وجود وہ تھامے اسے روئی سی آنکھوں کے سنگ بیڈ تک لائی اور اسے اسے بیٹھائے خود اسکے قدموں میں بیٹھے اپنا سر اسکی گود میں رکھے رودی اور وہ بھی اسکی اس تکلیف سے بے حال تھا۔

مجھے لگتا تھا میں نے پہل کردی تو تم سمجھو گے میں تمہارے لیے تڑپ" رہی ہوں، اور یہی سوچ سوچتے سوچتے میں نے اپنی ہر خواہش ماردی۔ اور پھر تم آسمان کے چاند بن گئے، پھر تو میرے اندر ہمت ہی ختم ہو گئی کہ تم تک کچھ پہنچا سکوں۔ سب سے تمہاری خیریت مل جاتی تھی اور میں اس پر

خود کو مطمئین کر لیتی کہ جب وہ شخص میرے بنا نہیں مرا، نہیں تڑپا تو میں کیوں سسک سسک کر سزا کاٹوں۔ تم نے مجھ سے بہت بے رحم محبت کی ہے، جو میرا وجود چھلنی کر گئی" وہ مسلسل کرب سے رو رہی تھی اور تیمور کی آنکھوں میں اس وقت صرف سرخی اور نمی تھی اور وہ اسے ہاتھ سے پکڑ کر قدموں سے اٹھائے ساتھ بٹھا کر اسکا چہرہ ہاتھوں میں بھر کر دردناک ہوا۔

"کیا محبت بے رحم ہی ہوتی ہے، تم زخمی ہو تو میں کونسا سلامت ہوں۔ تمہیں لگتا ہے وہ دنیا کا چمکتا تیمور اور یہ تمہارے سامنے ہارا تھکا وجود ایک ہیں۔ نہیں، وہ میرا جبر ہے اور یہ میرا صبر۔ میں پاگل پن کی سٹیج سے واپس آیا ہوں۔ مجھے تمہاری نفرت نے بے رحم کیا، ورنہ روز اول سے دل میں تمہاری چاہ کے سوا کوئی خیال نہ تھا" تیمور کی سانس کا ربط بگھڑ رہا تھا اور وہ آج اسکی سانسوں کی حدت سے سکون پا رہی تھی۔

کتنی ہی دیر وہ اسکے بکھرے وجود کو سیمٹے خود بھی نڈھال ہوئی، وہ واقعی تھکن سے چور ہو چکا تھا۔

بس کرو یہ رونا، اب ہم پاس ہیں۔ رمشہ تمہاری ہے اور تمہاری تھی، سچ "
پوچھو تو میں بھی تھک چکی ہوں۔ یہ سزا مجھے بے حال کر گئی ہے" بے قراری سے وہ رمشہ کے وجود کو اپنی تحویل میں لیے شدتیں لٹانا چاہتا تھا، پر ابھی تھکن نے بس چہروں کے ملاپ کی ہی تجویز دی۔

معاف کر دو مجھے، میرے دل میں ابھی بھی تیر پیوست ہے" تیمور کی "
آنکھیں لہولہان تھیں، وہ اسکے چہرے پر جھکتے جھکتے ان آنکھوں میں آنکھیں گاڑے بولا جس پر رمشہ نے اسکی گال کو ہونٹوں کی چھاپ دی۔

پور پور زخمی ہے" وہ بے لگامی میں مبتلا کرب آمیز ہو کر نشاط انگیز لمحوں "
میں قید ہو رہا تھا۔

تم میرا سکون ہو، میرے صبر کا ثمر۔۔۔ تم جو کہو وہی حرف آخر۔۔۔ "
آج تم پر فرض ہے اپنا مرہم وصول کرو، نہیں روکوں گی" وہ اسکی تھکی سی

بے خودی کو مزید بڑھائے اسے پکڑ کر وہیں لٹاتی خود بھی اسکی بازو کھولے اسکے پہلو میں سمٹ گئی۔

سونا چاہتا ہوں، تمہارے پاس" تیمور کتنی ہی دیر اسکے ہر نقش پر ہونٹوں" کی گہری چھاپ دینے کے بعد اسکی سمت سمٹ کر اپنی آنکھیں موندھ گیا اور وہ بھی تیز تیز سانس لیتی اپنے کندھے سے چہرہ لگا کر کسی سہمے بچے کی مانند سوئے تیمور کا چہرہ بنا اسے چھوئے دیکھتی رہی اور وہ یونہی دیکھتے دیکھتے اسکا حصہ بنا ہوا نیند میں مبتلا ہوا اور وہ بھی اسے جی بھر کر دیکھتی ہوئی جنبش تک کی روادار نہ رہی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بھئی کیوں نا دونوں دلہنوں کو کل سے مایوں بٹھادیں، حویلی میں اتنی" ساری خوشیاں ایک ساتھ آرہی ہیں بھئی کوئی سلیبریشن تو بنتی ہے ناں"

شام تک تبریز اور عالیہ بھی پہنچ چکے تھے کیونکہ کل درمان حق کی واپسی تھی اور انکی ساری فیملی انکے لوٹنے پر بے حد خوش تھی وہ سب ہی ہال میں بیٹھے شام کی چائے پی رہے تھے جب عالیہ نے ہی یہ مزے دار تجویز دی۔ تیمور اور رمشہ کو کسی نے ڈسٹرب نہیں کیا تھا البتہ باقی سب ہی اب جمع تھے۔ ساری بچہ پارٹی بھی ہنس اور مسکرا کر اپنے اکھٹے ہونے کی اطلاع دے رہی تھی۔

جہاں کیف،، خیرہ، تقویم اور ظافر چاروں بڑے بچے ہونے کے ناطے شریف النفس بنے چوکس سے بیٹھے تھے وہیں حنظلہ ،اشعر کی اپنی چھٹکی جوڑی تھی جو دونوں ہی پورے ہال میں اپنی معصوم سی دوڑیں لگانے میں مگن تھے اور باقی رہے دو چھٹکے داراب اور زمیل وہ اپنے اپنے باباجانی کے پاس مزے سے براجمان تھے۔ داراب تو زیادہ سوئی رہتی تب بھی سادان اسے اٹھا کر لاڈ ہی کرتا رہتا تھا۔

فلذہ اور زینیہ تو مسکرا کر چائے کے ساتھ لوازمات سرو کر رہی تھیں جبکہ کومل، عالیہ، عائشہ اور سلطانہ وہیں بیٹھی تھیں۔اس بات پر عائشہ نے بے اختیار بھینی سی ہنسی کے سنگ سادان کے سامنے بیٹھے عاقل کو دیکھا جو خود بھی اسی کو دیکھ کر مسکراہٹ دبائے ہوئے تھا۔

بلقیس بھی خوش تھی کہ آخر کار حویلی کی دائمی خوشیوں کا وقت آن پہنچا ہے۔سب کو ہی عالیہ کی تجویز بے حد پسند آئی تھی۔

"بالکل بھئی کل سے باقاعدہ ڈھولکی چھولکی بھی سٹارٹ کریں، لگنا چاہیے کہ دو شہزادوں کی شادی ہے" شاویز نے بھی مسکرا کر اپنی خوشی بتائی جس پر سادان اور تبریز کے علاوہ کرمان بھی جی جان سے متفق لگے۔

"بس کل درمان بھائی کی واپسی ہے،ان شاءاللہ کل سے اس حویلی میں خوشیوں کا اک نیا سلسلہ شروع ہو گا۔دعا ہے کہ اللہ رب العزت آگے سب خیر کریں" اسد صاحب کی دعائیہ بات پر وہاں موجود ہر فرد نے دل سے آمین کہا تھا۔

آمین، ان شاءاللہ اب اس گھر کو کسی کی نظر نہ لگے۔ میری چھٹکی سی عائشہ "کب اتنی بڑی ہوئی پتا ہی نہیں چلا۔ بھئی عاقل تیاری پکڑ لو ہماری گڑیا کے لاڈ اٹھانے کو" سادان کو آج بھی عائشہ اور داراب میں فرق نہ تھا، اور اسکی اس شرارت پر جہاں سب ہنسے وہیں عاقل بھی دلفریب سی اثبات زدہ جنبش دے محفل لوٹ گیا جو صبح کی عائشہ کی عنایت پر ابھی تک دم بخود سی سرمستی میں گم تھا اور سب نے ہی دونوں کا صدقہ اتارا۔ سادان کی طرح خود زینیہ بہت خوش تھی کہ عائشہ کو وہ ایک پراعتماد سی شوخ پری بنتا دیکھ رہی تھیں۔ یہ سب عاقل کی محبت اور محنت تھی اور اس بات کا اعتراف اب حویلی کا ہر فرد کرتا تھا۔

کوئی کیا جانے کہ اب عائشہ کا انکے لاڈ اٹھانے کا وقت ہے" وہ بھی کسی" بھی پل عاقل کے بارے میں سوچ کر مسکرانے لگتی تھی، اور پھر خود ہی اپنے پاگل پن پر شرما جاتی۔ اب تو عاقل اسے پہلے سے زیادہ خوبصورت لگ رہا تھا، اسے دیکھتی ہوئی وہ کب اسکی نظروں میں آئی یہ خود اسے چونکا گیا۔

دونوں کا یہ آنکھوں سے حال دل کہنا دلفریب منظر تھا۔خواتین تو ابھی سے شاپنگ، تیاریوں کی پلاننگ میں گم تھیں جبکہ آج سلطانہ کا دل بھی ہلکا تھا۔ وہ انتظار جو ایک عام نڈر عورت تک کو چور کر دیتا ہے،اسے اس صابر عورت نے بہت ہمت سے سہا تھا۔انکے سر کے سائیں بھی لوٹنے کو تھے شاید اسے ہی عورت کا اصل سکھ کہتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شام سے اب رات ہو رہی تھی اور وہ آج پر سکون نیند لے کر بیدار ہوا تو خود پر رمشہ کی تنی پلکیں اور وارفتہ نگاہیں پا کر دل میں اک سکون اترا۔ جاگ گئے ؟" وہ اسکی پیشانی پر ڈھلکے بالوں میں ہاتھ پھیر کر پرے کرتی" مدھم سی بولی جس پر تیمور نے اسکے اسی ہاتھ کو پکڑ کر اپنے دل پر رکھا اور کتنے ہی لمحے چپ چاپ اسکی موہنی صورت دیکھتا رہا۔

نہیں، لگ رہا ہے خواب جی رہا ہوں۔ اپنی زندگی کا سب سے خوبصورت" خواب۔ کیا میں بہت دیر سویا، لگتا ہے رات ہو گئی ہے" کھڑکی پر گرے پردوں کے پرے رات اترتی دیکھائی دی تو تیمور نے بے خودی سے شروع کی بات فوراً بدل کر رمشہ پر توجہ ڈالی۔

ہاں تم چار گھنٹے سوئے ہو، بہت پیارے لگ رہے تھے۔ اب کیسا فیل کر" رہے ہو" اسکے سوال سے بے نیاز وہ بس اسکی آنکھوں کی سرخی دیکھ کر پریشانی سے پوچھ رہی تھی جس پر یک لخت تیمور نے ان محرم سانسوں سے حدت مستعار لی اور رمشہ اس تسکین پر اپنی آنکھیں موندھے بھی مسکرا دی۔

ابھی بھی ڈاون ہوں، آٹھ سالوں کا بدلا آٹھ گھنٹے تو بنتے ہیں پر رات رکنا" تھوڑا آکورڈ ہے۔ وقت نے تھوڑا تہذیب یافتہ بھی بنا ہی دیا ہے مجھ بے عقل کو" وہ صاف گوئی سے بنا مسکرائے کہہ کر رمشہ کو حسین مسکان دے گیا اور وہ کتنے ہی لمحے اسکی گال سے چہرہ لگائے مسکراتی چلی گئی۔

تھوڑا نہیں، بہت زیادہ" وہ ہنوز حسین مسکرا رہی تھی اور وہ بھی اس "کمپلیمنٹ پر تھوڑا ہی سہی پر مسکرا دیا۔

اب یہ ہنسی جانے نہیں دے سکتا، کبھی اسے ختم مت کرنا۔ میں بہت "نالائق ہوں تم میری غلطیوں پر مجھے معاف کر دینا، خود سے دوری کی سزا مت دینا۔ میری محبت بے رحم سہی پر تم پر شروع ہو کر تم پر ختم ہوئی رمشہ، مجھے ہمیشہ قبول رکھنا" وہ اب پھر سے درد میں مبتلا خود رمشہ کی جان لے رہا تھا مگر وہ اسکا چہرہ سہلائے بس یہ سب باتیں روک دینے کا حکم دے رہی تھی۔

یہ سب مت کہو اب، میں بس اب خوش رہنا چاہتی ہوں۔ تمہارے "ساتھ، پچھلا کچھ مت یاد دلاو" وہ اسکی درخواست پر اسے پکڑ کر اپنے سینے میں بھینچ گیا اور وہ بھی دل و جان سے اس شخص کے حصار میں جی اٹھی۔

کچھ دیر وہ مزید رکا اور پھر محبت کی کچھ بے قرار رمزیں کھولتا ہوا اس سے جدا ہوئے باہر نکل گیا۔

دوسری طرف عاقل کمرے میں آیا تو عائشہ کو لمبی تان کر سوتا دیکھ کر حیرت سے گھڑی پر رات کے نو دیکھ کر شدید حیران ہوا کیونکہ وہ افلاطون اتنی جلدی سو جائے یہ تو ناممکن تھا۔

بنا چینج کیے ہی وہ چہرے پر تجسس اور شرارت لائے عائشہ کے سرہانے پہنچا اور ایک ہی جھٹکے سے اسکی تانی چادر ہٹائے مسکرایا جہاں وہ زبردستی آنکھیں سختی سے میچے ڈرامہ کرتی ہوئی نہایت پیاری لگی۔ جو کچھ اس نے صبح کیا اور وصول کیا اسکے بعد اب اسے عاقل سے الگ ہی شرم آرہی تھی اور تبھی وہ اتنی جلدی سو کر عاقل کے سامنے سے ڈر بھی رہی تھی۔ کتنی ہی دیر وہ عائشہ کی منصوعی سوئی لرزتی آنکھوں کو دیکھ کر ہنسی دبائے رہا اور پھر بڑے ہی مزے سے ساتھ ہی بیٹھا۔

عائشہ کا دل پوری سپیڈ سے گیئر لگائے دوڑا اور اس سے پہلے کہ وہ اٹھ کر بھاگتی عاقل مڑ کر اپنے دونوں ہاتھ اسکے دونوں اطراف ٹکائے اس پر جھکا جو اب آنکھیں کھولے شریر ہنسی دباتی ہوئی بہت پیاری لگی۔

جب پتا تھا اتنی بے باکی ہضم نہ ہو گی تو ایسا ظلم کیوں کیا لڑکی، کیا تم مجھ " سے شرما رہی ہو۔ دیکھو عائشہ مجھے صدمہ ہو رہا ہے، شرمانا اور عائشہ دو الگ چیزیں ہیں۔۔۔۔۔" عاقل کی باتیں اس کے دل کو گدگدا رہی تھیں اور وہ شدید نیلی پیلی ہو کر پوری دھڑک رہی تھی اور عاقل اسکے چھینپے روپ اور وجود کو پہلی بار دیکھ کر دلنشین سی خوشی میں جھکتا ہوا اسکی پیشانی چومنے لگا اور وہ وہیں سے اسکی گردن میں بازو پھیلائے عاقل کے جھک کر واپس ہوتے ویسے ہی ساتھ لگی بیٹھ گئی مگر مسلسل وہ عاقل کو دبوچے ہنستی جا رہی تھی اور عاقل اسے اب گدگدی کرنے کا سوچ رہا تھا۔

آپ کو پتا ہے یہ پہلی بار ہوا، آپ کا سوچ کر ہی اب میرا دل کانپ رہا" ہے۔ کیا ساری بیویاں میرے جیسی پگلا جاتیں یا یہ جادو مجھ انوکھی پر ہی اترا ہے" عاقل کا قہقہہ اس بات پر کمرے میں کھنکھا اور اسکا دل چاہا اس لڑکی کو اسکی معصومیت پر ایوارڈ دے۔ وہ بھی عاقل کے ہنس کر اسکی نازک کمر میں بازو حائل کرنے سے گھبرا رہی تھی۔

یار میں کسی کی بیوی نہیں ہوں، لہذا اسکا جواب دے نہئں سکتا۔ہاں کچھ " دن ویٹ کرو، تمہیں بیوی بنا کر جواب دوں گا پورے حق سے" عاقل کی اس بات نے عائشہ کے چہرے پر مزید خوشی اور گھبراہٹ پھیلائی جس پر اب وہ شرافت سے اس سے الگ ہوئے کن اکھیوں سے اسے دیکھنے لگی۔

آپ سے ایک بات پوچھوں ؟" عین وہ عاقل کی آنکھوں میں دیکھ کر "" اب زرا سنجیدہ ہو کر بولی تو خود عاقل اپنی توجہ کے ساتھ ساتھ اپنا رخ بھی عائشہ کی سمت کیے اسکا ملائم ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں لیے تجسس میں ڈوبا۔

ہاں پوچھو" وہ جاننا چاہتا تھا کہ آخر عائشہ اس سے کیا کہنا چاہتی ہے۔"

آپ نے اتنے سال میری کئیر کی، میرے بیسٹ فرینڈ رہے۔ حتی کہ وہ" بات جو میں فلذہ یا زینیہ مما سے بھی نہ کہہ پاتی تھی وہ آپ سے کہہ دیتی تھی۔مجھے آپ جیسا انسان ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل سکتا،آپ نے سادان بابا سے کیا عہد پوری ایمانداری سے نبھایا مگر کیا آپکو بھی میری

طرح مجھ سے محبت ہوئی ہے یا آپ نے صرف میری خواہش کا احترام کیا۔ مجھے سچی سچی بتائیں" عائشہ کی نازک سی جان اتنی ہلکان تھی کہ کتنی ہی دیر وہ اسکے سوال پر بس تبسم میں ڈوبا رہا۔

جس لڑکی کو اس نے اول روز سے اپنے لیے ایک امانت سمجھا، ایک پھول کی طرح اسکی حفاظت کی، جسکے آرام کا ہر ممکن خیال رکھا آج وہی عاقل جیسے شیر جواں مرد کا سکون بن چکی تھی۔

خود عاقل جس طرح رعب دار لگتا تھا، عائشہ کے لیے اسکی سہیلی ہی تھا۔ وہ بچپن سے ہی نازک تھی، مگر اب بھی اسکی نزاکت چھونے سے سلوٹ زدہ ہونے لگتی۔ اسکی بڑی بڑی آنکھیں جو اس وقت عاقل سے بہت کچھ جاننے کی طلب گار تھیں، وہ نازک گلابی ہونٹ جن کو وہ دانت میں لیے بے قراری سے عاقل کے کھوئے تاثرات دیکھ کر اداس ہو رہی تھی۔

تمہاری پہل کے جواب میں، میں نے تم کو کئی گنا شدت سے اپنا اظہار دیا" ہے صبح، پھر ایسا سب کیوں۔ اداس نہیں ہوتے، تمہارے علاوہ کسی لڑکی کو

عاقل نے دیکھا تک نہیں تو سوچنا بہت دور ہے۔ تم جانتی ہو مجھے لفظوں سے کھیلنا نہیں آتا، لیکن کوشش کروں گا کچھ ایسے لفظ ضرور کہوں جو تم کو میرے جذبات کا ادراک کروا سکیں" عاقل نے سنجیدگی سے ایک ایک لفظ عائشہ کو کہا اور وہ اتنی مشکل باتوں پر منہ بسور کر عاقل کا سارا سنجیدہ پن غائب کر گئی۔

آپ زرا بھی رومینٹک نہیں" عائشہ نے منہ پھلا کر اتنے پیارے شوہر" صاحب پر سیدھا سیدھا الزام ہی دھر دیا اور وہ عائشہ کے بگھڑے موڈ کو مزید بگاڑنے اٹھنے ہی لگا جب وہ اسے پھر سے پکڑے واپس بٹھائے رونی صورت بنا گئی۔

تم ہو رومینٹک، کافی ہے ناں۔ ویسے بھی کل سے تم مایوں بیٹھنے والی ہو" اب زرا رخصتی تک نان رومینٹک شوہر سے دور ہی رہنا" عاقل بھی سارے طریقے جانتا تھا اسے ستانے اور چھیڑنے کے، وہ بھینا بھینا ہنس رہا تھا اور عائشہ کا دل یہی کیا اپنا سر پکڑ کر رونے لگے۔ حقیقت میں خود عاقل

اسکی مسکراہٹ کو پھر سے چھونے کی خواہش دل میں اٹھتی محسوس کر کے ہلکان تھا، مگر ابھی یہ اسے مناسب نہ لگا۔

رخصتی کے بعد بھی قریب آنے کی کیا ضرورت مجھے پھر، جائیں میں" بولوں گی بھی نہیں" ھائے اس معصومیت پر عاقل کی ہارٹ بیٹ مس ہوئی اور وہ واقعی چاہتا تھا اب پورے حق سے ہی اس آفت کو بتائے کہ بندہ کس حد تک رومینٹک ہے۔

آہاں، آئیڈیا بہت زبردست ہے" عاقل نے عائشہ کی بازو کھینچ کر اسکی" گال پر پیار دیا اور مسکرا کر اسے واپس لٹائے اٹھ کر چینج کرنے بڑھ گیا اور وہ جو منہ بسورے تھی عاقل کے جاتے ہی اپنی گال پر ہاتھ رکھے شرمیلا سا ہنس کر پھر سے چادر سر تک تان گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلا دن حویلی کی ادھوری خلش اور تمناؤں کی تکمیل کا دن تھا۔ یہ دن جب ایک قیدی کی سزا ختم ہونی تھی۔ وہ قیدی جو نا صرف قیدی تھا بلکے نا جانے ان سالوں میں کیسے زندہ رہا تھا، شاید یہ بات سچ ہی کہی ہے کسی نے کہ انسان کے ذمے کچھ معافیاں اٹل اور قرض ہوتی ہیں۔ بالکل درمان حق کی طرح، ساری زندگی اس شخص نے اذیت کمائی، بے سکونی پائی۔ خود سے جڑے ہر وفادار کو خون کے آنسو دیے۔ یہاں تک کہ اپنی وفا شعار بیوی تک سے جانوروں جیسی بے رحمی کی۔ آٹھ سال۔۔۔۔

کبھی گننے بیٹھیے اس مدت کو، ایک ایک پل جب قید سلاسل کی نظر ہو تو سانس دوسری بار باہر آنے سے انکاری ہوتی ہے۔

یہ بھی درمان پر اللہ کا خاص کرم تھا کہ اسکی بخشش کا سبب بھی اسکا بیٹا بنا۔ وہی جسے اس نے پیدا ہونے سے جوانی تک بس ایک وارث سمجھا۔

سفید قیدی کے لباس میں ملبوس یہ آدمی پہچان اور خافظے سے نکل چکا تھا۔ اسکی ذات ضعیف تر تھکن سے منور تھی۔ دو اہل کار جو اسکے ساتھ تھے، ان میں سے ایک اسکی ہتھ کڑی کھول رہا تھا۔

چہرے پر سفید ہوتی داڑھی، جن میں اب اکا دکا سیاہ بال دیکھائی دے رہا تھا۔ آنکھوں کے گرد گھومتا سیاہ دائرہ جو شاید کرب کی فراوانی کے سبب درج تھا۔ وہ شخص جو اک عمر شان، ولولے، جوش، تکبر، نخوت پن، اور ظلم کا استعارہ رہا تھا آج معافی کے پہلے دن ہی اسکے چہرے کی بزرگی دیکھائی دے رہی تھی۔

کرمان اور سادان دونوں ہی سنٹرل جیل کے مین آفس میں مسٹر میکائیل اور چند دوسرے اہل کاروں کے ساتھ اپنی بے تاب نگاہیں اس سمٹ لگائے تھے جہاں سے انکی آٹھ سال کی تشنہ آنکھوں کا ثمر آنے کو تھا۔

آج شہزادہ بالکل ویسی تکلیف میں تھا جو اول دن سے اس نے محسوس کی تھی۔ پر اب جو سادان کی آنکھوں میں نمی تھی وہ اللہ کے کامل دیے سکھ پر

تھی۔ آخر کار اسکی اماں سائیں کو دیر سے ہی سہی پر وہ انکا سچا سر کا سائیں لوٹانے والا تھا۔

وہ بوڑھا شخص جو نڈھال قدموں سے اندھیرے سے روشنی میں آیا تو اسکی آنکھیں اس سویرے پر نم ہوئیں اور سلین زدہ ہو کر تب بہیں جب نگاہوں کا وصال بیٹے کی آنکھوں کے بعد جگر کے ٹکڑے جیسے بھائی سے ہوا۔

آج بھلے ملن کی گھڑی تھی پر آنکھیں سوگوار درد زدہ تھیں، سادان نے اپنی جگہ چھوڑ کر بابا تک کا فاصلہ روتے ہوئے طے کیا اور وہ ایک بار پھر انکے سینے میں جا سمیٹا۔

کئی آنسو درمان حق کی بے نور آنکھوں میں نور بن کر چھلک پڑے، وہ اس وقت بھلے بادشاہِ وقت تھا پر بابا کے لیے وہ آج بھی وہی بچہ تھا۔ جتنی دعائیں، جتنا شکر وہ کر پائے سب کیا۔

کتنی ہی دیر درمان اس بیٹے کی روشن پیشامی چومتا رہا جو حقیقت میں انکی دنیا و آخرت کی سب سے بڑی آسانی تھا۔

اسکے بعد دو جلتے سینے، دو سوختہ جگر منجمد ہوئے جب ان بھائیوں نے ایک دوسرے کو بھینچ ڈالا۔ آج پہلی بار کرمان کو لگا جیسے وہ بھائی سے نہیں بلکے بابا سے مل رہے ہیں۔ وہ بھی اپنا ضبط کہاں بحال رکھ پائے۔ درمان حق کی آنکھیں ابھی بے حد بوجھ میں تھیں، جس جس سے اس شخص نے ناانصافی کی تھی اب وہ ہر اس فرد سے معافی کا طلب گار تھا۔

اپنی بیوی سلطانہ سے، جسے اس نے محرم ہو کر بھی غیروں سے دکھ دیے۔ اپنی پہلی اولاد عالیہ سے جس کو نا چاہتے ہوئے بھی وہ درد دے گیا۔ اس بہو سے جو بیٹی سے بڑھ کر مقام کی حقدار تھی۔ منظور حسین سے، جسے اس نے زلیل و خوار کیا۔

پورے گاوں سے، اور جب معافی مانگنے والا اتنا دلسوز جبر سہہ کر آیا ہو تو اسکا مان رکھا جاتا ہے۔ جب مان رکھ لیا جاتا ہے تو دلوں میں سکون اترتا ہے۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ یہ سکون کس طرح اترتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پوری حویلی ایک بار پھر رنگ برنگی سجاوٹ سے سج دھج گئی تھی۔ مین گیٹ سے حویلی کے مرکزی احاطے تک بس تاحد نگاہ اک جشن بر پا تھا۔

آج تو یوں لگ رہا تھا جیسے یہ اہتمام کسی بادشاہ کی آمد کے لیے کیا گیا ہے، اگر درمان کو علم ہوتا کہ اسکے آنے کی خوشی میں ہر فرد اپنی مدت سے پیاسی آنکھیں بچھائے ملے گا تو وہ پشیمانی سے ہی زمین میں دب جاتا۔ سادان کے لیے اب وہ ایک مجرم یا فرعون نہ تھا، اب وہ اسکے بابا سائیں تھے جو اپنے کیے کی ایک لمبی سزا بھگتنے کے بعد حویلی آرہے تھے۔ آج جو سادان کے دل میں رہا سہا بوجھ تھا وہ بھی ہٹ گیا۔

درمان حق نے ابھی حویلی کے اندر قدم رکھا ہی تھا کہ خوشیوں کی اک لمبی راہداری نے انکی متورم آنکھوں میں نمی بھر دی۔ بالکل سامنے تیمور کے ساتھ لگ کر کھڑی سلطانہ پر پہلی نظر پڑی اور دل پر خنجر چلنے کا مفہوم سمجھ

آیا۔ آج خود تیمور کی آنکھوں میں سرخی تھی، وہ نالائق سا بد لحاظ آج تو کوئی اور ہی تیمور تھا۔ کتنی ہی دیر سلطانہ انکے سینے پر سر رکھے روتی رہیں اور یہ منظر ہر فرد کی آنکھیں بھیگا گیا اور پھر تیمور نے باباسائیں کے سینے سے لگ کر اپنے رہے سہے آنسو بھی بہا ڈالے۔

باباسائیں، آپ آ گئے۔ کتنا مس کیا آپکو، آپ ٹھیک ہیں ناں۔۔۔اماں" سائیں آپکے سائیں آ گئے، قبول ہو گئی آپکی ریاضت" تیمور کی آواز کا اتار چڑھاو ظالم تھا اور سلطانہ اور درمان کی ضعیف آنکھوں میں آج جو نمی تھی وہ تشکر کی تھی۔

خود سادان اور کرمان نے بھی تیمور اور درمان کی جھپی میں برابر کا حصہ لیا اور جلتے سینوں پر تو گویا برف اتر گئی۔

حویلی تو پہلے جیسی رہی ہی نہ تھی، کئی نئے چہرے اور وجود دیکھ کر درمان کی شکستہ آنکھیں تڑپ رہی تھیں۔

بس پلیز یہ رونا اب ختم کریں، ورنہ میں نے ایسا رونا کہ سیلاب آجائے "
گا" عالیہ اپنی روئی سی آنکھوں کے سنگ زمیل کو اٹھائے ہوئے مخفل لوٹ
کر بابا کے سینے سے جالگی اور درمان نے اس بیٹی اور اسکی خوبخو نزاکت جیسے
زمیل کو بے حد پیار سے بوسے دیے اور کچھ فاصلے پر کھڑی فلذہ کو تب
شاک لگا جب درمان اسے بھی اپنی بازو کھولے پاس بلا رہے تھے۔ یہ منظر
تو شہزادے کی زندگی بڑھا گیا اور فلذہ جو رنجیدہ سی سا دان کی سمت دیکھ رہی
تھی، اسکے پیارے سے اشارے پر تھوڑی ہچکچاتی ہوئی درمان تک پہنچی اور
آج سب کی نگاہیں عینی شاہد تھیں کہ کس طرح اس شخص نے فلذہ کو تسلیم
کر کے بے حد شفقت عطا کی کہ وہ پگلی بھی اپنے آنسو نہ روک پائی۔ اسکی
گود میں اٹھائی داراب کو بھی بوسہ دیتے ہوئے درمان کا دل کرب سے بھر
رہا تھا، کل تک جس شخص کو لڑکی ذات تک سے کوفت تھی آج یہ ننھی سی
پوتی اسے اپنا کلیجہ محسوس ہوئی۔

میرے بچے، یااللہ تیرا بے حد شکر کے تو نے مجھ بے کار اور بد بخت کو یہ مہلت دی۔اب تو مر بھی جاوں تو سینہ ٹھار رہے گا" آخر کار اس شخص کی درد دیتی چپ نے ٹوٹ کر ہر چہرہ دکھ سے بھر دیا، کئی دل تو تڑپ اٹھے۔

" اللہ نہ کرے آپکو کچھ ہو، ابھی ہی تو اس حویلی کو سچا سربراہ، ان سب بچوں کو شفیق باپ اور مجھے میرا بھائی ملا ہے۔اب آپ نے ایسی بات کی تو رونے لگ جاوں گا، اور آپ جانتے ہیں کتنا برا روتا ہوں" کرمان صاحب نے ایسی نزاکت میں ایسی شریر بات روتو ہو کر کہی کہ ہر کسی نے بھیگا ہی سہی پر تبسم اپنے ہونٹوں پر کھلایا۔

اسکے بعد جیسے جیسے آگے بڑھتے ہوئے درمان کو تعارف کروایا جا رہا تھا وہ تو جیتے جا رہے تھے، کومل بھی آج انکے سینے سے لگ کر پیار سے ملی، پھر رمشہ کو تیمور کی بیوی کی حیثیت سے مل کر درمان کو حقیقی خوشی ہوئی۔خاص شفیق انداز سے وہ اس پیاری سی عائشہ کے سر پر ہاتھ پھیرے ملے، جو سادان کی منہ بولی بیٹی کے طور پر انکو پیاری لگی اور پھر اصل سکھ سے ملنے کا

وقت آن پہنچا۔ زینیہ کے ساتھ موجود ماشاءاللہ سے چھ پیارے پیارے بچے، زینیہ کو وہ بنا تعارف ہی پہچان گئے تھے اور تبھی بے حد پشیمان سی نگاہوں میں درد بھرے اسکے سر پر ہاتھ پھیر کر وہ شخص اب باہیں پھیلائے ان چھ کے چھ جہانوں کو اپنے سینے سے لگا گئے، بچے بھی سب جانتے تھے تبھی پوری دلبستگی کے ساتھ وہ اس شفیق سے باباجان دیکھائی دیتے درمان سے بھی ویسے ہی چمٹ گئے۔

خیرہ، تقویم، ظافر، کیف، اشعر، اور حنظلہ کو باری باری وہ شخص یوں سینے میں سمو رہا تھا جیسے یہی اس شخص کی رہی سہی تکلیف کا مرہم ہیں۔

یہ خیرہ ہے، کرمان چاچو اور زینیہ چاچی کی پیاری سی گڑیا اور میری لاڈو کزن" سادان نے سب سے پہلے خیرہ کو پاس لا کر پیار دیے باباکو بتایا تو وہ خیرہ پر تو فدا ہوئے ہی البتہ ایک دعائیہ محبت سے بھری نگاہ زینیہ اور کرمان پر بھی ڈالی۔

"یہ ظافر اور یہ ھاھا یہ دو میرے پپس ہیں باباسائیں، آپکے پوتے۔

اشعر۔۔۔۔اشعر تو خو بخو آپ پر ہے" سادان جس دلفریبی سے بتا رہا تھا ہر فرد ہی خوشی ہمکتے انداز بھی اس تلافی پاتے شخص کا سکون ملاخظہ کر رہے تھے۔

"ماشاءاللہ، صدقے جاوں ان ننھی کائناتوں پر" درمان حق کی تو گویا آٹھ سالا ہر تھکن اتر گئی، اور یہ منظر سب سے زیادہ پیارا اسلطانہ کو لگا جو ابھی بھی تیمور کے ساتھ لگی مسکرا رہی تھیں۔

"یہ ہیں اپنی کومل اور شاویز کے دو جہاں، یہ چٹکی تقویم اور یہ ہیں ہمارے حنظلہ شاویز صاحب۔۔۔۔۔اور یہ رہا آپکا ایک اور نواسا کیف شاویز۔۔۔۔" سادان کا دل تو آج مہک رہا تھا اور درمان حق تو بس ان نعمتوں پر قربان ہو رہے تھے۔

"یااللہ یہ سب مجھے دیکھا کر مجھ ناقص کو کتنا بڑا سکھ دے ڈالا۔۔۔۔۔" وہ سب بچے بھی اس باباجان جیسے بزرگ کو دیکھ کر خوش تھے اور یوں

پھولوں کے ہار اور ڈھول کی زبردست تھاپ نے ہر فرد کے چہرے پر موجزن ہر دکھ ہٹایا اور وہ سب اب حویلی کے اندر بڑھ چکے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"میں آپ سب سے بہت شرمندہ ہوں، اور اب جب اللہ نے مجھ جیسے گنہگار کو اتنی مہلت دے ہی دی ہے تو آج مجھے آپ سب کے سامنے ہاتھ جوڑنے میں زرا بھی پشیمانی نہیں۔ سب سے پہلے اپنی اس وفاشعار بیوی سے معافی چاہتا ہوں" سب لوگ حویلی کے دالان میں براجمان تھے، بچہ پارٹی کو عائشہ نے سنبھال کر باہر لے جا کر یہ ڈیوٹی نبھار کھی تھی تاکہ تمام بڑے زرا بہتر طریقے سے بات کر سکیں۔

بخت سکندر، خالدہ، گلناز بیگم، اسد صاحب، تبریز، منظور حسین، شاویز،، اور تیمور ایک طرف براجمان تھے جبکہ عاقل بھی باہر ہی بچوں کے ساتھ

تھا۔ جبکہ دوسری سمت تمام باقی گھر کی خواتین، کرمان بیٹھے تھے جبکہ درمان کے ساتھ سلطانہ بیٹھی تھیں اور دوسری طرف بابا کا بندھا ہاتھ کھول کر اپنے ہاتھ میں لیتا سادان انکو ایسا کرنے سے روک رہا تھا۔

میں نے آپکو معاف کر دیا تھا سائیں، اسی روز جب یہ سزا آپ پر مسلط ہوئی۔ آپ میرا سب ہیں اور خدارا مجھ سے معافی مانگ کر مجھے شرمندہ مت کریں" سلطانہ کی آنکھیں ابھی بھی بھیگی تھیں جس پر درمان حق کا دل بہت حد تک ہلکا ہوا اور تمام افراد ہی بس اب حویلی کی دائمی خوشیوں کے لیے دعا گو تھے۔

فلذہ اور منظور حسین کے ساتھ میں نے بہت زیادتی کی، مجھے معاف کر دینا منظور۔ اور یہ بچی یقیناً اس حویلی کی بہو بننے کے پورے لائق تھی یہ تو میری عقل پر پردے پڑھ گئے تھے کہ سمجھ نہ سکا کہ کون میرا اپنا ہے اور کون غیر" آخر کار اپنے کیے ہر ظلم کی معافی وہ شخص مانگ کر ہی سکون میں آنے والا تھا اور منظور تو بس مسکرا دیے، انھیں تو اس قدر عزت اور مان پر

صرف اب خوشی تھی۔ رہی بات فلذہ کی تو وہ بہت پہلے یہ معافی دے چکی تھی۔

"جو ہو گیا سائیں اسے ایک بھیانک خواب سمجھ کر بھول جائیں، مجھے یا فلذہ کو آپ سے کوئی گلہ نہیں رہا۔ اور میں تو اپنی قسمت کی اونچائی پر حیرت زدہ ہوں کہ اللہ نے کس طور سے میری لخت جگر کی حفاظت کی۔ میں نے فلذہ کو اللہ کے پاس سونپا تھا اور رب نے یہ ظلم و جبر کی داستان مٹا کر یہ بتایا ہے کہ جو اسکی حفاظت میں دے دیا جائے وہ امر ہو جاتا ہے۔ میری دعا ہے اللہ آپکا سایہ اس حویلی پر سلامت رکھے" منظور حسین سے سبکو ایسے ہی بڑے پن کی توقع تھی اور فلذہ اپنے بابا کی ایسی بات پر ان پے قربان ہوتی دیکھائی دی۔

"بے شک وہ اللہ ہر شے پر قادر ہے، بلاشبہ ہر اچھائی اور برائی کا وقت مقرر ہے۔ اللہ اس حویلی اور اسکے مکینوں کو سچی عافیت دے" اسد صاحب کی بزرگانہ شفقت سے بھری اس دعا پر ہر چھوٹے بڑے نے آمین کہا۔

کومل، عالیہ تم دونوں بھی مجھے معاف کر دو بچے۔اور یہاں جو جو میرے کسی ظلم یا جبر کا شکار ہوا ہے کبھی تو آج مجھے آپ سبکی معافی درکار ہے" درمان حق کی پر سوز متورم صورت اور تاسف سے کی گزارش پر سب ہی پیار سے مسکرائے اور یہ ترجمانی کی کہ اب کسی کو بھی ان سے کوئی گلہ نہیں۔

"اور رمشہ بیٹی کا یہاں اضافہ اور میرے تیمور کی بیوی ہونا مجھے خوشی دے گیا ہے۔عاقل کے لیے وہ پیاری سی بچی بھی بہت اچھی لگتی ہے۔اللہ سے دعا ہے وہ میرے سب بچوں کو اب کسی غم سے روشناس نہ کروائے۔آج میں آپ سب کو کہنا چاہتا ہوں کہ ان آٹھ سالوں میں بہت کرب سہا، اپنے کیا ہوتے ہیں یہ حقیقت جانی۔آپ سب اس حویلی کا حصہ ہیں اور ہر خاص وعام کو اب یہاں آنے کی اجازت ہے۔خوش رہیے آباد رہیے"

درمان حق کی سزا آج حقیقی ختم ہوئی، ہر کوئی خوشی سے پر منور تھا۔ جہاں درمان کو ریسٹ کے لیے بھیج دیا گیا وہیں سب کپلز نے تھوڑی مستی پلین کی اور شام تک اپنی اوٹنگ پر نکلنے کا سوچا جس کے لیے سب نے رمشہ کے ریسٹورنٹ ڈھابے پر لوٹ مار منانے کی تیاری کی۔ ویسے بھی رات سے فائنلی دونوں شادیوں کی سلیبریشن سٹارٹ ہونے کو تھی لہذا اب تھوڑا فن تو بنتا تھا۔

باہر بچہ پارٹی کے سنگ عاقل اور رمشہ بھی ہنس رہے تھے۔

"عائشہ آپی میری بیسٹ فرینڈ ہیں، بلکے رمشہ آپی کے بعد اب میری انہی پر نظر ہے" ظافر جو باہر لان میں عاقل کے ہاتھ میں دبوچے ہوئے کھڑا مستیاں کر رہا تھا، اس بات پر تو جہاں عائشہ منہ پر ہاتھ رکھے ہنس دی وہیں تقویم، خیرہ اور کیف بھی ہنستے دیکھائی دیے البتہ باقی دوٹڈے اشعر، حنظلہ اپنی ہی مستوں میں لگے تھے۔

"ھاھااو سرکار مجھ معصوم پر ایسا ظلم مت کریے گا، تم بڑے ہو لو ہم تمہارے سائز کی ڈھونڈ لیں گے" عاقل جو ہنستی ہوئی عائشہ کو دیکھ کر خود بھی مسکرا رہا تھا اب تمام تر شرارت لیے ظافر سے بولا جو جناب سوچ بچار میں یوں لگے تھے جیسے نا جانے کونسا ملکی معاملہ در پیش ہے۔

"اچھا تو پھر مجھ سے پرامسس کریں مجھے اچھی سی ڈھونڈ کر دیں گے، چلیں آپ بھی کیا یاد کریں گے کس سخیٔ سے پالا پڑا۔ چھوڑ دیا آپکی انار کلی کو" اتنا سا ظافر ابھی تک سب بچوں میں تیز تھا اور بھلے وہ شرارتی سہی پر سب سے زیادہ سمجھدار بھی تھا اور اسکی موہنی شراتیں سب کو بھاتی تھیں۔

"ھاھا ظافر تم نے میرے سے پٹ جانا، ایک تو اپنی ہی آپی پر نظر رکھے ہوئے ہو اور اوپر سے مجھ ملکہ پرستان کو انار کلی بنا دیا۔۔۔ ٹھہر زرا" اب عائشہ تھی اور ظافر کی کھی کھی جس سے خود عاقل بھی ہنس دیا۔ اور باقی کا منظر معطر کرنے کپلز کا سیلاب باہر ہی لپکا تھا۔ تبریز اور عالیہ بس گھر رکے تھے تاکہ چھوٹی بچہ پارٹی کو سنبھال سکیں البتہ سادان، فلذہ، کومل، شاویز،

تیمور اور رمشہ ریڈی تھے۔ تقویم، کیف، خیرہ اور ظافر بھی سب کے ساتھ جانے والے تھے البتہ باقی دو کو اب عائشہ پہلے اندر پہنچا کر آئی پھر وہ سب ہی گھومنے نکل گئے۔ داراب اور زمیل بھی عالیہ کے پاس ہی تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"بہت خوبصورت، لگتا ہے کافی محنت، وقت اور محبت لگا کے تم نے یہ شہکار تخلیق کیا۔ اچھا ہے خود کو ضائع نہیں کیا" باقی تینوں کپلز براجمان ہو کر اپنی اپنی خوش گپیوں میں لگے تھے جبکہ تیمور اور رمشہ اب ذرا بیرونی راہداری کی سمت کھڑے تھے۔ اس ریسٹورنٹ ڈھابے میں گاؤں کی خواتین اور مرد ہی کام کرتے۔ رمشہ بس انکو اون کرتی تھی۔ یہ اس گاؤں کا فیمس نہاری کھانے کا بھی بہترین مقام تھا کیونکہ نہاری اور دوسرا کھیر کی

ریسپی پیور رمشہ اپنی یوز کرتی تھی اور یہی دو چیزیں کھانے دور دور سے لوگ یہاں آتے تھے۔

تیمور ابھی بھی مکمل بلیک میں تھا جبکہ رمشہ نے میرون اینڈ بلیک بہت نفیس جوڑا پہنے سر پر دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا جو یہاں کا کلچر تھا اور بحیثیت عورت ایک بہترین حفاظت۔

ہاں ہمیشہ سے کچھ کرنا چاہتی تھی، اور پھر حالات اور واقعات کے بعد" سادان سائیں کے دیے حوصلے نے مجھے اپنا شوق اپنا پروفیشن بنانے کی ہمت دی۔ دوسری ایک وجہ تم تھے" وہ دونوں باہر لگی نفیس سی لائٹنگ بار کے بیچ چل رہے تھے جب رمشہ کی اس بات پر تیمور نے تجسس کے سنگ مڑ کر جاننے کو بے تابی ظاہر کی۔

وہ کیسے" تیمور نے اپنا رخ رمشہ کی سمت کیے سینے پر بازو لپیٹ کر سنجید گی" سے پوچھا اور رمشہ یونہی مسکرا دی۔

تم دنیا کے لیے چاند تھے تو سوچا میں چاند نہ سہی ایک چمکتا ستارہ ہی بن "

جاوں، تاکہ کل کو تمہیں جواب دے سکوں کے دیکھ لو میں بھی کسی سے کم

نہیں" رمشہ کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں اور تیمور کتنی ہی دیر مسلسل اسکی

گہرائی جانچتا رہا اور پھر اپنے ہاتھ کو بہت آہستگی سے اسکی گال پر مس کیے

مسکرا کر ہاتھ ہٹا گیا۔

میں چاند تبھی بنا ہوں کیونکہ میری روشنی تمہاری صورت اس کرہ ارض "

پر موجود تھی۔ بلاشبہ تم مجھ سے کسی صورت کم نہیں ہو، برتر ہو۔ اعلی ہو

جس نے ایک مجرم کو دل سے قبول کیا۔ اس سب میں ایک چیز ظالم ہوئی،

اس مجرم کو رنگوں سے اکتاہٹ ہو گئی۔ پر اب مجھے کچھ رنگوں سے انس

ہو گا، جانتی ہو وہ کونسے رنگ ہیں" تیمور سرتاپا اسکی ریاضت کا ثمر تھا، وہ

اسکی اس بات پر بے ساختہ مسکرائی۔

کونسے" تحیر سے کھلی آنکھیں جھپکنا بھول گئی تھیں، وہ اسے بے حد "

چاہت سے دیکھ رہا تھا۔

جو تم پہنو گی، اوڑھو گی۔ اور مجھ پر چڑھاو گی" اس بات پر ایک ٹائیٹ ہگ" بنتا تھا پر اس وقت وہ ایسا نازک رسک نہیں لے سکتے تھے تبھی بس آنکھوں نے بھی ایک دوسرے کی محبت کا صدقہ اتار لیا۔

آئی لو ویو تیمور" وہ کہیں دل سے اس قدر اونچے مقام پر تھوڑی جذباتی" ہوئی اور تیمور نے اپنے انگلیوں پر اپنے ہونٹوں کی چھاپ لگائے رشک سے ان انگلیوں کو اس لڑکی کی گال پر رکھے پبلکلی بھی رومینٹک ہونے میں کسر نہ چھوڑی اور اس سے پہلے کہ دوسری بار یہی حسین چاہت اسکے عنابی لپ سٹک سے مزین ہونٹوں کی سمت ارسال کرتا وہ ادھر ادھر دیکھتی ہوئی ہنس کر اسکا ہاتھ پکڑے روک گئی اور اسکی اس ادا پر تیمور بھی پورے دل سے جی اٹھا۔

اتنی محبت سب کے بیچ نہیں کرتے بیٹا جانی، نظر لگ جاتی ہے" اپنی پشت" سے آتی سادان کی شرارت سے مزین آواز نے دونوں کو ہی حیا میں لپٹا دیا،

شہزادہ یہ سب اتفاق سے دیکھ چکا تھا اور شرارت تو آج بنتی تھی۔ فلذہ بھی باقی سب سے الگ اب ان دونوں کے چہرے کی خوشی دیکھ رہی تھی۔
باقی دو کپل بچوں کے سنگ وہیں بیٹھے مستاں کر رہے تھے۔ سادان اور فلذہ دونوں ہی اب انکے ملن کے لیے دعا گو تھے۔
بھائی آپ بھی ناں" تیمور کی معصوم ہنسی پر سادان نے بے حد پیار سے "اسے اپنے کندھے سے لگائے گال تھپکا یا جبکہ رمشہ اب شرمیلی سی ہوئے فلذہ کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔
اللہ سے دعا کرتی ہوں وہ تم دونوں کو اب ایک دوسرے سے کبھی جدا نہ" کریں، تیمور بھائی آپ نے میری اس پیاری سے بہن کو اب بالکل اداس نہیں کرنا۔ خوش رہیے ہمیشہ "فلذہ تو اب سب کی ہی جان تھی، اور اب جب رمشہ اور تیمور فائنلی ایک ہونے جا رہے تھے تو سب سے زیادہ خوشی بھی سادان اور فلذہ کو تھی۔ چاروں کے دل بیک وقت آمین بول کر مہک اٹھے۔

چلو بھئی دعائیں تو چلتی رہیں گی، آجا ور مشہ کی سپیشل نہاری اور کھیر آچکی "

ہے۔ میرے تو پیٹ میں یہ نام سن کر ہی چوہے کود رہے ہیں" سادان کی

شرارت سے کہی بات پر وہ چاروں ہی مسکرا کر باقی سب کی سمت بڑھ

گئے۔ آج کی شام تو حسین تھی ہی اب رات بھی ہونے کو تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آپ بار بار معافی مت مانگیں سائیں، میرا انتظار آپکی صورت ثمر بار ہوا "

ہے۔ اب تو خوشیوں کا وقت ہے، بس کریں" بڑھاپے میں جب سلطانہ کو

کسی احساس کرتے قریبی کی ضرورت پہلے سے کہیں بڑھ کر تھی تو اللہ نے

اس شخص کو انکا بھی سب بنا کر بھیج دیا۔ وہ نہا کر تازہ دم ہو چکے تھے مگر

سلطانہ سے معافی مانگتے وقت انکے چہرے کی تھکن از سر نو جاگ گئی اور وہ

انکے ہاتھوں کو پکڑے انھیں اس احساس جرم سے نکالنے کی مسلسل کوشش میں تھیں۔

کاش میں معافی بہت پہلے مانگتا، تجھے بہت رنج دیے ہیں۔ حالانکہ تیرے" وفاداری، تیرے صبر اور جبر کی تلافی میں مر کر بھی نہیں کر سکتا پر اب جتنی سانسیں بچی ہیں بس تیرے ساتھ ہی ہیں۔ کاش ہم انسان اللہ کی لاٹھی کو بے آواز نہ سمجھیں، کاش میں نے اپنی عقل و شعور استعمال کی ہوتی۔ میں مانتا ہوں اس میں میرا ہی قصور ہے، بس اب اپنے سب بچوں کی خوشیاں ہی میرا سکون ہیں۔ اور تجھ جیسی پیاری ساتھی، بہت شرمندہ ہوں "آہ، کاش یہ چند میٹھے بول سلطانہ کو سہی وقت پر ملتے تو وہ بھی کچھ جی لیتیں پر ہائے یہ مشرقی عورت، سانس بعد میں لے گی اور اپنے سائیں کی ہر غلطی پہلے بھلا دے گی۔

سلطانہ تو آج بھی اس شخص کے ان الفاظ پر جی اٹھی تھیں اور اپنا سر درمان کے سینے پر رکھے مسکرا دیں۔

یہی تو ساری بات ہے سائیں، ہم کم فہم انسان ہر شے گنوا کر بھی نہیں سنبھلتے۔انجیل بیگم نے جو ہم سب کے ساتھ کیا اسکی سزا وہ تا قیامت جھیلے گی، میں خوش ہوں کہ اللہ نے آپکو اس سب گمراہی سے دیر سے سہی پر نکال لیا۔اب میری بھی بس یہی خواہش ہے کہ اپنے سب بچوں کی خوشیاں جیوں۔آپ کے ساتھ زندگی کے باقی دن مسکرا کر گزاروں" سلطانہ کا صبر آج اس شخص کو حیران کر رہا تھا، حالانکہ یہ شخص ابھی بھی سلطانہ کی ایسی چاہ کے لائق نہ تھا۔

" ان شاءاللہ، وہ بدبخت عورت تو کبھی چین نہ پائے جس نے ہم سب کی زندگی تباہ کی۔ خیر میرا جوڑا نکال دو ذرا بچوں کی خوشی میں آج انکا یہ باپ پوری شان سے شامل ہوگا" آئے ھائے کیا بات کہہ دی کہ خود سلطانہ یوں الگ ہوئے مسکرائیں جیسے مدت بعد کسی کے ہونٹوں پر تبسم کی برسات اتری ہو۔آج تو واقعی خوشیوں کو چار چاند لگنے کو تھے۔

سب کزنوں نے دونوں دلہنوں کو پیلے جوڑوں میں مقید کروا کر سجا بھی دیا تھا۔ آج مایوں کا خوبصورت سا فنکشن تھا، کل مہندی اور اسکی طرح اگلے دن بارات اور پھر ولیمہ۔ پوری حویلی جلترنگ روشنیوں میں نہا چکی تھی۔ مرد حضرات نے دونوں دلہوں کو حراست میں لے کر اپنی محفل سجا رکھی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جہاں سب بڑے اپنی ہی خوش گپیوں میں مصروف چہک رہے تھے وہاں ساری جوان پارٹی نے چاروں سپیشل ونزز کو گھیر رکھا تھا۔ حویلی میں تو گویا ایک بار پھر جشن کا سماں تھا۔ دونوں پیاری سی مایوں کی دلہنوں کو پیلے اور سرخ کناری دار لیس والے دوپٹے اوڑھے ہوئے آج ساری جیولری

موتیے کے پھولوں کے سنگ مہک رہی تھیں جبکہ دلہے دونوں ہی سفید سوٹوں میں گلے میں پیلا دوپٹہ لیے ہوئے تھے۔

سب سے پہلے بچہ پارٹی کا ذکر ہو جائے، داراب تک پیلے چھٹکو سے جوڑے میں باباجانی کے ساتھ ساتھ ہر فرد کا دل لوٹ رہی تھی اور فلذہ نے اسکے بنا بالوں کے سر پر پیلا ہی ہیر بینڈ لگا کر اسے مزید آفت بنا رکھا تھا اور چھوٹے زمیل بھی ٹور نکال کر سفید جوڑے میں اپنے باباجانی کی گود میں مزے لوٹ رہے تھے۔ جبکہ تقویم اور خیرہ تو دلہنوں سے بھی زیادہ حسین لگ رہی تھیں، تقویم تو ویسے بھی اپنی مما کی طرح ایکسٹرا وائٹ تھی جبکہ خیرہ بھی نازک سی چنچل محفل کی جان بنی گھوم رہی تھی۔ باقی ظافر، کیف تو جنٹل مین بنے دلہوں کے ساتھ ہی اترا رہے تھے۔ اور سب سے بڑی آفتیں اشعر اور حنظلہ نے اپنی اپنی اماوں کو دبوچا تھا۔

مرد خضرات تو آج دمک ہی رہے تھے البتہ ساری کڑیاں بھی گاوں کی مٹیاریں بنی لہراتی ہوئی اترا رہی تھیں۔ جبکہ امام صاحب بھی شادی کے ہر

فنکشن میں خصوصی مہمان تھے،اور وہ سب بزرگ عوام بھی وہیں دوسری طرف بیٹھیں باتوں میں مگن تھی۔

سب نے پہلے باری باری عائشہ اور رمشہ کو ہلدی لگائی اور پھر عین سامنے دمکتے سے دلہوں کو جنکی نظریں تو آج اپنی اپنی محرموں سے ہٹنے کو تیار نہ تھیں۔

یار تھوڑی لگاو، پیلا نیلا کر دیا ہے" تیمور کو جب کومل نے ہنس کر دونوں " گالیں پیلی کیں تو سب ہی اسکی روئی دہائی پر ہنس پڑے۔

نا بچو تم چاروں اف بھی نہ کرو، بھئی ہم نے اپنے دلوں کے ارمان نکالنے " ہیں۔ چلو فلزہ باقی کا پیلا انکو تم کرو، اور عالیہ آپی وہاں کیا کر رہی ہیں اسے زرا ہلدی میں ڈبوئیں" سادان تو آج سہی شرارتی بنا ہوا تھا اور چاروں بھلے بے حد مسکرا رہے تھے پر چاروں کی چٹی منی گالیں پیلی ہو چکی تھیں۔

فلزہ نے بھی چاروں کو تھوڑی لگا کر بہت نفاست کا ثبوت دیا تھا۔

اچھا میری بات سنو اب بارات تک ان چاروں کو ملنے نہیں دینا، سن رہے ہو دلہو! باز رہنا ورنہ ہم سب ظالم تم سب کی بینڈ بجا دیں گے" عالیہ نے ہنسی دبا کر دبنگ انداز سے بچارے چاروں خاص محفل کی جان دلاروں کو حیران کیا اور اسکا شرارتی چہرہ گدگدی کی ترجمانی کر رہا تھا پر یہ تو دلہے جانتے تھے کہ جب تک اصول نہ توڑیں گے تب تک شادی کا مزہ ہی کیسے آنا۔ جہاں عاقل شرارت سے ہنس کر عائشہ کو بھی ہنسا گیا وہیں تیمور کی بے خود نگاہیں رمشہ کو گدگدا گئیں۔

ویسے عالیہ آپی دلہے بہت شریف ہیں، نہ کریں بچاروں پر یہ ظلم" اپنے حقوق کے لیے بولتا شاویز تو عاقل اور تیمور کو برفی کا پیس ہی لگا جس پر سب کے بیک وقت دانت باہر آئے۔

ظلم تھوڑی کر رہے مسٹر ہبی، یہ تو اس لیے کہ دونوں طرف تھوڑی" بیقراری استوار ہو۔ اہمم اہمم ویسے بیقراری ابھی بھی چاروں سمت عروج پر ہے" کومل نے اب انٹری مارے زرا چھیڑ خانی کیے دونوں دلہنوں کے بیچ

بیٹھ کر دلہوں کی ڈورے ڈالتی نگاہیں پکڑیں جس پر وہ دونوں گلال سا ہوئے نظریں چرا گئے۔

نا کرو تنگ بچوں کو، بھئی ابھی والی ملاقاتوں کا تو مزہ ہی الگ ہے۔ بھئی بچو" میرے طرف سے موج کرو" تبریز کی ایسی عنایت پر تو گویا چاروں کے چہرے بلب کی طرح جل اٹھے تھے مگر یہ تو بس ہلکا پھلکا فن تھا۔ بھلا دلہنوں کی مایوں کی رسم تب تک کیسے مکمل ہو سکتی ہے جب تک دلہے انھیں ہلدی نہ لگائیں۔ ہاں کل مہندی پر سب نے فل سختی کا پلین کر رکھا تھا لہذا آج کی چاروں کو کھلی رعایت مل گئی جس پر اب زرار کی رسم دوبارہ چل پڑی۔ گاوں کی لڑکیوں نے وہ ڈھولکی بجا کر گانے گائے کہ گویا سماں بندھ گیا اور مرد حضرات نے باہر جا کر مزید سلیبریشن کی جن میں کچھ علاقائی رقص اور چند پنجابی گانے گائے گئے اور چونکہ ڈھول والے بھی اپنی خوشی منا رہے تھے تو انہوں نے بھی وہ دھنیں بجائیں کے پورا گاوں ہی جشن سے گونج اٹھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"فنکشن کے بعد سب ہی اپنے اپنے آرام کے لیے ہم کہاں جا رہے ہیں"

اب کمروں میں جا چکے تھے تبھی تیمور نے کمرے میں آ کر رمشہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے لیے حویلی کے چھت پر جانے لگا۔ چھت پر بھی ہر طرف لائٹنگ تھی۔ رمشہ جو تیمور کی خوشی پر خود کو قربان محسوس کر رہی تھی ساتھ ہی چلتی ہوئی بولی۔

"دیکھو بارش ہونے والی ہے۔ میں اس بارش کو مس نہیں کرنا چاہتا تم میرے ساتھ رہو" آسمان پر چھائے سیاہ ابر آلود بادلوں کو دیکھتے ہوئے تیمور نے اسے دونوں شانوں سے تھامے اپنے روبرو کیا اور وہ بھی اب ہلکی ہلکی چلتی ٹھنڈی ہوا کو اپنے اندر اترتا محسوس کر رہی تھی۔

"اب ہم ہمیشہ ساتھ ہی تو ہیں، بائے داوئے یہ گال پر ہلدی کے ٹریسز مٹائے نہیں۔ کیا بارش کا ویٹ کر رہے ہو" رمشہ کو اسکی گال پر لگی ہلکی سی

ہلدی دیکھ کر ہنسی آئی تو وہ خود اپنے ہاتھ سے اسکی گال پر نشان ہٹانے لگی مگر اس سے پہلے ہی تیمور نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اپنے حصار میں قید کیا اور وہ باقاعدہ ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

یہ چاہتی ہے کسی کے ہونٹ یہ کام کریں، چلو مٹادو" تیمور اس وقت بالکل خماری میں نہ تھا تبھی تو وہ اسکے ایسے سنجیدہ انداز پر مسکرا کر اسکی گال پر پیار دیے ساتھ ہاتھ سے نشان ہٹاتے ہی روبرو ہوئی اور وہ بس بے پناہ چاہت سے اسے دیکھ کر دل میں بھر رہا تھا۔ ہلکی ہلکی پھوار شروع ہوئی تو یک دم تمام لگی لائٹس آف کر دی گئیں اور اب بس حویلی کے اندرونی حصے کی روشنی تھی جو ان دونوں کے وجود منور کر رہی تھی۔

بارش کی بوندیں رمشہ اور تیمور کے چہرے پر بالکل ویسے تھیں جیسے گلاب کے پھول پر شبنم گری ہو۔

"کیا تمہیں بارش پسند ہے" رمشہ نے اپنے ہاتھ کو تیمور کی گال پر سہلائے بارش کے ننھے قطرے مٹاتے ہوئے ہوش ربائی انداز سے پوچھا جس پر تیمور نے اپنی آنکھیں بند کیے مسکان دی۔

"نہیں، آج اچھی لگے گی۔ تمہارے ساتھ تو مجھے دہکتی آگ بھی برف پوش جزیرہ لگے گی۔ تم اتنی مبارک ہو کہ یہ پتھر تمہارے لیے موم ہو رہا ہے" تیمور کی آنکھیں تو خشک تھیں پر کنارے گلاب رنگ ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے بارش کی بوندیں تیز ہونے لگیں۔

"بارش بہت ٹھنڈی ہے" تیمور جو بس قربان ہونے کو تھا، رمشہ کی بوکھلا کر کہی اس بات پر اسکے گرد مضبوطی سے بازو باندھے خود کے بے حد قریب کیے دلفریب ہوا اور دلنشینی کی کرن نے اس میٹھی سی ٹھنڈی چبھن پر پلکوں کو لرزا دیا۔

"میں ہوں ناں شعلہ، بھڑکتا ہوا" تیمور ابھی خود بھی سنجیدہ نہ تھا اور یہ منظر جب وہ بھیگتے جا رہے تھے، ہواؤں کو بھی لاج دلا رہا تھا۔

پھر بھی کچھ کچھ ہو رہا ہے، تمہیں پتا ہے بارش میں بھیگنے سے میری" ہتھیلوں پر جلن ہوتی ہے۔ دیکھو ناں میرے ہاتھ" بارش کی آواز بھی تیز تھی اور رمشہ نے اپنے دونوں ہاتھ لہرائے جس پر تیمور شرارت سے ہنسا۔

یس یہ تمہاری صحت کی ترجمانی کر رہا، کھاتی پیتی نہیں ہو بس سب کو" کھلاتی ہو۔ تھوڑی جان بناو یار، کم از کم میرے جتنی بڑی تو ہو جاو" تیمور اسے واقعی یہ کہہ کر ہنسا گیا، سچ ہی تھا۔ چڑیا جتنا تو کھاتی تھی، تو پھر یہ تو ہونا تھا۔

ھاھا تم ہی ٹھیک ہو بڑے، میں اتنی ہی ٹھیک ہوں۔ کم از کم سردی" لگے تو تم میں چھپ تو سکتی ہوں۔۔۔ ھائے تمہارا یہ بارش میں بھیگنا تمہاری نازک بیوی کو ہلا رہا۔۔۔۔ چلو چھپاو مجھے" کتنی پیاری فرمائش تھی تو جناب من نے بھی پیار سے باہیں کھولے رمشہ کو دبوچ لیا۔

فیلنگ سمتھنگ" تیمور نے آفت بنے اک لرزتی سی سرگوشی کیے اپنی" گرفت مزید مضبوط کی اور وہ بس سرخ ہو کر ہنس دی۔

یس، آئی فیل لائف۔ ہیپینس، کمفرٹ" رمشہ کی بھیگی کانپتی سی آواز آئی" کیونکہ بارش شدید تیز ہو کر تیمور کے ساتھ اسے بھی مکمل بھیگا چکی تھی اور اب وہ واقعی لگتا تھا بارش سے تو نہیں البتہ تیمور سے متاثر ہو رہی تھی۔

خوابوں میں، کانپ رہی ہو۔ ھاھا چلو چلتے ہیں تم سے نہ ہو گا۔۔۔ چلو" وہاں چلتے ہیں" وہیں چھت پر بنا شیڈ ڈروم تھا جہاں وہ اسے الگ کیے ہاتھ پکڑتا ہوا لے کر گیا اور اسکی بھیگی بھیگی حالت پر تیمور اپنے دل کو ہاتھ سے جاتا محسوس کر رہا تھا اور وہ بھی اسکی آتشی آنچ دیتی نگاہوں سے پگھل رہی تھی۔

یو لک آئس کیوب، ھاھا ذرا سی آنچ سے یہیں پگھل جاو گی۔ یو نو تم بہت" خوبصورت ہو رمشہ، اتنی کہ میری بھی بس ہو گئی، اور اس سے بڑا سکھ جانتی ہو کیا ہے۔ تم میری ہو، چوہدری تیمور حق کی" ایک ہاتھ تیمور کا اپنی کمر پر چلتا پا کر وہ واقعی بے حد گھبرا رہی تھی اور دوسرے سے وہ اسکی گال پر بالوں سے نچڑ کر گرتی بوندیں ہٹائے دنیا و جہاں سے بیگانہ ہوا اور وہ تو جنبش تک کی روادار نہ رہی۔

ابھی تو میری بھی بس ہو گئی ہے، ابھی مجھے جانے دو۔ مزید بھیگی رہی تو" سہاگ رات ہوسپٹل ہی ہونی۔۔۔" رمشہ کو یہی لگ رہا تھا کہ ابھی اسے فلو اور چھینکیں لگ جانی جس پر تیمور کی ساری خماری قہقہ بنی مگر اب واقعی وہ نیلی پیلی ہو رہی تھی۔ اسکے لپ سٹک سے بے نیاز گلابی ہونٹ بھی رنگ اوڑھ رہے تھے اور اس سے پہلے کہ تیمور موقعے کا ایک حق دار فائدہ اٹھاتا وہ شرمگیں سا ہنستی اسکی گرفت سے نکل گئی۔

اوکے جاو اور جا کر فوری کپڑے بدل لو، تم پر آنچ نہ آئے بس۔ اینڈ لو ویو""

وہ تو محترم آج مزید بھیگنا چاہتے تھے تبھی رمشہ کی حالت پر جلد ترس کھائے اسے بھیج دیا وہ بھی بس اپنی جان بچاتی فوری غائب ہو کر تیمور کو ہنسا گئی۔

دوسری طرف عاقل نے چپکے سے کمرے میں داخل ہو کر کھڑی کے ساتھ جم کر منہ ساتھ لگا کر ٹھنڈی بارش دیکھتی عائشہ کو مسکرا کر دیکھا اور وہ تو تب بوکھلا گئی جب عاقل نے اسکے چپکے سے اپنے حصار میں لیے اپنی

گال کو اسکی گال سے مس کیا جسکے باعث عاقل کی گال پر لگی ہلدی نے عائشہ کا دھلا منہ پھر پیلا کر دیا مگر وہ عاقل کے اس انداز پر جھینپ سی گئی دوسرا آج جس طرح وہ اسے پکڑے حصار میں قید کیے تھا کہ عائشہ کی کمر عاقل کے سینے سے لگی تھی اور یہ عائشہ کا دل بری طرح دھڑکا گیا۔

اب بنی ہو تم مایوں کی دلہن، کیسا لگ رہا ہے" عاقل کے وجود سے اٹھتی" مہکار نے تو ابھی سے عائشہ کے ہوش اڑا دیے اور دوسرا وہ اسکے کان کی لو کو ہونٹوں سے چھوئے پوچھ بھی ظالم سوال رہا تھا۔

دل گھبرا رہا ہے" عائشہ کی اس بات پر عاقل نے اسکے کندھے پر ٹھوڑی" ٹکائے ہاتھ سے اسکا چہرہ اپنے چہرے کی سمت کیا جیسے پوچھ رہا ہو کس خوشی میں۔

کیوں گھبرا رہا ہے، یہ میں ہوں۔ تم تو مجھ سے بھی بہت زیادہ باہمت ہو،" کیا کچھ ایسا ہے جو تمہیں اداس کر رہا ہے۔ یہاں پلٹو، اور اب بتاؤ مجھے"

عاقل کا یہی چاہ سے بھرا انداز ہی تھا جس نے عائشہ کے اندر زندگی اور ہمت کے ساتھ اس محافظ کے لیے محبت بھری تھی۔

"آپکو پتا ہے سب نشان مٹ گئے ہیں سوائے اس بازو کے، مجھے اسے دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے" عائشہ کی آنکھوں میں عاقل نے کبھی نمی آنے نہ دی تھی مگر یہ ایک ایسا معاملہ تھا کہ جب وہ سمجھدار ہوتی گئی تو اسے خود کے ساتھ بیتی ہر سچائی کا علم بھی ہوا۔ تبھی تو وہ عاقل سے محبت کر بیٹھی، جو اسکے لیے اس دنیا کا سب سے خوبصورت مرد تھا۔

عائشہ کی بازو پر ہلکا سا نشان تھا جو آج بھی بہت مدھم سا دیکھائی دیتا تھا۔

عاقل جانتا تھا کہ عائشہ کو کیا چیز ڈرا اور خوفزدہ کر رہی ہے۔

"مت دیکھا کرو، ہم اسکا کوئی ٹریٹمنٹ کروا لیں گے ان فنکشنز کے بعد۔ وعدہ کرو عائشہ دوبارہ اس بری حقیقت کو یاد کر کے آنسو نہیں بہاؤ گی۔ یہ نشان اب بہت بے وقعت ہے، کسی میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ تمہیں رلا سکے۔ اس نشان میں بھی نہیں۔ تم اب بس مجھے دیکھا کرنا، تمہاری ہر

تکلیف کو جڑ سے اکھاڑ دوں گا۔ نہیں رونا نہیں" عاقل اسکا چہرہ بے قراری سے تھامے خود بھی رنج زدہ ہوا مگر وہ نا جانے اپنے آنسو روک نہ پائی۔

وہ ہمیشہ سے حساس بچی تھی، وقت کے ساتھ ساتھ جب اسے اپنے ساتھ ہوئے اس ظلم کی سمجھ آتی گئی تو ایک وقت تھا وہ مرجھا گئی۔ اسے اپنے جسم پر ناسور کی طرح دیکھائی دیتے چند نشان توڑنے لگتے مگر یہ عاقل ہی تھا جس نے اسے ان آٹھ سالوں میں ہر تپش سے باہر نکالا۔

آپ کو غصہ تو نہیں آئے گا" عائشہ آج واقعی عجیب ہی ہو رہی تھی، عاقل" نے برہمی سے اسے دیکھا اور اسی بازو سے کھینچ کر بازو میں قید کیا اور ہنوز ناراضگی سے اسکے چہرے پر اڈتی نمی ہٹانے لگا۔

آئے گا جب تم آنسو بہاو گی، بہت آئے گا۔ عائشہ تم جانتی ہو تم میرے" لیے ایک وجود یا ایک لڑکی نہیں ہو یار۔ تم میری سہیلی ہو، میرا سایہ۔ میرا ہنسنا اور رونا تم سے ہے۔ یاد ہے ناں جب میں اماں بابا کو یاد کر کے دکھی ہوتا تھا تو تم کیسے اپنی نازک گود میں مجھے سر رکھنے کا کہا کرتی تھی۔ اور یہ بھی یاد

ہو گا کیسے میں پر سکون ہو جاتا تھا۔ میری ہر پریشانی تم سمجھ جاتی تھی، تمہارا ہر درد مجھے محسوس ہو جاتا تھا۔ بتاو کیا جو شخص آٹھ سال تک تمہیں تمام حقوق کے چھونے میں بھی احتیاط برتتا تھا وہ تمہارے وجود پر لگے اس نشان سے متاثر ہو گا؟ جب میں نے تمہارے دل اور روح پر لگے زخم نہیں رہنے دیے تو یہ تو پھر اس ہلکا سا نشان ہے" عاقل اسکے چہرے پر پھیلتی تکلیف کو محسوس کیے اسکی گال سہلائے خود بھی درد میں مبتلا ہوا اور آج وہ عاقل کے اپنی زندگی میں ہونے پر لا متناہی شکر کرنا چاہتی تھی۔

"دنیا بہت گندی ہے، آپکو پتا ہے مجھے یہ حویلی ہی بس اس دنیا کی واحد اچھی جگہ لگتی ہے۔ باقی ہر کوئی بہت برا، آپ پر تو عائشہ جان بھی وار سکتی ہے۔ بنا سوچے۔۔۔۔ بس آج یونہی دل بھر آیا، میں کسی اور کے سامنے رو نہیں سکتی۔ یہ نشان مجھے وہ سب یاد دلاتا ہے۔ ہم اسے لازمی ہٹا دیں گے، میں کچھ بھی برا نہیں سوچنا چاہتی۔ میں بس آپ کی ہوں، اور آپ بھی صرف عائشہ کے ہیں" عائشہ کی بھیگی آنکھیں عاقل کو بھی ہرانے لگتی تھیں، وہ

اسے اتنی تکلیف میں نہیں رہنے دے سکتا تھا۔ بھلے وہ نشان بہت مدھم تھا پر عاقل نے اسے یقین دلاتے ہوئے اپنے سینے سے لگالیا۔

"ہر وہ چیز جو تم کو دکھ دے، عاقل اسے ہستی سے مٹادے گا۔ تم رومت، اور اب تو خوشی کا وقت ہے۔ فائنلی یہ بندہ تمہارا ہو جائے گا، ابھی بس یہ یاد رکھو" عاقل کی گرفت عائشہ کا ہر دکھ مٹا گئی اور وہ اسے سینے سے الگ کیے اب بس چاہت سے دیکھ رہا تھا۔

"مجھے آپ سے بہت بہت بہت ساری محبت ہے، ساری کی ساری۔ مجھ سے کبھی دور مت جایئے گا۔ اگر عائشہ زندہ ہے، ہنستی ہے۔ جیتی ہے تو وجہ صرف آپ ہیں۔ آپ میرا سب کچھ ہیں، بتا بھی نہیں سکتی کے کیا کیا ہیں۔ بس آپ کو دیکھ کر جیتی ہوں" وہ روکر اپنی اتنی پیاری آنکھیں متورم کر گئی جس پر عاقل نے اس روتی شکل کو بہتر کرنے کا ارادہ کیے بہت نرمی سے اسکے احساس میں اتر کر اسے سکون کا بہترین لمحہ دیا۔ وہ بھی اپنے سارے

آنسو اندر اتارے جی اٹھی۔ دوسرا لمس پہلے سے زیادہ طویل اور نرم تھا، جس نے دونوں کو سکھ دیا۔

آئی لو یو ٹو تھری فور۔۔۔۔۔۔انفنٹی۔۔۔۔اب خوش ہو" وہ اسکی گال" سے چھیڑ خانی کیے اب تو یوں شرارت سے بولا کہ وہ بھی روتی ہنس پڑی۔

نہیں، اب تبھی خوش ہوں گی جب آپ مجھے پکی وائف بنائیں گے "آئے" ھائے کیا بے باک خواہش تھی کہ ایک پل کو خود عاقل کا چہرہ بلش کر گیا۔

ھاھا کچی وائف بھی ہوتی ہے کیا؟" عاقل نے اپنے چہرے کے رنگ" چھپائے قہقہہ لگایا اور وہ عاقل شرارت بھانپ کر لاڈ سے گلے سے جا لگی۔

ہاں جیسے ابھی ہوں آپکی کچی والی، آپ مجھ سے دور مت رہنا۔ مجھے اب" آپ چاہیں۔ پورے کے پورے، جیسے سادان بابا فلذہ مما کے ہیں۔ کرمان بابا زینیہ مما کے ہیں۔ ٹھیک ہے ناں" اف یہ لڑکی تو عاقل کو ابھی ہی بہکا رہی تھی، مگر وہ اسکی ہر خواہش سمجھتا تھا۔

ٹھیک ہے،اور کوئی حکم ہے تو کیجیے تاکہ میں فرار ہو سکوں" عاقل نے

اسکے گرد ہاتھ سہلائے تو محترمہ گدگدی سی محسوس کیے الگ ہوئیں۔

اور یہ کہ آپ بہت پیارے ہیں، میرے شہزادے" یہ لڑکی بچارے کو"

بڑا سخت آزمارہی تھی اور عاقل اب گدھے کے سر سے سینگ کی مانند

غائب ہونے میں ہی عافیت جان رہا تھا۔دونوں ہی شرارت سے مسکرا

رہے تھے۔

چلواب سوجاو، ہم سب میل خضرات تو آج لمبی پارٹی کا سوچ رہے۔"

بارش بھی رک گئی ہے۔اورہاں رونامت، گڈنائیٹ" عاقل اسکی گال

سہلائے اسکی فرمابرداری وصول کرتا کمرے سے نکل گیا اور وہ بھی اب

مطمئین سی ہو کر بیڈ پر جالیٹی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مہندی کے لیے ہلا گلا تو فجر سے ہی شروع ہو گیا تھا، حویلی کی گھما گھمی نے یہ بتا دیا تھا کہ فائنلی شادی خانہ آبادی کا سمے ہوا چاہتا ہے۔ رات بارش نے موسم دلفریب حد تک حسین کر دیا تھا، پورا دن آسمان سیاہ بادلوں میں ڈوبا رہا۔ آج کل کی نسبت تھیم الگ تھی۔ دونوں دلہنوں نے گرین اینڈ ریڈ لہنگے پہن رکھے تھے اور جیولیری پیلے اور سرخ پھولوں سے سجی تھی البتہ دلہے آج لیمن کلر کے کرتے اور وائٹ شلوار پہنے ڈارک گرین واسکٹ پہن کر چمک کر لشک رہے تھے۔ یہ تھیم واقعی بہت جچی تھی۔

بچہ پارٹی تو آج بھی آفت ناک حد تک تیار تھی۔ تقویم اور خیرہ آج بھی دلہنوں کی طرح گرین اینڈ ہیلو لہنگوں میں سب سے اپنے صدقہ اتروا رہی تھیں۔ باقی ظافر، کیف، حنظلہ اور اشعر بھی لیمن کلر کرتوں میں دلہے بن کر چھائے ہوئے تھے اور باقی زمیل اور داراب بھی بہت پیارے تیار ہو کر آج اپنی اپنی مما کے پاس تھے۔

مہندی کی رسم باقاعدہ شروع ہوئی جس میں سب نے دلہنوں کے ہاتھ پر رکھے پتے پر مہندی لگا کر سر میں تیل لگانا تھا اور پھر انکا منہ میٹھا کرنا تھا۔اور یہی سب دونوں دلہوں کے ساتھ ہونا تھا۔

سب سے پہلے گھر کا بڑا اور پیارا اکپل ہی آیا، کرمان اور زینیہ۔۔۔۔ تمام مرد حضرات آج قمیص شلوار اور کرتوں میں ہی تھے جبکہ ساری خواتین کے مہندی کے ڈریسز سیم تھے بس رنگ مختلف تھے۔

خیرہ بھی مما اور بابا کے ساتھ ہی چاروں سپیشل ونز کو مہندی لگا کر گئی تھی۔ تینوں واقعی بہت پیارے اور حسین لگتے تھے اور اوپر سے وہ نیاری اور نازک سی خیرہ نے تو دونوں کی زندگی بڑھادی تھی۔اگلی باری تبریز اور عالیہ کی تھی اور زمیل صاحب کو تبرئز کے پاس سونپے وہ پوری فری ہو کر چاروں کو مہندی لگا رہی تھی۔خاضرین مخفل تو بس پل پل ان بچوں کی خوشیوں کی کاملیت کے لیے دعا گو تھے۔

سادان، فلذہ، کومل اور شاویز نے ایک ساتھ انٹری دی اور ان چاروں کے ساتھ تقویم اور داراب بھی تھی۔ باقی بچے آج بڑے دادو ودرمان کے ساتھ گپوں میں گم تھے جوان بچوں کے ساتھ بچے بنے ہنس رہے تھے۔ یوں لگا گویا رنگوں کی بہار آگئی ہے، کپلز کے بعد سب بڑوں نے بھی باری باری چاروں بچوں کی رسم مہندی میں شمولیت کی اور ڈھیر سی دعاوں سے نوازا۔ امام معروف سلطانی صاحب نے خاص چاروں بچوں کو دعاوں اور ڈھیر تحائف سے نوازا تھا۔

رات گئے تک پھر چھوٹی سی علاقائی گیت گانے کی محفل جمی، مہندی کے گانے گائے گئے اور خوف رونق لگائی گئی۔

فنکشن کے بعد رملا جو کہ بہت اچھی مہندی لگاتی تھی، دونوں دلہنوں کو اس نے خوبصورت سی مہندی لگائی۔ عائشہ نے تو فرمائش کر کے زیادہ لگوائی البتہ رمشہ نے بس سیدھے ہاتھوں پر ہی لگوائی اور دونوں کے ہاتھوں پر انکے اپنے اپنے پیا کا نام بھی لکھا گیا۔

آج دلہنوں کو بالکل اپنے دلہے راجاوں سے دور رکھا گیا، کیونکہ کل تو ویسے بھی ملن تھا۔ چونکہ سارا دن آج خوب فنکشن اور مستی میں گزرا تبھی سب ہی تھک ہار کر آج بس اپنی اپنی نیند پوری کرنے کا پلین بنا چکے تھے کیونکہ اصل پارٹی تو ابھی سٹارٹ ہونی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

انسان اس زندگی میں بہت کچھ سوچتا ہے، مگر ہر ایک سوچ کو اسی لمحے قبولیت نہیں ملتی۔ ہر کسی کو اپنی زندگی میں طے شدہ خوشیاں جینے کے لیے مقررہ غم اٹھانے پڑتے ہیں۔ بنا مشکل سہے تو کوئی آسانی ہماری جھولی میں نہیں گرتی۔ کہاں سے چلی تھی یہ کہانی اور آج کس قدر تھی خوشی کی فراوانی۔ منظر اور نظارے دیوانے اور مستانے ہو رہے تھے، واللہ ایسی دلکشی تو نہ پہلے دیکھی گئی نہ آئیندہ دیکھی جائے گی۔

حویلی کا بیرونی احاطہ کسی شاہی دربار جیسی جھلک دے رہا تھا اور سٹیج پر لگے تخت پوش اور ان پر براجمان دو ولی عہد اور دو اپسرائیں جنکو نظر چھو لیتی تو آش آش کر اٹھتی۔ایسی نغمگی، ایسی کاملیت، ایسا حسن، ایسی مہکار، ایسی چاشنی، ایسی دلفریبی کہ بس ہوش و حواس ہر سمت بیگانہ روئی کی جانب گامزن ہو جائیں۔

گہرے سرخ اور سنہری شاہی لہنگوں میں ملبوس دو شہزادیاں، جن کو سر تا پا سینچ سینچ کر انکے شہزادوں کے لیے موتی جڑ کر سجایا اور سنوارا گیا تھا۔سر پر ڈالے فرش بوش آنچل کی گرہ سے آج پیار، محبت اور حق باندھ دیا گیا۔ دونوں پر ماتھا پٹیاں مزید مخملی لگ رہیں تھیں۔رمشہ کی خوبصورتی اسکی نازکی سے جڑھ کر کندن تھی تو عائشہ کی نازکی اسکی کمسن دلفریبی سے میل کھا کر ہر نظر کو رشک میں جا گزیں کر رہی تھی۔

ارے جب نظر دو حسن کی ملکاؤں سے ہٹ کر انکے پہلو میں گئی تو لمحے بھی فدا اور قربان ہوئے۔بلیک شارٹ شیروانی جس پر براون کام تھا، مہکتے

سرخ و سفید چہروں کی شادمانی آخیر رتھی۔ سرتاپا خوشبوؤں سے مہکتے دو قسمت کے دھنی۔ دو سکندر، دو فاتح دو جان عالم۔۔۔۔۔ جہاں تیمور کا ساحرانہ حسن ایک بار پھر سیاہ میں دل پسند حد تک دیوانہ تھا وہیں عاقل کے سرخی مائل رنگ پر یہ سیاہ رنگ تو شیدائی ہوا لگا۔ چاروں ایک سے بڑھ کر حسین، پیارے، ناز و ادا سے بھرے، خوشی سے لبریز اور ملن کے سکھ سے جگمگا رہے تھے۔

عین سامنے کھڑا سادان، خود بھی مکمل بلیک میں دلہوں کو بھی مات دے رہا تھا۔ آج وہ دل تک جی اٹھا تھا۔ اسکی نگاہیں اس حویلی کے ہر فرد کی آسودگی پر مسکرا رہی تھیں۔ آج اس نے عائشہ کو بھی پوری ذمہ داری کے سنگ مکمل عاقل کو سونپ دیا تھا۔ اسے عاقل سے بہت پیار تھا جس نے اسکے آٹھ سال پہلے کیے فیصلے کی ایسی حسین لاج نبھائی کہ سادان کے دل میں اس بازو جیسے عاقل کے لیے مزید محبت پیدا ہوئی۔ عائشہ کی خوشی نے بھی سادان کو اندر تک پر سکون کیا۔ نگاہیں اپنے شیر بھائی پر پڑیں تو ٹھار پا گئیں،

وہ جو جیتا جاگتا اب اس دنیا کا فخر تھا آج آخر کار اپنی محبت کو پا گیا تھا۔ نگاہیں پہلو میں اس سے کہیں درجے آسودہ دلنشین سی فلذہ پر گئی جو پرپل اینڈ میرون شیڈ دلہنگے میں بہت احتیاط سے داراب کو اٹھائے ہوئے سادان کو ہی مسکرا کر دیکھ رہی تھی۔

فائنلی، تمہارے سائیں کو مکمل قرار آگیا" سادان کے لہجے میں آج جیت " سارنگ تھا اور اسکی خوشی نے فلذہ کو تو بنا چھوئے مہکا دیا تھا۔

اللہ آپکے قرار میں اب کمی نہ کریں، یہ بڑھے۔پل پل، میرے سائیں " میرے شہزادے آپکی اس کامل خوشی پر آپکی فلذہ قربان "فلذہ نے بھی چاہت کا سارا خوشبو جیسا احساس اس حسین بادشاہِ وقت کو سونپا اور دونوں کے ہونٹوں پر ایک سا تبسم جاگا اور دونوں کی نگاہیں اس جسم و جاں کے سب سے عزیز گوشے داراب سادان کی سمت ہوئیں جو اپنی بڑی بڑی آنکھیں کھولے مما اور بابا کو دیکھ کر مزید خوشی کا سامان دے رہی تھی۔

سادان تو جب جب اس پری کو دیکھتا، اللہ کا شکر ادا کرتا۔ نگاہیں پھر سے حویلی کی رونق پر گئیں۔

سب سے پہلے بابا سائیں جو آج بنا کسی احساس جرم کے اماں سائیں کے ساتھ سٹیج پر چاروں بچوں کو دعائیں اور محبت سونپ رہے تھے۔ سب سے بڑا سکھ سادان کے لیے اپنی اماں سائیں اور بابا سائیں کو ساتھ دیکھنا تھا۔ اور پھر ساتھ ہی مسکرا کر منظر لبھاتے وہ دو چہرے جن پر سادان اب قربان تھا۔ باپ سے بڑھ کر انس دینے والے کرمان چاچو اور انکے پہلو میں کھڑی انکی کامل خوشی، سادان جب جب انکو دیکھتا بس انکی طویل خوشگوار زندگی کی دعا کرتا۔

کومل اور شاویز پر نگاہیں گئیں تو بس مہک اٹھیں، ہمدرد، دوست، رازدار، وفادار، اور ایسے پیارے یہ دو وجود جو اسکی بہت بڑی طاقت تھے۔ پل پل انکی سلامتی کی دعا سادان کے دل سے نکلتی۔ پھر وہ بہن جسکے دکھ اسے اس لیے بھی زیادہ محسوس ہوتے کیونکہ وہ اس جیسی حساس تھی پر آج یوں تھا

کہ اس سے زیادہ سکھی کوئی تھا نہیں۔ تبریز اور وہ ساتھ اب ایک دوسرے کا عکس لگتے۔ گلناز اور اسد بابا کے چہرے دیکھ کر وہ اللہ سے ان نعمتوں کی شکر گزاری کر رہا تھا، امام صاحب جو اسکی بہت بڑی آسانی تھے اسے دل و جان سے عزیز تھے۔ حویلی میں گھومتی ہوئیں دو گڑیائیں تقویم اور خیرہ تو اسے اپنی بیٹیاں ہی لگتیں، زمیل، حنظلہ، کیف پر بھی وہ جان نثار تھا مگر جب نظروں میں اپنے وجود کے ٹکڑے آئے تو دل میں اک رشک اٹھا۔ ظافر اسے اپنا عکس لگتا تھا جبکہ اشعر بھی عزیز جان تھا اور پھر سب سے خاص بادشاہِ وقت کی تا عمر کی طاقت۔۔۔۔۔ وہ اسکی شہزادی، اسکا اصل قرار، فلذہ کو دیکھ کر سوچتا تھا کہ یہ انمول خزانہ اسے رب نے کس نیکی کے عوض دیا۔ وہ سرتاپا اسکی زندگی کے الجھاو کی سلجھن تھی۔ وہ آج بھی اسے اول دن کی مانند عزیز تھی، اور اسے ظافر، اشعر اور داراب جیسے بیش بہا تحفے سونپ کر تو وہ یوں بھی شہزادے کو اپنا اسیر کر گئی تھی۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا، وہ اللہ سے ہمکلام بھی تھا کہ یہ ساری خوشیاں اب یونہی قائم و دائم رہیں۔

منظور حسین تو اب پہلے جیسے رہے ہی نہ تھے، اب تو وہ چہرے سے ہی پر سکون لگتے۔ خالدہ اور بخت بھی مسکرا کر اپنے دل کی خوشی کی ترجمانی کر رہے تھے۔ ہاں عاقل کو آج بابا کی کمی ضرور محسوس ہو رہی تھی، مالو بھی بڑی جلدی دنیا چھوڑ گیا۔ بعض اوقات والدین کی قسمت میں نہیں ہوتا کہ وہ اولاد کی خوشی دیکھ پائیں مگر وہ خوش بھی تھا کہ اس نے سادان سائیں کو سالا ریاضت کا ثمر اسکے پہلو میں مایوس نہیں کیا تھا۔ اور آج اسکی بھی آٹھ سجا ہوا تھا۔

ہر آنکھ مہکی ہوئی روشن تھی، ہر سماعت میں مسکراہٹیں تھیں۔ ہر پہلو آباد تھا سوائے زلفی کے۔ وہ بھی سادان کے ہوتے کنوارہ ہر گز نہ رہتا مگر اس نے مہک کے بعد خود پر ایسی خوشی کا ہر دروازہ بند کر دیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ اب مہک تک رسائی کو جنت کمائے۔ خود کو اس قابل بنائے کہ کل کو اس دنیا میں نہ سہی پر اس ابدی دنیا میں مہک اسکو سونپی جائے۔ ھائے یہ محبت، پر مہک کا حق بنتا تھا کہ زلفی اسکے لیے پابند رہے کیونکہ مہک کی قبر پر اب

زلفی کا نام درج تھا۔ زلفی تو اسکا دھندے کا نام تھا، حقیقت میں وہ زیب احمد تھا۔ اسکے لیے یہی سکھ کافی تھا کہ اس قبر پر اب مہک زیب احمد درج ہے۔ اللہ ایسی محبتوں میں صبر بھی اپنے خزانوں سے دیتا ہے۔ بشیر اور رملا بھی خیر سے صاحب اولاد ہو کر خوش تھے۔ سادان کا لیا ہر فیصلہ اسکی خالص بادشاہی کا برملا ثبوت دے رہا تھا۔

اور پھر رنگوں، خوشبوں، اور جلترنگ سے اپنوں سے سجی یہ محفل اختتام تک پہنچی اور جہاں خواتین دونوں دلہنوں کو انکے کمروں میں لے گئیں وہیں تمام مرد خضرات نے بھی بس تھوڑی سی چھیڑ خانی کے بعد ہی روانگی کی اجازت سونپ دی۔ کئی دعاوں کے تلے دو نئی زندگیاں شروع ہونے کو تھیں، دونوں کمرے آفت ناک حد تک سجوائے گئے تھے اور آج تو بس خیر نہیں تھی۔ دیوانوں کا حال تو انکے دھڑکتے دل کہہ گئے اور آپسراوں کے حال تو دل کے بے لگام ہونے سے بے حال ہو چکے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دونوں دلہنوں کو کمرے میں بہت شرافت سے بھیج دیا گیا جو کہ ایک پلس ایڈوانٹیج تھا۔ ھائے پہلے سے انتظار کے لمحے پل پل کاٹنے والوں کو تڑپایا نہیں جاتا اور یہی اصول بہت خوبصورتی سے لاگو کیا گیا۔ تیمور جو اپنی شیروانی کی جیکٹ اتار کر بازو پر دھرے مکمل سیاہ میں کسی چاند کی طرح دمک رہا تھا، دروازہ کھولنے کی دیر تھی کہ نگاہیں پھولوں سے سجی سیج پر بیٹھی رمشہ پر گئیں تو بس وہیں تھم گئیں۔ آج تھا وہ دن جب تیمور چوہدری نہ صرف اس من پسند لڑکی کے دل کا حاکم تھا بلکے اسکے وجود کی شادمانی کا بھی باعث تھا۔ دونوں کی دھڑکنیں آج ہم آہنگ طور سے بے ہنگم تھیں۔ جیکٹ وہیں صوفے پر دھرے وہ چہرے پر دنیا وجہاں کا سکون اوڑھے چند قدم چلتا ہوا رمشہ تک پہنچا جو آج دل بے قرار کے فرار پر ہلکان تھی۔ تیمور

نے بنا کچھ کہے اپنی ہتھیلی رمشہ کی سمت بڑھائی جسے وہ شرمائی سی تھام کر اٹھتی ہوئی اب اپنے کل جہاں کے روبرو آچکی تھی۔ وہ اسے سر تا پا پورے حق سے دیکھنا چاہتا تھا۔ آج وہ صرف اسکے لیے سجی تھی لہذا اس دہکتے کندن حسن والی کا کوئی سنگھار آج تیمور کی نظروں سے چوک جاتا تو یہ ناانصافی ہوتی۔ دونوں آج اپنی اپنی مہک میں معطر تھے اور یہ خوشبو ایک دوسرے کو دان کرنے کے تمنائی تھے۔

"رمشہ، تم جانتی ہو یہ سب مجھے ابھی بھی اک خواب لگ رہا ہے۔ مجھ سا بے نام شخص ایسی اونچی قسمت کیسے پا گیا، آج یہ لڑکی میری رسائی میں ہے، آج اس پر صرف میرا حق ہے"

تیمور کو وقت نے بہت منجھا اور بہترین انسان بنا چھوڑا تھا، اب جا کر ہی تو وہ رمشہ کے قابل ہوا۔ اپنے ہاتھ کے انگشت پور کے سنگ وہ اسکے چہرے پر سہلاتا ہاتھ اسکی گردن تک لے کر گیا اور جھک کر خوشبو جیسا لمس دھرے

رمشہ کے وجود کو اپنے اختیار میں کر گیا۔ وہ تو بس خود بھی آج کسی کمی پر راضی نہ تھی۔

تم میرے حق دار ہو، تمہاری شرط بھی پوری ہو گئی۔ اعتبار، محبت، رضا" اور مان سب تمہارے نام" رمشہ بھلے یوں تیمور کی قربت میں بوکھلائی ہوئی تھی پر وہ اسے اب بہت اونچا مقام دے چکی تھی۔ تیمور نے اک آسودہ سانس سے ایک مہکی سانس کی پر زور سی تجارت کیے اپنا اور رمشہ کا دل جکڑا اور وہ اب اسکے دوپٹے کو تھوڑی کوشش کے بعد اس سے جدا کر گیا جو گر کر فرش بوس ہوا۔ تمام تر زیورا بھی تیمور کو ہر گز گوارا نہ تھا، وہ بھی مسکرائی سی گھبرا کر تیمور کی مدد کرنے کے سنگ جلد ہر الجھن سے آزاد ہوئی۔ تیمور کی چاہ سے، عاشقی سے انتہا کی لبریز آنکھوں نے رمشہ کے حسن کی نظر اتاری، وہ آج واقعی ایک دوسرے سے بڑھ کر حسین لگ رہے تھے۔

"بہت لمبی جنگ لڑ کر تمہیں فتح کر پایا ہوں، تم نہیں جانتی تم تک کی اس رسائی کی خواہش نے مجھے کس قدر تشنگی سے نوازا تھا۔ میں اپنی تنہائی تمہارے عکس سے آباد کرتے کرتے اب واقعی تھک گیا تھا، سوچتا ہوں اب بھی میری معافی قبول نہ ہوتی تو کیسے جیتا"

تیمور کے لہجے میں ان آٹھ سالوں کی تپش تھی اور وہ اب رمشہ کی کمر میں ہاتھ جکڑے دوسرے سے اسکے چہرے پر بے قراری درج کر رہا تھا اور وہ بس آج تیمور کے کسی اظہار اور کسی شدت کے سامنے جنبش تک نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"میں جانتی ہوں، کیونکہ اس جنگ اور تشنگی میں برابر کی حصہ دار رہی ہوں۔ مجھے بہت ڈر لگتا تھا کہ اگر تم اس نفرت سے اکتا کر مجھے چھوڑ بیٹھے تو کیسے جی پاؤں گی۔ اس جدائی اور جنگ کے ہم دونوں مستحق تھے، مجھے تمہاری کمی دے کر یہ بتایا گیا کہ میری نفرت جتنی بھی بڑھ جائے، اس رشتے کا وزن ہمیشہ حاوی رہے گا۔ اور جب تمہیں چاند بنا دیکھتی تھی تو دل

بند ہونے لگتا تھا کہ کہیں تم مجھے اب سچ میں فراموش نہ کر دو۔پر تم۔۔۔۔۔تم نے مجھ سے واقعی ایمان والی محبت کی تیمور، مجھے معاف کر دو"

رمشہ کی آنکھوں میں وہ نمی دیکھ نہیں سکتا تھا پر اس بات پر تو خود تیمور کی آنکھوں میں سرخی تھی۔

"ہاں بہت محبت کی ہے تم سے، اس وقت سے جب شاید میرے اندر انسانیت جیسا کچھ نہ تھا۔میری محبت سچی تھی، پر زور تھی تبھی تمہارا دل میرا ہوا، مجھ سے دوبارہ معافی مت مانگنا رمشہ، کبھی مت مانگنا۔میں اس آٹھ سال کی سزا پر راضی ہوں، مجھے کوئی دکھ نہیں۔سب زخم تم بھر چکی ہو، یقین کرو آج میرے دل پر کوئی بوجھ نہیں، میرا سانس بحال ہے۔بہت خوش ہوں، ہاں اب خوشی کا اظہار کرنے کا سلیقہ نہیں رہا لیکن آج کروں گا۔بے حد، بے انتہا"

رمشہ کا پورا وجود تیمور کی خوشبو سے مہک اٹھا، وہ آج سب فراموش کر کے صرف رمشہ کو محسوس کرنا چاہتا تھا۔ تیمور کے ہر لمس میں نرمی تھی، اک معذرت تھی۔اک تشنگی کی طوالت تھی،اور تنفس کے بکھرنے پر دل تو کیا لمحے بھی ساکت ہو رہے تھے۔دونوں بے حد قریں ایک دوسرے کو گہرائی سے محسوس کر رہے تھے۔

مجھے تمہارا اظہار دل و جان سے قبول ہے، تم بہت پیارے ہو تیمور۔" یقین مانو یوں لگتا ہے میرے ہی وجود کا حصہ ہو، سب لاج، جھجھک اور ڈر "معدوم ہو رہا ہے۔ جانتے ہو ناں ایسا کب ہوتا ہے

رمشہ بھی آج بس تیمور کے احساسات پر خماری میں جا گزین ہوئی جا رہی تھی۔ تیمور نے اسکی پیشانی کو چومتے ہوئے اپنی گال اسکی گال سے مس کی اور کانوں کی لو پر ہونٹ دھرے مسکرایا۔"جب آگ دونوں طرف برابر لگی ہو"اف یہ آفت ناک سرگوشی جس نے محترمہ کے انگ انگ میں

لرزاں سرائیت کیااور یک لخت ہی وہ سرخ ہوتی تیمور کے گلے جا لگے ہنس دی۔

"اب میں اتنا بھی پیارا نہیں، تم جانتی ہو تیمور کس بلا کا نام ہے۔پر سچ پوچھو"

"پھول جیسی بیوی کو توچ کرتے بھی ڈر لگتا، چھوئی موئی ٹوٹ ہی نہ جائے

تیمور کے پہاڑ وجود کے مقابلے میں وہ واقعی بہت پتلی اور سمارٹ تھی اور تیمور کے اسکے گرد خماری سے سہلاتے ہاتھ رمشہ کو گدگدا رہے تھے اور وہ اب ڈر بھی رہی تھی اور شرما بھی رہی تھی۔

"نہیں ٹوٹتی، آزمالو"

رمشہ کی گھبرائی سی دبی آواز پر تیمور نے بلش کرتے چہرے سے اس چمٹی دلہنیا کو شانوں سے پکڑے روبرو کیااور اب تو تیمور خود اسکے چہرے کی اڑی ہوائیاں دیکھ کر ہنس رہا تھااور رمشہ تو اسکی ہنسی ابھی پہلی بار دیکھ کر کہیں کھو چکی تھی۔ہوش تو تب آیا جب تیمور نے اب کی بار نرمی ترک کیے گستاخی کی۔

تمہیں پتا ہے کتنی لڑکیوں کا کرش ہے تمہارا شوہر ،بچاریوں کے "

ارمان ۔۔۔انکے بقول میں تو سڑا اور کھڑوس ہوں۔ بھئی وہ کیا جانیں کے

میری ساری محبت ،شدت ،چاہت ،نرمی اور ریاضت کی اکلوتی حق دار

"صرف رمشہ تیمور حق ہے

وہ اب اپنی ٹون میں واپس لوٹ کر رمشہ کے چہرے پر اپنی کہانی لکھ کر اسے

بھی بہکاتا جارہا تھا۔

"نرمی نکال دو اس میں سے"

رمشہ نے بھینا بھینا ہنس کر شکوہ کیے شوہر صاحب کو مزید تبسم خیز

شرارت میں مبتلا کیا۔ وہ اسکے شکوے میں چھپے مفہوم سے بے نیاز آج بس

اپنی ہر شدت لٹا رہا تھا۔

ھاھا یہ میری ہر ممکنہ نرمی ہی ہے مسز تیمور ،تم کچھ اوور نازک ہو۔اب "

میں کوئی چنا منا تو ہوں نہیں جو دوشیزہ والی نرم شدت اختیار کروں۔ تم تو

"ابھی سے پگھل رہی ہو ،ماتھے پر ابھی سے نمی

تیمور تو شریر ہوئے اب بچاری کی جان لینے کے درپہ اسے تنگ کر رہا تھا جو آگے ہی اسکی بڑھتی شدت پر بے حال تھی۔

"سامنے بھی تو آگ کا گولہ ہے"

رمشہ حیا سے سرخ ہوئے بولی اور تیمور کی ہمت نے یہیں جواب دیا اور وہ اسکی نازک کمر کے گرد بازو حائل کیے اسکے رنگ بدلتے آتشی حسن کو بالکل چہرے کے مقابل لائے دیکھتا ہوا سنجیدہ ہوا اور وہ تو گویا ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ اتر آئی ہو۔ تیمور کی شرٹ کو مٹھیوں میں بھینچے وہ واقعی پگھل رہی تھی۔

آتش فشاں کہو، اس سے پہلے کہ یہ لڑکی مجھے اپنی حسن سے بے لگام و" "بے باک کردے، کچھ لفظ تمہارے نام کرنا چاہتا ہوں

تیمور نے اسکی گال پر اپنے ہونٹ رکھتے ہوئے فرمائش کی جس پر رمشہ کی سماعت تو کیا دل تک بے قرار ہوا۔ "میں منتظر ہوں، کہو" رمشہ کا نازک

ہاتھ تیمور کے ہونٹوں پر جار کا جیسے وہ اسکے لفظ اپنی انگلیوں کے پوروں سے چھونا چاہتی ہو۔

"میں تمہارے لئے پھول چننے چلا ہوں مالی بنا ہوں سبھی کاسنی، زرد، روپہلی اور لال اودے، سنہری، ہرے نیلگوں پھول تو چن لیے ہیں مگر پھول تمہارے لئے ایک بھی مجھ کو بھایا نہیں ہے کسی بھی دھنک میں نہیں مل سکے گا کوئی رنگ ایسا جو نرمی سے بھرپور رنگوں کی حدت سے معمور ہو گا وہ اک پھول بس میرے اندر کھلا ہے میری شاہزادی مری ذات کے کوہ و دامن سے آتی صداؤں کو رہبر بنا کر تمہیں پھول چھونے کی خاطر ذرا کشٹ اٹھانا پڑے گا تمہیں مجھ تک آنا پڑے گا"

تیمور کا وارفتگی، بے خودی سے کہا ایک ایک لفظ رمشہ کے چہرے پر ملن کی خواہش بڑھا گیا۔ آج وہ اس قدر خوش تھی کہ یہ خوشی اسکے انگ انگ سے چھلک رہی تھی۔

آوں گی، جہاں جہاں کہو گے وہاں آوں گی۔ آئی لو ویو سو مچ، اور اب "
تمہیں خود پر پوری اجارہ داری دیتی ہوں۔ مکمل کر دو اس ادھوری کہانی کو،
"دور مت رہو

رمشہ نے اب کی بار خود ہر حد توڑ دی اور عشق ان دونوں کی تشنگی پر فدا ہو گیا۔

"آئی یو یو ٹو، میری زندگی کا سکون ہو تم۔ دور تو اب رہ بھی نہیں پاؤں گا"
تیمور کی بڑھتی شدتوں نے لفظوں کے گلے کاٹ دیے۔ بس ایک دوسرے کو سونپا گیا، چپ چاپ ایک دوسرے کو مکمل کیا گیا۔ لمحے تک پاگل ہو گئے، ایسا ملن تو آج پہلی بار ہوا تھا۔ اتنا عاشقانہ، اتنا دلبرانہ اور اتنا معتبر کے جسم و جان تو ایک ہوئے ہی پر دلوں نے ایک دوسرے کی سلامتی کی دعائیں بھی مانگی۔ آخر کار ان دونوں کی ریاضت بھی ختم ہوئی، اور دو وجود ایک سانچے میں ڈھل گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج تو محترمہ عائشہ کو نہ بیٹھے چین تھا نہ چہل قدمی کرتے۔ عاقل کا سوچ سوچ کر اب اسے ٹھنڈے پسینے آرہے تھے، کل تک محترمہ بے باکی کی ہر حد بار کیے دلیر تھیں مگر شاید یہ گھڑی ہی ایسی تھی کہ وہ اپنے دھڑکتے بے ربط دل کو قابو کرنے میں ناکام تھی۔ دوپٹہ تو محترمہ نے پہلے ہی گھبراہٹ میں اتار دیا تھا جبکہ اتنا پیارا جوڑا ابھی کھولے ہوئے وہ آئینے سے بھی نظر چراتی ہوئی بال کھولے بوکھلائی لگی اور رہی سہی کسر دروازہ کھلنے کی آہٹ پر پوری ہوئی اور وہ جو جس جگہ کھڑی تھی وہیں سن ہو گئی، عاقل نے اندر آتے ہی دروازہ بند کیا اور اک سنجیدہ نظر پھولوں سے سجے کمرے میں کھڑی اس کلی پر ڈالی جواب سر جھکائے رخ موڑ کر بے دردی سے اپنے نازک سرخی مائل ہاتھوں کو مسل رہی تھی۔ عاقل صاحب تو آج آفت ناک انداز میں اپنی شیروانی کے بٹن کھول کر کوٹ اتار کر بیڈ پر رکھے چکے

سے عائشہ تک پہنچے۔ وہ جو بھینا بھینا گھبرا رہی تھی، عاقل کے ہاتھوں کا بازوں تلے سے آکر اسے خود میں سمولینا عائشہ کے سہمے ہر خدشے کو ہٹا گیا۔ وہ جانتا تھا وہ اس وقت بہت سہمی ہے تبھی چپ چاپ اسکے کندھے پر ہونٹ دھرے اسے گدگدا گیا۔ بھلے تیمور نے آج اپنی شیو تراش کر معمولی کرلی تھی مگر عاقل اپنے سٹائیل کو آج بھی فالو کیے ہوئے تھا، تبھی داڑھی مونچھ کے بالوں کی میٹھی سی چبھن پر عائشہ کانپ سی اٹھی۔ "کوئی کہہ رہا تھا کہ آپ بالکل رومینٹک نہیں، آج بتادوں کیا کہ مسٹر عاقل کتنے رومینٹک ہیں"

عاقل کی شرارت سے مزین سرگوشی پر عائشہ نے بھی گھبرائی سی مسکان سے اپنا ہونٹ دانت میں دبایا۔

"بتائیں، لیکن بنا دیکھے"

عائشہ کی اس معصومیت پر عاقل جی جان سے مسکرااٹھااور اسکی کمر پر پھیلتے بال اسکے آگے ڈالے اب وہ اسکی گردن پر گدگدی زدہ لمس دھر رہا تھااور وہ تو یوں تھی جیسے بس یہیں گر جانے والی ہے۔

بنا دیکھیے کیوں، آج تو تمہیں دیکھنے کے تمام حق میرے پاس موجود "
"ہیں

عاقل اسکے گرد ہنوز ویسے ہی گرفت بنائے اب اسکی گال سے گال جوڑے محبت سے بولا جس پر عائشہ نے دل کو پھر سے بے لگام ہوتے پایا۔

"آج آپ کیا کریں گے، پہلے بتائیں"

عائشہ کی اس نازک بات پر عاقل کا قہقہہ گویا خود عائشہ کو متذبذب کر گیا اور اس کے اپنے گرد عاقل کی پکڑ میں دگنی شدت محسوس کی۔

اس معصومیت پر قربان ہو جاوں۔ وصل کی پہلی شب اور انکا ناز سے یہ "
کہنا سچ بتائیں کیا کریں گے شمع بجھ جانے کے بعد؟۔۔۔۔ عائشہ تم جانتی

ہو میں کیا کروں گا، اور کہاں ہے میری بے باک شیرنی۔ یہ بھیگی بلی کہاں سے آئی، کون لایا یہ بھیگی بلی، کس کی ہے یہ بھیگی بلی"

عاقل کا میسنی سی ہنسی میں ایسا سب کہنا گویا عائشہ کا دل جکڑ گیا اور اب تو اسے سخت شرم بھی محسوس ہو رہی تھی۔

"آپ کی ہے یہ بھیگی بلی"

عائشہ کی گھبرائی سی آواز پر اب بہت ہو گیا تھا بنا دیکھے پیار، عاقل نے ایک ہی جھٹکے سے عائشہ کو موڑ کر روبرو کیے ویسے ہی جکڑا جو واقعی آج اس قربت کے لمحوں میں پوری سرخ رو تھی۔ یہ منظر تو خود عاقل کو ہوش سے بیگانہ کر گیا۔

"ھاھا بلی نہیں، آفت۔۔۔۔۔۔ آج تک میں نے تمہارے حسن کی کبھی تعریف نہیں کی۔ یہ بھی میری حفاظت کا حصہ تھا مگر آج، تم اتنی پیاری اور حسین لگ رہی ہو کہ ایسی لڑکی شاید اس روح زمین پر نہیں

عاقل اسکے اس قدر قریب تھا کہ وہ بات کر رہا تھا تو وہ سانس کی حدت کی مہکار سے اپنا آپ بے جان محسوس کر رہی تھی۔ پلکیں اٹھا کر وہ عاقل کو دیکھ کر مزید تباہی پھیلا گئی۔

"کتنی پیاری، تفصیل کون دے گا"

عائشہ کی بے باکی کچھ لوٹ رہی تھی مگر وہ ابھی بھی حیا میں لال ہو رہی تھی۔ عاقل تو آج واقعی دل ہار رہا تھا، دل چاہا سب باتیں چھوڑ کر بس اس حسن کی ملکہ کو ہر طرح چھو لے۔

"تفصیل کے لیے مجھے ہر حد توڑنی ہو گی"

عاقل کی ذو معنی بات پر عائشہ نے عاقل کی گال پر پیار دیا اور اپنی بازو بھی عاقل کی پشت پر رکھیں۔ عاقل نے جھک کر عائشہ کی پیشانی پر ہونٹ رکھے اور وہاں سے وہ بھٹکتا ہوا کسی اور گہرائی تک جا پہنچا مگر اس سے پہلے ہی عائشہ اسکی گردن میں منہ چھپائے ہنس دی۔

قسم سے آپ آج بہت زیادہ وہ ہو رہے ہے، شرم آ رہی مجھے۔ آپ تو میری "
"سوچ سے بھی زیادہ بڑے ہیر و ہیں

دبی دبی آواز پر عاقل نے اسکی شرارت سے تنی صورت جھک کر دیکھی جو پھر سے ہنستی ہوئی اب مزید جکڑے تبسم میں نہا گئی۔ "آج تو جو مرضی آئے، عاقل تو خود پر نان رومنٹک ہونے کا الزام مٹا کر ہی دم لے گا۔ تمہیں پتا ہونا چاہیے آج کے دن دلہن چھپ نہیں سکتی شاباش یہاں آئے میری "
"چھوٹی سی آفت

عاقل تو آج واقعی ہر حساب کلئیر کرنے کے موڈ میں بڑے ہی لاڈ سے عائشہ کی ہنستی صورت سامنے لائے بیٹھا جس پر عائشہ نے اپنی گز بھر کی زبان نکال کر بندری پوز دے کر خود عاقل کو ہنسا دیا۔ " مجھے آپ بتائیں پہلے، کہ آپ مجھ سے کتنا پیار کرتے ہیں۔ اچھا سا بتائیں سب پھر آپکو پیار "
"کرنے کی اجازت ملے گی

عائشہ بی بی کو تو اٹکیلیاں سوجھ رہی تھیں اور اسکی اس شرارت پر عاقل نے بھی اس پھرکی کو دبوچ لرزاں خیز سکتہ پھیلایا اور اب کے بار یہ حق دار لمس تھا جس نے پل بھر عائشہ کے حواس بھی شل کر دیے۔ کتنی ہی دیر وہ اس اظہار کی مردانہ ڈوز پر بے حال رہی اور جب پلکیں اٹھائے نگاہیں عاقل سے ملیں تو وہ اب اسکی پیشانی سے پیشانی ملائے سنجیدہ تھا۔

"چیٹر"

منہ بسور کر عائشہ نے بے ربط سانس سے کہا جس پر اگلی کوشش پہلے سے کہیں بڑھ کر تھی اور عائشہ کو لگا آوازیں آنا بند ہو گئی ہیں۔

گندے بچے ہیں آپ، میں نے آپکو کٹ لگانی۔ مجھے بول کر بتائیں ناں، "ورنہ میں رو دوں گی"

عائشہ نے اب کی بار روہانسا ہوئے عاقل کی شرارت زدہ شکل دیکھی جس پر اب وہ واقعی سنجیدہ ہوئے عائشہ کا چہرہ تھامے اپنا چہرہ ساتھ لگائے آنکھیں موندھ گیا مگر وہ دیکھنا چاہتی تھی۔

"یہ دل جو وابستہ رہا ہے فرض و حفاظت اور تم سے۔ بے شمار جذبات اور احساسات اپنے اندر مقید کئے ہوئے ہے۔ خوشی شادمانی اور شادابی کے سبھی لمحے رنج والم ہجر و ہجرت کی سبھی سوغاتیں تمہاری خوشبو سے مخمور سبھی دن اور راتیں میرے وجود کی زینت رہی ہیں میرے قلب و ذہن کے دریچوں سے کشید شدہ سبھی ارمان تم سے لپٹ کر امر ہو چکے ہیں دل کے کمرے کا پینٹ، پردے کیلنڈر سبھی بدل ڈالے نہیں بدلا تو بس تمہارے ہونے کا احساس۔ تمہارے فسوں نے اس بے نام کو جنون بخشا۔ تمہارے تلک جو رسائی ہے اس نے مجھے سکون بخشا۔ میں اپنے دل کی نہیں مانتا پر، میری جان میں تحلیل بس ایک تم ہو ہر اک کہانی میرے سامنے دو پل کی تھی، پر طویل بس ایک تم ہو۔ یہ دل جواب وابستہ رہے گا خوشی، سرفرازی اور تم سے"

عاقل کا لفظ لفظ عائشہ کے دل میں بھی ویسا ہی طلسم جگا گیا اور جب عاقل کی آنکھیں کھلیں تو خود پر عائشہ کی بھیگی نگاہوں نے اسے پاگل کیا۔

اتنا سارا پیارا، یہ آپ نے میرے لیے کہا۔ سب میرے لیے کہا۔۔ کیا"
"میں آپکو اتنی پیاری ہوں

عائشہ کی نازک آنکھیں رو دیں اور عاقل نے اسکی گالوں پر لڑکھتے آنسووں پر اپنے ہونٹ رکھے، وہ روتی نہ تو کیا کرتی۔ یہ شخص تو اس کے لیے بس مبارک تھا۔

اس سے کہیں درجے عزیز اور پیاری ہو، بہت محبت کرتا ہوں اپنی اس"
ننھی سی جان سے۔ آج تم میری مکمل محبت کی مستحق ہو عائشہ، آج تم یہ جان جاوگی کہ محبت کیا ہوتی ہے۔ تم سے پہلے تک تو عاقل ایک ربورٹ تھا، بس وفاداری اور فرض۔۔۔۔ پھر میری زندگی میں اک ٹھنڈا ہوا کا جھونکا تمہاری صورت آیا۔ یہ چھوٹی سی لڑکی کب میرا اقرار بنی میں وہ دن یاد نہ رکھ پایا، میری اپنی، بے پناہ اپنی صرف تم ہو۔ میرے جینے کی خوبصورت وجہ، میری سہیلی نازک سی، میری جان۔ ہاں تم جیسا میرے "لیے ابد تک اب کوئی نہیں

عاقل کی محبت اتنی آسودہ تھی کہ عائشہ اپنا آپ اسے سونپنے کو بے قرار ہوئی، وہ اسکے وجود کی ہر شادمانی کا تقاضا نبھانے کی چاہ رکھتا تھا۔ وہ اسے خود میں سموتا جا رہا تھا۔

مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے، آپ مجھ سے اتنا پیار کرتے ہیں۔ دل کر رہا ہو" لوں پر نہیں رونا، اب مجھے آپکی محبت دیکھنی ہے۔ مجھے خود سے کبھی دور
"مت کریے گا، آپ میرا ابھی سکون ہیں

عائشہ تو روئی سی کملا اٹھی جس پر عاقل اسکو زیوارت سے نجات دلوا کر اپنی بازوؤں میں اٹھا کر لے جا کر بیڈ پر لٹا کر خود بھی اس پر جھک چکا تھا جس پر عائشہ نے خود پر تنی ٹھنڈک میں خود کو محبوس محسوس کیا۔

کبھی دور نہیں کروں گا، اور میری ساری محبت اب صرف تمہارے لیے " ہے۔ اللہ سے دعا کرتا ہوں وہ تمہیں اس محبت کو جذب کرنے کی ہمت
"دیں

عاقل کی ذو معنی دل دھڑکاتی بات نے عائشہ کے چودہ طبق روشن کیے اور اب اسکی خواہش کا ظالمانہ سا احترام واجب تھا۔ابھی وہ قریب آرہا تھا اور عائشہ کا دل رضا سے بھر گیا۔

"آئی وانٹ یو، آمین ثم آمین"

عائشہ نے سرخ ہو کر پلکیں گرا کر عاقل کی زندگی کا سکھ اسے پورے حق سے سونپا۔عاقل نے اک مسکان زیر لب چھپائے رہی سہی ہر حد کو بڑی محبت سے توڑا۔یہ رات اپنی کامیلت پر جی اٹھی،دو دل اور وجود ایک ہوئے۔کمرے میں مہکتے پھولوں اور جلتی موم بتیوں کو بھی حیا آئی۔ہر کوئی اس ملن پر جان نثار ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میڈا سانول مٹھڑا شام سلونا۔ من موہن تے جانان وی توں۔ میڈا حسن " تے بھاگ سہاگ وی توں، میڈا بخت تے نام نشان وی توں۔۔۔۔۔ "

بالکونی میں کھڑا سادان اور اسکے پہلو میں اسکی رگ جان جو اسکے گرد بازو پھیلائے سادان کے منہ سے برآمد شدہ شعر پر بے ساختہ ہنس دی اور وہ جو ایک ہاتھ اسکی کمر کے گرد حائل کیے تھا دوسرے کی انگشت شہادت سے اسکے ماتھے پر آئی لٹوں سے کھیلتا ہوا اسکی آنکھوں میں دیکھے جی جان سے اظہار کر رہا تھا۔ داراب میڈم تو مزے سے نیند میں گم تھیں تبھی تو بابا کو مما ملی تھیں۔ "کتنا پیار کرتے ہیں آپ، تھکتے نہیں ہیں سادان۔ یو نو آپ سے زیادہ تو اب مجھے خود سے پیار ہوتا جا رہا ہے، کتنی بڑی نعمت ہیں آپ میرے لیے"

فلذہ کی رشک میں لپٹی آنکھوں پر وہ باری باری ہونٹ رکھے مسکرایا اور وہ اب ہنس دی۔

تم سے پیار کرنا میری ہر تھکن مٹاتا ہے فلذہ،اور یہ تو بہت خوبصورت "
بات ہے تمہیں اب خود سے بھی محبت ہے۔ہاں نعمت ہوں میں اور تم
"سادان حق کی زندگی کی وجہ

سادان نے بھی چاہت کی ہر حد توڑے فلذہ کو مزید ہوا میں اڑا دیا۔آج بھی سادان کے لمس میں اتنی ہی شدت اور تازگی تھی جیسی روزاول تھی۔ محبت کی یہی تو بات ہے کہ یہ وجود کے پرانے ہونے کے ساتھ نکھرتی ہے۔

آج فائنلی عائشہ اور رمشہ کی زندگی بھی مکمل ہو گئی،بہت خوش ہوں کہ "
سب حسین ہو گیا۔اللہ نے آپکو جتنے امتحان دیے تھے ناں اس سے بڑھ کر جزادی ہے۔میری سب سے بڑی آسانی تو آج بھی آپ ہیں میرے سچے شہزادے،ہر مرد کو آپ جیسا ہونا چاہیے۔دنیا حسین ہو جائے،آپ اس
"دنیا کے واحد انمول مرد تھے جو میرے ہیں

فلذہ کی ہنستی اور خوشی سے نم سی آنکھیں ترجمان تھیں کہ وہ سادان کو پا کر ہی آج اتنی آسودہ ہے۔ سادان نے مسکرا کر فلذہ کی مہکتی سانسوں سے ہمکلامی کیے اسے خود میں سمو لیا۔ دونوں اس آسودگی پر دل تک آمادہ تھے۔

"بالکل اللہ صابریں کو اپنا دوست رکھتا ہے، جیسی زندگی اور حالات میں نے فیس کیے ہیں مجھے اب بھی حیرانگی ہوتی ہے کہ میں کیسے سرفراز ہوا۔ یہ کوئی آسمانی مدد تھی، ورنہ تم جانتی ہو فلذہ میں یہ جنگ کبھی نہ لڑ پاتا۔ میں حقیقت میں بہت کمزور سا شخص تھا پر اللہ نے میری ہر مقام پر مدد کی۔

جہاں مجھے بے سکون کرنے والی ہزار چیزیں تھیں وہیں میرا سکون بھی سب سے جدا تھا۔ تمہاری صورت۔۔۔۔ایک مرد تب اور مضبوط ہو جاتا ہے اسے ایک پاکیزہ، وفادار ہمسفر مل جائے۔ میری جیت کی ایک بڑی وجہ تم ہو۔ اور یقیناً تم رہو گی"

سادان کی گرفت میں اسکی ہر چاہت کی شدت شامل تھی اور فلذہ تو روم روم مہک اٹھی۔

"ان شاءاللہ، اب تو داراب بھی ہے۔۔۔۔وہ بنے گی اپنے بابا کی آنکھوں کی ٹھنڈک۔۔۔بس دعا ہے آپ پر آنچ نہ آئے اور اللہ آپکا سایہ ہم سب پر سلامت رکھیں"

دراراب کے ذکر پر ہی ساداں نے رخ پھیر کر بیڈ پر مزے سے سوئی داراب کو دیکھا تو ابھی بھی اسکی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔

"آمین۔ واقعئ یہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ میں چاہتا ہوں یہ بالکل تم جیسی بنے، اس میں تمہاری ہر خوبی ہو۔ معصومیت، پاکیزگی، اور کشش۔۔۔یہ مجھے جنت میں ہونے کا احساس دلاتی ہے فلذہ، میں اپنی بیٹی کو اپنا فخر بناوں گا۔ یہ بھی لڑکیوں کے حق میں کھڑی ہو گی اور اپنے بابا کے مشن کو آگے لے کر جائے گی"

ساداں کے خواب تو بہت اونچے تھے جس پر فلذہ اسکے ساتھ لگی اب اپنی ننھی جان کو دیکھ رہی تھی جو سوتے میں ابھی سے بالکل دسٹربنس برداشت نہیں کرتی تھی۔

"ان شاءاللہ، اور آپکی بک کا کیا بنا؟ کب آئے گی"

فلذہ نے چہرہ اٹھائے کچھ یاد آنے پر پوچھا جس پر وہ دونوں پھر سے باہر کی سمت رخ کیے ہوئے تھے۔ سادان نے فلذہ کو روبرو کر کے اسکی پیشانی چومی۔

آفٹر ٹو ویکس، فائنلی جسکا تھا انتظار وہ شہکار آنے کو ہے۔ بٹ یار ابھی نام "

"مت پوچھنا کیونکہ وہی تو سرپرائز ہے اس لیے دو ہفتے کا انتظار فرماو

سادان کا یوں کہنا تو محترمہ کو مزید تجسس دے گیا مگر وہ جانتی تھی یقیناوہ بہت خوشی پانے کو ہے۔ سادان نے تمام تر مسکان جذب کیے پھر سے بھکنے کی تیاری پکڑی اور وہ سادان کے یوں یک لخت بے لگام ہونے پر آج بھی ہلکی پھلکی سرخ ہو جاتی تھی۔

اب آپ تین بچوں کے فادر ہیں مسٹر ہسبنڈ، اتنے نازک مت ہوا کریں "

"مجھے پہلے سے زیادہ شرم آتی ہے

فلذہ نے ساداں کی بڑھتی بے تکلفی میں حائل ہوئے ہنس کر کہا اور وہ اسے جکڑے شرارت سے اٹ گیا۔

"بچے ہو گئے، بڑے بھی ہو رہے۔ ہوتے رہیں گے پر ہم اماں ابا نکے ہیں۔ایک دوسرے کے تو دیوانے اور لوور ہیں ناں میری شہزادی، ٹوکا مت کرو ورنہ ذوز ڈبل کر دوں گا۔ آئی تم شرمیلی سارے جہاں کی"

ساداں کی اس شریر ذو معنی بات پر کتنی ہی دیر فلذہ ہنستی چلی گئی اور خود ساداں کے ہونٹوں پر بھی خوشی سے لالی اتر آئی۔ "ھاھا آپ کا بھی جواب نہیں، او کے حضور آپکی کنیز اب نہیں ٹوکے گی۔ معذرت جو آپکے جذبات کے سمندر میں خلل ڈال دیا ہو"

فلذہ نے بھی شرارت کا بھرپور بدلا دیا اور دونوں ہی ہنستے ہوئے محبت کی دلچسپ سی بہار میں پیوست ہوئے۔

"ھاھا میری جان، تبھی تو کہتا ہوں مجھے تم سے عشق ہے۔اور عشق پر کسی حد بندی کا زور نہئں ،اور پھر جب عشق محرم بن کر اپکی رگوں میں

دوڑتا ہو تو کیسی شرم کیسی لاج، میری کل محبت کی اکلوتی حق دار صرف فلذہ

ساداں حق ہے"

ساداں کے لفظ محبت میں اٹے تھے اور چپکے سے دونوں نے ایک دوجے کی مسکان چرا کر ایک دوسرے کے وجود میں محلول ہونے کو ہی سکون جانا۔ وہ اب ایک ساتھ آسمان پر نکلے چاند کو اپنی دلفریب نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ اور وہ چاند بھی انھیں ویسی ہی نگاہوں سے مرکوز کیے ہوئے تھا۔ اے عشق! تجھے کسی کی نظر نہ لگے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ملن کی رمز وجودوں کے اندر تک اتر گئی، ایک دوسرے کو ایک دوسرے کا بنا گئی۔ عائشہ کے تمام خدشے سحر سی نرمی میں گرد پھیلتی گداز باہوں نے رات ہی ختم کر دیے۔ وہ عاقل کی ہو کر جان گئی کہ مرد واقعی محافظ بھی ہو

سکتا ہے، بنا نوچے اور مارے بھی وہ عورت سے اپنا سکھ پا سکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ جب گاڑی کے دو پیئے برابری کے کام کرتے ہیں تو دونوں کا آرام و سکون بھی برابر ہونا چاہیے۔ عاقل کی صورت اسے اپنا جہاں مل گیا تھا اور اب وہ اپنی آخری سانس تک عاقل کی شادمانی بننے پر راضی تھی۔ پھر وہ بد دماغ سا تیمور جو اب دنیا کا چاند تو تھا ہی اب سے رمشہ کا حقیقی سکھ بنا۔ آج وہ سمجھا تھا کہ وہ واقعی رمشہ سے کچھ بہت ہی ایماندار عشق کر بیٹھا۔ ارے وہی عشق جو گلیوں کی خاک چھاننے پر لگا دے، فقیر بنا دے پر یہاں تو فقیر کو پیر بنا دیا گیا۔ جا عشق تیری بھی کیا منتق ہیں۔ جسے چاہتا ہے تو عذاب دیتا ہے، جیسے چاہتا ہے گلاب دیتا ہے۔ رمشہ بھی کامل ہوئی، اسکے ماہ کامل نے اسے بھی ساری تکلیفوں کا ثمر دیا۔ ولیمے کی تقریب تو بارات سے بھی شاندار تھی، ہر چہرے پر رقم خوشی انکے سہے جانے والے غموں کے انعام کی صورت درج تھے۔ سلطانہ اور درمان پل پل رب برتر کے شکر گزار تھے کہ اللہ نے انکو سرخرو کیا تھا۔ انکا بچہ بچہ آسودہ تھا۔ ہر برائی کو زوال

ہے، یہاں بھی زوال آیا۔ عروج کے بعد زوال تو طے تھا۔ فرعونیت جتنی بھی بڑھ جائے ایک دن اسکا عبرتناک خاتمہ ہوتا ہے۔ جیسے انجیل کا ہوا، جیسے فیضاں بے موت مری۔ جیسے یاور، خذیفہ اور شان نے موت کاٹی۔ جیسے منگو اور بھٹی بے موت پھنسے۔ اللہ کے ہاں دیر ہے، اندھیر نہیں۔ وہ ڈھیل ضرور دیتا ہے پر ایک جھٹکے سے ظالموں کی رسی کھینچنے کے لیے۔ بنا اپنے حصے کی جلن سہے ہم کبھی آرام نہیں پا سکتے، بنا اپنے حصے کے غم سہے ہم اپنی خوشیاں بھی نہیں جی سکتے۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، کبھی کبھی تو یہیں بو کر یہیں کاٹنا بھی پڑھ جاتا ہے۔ توبہ ہی بہترین نجات ہے۔ اللہ کے سوا کسی کو اپنا مدگار نہ بنانا، وہ خود تمہاری مدد کے شاندار وسیلے بنائے گا۔ اور جو رب کے حوالے کر دیا جائے وہ تو امر ہو جاتا ہے۔۔ انسان خدا کی محبت کو بہت دیر سے سمجھتا ہے- پھر جانتا ہے کہ وہ ہم سے اتنی محبت کرتا ہے کہ ہمیں ہمیشہ بہتر سے بہترین عطاء کرتا ہے- بس ہم ہی ہیں جو ضد پر اڑ جاتے ہیں، اسکی نافرمانی کرتے ہیں، ورنہ اس کے اختیار میں کیا نہیں ہے؟ وہ اگر

چاہے تو ایک نافرمانی پر ہمیں آسمان سے زمین پر دے مارے, مگر وہ ایسا کرتا ہی نہیں, اسکی رحمت اسکے غضب پر بھاری ہے, کبھی مڑ کر ماضی کو دیکھو تو تم جان جاؤ گے اس نے تمہیں کب کب اور کہاں کہاں سنبھالا... ! جب تم اکیلے تھے تب کہاں کہاں اس نے تمہارا ہاتھ تھاما, جس کے تم قابل بھی نہیں تھے اس سے بھی تمہیں نوازا جب تمہارے پاس کچھ نہیں تھا تب , کیسے ناممکن سے ممکن کے وسیلے پیدا کیے, انسان جب یہ سمجھ جاتا ہے تب سارے شکوے ختم ہو جاتے ہیں, پھر معجزے ہوتے ہیں- پھر گمان یقین میں بدلتے ہیں, خدا سے محبت, محبت نہیں ایک امید ہے, ایسی امید جسے کوئی زوال نہیں۔۔۔ بیشک۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دو ہفتے بعد ____

"محزون روحیں یکجا ہو جائیں تو غم ہوا ہو جاتا ہے وہ اک دوسرے کی طرف کھچی چلی جاتی ہیں، اس اجنبی کی طرح جو دوسرے اجنبی کی طرف یوں جاتا ہے جیسے وہ اسکی گمشدہ متاع ہو غم جنہیں ملاتا ہے وہ دل ارضی مسرتوں سے جدا نہیں ہوتے، اور وہ محبت جو خون کے اشکوں میں غسل کرتی ہے، ابد تک لازوال اور مقدس رہتی ہے"

شیریں تکلم، الفاظ کی ٹھنڈی چاشنی میں لپٹے چند لفظ ہی سماعتوں کو جکڑ گئے۔ دور دور تک بیٹھے معززین محفل اس سٹیج پر کسی کتاب کو کھول کر اس میں محو بادشاہ وقت وہ سن رہے تھے۔ سٹیج وال پر لگی اسکی بک کا کوور اور آڈینس کی پہلی نشست پر براجمان اسکی شہزادی رشک کے سنگ آج اپنے شہزادے کو زندگی کے ایک اور سفر پر گامزن دیکھ رہی تھی۔ تالیوں کی گونج اور سر دھنتے لوگ اس نئے مصنف کو سراہنے کے لیے جمع تھے۔ آج یہاں چوہدری سادان حق کی کتاب کا منظر عام اور دنیا کے سامنے آنے کا

دن تھا، اسکی بک لاونچ ہو رہی تھی۔ وہ لفظوں کا سمندر جو شہزادے نے اپنی شہزادی کے نام کیا اس میں سے چند سطریں وہ ساحرانہ اور دل موہ لیتے انداز میں پیش کر رہا تھا۔

میں جانتا ہوں ایک لڑکی کو جسے میں نے پہلی بار ستمبر کے ابتدائی ہفتے" میں تلخیوں، تکلیفوں کی لہروں سے کھیلتے دیکھا وہ چلو بھر عطا ہوا در دلیتی اور خود پر ترس کھانے والے کی سمت پھینک کر کہتی

"اپنی مہربانیاں اپنے پاس رکھ"

وہ مسکراتے ہوئے دو جہانوں میں کرفیو نافذ کروا سکتی تھی اس کے صندلی بدن سے گرتے ہوئے پسینے کے قطرے پچھلی صدی کی وائین سے قیمتی تھے اس کے ہونٹوں نے جس شخص کا نام پکارا خدا نے اس شخص کے لیے جنت لکھ دی۔ اسے بارش میں بھیگنا اچھا لگتا تھا وہ کھل کے ہنسنا اور رونا پسند کرتی تھی ہم نے بہت ساری راتیں ایک دوسرے کے ساتھ خاموشی سے گزار دیں بہت سے مشترکہ غم چاہت کی تیز دھار چھری سے ذبح کر دیئے

اس کے باوجود بہت بار اپنے مزاج کو خیال کے نرغے سے باز یاب نہ کرواسکے وہ ایک دن مجھ سے دور سفر پر چلی گئی اور میں کھلے آسمان کے نیچے انتظار کی بانسری بجاتے سوچتا تھا" کیا وہ میری یاد میں وہ گیت گاتی ہو گی جو "میں نے اس کے ہاتھ پر لکھا تھا یا صرف آنسو بہاتی ہو گی

سادان کی نظم بلاشبہ فلذہ کے نام تھی، تالیوں کی دلفریب گونج نے اس ابھرتے لفظوں کے شاعر کو اس قدر سراہا کہ ہر کوئی اس شخص کے محبوب پر رشک کرنے لگا جو نم آنکھوں سے سادان کی سمت دیکھ رہی تھی۔ "بہت خوب، ڈاکٹر سادان حق آپ نے تو محفل لوٹ لی۔ آپکی یہ کتاب یقیناادب کی دنیا میں اک انقلاب لائے گی، اب میں سٹیج پر دعوت دینا چاہتا ہوں مسز سادان حق کو کے وہ آکر اپنے اس مہربان سے شاعر کے لیے چند لفظ کہیں" سٹیج پر کھڑا میزبان دل و جان سے خوشی لٹائے اب فلذہ کو سٹیج پر دعوت دے رہا تھا جو گاؤں میں سبھی اس بک. پبلسنگ ایونٹ میں بھی سادہ سے لباس کے ساتھ سر پر دوپٹہ اور کندھے پر چادر اوڑھے ہوئے ماہرانی

دیکھائی دے رہی تھی۔ حویلی کا ہر فرد سادان کی کتاب کو لے کر بہت ہی خوش تھا۔ پھر سے مسرت کی فراوانی لیے سادان نے اپنا ہاتھ فلذہ کی سمت بنی ہر ایک سے محبت و پیار بڑھایا اور وہ پر اعتماد انداز میں اب سادان کا حصہ وصول کر رہی تھی۔ ہر نظر اس پیارے کپل کو دعائیں دے رہے تھے۔

سب سے پہلے میں اپنے پیارے سے شاعر کو انکی کتاب "مجھ مست کو بھا گئی وہ سانولی" پر مبارکباد پیش کرتی ہوں۔ محبت ہر کوئی کرتا ہے، جنگیں بھی ہم میں سے کئی لوگ لڑ لیتے ہیں۔ اپنے لیے جینا بھی ہر کسی کو آتا ہے مگر محبت میں محبوب کو محبوب ترین بنانا بہت تھوڑے لوگ جانتے ہیں۔ ان میں ایک ہمارے شاعر ہیں، وہ جنگ جس نے اس گاوں کی تقدیر بدلی اسکے جنگجو ہمارے شاعر ہیں۔ مجھ جیسی سانولی کو اپنے دل کی ملکہ بنانے والے ہمارے شاعر ہیں۔ اور جو اپنے سوا ہر ایک کے لیے جیتا ہے اسے "سادان حق کہتے ہیں۔ اللہ آپکو ہر میدان میں سرخرو کرے

گاؤں کا ہر فرد دلفریب نگاہیں لیے اس جوڑے کو بس دعاؤں سے نواز رہا تھا۔ ساداں حق نے اپنی زندگی کی الجھن سے لے کر آسانی تک ہر چپٹر درج کر کے اپنی شہزادی کے نام لفظوں کا سمندر درج کر دیا۔ حاضرین محفل میں نا صرف حویلی کا ہر آسودہ فرد تھا بلکے کئی شاعر اور لکھاری بھی اس تقریب میں مدعو تھے۔ تالیوں کی ایک فخریہ گونج ابھری اور یوں ساداں نے اپنے ہاتھ میں پکڑی اپنی کتاب فلذہ کو سونپی اور دونوں ایک دوسرے کی سمت دیکھ کر جی اٹھے۔ "تھینک یو فار دس بیوٹی فل گفٹ"

فلذہ نے سرگوشی کیے ساداں کا دل مہکایا۔ تبسم ہونٹوں سے چھوئے وہ آج بے حد پر سکون تھا۔ "میں اس شدید محبت اور چاہے جانے کے غرور کے نشے میں، تاحیات مستی اور سرشاری کے عالم میں، تمہیں اپنی طلب کی کیفیت میں جھومتا دیکھ کر، ننگے پیر رقص کرنا چاہتا ہوں۔ 'مجھ مست کو بھا گئی وہ سانولی'، دس از آ شارٹ سمری آف مائی لائف۔ تم مجھے بھائی تو ہی

مجھے زندگی گزارنی آئی۔ میں تمہارے ساتھ اپنی زندگی کی ہر عمر جینا چاہتا

"ہوں۔ آئی لو ویو مائی کوئین

سادان کی سرگوشی نے فلذہ کے چہرے پر بہار جگائی، وہ رشک میں اٹی

کھکھلائی۔

سات رنگوں کی قَ- سم تُو میرا رنگ ہشتم میں تیرے رنگ میں رنگتے ہی"

"سنور جاؤں گی آئی لو ویو ٹو مائی کنگ

فلذہ نے محبت سے بنا چھوئے ہی سادان کا انگ انگ مہکا دیا۔ دونوں کی

ہنستی مسکراتی تصویر کیمرے میں قید ہوئی۔ یہ خوشی، یہ اختیار یہ

پیار۔۔۔۔۔ سدا اسلامت رہیے۔ خوشیوں کی طویل عمر کو پل پل

گزرتے لمحے دعا گو تھے۔ ہر کوئی شادمان تھا شاداب تھا، اور یونہی شاداب

رہنے کو تھا۔

ختم شد